لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب

اس میں شک نہیں کہ عقل والوں کے لئے ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے

جو نامور تھے فقط اُن کا نام باقی ہے — نہ جم جہان میں ہے باقی نہ جام باقی ہے

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب

(اس میں شک نہیں کہ عقل والوں کے لئے ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے)

جو نامور تھے فقط اُن کا نام باقی ہے ۔ نہ جم جہاں میں ہی باقی نہ جام باقی ہے

واقعاتِ مملکتِ بیجاپور

سنہ ۱۳۳۲ھ

این تاریخ ہمایون مشتمل است بر احوال خاندان شاہان بیجاپور

سنہ ۱۳۲۳ فصلی ۔ مشتمل بر سہ حصص ۔ سنہ ۱۳۳۲ھ

حصۂ سوم ۔ جس میں ۔ ۔ فوٹو ہیں

مصنفہٗ

خاکسار بشیر الدین احمد (دہلوی) اول تعلقہ دار (کلکٹر)

ضلع رائچور ابقاہ اللہ عزّ وجلّ بالعافیہ ۔ ۔ رور

ممالک محروسۂ سرکار عالی نظام

خلد اللہ ملکہٗ

طبع اول ۔ جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں ۔ سنہ ۱۹۱۵ء ۔ ۔ جلد

در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صاحب طبع شد

فہرست مضامین حصہ سوم واقعات مملکت بیجاپور

تمت بالخیر

فہرست تصاویر حصہ سوم واقعات مملکت بیجاپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ

کہو کہ روے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ (تم سے) پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا۔

حصۂ سوم واقعات مملکت بیجاپور

مشتمل بر حالات تاریخی و مقامی مقبوضات سلاطین عادل شاہی

پہلا ضمیمہ ادھونی[۵۱]

یہ ایک تاریخی مقام ہے جو رائچور سے ۴۳ میل اور دریاے تنگ بھدرا سے ۲۶ میل مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے کا ایک مشہور اسٹیشن ہے۔ مردم شماری ۱۶۴۳۰۔ روئی کے بیوپار کی بڑی منڈی ہے متعدد کاٹن پریس اور جیننگ فیکٹریاں ہیں۔ ادھونی کی وسیع جاگیریں

[۵۱] ادھونی کے حالات فراہم کرنے کے لئے میں زین الدین صاحب محاسب لوکل فنڈ کا ازبس شکرگزار ہوں کہ وہ خود ادھونی گئے مقامی حالات کے سوا تمام کتبے بھی نقل کر کے لائے۔ ۱۲ من المصنف۔

بلھاری بھی شامل تھی۔ ادھونی پہلے راجگان بیجانگر کی مملکت میں تھی۔ بعد جنگ تالی کوٹہ ۱۵۶۵ء سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہوا۔ بعد زوال سلطنت مغلیہ امیر الامراء سید محمد شریف خاں بہادر شجاع الملک بسالت جنگ فرزند نجمی نواب میر نظام علی خاں بہادر مغفرت مکان کی جاگیر رہی۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں برٹش گورنمنٹ نے اُس ملک کے معاوضہ میں جو دریائے تنگبھدرا کے شمال میں تھا لے لی۔ قدیم زمانے کے تاریخی حالات بہت اختصار سے لکھے جاتے ہیں۔ پلگنڈہ کا پہاڑ سات سو سال کے پیشتر بالکل گھنا جنگل اور درندے جانوروں کا مسکن تھا جنوب کی طرف ایک بلند پہاڑی میں ایک بڑی کھوہ ہے اس میں کبھی کبھار جوگی اور سنیاسی جو تارک الدنیا اور مرتاض ہوتے تھے آکر ٹک جاتے تھے۔ اس پہاڑ کے اطراف ایک مہیب جنگل ہے جس میں بہت سی قلب گھاٹیاں ہیں۔ شمالی کوہستان سہاجل کی طرف سے قدیم زمانے میں ایک سنیاسی کریا شکتی وڈیرہ نامی مع اپنے بھائی چاکٹ (خورد) شکتی وڈیرہ کے آیا اور اس جگہ کو انسان کی دست برد سے خالی پاکر رہ پڑا۔ چھوٹے بھائی کے ساتھ اُس کا لڑکا سدا سیو بھی تھا۔ وہ نوجوان دنیا دار لڑکا تھا اُس نے اپنے چچا سے کہا کہ اس سنسان جنگل بیابان میں کیا دھرا ہے مجھے تو دولت اور ملک کی تمنا ہے۔ چچا نے کہا اچھا اور دور دور سے معمار اور بڑھئی جمع کر کے ایک حصار بنوانا شروع کیا۔ مزدوری کی تقسیم میں کرامات تھی کہ سدا سیو کے پاس ایک جادو کی لکڑی تھی کہ جہاں اُس سے ریت کے ٹیلے کو چھو دیا۔ بس چاندی سونا نکلنا شروع ہو جاتا تھا۔ اس طرح برابر تیرہ برس جنگل کے صاف کرنے زمین کے ہموار کرنے اور طیاری حصار میں لگے۔ دنیا کا کاروبار کریا نے اپنے بھتیجے کے سپرد کر دیا اور خود اس قلعہ اور اوپر جو پہاڑ ہے وہاں جا بیٹھا چنانچہ سنہ ۵۳۳ھ میں اس قلعے کا نام "شکتی گیری" تھا۔ آگے چل کر اور کئی پہاڑ اس میں شامل ہو گئے۔ آبادی بڑھ گئی اور پلگنڈہ نام پڑ گیا۔

سدا سیو (۲۹) سال تک اس خطہ پر حکمراں رہا۔ آخر کار دنیا سے گزر گیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا ملک ارجن وڈیر راجہ ہوا اُس نے پلگنڈہ سے دریائے کا دیری تل گھاٹ تک قبضہ کر لیا اور اسی کے عہد میں مشرق کی طرف جو پہاڑ و المباڑی بارہ محل واقع ہے اس کو بھی گھیر لیا اور ملک ارجن گڑھ کے نام سے موسوم ہوا۔ جنوب کی طرف ایک بستی ارجندرہ نام آباد کی

اور چندر گیری کا حصار کھینچا - یہ راجہ بھی (۲۲) سال سلطنت کرکے لاولد مرگیا - اس کے بعد اُس کا بھانجا رام چندر راجہ ہوا - اُس کے زمانے میں شمالی ہندوستان سے ایک بڑا ذی علم اور متبرک برہمن وِدّیاران نامی آیا اور ویرہنیا دیوی کے مندر میں جو بہت قدیم ہی پرستش شروع کی - یہ بیچارہ مفلس گدا تھا دولت ملنے کی دعا کرتا تھا ایک دن خواب دیکھا کہ مجھے دولت نہیں مل سکتی مگر تیرے مرے بعد جب تو دوسری جون میں آئے گا تو البتہ تجھے جاہ وحشم حاصل ہوگا - یہ معلوم کرکے ہوس دنیا سے ہاتھ دھویا اور تارک الدنیا ہوگیا پھر دوبارہ خواب نظر آیا کہ ہاں تو اب اصلی حالت میں آیا اور دوسرا جنم لیا اب تو کامیاب ہوگا مانگ کیا مانگتا ہی - وِدّیارن نے کہا کہ دنیا ہیچ ہے مجھے کچھ نہیں چاہئے مراد دینے والا بھگوان ہی جب وقت آجائے گا خود بخود مل جائے گا - تجھکو ہی کچھ مانگنا ہی تو مجھ سے مانگ لے - خدا کو وِدّیارن کی یہ بات پسند آئی اور سونے چاندی کا مینہ برسا - اِسی دولت سے اس برہمن نے آناگندی کی بنا ڈالی - برہمن بڑا جوتشی تھا ساعت دیکھ کر بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا اور کاریگروں سے کہا کہ جب میں سنکھ پھونکوں تم بنیاد کا پہلا پتھر اُسی وقت رکھنا - شیطان نے اس ساعت سے پہلے ہی سنکھ پھونک دیا - معماروں نے بنیاد کا پتھر رکھ دیا - اُس کے بعد وِدّیارن نے سنکھ پھونکا معلوم ہوا کہ پہلے سنکھ کی آواز پر بنیاد رکھی جاچکی - وِدّیارن متحیر ہوگیا اور کہا کہ افسوس اگر اُس ساعت میں یہ کام ہوتا جو میں نے تجویز کی تھی تو یہ شہر ابد الآباد تک قائم رہتا اب صرف پانسو برس اس کی عمر ہی بعد ویران ہوجائے گا - غرض شہر آناگندی[۱] اور بیجانگر[۲] کی بنیاد ڈیڑھ ہی جو بارہ کوس

---

[۱] آناگندی کا اصلی نام پہلے انگادی تھا جو انگادپسروالی کے نام سے موسوم تھا جو اس بستی کا اصلی بنانے والا تھا رفتہ رفتہ انگادی سے آناگُندی ہوگیا - دوسری وجہ تسمیہ یہ ہی کہ یہاں راجگان بیجانگر کے بہت سے ہاتھی رہا کرتے تھے - آنا کنڑی میں ہاتھی کو کہتے ہیں اور گُندی گلی - یعنی ہاتھیوں کے رہنے کی جگہ ۱۲۔

[۲] وجیا نگر - راجہ کا نام وِجایا تھا اور نگر بمعنی شہر - دوسری وجہ تسمیہ یہ ہی وِجایا بمعنی فتح - ہندوستانی اس کو بیجانگر کہتے ہیں - اس شہر کو وِدّیانگر بھی کہتے تھے یعنی دار العلم اور تیسری وجہ یہ ہی کہ وِدّیارن نے اس کی بنیاد ڈالی - ۱۲

گردیں تھے- وہاں ایک غریب چرواہا تھا جو ودیارن کو روز دودھ دیا کرتا تھا یہ شخص بہت اچھا آدمی تھا - ودیارن نے بعد چندسے شہر مع تمام مال دولت کے اس کے سپرد کردیا- یوگا رایل[۵۱] کا خطاب دیا اور خود بنارس چلا گیا - یہ چرواہا اٹھارہ سال حکومت کے بعد مرگیا - اس کے بعد اس کا بیٹا پرتاب رایل راجہ ہوا اُس نے ملک کرناٹک - بالاگھاٹ - تل گھاٹ پر اپنا قبضہ کرلیا اور بہت سی عمارات بنوائیں اور (۲۴) سال سلطنت کرکے مرگیا - اس کے بعد اس کا بیٹا پڑاوڑ رایل مسند پہ بیٹھا - اس نے الکاکوٹ بنایا اور وہاں کا ملنا کو حاکم کردیا - (۲۵) سال کے بعد یہ بھی مرگیا - اس کے بعد اس کے لڑکے اپاجی رایل کو ملک ملا مگر وہ نااہل تھا صرف دو ہی برس سلطنت کرنے پایا تھا کہ بھیمانایک چھتری جو ویش راج کی اولاد میں تھا اور بیدر کا ایک بڑا سردار تھا - بیدر سے وہ لشکر لے کر کرنول میں آیا اور ریاست کرنے لگا اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا سری رنگ رایل رئیس ہوا اور اُسی وقت لشکر کشی کرکے آپاجی رایل کو قید کرکے اِس ملک پر خود قابض ہوگیا -

سری رنگ رایل نے تین جگہ پایہ تخت قایم کیا (۱) بنجھی نگر عرف آناگندی (۲) پلگنڈہ (۳) چندرگری[۵۲] بعض لوگ کہتے ہیں کہ تیسرا پایہ تخت رای ویلور تھا جو بڑا اوررایل راجہ پلگنڈہ جگبتی

---

۵۱ - اصلی سنسکرت کا لفظ راجہ ہی - جسے رای سے بدل دیا ہی - رای کو کنٹری زبان میں رایا یا رایل یا رایلو کہتے ہیں - لیکن راجہ اور رایا اور رایل اور رایلو سب ایک ہی بات ہی - راجگان بیجانگر کو رایا اور رایلو کہتے تھے جیسے کشن دیو رایا چنانچہ حال راجہ آناگندی کا نام سری منت سری رنگا دیو رایلو ہی - اور سمستان کا نام نرپتی -

۵۲ - کاٹپڈی گڈور سکشن میٹرگیج مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے کا سٹیشن ہی جو کاٹپاڈی جنکشن سے (۵۸) میل ہی - ریلوے سٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہی جہاں تلنگان کے راجگان چندرگیری نے ایک محل بنایا ہی جس کا نام راجہ محل ہی - یہ سارے کا سارا محل پتھر کا ہی لکڑی کا اس میں کہیں نام نہیں - اس کے پاس ہی ایک دوسرا مگر ذرا چھوٹا محل ہی جس کو رام محل کہتے ہیں - ان دونوں محلوں سے اوپر وار کو پہاڑ پر ایک قدیم قلعہ ہی جس کو نرسنگ راجہ بیجانگر نے بنایا تھا لیکن اب یہ عمارتیں خراب وخستہ حالت میں ہیں تاہم راجہ محل کچھ درست کراکے رسٹ ہوس کے کام میں لایا جاتا ہی ۱۶۳۹ء میں راجہ چندرگیری ہی نے سب سے پہلے مطرکا

بھوپت راج حاکم شلتنکرام اور شام گڑہ اساش نے بنایا تھا۔ سری رنگ رایل نے اسے از سرِ نو آباد کیا۔ (۳۲) سال کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بیٹے ہر ہر رایل نے (۲۹) سال حکومت کی اس راجہ نے اس پہاڑ پر جہاں سے کاویری ندی نکلتی ہے ایک بڑا دیول بنوایا تھا۔ یہ راجہ آنا گندی ہی میں مرا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے رام چندر رایل نے (۲۸) سال سلطنت کی۔ پھر اس کا بیٹا ہری رایل ۵۶۷؁ھ میں مسند نشین ہوا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ تشریف لائے۔ اس طرح برابر ساٹھ سال تک چھتریوں کا راج رہا۔ اسی زمانے میں سلاطین بہمنیہ کا عروج ہوا اور قلعہ جات اسیر گڑہ۔ جنیر۔ اودگیر۔ دیوگیر عرف دولت آباد۔ بیدر پر قبضہ ہوگیا۔ اہل ہنود کو مسلمانوں کے برسرِ عروج ہونے سے ڈر ہوا۔ ہری رایل کے بعد چوتھے راجہ پرتاب رایل کے زمانے میں مسلمانوں کے توڑ پر اس نے بھی فوج طیار کی۔ سلطان احمد ولی البہمنی نے پرتاب رایل سے مقابلہ کر کے شکست دی اور شہر گلبرگہ چھوڑ کر بیدر کو اپنا دارالسلطنت مقرر کیا۔ پرتاب رایل نے (۷۰) سال کی عمر میں لاولد انتقال کیا اور اس کا بھانجا دیو رایل راجہ ہوا۔ ہمایوں بادشاہ دہلی نے دکن پر حملہ کیا اور بڑے کشت و خون کے بعد ان کو مغلوب کیا مگر بعد میں صلح ہوگئی۔ یہ راجہ (۲۲) سال سلطنت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ویربھدر رایل اور پھر نرسنھ رایل متمکن ہوئے اور اپنے اپنے زمانے میں مقبوضات کو وسعت اور ملک کو ترقی دیتے رہے۔ نرسنھ رایل کو اولاد نہ تھی مدت کی آرزو کے بعد رانی اور خواص دونوں سے دو لڑکے ہوئے۔ ویر نرسنھ رایل کشن رایل۔ رانی اپنی سوکن کے لڑکے سے جو دونوں میں زیادہ تر ہوشیار اور لایق تھا جلنے لگی۔ رانی کے پاس راجہ کی مہر رہا کرتی تھی رانی نے راجہ کی طرف سے حکم بھجوایا کہ فوراً کشن رایل کو قتل کر کے اس کی آنکھیں نکلوا کر ہمارے پاس بھیج دو۔ راماناؔ وزیر بڑا زیرک تھا سمجھ گیا کہ رانی نے کچھ چال چلی ہے بے قصور بچے کو میں کیوں کر جان سے ماروں اس خون ناحق کا وبال کون اٹھائے گا۔ کشن کو تو چھپا دیا اور ہرن کی آنکھیں نکلوا کر بھیج دیں۔ صبح کو جب یہ لڑکا اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۔ سپرنٹنڈنٹ الیسٹ انڈیا کمپنی فیکٹری فورٹ سینٹ جارج کو ایک ٹکڑا زمین کا دیا تھا جو سب سے پہلی زمین تھی جو انگریزوں کو ہندوستان میں ملی۔

باپ کے پاس نہیں گیا تو راجہ نے وجہ دریافت کی وزیر نے وہ رقعہ پیش کیا راجہ بہت ناراض ہوا اور قریب تھا کہ رانی کو مروا ڈالے مگر خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہا اور اس لڑکے کا ایسا غم کیا کہ پندرہ سال تک گوشہ نشین ہو گیا اور راج پاٹ رانی کے لڑکے کو دے دیا لیکن اہم امور سب اپنے قبضے میں رکھے برائے نام راجہ کر دیا - بارہ سال کے بعد یہ لڑکا مر گیا اُس وقت راجہ کو بڑا صدمہ ہوا اور ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ افسوس کشن نہ ہوا - وزیر نے کہا کہ آپ جس کے سر پر دست شفقت رکھیں گے وہی کشن ہو جائے گا - راجہ نے سمجھا کہ شاید میرا لڑکا زندہ ہے - الغرض کشن اپنے باپ کے پاس آیا راجہ کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا - مدتوں کے بچھڑے ہوئے ملے - ماں کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا - بڈھے باپ کے مرنے پر کشن رایل تخت پر بیٹھا اور اپنے سوتیلے بھائی کو چندر گری کی حکومت دے دی - کشن رای نے امرائے سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا بہتوں کو معزول کر دیا ناچار ارکان سلطنت نے یوسف عادل شاہ سے مدد چاہی لیکن چونکہ ان کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی مقابلے کی جرأت نہ ہوئی - کشن رای کو اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا اس نے وکیل السلطنت سے بے اعتنائی کی جس کی وجہ سے ایک جنگ عظیم ہوئی جس میں راجہ کو شکست ہوئی - اس کے بعد سلاطین مغلیہ کا دور دورہ رہا - ادھر راجہ نے ایک کثیر فوج تین چار لاکھ کی اور تین ہزار ہاتھی جمع کر لئے - راجہ نے جب انتقال کیا سوائے ایک لڑکی اور داماد کے کوئی نہ تھا لہٰذا اس کے بھائی اچیت رای کو تخت پر بٹھلایا جو دو سال کے بعد مر گیا جس کی جگہ کشن رای کا داماد رام راج متمکن ہوا - رام راج اور عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں سے جو معرکے ہوئے ہیں وہ اصل تاریخ میں موجود ہیں اُن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں - رام راج نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر دیا تھا اس لئے علی عادل شاہ - ابراہیم قطب شاہ حسین نظام شاہ بحری علی برید چاروں بادشاہوں نے متفق ہو کر ۱۵۶۵ء میں جنگ تالیکوٹہ میں رام راج کو قتل کیا اور اسی کے ساتھ شہر بیجانگر کو لوٹ کر تباہ کر دیا اور رایان بیجانگر کی سلطنت کا خاتمہ ہوا - اس مقام پر ہم صرف اُن لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں جو خاص ادھونی میں ہوئیں

قلعۂ ادھونی پر سلطان علاء الدین کی چڑھائی ۱۳۴۷ء	سلطان علاء الدین نے ملک کرناٹک پر ایک کامیاب حملہ کیا اور لشکر اسلام کو بہت کچھ لوٹ کا مال ملا لیکن

فرشتہ کے خیال میں مسلمانوں کو کامل فتح نصیب نہیں ہوئی تاہم سلطان مذکور نے جنوبی ساحل دریائے تنگ بھدرا تک اپنے مقبوضات کو وسعت دی اور قلعۂ ادھونی تک پہنچ گیا۔
محمد شاہ بادشاہ نے ۱۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ م ۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء کو انتقال کیا اور اُس کا بیٹا مجاہد شاہ جو ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا اُنیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا مجاہد شاہ نے اپنی تخت نشینی کے چند روز بعد بکّا رائے راجہ بیجانگر کو لکھا کہ چند قلعے اور اضلاع جو درمیان رود کرشنا اور تنگ بھدرا کے واقع ہیں وہ ہم تم دونوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ سے اکثر جھگڑے برپا ہوتے رہتے ہیں تم کو چاہیئے کہ آیندہ کے لئے اپنی حد دریائے تنگ بھدرا کو مقرر کرلو۔ سیف بندر رامیسور کے اُس طرف تمھارے علاقہ میں رہے اور اِس طرف شرقاً و غرباً ہمارے قبضے میں علاوہ اِس کے قلعۂ بنکاپور اور چند دوسرے قلعے اور دیگر مقامات کو ہمارے تفویض کرو تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ نزاع مٹ جائے۔ سلاطین دکن کا دانت ہمیشہ سے قلعۂ بنکاپور پر تھا کیوں کہ وہ بیجانگر اور سمندر کے شارع عام پر واقع تھا اُس کے قبضے سے ہندوؤں کی تجارت بالکل قابو میں آجاتی تھی۔ رائے بیجانگر نے اُلٹا مطالبہ کیا کہ خود بادشاہ کو تمام ملک دوآبہ سے اپنا قبضہ اُٹھا لینا چاہیئے کیوں کہ ہمیشہ سے رائچور اور مدگل اور دیگر مقامات تا کنار رود کرشنا ہمارے رہے ہیں۔ بکّا رائے نے اصلی حد فاصل سلطنت ہنود و اسلام کی دریائے کرشنا قرار دی اور یہ بھی لکھا کہ جو ہاتھی آپ کے والد ماجد امرائے کرناٹک سے چھین لے گئے ہیں وہ بھی واپس کر دیجئے۔

مجاہد شاہ بہمنی کی ادھونی پر لڑائی ۱۳۷۵ء۔

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خشم ناک ہوا اور جنگ کا اعلان کر دیا اور پایۂ تخت اور جمیع ممالک محروسہ ملک نائب سیف الدین غوری کو جو بادشاہ کا نانا تھا سپرد کر کے خود جنگ کے لئے آمادہ ہوا گلبرگہ میں جب لشکر دولت آباد۔ بیدر۔ برار کا جمع ہو گیا تو بادشاہ پانسو ہاتھی کوہ پیکر اور خزانہ اپنے ہمراہ لے کر عازم سفر بیجانگر ہوا۔ کشنا اور تنگ بھدرا دریاؤں کو عبور کر کے قلعۂ ادھونی پر پہونچ گیا۔
جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ رائے بیجانگر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے پرگنۂ گنگاوتی[۱] میں مقیم ہے تو اُس نے صفدر خاں سیستانی کو برار کا لشکر دے کر قلعہ کے محاصرے کے لیئے بھیج دیا

[۱] دریائے تنگ بھدرا سے (۵) میل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ مستقر تحصیل (ضلع رائچور) ہے۔ ۱۲

اور دوسرا لشکر امیر الامرا بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں بیجانگر روانہ کیا اور خود سمت شمال و مغرب دریا کی جانب آہستہ آہستہ مقام کرتا ہوا بڑی پیش بندی سے روانہ ہوا۔ راجۂ بیجانگر کے جنگل اور پہاڑوں میں چھپتا ہوا بندر رامیسر کو بھاگ گیا۔ راجہ کے بھاگنے کی وجہ تاریخ فرشتہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ مجاہد شاہ لشکر کے ساتھ کوچ مقام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا تو اُس کو ایک آدم خوار شیر کی خبر ملی جس نے اطراف و اکناف میں ہل چل ڈال دی تھی۔ مجاہد شاہ صرف سات پیادے ساتھ لے کر پہنچا اور تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ جو ٹھیک شیر کے دل میں جا کر گڑ گیا۔ یہ خبر سن کر ہندوؤں نے بدشگونی سمجھی اور ڈر گئے۔ ادھونی اور بیجانگر کے درمیان اِس زمانے میں شیر تو نہیں ہیں البتہ بور بچے کثرت سے ہیں لیکن ممکن ہے کہ اُس زمانے میں جنگل بھی ہو اور شیر بھی ہوں۔

سیول صاحب نے فرشتہ کی اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے کہ اتنی سی بات بکّا کی پست ہمتی کے لئے کافی نہ تھی لیکن ہمارے خیال میں یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہے اکثر لوگ شگون لینے کے خوگر ہوتے ہیں خصوصاً اہل ہنود جو فال شگون اور مہورت کو بہت مانتے ہیں اور ایک ذراسی بات اگر ہو جائے تو اُس کا بہت خیال کرتے ہیں۔ مجاہد شاہ نے ملیبار تک بکارائے کا تعاقب کیا۔ راجہ دوسرا رستہ کاٹ کر بیجانگر آ گیا اور ۷۷۵ء میں ایک جنگ عظیم ہوئی۔ مجاہد شاہ نے قریب ساٹھ ستر ہزار عورتوں اور بچوں کے قید کر لیا۔ چوں کہ بادشاہ کی فوج قلعۂ ادھونی کو محاصرہ کئے ہوئے پڑی تھی پھر اُدھر ہی چلا گیا وہاں نو مہینے تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ موسم گرمی کا آ گیا تھا اور امید تھی کہ اب قلعہ فتح ہو جائے گا کیوں کہ محصورین کو پانی کی سخت تکلیف تھی لیکن غیر معمولی بارش سے یہ بات بھی جاتی رہی۔ پادشاہ کے لشکر میں آثار قحط نمایاں ہوئے سیف الدین غوری کو جب یہ خبر پہنچی تو بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ لکھا کہ افواہ خاص و عام سے ادھونی کی تعریف بہت سنتا ہوں اگر فرمان خداوندی ہو تو فوج لے کر حاضر ہوں۔ بادشاہ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا چنانچہ سیف الدین بہت جلد آن پہنچا اور آتے ہی پادشاہ سے عرض کی کہ یہ ایسا قلعہ ہے کہ پندرہ قلعے اس کے ارد گرد ہیں اور ایک بہت بڑے بلند اور وسیع پہاڑ پر واقع ہے جلد اس کا فتح ہونا مشکل ہے۔ شرط کشور کشائی یہ ہے کہ

اول قلعہ جات و مقامات مابین دوآبہ - بندر گوآ اور بلگاؤں سے بنکاپور تک فتح فرما لیجئے اُس کے بعد اس قلعہ کو لے لینا آسان ہی - بات معقول تھی پادشاہ کی سمجھ میں آگئی اور واپسی پر راضی ہوگیا - سیف الدین نے رای بیجانگر سے صلح کا پیغام چھیڑ دیا اور یوں پادشاہ گلبرگہ واپس ہوا اور اس جنگ کا خاتمہ ہوا -

اسد خاں کا رام راج کے بھائی ڈنکٹا دری کو ادھونی پر شکست دینا ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء

راجہ سیورای کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوا جس نے عالم جوانی ہی میں انتقال کیا اُس کا ایک چھوٹا بھائی اور تھا وہ بھی جوانی ہی میں مرگیا تب اُس لڑکے جس کی عمر صرف تین مہینے کی تھی برائے نام راجہ مقرر کیا گیا جب یہ بچہ سن رشتہ کو پہنچا تو ہیم راج نے اُسے زہر دے کر مروا ڈالا اور خود مالک بن گیا - ہیم راج عرف ساوتما سیورائے کا وزیر تھا جس نے برابر چالیس سال تک خود مختارانہ وزارت کی - ہیم راج کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا رام راج حاکم الوقت ہوا جو سیورائے کا داماد بھی تھا - اُس نے سلطنت اپنے خاندان میں مستقلاً منتقل کر لینے کی کوشش کی لیکن اُمراء نے اختلاف کیا اور ایک چھوٹے سے بچے کو (جو آل میں تھا اور جس کا نام کسی تاریخ میں درج نہیں ہی) برائے نام راجہ بنا دیا اور اُس کی پرورش اُس کے ماموں بھوج ترل کے سپرد کی جو دیوانہ تھا اور اسی وجہ سے اُسے "ترل یعنی دیوانہ ترل کہلاتا تھا رام راج کے اور بھوج ترل کے چل گئی - بھوج ترل نے ابراہیم عادل شاہ کو بیجاپور سے اپنی مدد کو بلوایا اُس کے آنے پر رام راج نے بھوج ترل سے معذرت کی - بھوج ترل نے چالیس ہزار ہن ہرجانہ دے کر پادشاہ کو واپس کیا اُس کے جاتے ہی رام راج نے بھوج ترل کو سخت عاجز کیا - بھوج ترل محل میں جا بیٹھا اور دروازے بند کر لئے اور دل میں سوچا کہ تو کونہ موکو اسے چولھے میں جھونکھو - تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کی آنکھیں نکلوا کر دمیں کٹوا کر بے کار کر دیا - تمام بیش بہا جواہرات اور موتیوں کو جو مدتوں میں جمع کئے گئے تھے بڑی بڑی چکیوں میں پسوا کر آٹا کر دیا اور صحن میں بچھوا دیا تب اُس نے محل کے ایک ستون میں ایک تلوار کا پھل گاڑ دیا اور زور سے اُس پر جا کر ایسا گرا کہ تلوار پیٹھ کے پار ہوگئی اُدھر اُس کا مرنا تھا ادھر شہر کے دروازے دشمن کھول کر اندر گھس آئے - اب رام راج کے لئے میدان خالی تھا روکنے والا کون تھا وہ بیجانگر کا راجہ بن گیا

ابراہیم عادل شاہ کو جب خبر ملی کہ بھوج ترمل مرگیا - اور رام راج تخت پر بیٹھا تو اُس نے اسدخاں کو قلعہ ادھونی کے فتح کرنے کے لئے بھیجا - جو اس زمانے میں راجگان بیجانگر کے قبضے میں تھا رام راج نے اُس کے مقابلے کے لئے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے بھائی ونکٹادری کو روانہ کیا - اسدخاں نے جب بیجانگر کی فوج کی آمد سنی تو وہ قلعے کا محاصرہ چھوڑکر آگے بڑھا اور دونوں میں خوب جنگ ہوئی - اسدخاں نے دیکھا کہ بیجانگر کی فوج اِس کے لشکر سے بہت بڑھی ہوئی ہے تو وہ پس پا ہوا (۱۴) میل پر جاکر دم لیا تھا مگر وہاں تک ہندوؤں کی فوج نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا - ونکٹادری اس غرض سے کہ اگلے دن مسلمانوں کو اچانک دبڑا لوں گا اُن سے صرف دو میل ہی ہٹ کر ایک محفوظ مقام پر ٹھیر گیا - اسدخان کو یہ موقع اچھا ملا ابھی صبح نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے چار ہزار سواران جبہ پوش لئے اچانک ہندوؤں کے کیمپ میں جاکر شبخوں مارا

همه شیر مردان کار آزمائے　　دلیر و عدو بند کشور کشائے
بہ گاہ دغا ہر یکے صفدرے　　از ایشاں یکے در عدو لشکرے

ونکٹادری کو اپنی فوج پر ایسا بھروسہ تھا کہ وہ بالکل مطمئن تھا اور اُسے مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہونے کا گمان بھی نہ تھا - اسدخاں ایک دم اُس کے خیموں تک پہنچ گیا اُس وقت تک اِن لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور نہ بھاگنے کا موقع ملا ؎

نیاید غنودن چنیں بے خبر　　کہ ناگاہ سیلے در آید بسر
بہ جائے نہ خسپد عقاب دلیر　　کہ آبے تواں بست او را بزیر

ونکٹادری اپنے بال بچے خزانہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب سامان چھوڑکر تن تنہا اپنی جان لے کر بھاگا - جب ذرا دن چڑھا تو ونکٹادری نے اپنی فوج کو جو تتر بتر ہوگئی تھی اکٹھا کرکے حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن دیکھا تو اسدخاں کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ونکٹادری کو اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانی بھی فرض تھی اِن وجوہ سے وہ لڑائی کا ارادہ چھوڑکر چند میل پیچھے ہٹ کر ٹھیر گیا اور وہیں سے رام راج کو شکست کی خبر دی اور جلد امداد بھیجنے کو لکھا رام راج نے فوراً فوج کی امداد اور خزانہ بھجوایا اور بہ ظاہر تو یہ کہلا بھیجا کہ خوب لڑو اور مقابلہ کرو لیکن اندرونی طور پر اپنے بھائی کو یہ لکھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ابراہیم عادل شاہ

نے بطور خود ادھونی پر چڑھائی نہیں کی بلکہ مجھے شبہ ہی کہ ہمارے زمینداروں نے درپردہ سازش کرکے پادشاہ کو جنگ کے لئے بلوایا ہی اور خود تمھارے ساتھ کے بہت سے امرا اُس سے ملے ہوئے ہیں اس لئے مصلحت وقت یہی ہی کہ اس وقت مسلمانوں سے صلح کرلی جائے تاکہ تمھارے بیوی بچے بھی اسد خاں کے پنجے سے نجات پائیں - ونکٹادری اپنے بھائی کی مرضی کا تابع تھا اُس نے اسد خاں کو بلالیا اور اسد خاں کو بیچ میں ڈال کر پادشاہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا جو منظور ہوگیا اور سب امور طرفین سے خاطر خواہ طی ہوگئے اور اسد خاں بیجاپور واپس ہوا۔

ادھونی بعہد ہنود جس زمانے میں قلعۂ ادھونی راجگان بیجانگر کے قبضہ میں رہا اس کی حدود شمال میں دریائے تنگ بھدرا تک جو ۲۶ میل ہی اور مغرب میں ہگری ندی تک جو بلھاری کے پاس ہی - جنوب میں پہاڑی سلسلہ مشرق میں جنگل باندگ تک تھیں ادھونی چھتیس سال تک کشن رای راجہ بیجانگر کی چچی راج کنور کی جاگیر رہی اُس کے مرنے پر اُس کے لڑکے دھرم راج کو ملا اُس نے تیلی بنڈہ پہاڑ کے دامن میں آبادی کی بنیاد ڈالی دہرم راج نے (۴۱) برس ریاست کی اس کی لڑکی سیام کنور رام راج کے لڑکے سے منسوب ہوئی اور جہیز میں دامن کوہ ادھونی کی آبادی پھر جاگیر ملی جسے سیاہ ڈونگر کہتے ہیں اور جو محصور کیا گیا ہی - کنّم راج یہاں کا صوبہ دار مقرر ہوا - حاکم ادھونی سے کنّم راج کی لڑائی ہوئی جس کے نشانات اب تک قلعہ کی دیواروں پر باقی ہیں-

ادھونی بعہد مسلمانان ۹۷۴ھ / ۱۵۶۶ء میں علی عادل شاہ نے ملک حسین عرف ملک ریحان کو قلعۂ ادھونی کا صوبہ دار مقرر کیا جو نہایت نیک نامی سے (۳۹) برس رہا اور بہت اچھا انتظام رکھا - جس کا مقبرہ اب تک اچھی حالت میں موجود ہی اور سرکار انگریزی نے بھی سالانہ عرس کے اخراجات کو جاری رکھا ہی اور خدام بھی مقرر ہیں - ۱۶۰۲ء میں نواب سدّی مسعود خاں صوبہ دار مقرر ہوا جو سدّی ریحان مرحوم کا آغوشی فرزند تھا اور علی عادل شاہ کا تربیت یافتہ غلام تھا - اس نے قلعہ کا حصار بنوایا اور برجوں کی تعمیر کی - امتیاز گڑھ جو قلعہ سے قریب ہی اور شکّر وار پیٹ جسے جمعہ پیٹ بھی کہتے ہیں بنوایا - مسعود خاں بڑا مدبّر نیک دل اور رعایا پرور حاکم تھا - اس وقت تمام جنگل کٹ کر چاروں طرف آبادی اور زراعت

ہوگئی تھی جس کی آمدنی چھ لاکھ چھہتر ہزار نوسو رائلی ہن تھی - آدھی رقم خرچ ہوکر آدھی سرکاری خزانہ میں داخل ہوتی تھی - چار ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل فوج میں تھے -

سدی مسعود خاں کی جامع مسجد ۱۰۷۷ھ اگرچہ ادھونی میں چھوٹی چھوٹی تین مسجدیں نوابوں کے زمانے کی شہباز خاں کی بنائی ہوئی تھیں مگر خستہ تھیں مسعود خاں نے جیب خاص سے ستتر ہزار روپیہ دے کر زمین خریدی اور ایک بے نظیر مسجد بنائی جس کی بہترین تاریخ یہ آیت کلام الٰہی ہے

فول وجھک شطر المسجد الحرام

۱۰۷۷ھ

یہ مسجد نہایت خوب صورت ہے مسجد میں ایک ہی پتھر سے تراشی ہوئی زنجیریں دیکھنے کے قابل ہیں - اس کی تعمیر میں دو لاکھ روپیہ صرف ہوا - دو سال نو مہینے میں طیار ہوئی "مسعود خاں بانی ایں مسجد بود" بھی تاریخ ختم تعمیر ہے -

سکندر عادل شاہ نے اس مسجد کے لئے ایک سنگ مرمر کی تختی بھجوائی تھی جس پر کتبہ ہے اور ایک ہزار اشرفی نذر گذرانی تھی - یہ تختی اب بھی اندرونی کمان میں لگی ہوئی ہے - بادشاہ کے اس عطیہ سے مسجد کا طلائی اور آرائشی کام کیا گیا - اس مسجد کے اطراف بازار بھی بنائے گئے ہیں اور ایک مختصر سی آبادی مسعود خاں نے اپنے کسی عزیز کے نام سے بسائی ہے مسجد میں ایک حوض بھی ہے - اس مسجد پر حسب ذیل کتبے ہیں :-

(شمال رخ)

مسجد کے کتبے برپیشانی در زر وبان سقف مسجد کہ جانب راست ایں نوشتہ است

یا مجیب الدعوات

یا قاضی الحاجات

قال اللہ تبارک وتعالی واتوا البیوت من ابوابہا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ط

سیدھی جانب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ خالصا و مخلصا دخل الجنۃ بلا حساب ولا عذاب -

جانب چپ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجلوا بالصلوۃ قبل الفوت وعجلوا

بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ۔

(جنوب رو)

بر در سنگیں نردبان سقف مسجد کہ جانب چپ است ایں نوشتہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔

سیدھی جانب قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ تَعَالٰى بَنَى اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ سَبْعِيْنَ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

جانب چپ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ فِي الْمَسْجِدِ كَالسَّمَكِ فِي الْمَاءِ وَالْمُنَافِقُ فِي الْمَسْجِدِ كَالطَّيْرِ فِي الْقَفَسِ۔

پہلی کمان کی پیشانی پر یہ منقوش ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الصَّلٰوةِ الْجَمَاعَةِ عَلَى الصَّلٰوةِ الْاَحَدِ خَمْسٌ عِشْرُوْنَ۔

دوسری کمان پر قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

تیسری کمان پر وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔

چوتھی کمان پر يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔

پانچویں کمان پر قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ لَنْ يَّجْلِسَ حَتّٰى يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ۔

کتبہ ہائے ذیل جامع مسجد ادھونی میں کمانوں کے اوپر سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ ہیں۔

پہلا کتبہ

ماحیِ کفر حامیِ اسلام	مفتیِ شرع و قاضیِ احکام
سرفراز دو کون و خاصِ خدا	کرد اسلام را ز کفر جدا
عادل و باذل و امیر کبیر	عالم و عامل و نکو تدبیر
واہب مطلق از کرم بنواخت	متولیِ دین و دنیا ساخت

دوسرا کتبہ
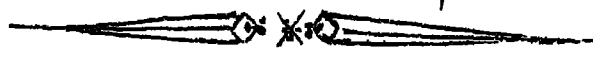
داده توفیق نیک کار ربا | شرع ازو یافت استوار ربا
خانِ مسعود قادری نامش | جز پرستش نہ روز و شب کامش
اسم مسعود رسم او محمود | خلق راضی ازو خدا خوشنود
نہ نہد سر بغیر سجدهٔ ہو | نہ نہد پا بغیر فرق عدو

تیسرا کتبہ

باغ و بیر و غدیر و ایں مسجد | بہ رضائے خدا بہ نسبت از جد
ایں چنیں جامعے کہ می افراخت | خانۂ خود میان جنت ساخت
نام خود زندهٔ ابد کرده | کین چنیں معبد ضمار کرده
یک بہ یک سال او بر آمد خوب | با[۱] سا شرفہ سر بسر مرغوب

چوتھا کتبہ

احسن واز در و قوی محکم | اقدسے چوں مقدسہ خرم
یادگارے دریں جہاں کرده | بلّہٗ طاعتش گراں کرده
نیست زیں عیش خواہش بنیاد | کہ تقبّل اللّٰہ ربّنا منّا
مخزن فانی جہاں پرداخت | منظر عالیٔ جناں افراخت

پانچواں کتبہ

سرنوشتِ ازل چو نیکش بود | بستہ ایں طرفہ معبدِ معبود
جان و دل اندرو تمامے بست | تا چنیں کعبہ در دعائے بست
دیو بشکست و ہم کلیسا را | تا بر آورد کعبۃ اللہ را
پیش رنگش کہ رشک ارژنگ است | مانی بے روح چوں بت سنگ است

چھٹا کتبہ

او گر او زنده ایں زماں بودے | کم اجیر مسعود خاں بودے
دیر باد ایں عمارت عالی | بانیش با مراد و خوشحالی
ہر کہ تاریخ ایں عمارت خواست | سن از سر حروف خیر دراست

[۱] پڑھا نہیں جاتا۔ ۱۲

ساتواں کتبہ تاریخ مسجد بنا صار شہود ا — وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا مَسْعُوْدًا

خانِ مسعود غازی صفدر — کرد از بہر ایزد اکبر ۱۰۷۹ھ

مسجد و چاہ را بنا سے بہم — شدہ بیتِ حرام با زمزم

آٹھواں کتبہ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ سنہ ۱۰۷۸ھ — فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ سنہ ھ — فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّا اِبْلِيْسَ سنہ ۱۰۷۹ھ

مسعود خاں بانی ایں مسجد بودہ

سنہ ۱۰۷۹ھ

نواں کتبہ یافت توفیق بستن ایں مسجد — گوی نیکی ازیں جہاں بر بود

نام خود بر جریدۂ عالم — ثبت کردہ بہ زندگی خلود

کرد ہاتف ندا ازیں تاریخ — ہادی راہ راست با مسعود

سنہ ۱۰۷۸ھ

دسواں کتبہ درآید گر غریبے گرد آلود — دریں مسجد کہ طاعت گاہِ معبود

پس از طاعت بہ بیند ایں مقامے — مقامے چوں مقامے ہمچو محمود

چناں جاے شہ است ایں جاے اسلام — خدا راضی نبی زیں کار خوشنود

گیارھواں کتبہ بحیرت کو بپرسد نام بانیش — چہ دارد نام نیکو نامئم زود

جوابش گو کہ در مصراع آخر — پدر مسعود مسعود است مسعود

بارھواں کتبہ یا الٰہی تو بانئی ایں را — بہ دل اہل دل بہ کن مودود

کرد مسجد بنا بعزم درست — سعی او را قبول ساز بہ جود

هر کس که در گیتی ازو کرد یادگارے خوشتر است　　　　زنده بماند نام او تا دور چرخ اخضر است

مسجد بنا شد یا سرا یا چاه و حوض و سرورا　　　　تا نفع باشد خلق را یا باغ و چمن ما در خور است

عنبر که می کرد این عمل برجے به بسته بے بدل　　　　نزدیک کوه رمنڈل بھنڈار کل را هم بسته است

اندر دونی تا که هست زین گونه برجے کس نبست　　　　پشت تمام اعدا شکست تو پیش که از دریا گر است

زین گونه چرخش رام شد بدخواه دشمن کام شد　　　　مسعود خاں را نام شد کش طالع زور آور است

چو کس به پرسد مر ترا تاریخ آن گر ظاهرا　　　　با شور بے چون و چرا گو برج سدی عنبر است
۱۰۸۴ھ

سر حرف هر مصراع بین تاریخ این بے کبر و کین　　　　تاریخ از وہم مرگزین کین نیز طرز دیگر است

ه م ت ع ن ا ب ز م ج ب س ث

سنہ ۱۰۷۸ھ

کمانوں کی باؤلی کا کتبہ سنہ ۱۰۷۵ھ

اندرون قلعہ پہلی فصیل طے کرنے کے بعد بانی جامع مسجد ادھونی و صوبہ دار سدی مسعود خاں کی تعمیر کردہ ایک باؤلی ہے جو کمانوں کی باؤلی سے مشہور ہے اس پر جانب شمال ایک محراب میں سنگ سفید پر بخط نستعلیق کتبۂ ذیل کندہ ہے۔

اللہ کافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ المهیمن　　　　وجعلنا من الماء کل شیء حی
۱۰۷۵ھ

بنائے چاه شد از خان مسعود　　　　که نفعش حاصل شهری و دشتی

چو تاریخ بنایش جستم از فکر　　　　بہ گفتا چشمۂ چاه بهشتی

سنہ ۱۰۷۵ھ

بھڑکل باؤلی کا کتبہ

اندرون قلعہ پہلی فصیل طے کرنے کے بعد سدی عنبر کی تعمیر کردہ باؤلی جو بھڑکل باؤلی کے نام سے مشہور ہے اس پر جانب مشرق و مغرب دو کتبہ سنگ سیاہ بخط ثلث کندہ ہیں۔ کتبہ جانب مشرق یہ ہے

چاه این عنبر مسعود نسبت　　　　کرو صحت ز دل عالم رفت

خضر علیم از پی سال بناش — راحت افزا چاہ عنبر بہر گفت
۱۰۹۱ھ

سنگ سیاہ پر جانب مغرب کتبۂ ذیل کندہ ہے۔

زسعی عنبر مسعود فرجام — بنائے چاہ آمد نیک بر جائے
خضر گفت از پی تاریخ سالش — چہ عنبر چاہ آمد راحت افزائے
۱۰۹۱ھ

اسلام جھرے کا کتبہ سنہ ۱۱۴۲ھ بیرون قلعہ جانب مشرق ایک چھوٹا تالاب اور چشمہ جو سنگ بست و محصور ہے اسلام جھرے کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کی پیشانی کے سنگ سیاہ پر بخط نستعلیق کتبۂ ذیل مرقوم ہے۔ اسلام جھرا۔ تاریخ چہاردہم شہر شعبان المعظم سنہ ۴۶ جلوس چہل و شش عالمگیری۔

ادھونی کی برڈز آئی ویو [1] ٹوٹے پھوٹے قلعہ کے پائیں میں کچھ لق و دق میدان اور جنگل ہے۔ اس میدان کے شمال میں ایک لمبا پہاڑ ہے جس پر چڑھنے کا راستہ بنا ہوا ہے۔ یہاں ایک عمدہ اور شفاف چشمہ ہے اور اسی کا پانی نلوں کے ذریعہ سے بستی میں پونچایا گیا ہے۔ اس کا نام پہلے "رام جھرہ" تھا بعد عالم گیر نے "اسلام جھرہ" رکھ دیا اور اب اسی نام سے مشہور ہے۔ اس کے سامنے ایک پختہ دھرم سالہ ہے جو کسی طوائف کا بنوایا ہوا کہا جاتا ہے اس پر ایک سنگ سیاہ کی تختی پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بتاریخ دہم شہر شعبان المعظم سنہ چہل و شصت لیکن یہ سنہ عالم گیر کے زمانِ سلطنت سے کچھ مطابقت نہیں رکھتا نہ سال ہجری ہے نہ جلوس۔ شاید کچھ غلطی ہوئی ہے۔ دھرم سالے میں سے گزر کر جب چشمے پر جاتے ہیں تو ایک دیول ملتا ہے۔ اس بلندی پر کھڑے رہنے سے پائین کے میدان میں بھیم سنگہ کا مندر ہے جو کبھی یہاں حکم راں تھا جس میں بھیم سنگھ وغیرہ قیامت کی نیندیں لے رہے ہیں۔ اس مندر سے تھوڑی دور رائچور کے نواب بے بدر جنگ کا مقبرہ ہے جس کی جاروب کشی اور چراغ بتی کے لئے اب بھی تیس روپیہ ماہوار سرکار عالی نظام سے مقرر ہیں اسی زمانہ کی ایک چھوٹی سی تین کمانوں کی مسجد بھی ہے۔ یہاں سے ایک فرلانگ کے

[1] پرند جب آسمان پر بلند ہو کر جو منظر دیکھتا ہے اُسے "برڈز آئی ویو" کہتے ہیں۔

فاصلے پر حضرت جلال ڈونگری کا مزار ہی جن کا سالانہ عرس ہوتا ہی۔ اس کے سامنے
ایک کھلا میدان ہی برسات کے زمانے میں اس قدر پانی پہاڑوں پر سے بہ بہ کر یہاں
جمع ہوتا ہی کہ ایک تالاب ہو جاتا ہی۔ اسی کے پاس "سات ملاح" کا تالاب ہی جس میں ایک
کنواں ہی۔ اس کنوئیں کا پانی بھی نفاست اور عمدگی میں مشہور ہی۔ یہاں سے دو سو قدم پر
"کالا تالاب" ہی اس کا پانی ملگجا ہی لیکن یہ تالاب بارہ مہینے بھرا رہتا ہی مگر اسی کا پانی فلٹر
ہو کر بستی میں پونچایا گیا ہی۔ ادھونی میں ایک خدارس بزرگ سید السادات سید شاہ قادری
عرف سید حضرت صاحب ہو گزرے ہیں آپ ولی کامل تھے۔ کالے تالاب کی پہاڑی کے
دامن میں آپ کا مزار ہی اور آپ کے مزار کے پاس ہی پیر باے صاحب کی تربت ہی۔
دونوں صاحبوں کا عرس ہوتا ہی اور کچھ معاش بھی سرکار انگریزی سے جاری ہی۔ تالاب
کے پاس ایک شکستہ مسجد ہی جو "کلام مسجد" کے نام سے مشہور ہی اور یہیں حسینی علم کا
عاشور خانہ ہی جس میں ماہ محرم میں بڑی دھوم دھام ہوا کرتی ہی۔ یہ ایک خوش قطع اور پختہ
عمارت ہی اور معاش جاری ہی۔ اس کے بعد کوتانے صاحب کا عاشور خانہ ہی جو ایک
پختہ کمان طی کرنے کے بعد ملتا ہی۔ یہیں سے سنہری مسجد کی سیڑھیاں شروع ہوتی ہیں۔
اس مسجد کے اب بھی سنگ سیاہ کے ستون باقی ہیں جو صناعی کا ایک خاص نمونہ ہیں۔ اس
مسجد کی محراب پر طلائی گلکاری بھی تھی جس کا اب بھی کچھ کچھ نشان باقی ہی۔ تاریخ تو وہی درج ہی:

"فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"

سنہ ۱۰۸۸ھ

اس مسجد میں ایک تہ خانہ بھی ہی جس کے آگے "مراری تالاب" ہی جو ایک معمولی
حالت پر ہی۔ یہیں سنگھار باغ تھا جو اُجڑ اُجڑا گیا۔ اسی میں نوابوں کے شکستہ مکانات کی ٹوٹی
پھوٹی دیواریں کھڑی ہیں۔ ایک باؤلی "کاپانی تیرتھ" کے نام سے مشہور ہی جس میں ہندو اپنے
مردوں کی ہڈیاں اعتقاداً ڈالا کرتے ہیں۔ اسی کے قریب ہندوؤں کا ایک قدیم دیول تھا جسے مسلمانوں نے
مسجد بنا لیا اور یہیں ملک ریحان کا مقبرہ ہی جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ قلعے کے تین سنگین دروازے
ہیں جو آج تک اچھی حالت میں سر بفلک کھڑے ہیں۔ قلعہ کے باہر میدان میں مرتضیٰ قادری کا مقبرہ اور مسجد ہی

دوسرا ضمیمہ۔ قلعۂ اودگیر[۱]

وجہ تسمیہ اودگیر ایک بہت پُرانی بستی ہی جو کسی زمانے میں شہر ہوگا مگر اب تو ضلع بیدر کی ایک تحصیل ہی جو بیدر سے بجانب مغرب بیس کوس کے فاصلہ پر ہی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہہ بستی آٹھ ساڑھے آٹھ سو برس پہلے کی ہی اور عجب نہیں کہ یہ صحیح ہو کیوں کہ بہت سی پُرانی شان دار عمارتوں کے گرے ہوئے آثار اور ویران کھنڈر اپنی ڈراؤنی شکل سے اس کا ثبوت دے رہے ہیں جس چٹیل میدان پر اب قلعہ موجود ہی کہا جاتا ہی کہ پہلے پہل یہاں ایک برہمن فقیر نے اپنی جھونپڑی ڈال لی تھی چند دنوں میں آبادی بڑھنے لگی اور اسی فقیر کے نام سے جو اودی گیر تھا یہہ بستی موسوم ہوگئی چنانچہ اب تک اندرون قلعہ ایک قدیم دیول جو بالائی چبوترے سے (۵۰) فٹ گہرا ہی اور اسی کے سامنے ایک عمیق باؤلی ہی موجود ہیں۔ ہندوؤں کی ایک معتبر کتاب "کرشمنس گنڈ" میں لکھا ہی کہ ایک دن مہادیو سے اُس کی جورو پاربتی نے پوچھا کہ اگر کسی شخص نے بہت سے گناہ کئے ہوں تو ایسا کون سا طریقہ ہی جو تھوڑی سی عبادت میں معاف ہو جائیں۔ مہادیو نے کہا کہ کرتا جوگ میں ایک اودتنگ رشی رہتا تھا جس کی جورو بڑی سفاک تھی۔ رشی اپنی عورت کی بدکرداری سے تنگ ہو کر میری پرستش کرنے لگا میں خوش ہو کر اُس پر ظاہر ہوا اور کہا کہ تو یہیں بیٹھ ایک لنگ خود بخود زمین سے ظاہر ہوگا تو اُس کی پرستش کیا کیجیو۔ جب کلجگ آیا تو وہ رشی غائب ہوگیا اور اسی زمین پر قلعۂ اودگیر کی بنا پڑی اور رفتہ رفتہ جب آبادی بڑھنے لگی تو اُسی رشی کے نام پر اودگیر نام پڑ گیا۔

[۱] اگرچہ میں بھی قصبۂ اودگیر میں رہ چکا ہوں اور یہ مقام میرا کئی دفعہ کا دیکھا ہوا ہی اور میرے پاس بھی کچھ کچھ نوٹ تھے مگر اس وقت مسٹر سر مینوس چارج سوم تعلقہ دار ڈویژن اودگیر نے مجھے بہت کچھ مواد دیا اور نواب فرامرز جنگ بہادر تو جہاں رہی وہاں کی تاریخ بہت شوق سے جمع کرتے رہی ہیں چنانچہ اودگیر کے حالات

کیفیت بنائے قلعہ اودگیر کا قلعہ ایک بہت پرانا عالی شان اور مستحکم بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بانی شاہان بریدیہ تھے لیکن کتب سیر سے اگرچہ بالتخصیص نہیں مگر بالتعمیم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بہمنیہ کے زمانے میں اس کی بنیاد پڑی ہے لیکن یہہ پتہ نہیں چلتا کہ کس بادشاہ بہمنی کے سر سہرا رہا۔ تاریخ فرشتہ سے پایا جاتا ہے کہ سلطان محمود شاہ بہمنی نے اپنے اواخر زمانۂ سلطنت میں قاسم برید کو جو پہلا غاصب بادشاہ خاندان بریدی کا تھا علاوہ منصب وکالت وطرفداری بیدر کے قلعۂ اودگیر۔ قندہار۔ اوسہ کو ۸۹۷ھ میں بطور جاگیر عنایت کیا تھا جسپہ وہ قابض رہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قلعہ اُس وقت بھی موجود تھا۔ البتہ یہ امر کہ کس نے بنایا متحقق نہیں ہوتا قیاس یہہ چاہتا ہے کہ ہندو راجاؤں کا بنایا ہوا ہو اور بہمنی بادشاہوں نے اپنے زمان عروج میں اس کی شکست و ریخت کی ہو۔

قاسم برید ۹۰۹ھ میں جب شہر بیدر کا خود مختار بادشاہ ہوا تو اُس وقت اُس نے اپنے بیٹے امیر برید کو یہ قلعہ سپرد کیا ۹۲۳ھ میں امیر برید نے خداوند خاں حبشی جاگیردار ماہور سے اس قلعہ پر سخت لڑائی کی جس میں وہ حبشی مارا گیا اور امیر برید قابض رہا ۹۴۲ھ میں امیر برید نے بمقام بیدر عادل شاہ بیجاپور کے مقابلے میں لڑائی کی اور گرفتار ہوا۔ اس کے بعد عادل شاہ نے امیر برید کی جان بخشی کی اور اُس کو رہا کیا جب سے امیر برید قلعہ میں رہنے لگا اور حکومت شہر بیدر سے اُس وقت تک علیحدہ رہا جب تک کہ عماد الملک گورنر براڑ کی سفارش کی وجہ سے عادل شاہ نے حکومت شہر بیدر پھر امیر برید کے حوالے نہ کی۔ امیر برید کے بعد علی برید جو تیسرا بادشاہ خاندان بریدیہ کا تھا قلعۂ اودگیر پر قابض رہا۔ سنہ ۹۵۲ھ میں قلعۂ اودگیر و قلعۂ اوسہ پر علی برید سے اور برہان نظام شاہ والی احمد نگر اور عادل شاہ سے لڑائی ہوئی جس میں علی برید کو شکست فاش ہوئی اور ان ہر دو قلعوں کو علی برید کی فوج احتشام نے تنگی آذوقہ کی وجہ سے برہان نظام شاہ کے سپرد کر دیا چنانچہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ - میں بھی صاحب موصوف نے ایک مختصر سا رسالہ ۱۳۱۵ھ میں لکھا ہے جو مجھے سوم تعلقہ دار صاحب موصوف نے بھیج دیا لہذا میں دونوں صاحبوں کا از حد رہین منت ہوں۔ ۱۲ منہ المصنف

اس وقت تک بعض بعض عمارات پر برہان نظام شاہ کے کتبہ جات موجود ہیں۔

ایک عجیب روایت اودگیر کا ایک قدیم وطن دار رامنّا نامی راوی ہی کہ اُس کے آبا و اجداد کو ایک قطعہ زمین سلطان ہمایوں شاہ ظالم بہمنی بیدر نے اس صلہ میں انعام دیا تھا جو اب تک بروے سند جاری و بحال ہی (مگر سندہ میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہی) کہ قلعہ میں جب چاندنی برج کی بنا پڑی تو وہ کسی طرح اتمام کو نہیں پونہچتا تھا اِدھر بنتا جاتا تھا اُدھر گرتا جاتا تھا ناچار رامنّا کے کسی بزرگ کو بل چڑہا یا گیا اور وہ اس کے پایہ میں زندہ دفن کیا گیا۔ اکثر بڑی بڑی عمارات اور بڑے بڑے پلوں پر اُس زمانے میں بل چڑہانے کا دستور تھا اور کئی کئی جانیں بھینٹ چڑہائی جاتی تھیں جیسے اب بھی بکرے اور بھینسے ایسے مواقع پر قربان کئے جاتے ہیں تو رامنا کے خاندان کے کسی ممبر کا زندہ دفن کیا جانا کچھ بعید از قیاس نہیں اور پھر ہمایوں جیسے ظالم اور قاہر بادشاہ کے لئے جو درندہ شیر کے سامنے زندہ آدمیوں کو ڈال کر ٹکڑے ٹکڑے اُڑوا دیتا تھا ایک تن ضعیف کو زندہ درگور کر دینا کون سی بڑی بات تھی۔

جغرافیہ قدیم جغرافیہ اودگیر کا نہیں مل سکا لیکن منعم خاں ہمدانی اورنگ آبادی کی ایک قدیم قلمی کتاب میں لکھا ہی کہ جب دکن شاہان تیموریہ کے قبضہ سے نکل کر نواب نظام علی خاں بہادر کے قبضے میں آیا تو اُس وقت اودگیر بہ حیثیت ایک پرگنہ کے سرکار ناندیڑ میں شامل تھا اور ناندیڑ صوبۂ بیدر کا ماتحت تھا۔ اب بیدر سے صوبہ داری اُٹھ کر ٹین چرد میں آگئی اور بیدر کی حیثیت صرف ایک ضلع کی رہ گئی اور اودگیر میں علاوہ تحصیل کے افسر ڈویژن بھی رہتا ہی چنانچہ راقم بھی وہاں رہ چکا ہی۔ زبان یہاں کی مرہٹی اور کنڑی ہی۔

بستی کی موجودہ حالت یہ بستی بالکل نشیب میں واقع ہی اور جب تک بالکل قریب نہ آجائیں دکھلائی نہیں دیتی اور اسی وجہ سے آب و ہوا خوش گوار نہیں ہی۔ بستی کے چھ دروازے اس وقت تک موجود ہیں اور بچے کھچے قدیم نشانوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اس بستی کے گرد فصیل بھی تھی لیکن اس وقت تو چاروں طرف تاگ پھنی نے ایسا گھیر لیا ہی کہ اُسی کا حصار رہ گیا ہی۔ بیدر سے آتے وقت سڑک پر دو مسافر بنگلے ڈونگو پرے اور مُرگ میں

ہیں اور تیسرا ڈاک بنگلہ خود ادگیر میں بیرون آبادی ایک بلند ٹیلے پر ہے جہاں مسلمانوں کا قبرستان اور شاہ محمد قادری کی درگاہ ہے ۔ بستی میں کشادہ سڑکیں چوپڑ کی ہیں جن کے وسط میں بیدر کی طرح چوبارہ بنا ہوا ہے ۔ یہہ چوبارہ قدیم عمارت ایک برج کی شکل کی ایک سنگین بلند چبوترے پر برج کی شکل کا بنا ہوا ہے جس کے اندر رہنے کی بھی جگہہ ہے اور پولیس کا تھانہ اسی میں رکھا گیا ہے ۔ چوبارے کی بلندی (۱۰۰) فیٹ اور عرض (۲۵) فیٹ ہے ۔ چوبارے سے یہہ چار راستے پھوٹتے ہیں ۔

(۱) چوبارے دیونی دروازے کو ۔ (۲) چوبارسے قلعے کے دروازے کو ۔

(۳) چوبارے سے تالاب دروازے کو جس کے باہر ایک وسیع تالاب ہے ۔

(۴) چوبارے سے نڑی بن دروازے کو ۔

سڑکیں کشادہ مگر پتھریلی اور ناہموار ہیں ۔ اکثر قدیم عمارتیں بالکل شکستہ اور ویران ہیں ۔ اور اکثر حصہ بستی کا غیر آباد اور اجڑا ہوا ہے ۔ علاوہ مذکورۂ بالا چار دروازوں کے دو اور ہیں ۔ (۱) قندھاری دروازہ (۲) پیٹ دروازہ ۔ قندھاری دروازے کی سیدھی جانب یہہ کتبہ ہے ۔

بحکم حضرت نواب مستطاب جہاں	بعہد عصر سزاوار ملک عالیشاں
بنا نمودہ حسن خاں یکے مغل از قوم	رواق تحفہ نمودہ در طی سال رواں
پس از رواق بنا کردہ سال تاریخش	بساط قصر تو لایق عبور شاہ شہاں

کتبہ پیٹ دروازہ بتاریخ غرّہ شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۰۲ھ یکہزار و یکصد و دو ہجری در قلعداری خان قاسم خاں باہتمام ابوالمعالی احداث یافت سنہ ۱۱۰۲ھ

مکانات قلعہ بڑا محل ۔ نقشی محل ۔ فراش خانہ ۔ باورچی خانہ ۔ جامع مسجد ۔ پہلے باہر کے دروازے سے آخر اندر کے دروازے تک ۔ کوٹھ ۔ سلاح خانہ ۔ رنگین محل ۔ سمندر اودگیر سواہی ۔ باغ نگینہ ۔ عاشور خانہ ۔

مکانات شکستہ مکان بی بی صاحبہ شمشاد بی کا محل ۔ کچہری نواب جہانگیر یار جنگ قلعہ دار ۔ کچہری نواب سزاوار الملک ۔ روشن محل ۔ پنجہ خانہ جو باغ نگینہ میں واقع ہے ۔

باؤلیاں کل بستی میں (۱۵) باولیاں ہیں:-

(۱) نیچی باؤلی متصل درگاہ حضرت خواجہ صدرالدین بادشاہ قادری جس کی تین سیڑھیاں ہیں اور اسی وجہ سے یہ تین سیڑھی کی باؤلی بھی کہلاتی ہے اور پانی صرف دو گز نیچے ہے اور بارہ مہینے اسی لیول پر رہتا ہے۔

(۲) بھوت باؤلی جس کو دودھ باؤلی بھی کہتے ہیں کیوں کہ پانی اس کا بہت شیریں اور شفاف ہے

(۳) بیر سندھی باؤلی۔ (۴) حضرت چاند صاحب کی درگاہ کی باؤلی (۵) کنڈہ باغ کی باؤلی۔ (۶) راج محمد کی باؤلی۔ (۷) خطیب صاحب کی باؤلی۔ (۹) مرکھن گلی کی باؤلی۔ (۱۰) دھرم سدین کی باؤلی۔ (۱۱) مومن گلی کی باؤلی۔ (۱۲) دیسکھ باغ کی باؤلی (۱۳) دھنیا پور باولی (۱۴) رستم باؤلی جو بالکل شکستہ ہے۔ (۱۵) ریگڑی باؤلی جو قریب بھوت باؤلی کے ہے اور بالکل شکستہ ہے۔

قلعہ اودگیر کی موجودہ حالت یہ قلعہ اب تک درست حالت میں ہے اور بستی کے جنوب رخ ایک گڑھے میں واقع ہے جس کے اطراف (۴۰) فٹ گہری اور (۲۰) فٹ چوڑی خندق ہے۔ فصیل (۳۰) فٹ بلند ہے جس کے چار مشہور برج ہیں اور پندرہ ایسے ہیں جن کا کوئی خاص نام نہیں۔

(۱) جمنا برج۔ جس پر دو توپیں چڑھی ہوئی ہیں ایک پر کچھ کتبہ ہے مگر مرور زمانے سے پڑھا نہیں جاتا۔

(۲) مانگ برج۔ اس پر کوئی توپ نہیں ہے۔

(۳) گُپتی برج۔ اس پر ایک توپ شیر بچہ نامی ہے اور دوسری معمولی۔

(۴) فتح برج۔ اس پر بھی ایک توپ چڑھی ہوئی ہے اور ایک توپ قلعہ کے اندرونی دروازے میں گاڑی پر رکھی ہوئی ہے۔ ایک ٹوٹی ہوئی توپ تحصیل کچہری میں بھی پڑی ہوئی ہے۔

یہ قلعہ گو کہ نشیب میں بنایا گیا ہے لیکن کچھ ایسے اونچے ٹیلے آ گئے ہیں کہ قدرتی طور پر ان کے پشتوں سے برجوں اور فصیل کا استحکام ہو گیا ہے۔ خندق کی گہرائی ایسی مہیب ہے کہ فصیل کے کنگرے پر سے چڑھ کر دیکھو تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور سر چکرانے لگتا ہے۔ قلعہ میں داخل ہوتے وقت پہلے ایک بہت بڑی سنگ بستہ کمان ملتی ہے جس سے گزرنے کے بعد (۵۰) قدم کے فاصلے پر قلعہ کا پہلا دروازہ ہے لیکن کمان اور قلعہ کے پہلے دروازے کے درمیان خندق حائل

ہے جس پر پل بندھا ہوا ہے۔ اس کمان کے مقابل کچھ مکانوں کی دیواریں کھڑی ہیں جن کی چھت بیٹھ گئی ہے اور ان مکانوں کے پیچھے ایک عاشور خانہ ہے۔ اس کمان کے مقابل کا حصہ نگینہ باغ کہلاتا ہے لیکن نہیں معلوم ہوتا کہ باغ کس کا بنایا ہوا تھا۔ قلعہ کی بیرونی دیواروں میں اکثر بڑے بڑے پتھروں پر ہاتھی وغیرہ کی مورتیں تراشی ہوئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سارے پتھر بھوانی کے دیول کو جو نہایت عالیشان عمارت تھی توڑ کر لائے گئے ہیں۔ قلعہ کا پہلا دروازہ جو خندق کے بعد ملتا ہے درست حالت میں ہے۔ اس کے پٹوں پر لوہے کی دبیز چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ اس دروازے سے لگی ہوئی چھ رواقیں ہیں جن میں اب بھی احشام کی جمعیت رہتی ہے۔ دوسرا دروازہ بھی پہلے دروازے کی طرح شان دار ہے لیکن دونوں جانب صرف دو کمانیں اور سامنے میدان ہے۔ تیسرا دروازہ ان دونوں دروازوں سے زیادہ بلند و مستحکم اور اندھیرا دروازہ کہلاتا ہے جس کی بلندی سو فیٹ ہے۔ اس کے دونوں طرف کمانیں ہیں جن پر پٹاؤ ہونے سے اندھیرا رہتا ہے۔ ایک چھوٹی سی توپ یہیں ایک کمان میں ایک گاڑی پر چڑھی ہوئی ہے باقی کمانوں میں کچھ لوگ رہتے ہیں۔ ان تینوں دروازوں سے پار ہونے کے بعد ہم کو قلعہ کی اندرونی گری پڑی عمارات دکھلائی دیتی ہیں جن کے اب صرف چونے مٹی اور پتھر اور روڑوں کے ڈھیر باقی رہ گئے ہیں۔ معدودے چند ایسے مکانات دست برد زمانے سے بچ رہے ہیں جن کی کچھی ہیئت معلوم دیتی ہے اور ایک آدھ کتبہ بھی نظر پڑ جاتا ہے۔

اودی گیر سوامی کا مندر قلعہ کے پہلے دروازے سے تھوڑی دور آگے بڑھ کے سیدھی جانب ایک لمبی گلی ہے جو مندر کو جانے کا راستہ ہے۔ یہ مندر (۶۰) فیٹ نیچے واقع ہے جس کے سامنے ایک چوکھونٹی اُترنے کی باؤلی ہے۔ پانی استعمال نہ ہونے سے خراب ہو گیا ہے اور خندق میں بہہ جاتا ہے۔ اب بھی مندر میں ایک گوسائیں رہتا ہے جس کو سرکار سے کچھ معاش مقرر ہے۔ یہ اسی اودی گیر باوا کا مندر ہے جو آٹھ سو برس پہلے یہاں تھا اور اسی کے نام سے یہ بستی آباد ہوئی۔

دوم کچہری قلعہ کا اندھیرے دروازے کے بعد سیدھی طرف دالان پیش دالان جلو خانے کے طور پر چھ کمانیں فیل پایوں کی ہیں جن پر جہانگیر یار جنگ کی کچہری کا بنگلہ بنا ہوا ہے دوم تعلقہ دار

صاحب کی کچہری اسی گرے پڑے مکان میں ہے۔

مکان سزاوار الملک
سنہ ۹۸۴ھ

سزاوار الملک جہانگیر یار جنگ کے دادا تھے جن کا یہ مکان بنایا ہوا ہے جو "گمر دہج" برج کے پیچھے ہے۔ اس مکان کا راستہ پہلے مکان کے اندر سے ہے اور ایک راستہ باہر باہر بھی ہے۔ یہ مکان تین قطعات طے کرنے کے بعد ملتا ہے جس کا پہلا دروازہ ایک پتھر کی کمان ہے جو ۷ × ۴½ فیٹ طول و عرض

کتبہ کمان کی سیدھی جانب شاہ[۵] عالم مرتضی نظام شاہ سلطانی شد این عمارت
شد زمرجان فرمان عالی۔

کتبہ کمان کی بائیں جانب۔ این رواق زرخانہ زیب است ز از طفیل علی و آل علی ست

اس کمان کے سامنے ایک بنگلہ ہے جو اب تک بھی کچھ اچھی حالت میں ہے۔ یہیں ایک گراں بڑا مکان اور ہے۔ اس مکان میں وسیع صحن ہے جس میں ایک سنگ بستہ چبوترے پر ایک عالی شان عمارت ہے جس کا طول و عرض ۶۰ × ۴۰ فیٹ ہے اور جس کے چار درجے ہیں۔ دالان در دالان اوپر کا حصہ بالکل کھلا ہوا ہے جس میں فیل پائے کی سترہ کمانیں اور چھ حجرے ہیں جن کی چھت بالکل گر گئی ہے اور صرف دیواریں قایم ہیں۔ سامنے پھر ایک چبوترہ ہے جس کے نیچے ایک چھوٹا سا پتھر کا حوض ہے جو پانچ فیٹ مربع ہے۔ الغرض یہ مکان بالکل خراب و خستہ حالت میں ہے اس مکان کا حمام البتہ خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے۔

حمام خانہ سزاوار الملک اس مکان کے اندرونی حصہ میں جنوبی جانب ایک مستحکم دو منزلہ عمارت ہے جو صرف حمام کے لئے بنائی گئی تھی۔ پانی جو اس مکان پر چڑھایا گیا ہے وہ عجب صنعت سے ہے کہ اس مکان کی چھت پر ۶ × ۴ فیٹ طول و عرض کا ایک پتھر کا ترشا ہوا حوض ہے جس میں دو نل لگے ہوئے ہیں اور پہلو میں اس حوض کے (۲۰) فیٹ گہرا خزانہ پانی کا بنایا گیا ہے جس میں دو طرف موٹ کے پتھر لگائے گئے ہیں۔ ایک موٹ کا رُخ خندق کی طرف ہے جہاں ایک کمان بنی ہوئی ہے جو گرنے کے قریب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خندق میں کوئی باؤلی تھی جس میں سے پانی اس خزانے میں آتا تھا اور یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ حمام میں اندھیری باؤلی کا پانی نل سے لایا جاتا تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ نہایت نشیب کا پانی اس بلندی پر چڑھایا گیا ہے۔ اِن نلوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں کیسی کیسی صناعیاں کی جاتی تھیں اور فن تعمیر کے کیسے کیسے ماہر تھے۔

حاتم خاں قلعدار کا ایک قدیم مکان ۱۰۹۴ھ یہ مکان بالکل منہدم ہے اور سزاوار الملک کے مکان میں جانے سے پہلے داہنی جانب ملتا ہے۔ یہ مکان دو منزلہ تھا

[۵] یہ پادشاہ شاہ علی بن برہان شاہ کا بیٹا ہے جو شاہ جہاں کا ہم عصر تھا۔ ۱۲

جس کے دونوں حصے گر گئے ہیں اب صرف چار دیواری کھڑی ہے جس پر قدیم گلکاری کے نشانات کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ مکان کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے ایسے خانے بنے ہوئے ہیں جیسے بنئے یا عطار الماریاں رکھتے ہیں اس پر لوگ قیاس دوڑاتے ہیں کہ یہ مکان قدیم کبوتر خانہ ہوگا۔ لیکن دیکھا جائے تو عالمگیر کے زمانے کا یہ مکان بنا ہوا ہے بھلا عالمگیر ایسی فضولیات کا کب روا دار تھا۔ اِس مکان پر حسب ذیل کتبہ ہے:-

یافت در عہد شاہ عالمگیر — قلعہ داری قلعہ او دگیر
کمترین خانہ زاد حاتم خاں — کہ بُراز اعتقاد داشت ضمیر
در سنہ الف اربع و تسعین — کرد ایں قصر دلکشا تعمیر

سنہ ۱۰۹۴ھ

والدہ[۱] دوست بیگ قوم مغل — شدہ طیار این خجستہ مکاں

ساختۂ مرشد قلی خاں بن دیانت خاں غرہ محرم الحرام ۱۰۹۴ھ

کتبہ میر محمد عارف

رنگین محل یہ مکان چاندنی برج کے پاس ہے اور چاندنی برج مکہ برج سے جانب جنوب واقع ہے۔ یہ مکان ایک بلند ٹیکرے پر بنا ہوا ہے اس میں تین کمرے لداؤ کے ہیں جن پر چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں جو اس قدر مختصر ہیں کہ آدمی بھی جھک کر جاتا ہے۔ اس مکان کا ایک بالائی درجہ بھی ہے جہاں کھڑے ہونے سے خندق کی سیر دکھلائی دیتی ہے اور دور دور تک نظر جاتی ہے۔ یہ مکان بھی بالکل شکستہ ہے۔ اس مکان کے پاس ایک چھوٹا سا برج ہے جس پر ایک چھوٹی سی توپ چڑھی ہوئی ہے۔ اس مکان کے سامنے ایک پُرانی دیوار ہے جس میں چھ روشن دان ہیں۔ یہ مکان تحصیل کچہری سے بالکل ملا ہوا ہے۔

فراش خانہ رنگین محل سے لگا ہوا مکان فراش خانے کا ہے جس میں اب تحصیل کچہری ہے چوں کہ کچہری ہے مکان فی الجملہ درست ہے۔ اس مکان کا صدر دروازہ شرق رویہ ہے جس کے

[۱] یہ شعر مع عبارت لاحقہ اوپر کے تین شعروں سے بالکل علیحدہ مکان کے بیرونی حصے میں ایک پتھر پر کندہ ہے ۱۲

اندر ایک وسیع صحن ہے جو مستطیل ہے۔

نواب جانی کا بڑا محل یہ مکان ایک وسیع (۵) فیٹ بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے اور دوم کچہری کے عقب میں ہے جس کا صدر دروازہ بہت شاندار ہے اور صحن بھی وسیع ہے۔ اس مکان کے دو حصے ہیں اور نواب جانی قلعہ دار کا بنایا ہوا ہے۔

(۱) پہلا حصہ جنوب رو ہے۔ دالان در دالان اور ایک برآمدہ ہے۔ اس مکان کی وضع قطع مسجد کی سی ہے۔ ہر درجہ میں تین تین فیل پایہ کی کمانیں اور دونوں طرف دو دو حجرے اور سامنے برآمدہ ہے جس کے آگے ۱۲ × ۷ فیٹ کا ایک سنگ بست حوض ہے۔ یہ مکان بھی درست حالت میں ہے۔

(۲) دوسرا حصہ شمال رو یہ اس مکان کے پہلے حصہ کا جواب ہے لیکن چھت گر پڑی ہے اور بالکل کھنڈر ہے۔

اچھی بیگم کی ماڑی[1] دوسرے قطعہ کے متصل یہ سہ منزلہ قطعہ ہے جو تفرج گاہ تھا۔ یہاں سے بھی خندق کا نظارہ ہوتا ہے اور مکان درست ہے۔

بڑے محل کے پاس کی بڑی باؤلی بڑے محل کے بیرونی دروازے سے ملی ہوئی ایک نہایت وسیع باؤلی ہے جس کا پانی موٹ کے ذریعہ سے بڑے محل کے حوض میں لایا جاتا تھا۔ باؤلی کے پاس نشیب میں ایک سنگ بست حوض بھی بطور خزانے کے ہے جس میں سے پانی بذریعہ نل کے محل میں پونچایا جاتا تھا۔

جامع مسجد اندرون قلعہ تحصیل کچہری کے پاس ہے جس کی تین کمانیں ہیں اور درست ہے۔ یہ مسجد بڑے محل کے محاذی ہے اور بڑی باؤلی کا پانی مصلیوں کے لئے آتا تھا۔

روشن محل جہانگیر یار جنگ قلعہ دار کا بنایا ہوا ہے جو جامع مسجد کے سامنے ہے۔ یہاں دو تین قدیم کوٹھے غلّے کے بھی ہیں جن میں صرف ایک ایک چھوٹی سی کھڑکی لگی ہوئی ہے مگر اندر بہت وسعت ہے۔ ان کوٹھوں کے پہلو میں ایک دروازہ ہے جس کے اندر روشن محل ہے۔ اس مکان کے دو حصے ہیں۔ جنوبی و شمالی رخ والا مکان روشن محل کہلاتا ہے۔ یہ محل (۵) فیٹ بلند چبوترے پر واقع ہے۔ اب چھت ندارد ہے خالی دیواریں کھڑی ہیں۔ دالان پیش دالان جس میں

[1] دو منزلہ مکان کو کہتے ہیں ۱۲۔

دس در نظر آتے ہیں اس مکان کی استر کاری نہایت چمک دار اور شفاف تھی۔ مکان کی دونوں جانب دو دروازے بہت خوب صورتی سے بنائے گئے ہیں۔ پیش دالان کے آگے ایک پانچ فیٹ مربع پختہ حوض ہے۔ یہ مکان کچھ بہت زیادہ پرانا نہیں ہے لیکن پھر بھی گرا پڑا ہے۔ دوسرا حصہ اس مکان کا پہلے حصہ کے جواب میں ہے جس میں جہانگیر یار جنگ کی کچہری تھی۔ اس مکان کے دو در جے ہیں اور اطراف بنگلہ نما قطعات ہیں۔ پیش دالان کے داہنے بائیں جانب بھی دو بنگلے ہیں جن میں داخل ہونے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ غرض کہ مکان گو چھوٹا ہے مگر بہت سڈول بنا ہوا ہے اس میں بھی گچ کا کام بڑی نقاشی سے کیا گیا ہے۔

دلاور النساء بیگم کا مکان یہ مکان روشن محل کے بیرونی دروازے کے مقابل ہے۔ یہ بھی جا بجا سے گر پڑ گیا ہے۔ اس مکان میں ایک عورت مسماۃ چندا بوعمر (۸۰) سالہ رہا کرتی تھیں جو اپنے کو جہانگیر یار جنگ کی بہو اور نواب جانی کی زوجہ کہتی تھیں۔ میں نے جس وقت دیکھا یہ بیوی بالکل مجنون تھیں اور لوگوں کو پتھر مارتی تھیں ؎

حال دنیا را چو پرسیدم زیک فرزانۂ — گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ

یا نشال تو دہ برفیست در فصل بہار — ہیچ عاقل در چنیں جاے نہ سازد خانۂ

شمشاد محل یہ محل شمشاد بیگم زوجۂ جہانگیر یار جنگ کا بنایا ہوا ہے۔ اس مکان میں جانے کا راستہ دلدار بیگم کے مکان میں سے ہے مگر پہلے راستہ دوسری طرف سے تھا جیسا کہ چننے ہوئے دروازے سے معلوم دیتا ہے۔ یہ مکان بھی کرسی دار چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ دالان در دالان اور دس در ہیں۔ دالانوں کی دونوں طرف ایک ایک حجرہ ہے اور جیسا کہ دوسرے مکانوں کی وضع قطع ہے اس میں بھی چبوترے پر حوض بنا ہوا ہے۔ دالان کی چھت گر پڑی ہے۔ مگر دیواریں قایم ہیں۔

علاوہ اُن مکانوں کے جن کا نام بنام ہم ذکر کر آئے ہیں جدھر دیکھو گرے پڑے مکانوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگے پڑے ہیں ؎

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے — خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

قلعہ کی توپوں اور برجوں کا حال اس قلعہ کے چھوٹے بڑے ملا کر (۱۹) برج ہیں جن میں

چار بڑے برج ان ناموں کے موسوم ہیں۔

(۱) گیتی برج - یہ برج بہت بڑا مستحکم اور شان دار ہے۔ جس پر ایک نوبت شیر بچہ نامی (۷) فیٹ لمبی چڑھی ہوئی ہے جس کے دہانے کا قطر (۹) انچ ہے - اسی برج پر تین چھوٹی چھوٹی جزائلیں بھی پڑی ہوئی ہیں - یہ برج حمام خانہ سزاوار الملک کے عقب میں ہے۔

(۲) مگر دھچہ برج - یہ برج بھی بہت بڑا اور سزاوار الملک کے مکان کے پیچھے ہے - اس پر ایک نہایت خوب صورت پیچ رسی توپ چڑھی ہوئی ہے جس کا طول (۱۱) فیٹ (۹) انچ ہے - دہانے کا قطر (۶) انچ - اسی برج پر اور ایک چھوٹی توپ سات فیٹ لمبی (۴) انچ دہانے کے قطر کی ہے - یہ برج بالکل درست حالت میں سربفلک کھڑا ہوا ہے - وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جو بڑی توپ اس پر ہے وہ مگر کے شکل کی ہے۔

(۳) چاندنی برج - یہ سب سے بڑا برج ہے جو کچہری تحصیل کے متصل اور سزاوار الملک کے مکان سے غربی جانب ہے اس پر ایک بڑی توپ دس فیٹ لمبی اور چھ انچ دہانے کے قطر کی ہے اور ایک دوسری توپ تھوڑے فاصلے سے ۶ ½ فیٹ طول - دہانہ کا قطر (۹) انچ ہے - اس پر کتبہ بخط عربی ہے - میں نے دیکھا نہیں اور جن صاحب نے دیکھا وہ افسوس ہے کہ پڑھ نہ سکے۔

(۴) فتح برج - اس کا دوسرا نام مانگ برج بھی ہے - اس پر بھی ایک معمولی توپ ہے۔
قلعہ کی فصیل بالکل درست ہے - برج بھی سب کے سب مستحکم ہیں - غرض بیرونی حالت قلعہ کی درست ہے مگر اندر کے مکانات بیشتر منہدم ہیں۔

جہانگیر یار جنگ کا حمام یہ حمام مگر دھچ برج کے پاس ہے اس کی پشت خندق سے جا ملی ہے - اب یہ مکان ناگ پھنی کے تباہ کن شکنجے میں ایسا گھرا ہوا ہے کہ کسی کا وہاں تک پہنچنا بھی دشوار ہے - عمارت کا طرز اور حالت بتلاتی ہے کہ بہت زمانے کا بنا ہوا ہے مگر جہانگیر یار جنگ کا زمانہ اتنا پرانا نہیں - اس لئے اصل بانی کا پتہ نہیں چلتا۔
اس حمام کی چھت چونا گچی کی ہے جس کا طول وعرض ۴۸ × ۳۰ فیٹ ہے اور سطح زمین سے بیس فیٹ بلند ہے - اس عمارت پر دو گنبد پختہ بنے ہوئے ہیں جن میں تین روشن دان بھی ہیں -

نیچے کے برآمدے کی چھت بھی موجود ہے جو مثل حوض کے نظر آتی ہے - اوپر کی چھت سے نچلی چھت پر اُترنے کے لئے تیرہ سیڑھیاں پتھر کی ہیں - دسویں سیڑھی کے پاس سیدھی طرف ایک سوراخ ہے جس میں جھانکو تو ایک حوض ۵ × ۴ فیٹ طول و عرض اور عمق نو فیٹ کا بنا ہوا دکھلائی دیتا ہے - اس میں دو نل بھی تھے جن کے نشان موجود ہیں - اس حوض میں اُس باؤلی سے پانی لایا جاتا تھا جو اس عمارت سے ملحق ہے - سیڑھیوں پر سے اُترنے کے بعد سیدھی جانب جنوبی رُخ پر بڑھو تو ایک دروازہ ملتا ہے جو اس مکان میں داخل ہونے کا راستہ ہے - حمام کا نیچے کا درجہ تین حصوں پر منقسم ہے - پہلے درجے میں آؤ تو ایک کمان ۸ × ۷ فیٹ طول و عرض کی ملتی ہے - جس کے بعد مکان شروع ہوتا ہے جو ۲۰ × ۱۰ فیٹ طول و عرض اور گیارہ فیٹ بلند ہے - اس قطعہ کے وسط میں ایک پتھر کا حوض ۹ × ۴ فیٹ طول و عرض کا ہے جو اب بالکل مٹی سے بھرا ہوا ہے اسی وجہ سے عمق معلوم نہ ہو سکا - اس قطعہ میں ایک محراب ہے مگر کوئی روشن دان نہیں ہے پچھاں کی طرف ایک دروازہ ہے جس میں سے دوسرے قطعات میں جانے کا راستہ ہے - دروازے کے باہر ایک (۴۲) فیٹ لمبی گلی ملتی ہے جس کے آخری سرے پر پاخانہ بنا ہوا جو ۹ × ۷ فیٹ طول و عرض اور نو فیٹ بلند ہے - یہاں بھی ایک حوض بنا ہوا ہے اور اس میں بھی نل لگا ہوا ہے - اوپر ایک روشن دان بھی ہے - اس گلی کو طے کرنے کے بعد پہلے قطعہ کے پیچھے وار کو دوسرا قطعہ ملتا ہے جس میں ایک حوض ۶ × ۴ فیٹ طول و عرض کا مٹی سے پٹا ہوا ہے - دونل اس میں بھی لگے ہوئے ہیں - پہلا درجہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے مگر یہ دوسرا حصہ البتہ نہایت مستحکم پتھر اور چونے سے بنا ہوا موجود ہے - تیسرا درجہ ۲۰ × ۹ فیٹ طول و عرض میں ہے جو ۱۱ فٹ بلند ہے جس میں دو روشن دان اوپر وار کو ہیں اور پچھاں کے رُخ تین فیٹ کی مربع کھڑکی کھلی ہوئی ہے - اس قطعہ میں بھی ایک پختہ حوض ۶ × ۴ فیٹ طول و عرض کا ہے جس میں ایک نل لگا ہوا ہے - تیسرے درجے کے اندر اور ایک چھوٹا سا قطعہ ہے جس میں صرف ایک حوض ۱۲ × ۶ فیٹ طول و عرض اور نو فیٹ گہرا ہے - اس میں چھ نل دیواروں میں بڑی خوبی سے لگے ہوئے ہیں اور اس حوض میں جانے کے لئے ایک کھڑکی بھی لگا دی ہے - اوپر وسط میں ایک روشن دان ہے اور فرش زمین پر چار فیٹ مدّور ایک سوراخ ہے جو غالباً آہنی توا پانی گرم کرنے کا تھا اور آبِ گرم

کا ذخیرہ معلوم دیتا ہے جہاں سے بذریعہ نلوں کے گرم پانی دوڑایا جاتا تھا - اس سارے مکان کی صناعی اور جابجا مختلف بلندیوں پر پانی کا پھیلاؤ کچھ شک نہیں کہ فن انجینیری کی بہترین یادگار ہے - افسوس ہے کہ اس مکان پر جس میں روپیہ بکھیر دیا ہے آج کوئی کتبہ بھی نہیں - دنیا کو دیکھئے کہ کیسی مٹانے والی ہے - مکانوں کے بنانے والے ایک طرف آج ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کون تھے -!

ایک نا معلوم گنبد قلعہ سے ایک میل بجانب جنوب بہت نشیب میں ایک گنبد کھڑا ہوا ہے جو کسی نواب کا کہلاتا ہے - اس میں ایک زنانی اور ایک مردانی قبر ہے - گنبد بالکل مضبوط اور پتھر کا بنا ہوا ہے - (۱۵) فیٹ بلند اور (۱۸) فیٹ مربع چوکھنڈی ہے جس پر قبہ ۱۵ فیٹ مدور ہے - گنبد کے اطراف چار روشن دان ہیں اور پتھر کی تراشی ہوئی سولہ کمانیں ہیں - اندر کا حصہ ۱۲ فیٹ مربع اور ۲۴ فیٹ اونچا ہے - قبریں ۴ × ۳ فیٹ طول و عرض میں ہیں - اس گنبد کے سامنے چبوترے پر بھی ایک قبر کسی بزرگ کی ہے - اس گنبد کے چاروں طرف نو نو در ہیں ؎

اک دن زمانہ مجھ کو مجسم نظر پڑا — پوچھا یہ میں نے اُس سے کہ اے بے وفا بتا
یہ لوگ کون ہیں جو ترے دست ظلم سے — آزردہ ہو کے گوشۂ تربت میں سو رہے
تھا مہ جبین کوئی تو کوئی رستم زماں — ہر ایک کی زباں پہ ہیں جن کی کہانیاں
مرنے پہ بھی اماں نہ ملی تیرے ہاتھ سے — بھتوں کے تو نشان لحد بھی مٹا دیئے
مٹنے پہ بھی نشان لحد یادگار ہے — عبرت ہے شامیانۂ چشم سوگوار ہے
مجھ کو بتا کہ کون ہیں اور کن وجوہ سے — ہو کر اداس شہر خموشاں میں آ بسے
اُس نے کہا غرور کے لہجے میں چپ رہو — تحقیق چاہتے ہو تو خود آ کے دیکھ لو
میں کیوں کہوں کہ کون تھے یہ اور کہاں سے آئے — پیوند خاک ہو گئے اب تو جہاں سے آئے

بارہ دری اس میں کل بارہ کمانیں ہیں اور چاروں طرف چار دروازے ہیں اس میں بھی جابجا دیولوں کے پتھر لگے ہوئے ہیں - اندر کا دالان (۱۲) فیٹ اور باہر کا برآمدہ (۳۲) فیٹ مربع ہیں -

اس مکان کی بلندی (۱۸) فیٹ ہے - یہ تمام عمارت نہایت پختہ بنی ہوئی ہے مگر کوئی کتبہ نہیں ہے
بارہ دری میں جانے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ حمام خانے میں اُتر کر بدقت
نشیب و فراز مقامات طے کر کے جائیں -

درگاہ حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہ یہ درگاہ شریف اندرون آبادی قلعے کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر ایک نشیب میں واقع ہے
جہاں اکثر پانی جمع رہتا ہے - درگاہ کے اطراف ایک قبرستان ہے - درگاہ کا گنبد ستر فیٹ بلند اور
(۱۵) فیٹ مربع ہے دروازہ صرف ایک ہی ہے کچھ معاش بھی جاری ہے - کتبہ کسی قسم کا نہیں
ہے معض بعض قبروں پر البتہ کتبے ہیں جن سے درگاہ کی قدامت کا پتہ چلتا ہے -

کتبۂ قبر عبد اللہ بیگ جو املی کے درختوں میں درگاہ کے شمال میں اور بہت ساری قبروں میں واقع ہے

ہر کہ از دنیا گزشت از بہر دیں　　خانۂ عقبائے او مغفور باد
یارب آں مظلوم در روز جزا　　باحسین ابن علی محشور باد
چوں شہادت یافتہ عبد اللہ بیگ　　گفت ہاتف "مرقدش پر نور" باد
سنہ ۱۱۰۹ھ

ایک دوسری قبر کا کتبہ - یہ قبر بہت چھوٹی کسی بچے کی ہے اور حضرت ہی کے چبوترے پر
واقع ہے جس پر یہ کتبہ ہے جس میں تاریخ صحیح نہیں نکلتی ہے

تاریخ وفات برآمد از دل جانی　　مقبول بشد کمال ملتانی
تاریخ وفات ہفدہم ماہ ربیع الثانی　　اخلاص برآں .... فاتحہ خوانی

حضرت کا زمانہ قریب آٹھ سو برس کے بتلایا جاتا ہے اور اس حساب سے اودی گیر باوا کے بعد
آپ کی تشریف آوری قرار پاتی ہے - حضرت کے گنبد کے محاذی ایک مسجد بھی ہے - آپ کے گنبد پر
ایک نیم کے درخت کا سایہ ہے جس قدر ٹہنیاں گنبد پر جھکی ہوئی ہیں اُن کا پتہ میٹھا ہے باقی کا معمولی
تلخ - راقم نے بالذات اس کا تجربہ نہیں کیا لیکن موجودہ لوگ متواتر راوی و ناقل ہیں - واللہ اعلم عنداللہ

تین سیڑھی کی باؤلی یہ باؤلی بالکل اس درگاہ کے متصل ہے جس میں صرف تین سیڑھیاں
ہیں اسی سبب سے تین سیڑھی کی باؤلی نام پڑ گیا - اس کے سامنے ایک چھوٹی مسجد ۲ × ۲ فیٹ

بلند ہے۔ اس میں ایک گچ کا بنا ہوا حوض تین فیٹ مربع اور چار فیٹ گہرا ہے جس کے بازو دو چھوٹے چھوٹے ہشت پہلو حوض ہیں۔ صحن مسجد اور اندرون مسجد سب موٹی گچ ہے۔ باؤلی میں پانی بہت کم رہتا ہے یعنی صرف ڈیڑھ گز عمیق ہے اوپر سے تہ نظر آتی ہے باایں ہمہ ہر موسم میں پانی جتنے کا اوتنا رہتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ اس باؤلی میں بھی پتھر دیول کا لگا ہوا ہے۔ روایت ہے کہ یہ باؤلی حضرت ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔

جینا جھرا لوہاروں کے محلے کی باؤلی جو سیٹری بن دروازے سے قریب دو سو قدم کے فصل سے ہے۔ اس باؤلی کا پانی اوپر ہی رہتا ہے لہذا لوگ کثرت سے لے جاتے ہیں۔ اس کا پانی بہہ کر درگاہ کے بازو سے مسجد کے نیچے ہو کر نکل جاتا ہے۔ دیکھنے کو معمولی باؤلی اور ذرا سا چشمہ ہے مگر آگے چل کر کئی ندیوں کا منبع قرار پاتا ہے۔ اودگیر کی لیڈی ندی۔ کھڑکہ کی لونڈی۔ کلوڑ کی نہنڈی۔ نلوڑ کی کانڈی۔ سب اسی باؤلی کا بہا ہوا پانی ہے۔ یہ تو ہم نے بھی دیکھا ہے کہ اس باؤلی کا بہاؤ پانی اور تین سیڑھی کی باؤلی کا پانی دونوں ہمیشہ رواں رہتے ہیں۔ زندہ جھرہ کے جس سے نشیب میں ایک چھوٹی سی جھیل بن گئی ہے۔

شکر باؤلی تالاب کے متصل اور درگاہ سے کوئی پاؤ میل پر اس نام کی ایک باؤلی ہے اس کا پانی نہایت شیریں ہے اسی وجہ سے شکر باؤلی کے نام سے مشہور ہے۔ ایک افتادہ مسجد بھی یہاں ہے جو شکر باؤلی کی مسجد کہلاتی ہے۔ یہاں ایک کسبی کی قبر ہے اور مشہور یوں ہے کہ یہ مسجد اور باؤلی دونوں اُسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ زمین حضرت میر موسیٰ کی درگاہ کے متعلق ہے یہ بھی ممکن ہے کہ باؤلی اور مسجد اُنھیں کی بنوائی ہوئی ہو۔

گنبد نما قبر درگاہ کے پاس ایک گنبد نما قبر بھی ہے جو چار فیٹ کے بلند چبوترے پر ہے گنبد کا اندرونی حصہ نو فیٹ اونچا ہے اور بیرونی طول وعرض ۲۷×۱۲ فیٹ ہے۔ اس عمارت کے آٹھ در ہیں جس کے سامنے ایک بہت پرانا املی کا درخت ہے مگر پتہ نہیں چلتا یہ مزار کن بزرگوار کا ہے۔

گنبد حضرت میر موسیٰ قادری باغ محمود سے مغرب رُخ ہے اور ایک سو فیٹ بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہے جہاں اور بھی بہت سی قبریں ہیں۔ پہلا دروازہ درگاہ کا نو سیڑھیاں

چڑھ کر ملتا ہے جو (۱۵) فیٹ بلند ہے۔ سیڑھیاں شکستہ ہیں۔ ایک چھوٹی سی پتھر کی کمان بھی ہے جو چار فیٹ کی ہے اور تین سیڑھیاں ہیں یہ کمان ۱۲ فیٹ عریض ہے۔ اس کی دونوں جانب دو پختہ چبوترے ہیں جن پر دونوں طرف ۶×۴ فیٹ بلند و عریض چوڑی چوڑی دو کمانیں ہیں۔ چھوٹی کمان کے آگے سات سیڑھیاں ہیں اور آگے چل کر درگاہ پر پہنچنے کو پھر بارہ سیڑھیاں ملتی ہیں۔ درگاہ کا گنبد بتیس فیٹ بلند ہے جو چھ فیٹ کے اونچے پکے اٹھارہ فیٹ مربع چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر ایک کالی پتھر کی قبر ہے جو بالکل سادی ہے نہ نقش و نگار ہیں نہ کتبہ۔ گنبد کے سامنے وہی تالاب ہے جو محمود باغ سے ملا ہوا ہے۔ حضرت میر موسیٰ قادری قلعہ دار بھی تھے۔

مسجد متعلقۂ درگاہ درگاہ کے احاطے میں ایک مسجد ۱۵×۱۴×۶ فیٹ طول و عرض و ارتفاع میں ہے جس کی تین سیڑھیاں ہیں۔

ستیاپت دھرم سالہ یہ دھرم سالہ کوئی دو سو برس کا بنا ہوا ہے۔ دھرم سالہ کا دروازہ تو بلند ہے مگر اس میں ایک کھڑکی ۵×۴ فیٹ طول و عرض کی لگا کر تنگ کر دیا ہے۔ دھرم سالہ میں (۳۰) کمانیں ہیں۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی ایک دیول ملتا ہے جس میں ہنومان کی مورت ہے۔ اس حجرے کی تین پیش کمانیں اور تین اندرونی محرابیں ہیں جس کی سیدھی جانب ایک کتے کی مورت ایک ہی پتھر میں تراشی ہوئی ہے اور سامنے دو فیٹ کا اونچا پختہ چبوترہ ہے جس پر مہادیو کا لنگ ہے اور ایک پرانا درخت نیم کا ہے۔ یہیں (۵) فیٹ کی دو پختہ نشست گاہیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ یہ دیول چار فیٹ بلند اور (۵۰) فیٹ طویل پختہ چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ تمام صحن میں پتھر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں اور سو مسافر بہ آسانی ٹھیر سکتے ہیں۔ دھرم سالہ کے چار حصے ہیں۔

(۱) جس کی پشت شمالی جانب ہے دیول اور اُس کے متعلقات ہیں۔

(۲) جس کی پشت شرقی جانب ہے چار کھلی ہوئی کمانیں پتھر کے چار فٹ بلند چبوترے پر بنی ہوئی ہیں۔ کمانوں کی چوڑان چھ فیٹ کی ہے۔

(۳) جس کی پشت جنوبی جانب ہے۔ پانچ کمانیں ہیں۔

(۴) جس کی پشت غربی جانب ہے۔ آٹھ کمانیں ہیں۔ جن میں سے (۵) مسافروں کے

اُترنے کی ہیں اور تین باؤلی کے متعلق ہیں۔
دھرم سالہ کے متعلق ایک باؤلی (۲۵) فیٹ مربع ہی جو نہایت مستحکم سلوں سے بنائی گئی ہی اور سیڑھیاں بھی پتھر کی ہیں۔ ایک کمان باؤلی کے اوپر ہی اور دوسری نیچے۔ باؤلی کے اندر دس در ہیں اور ان پر بطور دو منزلہ اور سات کمانیں بنی ہوئی ہیں جو بند ہیں صرف ایک ایک چھوٹی سی کھڑکی لگا دی ہی۔ یہ کمانیں اندر سے چھ فیٹ مربع ہیں۔ غرض باؤلی کی تین طرف لوگون کے اُترنے کی کافی جگہ ہی۔ پانی اس باؤلی کا شیریں اور باؤلی بہت گہری ہی۔ یہہ دھرم سالہ بہت پختہ بنا ہوا ہی اور نہایت اچھا ہی۔ جو چار بیگھے زمین گھیرے ہوا ہی۔ باؤلی کی بائیں جانب دھرم سالے پر چڑھنے کے لئے نو سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ تالاب دروازے چوبارے کو جاتے ہوئے نشیب میں ایک اور باؤلی ملتی ہی جو ۱۰×۸ فیٹ طول و عرض کی ہی جس میں اُترنے کی سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی کے دونوں جانب حوض بھی ہیں جن میں پانی بھرا رہتا ہی۔

سومناتھ کا دیول بستی کے شمالی غربی گوشہ میں تالاب دروازے کے باہر آبادی کے باہر بالکل گڑھے میں بنا ہوا ہی جہاں پہاڑوں کا پانی بہہ بہہ کر ایک جھیل ہوگئی ہی اس کے بہاؤ سے اودگیر کی لینڈی ندی نکلتی ہی۔ ہر پیر منگل کو یہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہی جس زمانے میں یہہ مندر بنا جسے دو سو برس سے اوپر ہوئے دیول کے اطراف ایک بستی سومناتھ پور تھی جس کا حصار اب بھی موجود ہی جس سے دو سو مکانات کی آبادی معلوم دیتی ہی غالبًا دیول پہلے بنا ہی اور دیول کی خاطر سے بستی آباد ہوگئی اب بستی تو اُجاڑ ہوگئی صرف دیول باقی ہی جس میں چار بت ہیں۔ اس دیول کے لئے اب تک معاش جاری ہی۔

سوم تیرتھ باؤلی سوم یعنی دیو تیرتھ یعنی پوجا۔ قدیم اور سنگ بست ہی۔ چاروں طرف سیڑھیاں ہیں۔ چالیس فیٹ مربع ہی۔ ایک چھوٹی مورت بھاگ دیوی کی بھی ہی جس کو عالمگیر نے یہاں سے بھگا یا تھا۔ گاؤ مکھ اس باؤلی کا نہیں ہی بلکہ سنہ ۱۲۷۲ فصلی میں کہیں اور سے لا کر لگا دیا ہی۔

تلجاپور کی دیوی تلجاپور ضلع عثمان آباد[۱] میں ہی جو عثمان آباد سے ۱۴ میل ہی جس کا قدیم

[۱] عثمان آباد مستقر ضلع بارسی سٹیٹ ریلوے کے اسٹیشن ایڑسی سے ۱۲ میل ہی۔ عمل کمشنری کی کچہری اور باغ میں ضلع کی کچہری ہی۔ یہاں ایک بہت بڑی درگاہ حضرت خواجہ شمس الدین غازی عرف شیرین شاہ کی ہی جس کا

نام ضلع نلدرگ اور مستقر وہاں راسیوں تھا ایک بہت مشہور اور بڑا بھاری دیول دیوی کا ہے اسی کی شبیہ یہاں بھی بنائی گئی ہے۔ مکان کی شکل بالکل گنبد کی سی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس مقام پر قدیم دیول تھا عالمگیر بادشاہ نے اُسے توڑ کر مسمار کردیا اور دیوی بھاگ گئی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۔ بلند گنبد چاروں طرف دور دور سے نظر آتا ہے۔ سالانہ عرس بھی حکام مقامی کے اہتمام سے اعلیٰ پیمانے پر ہوتا ہے۔ گنبد کے صدر دروازے پر یہ کتبہ ہے:۔

خواجہ شمس الدین غازی عرف شیر شاہ ولی　　کرد رحلت از جہاں شد منزلش خلد بریں

سال وصلت از خرد جستم سروش غیب گفت　　رہنمائے اولیاء معدن اہل الیقین

سنہ ۱۰۴۳ھ

تلجاپور ہندوؤں کا بڑا متبرک مقام ہے جہاں تلجاپور بھوانی دیوی ہے تحصیل کا مستقر ہے شولاپور سے بارہ کوس ہے۔ دیول کی عمارت بہت وسیع ہے۔ چاروں طرف لمبے لمبے وسیع دالان زائرین کے اترنے کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ کئی کنڈ اشنان کے ہیں جن پر نہایت عمدہ اور خوب صورت پکے گھاٹ ہیں۔ روزانہ کثرت سے زائرین کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے۔ بہت سے مریض بھوانی کے قدموں میں آکر پڑ جاتے ہیں۔ اور جب تک صحت نہ ہو نہیں جاتے۔ منت مراد والوں کی کوئی گنتی نہیں۔ سادھو لوگ دور دور سے آکر درشن کرتے ہیں۔ دیول کے اندر جوتی پہن کر کوئی جا نہیں سکتا۔ دیوی کا خاص حجرہ بالکل تاریک ہے جس میں رات دن چراغ جلتے رہتے ہیں۔ دیوی ایک سنگ سیاہ کی اندازہ دو فٹ لمبی مورت ہے جس کی آنکھیں چمکتی رہتی ہیں غالباً ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں کنگلوں اور بھکاریوں کی کچھ کمی نہیں جو لوگ درشن کو آتے ہیں اُن کو بلا کی طرح چمٹ جاتے ہیں۔ خدام کا گروہ جدا بلا کی طرح لپٹ جاتا ہے۔ جگہ جگہ پر چڑھاوا۔ دان۔ پُن کرنا پڑتا ہے۔ خدام جو اندر دیول کے خدمت کرتے ہیں پالکری کہلاتے ہیں اور باہر کے خدام بھوپے۔ اِن دونوں فریقوں میں ہمیشہ نزاع رہتی ہے نہ خود کھاتے نہ کسی دوسرے کو کھانے دیتے ہیں آئے دن کی مقدمہ بازی سے سرکار نے تنگ ہو کر اپنی نگرانی قایم کردی ہے اور ایک مہتمم اور خزانہ دار اور معقول عملہ آمد و خرچ کے باقاعدہ طور پر حساب رکھنے کے لئے مقرر کردیا ہے جس کے اخراجات ایک مجلس کے ذریعہ سے چلائے جاتے ہیں جس کا میر مجلس تعلقہ دار ضلع ہے۔ علاوہ ضلع کی مجلس کے صدر مجلس حیدرآباد میں ہے جس کے اراکین کئی معزز اور سربرآوردہ اہل ہنود ہیں اور مسٹر ہنکن ڈائرکٹر جنرل پولیس و جیلز اُس کے

عالم گیر نے دیول توڑ کر اُسی جگہ مسجد بنائی جو ویران ہو جانے سے زمانۂ حال میں پھر اہل ہنود نے دیول بنا لیا۔ مسجد اور مکان تین سو سال کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں تین کمانیں ۳۰×۳۰ طول و عرض و بلندی (۱۵) فیٹ کی ہیں۔ وہ قطعہ جس میں اب دیوی ہے ۱۲×۱۲ فیٹ ہے۔ صورت موجودہ اور قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد عالم گیر کی بنائی ہوئی تھی جس کا گنبد جوں کا توں اب تک باقی ہے۔ آخر کے قطعہ میں ایک دریچہ ۴×۲ ½ فیٹ کا ہے جس پر نقش و نگار

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۔ پریزیڈنٹ ہیں۔ خزانہ میں علاوہ ہزار روپیہ کے جو نذر و نیاز سے جمع ہوتا ہے لاکھوں روپیہ کے بیش قیمت زیورات ہیں جو آئے دن دیوی پر چڑھائے جاتے ہیں راقم نے کئی ہار یان پان سو اشرفیوں کے دیکھے ہیں۔ دیوی کی ایک جڑاؤ ٹوپی ہے جس پر جواہرات یاقوت۔ ہیرا۔ زمرد جڑے ہوئے ہیں۔ بیس پچیس ہزار کی صرف یہ ایک ٹوپی ہے جو مہاراجہ بڑودہ نے چڑھائی ہے۔ اور اس طرح کے اعداد کثرت سے ہیں جن کا اندراج بہ صراحت وزن و قیمت باقاعدہ طور پر رجسٹر میں ہے۔ دیول کا فرش ناہموار پتھروں کا ہے جس پر جابجا ہزارہا روپیہ گڑا ہوا ہے جو آتا ہے حسب مقدرت روپیہ گاڑ جاتا ہے چنانچہ ایک دفعہ کچھ حصہ فرش کا اُکھیڑ کر درست کیا گیا تو سترہ ہزار روپیہ اُکھاڑ کر خزانے میں جمع کیا کیا گیا۔ سالانہ جاترا میں ایک انبوہ کثیر خلائق کا جمع ہوتا ہے اور دور دور اور ہر ملک کے لوگ آتے ہیں دس دس بارہ بارہ کوس چاروں طرف بھوپے اور پالکر بیٹھے رہتے ہیں اور وہیں سے جاتریوں کو گانٹھ لاتے ہیں۔ اجمیر شریف کی طرح یہاں بھی خدام اپنی پوتھی میں سب کے نام ٹانک لیتے ہیں اور جس کا جو ججمان ہوتا ہے ممکن نہیں کہ دوسری جگہ اُتر جائے۔ دیوی کی پوجا پاٹ اُس کا اشنان جو پنچامرت (یعنی پانچ امرت کیلا۔ شکر۔ دودھ۔ دہی۔ گھی) سے ہوتا ہے اور مختلف مذہبی رسوم روزانہ ہوتے رہتے ہیں جاترا میں دیوی پالکی میں بٹھلا کر نکالی جاتی ہے۔ غرض دکن کے مقامات متبرک اہل ہنود میں پنڈھرپور اور تلجاپور یہی دو مقامات اول درجے کے ہیں۔

تلجاپور سے قصبہ کاٹی تین کوس ہے وہاں ایک نہایت خوش نما مسجد قطب شاہیوں کے زمانے کی بنی ہوئی ہے جو برہان شاہ کے عہد میں ملک یاقوت کی بی بی نے بنائی تھی یہ مسجد سنگ سیاہ کی ہے اور اندازہ لاگت پچاس ہزار ہے۔ اس پر یہ کتبہ ہے۔

عمارت ہائے عالی ساخت بے عیب	زمان شاہ برہان روضۂ زیب
بناکرد است مسجد زوجہ یاقوت	ندا آمد پئے تاریخ از غیب

ہیں۔ یہ پتھر غالباً مسجد کو دیول بنانے کے بعد کہیں اور سے لاکر لگا دیا ہے چنانچہ اسی کے مماثل اور دو پتھر بھی یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ اس دیول میں چودہ کمانوں کا پختہ مسافر خانہ بنا ہوا ہے۔

گنڈی دیوی یہ دیوی کا حمام ہے جو گنڈی دیوی کہلاتا ہے۔ تین فٹ مربع ہے۔ اس میں پانی اُسی تالاب سے آتا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

ایک عمیق و عمدہ باؤلی اس دیول کی داہنی جانب ایک بہت بڑی گہری عمدہ باؤلی ہے جو ۵۰×۳۳ فیٹ ہے۔ چونکہ پانی صرف نہیں ہوتا لہذا خراب ہوگیا ہے مگر پانی کثرت سے ہے۔ اس باؤلی کے چاروں طرف پختہ چبوترے ہیں۔ اس باؤلی کے پاس بھی ایک پُرانا گنبد ہے جو پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے۔ باؤلی کے اوپر مغرب کی طرف ٹیلے پر ماتا دیوی ہے جو بالکل انسان کی شکل ہے۔ یہ دیوی ڈھیڑوں کی ہے۔

سومناتھ کے دیول کے پاس کا کنڈ سومناتھ کے دیول کے پیچھے ایک کنڈ سو فیٹ مربع ہے جو اَب مٹی اور کیچڑ سے بھر گیا ہے لیکن کسی زمانے میں اس میں موٹ چلتی تھی اور ایک عظیم الشان باؤلی تھی۔ یہاں ایک چھ فیٹ مربع حوض ہے جس پر چھت بھی ہے یہ حوض ایک دوسری موٹ کی باؤلی کے متعلق ہے جو سنگ بستہ اور مستحکم ہے یہ حوض بھر کر اوبلتا رہتا ہے اور اس حوض سے جو ایک نہر نکالی گئی ہے اُس سے بہہ کر کنڈ میں جاتا ہے اور اس کے دہانے پر ایک گائے بنی ہوئی ہے جس کے منہ سے ہمیشہ پانی بہتا رہتا ہے۔

کمال محل واقع محمود باغ باغ محمود میں یہ محل واقع ہے جو (۳۴) فیٹ مربع ہے۔

مکان مغل خاں کوکہ شاہ جہاں یہ مکان اگرچہ بالکل ویران اور اُجڑا ہوا ہے مگر اس کے درودیوار شکستہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب درست حالت میں ہوگا تو نہایت تکلف سے آراستہ ہوگا۔ درودیوار پر اب بھی چینی کے کام کے نشانات باقی ہیں۔ اب سوائے چار دیواری کے کچھ باقی نہیں ہے۔ یہ مکان قلعہ کے گیتی برج کے پیچھے ہے اور نصرت جنگ کے مکان سے پہلے ملتا ہے۔ اب صرف ایک پتھر کتبہ کا رہ گیا ہے جو اب کا پتھر خدا جانے کدھر رُل گیا۔ وہ یہ ہے ؎

مغل خاں کوکہ دولت بیگ قوم مغل — شد بنائے آن خجستہ مکاں

مغل خاں کا مکان بہت بلندی پر واقع ہے جس میں قلعہ کے باہر کی باؤلی سے نل لایا گیا ہے اور نہایت نشیب سے پانی اتنی بلندی پر چڑھایا گیا ہے۔

حسام باغ ۱۰۵۹ھ بستی سے ایک میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب ہے جہاں جانے کے لئے راستہ تک ندارد ہے چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں۔ باغ کی ساری زمین ابتہ معمولی زراعت کو دے دی گئی ہے۔ آم کے عمدہ عمدہ پُرانے درخت اب بھی موجود ہیں۔ متعدد و عمدہ اور بڑی بڑی باولیاں ہیں مگر سب شکستہ جب باغ ہی اُجڑ گیا تو باولیوں کو کون پوچھتا ہے ؎

بباغ رفتم و گل چیدم و فغاں کردم — زیارت دل مجروح بلبلاں کردم

بمن بگفت یکے بلبلے کمن سالے — ہزار سال دریں باغ آشیاں کردم

وفا و عہد مودّت ز گل رخاں مطلب

من ایں معاملہ را کردم و زیاں کردم

پہلا مکان یہہ مکان وسط باغ میں ہے اور نہایت عمدہ تفرج گاہ ہے۔ اس مکان کے چار درجے ہیں اور سب سے اوپر شہ نشین کی طرح چھ فیٹ کا مستطیل پختہ چبوترہ ہے جہاں سے دور دور کی سیر ہو سکتی ہے بیچ کا درجہ ایک عالی شان عمارت ہے ہر کمان اس کی کھلی ہوئی ہے دروازہ نہیں ہے۔ یہہ رہنے کا مکان نہیں ہے صرف ایک سیرگاہ ہے۔ یہاں ایک پختہ اور عمدہ حوض ۸ × ۵ فیٹ طول و عرض اور پانچ فیٹ گہرا ہے جس میں پاس کی باؤلی سے پانی آتا تھا۔ اسی حوض کا پانی نیچے کے دو درجوں میں بھی پونچتا ہے جہاں دو اور چھوٹے چھوٹے حوض بنے ہوئے ہیں۔ اس مکان کی وضع قطع بالکل ایرانی طرز کی ہے اور اُس مکان کا نمونہ ہے جس میں بادشاہ ایران کی قبر ہے۔ اس پر ذیل کے کتبات ماشی رنگ کے پتھروں پر کندہ ہیں:-

عَلَی اللّٰہِ فِی کُلِّ اُمُوْرِ تَوَکُّلِی — وَبِالْخَمْسِ اَصْحَابِ الْعَبَاءِ تَوَسُّلِی

بَعْدَ الْمَبْعُوْثِ وَابْنَیْہِ بَعْدَہٗ — وَفَاطِمَۃَ الزَّہْرَاءِ وَالْمُرْتَضٰی وَالْعَلِی

صاحب قران ثانی

در زمان شہ آفاق ستاں — باعث امن و اماں شاہ جہاں

باد گیتی ز صحاب فضلش　　تا ابد تازہ تر از باغ جناں
ساخت باغے بہ فرح بخشی خلد　　مظہر فیض حسام الدین خاں
بہر تاریخ وی ز ہاتف غیب　　"باغ نو" آمدہ در گوش رواں
سنہ ۱۰۵۹ھ

ابن نظام الدین خاں
ابن غیاث الدین علی آصف خاں
ابن آقا ملا ابن بدیع الزماں
ابن بدر الدین حسن القزوینی نور اللہ مضجعہم

بحساب جمل باغ نو یک ہزار و پنجاہ و نہ ہجری نبوی می شود و مطابق جلوس ہمایوں سنہ بست و یک ھ

ساختم ایں خانہ را تا دوستے منزل کند　　ورنہ عاقل عمر خود کی صرف آب و گل کند
تواں کردن تمام عمر خود مصروف آب و گل　　کہ شاید یکدمے صاحبدلے در وے کند منزل

دوسرا مکان یہ مکان بھی اسی باغ میں تھوڑے فاصلے پر ہے جس طرح پہلے مکان کے چبوترے پر دو قبریں ہیں یہاں کوئی قبر نہیں ہے۔ اس مکان سے بالکل ملی ہوئی ایک اُترنے کی باؤلی ہے۔ اس مکان کے تین درجے ہیں۔ یہ مکان بھی سیرگاہ ہے اور درست ہے اور ہر درجے میں اُسی باؤلی کا پانی پونہچتا ہے۔ سوائے پختہ چھت کے اس پر کوئی گنبد نہیں ہے نہ کسی قسم کا کتبہ ہے۔ یہ مکان بھی ایرانی وضع کا نہایت مستحکم ہے۔

باغ محمودی یا احمدی سنہ ۱۱۶۳ھ دونوں نام ہیں۔ بستی سے تھوڑی دور مغرب کی طرف ہے تالاب دروازے سے نکل کر ایک وسیع باؤلی ملتی ہے اُس سے ملا ہوا ایک تالاب ہے اُسی کے بند پر سے اس باغ میں جانے کا راستہ ہے بشرطیکہ اُس کو راستہ کہا جا سکے کیوں کہ جدھر دیکھو جل بھرا ہوا ہے۔ اب باغ کہاں ساری زمین زراعت پر اُٹھا دی گئی ہے البتہ امرودوں کے تختے جا بجا باقی ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب باغ ہوگا تو یقیناً قابل دید ہوگا۔ اب بھی جا بجا کیاریاں نالیاں۔ روشیں۔ چبوترے گرے ہوئے مکانات کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے ھ

کھلی آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں　　بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

رفتم بباغ تاکہ بچینم سحر گلے — آمد بگوش ناگہم آواز بلبلے

مسکیں چو من بعشق گلے گشتہ مبتلا — واندر چمن فگندہ بفریاد غلغلے

میگشتم اندر آن چمن و باغ دمبدم — میکردم اندراں گل و بلبل تاملے

چوں کردہ در دلم اثر آواز عندلیب — گشتم چناں کہ ہیچ نماندم تحملے

بس گل شگفتہ می شود ایں باغ را ولے — کس بے جفائے خار نچیدست از گلے

گل یار خار گشتہ و بلبل قرین عشق — آں را تغیرے نہ و ایں را تبدلے

حافظ مدار امید فرح از مدار چرخ
دارد ہزار عیب و ندارد تفضلے

اس باغ میں ایک چونے اور پتھر کی عمارت تھی اور جس میں انواع واقسام کے بہترین نقش ونگار تھے اس میں ایک حمام بھی ہے جس کے دو پختہ حوض اب تک صحیح وسالم ہیں۔ ان دو حوضوں کے سامنے ایک تیسرا حوض بھی ہے ان حوضوں پر متعدد روشن دان ہیں جو دھواں نکلنے کے لئے بنائے گئے تھے اور پہلے دونوں حوضوں کی سطح میں ایک ایک سوراخ بھی ہے جو غالباً پانی گرم کرنے کے لئے توے کا کام دیتا ہوگا۔ اس مکان کے پاس کی باؤلی (۳۰) فیٹ مربع ہے اور گہرائی اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس باؤلی میں اترنے کی عمدہ پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اطراف کمانیں اور چبوترے بنے ہوئے ہیں۔ اسی باؤلی کا پانی نل کے ذریعے سے حمام میں لایا جاتا تھا اور ان حوضوں میں گرم ہوکر کام میں لایا جاتا تھا۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ پانی کس طرح گرم کیا جاتا تھا۔ دہلی اور بیدر کے حمام میں صرف ایک چراغ کی لو سے ہمیشہ پانی گرم رہتا تھا ممکن ہے وہی طریقہ یہاں بھی ہو۔ اسی مکان میں ایک سنگ سیاہ پر یہ کتبہ بخط نستعلیق لکھا ہوا ہے

بحر جود و فیض عام حسام اللہ خاں — آں کہ نام نامیش لطف علی

ساخت حوضے بس وسیع و باصفا — می نماید ہم چو جام صیقلی

گوئے صافی برد چوں زامثال خود — شد ازاں روز نام او کوثر قلی

بہر تاریخش رضا چوں فکر کرد — ہاتفش گفتہ بہ آواز جلی

پنج تن از پنج تن گیرد بگو — بانی کوثر قلی لطف علی

۱۱۶۳ھ

اس کتبہ سے بانی کا نام تو ظاہر ہی لیکن باغ محمودی یا احمدی کیوں مشہور ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ محمود شاہ بہمنی کا بنایا ہوا ہی اور بعض راوی ہیں کہ عالمگیر بادشاہ نے یہہ نام رکھا۔ اس مکان کے آگے ایک وسیع حوض (۲۰) فیٹ مربع اور چھ فیٹ گہرا موجود ہی اس کے وسط میں ایک فوارہ بھی لگا ہوا ہی۔ تالاب کے کنارے بھی ایک چھوٹا سا مکان ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بنا ہوا ہی۔ اس میں آٹھ در ہیں۔ یہ مکان ۱۸×۱۰ طول و عرض ۱۲ فیٹ بلندی ہی۔ تالاب بھی بڑا وسیع ہی۔ اس مکان کے اوپر ایک نالی بنی ہوئی ہی جس میں سے تالاب کا پانی دو مستطیل ڈھلواں سلوں پر سے مثل آبشار کے گرتا ہی وہاں سے ایک چھوٹے سے دس فیٹ مربع چبوترے پر سے بہتا ہوا ایک بڑے مستطیل حوض میں جاتا ہی جو ۶۰×۳۰ طول و عرض اور ۲ فیٹ عمیق میں جمع ہوتا ہی اس کے بھرنے کے بعد پھر پانی ایک دوسرے حوض میں جاتا ہی جو ساٹھ فیٹ مربع اور چھ فیٹ گہرا ہی۔ اس حوض کے وسط میں بھی ایک فوارہ لگا ہوا ہی اور حوض کے چاروں کناروں پر چبوتریاں بنی ہوئی ہیں اور حوض کے اندر نہایت باریک چونے گچی کا کام نفاست سے کیا گیا ہی اور تین تل بھی ہیں۔ اس کے بعد ایک وسیع چبوترہ چالیس فیٹ مربع اور چھ فیٹ بلند ہی۔ اس مکان کے جنوب رُخ پر اور ایک چھوٹا سا دو منزلہ مکان ہی مگر نہ اس پر کتبہ ہی نہ کوئی اور خاص بات تذکرہ کے قابل ہی۔ اس باغ کے احاطے کے باہر تھوڑی دور پر سَو فیٹ اونچے ٹیلے پر حضرت میر موسیٰ صاحب قادری کی درگاہ شریف ہی۔

قلعہ داران اگرچہ اودگیر پہلے بہمنیوں کے قبضہ میں تھا مگر اُس زمانے کے حالات دستیاب نہیں ہوتے البتہ خاندان بریدیہ کے عہد سے مسلسل واقعات کا پتہ چلتا ہی۔ بریدیوں کا پہلا بادشاہ قاسم برید تھا جو ۹۰۸ھ میں تخت نشین ہوا اور اودگیر بطور جاگیر اُس کے قبض و تصرف میں تھا۔ ۹۲۳ھ میں اُس کا بیٹا امیر برید مسلط ہوا ۹۵۲ھ میں برہان[51] نظام شاہ نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ اور چندے قابض رہا اس کے بعد مرتضیٰ[52] نظام شاہ نے حکومت کی جس کے وقت کے کئی کتبے

[51] احمد نگر کا دوسرا بادشاہ تھا جو اپنے باپ احمد نظام شاہ کی وفات کے بعد ۹۱۴ھ میں تخت نشین ہوا۔
[52] یہہ بادشاہ بیٹا ہی علی بن برہان شاہ اول کا جس کی تخت نشینی سدّی عنبر اور راجو دکھنی کی امداد سے ۱۰۰۹ھ میں ہوئی۔ اس کا زمانہ اور شاہ جہاں کا عہد ایک تھا۔ غالباً وہ کمان جس پر ۹۸۴ھ لکھا ہوا ہی اس کی تخت نشینی کے پہلے کی ہوگی۔ ۱۲

ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸۴ھ میں قلعہ پر یہی قابض تھا اور ملک مرجان حبشی اور امیر خاں حکام اور قلعہ داروں نے کئی عمارات بنوائی ہیں جن کے اِس وقت تک آثار قدیم موجود ہیں چنانچہ ایک سنگ سیاہ کی کمان پر سیدھی جانب یہ کتبہ ہے۔

شاہ عالم مرتضیٰ نظام شاہ سلطانی ۹۸۴ھ ایں عمارت شد ز مرجان فرمان عالی

اور بائیں جانب یہ ہے ؎

زیں رواق ز فرمان ازلی ست　　ز لطف علی و آل علی ست

شاہ جہاں کا قلعہ اودگیر کو فتح کرنا ۔۔ شاہ جہاں پادشاہ دہلی نے ۱۰۴۶ھ میں دکن کا رخ کیا اور دکھن کے چالیس قلعے فتح کئے جس میں اودگیر بھی تھا۔ اُس وقت کی عمارات اب تک موجود ہیں جن کے کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ مغل خاں نصرت جنگ بہادر غالباً شاہ جہاں ہی کی طرف سے یہاں کے قلعہ دار تھے۔

خداوند خاں قلعہ دار ۱۰۴۳ھ نو سنہ جلوس شاہ جہانی میں یہ قلعہ دار تھے اور انھوں ہی نے قلعۂ اودگیر فتح کیا۔

مغل خاں قلعہ دار ۱۰۴۶ھ میں مغل خاں جو شاہ جہاں کا کوکا تھا قلعہ دار ہوا۔

مرزا حسام الدین خاں اودگیری قلعہ دار مغل خاں کے بعد سنہ جلوس (۱۵) میں شاہ جہاں کی جانب سے حسام الدین خاں بعطائے منصب ہزاری و پانصد سوار خدمت بخشی گری دکن پر مقرر ہوئے اور بعد میں ترقی پاکر قلعہ داری اودگیر پر سنہ جلوس (۳۰) میں مقرر ہوئے اور منصب دوہزاری و ہزار سوار حاصل ہوا۔ زمان قلعہ داری میں مفسدان و سرکشان گولکنڈہ کو نہایت دلیری سے مغلوب کیا جس کے صلے میں خطاب خان جہاں اور پانسو سوار اضافہ ہوئے اور قلعہ دار کی بجائے فوجدار تلنگانہ کے نام سے موسوم ہوئے جن پر پہلے ہادی داد خاں انصاری مامور تھے۔ پھر حسام الدین خاں صوبہ دار برار ہوئے اور ۱۰۹۲ھ میں قلعہ دار بیدر ہو کر اس عہدۂ جلیلہ پر برابر گیارہ سال سرفراز رہے اس اثنا میں ایک مسجد اور ایک باغ متصل شہر پناہ بیدر اور چاندنی چبوترہ جو فصیل کے متصل ہے بنوایا۔ میرزا حسام الدین خاں

کاسلسلۂ نسب یہ ہے نظام الدین علی بن غیاث الدین علی آصف خاں بن آقا ملّا اور یہ
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرّہٗ کی اولاد سے ہیں اور آپ کاسلسلۂ نسب حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ مرزا حسام الدین خاں کے دادا غیاث الدین
آصف خاں اکبر بادشاہ کے زمانے میں ولایت ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ آقا ملّا جو
اِن کے باپ تھے اُن کی ایک صاحب زادی اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ طہرانی کو منسوب
تھی اس لڑکی کے بطن سے شہر قندہار علاقۂ کابل میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام
مہر النسا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو شیر افگن خاں کو منسوب تھی جو بعد میں جہانگیر بادشاہ کی
چہیتی بیوی نور جہاں بیگم کے نام سے مشہور ہوئی۔ درحقیقت یہ بیگم اسی عزت کے لایق تھی۔
اس کی نازک خیالی۔ حسن خداداد اور بے نظیر قابلیت۔ شاعرانہ خیال نے اس کو موصوف
بہ ہمہ صفات بنا دیا تھا۔ اس کی اچھوتی طبیعت اور قابل قدر ذکاوت نے بادشاہ کو ایسا فریفتہ
کر لیا تھا کہ مہام سلطنت میں بھی اس کا بڑا حصہ تھا یہاں تک کہ بادشاہ اس کے مشورے
بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ میرزا حسام الدین خاں خود ایک بہت بڑا ذی فہم و شعور شخص تھا جس نے
شاہ جہاں کے عہد میں بڑا عروج پایا۔

قلعہ پر عالم گیر بادشاہ کا قبضہ شاہ جہاں کے بعد ۱۰۹۴ھ میں عالم گیر قلعہ پر[۵]
قابض ہوا اس کے عہد کی کئی عمارتیں موجود ہیں جن پر کتبے ہیں۔ اس زمانے میں حاتم خاں
قلعہ دار تھا جیسا کہ اُس کے مکان پر کے کتبے سے ظاہر ہے۔

مختار خاں سبزواری قلعہ دار او دیگر ۱۰۸۹ھ / ۲۱ جلوس میں مختار خاں سبزواری بخشی تھا جسے

---

[۵] عالم گیر نے ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۶ء میں قلعۂ گولکنڈہ فتح کیا اور چھ کروڑ اسّی لاکھ دس ہزار روپیہ ابوالحسن تاناشاہ
کی املاک سے حاصل کیا اور قلعہ دولت آباد میں قید کر دیا۔ عالم گیر کا مشہور وزیر میر جملہ حیدرآبادی تھا
جسے وہ خوفناک دوست کہا کرتا تھا لیکن درحقیقت یہ وزیر با تدبیر اورنگ زیب کی سلطنت کا دست
راست اور قوت بازو تھا اور فتوحات عالمگیری میں بڑا حصہ اسی کی دانش و فراست کا تھا۔ بعد ملا عبد الملک
مقاصد خاں اور پھر جعفر خاں پھر محمد ابراہیم مخاطب بہ اسد خاں وزیر اعظم رہے۔

منصب ہزاری اور چار سو سوار تھے۔ سنہ ۱۰۹۱ھ ۲۴ جلوس میں قلعہ آسیر گڑھ اس کے سپرد ہوا۔ سنہ ۱۰۹۶ھ ۲۸ جلوس
میں توپ خانے کا داروغہ ہوا اور بلحاظ حسن خدمات اورنگ زیب کی شاہزادگی کے زمانے
میں اُس کا بڑا مصاحب تھا اور مہمات دکن اور سفر گولکنڈہ میں ساتھ ساتھ رہا۔ سنہ ۱۰۹۸ھ ۳۱ جلوس
میں حسام الدین خاں کے تبدل کے بعد نواب مختار خاں منصب پانصدی و سہ صد سوار
سے منصب ہزاری و پانصد سوار قلعہ دار مقرر ہوا اور اُس کے باپ کا خطاب مختار خاں سبزواری
ملا۔ سنہ ۱۰۶۳ء میں جب شایستہ خاں صوبہ داری دکن پر مقرر تھا اور سیواجی مرہٹہ استقبال
کے لئے بڑھا اُس وقت مختار خاں اورنگ آباد کا حاکم تھا۔ سنہ ۱۰۷۱ھ میں مختار خاں قلعہ داری و
نظامت صوبہ داری بیدر پر مقرر ہوا۔ بیدر میں مختار خاں نے (۱۷) سال قلعہ داری کی اور
بیدر کے چوبی دروازوں پر جو علی برید کے زمانے کے تھے آہنی پترے سنہ ۱۰۸۲ھ میں جڑوائے
جیساکہ دروازوں کے کتبوں سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد خاندیس کا صوبہ دار رہا پھر صوبۂ مالوہ پر
اور امین الدین خاں صوبہ دار گجرات کے انتقال کے بعد گجرات کا صوبہ دار ہوا اور سنہ ۱۰۹۵ھ میں
احمد آباد گجرات میں انتقال کیا۔ مختار خاں کا اصلی نام شمس الدین خاں تھا ان کے آبا و اجداد ملک
سبزوار سے ہند و دکن میں آئے۔ سلسلہ یہ ہے شمس الدین ثانی سلطان شاہ رخ میرزا کے زمانے
میں نجف اشرف سے خراسان آکر شہر سبزوار میں رہنے لگے۔ اُن کی اولاد میں سے شمس الدین
ثالث ہندوستان آئے اور ان ہی کی اولاد اس ملک میں پھیلی اور پھر اُن کی اولاد سے سید محمد
سبزواری ہوئے جس نے جہاں گیر بادشاہ کے زمانے میں بہت کچھ عروج حاصل کیا۔ اور
مناصب جلیلہ پر پہنچا جب اِن کا سنہ ۱۰۴۷ھ میں انتقال ہوا تو اُن کے تین بیٹے تھے۔
(۱) شمس الدین مختار خاں (۲) ارادت خاں (۳) جاں سپار خاں۔

سبزوار خاں سبزوار الملک قلعہ دار اودگیر

یہ حسام الدین خاں کے بیٹے ہیں جو مرزا احسان الدین کے
فرزند تھے۔ غرض کہ جلال الدین قلعہ دار بیدر کے بعد
ان کا تقرر سنہ ۱۱۰۶ھ میں قلعہ داری بیدر پر ہوا اور انھیں کے زمانۂ حکومت میں قدیم مدرسۂ بیدر
خواجہ جہاں وزیر اعظم سلطنت بہمنیہ کا بنایا ہوا بجلی گر کر باروت کے اُڑنے سے آدھا گر پڑا۔ اس
واقعہ کے بعد بیدر کی قلعہ داری سے یہ دہارور کی قلعہ داری پر تبدیل ہوئے اور پھر ان کا تق

قلعہ داری اودگیر پر ہوا جو آگے چل کر اُن کی ذات جاگیر ہوگئی۔ برہان پور میں ان کا انتقال ہوا انھوں نے دو بیٹے چھوڑے۔ (۱) نظام الدین علی۔ (۲) حسام اللہ خاں نواب بہادر۔ یہ دونوں عرصۂ دراز تک یہاں کے قلعہ دار رہے۔ حسام اللہ خاں کا بیٹا جہانگیر یار جنگ تھا جو اپنے باپ کی وفات کے بعد (جن کا انتقال ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۲۴ھ میں تپ محرقہ سے ہوا) مدتوں قلعہ دار رہا۔

جہاں گیر یار جنگ قلعہ دار اودگیر جہاں گیر یار جنگ کے عہد میں ۱۲۵۰ھ شیعہ سنیوں کا بڑا جھگڑا ہوا۔ اہل تشیع نے ایک ضریح نکالی جس میں حضرت غوث پاک کا پتلا بنا کر ساری بستی میں گشت کرایا اور طرح طرح کی گستاخیاں کرتے ہوئے آخر کار قاضی اودگیر کے مکان کے سامنے جلا دیا۔ سنی نواب ناصر الدولہ بہادر کے حضور میں داد خواہ ہوئے نواب صاحب ممدوح قلعہ دار پر سخت ناخوش ہوئے اور یک لخت خدمت سے معزول کر دیا۔ دس سال تک اودگیر سرکاری ضبطی میں رہی۔ پھر جہانگیر یار جنگ نے ایک معتد نذرانہ دے کر جاگیر چھوڑالی لیکن نذرانہ کا روپیہ عربوں سے قرض لے کر دیا تھا ادھر سے چھوٹے اُدھر پھنسے۔ عربوں کا قاہرانہ تسلط ہوگیا بے چارے جہانگیر یار جنگ کو وہ کچھ بطور گزارے کے دے دیا کرتے تھے باقی ساری حکومت عربوں کی تھی۔ نواب ناصر الدولہ بہادر کو جب عربوں کے مظالم معلوم ہوئے تو ایک دستہ فوج خاص کا ان اشرار کی سرکوبی کو بھیج دیا جو عرب کو قید کر کے حیدر آباد لے گئے۔ سرکار نے قرضہ ادا کر دیا اور قلعہ خود لے لیا۔ جہانگیر یار جنگ کا کہیں ٹھکانا نہ رہا سقیم الحال ہو کر ابراہیم علی خاں کے پاس قلعہ بھالکی میں زندگی کے دن کاٹنے لگے جو عباس علی خاں عرض بیگی کے بے ماد بھائی تھے۔ اس کے بعد میرزا مہدی خاں جو جہانگیر یار جنگ کا بھائی تھا اور جو بانی مبانی اس تمام فساد کا تھا حیدر آباد چلا آیا اور غلامی صاحب پیش امام مکہ مسجد کے سامنے توبہ کر کے سنی بن گیا اور بہت کچھ کوشش اودگیر کے واپس لینے کی کی مگر سوائے تخریب عقیدہ کے کچھ نہ ہوا اور دنیا سے چل بسے۔

نہ تو دیر کے گئے نہ بسوے حرم   نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم   نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

جب سے اب تک قصبہ اودگیر علاقہ دیوانی میں ہے - اب بھی اودگیر میں مذہبی جھگڑے چلے جاتے ہیں چنانچہ خاکسار سنہ ۱۳۴۰ھ میں جب ضلع بیدر کا سوم تعلقہ دار تھا تب بھی بڑا بھاری ہنگامہ عشرۂ محرم میں ہونے والا تھا جس کے انسداد کے لئے ایک معقول تعداد پولیس وغیرہ کی بے کریں گیا تھا باقبال سرکار اُس وقت حکمت عملی سے بلاٹل گئی پھر کئی سال بعد باسی کڑھی میں اُبال آیا میرے اُس ضلع سے تبدیل ہو جانے کے بعد مسجد میں کسی نے سور ذبح کردیا جس کا بہت بڑا ہنگامہ بپا ہوا تفتیش و تحقیقات سے محمد یوسف صاحب اودگیری جو محکمہ سوم تعلقہ داری کے منشی تھے اور جن میں شر و فتن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ اس فعل شنیع و حرکت قبیح کے مرتکب ثابت ہوئے یعنی ہندوؤں کو پھانسنے کے لئے اُن ذات شریف نے خانۂ خدا میں یہ بے باکی کی لیکن اپنے کیفر کردار کو اسی دنیا میں پہنچے سات سال قید کی سزا ہوئی جو حکم حبس دوام کا رکھتی تھی یعنی یہ کہ قید میں ہی قید ہستی سے آزاد ہو گئے ؎

آدمی زادہ طرفہ معجونیست   از ملائک سرشتہ وز حیواں

گر کند میل ایں شود کم ازیں   ور رود سوے آں شود بہ ازاں
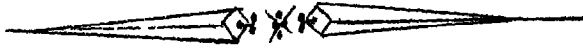
تیسرا ضمیمہ اورنگ آباد

شہر[۵۱] اورنگ آباد خام[۵۲] ندی عرف گندانا لے پر واقع ہے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کے مشہور وزیر ملک عنبر نے ایک چھوٹے سے گاؤں کھڑکی کو پسند کر کے سنہ ۱۶۱۰ء میں اپنا مستقر یہاں مقرر کیا چوں کہ ملک عنبر کے ساتھ فوج کی تعداد کثیر تھی ان سبھوں نے اپنے اپنے مکانات بنالئے دس سال کے عرصہ میں موضع کھڑکی نے شہر کی صورت اختیار کر لی لیکن سنہ ۱۶۲۱ء میں شاہ جہاں بادشاہ کی افواج نے اُسے لوٹ کر جلا دیا۔ ملک عنبر نے سنہ ۱۶۲۶ء میں انتقال کیا اس کی جگہ اس کا بیٹا فتح خاں مقرر ہوا جس نے کھڑکی کا نام فتح نگر رکھا۔ اسی سال میں خان جہاں لودھی نے جو مغلوں کا صوبہ دار تھا شہر پر چڑھائی کی لیکن حمید خاں حاکم نظام شاہی نے کچھ دے دلا کر ٹال دیا اور خان جہاں برہان پور واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۶۳۳ء میں جب مغلوں نے قلعہ دولت آباد فتح کر لیا تو تمام نظام شاہی علاقہ جات کے ساتھ فتح نگر بھی مغلوں کے قبضے میں آگیا۔ سنہ ۱۶۵۳ء میں جبکہ شاہزادۂ اورنگ زیب دوبارہ صوبہ دار اورنگ آباد ہو کر آیا تو اُس نے فتح نگر کو اپنا مستقر بنالیا

---

[۵۱] اورنگ آباد کے متعلق مجھے کافی مواد نہ ملا تھا میں عالی جناب مولوی محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب بی۔ اے۔ ہوم سکرٹری سرکار عالی نظام کا کہاں تک شکریہ ادا کروں کہ اس ناچیز کی درخواست پر فوراً اورنگ آباد گزیٹر بھیج دیا جو سنہ ۱۸۸۴ء میں سرکار عالی نظام کے حکم سے مرتب ہوا ہے۔ اسی مبسوط انگریزی نسخے سے میں نے ضروری باتیں چن لی ہیں۔ اورنگ آباد کے کتبے عالی جناب مولوی محمد حبیب الدین صاحب ایچ۔ سی۔ ایس اکونٹنٹ جنرل سرکار عالی نظام کا عطیہ ہیں مجھے اس بات پر جس قدر ناز ہو کم ہے کہ ایسے بڑے بڑے بزرگوں نے نہ صرف کتاب کی تکمیل میں ہاتھ بٹایا بلکہ اس ناچیز کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ والحمد للہ علی نعمائہ۔ ۱۲۔ من المصنف۔

[۵۲] یہ نالہ یا ندی (۴۸) میل لمبی ہے جو رسول پورہ اور مؤسالا کے پہاڑوں سے نکل کر بارہ میل کے بعد موضع ہرسول سے دو میل جنوب میں اس میں ایک اور چھوٹا نالہ آن ملا ہے یہاں سے اس نالے نے اورنگ آباد کے اطراف چکر لگایا ہے

اور اورنگ آباد خجستہ بنیاد نام رکھا۔ لفظ خجستہ میں تاریخ بھی ہے (۱۰۶۸ھ)۔ ۱۶۶۶ء میں دہلی جاتے جاتے سیواجی اورنگ آباد آیا۔ ۱۶۶۸ء میں دلیر خاں سرکردہ عساکر مغلیہ اور شاہزادہ معظم کے لشکروں میں ایک بڑی بھاری لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ۱۶۸۲ء میں اورنگ آباد کے قریب ستارے کے پہاڑوں میں اورنگ آباد پر یورش کرنے کے لئے مرہٹوں کا جماؤ ہوا لیکن خان جہاں بہادر کے آنے کی خبر سن کر وہ سب منتشر ہو گئے۔ اسی سال خان جہاں نے بادشاہ کے حکم سے مرہٹوں کی آئے دن کی چڑہائی سے محفوظ رہنے کے لئے شہر پناہ بنوائی۔ دو سال بعد خود اورنگزیب اورنگ آباد آیا۔ ۱۶۹۲ء میں بڑے تالاب کے پاس (جس کا نشان اب قلعہ ارک کے پاس موجود ہے) ایک عالی شان محل کے بنانے کا حکم دیا۔ ۱۶۹۶ء میں بیگم پورے کی فصیل بنی۔ اورنگزیب کی وفات کے (۱۷۰۷ء) چند سال بعد ۱۷۲۰ء میں نواب نظام الملک بہادر نے اپنا خاندان دکن میں قایم کیا۔ ۱۷۲۲ء میں نواب ممدوح دہلی تشریف لے گئے اور ۱۷۲۴ء میں واپس تشریف لائے اور دو سال بعد اپنا دار السلطنت بجائے اورنگ آباد کے حیدر آباد مقرر کیا۔

اورنگ آباد کی پوزیشن اورنگ آباد دو دھنا کی وادی میں سلسلہ لاکن واڑہ اور ستارہ پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اس وادی کی چوڑان دس میل کی ہے۔ شہر کی سطح ارضی بہت ناہموار اور آبادی مستطیل ہے۔ آبادی کا طول ڈہائی اور عرض سوا میل اور دور چھ میل سے کچھ زیادہ ہے۔

فصیل شہر شہر پناہ نہایت پختہ اور سنگ بست ہے جس میں جابجا مورچے اور بروج نصف دائرہ کی شکل کے بنے ہوئے ہیں۔ فصیل کی بلندی (۱۴) فیٹ ہے۔ فصیل میں بندوقوں کے جھروکے ہیں اور برجوں پر پرانے زمانے کی توپیں بھی جابجا چڑھی ہوئی ہیں۔ فصیل کے چار بڑے دروازے ہیں۔ دہلی دروازہ شمال میں۔ جالنہ دروازہ مشرق میں۔ پٹن دروازہ جنوب میں اور مکہ دروازہ مغرب میں۔ اس کے علاوہ جعفر۔ کھڑکی۔ بارہ پل۔ محمود۔ روشن دروازے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ – اور جنوبی سمت کو نکل گیا ہے اور موضع جوگیسور کے قریب گوداوری ندی میں جا ملا ہے۔ ۱۲

کھلے ہیں اور خضری کھادگر - ماڈا - کمھار - دروازے بند ہیں - اب کچھ عرصے سے بارہ پلا دروازہ بھی بند کر دیا گیا ہے - اس دروازے سے پون میل بھر ٹکل کا مشہور دروازہ ہے اس طرح جملہ تیرہ (۱۳) دروازے اور کئی کھڑکیاں ہیں -

مضافات اورنگ زیب کے زمانے میں جب یہ شہر بھرا پڑا تھا اس کے مضافات جدا جدا محصور تھے جن میں سے اب صرف اورنگ آباد اور بیگم پورہ ہیں -

بازارات شہر میں (۳۸) بازار تھے - وسط شہر میں چوک ہے جہاں سب بڑی بڑی سڑکیں ملتی ہیں جس میں ایک طرف بوہیر کی دکانات ہیں اور دوسری جانب دوسرے تجار کی دکانیں ہیں - شاہ گنج نہایت دل کشا اور وسیع مقام ہے جس کے بیچوں بیچ میں مسجد ہے جس کی چاروں طرف برآمدوں کی دکانیں ہیں - یہیں شہر کے غلے کی منڈی ہے اور تمامی دکانوں میں ساہوکار بزاز اور مختلف پیشہ ور رہتے ہیں - مشہور بازار یہ ہیں :-

---

لے بیگم پورہ - اورنگ پورہ - مقام پورہ - نفضل پورہ - اہیر پورہ - داؤد پورہ - نواب پورہ - بیجا پورہ - درویش پورہ - نقش پورہ - قطب پورہ - جاسوس پورہ - سلطان پورہ - کرن پورہ - چیلی پورہ - سبکرن پورہ - اسمعیل پورہ - تاجی پورہ - پدم پورہ - بس گوپال پورہ - منظور پورہ ہیسنگھ پورہ - پرتاب پورہ - پہاڑ سنگھ پورہ - جمال پورہ - مانسنگھ پورہ - جے سنگھ پورہ جسونت سنگھ پورہ - بھاؤ سنگھ پورہ - جے چند پورہ - رن مست پورہ - چکرا پورہ - کوتوال پورہ - لال ونت پورہ - اسد پورہ - رام پورہ - رنگیلی پورہ - کیسر سنگ پورہ - بلوچ پورہ رنبھا پورہ - کھوکڑ پورہ - موچی پورہ وغیرہ ان میں سے پہاڑ سنگھ پورہ - قطب پورہ - بلوچ پورہ کرن پورہ - پدم پورہ - جسونت سنگھ پورہ اُن راجگان کے بسائے ہوئے تھے جو اورنگ زیب کے ساتھ تھے - سبکرن پورہ - اور پہاڑ سنگھ پورہ راجہ بندیلکھنڈ کے تھے پدم پورہ اور کرن پورہ راجۂ بیکانیر کے اور جے سنگھ پورہ راجۂ جیپور کا تھا ۱۲ -

رنگ محل - اعظم نگر - دلال باڑی - ٹکسال - رام گنج - فقیر واڑی - شاہ گنج - خادم بازار
چوک بازار - شاہ بازار - اُردو بازار - راجہ رام بخش بازار - گرو گنج - جونا بازار - گُل منڈی
دال منڈی - چال منڈی - صرافہ وغیرہ وغیرہ -

مکانات وغیرہ اکثر مکانات کئی کئی منزل کے ہیں خصوصاً شاہ گنج اور بیگم پورہ کی عمارات بہت پر تکلف ہیں - امراء کے قدیم مکانات میں اکثر وسیع صحن باغ - حوض - فوارے نہریں تھیں جو اَب اکثر ویران ہیں اب بھی نواب سالار جنگ بہادر اور گوبند بخش کے قدیم مکانات جو پٹن اور جعفر دروازے کے درمیان ہیں اچھی حالت میں ہیں - اب صرف پانچواں حصہ شہر کا آباد ہے باقی یا تو کھنڈر ہے یا زراعت ہوتی ہے اور جا بجا ناگ پھنی بھی پھیل گئی ہے - مسجدوں میں جامع مسجد اور کالی مسجد ملک عنبر کی اور شاہ گنج کی مسجد اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی مشہور ہیں - دھلی دروازے سے آگے سڑک ایک قبرستان میں سے گزرتی ہے جو پہلے امرا کی ہر واڑ تھی اب جنگل ہے یہاں اب بھی میلوں تک باغات کی علامات ہیں - ہرسول کی سڑک پر اسلم خاں کا مقبرہ ہے - عام قبرستان پٹن جعفر اور جالنہ دروازوں کے باہر ہے - پٹن دروازے کے باہر تھوڑی دور آگے ارمنوں کی قریب پچاس قبروں کے ہیں یہ لوگ اورنگ زیب کے زمانے میں بغرض تجارت آیا کرتے تھے - بیگم پورہ کے اطراف جدھر دیکھو مقبرے اور گرے پڑے مکانات کثرت سے نظر آتے ہیں - یہیں رابعہ دورانی کا مقبرہ ہے - رابعہ دورانی کے مقبرے سے آگے بڑھ کر انگریزوں کا قبرستان ہے جس میں کوئی بیس قبریں ہیں -

اورنگ آباد کی برڈز آئی ویو اگر ہم اُس برج پر جو شہر کے شمال و مشرق کے کونے میں ہے چڑھ کر دیکھیں تو شہر بالکل نشیب میں نظر آتا ہے جس کا کچھ حصہ تو نیچا ہے اور کچھ بلند ٹیلوں پر واقع ہے بجز شمال و مشرقی و جنوب و مغربی حصے کے جہاں زندہ نالہ پیچ و خم کھائے ہوئے بہتا ہے - عمارات قریب قریب سارے ہرے بھرے درختوں سے ڈھکی ہوئی ہیں اگر کہیں گنبد کی چوٹی یا منار کا ستون نکلا ہوا نہ ہوتا تو یہی سمجھا جاتا کہ ہم کسی جنگل کو دیکھ رہے ہیں - آم اور املی کے خوب صورت اور گھنے سایہ دار درخت آبادی کو گھیرے ہوئے ہیں - اس سے بہتر منظر اور کسی جگہ مشکل سے ملے گا تاڑ اور کھجور کے لمبے لمبے درخت اُن کے بیچ میں جا بجا سفید انڈے کی طرح کے گنبد اور لمبے لمبے

منار جھکے ہوئے نہایت بھلے معلوم دیتے ہیں شہر کی فصیل کے باہر مغربی جانب ایک وسیع میدان میں انگریزوں کی چھاؤنی ہی اس سے آگے بڑھ کر دو تین پہاڑ الگ تھلگ اُفق سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں سے ایک قلعۂ دولت آباد کا ہی باقی دو میں سے ایک چمار ٹیکڑی کہلاتا ہی اور ایک کا لمبا سلسلہ دور جا کر تمام ہو جاتا ہی۔

قلعۂ ارک ۱۶۹۲ء — ۱۶۹۲ء میں اورنگ زیب نے قلعہ ارک بنوایا جو دہلی دروازے سے مکہ دروازہ تک ہی اس کے پانچ دروازے ہیں جن میں سے اب تین کھلے ہوئے ہیں علاوہ اس کے ایک نقار خانہ ہی جو بالکل ویران ہو گیا تھا نواب بشیر نواز جنگ بہادر صوبہ دار کے عہد میں از سر نو مرمت ہو کر محلات درست کر دیے گئے ہیں اور جب کبھی حضور نظام کی سواری مبارک رونق افروز ہوتی ہی اسی میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور خالی اوقات میں معزز شاہی مہمان اُترتے ہیں اور صوبہ دار صاحب بھی رہتے ہیں۔ اب قدیم عمارات میں عام خاص یعنی دربار ہال بارہ دری اور جامع مسجد باقی ہیں۔ مسجد کے متصل ایک محاط مقام چوگان بازی کے لئے مخصوص تھا اور اس کے دروازے پر ۱۶۵۹ء کا کتبہ ہی۔ اورنگ زیب کی تخت گاہ ایک بلغ کا منڈوا ہی۔ جو ایک مختصر سا دربار ہال بھی ہی اور بہت سادہ بنا ہوا ہی اس کے اندر آنے کے لئے عقب میں ایک دروازہ اور گیلری ہی۔

سرائے ہرسول — موضع ہرسول میں تین سرائے ہیں جو اورنگ زیب ہی کی بنوائی ہوئی ہیں ان میں سے سب سے بڑی سرا میں (۱۹۲) لداوی حجرے مسافروں کے لئے بنے ہوئے ہیں اور اب اورنگ آباد کا صدر جیل خانہ اسی میں ہی۔

سنہری محل — پہاڑ سنگ پورے میں ہی جس کو ایک بندیلے سردار نے اورنگ زیب کے زمانے میں بنوایا تھا۔ یہ عمارت پتھر اور چونے کی ہی اس کی کرسی بلند ہی لیکن اب ویران ہی۔ اس کا نام سنہری محل اسی وجہ سے پڑا ہی کہ پہلے اس میں کثرت سے طلائی کام تھا۔

شاہ مسافر صاحب کی درگاہ ۱۶۸۷ء — محمود دروازے کے پاس باغ میں یہ درگاہ اُن بزرگ کی ہی۔ جن کا اورنگ زیب از بس معتقد تھا۔ اِن بزرگ کا وصال

۱۶۸۷ء میں ہوا۔ درگاہ کے متعلق مدرسہ۔ مسجد۔ کچہری۔ ایوان وزارت۔ سرائے اور زنانے مکانات ہیں۔ ان عمارات میں کثرت سے سرخ رنگ کا استعمال کیا گیا ہی اور ستون بھی سرخ ہیں۔ قبریں بھی سنگ سرخ لگا ہی جس کے اطراف ستونوں کے درمیان جالی لگی ہوئی ہی مسجد اور دوسری عمارات بھی بڑی کاریگری اور مختلف صنائع سے بنائی گئی ہیں۔ جن کے چھجے اور مناروں پر عمدہ کام کیا گیا ہی۔ بعض دریچوں کے سامنے چھجے اور نفیس برآمدے ہیں۔ یہاں کئی پختہ حوض ہیں جن میں متعدد بے نظیر فوارے ہیں اور ایک بڑا حوض صدر میں ہی جس سے پنچکی بھی چلتی ہی۔ یہاں کی اکثر عمارات ۱۶۹۵ء میں چین قلیچ خاں کے ہمراہی کسی امیر کی بنوائی ہوئی ہیں۔ بڑا مستطیل حوض اور فوارے بیس سال بعد بنائے گئے ہیں۔ یہاں کا منظر بلحاظ فرحت اور شادابی کے قابل دید ہی۔ اس باغ کو کنولا نالہ گھیرے ہوئے ہی۔ جس پر یکے بعد دیگرے دو محراب دار پل بنے ہوئے ہیں۔ بیگم پورے کی فصیل اس کی سیدھی جانب ہی اور شہر پناہ بائیں طرف شاہ مسافر صاحب کا باغ شہر پناہ اور نالے کے درمیان ہی۔ باغ کی چار دیواری نالہ سے جا ملی ہی اور درگاہ مع دوسری عمارتوں کے باغ کے درختوں کے اندر بہت بھلی معلوم ہوتی ہی۔

کتبۂ درگاہ حضرت شاہ مسافر صاحب و حضرت بابا سعید صاحب پلنگ پوش رحمہما اللہ تعالیٰ

کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ　　بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ

پیر کامل سر آمد عرفا	خاص درگاہ رب عرش مجید
قطب روے زمین و غوث زماں	اختر برج سعد شاہ سعید
در نظر داشت دار باقی را	چشم ازیں دار بے بقا پوشید
سال تاریخ وصل گفت خرد	قصر جنت بود مکان سعید

سنہ ۱۱۱۱ھ

مسافر شاہ اقلیم حقیقت　　مقیم عرش شد از فرش ایں طاق
چو وقت وصلش آمد از رہ شوق　　بحق پیوست از حد بود مشتاق
خرد تاریخ سال رحلتش گفت　　مسافر شد ز عالم قطب آفاق

سنہ ۱۱۲۱ھ

کتبۂ مزارات اندرون احاطۂ شاہ مسافر صاحب رح

سال رحلت بانوے عصمت مآب　　خواب گاہ بیگم جنت قباب

سنہ ۱۲۶۵ھ

دیگر

بگذشت ازیں جہاں بافکار جلی　　خان عالی نسب درود ازلی
معروف بامر حق ہمہ اوقاتش　　قایم برسنت رسول عربی
تاریخ وفات او شد موزوں　　فیاض الدیں عماد دیں نبوی

سنہ ۱۲۳۳ھ

مسجد شاہ گنج ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۰ع اورنگ آباد میں سب سے بڑا اور وسیع بازار شاہ گنج ہی جو کھلے میدان میں ہی یہیں وہ مشہور مسجد ہی جو باعتبار اپنی خوبی کے سارے ہندوستان کی مشہور عمارات میں ہی جو سنہ ۱۷۲۰ء میں بنی ہی۔ مصنف منتخب اللباب سید حسین علی خاں صاحب صوبہ دار دکن (سنہ ۱۷۱۴-۱۹ء) کے ذکر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حوض کی طیاری سید حسین علی خاں ہی نے شروع کی تھی۔ نواب عضد الدولہ عوض جنگ نے اسے وسیع کیا اور مسجد کی متعلقہ عمارات بنوائیں۔ یہ حوض اس قدر وسیع و عمیق ہی کہ گرمیوں میں بھی جب اور جگہ پانی کی قلت ہوتی ہی یہ لبالب رہتا ہی۔ مسجد نہایت بلند کرسی دے کر بنائی گئی ہی جس کی تینوں طرف متعدد دکانیں ہیں اور چوتھی جانب سیڑھیاں ہیں اس مسجد کے باہر دار پانچ در ہیں اور اندر چوبیس ستون ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا گنبد ہی۔ دیواروں پر بیل بوٹے پھول وغیرہ کے عمدہ نقش و نگار ہیں۔ مسجد کے مشرق اور مغرب میں مسافروں کے لئے وسیع دالان بنے ہوئے ہیں جو "عام خاص" کھلاتے ہیں جن کے پانچ پانچ در ہیں۔ مسجد کی چھت پر تمام چھوٹے چھوٹے

گنبد ہیں اور لداؤ کی ہی اور دونوں جانب دو بلند منارے ہیں صحن میں دو حوض ہیں۔ دروازہ پر بھی دو چھوٹی چھوٹی منارہیں ہیں۔

مسجد عالمگیری سنہ ۱۱۹۶ھ المعروف بہ مسجد حاجی قاسم بہ محلہ انگوری باغ۔

مبصر شاہ محی الدین محمد | کہ عالمگیر از امر قضا شد
نصیر شرع عالم عدل اشجع | امیر الاولیا و الاتقیا شد
چناں برکندہ بیخ از کفر ملعون | کہ یزدانش ز ایزد مرحبا شد
بنا کرد ایں مصلیٰ بندہ دولت | عبادتگاہ مردان خدا شد
خرد تاریخ گفت از روئے انصاف | ز دولت مسجد الاقصیٰ بنا شد

سنہ ۱۱۹۶ھ

بارہ دری دہلی دروازے کے پاس بارہ دری اور وڈری محل ہی بارہ دری مع عمارات ملحقہ کے عضد الدولہ بہادر کی بنائی ہوئی ہی ان عمارات میں اب کچہریاں ہیں یہاں باغ بھی ہی جس میں پختہ نہریں دوڑتی ہیں اور متعدد وسیع اور پختہ حوض ہیں جن میں جا بجا فوارے لگے ہوئے ہیں۔

دمڑی محل بارہ دری کی طیاری کے وقت مزدوروں سے فی نفر ایک ایک دمڑی لے کر یہہ چھوٹا سا محل بنایا گیا ہی پانچ دروں کا لداؤ ہی۔

آئینہ خانہ یہہ مکان بھی بہت وسیع ہی جس میں وسیع ہال اور متعدد حوض ہیں اس میں صوبہ دار صاحب کا دفتر اب رہتا ہی۔

ذرائع آب رسانی شہر بھر میں پانی کی افراط ہی گندی ندی جسے خام ندی بھی کہتے ہیں شہر کی مغربی فصیل سے ملی ہوئی ہی اور بیان خاں کی نہر وسط شہر میں سے گزرتی ہی۔ علاوہ اس کے پہاڑوں میں سے کاٹ کاٹ کر نہریں لائی گئی ہیں جن کا پانی نلوں کے ذریعے سے سارے شہر میں پہنچتا ہی اور لیول کا ایسا عمدہ حساب رکھا گیا ہی کہ کئی کئی منزل تک حوضوں میں پانی بہ آسانی چڑھتا ہی اور نلوں کی رکھت ایسی ہی کہ جب چاہا اور جہاں چاہا پانی بند کر دیا اور جتنا چاہا اور جس مقدار میں چاہا دیا یا بند کر دیا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ایک بہت بڑا

تالاب شہر کی تمامی شمالی فصیل کی ملبان میں تھا لیکن سیل کی وجہ سے آب وہوا خراب ہونے سے
اورنگ زیب ہی نے اس کا بڑا حصہ جو محل کے مقابلہ میں تھا پٹوا دیا باقی حصہ دہلی دروازے
کے باہر خضری تالاب کے نام سے مشہور ہے - کنول تالاب محل شاہی اور مکہ دروازہ کے درمیان
تھا جس کا بند چالیس سال ہوئے کہ توڑ دیا گیا کہ بصورت طغیانی شہر کے بہ جانے کا اندیشہ
تھا - ذخیرۂ آب چودہ ہیں جن میں سے سب سے بڑا وہ نہر ہے جو ملک عنبر ہرسول کی ندی سے
لایا ہے - ندی سے پانی کی نہر نکال کر گاؤ مکھ سے دو شاخیں ہو گئی ہیں - مشرقی شاخ سے شاہ گنج
وغیرہ کی آبادی کو پانی پہنچتا ہے اور شمالی مغربی نہر سے جو پھوٹی نہر کہلاتی ہے بھڑکل دروازے نوکھنڈا
جونا بازار - چوک - گل منڈی وغیرہ کو پنچکی کو جو پانی جاتا ہے وہ ہرسول کی ندی
کے پاس ایک باؤلی سے نکالا گیا ہے - بیگم پورہ کی نہر جدا ہے یہ بھی ہرسول کی ندی سے نکالی گئی ہے
اب تک تین بند ہرسول کی ندی میں موجود ہیں پہلا بیگم پورہ کی نہر کا ہے دوسرا باغ کے نیچے پنچکی کا ہے
اور تیسرا مکہ دروازے کے پل کے ذرا اوپر واقع ہے - پلسی کی نہر جو موضع پلسی کے نالے سے نکالی گئی
ہے جہاں پختہ بند ۲۵۲ فیٹ طویل اور ۷ فیٹ بلند موجود ہے اس کا پانی ایک حوض میں جمع ہو کر
باجی پورہ اور کچہری کے باغات کو جاتا ہے - اب یہ نہر اٹ گئی ہے تھوڑا تھوڑا پانی رواں ہے -
شاہ علی نہر دیول گاؤں کے نالے سے نکالی گئی ہے اور شاہ علی کی درگاہ کے حوض کو پُر کرتی ہے -
جو شہر کے باہر ہے - چھاؤنی کے پاس اینکٹ باندھ کر مسافر بنگلہ کے پاس سے نہر نکالی گئی ہے -
شکر باؤلی سے ایک نہر نکالی گئی ہے جو دونوں بارہ دریوں میں پانی پہنچاتی ہے - لچھمن داس
بیراگی کا چھوٹا سا نل باجی پورہ کے شمال میں ہے - لال منکر کا نل بھی باجی پورہ کے شمال میں
ہے جو ایک تالاب سے نکالا گیا ہے - دل بادل کا نل موضع گرگڑا کے قریب سے نکالا گیا ہے
ہیلی سے ایک چھوٹی سی نہر چھاؤنی میں جاتی ہے اور جو سر باغ سے بھی ایک شاخ جاتی ہے -
موضع دیولائی سے ایک چھوٹا سا نل اور ستارے کے پہاڑ سے دوسرا نل نکالا گیا ہے یہ دونوں
چھاؤنی کے پاس مل جاتے ہیں اور آگے چل کر شاہ علی نہر میں شامل ہو جاتے ہیں - ان کے علاوہ
بھی اور بہت سے ذرائع آب رسانی کے نشانات ٹوٹے پھوٹے نواح اورنگ آباد میں دکھلائی
دیتے ہیں مگر وہ قابل ذکر نہیں کہ اب ان کا وجود ہی مفقود ہو گیا - یہ سارے نل مٹی کے

ہیں جیسے کھپریل ہوتی ہے ان کی کلاسی ملا کر مصالحہ لگا کر جوڑ دیتے ہیں۔ ان نلوں کے اوپر جابجا بجھے بنے ہوئے ہیں جو روشن دان کہلاتے ہیں یہ اس غرض سے بنائے گئے ہیں کہ کہیں پانی زیادہ رک کر ایسا نہ ہو کہ نل پھٹ جائے۔

بھڑکل کا دروازہ اصل میں بھڑکل دروازہ ہے جو ملک عنبر مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کے وزیر کا بنایا ہوا ہے جس کا زمانہ سنہ ۱۵۴۶ء-۱۶۲۶ء تک تھا اور جو موضع کھڑکی (حال اورنگ آباد) میں سنہ ۱۶۰۴ء میں رہتا تھا۔ ملک عنبر نے بہت سی مسجدیں اور عمارتیں بنائی ہیں۔

محل نوکھنڈا ملک عنبر نے سنہ ۱۶۱۶ء میں ایک بلند ٹیکری پر بنوایا ہے۔ بھڑکل کا بڑا دروازہ اسی محل کا صدر دروازہ ہے جس پر نقار خانہ تھا لیکن عالم خاں نے (جو اورنگ زیب کے عمائدین میں سے تھا) بھی نوکھنڈے میں بہت سے مکانات بنائے ہیں۔ آگے چل کر آصف جاہ بہادر نے اس کو بہت کچھ بڑھایا اور ناصر جنگ بہادر نے زنانی عمارات اور احاطہ بنوایا۔ خود نواب نظام علی خاں بہادر اس میں رہتے تھے۔ اس میں پانچ زنانے محلات کے علاوہ دیوان خاص دیوان عام مسجد اور کچہری کی عمارتیں ہیں اور سب میں خانہ باغ اور حوض جدا جدا ہیں۔ چار دیواری اور درمیانی دیوان خانہ اور حمام کی عمارتیں درست حالت میں ہیں لیکن گلکاری اور نقاشی اور چوبی نقش و نگار کا کام سب جاتا رہتا ہے۔ دیوان عام ایک وسیع مربع عمارت بہت خستہ حالت میں ہے اور اسی کے متصل کچہری میں مسند حضور نظام ہے جس کے سامنے عیدین اور دیگر تقاریب میں صوبہ دار صاحب اورنگ آباد نذر گزرانتے ہیں۔

کتبہ درگاہ حضرت شاہ تاج الدین صاحب و سید شاہ سلیمان صاحب متصل نوکھنڈا

درگاہ شاہ تاج الدین و شاہ سلیمان	سید شاہ تاج الدین حموی	سید شاہ سلیمان بغدادی
	سنہ ۱۱۱۰ھ	سنہ ۱۱۵۶ھ

سید شاہ عزیز بادشاہ نبیرہ حضرت معزان خانقاہ بنا نمود

سنہ ۱۲۹۰ھ

کتبہ گنبد عزیز بادشاہ

دفعتہً چوں آں شہ سید عزیز　　در رہ تسلیم حق بے بیم شد
مژدۂ قربت رسید از کردگار　　روز شنبہ وقت شب چون نیم شد
پانزدہ تاریخ از ماہ ششم　　راہی فردوس با لتعظیم شد
گفت ہاتف سال او بے رو یاس　　پیر کامل جاں بحق تسلیم شد

سنہ ۱۳۰۰ھ

کتبۂ مزار چین بیگم صاحبہ اندرون احاطۂ درگاہ شاہ تاج الدین صاحب

خوابگاہ چین بیگم بنت آصفجاہ

سنہ ۱۱۶۴ھ

کالی مسجد سنہ ۱۶۰۸ء ملک عنبر نے سات مسجدیں بنوائی تھیں جو کالی مسجد کے نام سے مشہور ہیں۔ جوتا بازار کی کالی مسجد سنہ ۱۶۰۸ء میں بنی جو ایک بلند چبوترے پر چھ کمانوں کی ہے۔ قلعہ ارک کے پاس کی جامع مسجد میں پانچ قطاروں میں چالیس ستون کثیر الزوایا تراش کے ہیں۔ ان ستون پر کمانیں اس طرح واقع ہیں کہ جن سے ساری عمارت ستائیس برابر کے قطعات میں تقسیم ہوگئی ہی جن میں ہر ایک پر برجیاں ہیں۔ مسجد کے محاذی اُو ہراؤں میں سے پانچ ملک عنبر نے سنہ ۱۶۱۳ء میں بنوائیں باقی چار اورنگ زیب نے۔ کرسی اس قدر بلند ہی کہ اس میں متعدد دکانیں ہیں۔ چھجے کے نیچے بریکٹ لگے ہوئے ہیں اور پردے کی دیوار مشبک ہی۔ اس مسجد کی وضع قطع نہایت خوش نما ہی گو سادی ہی مگر بہت مضبوط اور مستحکم ہی اور عام نقشہ بیجاپور کی سی مسجدوں کا ہی۔ مسجد کے سامنے وسیع صحن ہی۔ جس کی تین طرف مسافروں کے لیے کھلے دالان ہیں۔ مسجد کے وسط میں ایک حوض ہی جس میں ملک عنبر کی نہر سے پانی آتا ہی۔

چیت خانہ اس کو پنڈت خانہ بھی کہتے ہیں یہ ملک عنبر نے پنڈتوں اور ذی علم لوگوں کے لئے بنوایا تھا جس کو اورنگ زیب نے مسافرخانہ بنا دیا اور چند روز ہیشتر تک اس میں جیل تھا یہ ایک مدور عمارت ہے جس کی چاروں طرف متعدد کوٹھریاں ہیں اور بیچ میں وسیع صحن ہے۔

پیر اسمعیل کا مقبرہ ہرسول کی سڑک پر دہلی دروازے کے باہر باغ کے اندر واقع ہے پیر اسمعیل صاحب اورنگ زیب کے اُستاد تھے انھیں کا یہ گنبد ہے۔ باغ میں حوضوں اور فواروں کی علامات موجود ہیں۔ البتہ دروازہ بہت شان دار ہے جس کی محراب بلند اور ڈیوڑھی نما ہے روکار اور دیوار پر عمدہ نقاشی کا کام کیا ہوا ہے۔ جس میں تین محراب دار کھڑکیاں اور طاقچے ہیں چھت کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔

چوک کی مسجد ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۵ء میں شائستہ خاں نے بنوائی ہے جو اورنگ زیب کا چچا تھا سامنے وار کو (۵) محرابیں ہیں اور پیچھے دو۔ آٹھ ستون ہیں اور پانچ گنبد۔ درمیانی گنبد بہت بڑا ہے جس پر لوہے کا کلس ہے۔ دونوں جانب منارہیں کرسی بہت بلند ہے جس میں متعدد دکانیں ہیں۔ صحن مسجد کے بیچ میں حوض ہے اور دروازے پر بھی دو منارے ہیں۔

کتبۂ اندرون مسجد چوک

مسجد شائستہ جنت فضا	در جہاں شائستہ خاں کردہ بنا
ہمچو قدر ہمت و بخشش بلند	دلنشین و دلکشا و دل پسند
پایہ اش بر آسمان ہفتمیں	آسماں در سایہ اش قدرش زمیں
پنج نوبت می زنند دیں بر درش	برتر از نہ آسماں رفتہ سرش
ہمچو کعبہ اجر بخشش و جرم سوز	ہمچو صبح از نور دیں جام آفروز
از عطا حاجت روائے پایہ اش	آسماں آوردہ رو در سایہ اش
سایہ از رفعت فگندہ بر سما	در دکن چوں در بدن دل کردہ جا
تاج در چوں آسماں از آفتاب	تا جداراں از سجودش کامیاب

تاجش از قدر آمده خورشید سای — سایۂ تاجش شده خورشید رای
تاجداری را چو خورشید افتخار — تاجداران سر بجا کش سایہ دار
نقطۂ دور فلک آمد سرش — سجدہ گاہ آفتاب و مہ درش
پیش طاقش مشرق صبح مراد — گشت خورشید آنکہ سر بر در نہاد
در طوافش آسمان سر بلند — چون بکعبہ محرماں احرام بند
سرکشان را کار سر افگندگی — اندریں مسجد برائے بندگی
چون بفیض و دلکشائی شد مثل — می شود با کعبہ ایں مسجد بدل
سر بلند آں روے فرسا بر زمیں — ہمچو نور مہر و چوں ماے معیں
از زمیں تا عرش رفتہ بے حجاب — از سعادت چوں دعاے مستجاب
گنبدش چوں سر ز بام افراختہ — نور بر عالم چو مہر انداختہ
مہر تاباں بلبل گلدستہ اش — بلبل و گل عاشق دل خستہ اش
سطح صحن از عکس نقش جستہ ہا — آسمان بحنت را اختہ نما
روے آوردہ بدیوار آفتاب — چوں بآئینہ نکو روے بے نقاب
خور چو بر دیوار مسجد تافتہ — قدر نور خویش را دریافتہ
چوں شدم در فکر تاریخ بنا — آمدہ یمنی بگوشم ایں ندا

یافت کار از جید و تاریخ انتظام
مسجد از لطف الٰہی شد تمام

سنہ ۱۰۷۲ھ

کتبہ میرزا محمد ابن محمد شریف یمنی

کتبہ بیرون مسجد

زہے نیک بختی کہ از نیک رای — بنا کرد مسجد بایں دلکشا ی
شرف داد شائستگی را وجودش — چو خورشید مہ را دہد روشنا ی

بپے حق پرستی نہاد ایں بنا را | کہ چوں کعبہ شد در مبارک بنائی
دو گام از تو تا حق دو رکعت نمازش | ...... ایں ست راہ رسائی
مزن در کہ حاجت ازیں جا بر آید | کہ شد ایں بنا بہر حاجت روائی
درینجا چو خورشید روشن دلاں را | سر و سر بلندی و ہر جبہ سائی
ہمہ نور آید چو طور از تجلی | خدا بیں شوی گر چو موسیٰ در آئی
زند طعنہ در میمنت مرغ عیسیٰ | ز فیض طوافش بظل ہمائی
بشہر آب دادہ دو حوض درونش | چو انہار جنت پے جاں فزائی
سزد عالم ارا ایں بنا را بنازد | کہ شد زینت عالم پارسائی

چو تاریخ جستم خرد گفت یمنی
ببیں دلکشا جائے حاجت روائی

سنہ [illegible] ھ

بر دروازۂ مسجد

مسجد شائستہ شائستہ خاں | ساخت بیک سال محمد شریف

لال مسجد سنہ ۱۶۶۵ع مفتی زین العابدین صاحب میر عمارات نے سنہ ۱۶۶۵ع میں اورنگ زیب کے عہد میں بنوائی ہی جو سنگ سرخ کی ہی۔ اس کی استر کاری قابل دید ہے۔

مقبرۂ رابعہ دورانی سنہ ۱۶۷۱ع شہزادۂ اعظم شاہ نے اپنی والدہ رابعہ دورانی بیگم محل اورنگ زیب کی یادگار میں بنوایا ہی جو محلہ بیگم پورہ میں ہی جو سنہ ۱۶۵۰ع سے سنہ ۱۶۵۷ع تک بنتا رہا۔ عطاء اللہ کاریگر نے بنایا ہی جس پر چھ لاکھ اڑسٹھ ہزار دو سو تین روپیہ سات آنے لاگت آئی یہ تاج گنج کے نمونے پر بنایا گیا ہی۔ شاہ جہاں اپنی بیگم ممتاز محل کا مقبرہ آگرہ میں اسی زمانہ میں بنوا چکا تھا لیکن افسوس ہی کہ وہ کاریگر نیست و نابود ہو گئے تھے ویسا مقبرہ تو نہ بن سکا پھر بھی یہ عمارت بے نظیر اور نہایت خوب صورت اور سڈول ہی۔ مقبرہ کا احاطہ ۵۰۰×۳۰۰ گز ہی

احاطہ کی دیواریں بندوقوں کے لئے جھانجیاں بنی ہوئی ہیں اور باہر کے رُخ پر محرابیں ہیں جابجا
برجیاں اور چھوٹے چھوٹے منارے اپنے موقع سے بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی دیوار کے
وسط میں نہایت خوب صورت صدر دروازہ ہی جس کے پٹوں پر برنجی کام کی بیلیں بنی ہوئی
ہیں اور باقی ہر سہ جانب وسیع بارہ دریاں ہیں جن کی چوڑی گھڑے ہوئے نقشین پتھروں کے
فرش کی سڑکیں مقبرے کو گئی ہیں۔ عمارت مثمن شکل کی ہی جس کے ہر زاویہ پر مناریں ہیں سامنے
کو ایک نہایت مرتفع محراب ہی لیکن آنے جانے کے لئے ایک دوسرا چھوٹا دروازہ ہی ان کے
درمیان کی جگہ بطور برآمدہ کے ہی بڑی محراب کی دونوں جانب دو چھوٹی چھوٹی کمانیں ہیں جن میں
سے ایک میں سے گیلری میں جانے کا راستہ ہی اور دوسری میں سے نقار خانے پر۔ مقبرہ کے
احاطے میں حوض اور انواع واقسام کے فوارے اور کیاریاں روشیں اور میوہ دار درختوں اور
پھولوں کے باغ ہیں۔ مقبرہ (۲۷) فیٹ مربع مرتفع سنگ سرخ کے چبوترے پر بنا ہوا ہی جس کی
چاروں طرف اسی قدر بلند مناریں ہیں۔ چبوترے کا کٹھرہ بھی سنگ سرخ کا ہی اور یہیں سیڑھیاں
ہیں جن پر سے اُتر کر باغ میں آتے ہیں۔ ہر منار کے آدھوں آدھ پر گیلری ہی اور پھر اور اوپر
جاکر دوسری گیلری ہی جن پر برجیاں اور کلس ہیں یہ منارے بھی مثمن ہیں اور ان کے اندر چکر دار
سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے لئے ہیں۔ سنگ مرمر کے شاندار مربع گنبد کی چاروں طرف بھی
چار بلند محرابیں اور چاروں کونوں پر چار مناریں ہیں اور نیز چاروں طرف چار برجیاں مع
چھوٹے چھوٹے مناروں کے ہیں۔ چبوترے پر سے سیڑھیاں اُتر کر ہم مقبرے کے اندر آتے
ہیں جہاں بیگم صاحبہ کا مزار سنگ مرمر کی نہایت خوش نما جالی کے اندر ہی۔ جنوب و مشرقی
گوشہ کے دروازہ میں محراب اور ستون پر بے نظیر کام پھول پتوں کا کیا گیا ہی اس دروازہ
سے ہم اس گیلری میں پہنچتے ہیں جو مقبرہ کے چاروں طرف ہی جہاں سے مقبرہ نیچے دکھائی دیتا ہی
تین کھڑکیوں میں سنگ مرمر کی جالیوں اور پچیکاری اور گل کاری کا کام بالکل تاج گنج کی طرح کا
نفیس اور نازک بنا ہوا ہی۔ جس وقت جالیوں میں سے چھن کر دھوپ پڑتی ہی تو اس کا
حسن دوبالا ہو جاتا ہی۔ مقبرہ کے فرش پر تمام سنگ مرمر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں۔ گنبد تمام جے پور
کے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہی اور یہی سنگ مرمر دوسری جگہ بھی عمارت کے زیرین حصہ میں لگا ہوا ہی

اور بالائی حصہ میں بعض بعض جگہ اینٹ اور پتھر بھی استعمال کیا گیا ہی استرکاری تمام موتی کے چونے کی ہی - فرش میں تاج گنج کی طرح پچیکاری کا کام نہیں ہی بلکہ اس کے بجائے پھول پتیاں اور دوسری گل کاری استرکاری میں کی گئی ہی چبوترے کے مغرب میں ایک مسجد بھی ہی جس کے پانچ در اور دونوں جانب دو منار ہیں - اندر وار متعدد ستون ہیں - اس مسجد کی دونوں طرف بھی جالیاں ہیں مسجد کے روکار پر نہایت پرتکلف نقش ونگار اور بے نظیر صناعی کی گئی ہی - بائیں دروازے پر جو کتبہ ہی اس سے یہ معلوم ہوتا ہی سنہ ۱۰۸۱ھ میں عطاء اللہ نے مقبرہ بنایا ہی ٹیورنیر سیاح لکھتا ہی کہ ایک مرتبہ وہ سورت سے گولکنڈہ جا رہا تھا مجھے اورنگ آباد سے پانچ منزل اس طرف تین سو گاڑیاں ملیں جن میں جے پور کا سنگ مرمر لدا ہوا تھا اور کم سے کم چھ چھ جوڑی بیل ہر گاڑی میں لگے ہوئے تھے -

درگاہ حضرت شاہ غریب اللہ چشتی
سنہ ۱۱۸۸ھ

حیف دامن فشاند از عالم	شیخ بیدار دل خدا آگاہ
عقل تاریخ او بتعمیہ گفت	زندگی رفت از غریب اللہ
	سنہ ۱۱۸۸ھ

گنبد کی غربی دیوار پر کلمۂ طیبہ بخط نسخ کاشی کاری اینٹ پر کندہ ہی -

مسجد حکیم محمد صادق سنہ ۱۱۹۹ھ

مرادم برآمد کہ از فضل رب	مرتب شد این سجدہ گاہ عجیب
نہادم من این چند سنگے بہم	شود شاید م مغفرت را سبب
پئے نام بانی و تاریخ این	بگفتا خرد مسجد منتخب
	سنہ ۱۱۹۹ھ

دروازہ پر

ہنگام تمام از خرد فرزانہ	تاریخ شد این باب عبادت خانہ
	سنہ ۱۱۹۹ھ

گنبد حضرت شاہ غریب عالم

سنہ ۱۱۹۱ھ

سید برحق غریب عالم از دنیاے دوں — کرد رحلت تا کند گلگشت ملک جاوداں
بر مزار فیض بار او قبہ ساختن — قبۂ نوری کہ روشن می کند چشم جناں

بجانب شرق - بروضۂ عالم ہادی ھدی - ھو صاحب التذکیر والزھد والتقی ؎

سایہ بر چار دیوار حریم مرقدش — راحت جاں میرساند زائراں را ہر زماں
سال تاریخ بناے آں رقم زد کلک من — گنبد آرامگاہ زبدۂ آسودگاں

بجانب جنوب - غریب عالم چو مہر و ماہ عالم — فروغ شمع شمع راہ عالم
چو رحلت کرد بعد از شصت و سہ سال — برآمد از فراقش شاہ عالم

باب مرقد شریف قطب عالم — الملقب باسمہ سید غریب عالم

سنہ ۱۱۹۱ھ

دوشنبہ روز دوم ماہ شوال — ز واویلا شدہ افواہ عالم
ندائے غیب ہاتف گفت پیہات — سفر کردہ ز عالم شاہ عالم

سنہ ۱۱۶۴ھ

چھاؤنی شہر کے مغرب و جنوب میں ایک مرتفع جگہ پر چھاؤنی بنی ہوئی ہے یہاں کنٹنجنٹ کی فوج رہا کرتی تھی۔ شہر اور چھاؤنی کے درمیان خام ندی حد فاصل ہے۔ فوج کی لین شہر کے جنوب میں دو میل فاصلے پر ستارا پہاڑ کی طرف ہے۔ ایک عمدہ ریس کورس بنا ہوا ہے۔ چھاؤنی میں متعدد بنگلہ جات۔ ڈاک خانہ۔ رومن کیتھولک کا گرجا۔ پبلک گارڈن۔ مسافر بنگلہ۔ ڈاکٹر خانہ بازارات اور دوسری عمارات ہیں۔

عربوں کی بغاوت سنہ ۱۸۵۲ء راجہ دیول گاؤں کے ہاں جو عرب ملازم تھے ان کی

تنخواہ چڑھ جانے سے اُنھوں نے راجہ مانسنگھ راؤ کو گھیر لیا اور قریب تھا کہ مار ڈالیں۔ برگیڈیر مین صاحب نے ہفتۂ اول ماہ اکتوبر میں پانچویں رجمنٹ سواروں اور چھٹی رجمنٹ پیدل اور ایک باتری توپ خانہ سے جبونت پورے میں جو روشن دروازے کے باہر ہے ان پر چڑھائی کی اور بعد ایک سخت معرکہ کے جس میں کنٹنجنٹ کے (۱۵) آدمی مارے گئے اور چالیس زخمی ہوئے عربوں کو منتشر کیا گیا اور راجہ کو چھوڑا لیا۔ اس معرکہ میں لفٹننٹ باسول مارے گئے اور لفٹننٹ دان اور کپتان پارکر شدید زخمی ہو کر بعد میں مر گئے۔

غدر میں اورنگ آباد کی حالت ۱۸۵۷ء

تیسرا رسالہ مالیگاؤں چلے جانے سے اُن کی جگہ پہلا رسالہ مومن آباد (آہنہ جوگائی) سے اورنگ آباد آیا تھا اس میں کچھ سامان بغاوت کا تھا اور دوسری پیدل پلٹن میں بھی کچھ بدمعاش لوگ تھے جن سے اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ شہر کے کچھ لوگ ان سے آن ملیں اور کچھ بلوہ نہ ہو جائے اس لئے دو کمپنیاں پیدل کی اُس پُل کی حفاظت کے لئے بھیج دی گئیں جو شہر اور چھاؤنی میں حد فاصل ہے۔ اس سے رسالہ میں خوف وہراس پھیل گیا اور لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اِن کے فرو کرنے کے لئے پونے سے فوج طلب کی گئی۔ توپ خانے میں بھی کچھ ہل چل شروع تھی کہ بمبئی کی فوج کے آنے کی خبر سُن کر سب جہاں کے وہاں دب دبا گئے جنرل وڈبرن پونے سے تین فوجیں لے کر پہنچے۔ جنرل وڈبرن نے آتے ہی تیسرے رسالہ کو گھوڑوں پر سے اُتار دیا اور رسالدار نے باغیوں میں صدر جمعدار کا نام بتلایا یہ سنتے ہی صدر جمعدار نے اپنے آدمیوں کو بندوقیں بار کرنے کا حکم دیا اور انگریزوں کو دفعتہً گھیر لیا توپ لانے کا موقع باقی نہ رہا۔ بہت سے سوار اپنے اپنے گھوڑے لے کر جدھر مُنہ اُٹھا نکل بھاگے ان پر گولے چلائے گئے اور ہزار نے بھی تعاقب کیا مگر ہاتھ نہ لگے۔ میر فدا علی رسالہ کے دفعدار نے کپتان ایبٹ کو تفنگچہ سے زخمی کیا۔ کورٹ مارشل ہو کر فدا علی کو تو پھانسی ہوئی اور اکیس آدمیوں کو گولی سے مارا گیا اور تین توپ کے منہ کو باندھ کر اُڑا دئے گئے ۲۔۱ رجمنٹ سرکار کی طرف رہی اُن کو فوراً عادل آباد سرکار نظام کے سرحدی ضلع پر بھیج دیا گیا۔ آگے چل کر اس رجمنٹ میں رنگروٹ بھرتی کرکے تکمیل کر لی گئی اور سر ہیوروز کی کمان میں اس رجمنٹ نے تمام ایام غدر میں اچھا کام دیا۔

اورنگ آباد کے غار اورنگ آباد سے جانب شمال جو پہاڑ ہے ڈیڑھ میل تک تین گروپ غاروں کے ہیں جن میں کل بارہ غار ہیں۔ پہلا اور دوسرا گروپ بودھ کے زمانے کا ہے۔ لیکن تیسرا گروپ جو ان دونوں سے قدیم اور ناتمام ہے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس زمانے کا ہے۔ پہلے گروپ میں پانچ غار ہیں جو (۳۰۰) فیٹ بلندی پر واقع ہیں۔ مغرب کی طرف سے شروع کریں تو پہلا غار (۴۲) فیٹ لمبا ہے جس کے آگے چار کھم کا برآمدہ ہے۔ برآمدہ (۷۵) فیٹ (۵) انچہ طول اور نو فیٹ عرض میں ہے جس کے آٹھ ستون ہیں۔ اس کی طرز عمارت اجنٹہ کے غار نمبر (۱) کی طرح کی ہے جس سے یہ بھی ساتویں صدی عیسوی کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ غار (۲۸) ستونوں کا بنانا مقصود تھا لیکن صرف نو فیٹ ہی سامنے کا برآمدہ نکالا گیا۔ برآمدہ کی عقب کی دیوار میں تین دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔ دروازہ وسطی میں کندیدگی کا بہت عمدہ کام ہے جس کی چوکھٹ پر مردانے اور زنانے مجسمے ہیں۔ کھڑکیوں پر بھی عمدہ نقاشی کی گئی ہے اندر کئی حجرے ہیں جن میں عورتوں اور مردوں کی تصویریں ہیں۔ مغربی جانب بدھ کنول کے پھول پر بیٹھا ہوا ہے جس کے دونوں طرف دو شخص مورچھل لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ کنول کے تخت کو پانچ پھن سانپ کے اُٹھائے ہوئے ہیں باہر برآمدے میں مغرب کی طرف سات برہمن ایک قطار سے بیٹھے ہوئے ہیں

دوسرا غار ایک عبادت گاہ ہے جس کا سامنے کا حصہ اب گر گیا جس کا برآمدہ دو ستونوں پر استادہ تھا۔ برآمدہ (۲۱) فیٹ-۶×۱۲ فیٹ-۱۰ کا تھا۔ اندرونی حصہ ۲۱×۹ فیٹ ہے جس کے اطراف چار فیٹ چوڑا حصہ پراد کشنا کا ہے۔ روکار مندر کا ۱۴ فیٹ (۱) انچہ بلند ہے جس کے دونوں طرف لمبے لمبے قد آور دوار پال کنول کے پھول پر کھڑے ہیں جن کے ساتھ دو دیا دھرا اور پانچ پھن کے ناگ ہیں بائیں طرف کی مورت بالکل سیدھے سادے لباس میں غالباً پدمنی کی ہے جس کی پیشانی پر ایک چھوٹا سا بدھ ہے اور سیدھے ہاتھ میں ایک کنول کی چھڑی ہے دوسری مورت کا لباس وغیرہ عمدہ ہے اور غالباً اندر کی شکل ہے۔ مندر کے اندر بدھ کی مورت نو فیٹ اونچی ہے کنول کے پھول پر بیٹھی ہوئی ہے اور دونوں کندھوں پر فرشتے بنے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں ان تصاویر پر رنگ تھا۔ دیواروں پر بھی چار قطاریں چھوٹی چھوٹی مختلف تصاویر کی تھیں۔ پراد کشنا کی دیوار پر بھی متعدد تصاویر ہیں۔ یہ غار بھی ساتویں صدی کا

معلوم ہوتا ہی -

تیسرا غار وہیارا قسم کا ہی - اس کا برآمدہ ۳۰ فیٹ - ۶ × ۸ فیٹ - ۹ ہی جس کے چار کھم اور دونوں جانب دو حجرے ہیں پچھلی دیوار میں ایک دروازہ اور دو دریچہ ہیں دیہال ۴۱ فیٹ ۶ × ۴۶ فیٹ - ۶ ہی جس کے بارہ ستون ہیں جن سب پر عمدہ نقش و نگار مثل اجنٹہ کے غار نمبر ۱ و ۲۶ کے بنے ہوئے ہیں - دونوں جانب کے دو حجرے ۱۸ فیٹ - ۴ × ۸ فیٹ - ۴ ہیں جن کے سامنے دو دو ستون ہیں - داہنی طرف کے حجرہ سادہ ہی لیکن بائین جانب بہت کچھ کام کیا گیا ہی ان کے علاوہ چاروں کونوں میں چار اور کوٹھریاں پوجاریوں اور سناسیوں کے رہنے کے واسطے بنی ہوئی ہیں - مندر کے اندرونی حجرے کے دو حصے نہایت نفیس منقش ستونوں سے آراستہ ہیں جہاں دو نہایت خوب صورت عورتیں درختوں کے سایہ میں کھڑی ہوئی ہیں مندر میں جانے کے لئے عمدہ تراشی ہوئی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور دروازہ پر بھی عمدہ نقش و نگار ہیں اور یہاں بھی دونوں طرف ایک ایک مورت کھڑی ہی جس کے سر پر سانپ کے پھن کا سایہ ہی - مندر کے اندر ایک بڑا بھاری بت بدھ کا نیچے پاؤں کئے ہوئے بیٹھا ہوا ہی - مندر کے سامنے دو قطاریں عورت اور مرد پوجاریوں کی ہیں ایک طرف سات اور دوسری طرف چھ ان کی شکلیں مصری وضع کی ہیں موٹے موٹے ہونٹ اور بڑے بڑے پگڑ اور ہار - بعضوں کے ہاتھ میں بھی ہار ہیں اور ایک عورت کے سر پر اس قسم کا زیور ہی - جو اب بھی مغربی ہندوستان میں پہنا جاتا ہی کل اس غار کی گہرائی برآمدہ سے پچھلی دیوار تک ۸۲ فیٹ - ۶ ہی اور چوڑائی بشمول ان حجروں کے جو ہال کی دونوں جانب ہیں ترسٹھ فیٹ ہی - ہال بالکل سادے ہیں صرف بارہ ستونوں پر البتہ نقاشی ہی اور جابجا مورتیں اور تصویریں ہیں ایک جگہ جنگل میں لڑائی ہو رہی ہی ایک ایک جگہ بدھ کوچ پر آرام کر رہا ہی - یہ غار ۵۶۰ء کا معلوم ہوتا ہی اور یہ غار بودھ مت کے غاروں میں سب سے بہتر اور آخری زمانہ کا ہی -

چوتھا غار چھٹا قسم کا چوتھی صدی یا اس سے بھی پہلے کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہی جس کے سامنے کا تمام حصہ گر گیا - طول و عرض ۲۸ فیٹ × ۲۲ فیٹ ۶ ہی چھت سترہ سادے مثمن ستونوں پر تھمی ہوئی ہی مندر کا حجرہ ۲۳ فیٹ × ۱۲ فیٹ - ۶ ہی -

پانچواں غار یہ بھی دوسرے غار کی طرح ایک مندر تھا اس کا سامنے کا حصہ اور دونوں بازو کے حجرے گر گئے ہیں صرف مندر اور پرادکشنا کی دیواریں باقی ہیں یہ مندر آٹھ فیٹ مربع ہے جس میں بدھ شیر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے یہ غار جینیوں کے زمانے کا ہے۔ اور پارسناتھ کے نام سے معنون ہے۔

دوسرا گروپ

غاروں کا دوسرا گروہ ہے پہلے گروپ کے پہاڑوں کے سلسلے میں پون میل مشرق کی طرف آگے بڑھ کر ہے۔

چھٹا غار یہ دیہارا اور چیتا دونوں طرز کا ملا جلا ہے۔ اس کے عقب میں ایک حجرہ ۹ × ۱۰ فیٹ ۶ انچ دو ستونوں کا ہے جس کے بالائی حصہ میں نقش و نگار ہیں اس کا عرض و طول ۱۴ فٹ ہے اور مندر بیچوں بیچ ہے جس کی دونوں جانب چار چار کوٹھریاں ہیں اور دو کوٹھریاں پیچھے وار ہیں اور انھیں میں بدھ کا بت سات فیٹ اونچا ہے دونوں جانب لمبے لمبے دوار پال اور ان کے ساتھ پجاری عورتیں ہیں جن کے سروں پر پانچ پھن کا سانپ سایہ کئے ہوئے ہے مع ایک بونی عورت کے کھڑے ہیں۔ برآمدہ (۳۸) فیٹ - ۱ × ۹ فیٹ ہے لیکن اس کے سارے ستون گر گئے ہیں دونوں جانب کی دیواروں سے دو کمرے ملے ہوئے ہیں جن میں سے ایک میں ایک موٹی مورت مرد کی ہے جس کے سر پر بڑا پگڑ ہے اور دوسرے میں ایک عورت کھڑی ہے مندر کے سامنے کے حصہ میں سیدھی طرف پانچ مرد اور بائیں طرف پانچ عورتیں کھڑی ہیں۔ کوٹھریوں کی دیواروں میں بدھ کی مورتیں ہیں۔ اس مندر کی دیوار اور چھت پر رنگین نقش و نگار کے نشانات باقی ہیں اس کی چھت کا طرز بھی اجنٹہ کے غاروں کا سا ہے اور غالباً یہ بھی اسی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔

ساتواں غار اس کا بھی بیرونی برآمدہ تھا جو اب گر گیا۔ اس کے چار مربع ستون ہیں جن کے بالائی حصہ پر نقش و نگار ہے۔ ہال ۳۴ × ۱۴ فیٹ ہے جس کی دونوں طرف دو مربع ستون اور ہیں۔ اندرونی ہال ۳۰ × ۳۰ فیٹ ہے اور مندر دس فیٹ مربع ہے جس کے اطراف

پراد کشنا ہے۔ برآمدہ کی دونوں طرف دو کوٹھریاں اور پیچھے دو کوٹھریاں ہیں جن میں تمام مورتیں بنی ہوئی ہیں ان کے علاوہ اور چھ کوٹھریاں سنا سیوں اور پوجاریوں کے رہنے کے واسطے ہیں۔ یہ غار برہمنوں کے زمانے کی طرز کا ہے اور اس لئے ساتویں صدی کا سمجھا جا سکتا ہے۔ اس میں جو بت ہیں وہ سب مہایانا دیوتاؤں کے ہیں جن سے پدما پتی یا اولوکٹیسور کے واقعات بتلائے گئے ہیں۔ صدر دروازے کی بائیں طرف اولوکٹیسور کا ایک عظیم الشان بت بائیں ہاتھ میں کنول کا پھول اور داہنے میں مالا لئے ہوئے اور داہنے بائیں بدھ کی مورتیں ہیں جس کے دونوں طرف چار چار مورتیں اور بنی ہوئیں جو ڈکر دیو کے سامنے دعا کر رہی ہیں ان کی مدد کے لئے دیو اُڑ کر آیا ہے۔ ایک آگ سے ڈر رہا ہے دوسرا تلوار سے تیسرا بیڑیوں سے اور چوتھا جہاز کی تباہی سے۔ بائیں طرف ایک شیر حملہ کر رہا ہے دوسرے پر سانپ۔ تیسرے پر مست ہاتھی اور چوتھے پر موت کی دیوی کالی جو قریب ہے کہ ماں کی گود سے بچے کو جھپٹ لے۔ یہی واقعہ اجنٹہ کے سترھویں غار اور ایلورے میں بھی بتلایا گیا ہے۔ دروازے کی سیدھی جانب ایک دوسرا بت بودھی ستوا کا ہے جس کے سر پر نہایت عمدہ پگڑی ہے۔ اس کی داہنی طرف سرسوتی کی مورت ہے جس کے ایک طرف ایک پستہ قد عورت کچھ لئے ہوئی ہے اور داہنی طرف ایک مرد اونچی ٹوپی اوڑھے ہوا ہے۔ دریچوں پر بھی نقاشی کا کام ہے اور اندر متعدد مورتیں دیودں بیل۔ ہاتھی شیر اور سور کی ہیں۔ کھڑکی کے اوپر سری کنول کے پھول پر بیٹھا ہوا ہے جس کے اوپر دونوں طرف سے ہاتھی پانی ڈال رہے ہیں اور دونوں طرف دو پوجاری بھی ہیں۔ عورتوں کی مورتیں چار فیٹ اونچی ہیں جن کے کان میں چپٹے زیورات ہیں۔ گلے میں ایک کمری اور کمر بندھی ہوئی ہے اور دوپٹہ گلے میں پڑا ہوا ہے۔ یہ دو عورتیں دیوار کے دونوں کونوں میں کھڑی ہیں۔
اندرونی ہال صرف مندر ہے جس میں پراو کشنا کے علاوہ تین تین کوٹھریاں دونوں طرف ہیں اور پیچھے دار کو دو چھوٹے چھوٹے مندر ہیں جس میں بدھ کی مورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ بڑے مندر کے سامنے قد آدم تین عورتوں کی مورتیں دونوں طرف ہیں جس میں بیچ کی مورت کنول کے پھول پر کھڑی ہے جس کے سر پر چاند کا ہالہ ہے اس کے ہاتھ میں بھی کنول کا پھول ہے اور اپنی سہیلیوں کی طرح اس کے سر پر بھی بڑا تاج سا ہے غالباً یہ تارا ہے ان میں دو عورتیں چوریاں لئے ہوئے ہیں بائیں طرف

والی پھول لئے ہوئے ہیں ان میں کی وہ غالباً مامکھی اور لوچن ہیں ان کے اوپر دو بدھ کے بت ہیں۔ اندر ایک بڑا مجسمہ بدھ کا ہے جس کے شانوں پر بادل سایہ کئے ہوئے ہیں سب سے اوپر تین قطاریں بدھ کی سورتوں کی ہیں اوپر کی دو قطاروں میں پاؤں چھوڑ کر بیٹھا ہے اور نیچے کی قطار میں آتی پالتی مار کے۔ داہنی طرف کی دیوار میں بھی مرد اور عورتوں کی تصاویر ہیں جن کے محاذی ناچ ہو رہا ہے جس میں ایک عورت ناچ رہی ہے اور چھ عورتیں ساز بجا رہی ہیں۔ بائیں جانب کے مندر میں آٹھ مورتیں ہیں پہلی میں بدھ کھڑا ہے اور چھ عورتیں ہیں اور ایک بدھی ستوا ہے۔ سب کنول کے پھولوں پر کھڑی ہیں اور سروں پر چاند کے ہالے ہیں۔ مشرقی مندر میں دو راجہ رانی فربہ اندام بیٹھے ہیں رانی اپنے گھٹنے پر ایک شیرخوار بچے کو بٹھائے ہوئے ہے ان کے دونوں طرف باندیاں پھولوں کے ہار لئے کھڑی ہیں۔ یہ غالباً سدھودنا اور ماما ہیں اور بچہ بدھ ہے۔

آٹھواں غار اس سے ملی ہوئی ایک لمبی سرنگ ہے۔ یہ غار بنتے بنتے رہ گیا اس کا ہال ۲۷ × ۲۰ فیٹ ہے جس میں نقاشی کا کام ہے۔

نواں غار بالکل گر پڑا ہے۔ اس کا ہال ۸۵ × ۱۹ فیٹ ہے جس کے پیچھے تین ہال اور تھے۔ پہلا ۱۵ فٹ - ۲/۱ × ۱۳ فٹ - ۲/۱ ہے جس میں بدھ بیٹھا ہوا ہے دوسرا ۲۸ × ۱۳ - ۱۰ جس میں دونوں طرف عورتوں کی مورتیں ہیں۔ پیچھے کا کمرہ ۱۵ فیٹ ۲/۱ ہے۔ مندر کے دروازے پر ناگا محافظ بیٹھے ہیں مندر کے اندر بدھ کا سر ہے۔ تیسرا ہال ۲/۱ - ۸ × ۱۳ فٹ - ۲/۱ ۹ ہے جس میں بدھ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور دونوں طرف چوری بردار کھڑے ہیں۔ دیواروں پر متعدد تصاویر عورتوں کی ہیں جو معمولی قد و قامت سے بھی بڑھی ہیں۔ مغربی دیوار پر ایک بت بدھ کا (۱۲) فیٹ اونچا ہے۔ پچھلی دیوار پر بدھ کا پاؤں ہے جس کے پاس پدماپتی کھڑا ہے جس کے چار ہاتھ ہیں۔

دسواں غار ان پہاڑوں میں دوسرے غار بالکل سیدھے سادے اور ناتمام ہیں۔ دسواں غار جو تیسرے گروپ میں ہے ۶ × ۳ فیٹ جس کا سامنے کا حصہ زمین دوز ہے۔

گیارھواں غار اس کا برآمدہ نو فیٹ چوڑا اور تیرہ فیٹ گہرائی میں ہے۔

بارھواں غار اس کا ہال چھیالیس فیٹ مربع ہے لیکن شروع ہوتے ہی ویسا ہی

ادھورا چھوڑ دیا گیا۔

ہرسول اورنگ آباد سے تین میل گندے نالے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہی اورنگ زیب کے زمانے میں یہہ بہت آباد قصبہ تھا جیسا کہ اس کی شاندار سراؤں اور شکستہ مقبروں ویران باغوں سے معلوم ہوتا ہی۔

پھلمری اورنگ آباد سے (۱۶) میل ایک بڑا قصبہ پھلمیتا ندی پر واقع ہی یہاں انبرائی کثرت سے ہی۔ وسط آبادی میں ایک مستحکم گڑھی بنی ہوئی ہی اور بہت سے مندروں کے نشانات ہیں جن کے پتھر مسلمان اُکھاڑ لے گئے اور جا بجا عمارتوں میں لگا دئے۔ ایک دروازہ پر ایک قدیم کتبہ سنسکرت زبان میں تھا جس سے دیول کی تعمیر کا سنہ ۱۲۴۴ء نکلتا تھا۔ پھلمری سے دو میل جنوب میں اور ایک بڑا قصبہ بلدر تھا جو اَب بالکل تباہ ہو گیا جس کا صرف ایک دروازہ کھڑا ہی۔ یہاں کی زمین باغات کی کاشت کے لئے نہایت موزوں ہی اور ہر قسم کی ترکاریاں بہ افراط ہوتی ہیں۔

ستارا اورنگ آباد سے (۳) میل جانب جنوب ایک چھوٹا سا گاؤں ہی اس کی گڑھی بھی بہت بڑھی تھی جو اَب ویران ہی۔ گاؤں کے شمال میں ایک مندر ہی جس کی سالانہ جاترا ہوتی ہی۔

راجہ جی سنگہ کی چھتری راجپوتوں کا مدفن چھتری کہلاتا ہی۔ اس میں نعش دفن نہیں ہوتی بلکہ بطور چیلے کے ہوتا ہی یہ خیال ہنود نے مسلمانوں سے لیا ہی۔ اس کی عمارت چھتری کی شکل کی ہوئی ہی جس کے اوپر ہشت پہلو برجیاں ہوتی ہیں اور نیچے ستون۔ اورنگ آباد کے متصل موضع ہرسول میں اورنگ زیب کے مشہور سردار راجہ جی سنگہ کی چھتری ہی جس پر مثمن شکل کا گنبد اور اٹھائیس ستونوں کا برآمدہ ہی جس میں اسلامی وضع کی محرابیں ہیں۔ چبوترے پر چڑھنے کے لئے دو جگہ پندرہ پندرہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ برآمدے کے دالان کے چاروں کونوں پر چھوٹی چھوٹی چار برجیاں ہیں۔ اسی طرح کی اور کئی چھتریاں اورنگ آباد میں اور نیز دولت آباد کے راستے پر ہیں مگر اُن کا ذکر موجب طوالت ہی۔

اعراس اور جاترہ اورنگ آباد میں حسب ذیل مشہور اعراس ہوتے ہیں۔

شاہ[۱] مسافر صاحب۔ شاہ[۲] علی صاحب نہری۔ شاہ غلام حسین قادری۔ شاہ[۴] نور صاحب[۵۱] حموی
شاہ[۵] نظام الدین۔ سید[۶] نور الہدیٰ۔ شاہ احمد گجراتی۔ قمر[۸] الدین۔
جاترا یہ ہیں:۔ کھنڈوبا[۱] کی جاترا کرپپورے میں مارچ کے مہینے میں۔ ہرسول[۲] کی جاترہ دسمبر میں
بالاجی کی جاترا جعفری دروازے کے پاس۔ لچھمن کا میلا تیلی کی منڈی میں بماہ جولائی و اگست
دسہرہ کرپپورے میں ستمبر و اکتوبر میں۔

[۵۱] آپ بغداد شریف سے تشریف لائے تھے۔ پہلے کچھ دنوں برہان پور میں رہے بعد اورنگ آباد میں اورنگ زیب کے زمانے میں آئے۔ نواب دیانت خاں وزیر آپ کے مرید تھے۔ آپ نے سنہ ۱۱۰۱ھ میں انتقال کیا اور پٹن دروازے کے باہر مدفون ہیں۔ آپ کے خلیفہ شاہ مظلوم اور بعد اُن کے شہاب الدین فرخ آبادی تھے۔

قطعات تاریخ بیرون درگاہ حضرت شاہ نور حموی رح

تاریخ مرقد محمد عمر مع زوجہ اش
سنین رحلت اللھم اغفرہ
سنہ ۱۳۲۰ھ

کنیز فاطمہ چوں کرد رحلت
قلوب اقربایش گشتہ محزوں
اگر پرسند از تو سال فوتش
بگو۔ الفت بجنت رفتہ مدفوں
سنہ ۱۳۲۰ھ

افسوس محمد احمد وزیر جہاں
کرد از جہاں چو سوئے جناں جلد تر سفر
اُلفت نمود فکر بتاریخ رحلتش
ہاتف بگفت۔ موجب داغ دل و جگر
سنہ ۱۳۱۹ھ

آہ محبوب خاں پراز ارماں
خانہ بگذاشت و بگور بخفت
ہاتف غیب از سر تحسیں
سال فوتش ھوالغفور بگفت
سنہ ۱۳۲۸ھ

مصنوعات اور پیداوار اورنگ آباد کا ہمرو اور مشروع نہایت مشہور ہی جس کی شیروانیاں اور زنانے پاےجامے بہت نفیس بنتے ہیں۔ اورنگ آباد کا چاندی کا کام اور جست کی ہلکی صراحیاں اور گلاس اور گوٹا کناری بہت عمدہ ہوتا ہی۔ میوہ جات سنترے۔ انار۔ انگور۔ انجیر۔ امرود کیلے۔ ترکاریوں کی بہت کثرت ہی۔ اب انگور اور انجیر کی کاشت بہت کم ہوگئی ہی۔ مگر پھر بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵۔

کتبۂ مزار امیر مردان یار جنگ بہادر

چوں کہ مردان یار جنگ امیر — زیں جہاں رفت وگشت داخل خلد
سال تاریخ اوز دل جستم — بادل خستہ گفت داخل خلد

سنہ ۱۲۶۹ھ

چو ہمشیر محمد شبیر خاں حیف — بجنت رفت از دنیاے جبیفہ
خرد تاریخ فوتش از سر آہ — بگفتہ وای خاتون عفیفہ

۱۳۱۹ + ۱ = سنہ ۱۳۲۰ھ

حسن بیگ چوں کرد نقل مکاں — شدا ولیعنی مسند نشین بہشت
سنش از سر بدل زیب آمدہ — حسن بیگ بیشک نگین بہشت

۱۳۱۹ + ۲ = سنہ ۱۳۲۱ھ

محمد اکبر است منیاے عالم

سنہ ۱۲۹۲ھ

اورنگ آباد کی موجودہ حالت اورنگ آباد اب حیدر آباد گوداوری دیلی ریلوے کا بڑا اسٹیشن ہی اور صوبہ دار وضلع کا مستقر ہی۔ صوبہ کے تمام بڑے بڑے محکمہ جات یہاں ہیں۔ فروری ۱۸۸۱ء کی روسے یہاں کی مردم شماری (۳۰۰۹۳۲) تھی۔ اب بھی حیدر آباد کے بعد اورنگ آباد ہی کا نمبر ہی۔ اگرچہ ریاست حیدر آباد میں چار صوبہ داریاں ہیں اورنگ آباد گلبرگہ۔ ورنگل اور گلشن آباد میدک۔ مگر قدیم صوبہ داری اورنگ آباد ہی کی ہی اور اس وجہ سے اورنگ آباد کی صوبہ داری میں جو لوازمہ اعزازی ہی وہ دوسرے صوبوں میں نہیں ہی۔ یہاں قدیم الایام سے مسلمان صوبہ دار ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اب چند سال سے حضرت غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم ومغفور نے اس قید کو اٹھا دیا اور مذہبی اعتدال کا ثبوت میں نواب برزو جنگ بہادر (پارسی) صوبہ دار کے تقرر سے دیا۔ صوبہ دار کو وہی اختیارات ہیں جو برٹش گورنمنٹ میں کمشنر کو ہیں۔ نواب برزو جنگ بہادر کے تقرر سے پہلے پہل لوگ متوحش تھے مگر اُن کی ذات مجمع صفات متنوعہ ہی پہلے آپ ضلع اندور کے اول تعلقہ دار یعنی کلکٹر تھے اُس کو ردہ کو آپ نے حیدر آباد کا بچہ بنا کر نظام آباد نام رکھا۔ اورنگ آباد کی خوش نصیبی ہی کہ آپ جیسا نیک دل اور خدا ترس حاکم ملا۔ جو سرکار اور رعایا کا دلی خیر خواہ۔ بے نظیر عادل ومنصف اور ہر دل عزیز حاکم ہی۔ آپ میں آبادی کو رونق اور ترقی دینے کا بے نظیر ملکہ ہی اور یہی وجہ ہی کہ اورنگ آباد جو طاعون اور قحط کی دُہری بلاؤں سے ادھیا گیا تھا آپ کی حسن توجہ سے پنپ رہا ہی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶۔

محمد رضا خاں حکیم زماں　　شدہ راہ پیمائے اوج بہشت
اگر از تو پرسند تاریخ او　　بگو۔ رونق افزائے اوج بہشت

۱۱۷۲ھ

چوتھا ضمیمہ قلعۂ اوسہ

ضلع نلدرنگ حال عثمان آباد کی ایک تحصیل اوسہ ہی بارسی لیٹ ریلوے کے اسٹیشن اوسہ روڈ سے قصبہ اوسہ (۱۱) میل ہی۔ یہ قدیم بستی ہی۔ ۱۰۲۴ھ میں جب کہ مرتضیٰ نظام شاہ کے مقابلہ میں سدّی عنبر کو فتح ہوئی تو اُس نے اوسہ کا نام عنبرپور رکھا تھا چنانچہ تاریخوں میں یہی نام درج ہی۔ کثرتِ استعمال سے امراپور ہوگیا مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ اوسہ کس طرح نام پڑا۔ آبادی سے بالکل ملا ہوا بہ جانب جنوب ایک نہایت عالی شان قلعہ موجود ہی جس کی فصیل اور بروج اب تک نہایت درست حالت میں قایم ہیں۔ فصیل پر کے کنگورے اینٹ اور گچ کے ۱۲۰۳ھ میں نواب ارسطوجاہ نے جب جناب معزا اورنگ آباد سے واپس تشریف لاکر چندے قلعۂ اوسہ میں رہے تھے بنوائے ہیں۔ مجموعی صورت تعمیر اس کی تقریباً مربع ہی دور قلعہ کا (۷۵۰۳۹) فیٹ ہی اور خندق کا عمق بیس فیٹ۔ خندق سے فصیل کو (۱۲۵) فیٹ کا فصل ہی۔ قلعہ کے سات دروازے یکے بعد دیگرے ہیں (۱) چینی دروازہ (۲) دروازۂ احشام (۳) لوہ بندی دروازہ۔ وجہ تسمیہ یہ ہی کہ پٹوں کو لوہے کے کیلے اور پتّر لگے ہوئے ہیں۔ اس دروازے کے داہنے ہاتھ کو گاڑی خانہ اور بائیں کو دالان بنے ہوئے ہیں۔ (۴) عاشور خانہ دروازہ (۵) نوبت دروازہ (۶) سادات دروازہ۔ (۷) گھڑیالی دروازہ۔ ان سے گزرنے کے بعد تحصیل کا دفتر اور خزانہ ہی یہ مکان دو درجہ کا ہی پہلے درجہ میں عملۂ تحصیل کام کرتا ہی اور دوسرے درجہ میں خزانۂ تحصیل و پولیس ہی اسی مکان سے ملا ہوا دوسرے حصہ میں تحصیل دار کا اجلاس ہی عقب میں اس مکان کے ایک مسجد نہایت خوب صورت چھ دروں کی بنی ہوئی ہی۔ مکان دفتر تحصیل کے مقابل صرف ایک درجہ کا دوسرا مکان ہی جس میں محافظ خانہ ہی۔ قدیم زمانے کے دستور کے بموجب اس وقت بھی (۱۵) نفر جوانان احشام ایک جمعدار ایک نایک اور ایک مشعلچی

متعین ہیں - اِن جوانوں کا پہرہ پہلے اور آخر دروازے پر ہی - قلعہ بالکل زمین دوز ہی یعنی سطح زمین کھود کر بنایا گیا ہی آبادی میں سے کچھ کچھ حصہ بروج کا اور بالا حصار نظر آتا ہی - یہ قلعہ بروز دوشنبہ ماہ ربیع الاول سنہ ۹۳۰ھ تعمیر ہوا ہی من بعد عادل شاہیوں کے زمانۂ حکومت میں کچھ ترمیم و تعمیر ہوئی جس کی تاریخ اس مصرعہ سے ظاہر ہوتی ہی - مصرع

"اصل اوساز دولت عادل"

سنہ ۹۱۷ھ

پچھلے زمانے میں اوسہ الف کے ساتھ لکھا جاتا تھا-

تعمیر قلعہ بار ثانی - قلعہ کی خندق کے بعد جو چھوٹی فصیل ہی اُس کے مغربی برج پر دو بڑے پتھر کے سلون پر یہ دو کتبے بخط بال بود و زمان سلطنت مرتضیٰ نظام شاہ کے ہیں جس کے عہد میں فصیل کی تعمیر ہوئی کتبوں کی نقل حسب ذیل ہی-

کتبۂ سنگ اوّل

दर	जमाने	हज़रत	मुर्तुज़ा	निज़ाम शा	कारकिर्द
در	زمان	حضرت	مرتضیٰ	نظام شاہ	کارکرد
खान	मलिक	आज़म	मलिक	अंदर	रास
خان	ملک	اعظم	ملک	اندر	راس
पुलंग	कर्दन	खुराज	खान	आज़म	जोहर
پلونگ	کردن	خراج	خاں	اعظم	جوہر
मासे	सुरू	समान	अलफ़	शाके	१५२९
ماسے	سرد	ثمان	الف	شکے	۱۵۲۹
			नाम	संवत्सरे	माघ
			نام	سمچھر	ماگھ

کتبۂ سنگ ثانی

ज़मान दर शाह निज़ाम मुर्तज़ा
زبان در شاہ نظام مرتضیٰ

हज़रत आज़म ख़ान कारफ़िर्द अंदर
حضرت اعظم خان کارکرد اندر

मलिक सन सोहर ख़ुराज रास
ملک سن سوہر خراج راس

ख़ान जोहर पुवंग १५२९ रुके
خاں جوہر پلونگ ۱۵۲۹ سُکے

अलफ़ समान गभाड़ मोहूर्त मासे
الف ثمان گبھاڑ مہورت ماسے

माघ संबत्सरे नाम
ماگھ سمچھر نام

تیسرا کتبہ صدر دروازہ کے اندر دوسرے دروازہ کے متصل کوٹھے پر داہنی طرف نصب ہے وہ یہ ہے:-

लोह दरवाज़ा नज़ीक घंटी व रासता
لوہ دروازہ نزدیک گھنٹی و راستہ

नान तुर्क जनाब कारफ़िर्द बन्दी
نان ترک جناب کارکرد بندی

तीन सातसे सन कुठारा ठाणेदार
تین سوسات سنہ کوٹھارا ٹھانہ دار

भाले मोरतब लावल रबी माहे सोमवार
جھالے مرتب الاول ربیع ماہ سوموار

پرکوٹہ قلعہ کے اطراف میں خندق ہی جس میں اب زراعت ہوتی ہی - اور اس کے بعد چھوٹی فصیل ہی جس کے درمیان (۲۵) فیٹ کا حصۂ زمین چھوڑ دیا گیا ہی جس کو پرکوٹہ یا عرابہ کہا جاتا ہی اور اس کے بعد بڑی فصیل جو حصار قلعہ ہی واقع ہی - ان فصیلوں پر کل چھوٹے بڑے برج (۳۲) ہیں جن میں ایک برج بلند برج کے نام سے مشہور ہی اور کہا جاتا ہی کہ حضرت پیاری بی صاحبہ کوئی بزرگ بی بی اس میں زندہ دفن ہوئی ہیں جن کا سالانہ عرس اب تک ہوتا ہی - قلعہ میں توپیں بھی ہیں جن میں سے ایک توپ قابل ذکر ہی یہ توپ (۸) فیٹ لمبی اور دہانہ اُس کا (۱۰) انچ ہی پتھروں کے گولے کے سوا ایک گولہ آہنی مجوف ہی اور ایک اُس میں سوراخ ہی بوقت جنگ اُس مجوف گولے میں نشتر و چاقو و قینچی و پیسے وغیرہ بھر کر فیر کیا جاتا تھا مجوف گولے کا وزن (۵۵) سیر ہی - اس توپ پر یہ کندہ ہی "ابوالغازی شاہ نظام - عمل اُستاد محمد ان حسین رومی - ۹۵" دوسری توپ پر بخط انگریزی کتبہ ہی - لیکن حروف پڑھے نہیں جاتے کچھ مٹ گئے ہیں -

مکانات قلعہ یوں تو مکانات قلعہ پہلے دروازہ سے اخیر دروازہ تک متعدد ہیں - اور حصار قلعہ میں بھی اکثر مکانات مثلاً باروت خانہ اور لنگر خانہ وغیرہ ہیں - مگر سب کے سب خراب حالت میں اور شکستہ ہیں موسم بارش میں ٹپکتے ہیں صرف مکان کچہری تحصیل وقتاً فوقتاً مرمت کی وجہ سے کسی قدر ٹھیک حالت میں ہی لیکن تہ خانہ قلعہ کا قابل ذکر ہی - یہ تہ خانہ بالکل سطح زمین کے اندر واقع ہی اس میں بیس محرابیں ہیں اوپر سے تہ خانہ کی چھت بالکل ایک حوض معلوم دیتی ہی جس کا طول (۷۶) فیٹ اور عرض (۵۰) فیٹ ہی اور یہ چھت گچ کی بنی ہوئی بہت ہی صاف ہی اب کسی مکان کا نام و نشان نہیں رہا اس کے جانب جنوب ایک چھوٹا زینہ ہی اسی راستہ سے تہ خانہ میں اُترنے کا راستہ ہی سیڑھیوں سے اندر جاتے ہیں پہلے تو کچھ کچھ تاریکی معلوم ہوتی ہی پھر روشن دانوں سے روشنی ہو جاتی ہی - تہ خانہ ایک نہایت وسیع و بلند مکان ہی - دوسرا مکان قلعہ کا بالا حصار ہی جس پر ایک بنگلہ قلعہ کے دروازے کے متصل برج پر بنا ہوا ہی - قلعہ کے اندر کسی زمانے میں رنگ محل اور عشرت محل تھے اب بالکل کھنڈر ہو کر صرف نام باقی رہ گیا ہی اور جھاڑی اس کثرت سے ہو گئی ہی کہ وہاں جانا بھی مشکل ہی - اسی طرح

دوانبار خانے گنگا اور جمنا تھے یہ بھی منہدم ہو گئے۔

توپیں اس قلعہ میں گیارہ توپیں ہیں۔ بعض توبے غوری سے ضایع ہو گئیں اور بعض پڑی ہیں۔ ان کے نام یہہ ہیں:۔

نظام شاہی۔ کنتی۔ تھہتری۔ بھوسلی۔ کڑک بجلی۔ سیتھو۔ لعل خانی۔ لشری۔ شیردہاں۔ لم چھڑی۔ کالا پہاڑ۔

بالا حصار ابتدائی تعمیر قلعہ کے وقت بنایا ہوا نہیں ہی بلکہ زمانہ عمل کمشنری میں کرنل سیڈورٹیلر نے بنایا تھا یہ مکان نہایت ہوادار اور نہایت بلندی پر ہی جہاں سے دور دور کا نظارہ ہوتا ہی۔ اندرون قلعہ وبیرون فصیل کلاں متعدد باولیاں پختہ بنی ہوئی ہیں چنانچہ بیرونی دروازے کے باہر ہی برابر برابر تین بڑی بڑی پختہ باولیاں اب بھی موجود ہیں۔ چھوٹی اور بڑی فصیل کے درمیان قلعہ کے دروازے سے تھوڑے فاصلہ پر بجانب جنوب قلعہ دار کا مکان تھا اس وقت مکان مذکور تمام منہدم ہوگیا ہی صرف ایک دروازہ باقی ہی جس پر یہ قطعہ تاریخ ایک پتھر پر کندہ ہی۔ قطعہ

خدایا تو این قصر پاینده دار
به اجلاس داوٗد علی ذی دول

سروش از پی سال تاریخ گفت
نموده مسمی ز عشرت محل

سنہ ۱۵۰۵ھ

قلعہ کے قدیم اسناد کاغذات قدیم سے ایک پروانہ مہری علی عادل شاہ بادشاہ غازی المرقوم غرہ رمضان المبارک سنہ ۹۱۰ھ جمعدار احشام کے پاس موجود ہی جس میں ساڑے پانچ چاور زمین کنیر داس سدیوال کو بغرض بندوبست وحفاظت قلعہ و ادائی تنخواہ وغیرہ وغیرہ دینے کا ذکر ہی اور بھی کاغذات مثل پروانہ واحکام ردو بدل قلعہ داران وغیرہ ہیں لیکن کل کاغذات سنہ ۱۱۵۰ ہجری کے مابعد کے ہیں۔

قلعہ کے تاریخی حالات تاریخی حالات اس قلعہ کے جن کا پتہ تاریخ فرشتہ وغیرہ سے چلتا ہی یہہ ہیں کہ سنہ ۷۴۱ھ میں عادل شاہیوں کا قبضہ تھا سنہ ۷۶۶ھ میں بہمنیوں کا تسلط رہا سنہ ۸۹۵ھ ہجری میں قاسم برید کو جو دراصل ترکی غلام تھا خواجہ شہاب الدین نیروی نے سلطان محمد شاہ کے ہاتھ فروخت کیا چوں کہ قاسم برید ابتدا ہی سے بڑا لایق اور مدبر شخص تھا سنہ ۸۹۲ھ میں اس کا عروج ہوا

سنہ ۹۵۸ھ میں وزارت سے سرفراز ہوکر قلعۂ اوسہ و قندہار و اودگیر و کلیانی وغیرہ پر قابض و متصرف رہا اور آگے چل کر خود بادشاہ ہوگیا اور پندرہ سال سلطنت کرنے کے بعد سنہ ۹۱۰ھ میں انتقال کیا۔

سنہ ۹۵۲ ہجری میں جب برہان نظام شاہ بن احمد شاہ بحری والی احمدنگر نے قلعۂ اوسہ کا محاصرہ کیا تو علی برید نے جو قاسم برید کا پوتا تھا ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کی خدمت میں قلعۂ کلیانی پیشکش کیا اور استمداد چاہی۔ ابراہیم عادل شاہ بعزم اعانت نہضت فرمائے اوسہ ہوا اور بعد ملاقات علی برید باتفاق باہم برہان نظام شاہ کے مقابلہ کے لئے متوجہ ہوئے اور فیمابین آتش حرب و رزم گرم ہوئی کہتے ہیں کہ نظام شاہ نے قلعۂ اوسہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر بجانب مشرق جو "سلطان ٹیکڑی" کے نام سے مشہور ہے اور جہاں اس وقت تک ایک چھوٹا سا ٹیلہ اور ایک مسجد اور دو تین درخت املی کے موجود ہیں لڑائی کی اور حریف کو پس پا کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں محصورین کو امان دی اور قلعہ فتح کرکے اودگیر کی طرف چلا گیا۔

سنہ ۹۸۰ھ میں احمد شاہ فرماں روائے احمدنگر بوجہ ورود لشکر ظفر پیکر محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی احمدنگر سے راہی ہوکر قلعۂ اوسہ میں میاں منجو کے ساتھ آیا تھا مگر پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد واپس چلا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ مذکور میں قلعہ اوسہ زیر حکومت فرماں روایان احمدنگر تھا۔

سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں جب کہ مرتضیٰ نظام شاہ بن شاہ علی بن برہان شاہ تخت نشین احمدنگر ہوا اس کے زمانے میں عنبر نامی حبشی و راجو دکنی سرحد تلنگانہ و سرحد مرہٹواڑی مثل بیڑ و دولت آباد و بیدر وغیرہ اپنے قبض و تصرف میں لاکر خود مختار بن گئے۔ راجو دکنی نے جب قوت فوجی مرتضیٰ نظام شاہ کی زیادہ دیکھی تو حسب ضرورت و مصلحت بادشاہ کی اطاعت قبول کی اور قلعۂ اوسہ مع چند قریہ اخراجات ضروری و مصارف لابدی کے عوض بادشاہ کے پیشکش کئے سنہ ۱۰۱۲ ہجری میں مرتضیٰ نظام شاہ اور حبشی عنبر کا مقابلہ بھی اسی مقام پر ہوا بعد خوں ریزی افواج طرفین مرتضیٰ نظام شاہ ناکامیاب اور حبشی عنبر غالب رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۰۶۰ھ میں اورنگ زیب کا

قبضہ ہوا۔ من بعد سرکار آصفیہ کا جو بفضلہ تعالیٰ اب تک قایم ہے۔

آثار قدیمہ تعلقہ اوسہ

مسجد جامع ۱۰۹۱ء قلعہ کی قدیم عمارتوں میں سے مسجد جامع ہی یہ مسجد پختہ سنگ سیاہ سے بہت خوب صورت بنی ہوئی ہی جس کے سیاہ ستون نہایت مصفی و منجلی ہیں۔ مسجد کا طول (۳۲) ہاتھ اور عرض (۲۸) ہاتھ اور بلندی (۵۰) ہاتھ ہی۔ اس مسجد کی بنا بزمانہ اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ غازی ہوئی ہی اور بالکل درست حالت میں ہی مسجد آباد معاش جاری اور خدمت ادا ہوتی ہی قطعہ تاریخ مسجد یہ ہی جو محراب میں نصب ہی۔

قطعہ

درزمان شاہِ دیں اورنگ زیب — کو بگیتی سایۂ لطف خدا است

بندہ اش از جان و دل سہراب خاں — بانی ایں مسجد نزہت فزا است

شد رقم از بہر تاریخ بنا — مسجد والا مکان دل کشا است

سنہ ۱۰۹۱ھ

بیت

ایں دل پذیر مسجد و ایں دلکشا مقام — از اہتمام نور محمد شدہ تمام

(داروغہ تعمیر مسجد سید بابو)

باولیاں آخری دروازۂ قلعہ کی بائیں جانب دو باؤلیاں ہیں اور دروازے کے سامنے سیدھی طرف ایک باؤلی ہی۔ ہر کوٹے میں تین باولیاں ہیں۔ (۱) توے باؤلی (۲) پیاری بی کی باؤلی۔ (۳) اندھیری باؤلی جو اندرون برج ہی۔

بزرگان دین حضرت خاکی شاہ قدس سرہ۔ حضرت میر مہدی شاہ قدس سرہ۔ حضرت برہان شاہ قدس سرہ۔ حضرت برہان الدین عرف سید سادات قدس سرہ۔ حضرت برخوردار خواجہ نقش بند قدس سرہٗ۔ اِن بزرگان دین کے عود و گل کے لئے سرکاری معاش مقرر ہی خدام خدمت ادا کرتے ہیں منجملہ اِن اولیا کے حضرت خاکی شاہ قدس سرہٗ کا زمانہ بہت قدیم ہی اور

تعمیر قلعہ کے بعد (۳۴) سال کا زمانہ آپ کے تشریف آوری کا ہی کیوں کہ مندرجۂ ذیل فقرات سے زمانہ آمد و رحلت معلوم ہو سکتا ہی۔

خاکی بقیام — خاکی بمقام

۷۸۴ — ۸۱۴

تیلی گنبد سنہ ۱۰۳۴ھ کتبہ بیرون قلعۂ اوسہ و بیرون آبادی بر گنبد موسوم بہ تیلی گنبد متصل راستہ و باؤلی دگرپایا۔

بخط نسخ

سپہر عصمت مہر جاکریمۂ عصر	کہ مرغ روحش پرواز کرد بر افلاک
برائے تربت او روضۂ بنا کردند	کہ خیرہ ماند درو دیدۂ اولوالادراک
چو خواستم ز خرد سال فوت و روضۂ او	خرد بگفت طلب از حروف روضۂ پاک

سنہ ۱۰۳۴ھ

معابد ہنود قصبۂ اوسہ میں ایک دیول بلپا مہاراج کا ہی گو یہ دیول چنداں قدیم نہیں ہے لیکن سنہ ۱۵۱۲ء میں اہتمام سے ابرپا قوم لنگایت بقال کے تیار ہوا ہی۔ اس دیول میں پتھر کا کام بہت ہی صنعت سے کیا گیا ہی دیول میں تین حجرے ہیں ایک حجرہ میں خود ابرپا کا اور دوسرے میں گنڈو مہاراج کا اور تیسرے میں ناتھ کا سمادہ ہی۔

موضع کھروسہ کا لینا قصبۂ اوسہ سے (۱۱) میل کے فاصلہ پر موضع کھروسہ اس تحصیل کے تحت ہی موضع مذکور کے جانب مشرق ایک مختصر سلسلہ پہاڑوں کا ہی پہاڑ میں تراش کر مکان بنایا گیا ہی اُس کے متعلق کوئی تاریخی واقعہ دستیاب نہیں ہوا پٹیل ٹھواری موضع کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مکان بھی اُسی زمانہ کے بنے ہوئے ہیں کہ جب ضلع عثمان آباد اور خلد آباد کے لینا[۵] اور ایلورہ کے مکان بنے تھے صرف عثمان آباد کے لینا اور یہاں کے لینا میں فرق اسی قدر ہی کہ کھروسہ کے مکانات سہ منزلہ ہیں اور عثمان آباد کے لینا کا صرف ایک درجہ ہی۔

[۵] پہاڑ کھود کر جو مکان بنایا جاتا ہی اُسے لینا کہتے ہیں ۲۰

پانچواں ضمیمہ بیجانگر

بیجانگر کی ہم ایک مختصر گائیڈ[1] لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ پہلے یہاں کی حالت کیا تھی اور اور اب کیا ہے۔ اب اس اُجڑے دیار میں دیکھنے کے قابل کیا بچ رہا ہے۔ حالات جو میں نے لکھے ہیں وہ ہیں اس میں چشم دید بھی اور کچھ شنید بھی

ہم نے اپنے سیاح کو کاملاپور کے مسافر بنگلے میں اُتارا ہے اور سارے شہر کا چکر پھرا کر اُسے پھر وہیں پہنچا دیا ہے جو شخص اس گائیڈ کو اپنے ساتھ رکھے گا ہمیں اُمید ہے کہ وہ پوری طرح یہاں کی سیر کرے گا اور اُسے کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے گی۔ اس گائیڈ کے لکھنے میں مجھے راؤ بہادر سی۔ ایچ۔ گنوڈ صاحب (ہوس پیٹ) کی مختصر کتاب سے بہت مدد ملی ہے جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فی زماننا جس قصبے کا نام ہمپی مشہور ہے یہی قدیم زمانے کا مشہور شہر وجیانگر یا وِدّیا نگر تھا جو اپنی وسیع فتوحات اور اپنے حکمرانوں کی امارت اور تمول کے لئے مشہور تھا۔ یہ مقام دریائے تنگ بھدرا پر بلھاری سے بہ فاصلہ (۳۶) میل اور ہوس پیٹ سے (۷) میل ہے۔ یہ دونوں مقامات سدرن مرہٹہ ریلوے کے اسٹیشن ہیں۔ اگرچہ ہوس پیٹ ہی سے کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے لیکن کاملاپور میں مسافر بنگلہ بنایا گیا ہے جو قدیم عمارات منہدمہ کے بیچوں بیچ میں ہے۔ ہوس پیٹ سے چلتے ہی ہمپی کی سڑک پر ریلوے کی لیول کراسنگ[2] (پھاٹک) کے پاس جو ہوس پیٹ کمپلی کی سڑک پر ہے اننتا سانیا گوڑی ایک بہت بڑا دیول ہے جو اب بالکل ویران ہے تاہم اس کا بڑا محراب دار قبہ جو خاص کاری گری سے بنایا گیا ہے قابل دید ہے۔ اس گنبد میں ایک بہت بڑی مورت وشنو کی جو سانپ پر بیٹھا ہوا ہے رکھنے کا ارادہ تھا۔ یہ مورت اب بھی ہڑگلی تعلقہ کے ایک موضع میں جو ہوس پیٹ سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے پڑی ہوئی ہے اور دیول خالی پڑا ہے جو حال میں سررشتۂ تعمیرات کی

---

[1] گائیڈ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر کے حالات بیان کئے جائیں ۱۲

[2] ریل کی سڑک پر جو پھاٹک لگا دیتے ہیں ۱۲

زیر نگرانی دیا گیا ہی - اننا سانیا گوڑی سے سڑک ملیناگوڑی کو پھٹ جاتی ہی جو ہوس پیٹ سے (۴) میل ہی یہاں بھی ایک بڑا بھاری سیوا کا ویران دیول ہی - دیول کے سامنے ایک پتھر پر ایک کتبہ ۱۱۴۱ء کا کندہ ہی جس میں دیوراے راجہ بیجانگر کے عطیہ کا ذکر ہی - شہر بیجانگر کی سات فصیلوں میں سے دو فصیلیں یہیں ملتی ہیں اور دو دروازے بھی موجود ہیں - جن کے پاس سے سڑک گزرتی ہی جو قدیم رستہ کا نشان بتلاتے ہیں - آگے بڑھ کر سڑک ایک مسطح میدان سے گزرتی ہی - اس میدان میں دو تین مخروطی شکل کے دیول متفرق مقامات پر نظر پڑتے ہیں - یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب ہی جس کے بند سے کاملاپور کی سڑک جاتی ہی یہیں ڈاک خانہ اور مسافر بنگلہ (یہ بھی قدیم دیول تھا جس کو جے ایچ ماسٹر صاحب سابق کلکٹر بلھاری نے مسافر بنگلہ بنا دیا) ہی اب یہاں سے سیاح کو ہم اُن مقامات کی طرف لے چلتے ہیں جو اس نواح میں قابل دید ہیں - یہاں سے دو سڑکیں بطور مثلث کی دو شاخوں کی پھوٹتی ہیں ایک تو ہمپی کے دیول کو جاتی ہی دوسری اُس گھاٹ کو جاتی ہی جہاں سے عبور کر کے اناگندی (جو اب راجگان بیجانگر کے پس ماندگاں کا مسکن ہی) کو جاتے ہیں - مثلث کا قاعدہ دریاے تنگ بھدرا ہی -

برباد شدہ عمارتوں کا مجموعہ جو اب "محل" کہلاتا ہی موضع کاملاپور کے پاس ہی - یہ مقام ایک کھلا پہاڑی میدان ہی جسے قدرتی طور پر پہاڑوں کے پتھروں نے ایک بیضوی شکل کا بنا دیا ہی جس کے دیکھنے سے اس قدرتی مقام کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہی کہ یہ جگہ خاص کر نہ صرف اپنے حسن منظر کے لحاظ سے پسند کی گئی تھی بلکہ بکار آمد بھی تھی - اس جگہ کے اطراف کے پہاڑ قدرتی طور پر قلعے اور محافظت کا کام دیتے تھے اور پتھروں کے بڑے بڑے گنڈ[1] مندروں اور مکانات کے بنانے کا بڑا ذریعہ تھے اِن ہی خوشنما پہاڑیوں کے بڑے بڑے پتھروں کے گنڈوں کے درمیان چٹانوں پر سے دریاے تنگ بھدرا پیچ وخم کھاتا ہوا رواں ہی - ہوس پیٹ سے آتے وقت دور سے ہی درختوں کے جھنڈ میں جابجا مندروں کی چوٹیوں کی جھلک نظر آتی ہی اور ایسا معلوم دیتا ہی کہ ہم کسی آباد شہر کے قریب آپہنچے ہیں لیکن جوں جوں نزدیک آتے جاتے ہیں سواے ویرانی اور نیشکر کے ملول اور شالی زار کے کھیتوں کے کچھ نہیں پاتے - اگرچہ وہ بڑی بڑی نہریں جو کسی زمانے میں لاکھوں آدمیوں کی ضروریات

[1] بڑے بڑے پتھروں کو گنڈ کہتے ہیں ۱۲

کے لئے بکارآمد تھیں اب بھی موجود ہیں لیکن اب ان کا مصرف صرف کھیتوں کو پانی پونہچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہی - اس میدان میں گشت لگانے والے کو جابجا قدیم مکانات اور بازاروں کے نشانات ملیں گے - میلوں تک جہاں تک نظر کام کرتی ہی سوائے اُجڑے ہوئے محلات - مکانات دیول - مندر - ستون - برآمدوں - دروازوں - خالی چار دیواریوں - فصیلوں - برجوں - مورچوں ٹوٹے پھوٹے خشک تالابوں - حوض - پانی کی نالیوں - مورتوں اور بتوں کے کچھ نظر نہ آئے گا - یہہ سب زبان حال سے اپنی شان و شوکت اور عظمت اور اپنی ویرانی بربادی اور تباہی کی انسوسناک دھشت آمیز داستان بیان کر رہے ہیں - زمانے اور انسان کے ظالم ہاتھوں نے کس بے رحمی اور سفاکی سے ایسے عظیم الشان شہر کو برباد کیا ہی جس کے ویرانے کو آج ہم دیکھنے آئے ہیں - ڈاک بنگلے سے چل کر شہر کی فصیل کے برابر سے سڑک گزر کر شہر میں پونہچتی ہی - راستہ ٹیڑھا میڑھا ہی جو غالبًا دشمن کی روک تھام کے لئے بنایا گیا ہوگا جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا - تھوڑی دور آگے چل کر ایک ٹیکرے پر ایک دیول چندر راسیکھر مٹھ ہی جو ابھی تک صحیح سلامت ہی وہ شاید اس وجہ سے اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا کہ اس عمارت میں کوئی خاص خوبی نہ تھی اور برباد کرنے اور اُجاڑنے والوں کو اسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں ہوئی جو بچ رہا جیسا کہ اور سب مندروں کا حال ہی اس میں بھی کسی دیو کی مورت نہیں ہی خالی دیول پڑا ہی - اس سے گمان ہوتا ہی کہ مندروں کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر غارت کر دیا - اس دیول کے پاس ہی " رانیوں کا حمام " ہی یہہ عمارت (۷۸) فیٹ (۵) انچ مربع ہی اور اس کے دروازے کماندار ہیں - عمارت کے وسط میں ایک پچاس فیٹ مربع حوض ہی جو نو فٹ عمیق ہی - چاروں طرف برآمدہ لداؤ کا ہی - جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں - عمارت کی موجودہ حالت - طرز - آراستگی سے گمان ہوتا ہی کہ یہہ اپنی اصلی حالت پر نہیں ہی بلکہ مسلمان فاتحین کا تصرف نمایاں ہی یعنی یا تو مسلمانوں نے شکست و ریخت کر کے اسے اپنے طرز پر بنا لیا ہی یا یہہ کہ راجگان بیجانگر ہی نے مسلمان کاریگروں سے بنوایا ہو - یہ مکان " زنانے " سے اس قدر دور ہی کہ ہمیں اس میں بھی تامل ہی کہ آیا یہہ عمارت فی الواقع رانیوں کا حمام تھا یا نہیں اور اگر ہوگا بھی تو خاص خاص مواقع کے لئے نہ کہ عمومًا لیکن پانی کی بے شمار نالیاں - متفرق متعدد حوض - روشنیں - منار[5] سے بتا رہے ہیں کہ اس مکان کے اطراف

---

[5] سائیان یعنی سامکان ۱۲ -

میں باغات ضرور ہوں گے جن کا سلسلہ زنانے محلات تک پونہچتا ہی اور ممکن ہو کہ اُس زمانے میں رانیاں اس حمام تک اس طرح آسکتی ہوں کہ کسی کی نظر اُن پر نہ پڑے - اسی مقام کے قریب ذرا بلندی پر اُس نہر کی علامات موجود ہیں جس سے اس حمام اور نیز شہر میں پانی پونہچایا جاتا تھا اور اب تک جابجا پتھر کی نالیاں موجود ہیں جن میں سے پانی دوڑتا تھا - زنانے حمام سے چند گز فاصلے پر جانب شمال ومغرب ایک اور بڑا اور وسیع حوض موجود ہی جو راجاؤں کے حمام کے نام سے مشہور ہی اور وہ محلات سے قریب بھی ہی - یہہ مقام مٹی کے ٹیلے میں دبا ہوا تھا حال میں کھود کر نکالا گیا ہی (اور اس طرح بہت سے مکانات ٹیلوں کے اندر دبے پڑے ہیں چنانچہ جب میں دیکھنے گیا تھا جب بھی ایک دیول کھود کر نکالا جا رہا تھا جو قریب النصف کے نکل چکا تھا) اس حمام کا صرف پختہ صحن اچھی حالت میں ہی اور پانی کے آنے جانے کے رستے بنے ہوئے ہیں باقی کا حصہ منہدم ہو گیا - زنانے حمام سے قریب ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہی جس میں مسلسل چبوترے اور برآمدے معلوم دیتے ہیں - اس ٹیلے کی بلندی ۳۱ فیٹ ہی سب سے بلند مقام پر اب تک ایک منڈوے کی علامات معلوم ہوتے ہیں جیسے عبدالرزاق سیاح نے طلائی برآمدہ اور مرصع تخت لکھا ہی اور جہاں سے اُس نے ہندوؤں کے بڑے بھاری دسہرے کے تہوار کا تماشا دیکھنے کی دلچسپ کیفیت بیان کی ہی - اس کو اب تک "تخت گاہ" اور "مہا نومی یا دسہرہ ڈبہ" کہتے ہیں - دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں کوئی چھوٹی فصیل یا دُہرا احاطہ ہوگا جس کے بیچ میں رستہ بنا ہوا تھا چنانچہ اب بھی اس ٹیکرے پر رستے کے سرے پر ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہی - غالباً یہیں سے راجہ اور رانیاں دسہرے میں اور دوسری تقریبات میں ہاتھیوں کی لڑائی - کشتی - اور مختلف قسم کے تماشے دیکھا کرتی تھیں کیوں کہ اس کے نیچے وسیع میدان تماشے گاہ کا موجود ہی - اس مقام کے پتھروں کی سلوں پر تمام منبت نقش ونگار ہیں - ایک جگہ راجہ تخت پر بیٹھا ہوا ہی اُس کے سامنے ایک قطار برچھے برداروں کی کھڑی ہی - ہاتھی - اونٹ - شیر شکاری - اور اُن کے کتے جو ہرنوں کا تعاقب کر رہے ہیں - رنڈیاں اور اُن کے سازندوں کی تصویروں سے باقی جگہ بھری ہوئی ہی - اس قسم کی بہت سی تصویریں ہیں لیکن بھدّی ہیں حال آنکہ اسی کے پاس ہزار راما سوامی کے مندر کے نقش ونگار بہت عمدہ اور نفیس ہیں - اسی کے

قریب دو دروازے دکھلائی دیتے ہیں جو زمین کے اندر دب گئے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کے معلوم دیتے ہیں جن کے سامنے چبوترے بھی ہیں۔ اس ٹیکرے پر سے شہر کا نظارہ بہت اچھی طرح ہو سکتا ہے اور شہر کی عمارات کے تین حصّے جدا جدا معلوم دیتے ہیں راجہ کا محل۔ زنانے محلات اور دھن نایک کا محل اور دیگر عمارات بھی بخوبی دکھائی دیتی ہیں۔ ہر حصّہ محاط ہے اور اُس کے متعلق بیوتات اور صحن جدا جدا ہیں۔ راجہ کے محل کے نام سے جو جگہ اب مشہور ہے اس میں متعدد عمارتیں جُدا جُدا ہوں گی چنانچہ تخت گاہ یا دسہرہ ڈبہ بھی اسی میں شامل ہے۔ ان عمارات کا سلسلہ ایک دوسرے سے چھتوں اور تہ خانوں کے ذریعے سے ملا ہوا ہوگا چنانچہ "تخت گاہ" کے قریب ہی اُس دیول سے جو ابھی دبا ہوا نکالا گیا ہے چند گز کے فاصلے پر صاف تہ خانے کا رستہ دکھائی دیتا ہے۔ خاص راجہ کے رہنے کا محل جس کا نام "وجایا بھون" تھا وہ تو بالکل ویران ہے اُس کے صرف چبوترے کا نشان باقی ہے جس پر کسی زمانے میں عالی شان محل کھڑا ہوگا اور اس چبوترے کے اطراف میں اُن دروازوں اور چھتوں کے نشانات بھی ہیں جن میں سے راجہ کے محل میں داخل ہوتے تھے۔ اس چبوترے کے شمال رُخ ایک بہت بڑا حوض ہے جو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہے جو ۴۱ ½ × ۳ × ۲ فیٹ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حوض راجہ کے باورچی خانے میں تھا اور اس میں محل کے مصرف کے لئے دودھ بھرا رہتا تھا۔ راجہ کے محل کے جنوب میں اسی احاطے میں ہزارا رام چندر کا دیول ہے جو راجہ کی پرائیوٹ عبادت گاہ تھی۔ یہ مندر شمال سے جنوب کو (۱۱۰) فیٹ اور مشرق سے مغرب کو (۲۰۰) فیٹ ہے۔ اس مندر کو کشن دیو رائے نے ۱۵۱۳ء میں بنایا تھا۔ دیول کی بیرونی دیوار پر قدیم کنڑی زبان کا ایک کتبہ بھی ہے اور دیول کے اندر ایک اور کتبہ ہے جس میں تمّا راج (وزیر اعظم) کے ۱۵۳۰ء میں گرانٹ[۱] کا حال لکھا ہے۔ یہ دیول دوسرے دیولوں کی طرح وسعت کے لحاظ سے قابل ذکر نہیں ہے بلکہ ایک تنہائی کا مقام ہے اور شاید اسی وجہ سے راجہ نے اسے پرائیوٹ عبادت گاہ مقرر کی ہوگی۔ اندر گھستے ہی بلند اور عالی شان دیواروں پر ہزاروں تصویریں منبت نظر آتی ہیں جس کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے انسان محو ہو جاتا ہے۔ اس دیول کا نام ہزارا رام چندر کس وجہ سے پڑا ہے معلوم نہیں ہوتا شاید اس وجہ سے ہزارا کہلایا گیا ہو کہ راجہ کے محل کے دروازے کے پاس تھا یا کہ

---

[۱] عطیہ ۱۲۔

سری رام چندر کی ہزار ہا تصویریں دیواروں اور ستونوں پر کھدی ہوئی ہیں۔ ان تصویروں میں رامائن کے تمام سین بتلائے گئے ہیں۔ دیول کی دیواروں کے بیرونی رُخ پر رامائن میں جو شکار کے متعلق سین ہیں وہ بتلائے گئے ہیں اور ان تصاویر میں اعلیٰ درجے کی صناعی کی گئی ہے۔ ماو شما کو دیکھنے کے لائق اس مندر میں چار سنگی ستون ہیں جو درمیانی حصہ "اردھا منڈپ" میں ہیں۔ یہ سنگ موسیٰ کے ہیں جو بالکل سیاہ ہیں اور اس قدر صاف تراشے گئے ہیں اور ان پر نقش و نگار اور تصاویر ایسی عمارگی سے کھودے گئے ہیں کہ پتھر تو پتھر کاغذ پر بھی اُن کا بنانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

ہزارا رام چندر کے دیول کے بعد ہم ایک قسم کے چھتے میں سے گزرتے ہیں جس کے دونوں طرف منڈپ ہیں جن میں سے بعض دو منزلہ ہیں اور زنانے محلات میں پونہچ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہہ چھتہ کسی زمانے میں اس غرض سے بنایا گیا ہوگا کہ راجہ کے محل سے زنانے مکانات تک گوشہ پردہ رہے۔ جن عمارات کو زنانے محلات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے وہ ایک بہت بڑا احاطہ ہے جس کی بلند بلند دیواروں کے بعض بعض حصے اب بھی موجود ہیں یہہ دیوار چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنائی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض پردے کی غرض سے طیار کی گئی تھی نہ کہ بطور حصار کے جو کسی وقت غنیم کے مقابلے کو کام آئے۔ اس مثلثی احاطے کی تینوں کونوں پر تین تین بڑے بڑے منار بنے ہوے ہیں جو دیدبان اور نوبت خانے کا کام دیتے تھے اُن کے اندر چکّردار سیڑھیاں ہیں جن پر سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ اصل زنانہ محل جو ضرور اس سلسلے کے وسط میں ہوگا بالکل نیست و نابود ہو گیا ہے اور اب صرف چبوترہ اور ڈھئی ہوئی عمارتوں کے کچھ ٹکڑے اور کچھ بیوتات متفرق جگہوں پر دکھلائی دیتے ہیں جو بڑے احاطے کے اندر ہیں۔ اس عظیم الشان اور خوب صورت محل کے دروازے پر دو ہاتھی نہایت خوب صورت بنے ہوئے تھے اُن کی سونڈیں توڑ پھوڑ ڈالی ہیں اور اصل عمارت جو بہت بڑا محل ہوگا وہ تو اب باقی نہیں ہے البتہ کچھ چھوٹے چھوٹے مکان گرے پڑے رہ گئے ہیں۔ زنانے محلّات میں اب صرف ایک ہشت پہل مسقّف پیویلین[لہ] باقی ہے جو درمیانی ہال کا صرف ایک طرف کا حصہ معلوم دیتا ہے یہ دو منزلہ ہے اور اوپر جانے کی سیڑھیاں بھی ہیں اور یہی ایک کمرہ اوپر اور ایک نیچے کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اس میں کھڑکیاں

[لہ] - منڈپ یا برآمدہ - ۱۲ -

ہیں مگر وہ ایسی تنگ ہیں کہ باہر کی دور کی چیزیں دکھلائی نہیں دیتیں۔ اس مکان کی دیواروں پر نقش ونگار اور صناعی قابل دید ہی اس کا نام اب بہ لحاظ اُس کی وضع قطع کے کولٹس محل (یعنی کنول نما محل) ہی۔ اس پویلین کے مغرب میں ایک مستطیل حوض ہی جو زنانے مکانات کے احاطے کے اندر ہی جو ایسا معلوم دیتا ہی کہ تیرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ زنانی عمارات کے مغرب میں آٹھ عمارتوں کا ایک چھوٹا سا جھمکا ہی ہر ایک کا رو کار اندر کی طرف ہی مربع کے تین رُخ آباد ہیں چوتھا رُخ خالی ہی۔ ان عمارتوں کی بیچ کی عمارت "کنسرٹ ہال"[۵] کہلاتی ہی اور اس کے دونوں طرف کی عمارتیں "زنانہ اصطبل" کہلاتی ہیں اس میں گیارہ اصطبل ہیں جو بلحاظ تعداد ہاتھیوں کے جو اُس زمانے میں تھے بالکل ناکافی ہیں غالباً اس میں خاصے کے منتخب ہاتھی رکھے جاتے ہوں گے۔ اصطبل بہت بلند اور کشادہ ہیں اور سارا کام لداؤ کا ہی اور اچھی حالت میں ہیں۔ بیچ کے تھان پر چھجا اُتارا گیا ہی غالباً اسی میں راجہ کی خاص سواری کا ہاتھی باندھا جاتا تھا جسے "پٹا دار آئی" کہتے تھے یعنی تیل ملا ہوا ہاتھی۔ کنسرٹ ہال یا تھیئٹر ایک بلند اور خوش نما مکان ہی جس کے سامنے ایک برآمدہ ہی جس کی گیارہ محرابیں ہیں جس میں کی بیچ والی کمان سب سے بڑی ہی اور اسی سے مکان میں داخل ہوتے ہیں۔ دروازوں اور محرابوں اور ساری جگھ میں جھاڑیوں اور کانٹوں اور جنگلی بیلوں کا ہجوم ہی۔ ہاتھیوں کے اصطبل کے پاس کنسرٹ ہال بنانے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ حقیقت میں یہ عمارت کنسرٹ ہال یا تھیئٹر اور تماشوں کا الگ تھلگ مقام منتخب کیا گیا ہو جو دوسرے محلات سے جدا ہو اور اسی میں کھیل تماشے ہوتے ہوں۔ زنانے حصے کو چھوڑ کر سڑک پر مشرق کی جانب قریب ایک میل کے چل کر کاملاپور کیلی کی سڑک پر ہم کو وہ سرنگ ملتی ہی جو اندر ہی اندر چلی جاتی ہی۔ بیان کیا جاتا ہی کہ اس مقام پر چند عمارتیں زمین میں دب گئی ہیں اور یہاں سے زنانے میں جانے کے لئے سرنگ کا رستہ ہی لیکن واقع میں اونچی سڑکوں کی مٹی بہہ کر اس کثرت سے ان عمارت پر جمتی گئی ہی کہ بالکل ڈھک گئیں سررشتہ تعمیرات نے حال میں تھوڑی سی مٹی کھدائی ہی اور بجائے سرنگ کے یہاں چند کمرے نکلے ہیں جو اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ چند سیڑھیاں اُتر کر ایک سنگ بست کمرے

[۵] جس مکان میں چند لوگ جمع ہو کر تماشہ دیکھتے ہیں ۱۲۔

پہونچے ہیں اس میں سے ایک دوسرے کمرے میں رستہ ہی اور دوسرے کمرے میں سے تیسرے میں زنانے محلات کے مغرب میں ایک اور احاطہ ہی جس میں شمال و مشرق کے گوشے پر ایک دیدبان کا منار بنا ہوا ہی اور وسط میں ایک بڑی عمارت ہی جو مسلمانوں کے طرز پر بنی ہوئی ہی - تیسرا حصہ ویرایے کا وزیر دھن نایک کے مکانات کے نام سے موسوم ہی - مسلمان اور پرتگالی مورخوں نے جو اس مقام کے حالات لکھے ہیں اُن سے اس اُجڑی ہوئی جگہہ کی مطابقت ہوتی ہی اور اُن کے نشان دادہ مقامات کا پتہ چلتا ہی - عبدالرزاق نے شہر بیجانگر کے بیان میں لکھا ہی کہ "محل وسط میں واقع تھا جس کے چاروں طرف بازار تھے جن کے آخر میں بلند منڈپ بنے ہوئے تھے اِن سب میں بلند تر مقام یہی محل تھا - کوچوں اور گلیوں میں پانی پتھر کی تراشی ہوئی نالیوں میں بہتا تھا - محل کی داہنی طرف وزیر کی کچہری کا مکان تھا جس کا نام "دیوان خانہ" "یا کونسل روم" ہی - یہہ عمارت بہت بڑی تھی اور اس کے سامنے ایک منڈپ تھا - محل کی بائیں طرف دار الضرب تھا - دار الضرب کے عقب میں ایک بازار تین سو گز لمبا اور بیس گز چوڑا تھا جس کی سڑک پر پتھر کی سلو کا فرش تھا -

دھن نایک کے محلّات سے چل کر ہم سڑک پر بڑھ کر دریا کی طرف چلتے ہیں آگے بڑھ کر اُدنی ویربھدرا کا دیول ملتا ہی جو سیوا کا مندر ہی اور جس میں اب بھی پوجا ہوتی ہی - اس مندر میں کوئی دلچسپی کی بات نہیں ہی سوا اس کے کہ دیواروں پر مرد اور عورتوں کی کچھ تصاویر ہیں - اب سڑک نہر تنگ بھدرا سے تقاطع کرتی ہوئی کرشنا سوامی کے دیول کو جاتی ہی اور ایک بڑے بلند پھاٹک میں سے گزرتی ہی جس کے دونوں طرف اونچے اونچے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن پر برآمدوں کے طور پر ستون وار کمرے ہیں - کرشنا سوامی کا دیول اب ویران ہی اور ایک ویران بازار میں واقع ہی جو ہمپی کے دیول سے چھہ سو گز جنوب میں ہی - اس دیول میں کئی کتبے ہیں جن میں سے ایک ۱۵۱۳ء کا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس دیول کو کشن دیو راے نے اُدگیری اور دوسرے مقامات فتح کر کے واپس آنے کے بعد بنوایا تھا - یہہ دیول ایک وسیع سطح پر بنا ہوا ہی جس میں مندر واقع ہی اور پھر اندر ایک احاطہ ہی - بیرونی صحن میں جانے کے چار پھاٹک ہیں - عمارت کی صناعی سیدھی سادی اور بھدّی ہی لیکن اس قدر بڑے بڑے پتھر لگائے گئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہی - ترشے ہوئے پتھروں کی بہت

سی چٹانیں تیس فیٹ لمبی اور چار فیٹ دبیز اونچے اونچے مقامات پر لگی ہوئی ہیں اور کچھ سمجھ میں
نہیں آتا کہ اتنے بڑے بڑے پتھر اتنے اوپر کس طرح چڑھائے گئے ہوں گے - بیرونی احاطے
کے جنوب میں ایک اور سیدھی سادی عمارت ہی جو اس عمارت سے بالکل مختلف ہو اس میں چھوٹے
چھوٹے دریچے اور ایک پست محراب دار دروازہ مشرق کی طرف لگا ہوا ہی - اندر وار مربع قطعات
میں ستون لگے ہوئے ہیں جن پر نوکیلی کمانیں ہیں - چھت تمام لداؤ کی ہی جس میں اُتھلے قبے بنے
ہوئے ہیں - چھت پر جانے کے لئے باہر سے ایک زینہ بھی ہی - کرشنا سوامی کے دیول سے
تھوڑی دور جنوب و مغرب کی طرف وہ احاطہ ہی جس میں نرا سمہاواں کی مشہور مورت ہی جس میں
ایک ناگ سانپ کا پھن بت کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہی - دیو کی مورت بیٹھی ہوئی بنائی گئی ہی
تاہم ۲۵ فیٹ بلند ہی - یہ بت ایک ہی بڑے پتھر میں تراشا گیا ہی - چہرے سے غصے کے آثار
نمایاں ہیں جو اس دیوتا کی خاصیت ہی - ٹیپو سلطان کی فوج کے ہاتھ سے اس بُت کی مورت کو بہت
بڑا نقصان پونچا ہی جنھوں نے ناک اور ایک بازو توڑ ڈالا - اس کے بازو کا دَور دو فیٹ ہی -
دروازے پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مورت کو ایک برہمن نے ایک ہی پتھر
میں سے تراش کر بنایا تھا - کشن دیو رای نے ۱۵۲۹ء میں اس کے لئے گرانٹ دیا تھا - اس مورت
کے پاس ایک جداگانہ مکان میں بہت بڑا لنگم (۹) فیٹ بلند ہی - دروازے اور فصیل سے
ذرا اوپر وار جانے سے وہ پہاڑی ملتی ہی جسے ہیم کوٹ The golden crest یعنی سنہری کنگرہ
کہتے ہیں ملتی ہی - اس مقام سے تمام شہر اور کل مقامات کا بہت عمدہ نظارہ ہوتا ہی - اس پہاڑی
پر دو بڑی بڑی مورتیں گنیش کی ہیں ایک کا نام ساسولیکالو (رائی کا دانہ) ہی کیونکہ یہ بت بہ
مقابلے مقدر کی عمارت کے بہت چھوٹا ہی - دوسری مورت جو کرشنا سوامی کی دیول کی بیرونی دیوار
کے پاس ہی کڈلیکالو (چنا) کہلاتی ہی - اس میں گنیش کی مورت توندی بنائی گئی ہی جس کی لمبان سے
چوڑان زیادہ ہی - ساسولیکالو کے دیول کے پیچھے ایک پہلو ان پہاڑی چٹان ہی اس کے سر سے
پر ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے مربع مندروں کا ہی جن کی چھتیں چھتری نما مربع ہیں اور دور سے
ایک قسم کا چھتہ معلوم دیتا ہی - یہ نئی اور انوکھی طرز کی عمارتیں جینیوں کے مندر ہیں اور درست

---

[۱] کم گہرے اور پھیلے ہوئے ۱۲ -

حالت میں ہیں گو اب ان میں کوئی رہتا نہیں - ان مندروں کے عقب میں داہنی طرف دو نہایت نفیس دروازے ہیں ایک دو منزلہ ہی جو قلعے میں جانے کا راستہ تھا اور دوسرا مندر میں جانے کا دروازہ تھا - سڑک کی بائیں طرف غار کے اندر تراشا ہوا ایک مندر ہی جو کہا جاتا ہی کہ بودھ مذہب کا ہی - دریائے تنگ بھدرا کے شمالی کنارے پر قصبۂ آناگندی واقع ہی - پہلے یہی مقام اُن سرداروں کا مسکن تھا جو آگے چل کر راجہ گان بیجانگر ہوئے اور اُن کی سلطنت اتنی عظیم الشان اور زبردست ہوئی کہ تمامی حصۂ جنوبی ہند پر اُن کا تسلط تھا اور پھر تباہی اور بربادی کے بعد آناگندی ہی میں اُن کی نسل چل رہی ہی اور ایک راجہ (گو وہ اب کیسا ہی چھوٹا ہو) موجود ہی - اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے مکانات - نیشکر اور شالی زار کی زراعت جا بجا پھیلی ہوئی ہی - جن میں جا بجا پانی دوڑتا ہی یہ سلسلہ بطور ایک بازار کے نصف میل لمبا اور (۵۰) گز چوڑا ہی اور اسی کے اختتام پر دیر بھیدر کا مشہور دیول واقع ہی اور دوسرے سرے پر ایک بہت بڑا پتھر کا بیل ہی جسے بسونّا کہتے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہی - پمپاپتی کے بڑی بھاری دیول کی تراش خراش اور طرز عمارت بالکل جنوبی ہند کے مندروں کی سی ہی وہ بہت اونچے اونچے گوپرم[1] ہیں سب سے بڑا مخروطی قبہ صدر کے دروازے پر ہی جو رتھ نکلنے کی سڑک کے محاذی ہی اس پر بے شمار تصاویر بنی ہوئی ہیں - لیکن اس میں عجیب بات ہی کہ اندر اس کے خلا میں عمارات اور زینہ ہی جس کے ذریعے سے اس کی چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں اس قسم کی عمارات عموماً ہنود مندروں میں نہیں بنایا کرتے - کہتے ہیں کہ یہ گوپرم وٹھپا نے بنایا تھا - دوسرا گوپرم دریا کے دروازے کی طرف کا بھی قابل دید ہی جو کنگ گیری کے راجہ نے بنوایا تھا - اس کی مرمت ۱۸۳۷ء میں بعہد مسٹر رابرٹس کلکٹر بلہاری کے ہوئی ہی - اس مندر میں دو بڑے بڑے صحن ہیں ایک مشرق کی جانب ہی دوسرا مغرب کی جانب - دونوں کے درمیان میں ایک دیوار فاصل ہی - اصلی بڑا مندر اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مندر سب مغربی صحن میں ہیں - شمالی اور جنوبی دیواروں کے باہر دو بڑے بڑے تالاب ہیں جن کا نام "منمو کا سرور" اور "لوکا پاکون" ہیں اور یہیں بہت سے قدیم چھوٹے چھوٹے مندر بھی ہیں جن میں سے بہت سے ڈھے گئے ہیں - دریائے تنگ بھدرا سے ایک نہر بیرونی احاطہ میں لائی گئی ہی جو مطبخ میں بھی پہنچائی گئی ہی اور اس کے ذریعے

---

[1] مندر کے چوٹی دار قبے کو گوپرم کہتے ہیں ۱۲ -

ہر وقت تازہ اور وافر پانی موجود رہتا ہی- اس مندر کے پاس اور بہت سے دیول ہیں (۱) ویرپاکشیسورایا پمپاپتی (۲) پاروتی (۳) بھوانیسوی (۴) چندی کیسوراسوامی (۵) ونکٹ راماسوامی (۶) گنگا تہجی مادھوسوامی (۷) ونایک سوامی (۸) کمار سوامی (۹) سرسوتی (۱۰) پتھلیسور سوامی- (۱۱) ودّیارانیا سوامی (۱۲) سنگاری بھٹ- بازار سے سوگز قریب اوپر وار ایک پگ ڈنڈی جس پر ہموار پتھروں کا فرش بنی ہوئی ہی جو پہاڑ کی تنگ گھاٹی میں سے دریاے تنگ بھدرا کی طرف جاتی ہی اور وہیں سے کو دنڈراماسوامی اور ینژودھرکا کے دیولوں کو رستہ جاتا ہی لیکن اب ان دونوں مندروں میں کوئی چیز دیکھنے کی نہیں ہی- داہنی طرف ایک بلندی پر ایک مندر متنگا نامی ہی اس پر چڑھنے سے دور دور کے مقامات نظر آتے ہیں- اس پہاڑ کے پاس میں ایک بہت بڑا دیول اچتیاراماسوامی کا ہی- یہاں بھی پون میل لمبا بازار تھا جو موضع ہمپی کے مشرق میں واقع ہی اس مندر کی ساخت کرشنا سوامی کے دیول کی طرح ہی- اس دیول کا رُخ شمال و جنوب ہے اس مندر کا بڑا گوپرم بازار کے مقابل ہی- بازار کا تو صرف اب نشان ہی نشان رہ گیا ہی- کہتے ہیں کہ اس بازار میں صرف رنڈیاں اور مُرلیاں[ل] ہی رہتی تھیں جو اس دیول کے لئے مخصوص تھیں اس دیول کے دو شمالی گوپروں پر قدیم کنہڑی زبان کے کتبے بھی ہیں اس دیول سے پگ ڈنڈی دریا کے برابر جاتی ہی- جہاں سے سیتا کا تالاب اور وہ کھو نظر آتی ہی جہاں سیتا جی کا رہنا بیان کیا جاتا ہی- چنانچہ قریب میں پہاڑ کی چٹان پر ایک لمبی سیلی پڑی ہوئی ہی جسے Sita's mark کہتے ہیں اور بیان کیا جاتا ہی کہ سیتاجی کی چوٹی کا نشان پڑ گیا ہی- یہاں سے رستہ ایک دروازے میں سے گزرتا ہی جس میں دو جنگی ستون کھڑے ہیں اور ایک پتھر کی کڑی اوپر آڑی رکھی ہوئی ہی جس کے دونوں سروں پر دو سوراخ ہیں کہتے ہیں کہ یہ ترازو ہی اس میں راجہ جب ساٹھ برس کی عمر کا ہو جاتا تھا تو جواہرات سونے اور چاندی میں تول کر خیرات کئے جاتے ہیں- اب یہاں سے ہم وجیاوٹھل سوامی کے دیول کو پہنچتے ہیں جو سب سے زیادہ مشہور اور ہر اعتبار سے قابل دید اور ایک عمدہ یادگار ہی- اس مندر کی تعمیر اچتیارایا کے زمانے میں ۱۵۳۰ء میں ہوئی تھی اور آلیا رام راج کے عہد میں ۱۵۶۱ء میں مشہور جنگ تالیکوٹہ کے ٹھیک چار برس پیشتر ختم ہوئی-

---

ل جو عورتیں دیوتاؤں کے نام پر ہر کر کے چھوڑ دی جائیں یہ بھی ایک قسم کی کسبیاں ہوتی ہیں ۱۲

یہ دیول دریائے تنگ بھدرا کے مشرقی کنارے پر واقع ہی اور دریا سے بہت قریب ہی۔ اس دیول کے متعلق بھی ایک بہت بڑا بازار تھا جو دیول سے مشرق رُخ پر دور تک چلا گیا تھا لیکن اب بالکل اُجاڑ ہی۔ اس مندر کے بائیں طرف ایک مربع تالاب موسومہ "پٹاکولم" واقع ہی۔ وٹھل سوامی کے دیول کے قریب ایک اور دیول حال میں زمین کھود کر نکالا گیا ہی جس کی عمارت بھی عمدہ ہی اور معلوم ہوتا ہی کہ سیوا کے نام کا تھا۔ دیول کے دروازے کے سامنے ایک بڑا کھم تھا جس کے اوپر ایک آہنی ہلال لگا ہوا تھا۔ دیکھنے میں مضبوط تھا مگر حال ہی میں گر گیا ہی اس میں شک نہیں کہ وٹھل سوامی کا دیول وجیانگر کے تمام دیولوں کی جان ہی۔ بلحاظ صناعی اور کاری گری اور خوب صورتی کے اگر اسے دیولوں کی ملکہ کہا جائے تو بجا ہی۔ بیرونی حصار کی دیوار میں دروازے ہیں جن پر برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ صدر دروازہ مشرق رو ہی اس پر کا برج شق ہو گیا ہی اور قریب الانہدام ہی۔ اس دروازے میں سے داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا بھاری مندر سامنے نظر آتا ہی جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے منڈپ بنے ہوئے ہیں ان میں صد ہا قسم کی تصویریں بڑی نزاکت اور صناعی سے منقش ہیں۔ مندر کے احاطے میں ایک پتھر کی رتھ رکھی ہوئی ہی جس کے بڑے بڑے پہیے بھی پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور دُھرا بھی پتھر کا ہی۔ اس پر بھی نقش و نگار عورتوں کے ہیں جو طوطوں پر سوار رتھ کو اُڑا لئے جا رہی ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر جس کی تین طرف سیڑھیاں ہیں مہا منڈپ یعنی صدر اور سب سے بڑا منڈپ ہی اس کے ستون ایک ہی پتھر کے ہیں جن میں مورتیں تراشی گئی ہیں۔ کلیان منڈپ کی عمارت اور صناعی بھی قابل دید ہی کہ جس کی نظیر شاید جنوبی ہند کے کسی اور مندر میں ملے۔ اس کے ستون کی بناوٹ اور کاری گری تعجب میں ڈالتی ہی۔ مندر کی ساری چھت پتھر کے لداؤ کی ہی اور اُس میں بھی نقش و نگار ہیں ایک مقام پر ایک بندر کی مورت بنی ہوئی ہی جو ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہی۔ چھت میں سے پتھر کے کُنڈے روشنی آویزاں کرنے کے لٹک رہے ہیں۔ اس مندر کے اندرونی حصے میں بعض جگہ بہت اندھیرا ہی۔ دیواروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جلایا ہی کہ جس سے کالی پڑ گئی ہیں۔ زمین کو خزانے کی طمع میں جا بجا کھود کر برباد کر دیا ہی۔ دروازے کی دونوں طرف جو خوب صورت ہاتھی تھے اُن کی سونڈیں توڑ ڈالی ہیں۔ منڈپ کی دیوار پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم دیتا ہی ۱۵۲۱ء میں بعہد

راجہ سداسیو کے اس مندر کو گرانٹ دیا گیا تھا - اب اس مندر میں چڑیا کا نام تک نہیں ہے - اور
بالکل تباہ حالت میں ہے - اس کی کس مپرسی دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے - گھنٹوں اس عمارت
کے دیکھنے میں لگ جاتے ہیں اور دل سیر نہیں ہوتا[۵] - اس مندر سے نکل کر پھر ایک پتھر کی چٹانوں
سے پٹا ہوا راستہ ملتا ہے جس کے دونوں طرف منڈپوں کا سلسلہ ہے جن میں بڑے بڑے ستون لگے
ہوئے ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ بھی ایک آباد بازار ہوگا - جا بجا مٹی کے
بڑے بڑے ڈھیر اور ٹیلے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ مکانات ہوں گے
جو اب اس حالت میں ہیں - آگے بڑھ کر کمیلی کی سڑک کی بائیں طرف مالیہ نتار گھوناتھ کا خوب صورت
دیول ہے جو ایک بلند چٹان پر بنا ہوا ہے - اس مندر اور منڈپوں کی عمارت بھی بہت عمدہ ہے اور
ہزار ارا ما سوامی کے مندر سے ملتی جلتی ہے - بیرونی حصار کی دیوار پر مچھلیوں اور بحری جانوروں
کی تصویریں منقوش ہیں ایک جگہ ایک بڑا مگرمچھ بنا ہوا ہے جو اپنے شکار یعنی مسافروں کی تاک میں
لگا ہوا ہے کہ جو ملے گھسیٹ لے جائے - اس مندر میں بیراگی لوگ پوجا پاٹ کرتے ہیں - کاملاپور
کے مسافر بنگلہ کو واپس ہوتے ہوئے سڑک کے بائیں طرف کاملاپور سے کوئی پاؤ میل کے فصل
سے ایک مندر ملتا ہے جو تباہ حالت میں ہے لیکن اس کا دھوا جا ستمبھا یعنی بڑا کھم بہت بلند ہے
جس پر پرانی کنڑی کا کتبہ بتلا رہا ہے کہ ہر یہر رائے نے چودھویں صدی میں بنایا تھا - سو دو سو گز
آگے وار کو سڑک کی سیدھی طرف ایک مندر ہے جو ایک چٹان میں تراشا گیا ہے جسے "آہنی گنڈ
بنا پدّا سالی" یعنی ایک ہی پتھر کا بڑا ہال کہتے ہیں - اسی کے پاس ایک حمام ہے جو اب بالکل
ٹوٹ پھوٹ گیا ہے - شہر کی ٹوٹی پھوٹی فصیل سے لگا ہوا مشرق کی طرف ایک بڑا پھاٹک ہے
جس پر ایک بلند قبہ ہے جس کی محرابوں پر نقش و نگار کا کام عمدگی سے کیا گیا ہے - اس دروازے
کے محاذی جین یا گنپتی کے دیول کے مشرق میں ایک خوب صورت مورت بھیمسین کی رکھی
ہوئی ہے مگر اس کی ناک بھی چپٹ ہے - اسی دروازے کے سامنے ملبھاری کی سڑک کے رخ پر شہر کی
جنوبی فصیل کے قریب کاملاپور سے مشرق کی طرف پاؤ میل ٹپّا بھی راما کا مشہور دیول ہے - یہ سب

[۵] - اس مندر میں باایں حالت کس مپرسی کے اب بھی ایسے ایسے نفیس اور وسیع ہال ہیں کہ لارڈ کرزن
جب تشریف لائے تھے تو ان کو اسی دیول کے ایک ہال میں بریکفسٹ دیا گیا تھا - ۱۲ -

بڑا مندر ہی لیکن ویران ہی اس کا صحن ہمپی کے دیول کے صحن سے دو چند ہی اور جا بجا منڈپ موجود ہیں۔ ٹپّا بھی راما کے دیول کے دروازے سے نکل کر پھر ہم حسرت و افسوس دل میں لئے ہوئے کاملاپور کے مسافر بنگلے کو پونہچ جاتے ہیں اور ویجانگر جیسے بڑے اور عظیم الشان شہر کے کھنڈروں کے نظارے کا خاتمہ ہوتا ہی۔

اب ہم نے سیاح کو جہاں سے لے گئے تھے بیجانگر کی سیر کرا کے پھر وہیں پونہچا دیا ہی۔ سارا شہر اور سب مقامات تو کیا دیکھے ہاں جو دست بردِ زمانے سے بچا کھچا اور دیکھنے کے قابل تھا وہ دیکھ لیا جس طرح عمارات کی عظمت و شوکت اور صناعی کو دیکھ کر دل خوش ہوا ہوگا اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس خطے کی تباہی سے افسوس بھی ہوا ہوگا اور رہا سہا حصہ ہندوؤں کے ہاتھ سے اور تباہ ہوا جنھوں نے خزانوں کی طمع سے کھود کھاد کر سب ملیا میٹ کر دیا۔ افسوس صد افسوس!!!

بریں تخت فیروزہ ہر صبح و شام | یکے مہرہ بخت چینند بکام
کس آں بخت و ایں مہرہ با خود نبرد | بکام دل از مملکت بر نہ خورد

(شجرۂ خاندان اول بیجانگر)
سنگم
ہرہیر یا ہریپا اول
کمپا
سنگم
بکا اول
(زوجہ گوری یا گورمبیکا)
ماریا
مدپا
ہرہیر دوم (زوجہ مالمبیکا)
بکا دوم
دیورایا اول (زوجہ ہیمبیکا
ویراوجایا (زوجہ نارائمبیکا)
دیورایا دوم
پرتاب دیورایا
ویرپاکش اول
ملکارجن
یہ شجرہ ایپگریفیکا انڈیکا جلد سوم
صفحہ (٣٠) سے نقل کیا گیا ہے

(شجرۂ خاندان دوم بیجانگر)

تماّ (زوجہ دیوکی)

ایشور (زوجہ بکمّا)

نرسا یا نرسنہوا (تین بیویاں تھیں)

(۱۴۹۸ء میں تخت پر غاصبانہ قابض ہوا)

- از بطن تِپّاجی
  - ویرنرسنہوا
  - چند سال ۱۵۰۹ء تک راجہ رہا
- از بطن ناگلا
  - کشن دیو
  - ۱۵۰۹ء سے ۱۵۳۰ء تک
    - لڑکی زوجہ ترمل راج
    - لڑکی زوجہ رام راج
- از بطن اُبامبیکا
  - اچیتیا
  - ۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۱ء و ۱۵۴۲ء تک
    - ونکٹ
  - رنگا
  - زوجہ تمہا
    - سداسیو
    - ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۷ء تک
    - برائے نام راجہ رہا۔

(شجرہ خاندان سوم بیجانگر)

سری رنگا رائلو عرف رنگا اوّل
زوجہ ترمولانبا

- **ونکٹادری**
  (۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا)
  - رنگا پنجم
    - گوپالا
      (جس نے رنگا ششم کو متبنیٰ لیا تھا)
- **ترمل (رایا یا راج) اول**
  مسند آرا شد ۱۵۶۸ء
  زوجہ ونگلا دختر کشن دیورایا
  - ونکٹا اول ۱۵۸۶ء و ۱۶۱۴ء
  - راما سوم
    - رنگا سوم
      - راما چہارم
        (کئی بھائیوں میں ایک)
    - ترمل دوم
  - رنگا دوم ۱۵۷۵ء و ۱۵۸۴ء
  - رگھناتھ
- **"آلیا" یعنی داما و رام رایا (راج) دوم** ۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا (زوجہ تروملمّا دختر کشن دیورایا (رائے)
  - سری رنگا رائلو چہارم
    (پانچ بھائیوں میں ایک)
    - چنّا (خورد)
      ونکٹ پتی رائلو (سوم)
      - رنگا ششم
        جس کو گوپالا نے متبنیٰ لیا تھا ۱۶۴۲ء
    - پڈّا (کلاں)
      ونکٹ پتی رائلو (دوم) ۱۶۳۴ء و ۱۶۳۶ء
      زوجہ بنگارما
      (لاولد)

منقول از اپیگرافیکا انڈیکا

دوم ۱۵۶۵ء
نزونالسما دختر

(کلاں)
(دوم)
(لاولد)

(۱۰) محمد

ونکٹا دری
۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ
رنگا پنجم
گوپالا
(جس نے رنگا ششم

خاندانِ دوم

	از	تا
نرسنہوا	سنہ ۱۴۹۰ء	(؟) (؟)
نرسایا ویرنرسنہوا	(؟)	سنہ ۱۵۰۹ء
کشن دیورایا	سنہ ۱۵۰۹ء	سنہ ۱۵۳۰ء
اچتیا	سنہ ۱۵۳۰ء	سنہ ۱۵۴۲ء
سداسیو (جو مدۃ العمر مقید رہا)	سنہ ۱۵۴۲ء	سنہ ۱۵۶۷ء

خاندانِ سوم

راما (بحالتِ وزارت حکمراں رہا)	سنہ ۱۵۴۲ء	سنہ ۱۵۶۵ء
ترمل (ایضاً)	سنہ ۱۵۶۵ء	سنہ ۱۵۶۷ء
(ایضاً) (حقیقی راجہ)	سنہ ۱۵۶۷ء	سنہ ۱۵۷۵ء
رنگا دوم	سنہ ۱۵۷۵ء	سنہ ۱۵۸۶ء
ونکٹ اول	سنہ ۱۵۸۶ء	سنہ ۱۶۱۴ء

چھٹا ضمیمہ بیدر

بیدر[1] کے عام حالات حیدرآباد سے چالیس کوس ہی۔ قریب ترین ریلوے اسٹیشن دہارور ہی جہاں سے (۴۹) میل پیدل کا رستہ ہی۔ بدری برتن جس کی شہرت چاردانگ عالم میں ہی یہیں کی ساخت ہوتے ہیں گو لکھنؤ میں بھی یہ کام ہونے لگا ہی لیکن وہ نقل ہی اور یہ اصل۔ یہ بڑا مشہور تاریخی مقام ہی جہاں سلطنت بہمنیہ اور بریدشاہیہ مدتوں قایم رہی۔ بیدر ملک مرہٹواڑی۔ کرناٹک اور تلنگانہ کے وسط میں واقع ہی اور یہی وجہ ہی کہ تینوں زبانیں یہاں بولی جاتی ہیں۔ بیدر منجو پربت نامی ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہی اور سطح سمندر سے (۲۳۳۰) فیٹ اور بلدہ حیدرآباد سے پانسو فیٹ بلند ہی۔ آب وہوا یہاں کی نہایت خوش گوار ہی۔ پانی میں قدرتاً فولاد کی آمیزش ہی کیونکہ یہاں کی پتھر کی چٹانوں میں فولاد کے ذرے پائے جاتے ہیں۔ باولیات بہت عمیق ہیں۔ سرزمین سرخ اور پتھریلی اور چٹان دار ہی۔ شہر کی آبادی بارہ ہزار ہی۔ بیدر کنڑی لفظ ہی جس کے معنے بانس کے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہی کہ زمانہ قدیم میں شہر کے گرداگرد بانس کا گھنا جنگل تھا اس وجہ سے یہ نام پڑگیا۔ راماین اور مہابھارت میں اس کا قدیم نام "ودربھا" لکھا ہی اُس زمانے میں ملک دکن میں راجہ بھیم در حکمران تھا جو پانڈو قدیم راجۂ بیدر کا غیر صحیح النسب بیٹا تھا۔ پروفیسر ولسن ملک ودربھا کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ ایک بڑا وسیع اور طاقت ور خطہ تھا جو مختلف زمانوں میں مشہور رہا۔ رامایَن اور پُرانوں میں بھی ملک دکن میں اس خطہ کے بابتہ ایسا ہی لکھا ہی۔ مصنف۔ اعمال صالح نے بھی لکھا ہی کہ رؤسا دکن کا پایۂ تخت بیدر ہی تھا مالوہ کے راجہ نل کے معشوقہ دمن جسکی

---

[1] بیدر میں میں خود سالہاسال رہا ہوں میری ذاتی معلومات کے علاوہ جناب سید اسد الله صاحب عرف میر نواب مرحوم تعلقہ دار بیدر کی فارسی کتاب مختار الاخبار اور نواب فرامرز جنگ بہادر کی انگریزی کتاب گائیڈ ٹو بیدر سے بھی کافی مدد ملی ہی۔ مرحوم جو میرے محسن بھی تھے اُن کے حق میں دعاے مغفرت اور نواب صاحب کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔ ۱۲ من المصنف۔

مثنوی نلدمن مشہور ہے بھیمسین راجہ بیدر کی لڑکی تھی - یہ بھی کہا جاتا ہے مگر قابل وثوق طور پر ثابت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت کے پہلے بیدر راجگان ورنگل کے قبضے میں تھا۔ جس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ گوڈی[۱] جو تالاب کے نزدیک پہاڑی کھو میں اب تک موجود ہے سب سے پہلی عمارت اس شہر کی ہے تھی جہاں چند گڈریوں نے اپنی جھونپڑیوں کے ساتھ مہادیو کا دیول قلعے کی مشرقی کونے میں بنالیا تھا جو اب بھی موجود ہے جس کا شہرہ ایسا ہوا کہ رئیس ورنگل خود اُس کی پوجا کو آیا اور اُن دنوں کثرت سے خلایق اس کے درشن کو جمع ہوتی تھی - چند جھونپڑیوں سے بڑھتے بڑھتے ایک گاؤں ہوگیا اور گاؤں کے اطراف حصار بھی کھیر لیا گیا اور رفتہ رفتہ اس گاؤں کی حیثیت ایک بڑے شہر کی ہوگئی جو راجہ ورنگل کے تابع تھا - خاندان راجگان ورنگل کے زوال کے بعد سلاطین خاندان خلجیہ بیدر پر قابض ہوگئے - ۱۳۲۲ء میں غیاث الدین تغلق کے بڑے بیٹے الف خاں نے بیدر کو فتح کیا اور بروایت فرشتہ صوبۂ بیدر کی آمدنی اُس زمانے میں ایک کروڑ روپیہ سالانہ تھی -

اس کے بعد سلاطین خاندان بہمنیۂ گلبرگہ قابض رہے - سلطان احمد شاہ بہمنی نے سرزمین و آب ہوا ے بیدر کو پسند کرکے ۸۳۲ھ میں گلبرگہ سے اپنا دارالسلطنت بیدر میں منتقل کیا - اور احمد آباد بیدر نام رکھا جو آگے چل کر محمد شاہ کے نام پر محمد آباد بیدر ہوگیا اور اسی نام سے اب تک مشہور ہے - ۹۵۰ھ میں بعد زوال خاندان بہمنیہ بریدی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت رہی - علی برید نے جو تیسرا بریدی بادشاہ تھا - پچھلی عمارات اور گنبدوں کو بالکل ڈہاکر ۹۶۲ھ میں قلعہ کی فصیل از سر نو بنوائی جس کا دور چھ میل تھا اور (۳۵) عظیم الشان برج بنوائے فصیل کے اطراف ایک گہری خندق ہے جو چٹان میں کاٹی گئی ہے - قلعہ کے تیرہ دروازے ہیں (۱) گاوگی دروازہ (۲) تلگھاٹ دروازہ - (۳) پتال نگری دروازہ (۴) منگل پیٹ دروازہ (۵) فتح دروازہ (۶) شاہ گنج دروازہ (۷) کرناٹک دروازہ (۸) کلیانی دروازہ (۹) دہلی دروازہ (۱۰) ہمت گرٹی دروازہ (۱۱) پریلہ دروازہ (۱۲) مہادے دروازہ (۱۳) دلمن دروازہ - ان دروازوں میں سے آٹھ دروازے بالکل بند ہیں ان دروازوں پر جو کتبے ہیں وہ یہ ہیں -

---

[۱] - چھوٹے دیول کو کہتے ہیں - ۱۲

شاہ گنج دروازہ ”روز چہار شنبہ پانزدہم شوال سنہ ۱۴ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت انجم جاہ ملائک سپاہ محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۸۱ ہجری النبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خان الحسینی السبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت“

تل گھاٹ دروازہ ”روز دوشنبہ شہر دویم ذی قعدہ سنہ ۱۵ جلوس میمنت مانوس قدر قدرت انجم جاہ ملائک سپاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۸۲ ہجری نبوی در صوبہ داری بندگان مختار خان الحسینی السبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت“

محمود گنج المعروف بہ منگل پیٹ دروازہ سنہ ۱۲۶۶ھ منگل پیٹ کے دروازے کے باہر ایک دیول ہنود کا ہی جس کے متصل ایک دروازہ نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ مغفرت مآب کا بنوایا ہوا ہی جس پر یہہ کتبہ ہی :-

”حسب الفرمان جلیل الشان اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضور پر نور نواب ناصر الدولہ آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بروز یکشنبہ یازدہم شہر ربیع الثانی مطابق سنہ ۲۲ جلوس ہمایوں و تعلقہ داری و حسن ارادت بندۂ جاں فشاں شمس الدین خاں عرف ابن صاحب طیاری دروازہ حصار قلعہ روبروے محمود گنج فی سنہ ۱۲۶۶ھ نبوی زیب اتمام پذیرفت وللہ الحمد والمنۃ“

نورس دروازہ المعروف بہ فتح دروازہ بریں تختی پر کندہ ہی ”روز جمعہ پانزدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۴ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت انجم جاہ ملائک سپاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۸۲ ہجری نبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خان الحسینی سبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت“

یہاں کا قلعہ بہت وسیع نہایت خوش نما اور مستحکم بنا ہوا ہی جو اب تک جوں کا توں قایم ہی - عمارات کے استحکام کی یہ حالت ہی کہ گچ کے مکانات میں کیل نہیں گڑ سکتی - تاہم کا

دور (۴۵۰۰) گز اور فصیل کی بلندی پندرہ گز ہی۔ فصیل کی دیواریں (۵۰) فٹ چوڑی ہیں۔ جن پر بافراغت چلا پھرا جا سکتا ہی۔ ہر چھ سو فیٹ پر ایک ایک چبوترہ توپ رکھنے کے لئے بنا ہوا ہی۔ قلعہ کے گرد تہری عمیق خندقیں ہیں۔ سلطان احمد شاہ نے قلعہ مشہور کاریگروں سنگ تراشوں۔ معماروں کو ہندوستان اور دیگر بلاد سے بلا کر چار سال میں بنوایا ہی ۹۶۲ھ میں علی برید نے اس قلعہ کی جو ترمیم کی ہی اُس کا ذکر اوپر ہو چکا ہی۔

فتح برج پر فتح لشکر توپ ۹۸۸ھ

شاہ گنج دروازے سے جانب مغرب ایک بہت بڑا برج ملتا ہی جس کا نام "فتح برج" ہی اس پر ایک بہت بڑی توپ فتح لشکر ہی جو پنچ رسی دہات کی بنی ہوئی ہی اس دہات کو بنگڑی کہتے ہیں۔ یہ توپ ڈھلی ہوئی ہی۔ اس کا طول ۱۱½ فیٹ۔ قطر (۲) فیٹ (۴) انچہ اور دہانہ کا قطر (۱) فیٹ (۲) انچہ ہی۔ اس حسب ذیل عبارت طلائی حلقہ سے میں کندہ ہی:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم غلولہ پنج من و نیم سیر وارو یک من و دہ سیر اگر خواہد کہ ازیں زیادہ بیندازد و صافی کند دیگر دہ سیر زیادہ کند۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا

توپ ظفر پیکر مسمی بہ فتح لشکر در زمان دولت اعلیٰ حضرت عالی جاہ میرزا شاہ محمود المخاطب بہ ہمایون اکرم برید شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ فی التاریخ ۹۸۸ھ

فتح لشکر کہ ز سہمش دل اعدائے حرب | راست چوں برق فرود آمدہ برروئے زمیں
تند چوں در دہن اژدرِ جنگ بود | اژدہائے کہ سر خصم فرو برد بہ کیں

حروف مقطعات قرآنی

الٓرٰ۔ الٓمٓصٓ۔ الٓرٰ۔ الٓرٰ۔ الٓرٰ۔ الٓرٰ۔ الٓرٰ۔ الٓرٰ کٓہٰیٰعٓصٓ۔ طٰہٰ۔ طٰسٓمٓ۔ طٰسٓمٓ۔ الٓمٓ۔ الٓمٓرٰ۔ الٓمٓرٰ۔ یٰسٓ۔ صٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ قٓ۔ نٓ۔ کتبہ بداللہ

نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ بردنباله مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي بِرَحْمَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

فتح برج سے شاہ گنج دروازے کی فصیل (۱۳۵۰) فیٹ ہی۔ فتح دروازہ کی بلندی (۲۴) فیٹ اور عرض (۱۲) فیٹ (۸) انچہ اس جگہ خندق کا عمق (۱۶) فیٹ ہی اور فصیل کی بلندی دروازے کی ایک جانب ۱۶ ۱/۲ فیٹ ہی لیکن داہنی طرف ۲۳ فیٹ (۴) انچہ ہی۔

اور تین توپیں فتح دروازے کے غربی جانب اور آگے بڑھ کر اور تین توپیں ہیں جن پر ۱۱۳۵ھ اور محمد قاسم کا نام کندہ ہی۔ اسی کے پاس ایک اور چھوٹی توپ پڑی ہوئی ہی جس کا سنہ بھی اسی میں ہی۔

منڈلہ برج واقع حصار شہر پر کی محمودی توپ ۹۰۵ھ اس توپ پر یہ اشعار کندہ ہیں:-

حبذا توپے پر آشوبے زاوازے بلندش گر کند گوش فلک را بر کند کوہ از دہن

شاہ کسری معدلت قاسم برید	پادشاہ ہند و سند و مالک ملک دکن
اختتام توپ در شہر محرم بودہ است	توپ محمودی کہ نامش شد ز شاہ صف شکن
افضلی می جست تاریخش سروش غیب گفت	توپ بے مثلے بود تعریف او در ہر قرن

۹۲۱ ـــــ ۱۵۲۶ ـــــ ۹۰۵ھ

چوپارہ حیدرآباد سے آنے والا شخص شہر بیدر میں فتح دروازے سے داخل ہوتا ہی جو شہر کے جنوب میں ہی۔ شہر بیدر چوپڑ کی طرح بسا ہوا ہی جس کے بیچ میں ایک بڑا برج ہی جس کا اصلی نام چوپارہ ہی مگر عام طور پر چوبارہ کہلاتا ہی۔ اس پر جانے کے لئے چکر دار سیڑھیاں ہیں جس کے چاروں جانب وسیع سڑکیں نکلتی ہیں جیسے حیدرآباد کا چارمینار۔ چوبارے کی بلندی (۷۱) فیٹ ہی اور بہت قدیم زمانہ کا اہل ہنود کا بنایا ہوا ہی جو کسی زمانے میں دیپ منڈل تھا جس پر روشنی کی جاتی تھی۔ چوبارے کی تعمیر کا سنہ نہیں ملتا۔ اب اس میں پولیس کا اسٹیشن ہی۔ چوبارے کے بالائی طبقہ کو سہراب جی صاحب اول تعلقدار کے زمانے میں بطور کلاک ٹاور کے بنا کر اس پر ایک گھنٹا لگا دیا گیا ہی۔ اس کے مشرق میں دو باولیاں کسی دیول کی ہیں مگر دیول کا اب کہیں نشان بھی نہیں رہا۔

تعلیمیں اس شہر میں چوبارے کی چاروں سڑکوں کے لحاظ سے شہر کی تقسیم چار تعلیموں پر کی گئی ہی۔ پنسال۔ منہار۔ سدی۔ نورخاں۔ محرم میں ہر ہر تعلیم اپنے اپنے تعزیہ

اور علم نکالتی ہے۔

جامع مسجد فتح دروازے کی سڑک سے چوبارے کو آتے وقت ایک بہت بڑی جامع مسجد ملتی ہے جو ایک عمدہ اور قدیم شاہی عمارت ہے جو قاسم برید ثانی کی بنائی ہوئی ہے۔ اسی سڑک پر گوبند مہاراج کا مندر ہے جس میں سدابرت جاری ہے اور سال میں دو مرتبہ اچھا اُتھوتا ہے۔

محبوب گنج اور چیتہ خانہ وغیرہ عمارات چوبارے سے ایک سڑک محبوب گنج۔ چیتے خانہ اور شاہ گنج دروازے کو جاتی ہے۔ محبوب گنج بیدر کا بڑا مارکٹ ہے اور چیتہ خانہ ایک قدیم پست عمارت ہے جہاں اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کے چیتے ہرن کے شکار کے لئے سدھائے جاتے ہیں اس کے آگے بڑھ کر ایک کمان ہے جو دوگاؤں کی کمان کے نام سے مشہور ہے جو حضرت ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ کے محاذی ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور شاہ گنج دروازہ ہے جس کے باہر ٹپہ خانہ (ڈاک خانہ) ایک مسجد اور مسافر بنگلہ ہے۔ چیتے خانہ کے عقب میں قدیم عمارت شاہی میں مہتمم صاحب کوتوالی کی کچہری ہے۔

محمود گاوان کا مدرسہ چوبارے سے جو سیدھی سڑک قلعہ کو جاتی ہے خونی چبوترے کے پاس محمود گاوان وزیر اعظم محمد شاہ بہمنی کے عظیم الشان مدرسہ کی عمارت ہے۔ بادشاہ نے خواجہ محمود گاوان کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر وزارت سے سرفراز کیا۔ محمود گاوان کا رہنے والا تھا جو گیلان ملک فارس میں ہے اس کا اصلی نام ملک شاہ محمد تھا اور چنگیز خاں کی اولاد میں تھا۔ اس کے باپ دادا گیلان کے وزرا تھے۔ محمود چالیس برس تک دنیا کے مختلف مقامات میں سیاحت کرتا رہا اور علاء الدین بہمنی کے زمانہ میں تاجرانہ حیثیت سے بیدر وارد ہوا بادشاہ نے اس کو بیدر کا حاکم مقرر کیا۔ محمود گاوان نے علاء الدین اور محمد شاہ لشکری دونوں بادشاہوں کے زمانے میں ملک کا انتظام کیا۔ یہ شخص بڑا لائق تھا۔ فلسفہ منطق ہیئت۔ ریاضی طب اور جراحی سب علوم و فنوں میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ صاحب تصنیف اور شاعر[1] بھی تھا۔ خاندان بہمنیہ میں اس سے بہتر اور اس سے زیادہ

[1] چنانچہ مولانا عبدالرحمن جامی نے ایک موقع پر اس کی انشاپردازی کی نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:۔

بیدار مغز کوئی وزیر نہیں ہوا۔ اس کے عہد میں سلطنت بہمنیہ کو بے انتہا عروج ہوا۔ کثرت سے فتوحات ہوئے اور ملک کا رقبہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ بجائے چار صوبوں کے آٹھ صوبے ہو گئے۔ دولت آباد۔ جنیر۔ بیجاپور۔ حسن آباد گلبرگہ۔ ماہور۔ کاویل۔ ورنگل راج مندری۔ دارالسلطنت کا نام بھی بجائے احمد آباد بیدر کے محمد آباد بیدر قرار پایا۔ (جو اب تک قایم ہے) محمود گاوان کے حسن انتظام سے خوش ہو کر بادشاہ نے اُسے "خواجہ جہاں" کا خطاب دیا جس دن سے یہ خطاب ملا وہ کہا کرتا تھا کہ سب سے پہلے یہ خطاب علاؤ الدین کے زمانہ میں خواجہ مظفر علی استر آبادی کو ملا تھا جس کے چند ہی روز بعد محمد شاہ نے اُسے قتل کیا اس کے بعد خواجہ جہاں ترک کا نمبر آیا وہ بھی قتل ہوا اب تیسرا نمبر میرا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ بات سچ ہوئی۔ خواجہ جہاں کو ایک عرصے سے امور سلطنت میں جزو کل کا اختیار حاصل تھا۔ اس نے بادشاہی حکومت کو مستحکم کرنے کے خیال سے بہت کچھ اصلاحیں کیں امرا کے زور گھٹا دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود غرض اور نا عاقبت اندیش لوگ اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور ایک گہری سازش اس کے خلاف قایم ہو گئی جس سے وہ بے خبر نہ تھا بلکہ وہ سلطنت کی خیر خواہی میں ایسا منہمک تھا کہ اُس نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ خواجہ جہاں اور یوسف خاں دونوں میں باپ بیٹے کے سے تعلقات تھے اور نہایت اخلاص تھا۔ یوسف ہر طرح کی خبر رکھتا تھا اُس کی موجودگی میں کسی کو کچھ جرارت نہ ہوئی لیکن جب وہ ایک مہم پر چلا گیا اور میدان خالی ہو گیا تو ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے جو خواجہ کے دست گرفتہ تھے ملک حسن نظام الملک بحری سے مل کر صلاح کی کہ خواجہ کو نکلوانے کے لئے یہ اچھا موقع ہے اس وقت یوسف بھی یہاں نہیں ہے کہ روک تھام کرے گا ظریف الملک اور مفتاح حبشی اور چند غلامان ہندی نے خواجہ کے ایک حبشی غلام کہ جس کے پاس اُس کی مُہر[۵] رہتی تھی دوستی گانٹھی اور انواع و اقسام کے جواہر گھوڑے تحائف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹۔ نظم و نثر ش ہیں کہ پنداری دبیر چرخ کردہ عقد پرویں و ثنا سے بے نہایت نقشہا
یا خود افتاد دست مخزونات گنج پُر گہر — بر بساط عرض بعضے متصل بعضے جدا

[۵]۔ اس مُہر پر "عاقبت محمود باد" کندہ تھا۔ ۱۲

اور نقد وغیرہ دے کر اُس کو اپنا گرویدہ احسان کر لیا - ایک دن خواجہ کے غلام کی مجلس میں
شراب خوب چل رہی تھی کہ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اپنے ہاتھ میں ایک لپٹا ہوا
سادہ کاغذ لے کر گئے اور کہا کہ یہ ہمارے فلاں دوست کی برات ہے اس پر اکثر امرا کی
مہریں ہو چکی ہیں اگر تم بھی خواجہ کی مہر لگا دو تو ہم تمھارے بڑے مرہون منت ہوں گے
غلام نے سخت بے وقوفی کی کہ اِن کے اعتبار پر کاغذ کو کھول کر بھی نہ دیکھا اور نشے کی
حالت میں جہاں اُنھوں نے بتلایا مہر کر دی - ظریف الملک اور مفتاح حبشی اُسی وقت
رات کو ملک حسن نظام الملک بحری کے مکان پر گئے اور ان سب کی رائے سے خواجہ
کی طرف سے ایک تحریر رائے اڑیسہ کے نام اس مضمون کی لکھی کہ سلطان محمد شاہ کی
شراب خواری اور ظلم سے ہم تنگ آ گئے ہیں راج مندری کی طرف کوئی حاکم نہیں ہے
وہ رخ خالی ہے یہ موقع ایسا ہے کہ تمھاری ادنیٰ توجہ سے ملک دکن فتح ہو سکتا ہے تم بلا روک
ٹوک لشکر لا سکتے ہو یہاں کے اکثر امرا میرے کہنے میں ہیں میں بھی چاروں طرف سے
بغاوت شروع کرتا ہوں اور بادشاہ کا خاتمہ کر دینے کے بعد ہم تم علی السویہ سلطنت کو تقسیم
کر لیں گے اس تحریر کو حسن نظام الملک نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا - بادشاہ نے جب اُس
پر خواجہ کی مہر دیکھی تو متحیر ہو گیا - حسن نظام الملک نے موقع پا کر خوب کان بھرے اور بادشاہ
کو ایسا بھڑکایا کہ اُس نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ رائے اڑیسہ کے پاس یہ کون لے جا رہا تھا -
تمھارے ہاتھ یہ کاغذ کیسے لگا بلکہ خواجہ کو بلا بھیجا - خواجہ کے ہوا خواہوں نے اس امر
کی پہلے ہی اطلاع کر دی اور کہا کہ موقع نازک ہے اگر آج کسی بہانے سے آپ دربار میں نہ
جائیں تو اچھا ہے - خواجہ نے یہ بیت پڑھی ؎

چوں شہید عشق در دنیا و عقبیٰ سرخ روست
خوش دمے باشد کہ ما را کشتہ زیں میداں برند

اور کہنے لگا کہ یہ ڈاڑھی جو کہ ہمایوں بادشاہ کی خدمت گزاری میں سفید ہو گئی ہے اگر اُس کے
بیٹے کے ہاتھ سے رنگین ہو جائے تو سرخ روئی کا باعث ہے بھلا تقدیر کا لکھا کہیں مل سکتا ہے اور
قضا سے کوئی بچ سکتا ہے - خواجہ جہاں سے چند امرائے کبار نے جو اُس کے متوسلین میں سے

سنتے یہ خبر وحشت اثر سن کر کہلا بھیجا کہ ہزار سوار آپ کے خاصے کے موجود ہیں اگر خداوند نعمت ایسے وقت گجرات تشریف لے جائیں تو ہم جان نثار ہم راہ رکاب جان و مال سے حاضر ہیں خواجہ نے جواب دیا کہ مدت دراز سے اس سلطنت کا نمک خوار ہوں اور مجھ سے اب تک کوئی تقصیر نہیں ہوئی مجھ کو امید نہیں ہے کہ بادشاہ دشمنوں کی مجرد تہمت پر بلا پوچھے گچھے یکایک الزام بے وفائی اس جان نثار پر لگائے گا۔ ایسے وقت ٹل جانا نمک حرامی ہے۔ اور اُسی وقت بادشاہ کے حضور میں بلا عذر حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے پوچھا "اگر کوئی شخص اپنے ولی نعمت کے ساتھ بے وجہ نمک حرامی کرے اور اُس کی نمک حرامی کا یقین ہو جائے تو اُس کی کیا سزا ہے؟

خواجہ جہاں۔ ایسا بدبخت کہ جو اپنے مالک کے ساتھ نمک حرامی کرے اور اُس کا یقین ہو جائے تو اُس کی سزا سوائے شمشیر آبدار کے اور کچھ نہیں ہے۔ بادشاہ نے اُسی وقت وہ خط بتلایا۔ خواجہ نے دیکھ کر یہ آیت پڑھی سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ اور عرض کیا کہ اس پر مہر تو بے شک میری ہے لیکن خط میرا نہیں اور نہ مجھے اس کی خبر اور قسمیہ اس مضمون کو اس قطعہ میں بیان کیا[1]

بخدائے کہ جوہر امرش | اہل معنی بجون دل سفتند
که چو بہتان یوسف و گرگست | انچہ از بند دشمناں گفتند

ہر چند خواجہ نے عرض معروض کی اور عذر لاعلمی کا کیا لیکن بادشاہ شراب کے نشے میں چور تھا اور قہر و غضب اُس کے چہرے سے ظاہر تھا ایک نہ سنی اور خاندان بہمنیہ کے زوال کا وقت بھی آ گیا تھا کچھ پوچھ گچھ بھی نہ کی اور برہم ہو کر مجلس سے اُٹھ گیا اور جاتے جاتے جوہر نام حبشی کو خواجہ جہاں کے قتل کا حکم دے گیا۔ خواجہ نے عرض کی کہ میں تو بڈھا ہو گیا اور اب بھی میری عمر پوری ہو چکی ہے میرا قتل آپ جیسے اولوالعزم بادشاہ کے نزدیک بالکل آسان ہے لیکن اس سے ملک کی خرابی اور آپ کی بدنامی البتہ ہوگی۔ بادشاہ غصے میں اندھا ہو رہا تھا اس نے سنی کی ان سنی کر دی اور کچھ جواب نہ دے کر محل سرا میں چلا گیا۔ جوہر حبشی تلوار کھینچ کر آن پہنچا

[1] حاشا و کلا یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے۔ ۱۲

خواجہ دوزانو قبلہ رو بیٹھ گیا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا اور جب تلوار اُس کی گردن پر پڑی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَۃِ الشَّہَادَۃِ[1] کہتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا خواجہ کی عمر ستاسی سال کی تھی۔ اس نے شہادت سے چند روز پہلے ایک قصیدہ اسی بادشاہ کی مدح میں کہا تھا جس کی دو بیتیں یہ ہیں۔

ابیات

شد شکل ضرب تیغت بر دوش جاں حمائل — ہیکل ز حرز سیفی وانگہ ہراس ای دل
تیغ تو آب حیواں مردم ز حسرت آں — آرے بہ عہد من شد آب حیات قاتل

یہ اندوہ ناک واقعہ ۵ صفر ۸۸۶ھ کو ہوا۔ ملا عبدالکریم ہمدانی مصنف تاریخ محمود شاہی نے جو شاگرد اور مرید خواجہ کا تھا یہ قطعہ تاریخی کہا ہے۔

قطعہ

شہید بے گناہ مخدوم مطلق — کہ عالم راز جودش بود رونق
وگر خواہی کہ تاریخ وفاتش — فرو خواں قصۂ قتل بہ ناحق

ایک تاریخ کسی اور نے کہی ہے ؎

سال فوتش گر کسے پرسد بگو — بے گناہ محمود گاواں شد شہید

ملا سامعی جو خواجہ کا ندیم اور نوکر تھا اُس نے یہ قطعہ کہا ہے۔ قطعہ

چوں خواجہ جہاں را ہرگز حرام خواری — در دل نہ بود ومی کرد پیوستہ جاں سپاری
گشت او شہید مغفور ای سامعی بہ تحقیق — تاریخ کشتن او جواز حلال خواری

اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ کا نشہ اُتر گیا اور ہوش میں آیا اُس وقت اُس کو معلوم ہوا کہ خواجہ جہاں بالکل بے گناہ تھا اور جن لوگوں نے اُس کے مقابلے میں یہ سازش کی تھی اُن کو بھی بادشاہ نے اُسی وقت قتل کرا دیا۔ خواجہ جہاں کا مقبرہ اب تک شہر بیدر سے بجانب شمال دو میل کے فاصلے پر شربت باغ کے متصل ایک ٹیلے پر واقع ہے جہاں اُس کا بنایا ہوا ایک تالاب بھی ہے اس کے علاوہ اُس کا بنایا ہوا ایک[2] بہت بڑا

[1] شہادت کی نعمت پر اللہ کا شکر ہے ۱۲ [2] یہ عمارت نہایت مستحکم اور رفیع الشان لداؤ کی ہے اور ایک طرف

عالی شان مدرسہ بلدۂ بیدر میں اب تک موجود ہی جس کی عمارت عجائبات روزگار سے ہی - یہ مدرسہ دوسال نو مہینے میں محمد شاہ لشکری کے زمانے میں جو خاندان بہمنیہ کا بارہواں بادشاہ تھا بنا - اس میں علاوہ مدرسہ کے ایک بڑا بھاری کتب خانہ بھی تھا - قطعہ تاریخی یہ ہی - قطعہ

ایں مدرسۂ رفیع محمود بنا	چوں کعبہ شدش قبلۂ اہل صفا
آثار قبول ہیں کہ شدہ تاریخش	از آیت رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
	۸۷۸ھ م ۱۴۷۲ء

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳ - مسجد اور اُس سے ملے ہوئے چو طرفہ دو منزلہ وسیع ہال بنے ہوئے ہیں جن میں علماء و فضلاء و طلبہ رہتے تھے - جو طالب العلم مدرسہ میں رہتے تھے اُن کو کھانا کپڑا مفت ملتا تھا - مساکین اور نوواردوں کو ہر روز لنگر تقسیم ہوتا تھا - اس عمارت کا طول شرقاً و غرباً (۲۰۰) فیٹ اور عرض شمالاً و جنوباً (۱۸۰) فیٹ ہی - اس مدرسے کے سامنے دو بلند مینار تھے جن میں سے ایک اب تک قائم ہی جس کی بلندی سو فیٹ ہی اور اندر چکر دار سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے لئے بنی ہوئی ہیں - اگرچہ یہ عمارت بے انتہا مضبوط تھی لیکن سوء اتفاق سے طیار ہونے کے سوا دو سو سال بعد بجلی گرنے سے ایک مینار اور نصف حصہ مدرسہ کا اُڑ گیا - یہ واقعہ ۱۱ رمضان ۱۱۰۷ھ میں ہوا جب کہ کئی سو آدمی نماز تراویح میں مصروف تھے - یہ بیچارے بھی سب اُڑ گئے چنانچہ اس مدرسے کے احاطے میں گنج شہیداں موجود ہی - اس واقعہ کی تاریخ خراب شد ہی (۱۱۰۷ھ) - چوں کہ جلال الدین خاں قلعہ دار بیدر نے مدرسے کے ایک حصہ میں باروت کا ذخیرہ رکھا تھا اس سبب سے یہ افسوس ناک واقعہ بہت سخت ہوا - مدرسے کے پیش میں دیوار شرق رویہ کے بلند مقام پر نیلی چینی کی زمین پر سفید چینی کے نہایت جلی حروف میں کلام مجید کے چوبیسویں پارے کے چوتھے رکوع کی یہ آیت منقوش ہی - وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ... فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ جو منار گر گیا ہی اُس کے گرے ہوئے ڈھگار اب تک پڑے ہیں جو کسی کے پھوڑے پھوٹ نہیں سکتے - تمام مدرسے میں گنبدوں کے اندر مینا کاری کے کام سے سارا کلام مجید لکھا ہوا تھا - بہت سی جگہ کھپر کے کھپر گر گئے ہیں کچھ کچھ اب بھی باقی ہی - مینار پر لاجوردی اور سنہری کام کہکشاں کے مختلف رنگوں کا اس غضب کا تھا کہ آج تک جب آفتاب محاذی آتا ہی تو چمکتا ہی - اس مکان میں اب بھی اس قدر گنجائش ہی کہ

مکانات قاضی صاحب شفاخانہ اور ناصر الدولہ بہادر کی حویلی مدرسے کے سامنے قاضی بیدر کا مکان ہے تھوڑی دور آگے شفاخانہ ہے۔ اس کے آگے نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی ہے جس میں نواب سکندر جاہ بہادر تین سال رہے اور نواب ناصر الدولہ بہادر اسی حویلی میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ملتانی بادشاہ کی درگاہ ۹۳۵ھ آگے بڑھ کر ایک بڑا دروازہ ملتا ہے جس کے دو منارے ہیں جو سید نعمت اللہ ولی کرمانی کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ آپ کرمان ملک فارس کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے آپ کے پوتے سید شاہ خلیل اللہ بت شکن سلطان احمد شاہ نویں بادشاہ بہمنی کے زمانہ میں بیدر تشریف لائے تھے اور بادشاہ نے آپ سے بیعت کی تھی۔ اس کے آگے ڈاکٹر کے رہنے کا مکان ہے اس کے بعد تل گھاٹ دروازہ ہے جہاں سے اسٹور کو راستہ جاتا ہے قلعے سے خندق کے متوازی ایک سڑک حضرت شیخ ملتانی بادشاہ کی درگاہ کو جاتی ہے جو بیدر کے مشہور اولیاء اللہ ہیں۔ آپ کا پورا نام حضرت ابو الفتح شاہ محمد شمس الدین الشریف الملتانی القادری ہے درگاہ شریف اندرون حصار دروازۂ شاہ گنج کے متصل ہے۔ آپ کا وصال غرہ شوال ۹۳۵ھ میں ہوا۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے:-

بعلم معرفت در اہل عرفاں　　محمد شاہ ملتانی کامل
بجستم سال تاریخ وفاتش　　ندا آمد بمولا گشت واصل
۹۳۵ھ

پتال نگری چوبارے سے مشرق رخ جو سڑک جاتی ہے اس کے آخر میں ایک راستہ فصیل کے بازو بازو پتال نگری کے محلے کو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ابو الفیض اور شاہ ابو الحسن کی درگاہیں ۹۹۲ھ ۱۰۸۹ھ شہر کے جنوب و مشرق میں منگل پیٹھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴ — سالہا سال ضلع کا انجنیئر مع عملہ و دفتر اسی میں رہتا تھا اور اب تک ضلع کا مدرسہ اسی میں تھا اب چند روز سے جدید مدرسہ بن جانے سے یہ عمارت خالی پڑی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی نے اس مدرسے کے تاریخی قطعے میں "ایں عمارت تا قیامت پائدار" لکھا تھا اسی وجہ سے یہ نتیجہ ہوا۔ ۱۲

دروازے کے باہر جلبشی گارڈ کے متصل حضرت شاہ ابوالفیض من اللہ حسینی کی درگاہ شریف ہے۔ آپ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے پوتے ہیں یہ درگاہ ایک گھنی امرائی میں واقع ہے اس درگاہ کا دروازہ نہایت خوش نما اور لاجوردی مینا کاری کام کا ہے۔ دروازے کے پٹ اور چوکھٹ سبز رنگی ہوئی ہے۔ اندر تین قبریں ہیں جن پر غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ درگاہ کے احاطے کے اندر فرش پر زائرین نے کثرت سے روپیہ گاڑ دیئے ہیں۔ مقبرے کی بلندی (۸۰) فٹ ہے۔ درگاہ کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے

تسعین تسع مائۃ

۹۹۲ھ

تاریخ عمارت مبارک بشد

حبذا گنبد عالی کہ آسودہ درو — شاہ فردوس مکاں شاہ علی رہبر دیں

سال تاریخ بنایش زخرد جستم و گفت — ہاتف از غیب کہ شد گنبد فردوس بریں

۹۹۲ھ

حضرت ابوالفیض کی درگاہ کے محاذی حضرت شاہ ابوالحسن کا گنبد ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔

سنۃ تسعٌ و ثمانینَ الفٍ

۱۰۸۹ھ

تاریخ این عمارت مبارک بشد

ابوالحسن شاہ دیں و عارف حق — کہ ولی نبی سرشت آمد

حبذا گنبدے کہ مرکز او — گوئی نور است کز بہشت آمد

ہاتف از غیب گفت تاریخش — خاتم خواجگان چشت آمد

۱۰۸۹ھ

حضرت بخشی بیگم صاحبہ کا مقبرہ درگاہ شریف کے قریب دو قبریں نواب نظام علی خاں بہادر کے صاحبزادوں میر حسام الدین اور میر رضا علی کی ہیں۔ درگاہ کے مغرب میں نواب نظام علی خاں کے بیوی عاشورہ بیگم عرف بخشی بیگم صاحبہ کی قبر ہے جس کے اطراف سنگ مرمر کی نہایت نفیس جالی ہے۔ ان قبور کی نگرانی کے لئے ایک داروغہ اور عملہ ہے اور روزانہ لنگر

تقسیم ہوتا ہے۔

سید ساداتؒ کی درگاہ اور چشمہ سنہ ۹۰۰ھ

اس مقام پر نشیب میں دو گنبد اور ایک مسجد اور ہے جن میں سے ایک حضرت سید سادات سید حنیف صاحب کا مشرق کے رُخ پر ہے آپ بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا وصال سنہ ۹۰۱ھ میں ہوا۔ مسلمان اور ہندو دونوں آپ کے معتقد ہیں کہ ہر جمعرات کو منت مراد والے جمع ہوتے ہیں اور چشمہ میں نہاتے ہیں۔ اس چشمہ کا پانی شیر گرم ہے اور چوں کہ معدن سے نکلتا ہے امراض جلدی کے واسطے از بس مفید ہے۔ اس میں کثرت سے پانی کے سانپ ہیں مگر وہ نہانے والوں کے پاس نہیں پھٹکتے ہندو اس کو "نانک جھرا" کہتے ہیں۔ اس چشمہ پر یہ کتبہ ہے:-

بنا کرد این عمارت چشمہ حیات درین مقام شریف در روضۂ مظہر حضرت سید السادات المخدوم السید حنیف نور اللہ مرقدہٗ۔

فی زمان السلطان الاعظم المتوکل علی اللہ القوی الغازی شہاب الدنیا والدین محمود شاہ بن محمد شاہ ولی البہمنی۔ اقل عباد اللہ درویش حسینی المشہدی المخاطب حضرۃ العالیہ من شفاخان غفر اللہ ولوالدیہ۔ فی سابع عشر شعبان (۱۷) سنۃ تسعمائۃ الہجرۃ النبویہ۔

سنہ ۹۰۰ھ

پاپناس کا جھرا اور مہادیو کا مندر فرح باغ اور سنکل تیرتھ کے جھرے

اس چشمہ کے پاس ہی مسجد بھی ہے۔ اس درگاہ کے مغرب میں پاپناس کا جھرا ہے جس میں ہنود غسل کیا کرتے ہیں اور ایک چھوٹا سا مندر مہادیو کا بھی ہے۔

اسی طرح فرح باغ اور سنکل تیرتھ کے جھرے بھی اہل ہنود کے متبرک مقامات ہیں جو ایک گز مربع اور پاؤ گز عمیق ہیں۔

فرح باغ سنہ ۹۸۲ھ

شہر کے جنوب و مشرق میں فرح باغ کا تیسرا چشمہ ہے جو پہاڑوں کے اندر دور تک ایک غار کھود کر نکالا گیا ہے۔ غار میں بالکل اندھیرا ہے۔ اس میں نرسنگھوا کی مورت رکھی ہوئی ہے۔ یہ تعداد (۱۱۲) گز لمبا اور اس کی چھت ۱۲ فیٹ بلند ہے جس میں (۴) فیٹ

باقی رہتا ہے۔ زائرین جب اس کے اندر جاتے ہیں تو مشعل لے کر جانا پڑتا ہے۔ یہاں سالانہ جاترہ ہوا کرتی ہے جس میں غربا کو سدا برت ملتا ہے اس چشمہ کے روبرو اورنگ زیب کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے جس پر یہ دو کتبے ہیں۔

(۱) کتبہ اندرون مسجد

اَللّٰہُ وَلَا سِوَاہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ

(۲) کتبہ بر مسجد جانب مشرق۔

چوں ہمت والانہمت خدایو دیں پناہ موید من عند اللہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی بر انہدام بنیان کفر وظلام و تاسیس اساس دین اسلام مصروف و معطوف است کمترین بندگان مختار خان الحسینی السبزواری ناظم صوبہ ظفر آباد بہ تخریب بت خانہ و ترتیب ایں مسجد و باغ پرداخت و بتاریخ بست و پنجم ربیع الاول سنہ ۱۴ جلوس ہمایون موافق سنہ ۱۰۸۲ نبوی ایں مصرعہ تاریخ گرد

بتکدہ مسجد شد از لطف حق۔

بعنایت ملک علام صورت اتمام یافت و از غایت خوبی و دل نشینی ایں باغ فرح موسوم گردانید بفرزند دلبند از عمر و دولت برخوردار میرزا نجم الدین محمد خلف فرزند سعادت مند میرزا قمر الدین محمد تغلق ساخت۔

بنا کرد مسجد بجائے کنشت
برایوانش انا فتحنا نوشت

کتبہ قمر الدین محمد بن مختار خان۔

اس پر فضا اور خوش منظر مقام کا نام فرح باغ رکھا گیا اور نظام قمر الدین محمد کے پوتے نجم الدین کے تفویض کیا گیا۔

باغ خداوندگان بیدر سے ایک میل سمت شرقی میں نعمت آباد کے پاس سلطان علاء الدین شاہ ثانی نے مہم بیجاپور سے واپس آکر بنوایا تھا جس میں تمام کاروبار سلطنت کا چھوڑ چھاڑ

ایک ہزار عورات جمیلہ لے کر عیش و عشرت میں شبانہ روز رہتا تھا اس باغ میں ایک قصر رفیع رشک فردوس بریں ترددات و افکار دنیاوی سے الگ تھلگ رہنے کے لئے بنوایا تھا وہاں ہمیشہ جلسے اور ناچ رنگ کے سوا فکر پھٹکتی نہ تھی - چار چار پانچ پانچ مہینے برآمد نہ ہوتا تھا نہ کسی کا سلام ہوتا تھا - اس باغ کی شان میں حکیم اذری نے یہ بیت کہی ہے

گوئی کہ ماہ و مشتری از برج آسماں تحویل کردہ اند بباغ خدا ایگاں

مگر دنیا کا انقلاب دیکھئے کہ کیا سے کیا ہو گیا اب ڈھونڈے سے بھی اُس کا پتہ نہیں ملتا کہ کہاں تھا - نشان تک باقی نہیں -

شاہان بریدیہ قاسم برید گرجی قوم کا تھا - اس کو ایام طفولیت میں شہاب الدین یزدی ہراں ملک فارس سے خرید کر کے لایا اور محمد شاہ لشکری کے ہاتھ فروخت کیا - بادشاہ نے اس کی بہت اچھی طرح تربیت اور تعلیم کی - قاسم برید بہت لایق اور دانشمند تھا سلطان محمود نے اس کو پہلے پہل بیدر کا کوتوال مقرر کیا - رفتہ رفتہ وہ اپنی عمدہ کارگزاری کی بدولت منصب وزارت سے سرفراز ہوا - وہ روز بروز سلطنت بہمنیہ کی کمزوری دیکھ کر اپنے استحکام و استقلال کی فکر میں لگا رہتا تھا - دوسرے امراء نے اس کا غیر معمولی عروج دیکھ کر معزول کرانے کی فکر کی - قاسم برید بےزار ہو کر وزارت سے دست کش ہوا اور اپنی جاگیرات اودگیر واوسہ وقندہار اور کلیانی کو چلا گیا - خواجہ جہاں محمود گاواں کا قتل بھی قاسم برید ہی کی سازش سے ہوا جس کے بعد پھر یہ خود وزیر ہو گیا ۹۸۸ھ میں جب خاندان بہمنیہ اسی کی بدولت مٹ گیا تو یہ خود بادشاہ بن بیٹھا اس سلسلہ میں سات بادشاہ ہوئے جن کا ذکر دوسری جگہ کیا جائے گا -

بریدیوں کے گنبد شہر بیدر سے ایک میل کے فاصلے پر جانب مغرب شاہان بریدیہ کے گنبد ہیں ان میں سے نہایت عالی شان اور ممتاز قابل دید گنبد علی برید شاہ کا ہے یہ گنبد ایک بہت بلند چبوترے پر واقع ہے جس کے سامنے ایک نہایت وسیع اور عالی شان نقارخانہ بنا ہوا ہے جس کے نیچے کے دالانوں اور مکانات ملحقہ میں فوج رہا کرتی تھی نقارخانے سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر مقبرہ ہے جو ایسا خوبصورت اور سڈول بنا ہوا ہے کہ باوجود

اس قدر بلند ہونے کے بھی ننھا سا معلوم دیتا ہی - اس کے چبوترے کی کرسی (۷۵) فیٹ بلند ہی اور مقبرے کا قبہ (۶۴) فٹ مرتفع ہی جس پر ایک اور برجی دس فٹ بلند ہی - اس طرح چبوترا ملا کر گنبد کی چوٹی تک (۱۵۰) فٹ کی بلندی ہی - اس گنبد کی چاروں طرف (۳۲) فیٹ کی مرتفع کھلی ہوئی کمانیں ہیں جن میں فراغت سے ہوا کا گزر ہوتا ہی - اور ہوا کے زور سے کوڑا کرکٹ اُڑجاتا ہی اور قدرتی طور پر مقبرہ خس وخاشاک گرد و غبار سے پاک وصاف رہتا ہی - علی برید کی قبر پر ایک نہایت عمدہ سنگ موسیٰ کے نہایت چمک دار پتھر کا تعویذ ہی جس کے سرہانے بہ خط عربی کلمہ طیبہ منقوش ہی - گنبد کے اندر چاروں طرف تمام لاجوردی اور سنہری اور چینی کا کام ہی - علاوہ نقش و نگار کے نہایت خوش خط آیات کلام الٰہی اور دل کو تڑپا دینے والے اشعار لکھے ہوئے ہیں جو حسب ذیل ہیں :-

ای ہم نفساں تا اجل آمد بہ سر من — از پاے در افتادم و خوں شد جگر من
دی تازہ گلے بودم اندر چمن باغ — امروز فرو ریخت ہمہ بال و پر من

یاران و عزیزاں بسر خاک من آیند — از خاک بہ پرسند نشان و خبر من
گر خاک جہاں جملہ بہ غربال بہ بیزند — حقا کہ نیابند نشان و اثر من

رفتم بہ جناں جائے کہ باز آمدنم نیست — ہم نیست امیدے کہ کس آید بسر من
عطار دست دارم و از درد بخوں غرق — حقا کہ نیابد دو جہاں در نظر من

دریغا کہ بے ما بسے روزگار — بروید گل و بشگفد نوبہار
کسانیکہ از ما بہ غیب اندر اند — بیایند و بر خاک ما بگذرند

تفرج کناں در ہوا و ہوس — گذشتیم بر خاک بسیار کس
کرا جاوداں ماندن امید ماند — چو کس را نہ بینی کہ جاوید ماند

دامن کشاں کہ می رود امروز بر زمیں
فردا غبار کالبدش بر ہوا رود

خاکت در استخواں رود ای نفس خیرہ چشم
مانند سرمہ داں کہ درد توتیا رود

بانیِ ایں گنبد گردوں مثال
شاہ فرخندہ برید نیک خو

مصرعۂ آخر کہ تاریخ بناست
نامِ گنبد قبۃ الانوار گو

کتبہ خواجگی شیرازی

شاہ سریر مملکت دیں علی برید
چوں تنگ نائے دینی دوں راز کف بہشت

آسودہ در بہشت شد آمد ندائے غیب
تاریخ فوتش آمدہ آسودہ در بہشت

ابیات بالا کے اوپر نہایت اور خوش خط خطِ نسخ میں گنبد کی چاروں طرف یہ آیات کلام مجید منقوش ہیں :-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْد تا وَلَا الضَّآلِّیْنَ آیۃ الکرسی تا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

فقال اللّٰہ تعالیٰ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ ... کتبہ عبدالفتاح

قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ ...

... وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کتبہ عبدالفتاح

خلاصہ یہ کہ اس گنبد کی صناعی حیطۂ بیان میں نہیں آسکتی اس کا اندازہ صرف دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ گنبد کے استحکام کی یہ حالت ہے کہ ایک جانب کی دیوار ذرا سی کھل گئی ہے اس میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دیواروں کے اندر زبردست آہنی سلّ نیچے سے اوپر تک کرو ے کر جکڑ دیا گیا ہے کہ جوڑ کھلنے نہ پائے۔ بے رحم ظالموں نے نہ صرف جا بجا نقش و نگار کو کھرچ ڈالا ہے بلکہ بلند گنبد کے اندر گولیاں مار مار کے قبہ کے پلاسٹر کو جا بجا سے گرا بھی دیا ہے گنبد کے باہر ساٹھ قبریں ہیں جن کی نسبت مشہور ہے کہ علی برید کی بیویوں کی ہیں جن کو علی برید نے کسی وجہ سے ایک ہی رات میں مروا ڈالا تھا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو کیوں کہ علی برید زمانے کی نا مساعدت سے بہت شکستہ خاطر ہو گیا تھا۔ برہان نظام شاہ کے ایلچی شاہ طاہر سے اس سے بگڑ گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برہان نظام شاہ بگڑ گیا اور دونوں میں بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں علی برید کو ایسی بھاری شکست ہوئی کہ سارا ملک اس کے قبضہ سے نکل گیا برہان نظام شاہ کے پوتے مرتضیٰ نظام شاہ نے علی عادل شاہ کی مدد سے بیدر کا محاصرہ کر لیا۔ اور قریب تھا کہ فتح بھی کر لے۔ شاید ایسا ہوا ہو کہ علی برید نے گھبرا کر اپنے لشکر کو قتل کروا دیا ہو لیکن ظن غالب یہ ہے کہ یہ ساری قبریں علی برید کے بیوی بچوں اور دوسرے قرابت داروں کی ہوں گی جو اس کے طول طویل زمان سلطنت بیتالیس سالہ میں مرۃً بعد اخریٰ مرے ہوں گے علی برید کے مقبرے کی داہنی طرف قاسم برید کا سیدھا سادا سا مقبرہ ہے اس کے علاوہ چھوٹے بڑے اٹھارہ مقبرے خاندان بریدیہ کے اسی نواح میں ہیں ان کے علاوہ تین مسجدیں ایک بڑی عیدگاہ ایک بڑی باؤلی اور تین باغ برید کے گنبد کے شمال میں واقع ہیں۔

حضرت شاہ زین الدین کنج نشین اور مخدوم شاہ قادری کے گنبد

بریدیوں کے گنبد کے جنوب رُخ حضرت شاہ زین الدین کنج نشین اور مخدوم شاہ قادری کے گنبد ہیں اور آخر الذکر کی درگاہ کے پاس ایک مسجد بھی ہے۔ یہ دونوں صاحب بیدر کے مشہور بزرگان دین تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے مقابر موضع اشٹور میں

بیدر کے متصل تل گھاٹ دروازے کے باہر تین میل پر ایک چھوٹا سا گاؤں اشٹور ہے۔

جہاں بہت سے گنبد سلاطین بہمنیہ کے ایک لین میں اس سلسلے سے بنے ہوئے ہیں

نمبر شمار	نام	طول وعرض	ارتفاع	تخمینی لاگت	سال وفات
۱	سلطان احمد شاہ ولی البہمنی	(۲۵) درعہ مربع	(۴۵) درعہ	آٹھ لاکھ	سنہ ۸۳۸ھ
۲	سلطان علاء الدین شاہ ثانی	//	(۳۸) //	//	سنہ ۸۶۳ھ
۳	ہمایوں شاہ ظالم	//	// //	پانچ لاکھ	سنہ ۸۶۵ھ
۴	سلطان نظام شاہ	//	(۲۰) //	//	سنہ ۸۶۷ھ
۵	سلطان محمد شاہ بہمنی ثانی لشکری	//	// //	//	سنہ ۸۸۷ھ
۶	سلطان محمود شاہ ثانی	//	(۳۸) //	سات لاکھ	سنہ ۹۲۴ھ
۷	سلطان احمد شاہ ثانی	(۵) درعہ	(۷) //	پچاس ہزار	سنہ ۹۲۷ھ
۸	سلطان علاء الدین ثالث	// //	// //	//	سنہ ۹۲۹ھ
۹	سلطان ولی اللہ بہمنی	(۹) //	(۱۴) //	//	سنہ ۹۳۲ھ
۱۰	سلطان کلیم اللہ بہمنی	(۱۰) //	+	//	سنہ ۹۳۴ھ
۱۱	مخدومۂ جہاں زوجۂ سلطان احمد بہمنی	(۱۶) //	(۲۵) //	چار لاکھ	سنہ ۸۸۴ھ
۱۲	محمد شاہ ابن سلطان احمد ولی البہمنی	(۱۵) //	// //	//	+
۱۳	نرگس بی ملکۂ جہاں زوجۂ سلطان ہمایوں	// //	// //	//	+

اِن گنبدوں کی لاگت محض اندازاً اور خدام کے بیان پر سے درج کی گئی ہے - مخدومۂ جہاں بڑی عالی ہمت اور بلند حوصلہ عورت تھی - اسی کی حسن تدبیر سے سلطنت بہمنیہ محمد شاہی زمانے میں رونق پذیر رہی اور بہت عروج پایا - محمد شاہ قلعۂ بلگاؤں کو فتح کرکے بیدر واپس

آرہا تھا کہ بیگم صاحب نے جو اس کی ماں تھیں راستے میں انتقال کیا۔ نعش کو تجہیز و تکفین کرکے بیدر روانہ کیا اور اشٹور میں دفن ہوئیں۔ محمد شاہ نے والدہ کی قبر پر یہ گنبد بنوایا۔ تاریخ وفات یہ ہے :-

دُرَّۃُ التَّاجِ مَرْکَزُ الْاٰثَارِ
مُلْهِمُ غَیْبٍ قَالَ فِی التَّارِیْخِ

اِذَا جَاءَتْ نِدَاءُ بَاعِثِهَا
اَیَّدَ اللّٰہُ مُلْکَ وَارِثِهَا

۸۸۴ھ

ان سب میں بڑا اور شان دار گنبد سلطان احمد کا ہے جو اس لین میں سب سے پہلے ہے۔ جس نے ۸۳۴ھ میں گلبرگہ چھوڑ کر بیدر کو دار السلطنت قرار دیا تھا۔ یہ مقبرہ گول کنڈہ اور گلبرگہ کے مقابر کے نمونے کا ہے۔ اس کا چبوترہ (پچاس فیٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار بارہ فیٹ ہے اور ستائیس ستائیس فیٹ بلندی کی چار کمانیں ہیں قبہ کی بلندی زمین سے (۱۲۰) فیٹ ہے۔ سارا گنبد اندر سے اور تمام دیواروں پر سنہری زمین پر لاجوردی اور رنگ برنگ کی مینا کاری اور سیپ کا بے نظیر کام کیا ہوا ہے مگر افسوس ہے کہ استداد زمانے سے سب ماند پڑ گیا ہے۔ جدھر دیکھو دیواروں اور محرابوں اور طاقچوں پر کلام مجید کی آیات ہیں گنبد کی چھت کا اندرونی حصہ باعتبار صناعی اپنی نظیر نہیں رکھتا خدا جانے وہ کیسے کاریگر تھے اب نہ ایسے باکمال لوگ رہے نہ اس کی ضرورت اس زمانے میں رہی۔ مشہور ہے کہ کتبوں میں بجائے نقطوں کے جابجا ہیرے جڑے ہوئے تھے جو اب بھی چمکتے ہیں۔ آگرہ کے متصل سکندرے میں اکبر کی قبر کے سامنے کے برآمدے کے ایک کونے میں پانی مرنے لگا تھا جس کے سبب سے زرنگار اور میناکاری کا کام مدھم پڑ گیا تھا لارڈ کرزن نے اس کی مرمت کا بیڑا اٹھایا۔ مرمت شروع ہوئی ذرا سے کونے میں پچاس ہزار روپئے صرف ہوگئے مگر کام جو بنا وہ بالکل بھدا اور صاف چغلی کھاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اب اس طرز کی کاریگری صفحہ دنیا سے معدوم ہوگئی ہے اب بھی مقبرے کے اندر جو کتبے بہ مشکل پڑھے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اندرون صدر دروازہ جنوبی

رَوْضَۃٌ شَرِیْفَۃٌ بِسُلْطَانِ السَّلَاطِیْنِ ظِلُّ اللّٰہِ وَ خَلِیْفَۃٌ

فِي الْعَالَمِيْنَ الْوَاثِقُ بِتَائِيْدِ اللّٰهِ الْقَوِيِّ الْغَازِيْ شِهَابُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اَحْمَدُ شَاه وَلِيُّ اللّٰهِ الْبَهْمَنِيُّ قَدَّسَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُ وَضَرِيْحَهُ وَنَوَّرَ مَكَانَهُ اُفَوِّضَ اِلَيْهِ اَمْرُ الْاِمَارَةِ فِيْ سَنَةِ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ وَثَمَانِمِائَةٍ

سنہ خمس و عشرین و ثمانمائۃ

اندرون دروازہ شمالی

سُبْحَانَ مَنْ اَعْلٰى مَنْزِلَةَ اَوْلِيَائِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَرَفَعَ مَكَانَهُمْ فِيْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ وَجَعَلَهُمْ فِيْ غُرُفَاتٍ اٰمِنِيْنَ وَفِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ فَائِزِيْنَ فَاِنَّهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ بِمَا اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَرِحُوْنَ۔

اندرون دروازہ شرقی

فَعَاشَ فِيْ دُنْيَاهُ حَمِيْدًا وَّرَجَعَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ لَيْلَةِ اثْنَيْنِ سَعِيْدًا مُّبَارَكًا التَّاسِعِ وَالْعِشْرِيْنَ فِيْ شَهْرِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ سَنَةَ تِسْعٍ وَّثَلٰثِيْنَ وَثَمَانِمِائَةٍ مِنْ هِجْرَةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ شَفَاعَتَهُ شَامِلَةً مُّتَمِّمَةً عُلُوًّا كَرَامَتِهٖ عَلَى الْخَلْقِ فَابْقِيَةِ دَائِمَةً بِحَقِّ النَّبِيِّ وَعِتْرَتِهِ الْاِحْسَانِ۔

اندرون دروازہ غربی

اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهٖ قُبَّةٌ مُقَدَّسَةٌ وَّبُقْعَةٌ مُّبَارَكَةٌ كَعْبَةُ الْحَاجَاتِ الزَّكِيَّاتِ هِيَ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ طَابَ اَنْعُمُهَا اَمْ رَوْضَةُ الرِّضْوَانِ فَاحَ شَمُّهَا مُرَقَّبَةٌ لِلّٰهِ الْبَرَكَاتِ۔

اس گنبد میں نسب نامہ بھی حسب ذیل درج ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابن ابی طالب۔ خواجہ حسن بصری۔ خواجہ حبیب عجمی۔ داؤد جائی۔ شیخ معروف کرخی سری سقطی۔ خواجہ جنید بغدادی۔ شیخ احمد غزالی۔ شیخ عبداللہ موسیقی۔ نورالدین نعیم اللہ ولی

شاہ خلیل اللہ بت شکن۔ سلطان احمد شاہ ولی البہمنی۔

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کے مزار پر اب بھی خدام مقرر ہیں اور ہر سال بڑی دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے۔ جو کتبے ہم بہ مشکل پڑھ سکے ان کے علاوہ اور بہت سے کتبے گنبد کے چاروں طرف عربی طغرے ہیں ان پر کچھ تو وہ کشش اور لپیٹ کی پیچیدگی اور پھر بلندی اور تاریکی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جابجا سے کھپرے جھڑ جانے کی وجہ سے پڑھے نہیں جاتے نہ عبارت کا تسلسل معلوم ہوتا ہے نہ مطلب سمجھ میں آسکتا ہے بریں ہم جو کچھ ادھورا پڑھا گیا ہے اور جیسا کچھ پڑھا جا سکا ہے۔ اس کی من وعن نقل کر دی جاتی ہے۔

جانب جنوب توان دید ہر چند بنمود سے وبدیدیم ہماں بوجودش آب حیاتیست رواں در نظر ماناہست جستن باشد وتا بود چناں بود ..... سید قدح بادہ بمن داد بجز دم آرے چہ کنم مصلحت بندہ درآں بود ماشاد جہاں نیم گدا سے چہ بود ..... وبخدا ..... صلا ..... خدا سے بود ..... تجلی چہ خدا بود سے ....

طرف دیگر۔ ہر کہ در معرفت سخن راند۔ وصف خود می کند اگر داند۔ تو منی من تو دوئی بگزارد۔

جانب مشرق دروازہ داخلی آب حیواں بجو سے ما جاری۔ نہ حلول است حال حال منست سخنے از رمز وکمال ..... ہنست۔ ہر کہ در معرفت سخن راند۔ وصف خود می کند اگر داند۔ تو منی من تو۔ دم دوئی بگزار .... من ہمانا دمن وتوئی بگزار۔ لا انت۔ انت وانا ما ھو ھو۔

لا الٰہ الا ھو۔ لیس فی الدار غیرہ ..... غیرہ ھا عندنا .....

درکوئے تو غیر او باشد　　　بد غبا شد بگو نکو باشد
تن بود شاید باو جان خود　　　..... ....

سلطان احمد ولی البہمنی سے ملا ہوا سلطان علاء الدین ثانی کا گنبد بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ جس کے ردکار پر نہایت اعلیٰ درجے کا چینی کا کام کیا ہوا ہے اور اس وجہ سے وہ چینی گنبد

کھلاتا ہے - اس پر بھی ایک فارسی اور مرہٹی کا کتبہ ہے جس میں قادر خاں کا نام اور سنہ ۸۴۰ھ ۱۴۳۶ء درج ہے - غالباً یہ قادر خاں کو عطائے زمین انعامی کی سند ہے جو اس خاندان میں اب تک چلی آتی ہے - تیسرا گنبد ہمایوں شاہ ظالم کا ہے - ہمایوں سے بہت پہلے جو بادشاہ ہو گزرے ہیں اُن کے عظیم الشان گنبد اب تک باوجود مرور زمانہ دراز محفوظ و مستحکم موجود ہیں لیکن ہمایوں کا گنبد جو مدتوں بعد کا ہے بالکل کھنڈر ہو گیا ہے - سنہ ۱۳۰۰ھ میں جب کہ میں بیدر میں موجود تھا موسم بارش میں اس گنبد پر بھی رات کے وقت بجلی گری تھی جس کے صدمہ سے نصف قبہ گر گیا باقی نصف ادھر کھڑا ہے اور اب چار دیواری بھی سلامت نہیں رہی - قبر کا بھی نشان نہیں ہے اس میں فی الواقع گدھے لوٹا کرتے ہیں اور لوگ بول و براز کرتے ہیں - کیا یہ کھلا نشان معتوب درگاہ آلہی ہونے کا نہیں ہے - فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَار اس کے علاوہ موضع اشٹور کے حدود میں جابجا چھوٹے چھوٹے گنبد اور قبریں اور مکانات کے کھنڈر موجود ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع پہلے بیدر کا چھوٹا بچہ تھا اور اب تو اجڑا ہوا گاؤں ہے -

چوکھنڈی شاہ خلیل اللہ بت شکن سنہ ۱۰۸۶ھ

پیتال نگری دروازے کے باہر گھاٹ کے نیچے آپ کی چوکھنڈی بنی ہوئی ہے - آپ سلطان احمد شاہ بہمنی کے مرشد تھے - (۸) فیٹ بلند چبوترے پر یہ چوکھنڈی مثمن شکل کی بنی ہوئی ہے جو (۶۶) فیٹ بلند ہے اور اندر کا حصہ (۴۵) فیٹ اونچا ہے - گنبد کے باہر تین طرف برآمدے ہیں جن میں کا ایک ۱۵ فیٹ چوڑا ہے دوسرا بہت تنگ ہے اور تیسرا کھلا ہوا ہے - یہ عمارت بہت خوش نما اور باقاعدہ بنی ہوئی ہے صدر دروازہ جنوبی پر یہ کتبہ ہے -

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ وَاَزْوَاجِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ - اَلْفَقِیْرُ الْمُحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مُغِیْثُ الْقَادِرِیُّ الشِّیْرَازِیُّ -

جانب مغرب بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد کلام مجید کے آیات ہیں جو صاف پڑھے نہیں گئے -

جانب شرق

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ

كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي بِنُبُوَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ وَبِوِلَايَتِكَ

۸۹۰ھ

يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

اس احاطے میں اور دو گنبد ہیں خدا معلوم کس کے ہیں جن میں سے ایک پر بہت عمدہ کام کیا ہوا ہے۔

قلعہ بیدر ۸۳۵ھ شہر کے شمال میں قلعہ واقع ہے۔ ابتدائی تعمیر قلعہ کی راجہ امر سنگھ نے مختلف مقامات کے مشہور اور عمدہ کاریگروں کو بلوا کر کرائی۔ یہ قلعہ ایک زمانہ میں راجہ بدور کی جاگیر تھا جسے پانڈو راجہ دہلی نے دیا تھا۔ شہر اور قلعہ بیدر کی آبادی زمانۂ راجہ بدور کی ہے جسے پانچ ہزار برس گزرے۔ قلعہ کا دور (۴۵۰۰) گز ہے۔ قلعہ کے اطراف بعض جگہ دُہری اور بعض جگہ تہری خندق ہے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی نے قلعے کی مستحکم فصیل ۸۳۵ھ میں بنوائی اور بیدر کا نام احمد آباد رکھا۔ یہ قلعہ سب سے بڑی اور پائدار یادگار سلاطین بہمنیہ کی ہے۔ محمد شاہ لشکری نے جو ۸۶۷ھ میں تخت نشین ہوا قلعہ کے کچھ جدید دروازے اور برج بنوائے مختار خاں قلعہ دار نے تمامی دروازوں پر آہنی پتر چڑھا کر کیلے جڑوائے اور فصیل کی بھی مرمت کی۔ اس قلعہ کی فصیل اور برج غایت درجہ مستحکم ہیں۔ خندق کھود کر اُسی کا لال پتھر فصیلوں میں لگایا گیا ہے۔ اس قسم کا استحکام اور کسی قلعے میں نہیں دیکھا گیا۔ کل (۳۷) برج مختلف فاصلوں سے ہیں بعض بعض برجوں پر گردش کی دیواریں بھی ہیں۔ قلعہ کے اندر کے محلات شاہی بالکل فصیل سے ملے ہوئے ہیں اور اس ویرانی اور بربادی کی حالت میں بھی اُن کی وسعت اور عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مالوہ کے سلطان ہوشنگ نے ملک دکن پر چڑھائی کی تھی اُس سے اور سلطان احمد شاہ سے جنگ ہو رہی تھی اُس جنگ سے واپس آکر احمد شاہ نے شہر بیدر کی بنا ڈالی۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ سلطان احمد کا جب نواح بیدر میں گزر ہوا تو دیکھا کہ تمام بانسوں کا جنگل ہی جنگل تھا۔ اب جو ہوا یہاں کی پہلے ہی سے مشہور تھی اور قلعہ بجائے خود ایک دلکش اور مستحکم اور وسیع عمارت تھی جس میں بہت

کچھ گنجایش توسیع اور ترقی کی تھی - اتفاقاً شکار میں بادشاہ کو ایک لومڑی نظر پڑی لومڑی شکاری کتوں پر پل پڑی جس سے معلوم ہوا کہ اس سرزمین میں غیر معمولی ہمت و جرات ہے - بادشاہ نے لومڑی کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا اور سب کے سب تھک کر چور ہو گئے آخر کار ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام لیا - تشنگی غالب ہوئی پانی کہیں نظر نہ آیا - ایک بڈھا چرواہا وہاں بیٹھا ہوا تھا اُس سے پوچھا اُس نے ایک جھر ابتلا دیا جو پتھر کی سل سے ڈھکا ہوا تھا - سب نے کوشش کی مگر پتھر کو کوئی کھسکا نہ سکا لیکن اُس چرواہے نے اپنی لکڑی کے ذرا سے اشارے سے سل ہٹا دی سب نے خوب سیر ہو کر ٹھنڈا پانی پیا - بادشاہ کو تعجب ہوا - گڈریے سے اس کا نام پوچھا اور کہا کہ یہ کون سی جگہ ہے - اُس نے اپنا نام بم گنڈا بتلایا اور یہ جگہ ایک چھوٹا سا گاؤں بیدر ہے - بادشاہ نے کہا کہ ہم یہاں ایک قلعہ بنانا چاہتے ہیں گڈریے نے نہایت آداب سے کہا حضور کی مرضی اس کے بعد بادشاہ نے ایک مبارک دن دیکھ کر قلعہ کی بنیاد رکھی گڈریے نے بادشاہ سے عرض کی آپ اگر قلعہ بنائیں تو اس میں ایک مندر اور گاؤں میرے نام کا بھی رکھیں بادشاہ نے اس بات کو منظور کیا اور اس چشمہ کا نام بم گنڈا رکھ دیا -

شرزہ دروازہ قلعہ میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ شرزہ دروازہ اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ اُس کی دونوں جانب شرزہ کی تصویر بنی ہوئی ہے اس دروازہ پر بھی دوسرے دروازوں کی طرح کا کتبہ ہے کہ " بروز چہار شنبہ ۷ رجب سنہ ۲۹ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جم جاہ ملایک سپاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق ۱۰۹۷ھ نبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خان الحسینی سبزواری این دروازہ صورت اتمام پذیرفت "

نوبت خانہ اس کے آگے ایک دو منزلہ مکان نوبت خانہ کا ملتا ہے جس کے بیرونی حصے پر لاجوردی میناکاری اور طلائی رنگ آمیزی کا کام ہے -

گنبد دروازہ اور آگے بڑھ کر گنبد دروازہ ملتا ہے جو بیدر کے تمام دروازوں میں بڑا ہے جس کا گنبد بہت عظیم الشان ہے جس کے دونوں جانب بلند چبوترے کے دالان بنے ہوئے ہیں اور نیچے پتھر کا فرش ہے - یہاں اور شاہ گنج دروازے میں ایک ایک پتھر ایسا ہے جس کی ہنوز

پوجا کرتے ہیں جس کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ ایک سادھو داماجی پنت جو پنڈھرپور[۵۱] کے قریب منگل ویڑہ کا نائب تھا جس نے کچھ سرکاری روپیہ جو قحط زدہ لوگوں کی خوراک کا تھا غبن کر لیا تھا وہ اس قلعہ میں قید تھا۔ پنڈھرپور کا دیو (یہ مقام بھی صوبۂ بیدر میں تھا) وٹھیا دھیڑ کے لباس میں آیا اور داماجی کا زر متغلبہ اسے دے کر چھوڑا لیا اُن دونوں پتھروں پر اُسی دیوتا کی کھڑاؤں کے نشانات ہیں اسی سبب سے ہنود اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔

رنگین محل | گنبد دروازے سے ملا ہوا رنگین محل ہے اس کا تہ خانہ تو بند ہے لیکن سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر جا کر ایک وسیع صحن ہے اور ایک دالان اور پیش دالان ہے جو ۲۸ × ۱۴۴ فیٹ ہے اور شہ نشین کے نام سے مشہور ہے اس کے نہایت بلند چوبی کھم ہیں اور چھت میں تمام لکڑی کا کام گل کاری کا ہے اس کی بیچ کی کمان کی پیشانی پر سیپ سے یہ بیت لکھی ہوئی ہے ؎

شاہ نشین چشم من تکیہ گہ خیال ما   جائے دعاست شاہ من بے تو مباد جائے تو

---

[۵۱] شولاپور کے ضلع میں ہے۔ بمبئی سے (۲۶۴) میل براہ کرڈ دواڑی جنکشن۔ یہاں وٹھوبا کا مشہور مندر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نہایت متقی برہمن کا ایک بڑا نافرمان لڑکا پنڈلک نامی تھا جو ہر طرح اپنے والدین کو تکلیف دیا کرتا تھا لیکن خدا کی قدرت کہ وہ سنبھل گیا اور ماں باپ کی ایسی خدمت گزاری کرنے لگا کہ اُس کا نام چوطرف مشہور ہو گیا۔ ایک دن کشن اپنی بیوی رکمنی کو تلاش کرتا ہوا پنڈھرپور آیا جو اپنے شوہر سے لڑ کر یہاں چلی آئی تھی۔ کشن بھی پنڈلک کی سعادت مندی سے خوش ہو کر اس سے ملنے آیا دیکھا تو وہ اپنے باپ کے قدم دھو رہا تھا وہ ایسا منہمک تھا کہ اُسے کشن کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ آخر کار کشن کو دیکھ کر کہا کہ آپ ٹھہریئے اور اُسی مقام پر کشن آج تک اُس اینٹ پر کھڑا ہوا ہے جس کو پنڈلک اپنے باپ کے پاؤں مانجھ رہا تھا جس کو اُس نے کشن کو دیکھ کر بیٹھنے کے لئے اُس کی طرف پھینک دیا تھا۔ کشن اپنے دونوں ہاتھ کمر پر اس طرح دھرے کھڑا ہے گویا کہ رکمنی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ تھک گیا ہے۔ یہ مندر ۳۵۰ × ۱۷۰ فیٹ طول و عرض میں ہے۔ وسط شہر میں واقع ہے اور اہل ہنود کی مقدس عبادت گاہ ہے جسے وہ پانڈورنگ کشیتر یعنی پنڈھری کا مقدس مقام کہتے ہیں۔ یہاں سال میں دو مرتبہ بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے جس میں گھوڑے بھی فروخت ہوتے ہیں۔ ۱۲

اس ہال کے تمام کام کو مرزا قادر بیگ صاحب اول تعلقہ دار نے کپڑے کی چھتیں لگاکر انگریزی طرز کا بنا دیا دونوں طرف دو کمرے بھی نکال دئے اب صرف کھموں کی نقاشی باقی ہے پشہ نشین کی کمان جس پر اوپر کی بیت لکھی ہے سنگ موسیٰ کی ہے اُس کے اندر ایک آٹھ فیٹ کا مربع کمرہ ہے اُس کے پیچھے ایک دوسرا کمرہ ۱۵×۴۴ فیٹ کا ہے۔ یہ مقام دیوی کا استھان تھا۔ چنانچہ اب تک ایک چھوٹا سا حوض کمرے کے بیچوں بیچ موجود ہے جس میں دیوی کو اشنان کراتے تھے۔ اس کمرے کے دونوں جانب دو کھڑکیاں بطور روشن دان کے واسطے موجود ہیں جہاں پر رو کش (طواف) کیا جاتا تھا۔ ایک کھڑکی پیچھے وار کو بعد میں خندق کی طرف بھی چھوڑی گئی ہے یہ سارا کمرہ سنگ موسیٰ کا ہے اور اُس کے چاروں کونوں پر عبارت ذیل کھود کر سیپ کی پچی کاری کی گئی ہے۔

ایک طاق پر یَا کَافِیَ الْمُهِمَّاتِ دوسرے طاق پر یا رَفِیْعَ اللّٰہِ رجات

ای منظر دیدہ از جمالت روشن | وی کردہ چو در دلّہ صدف سینہ وطن
بجزام پشہ نشین خلوت گہ دل | کز بہر تو آراستہ شد این گلشن

بطرف شمال روبروے جنوب

اَعْلَی اللّٰہُ تَعَالٰی شَانُہٗ۔ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ۔
اَلْمُسْتَنْصِرُ بِنَصْرِ اللّٰہِ الْمَلِکُ الْمَالِکُ الْمَجْلِسُ الْاَکْرَمُ وَالْهُمَایُوْنُ لِلْکَرَمِ عَلٰی بَرِیْدِ الْمَمَالِکِ۔

ہر دُر ثمین کہ در صدف دارد عشق | از بہر نثار در گہت دارد عشق
عاشق شود از دیدن رویت زانگہ | گوید بدر و بام تو می بارد عشق

رنگین محل کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جس پر بخط طغرا بہ جانب مغرب یہ لکھا ہوا ہے۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ هٰذَا الْقَصْرَ الرَّفِیْعَ مَنْزِلًا مُّبٰرَکًا وَّمَکَانًا عَالِیًا وَّاتَّخِذْ لِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ نَبِیًّا مَقَامًا مَّحْمُوْدًا مُّخَلَّدًا مَّرْضِیًّا۔ اَلْمُسْتَنْصِرُ بِنَصْرِ اللّٰہِ الْمَلِکُ الْمَمَالِکُ الْمَجْلِسُ الْمُکَرَّمُ وَالْهُمَایُوْنُ الْاَکْرَمُ عَلٰی بَرِیْدِ الْمَمَالِکِ۔

اس بالاخانے میں بھی کئی کمرے ہیں اور یہاں سے سارے شہر کا نظارہ ہوتا ہے خصوصاً

قلعہ کے برج اور خندق تو ہتیلی میں نظر آتے ہیں۔ رنگین محل کی داہنی طرف دو عالی شان گنبد ہیں ان پر بھی چلینی کا کام تھا جو اب جھڑ جھڑا کر برائے نام رہ گیا ہی اور اُن کے اندر بھی حوض تھے جو مٹی سے بھروا دئے گئے۔ رنگین محل پہلے صوبہ داروں کے رہنے کا مکان تھا بعد اول تعلقہ داروں کا لیکن اب چند سال سے تعلقہ دار نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی میں بیرون قلعہ رہتے ہیں اور اس میں ضلع کی کچہری ہوتی ہی۔

توپ ہفت گزی اندرون قلعہ ارک ۹۷۰ھ رنگین محل کے سامنے ایک سڑک سیدھی جانب شہر جاتی ہی۔ رنگین محل سے نکلتے ہی داہنے ہاتھ کو ایک چار دیواری کھڑی ہی اندر کے مکانات منہدم ہیں اسی کے محاذی ایک پرانا کوٹھا ہی اس میں اُسی زمانے کے ہتیار بھرے ہوئے ہیں اس کے آگے چپہ چپہ پر منہدم عمارات ہیں جا بجا تہ خانوں کی علامات ہیں جو بند ہیں اور قریب دو فرلانگ کے بلند برج پر ایک بڑی بھاری توپ رکھی ہوئی ہی اس برج کا نام ست گزا برج ہی یہ توپ (۳۱) فیٹ لمبی اور (۲۳) فٹ مدور ہی جو ٹیڑھی ہو کر ویسی ہی پڑی ہی یہ بھی پیچ رسی نیلگوں رنگ کی ہی اور ایسی جلا کی ہوئی ہی کہ منہ دکھلائی دیتا ہی یہ توپ دولت آباد کی توپ اور بیجاپور کی مشہور توپ ملک میدان کے ہم پلہ ہی اس پر حسب ذیل عبارت طلائی حروف میں کندہ ہی۔

یکے از عجائب علامات کارخانہ آلہی توپ شاہی وضع خاصہ حضرت نواب ہمایون اکرم علی برید شاہی تمت فی التاریخ ۹۷۰ھ ہجرۃ النبویہ۔

غلولہ دہ من نیم دارد و من و نیم اگر خواہد ازیں زیادہ کند صافی کند وہ آثار زیادہ اندازد۔

نقار خانہ رنگین محل کے سامنے ہی دو منزلہ نقار خانہ ہی جس پر اب تک نوبت تین وقت روزانہ بجتی ہی اور اتوار کو پانچ وقت اس کے محاذی ایک لین کی لین کمانوں کی ہی جس میں عرب رہتے ہیں ان کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد اور مکان ہی جس میں خاکسار رہتا تھا۔ شہر بیدر کے دروازے رات کو بند ہو جایا کرتے ہیں۔ ہر دروازے پر جمعیت[۵] احشام کے چند جوان رہتے ہیں۔ صبح سویرے روشن چوکی کے ساتھ کنجیاں جا کر دروازے کھولنے کا دستور اب تک چلا آتا ہی۔

[۵] قلعہ کی حفاظت کے لئے جو فوج رکھی جائے احشام کہلاتی ہی اب بھی بیدر میں جمعیت احشام کا وہی سلسلہ چلا آ

جیل اسی سلسلہ میں ایک وسیع شاہی مکان میں اب جیل ہے جس کی دیوار ملک شاہ امرزان نے دوبارہ ۱۳۰۷ھ میں بنوانا لکھا ہے۔

حمام جیل کے دروازے کے آگے ایک بلند کمان ملتی ہے اور آگے بڑھ کر سیدھے ہاتھ کو ایک وسیع چبوترے پر ایک قدیم عمارت ہے جس میں عدالت ضلع کی کچہری ہے یہ مکان محمد شاہ لشکری کا بنایا ہوا شاہی حمام تھا اس میں متعدد لاؤ کے کمرے ہیں۔

تخت محل قلعہ کے اندر علاوہ دیگر عمارات کے حمام سے آگے بڑھ کے گویا قلعہ کے وسط میں صرف ایک بلند چار دیواری نظر آتی ہے جس کے اندر اب کوئی مکان باقی نہیں رہا۔ یہ سلطان احمد شاہ کا بنایا ہوا تخت محل تھا جو اس نے خاص اپنے رہنے کے لئے بنوایا تھا۔ یہ وہ عالی شان محل تھا جس کی شان میں شیخ آذری نے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کو نذر دی تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲۔ ہزاری بخشی موجود ہیں جوان بھی گھٹتے گھٹاتے اب معدودے چند رہ گئے ہیں ان کی تنخواہیں وہی چلی آتی ہیں جو قدیم زمانے میں تھیں یعنی جوان کو زیادہ سے زیادہ چار روپیے اور کم سے کم آٹھ آنے بھی ہیں۔ یہ لوگ اپنی ان خدمات کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں ان کا سلسلہ جب ہی سے بلا فصل چلا آتا ہے۔ زمانہ بدل گیا مگر تنخواہ کی شرح نہ بدلی فوتی فرار لا وارثی کے سوا تخفیف کی بلانے ان کی تعداد بہت گھٹادی ہے۔ ہزاریوں کی شرح مختلف ہے دس سے لے کر تیس تک ہے یہی لوگ اب تک شہر اور قلعہ کے دروازوں کی نشست پر مقرر ہیں۔ ۱۲

ف۵ - اس رباعی کو ملا شرف الدین مازندرانی نے جو مشہور خوشنویس تھا نہایت جلی قلم سے لکھا اور پتھر پر کھود کر محل کے دروازے پر نصب کیا شیخ آذری اسفراین کا رہنے والا اپنے زمانے کا مشہور شاعر تھا جب سن کہولت کو پہنچا تو سفر حجاز کے بعد ہندوستان میں آیا۔ سلطان احمد اس کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اور بہت کچھ انعام اکرام دیتا رہتا تھا لیکن پھر بھی حب الوطن کی کشش غالب آئی اور وطن جانے کی دھن لگی اور یہ بیت کہی ؎

من ترک ہند و جبیغۂ و جیپال گفتہ ام — یاد و بروت چونہ بیک جو نمی خرم

بادشاہ کے حکم پر اس نے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا اور جب احمد شاہ کے عہد تک پہنچا تو کتاب بادشاہ کے ملاحظہ میں گزرانی اور اپنے وطن جانے کی استدعا کی۔ بادشاہ نے کہا مجھے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی

اور بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے مالامال کر دیا تھا اب اسے کم بخت محل کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔

رباعی

حبذا قصر مشید کہ زفرط عظمت آسمان شدہ از پایۂ ایں درگاہ است
آسمان ہم نتواں گفت کہ ترک ادب است قصر سلطان جہاں احمد بہمن شاہ است

سنگ زین وغیرہ سارا قلعہ اُجڑی ہوئی عمارتوں کا مخزن ہے جس میں ایک سنگ زین بھی ہے جس میں میر مغل علی خاں قلعہ دار کو اُس کے بھائی نظام علی خاں نے قید کر رکھا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳ - وفات کا ہی بڑا دھکا لگ چکا ہے تجھ سے ذرا میرا غم غلط ہوتا ہے تو مجھے چھوڑ کے کیسے جاتا ہے۔ اُس وقت شیخ خاموش ہو گیا چند دن کے بعد شہزادہ علاءالدین سے سفارش کرائی اور عرض کیا کہ اگر مجھے رخصت مل جائے تو حج اکبر جو میں نے کیا ہے اُس کا آدھا ثواب آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں۔ بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ چالیس ہزار تنگہ سفید جو ہر ایک ایک تولہ نقرہ خالص کا ہوتا تھا شیخ کو دو۔ شیخ یہ ڈھیر دیکھتے ہی پکار اُٹھے۔ لا یحمل عطایاکم مطایاکم یعنی آپ کے اس گراں عطیہ کو آپ کے جانور بھی نہیں اُٹھا سکتے۔
بادشاہ ہنسا اور کہا کہ بیس ہزار تنگہ راہ خرچ کو اور دو ادر خلعت خاصہ اور پانچ غلام ہندی دے کر رخصت کیا ؎

صواب کرد کہ پیدا نہ کرد ہر دو جہاں یگانہ داور دارائے بے نظیر و ہمال
وگرنہ ہر دو بہ بخشیدے اول وقت کرم امید بندہ نماندے بہ ایزد متعال

چنانچہ شیخ آذری جب تک ملک خراسان میں زندہ رہا بہمن نامہ لکھتا رہا اور جتنا لکھتا ہر سال بھیج دیتا تھا۔ ہمایوں شاہ کی داستان تک اسی کا لکھا ہوا ہے۔ بعد اس کے ملا نظیری اور ملا سامی نے ختم سلطنت بہمنیہ تک لکھا ہے۔
شیخ آذری درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ (۸۲) سال کی عمر میں ۸۶۶ھ میں اپنے وطن مالوف اسفراین میں وفات پائی۔ لفظ "خسرو" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ۱۲۰

ترکش محل - گنگن محل چینی محل نگینہ محل

ترکش محل میں اب کچھ نہیں رہا یہ چو منزلہ محل تھا جہاں بادشاہ کا دربار ہوتا تھا۔
گنگن محل کا بہت کچھ حصہ لداؤ کے صدر دالان در دالان اوپر کے بالاخانے نیچے کے چھوٹے چھوٹے دالان باقی ہیں۔ ضلع کی کچہری۔ محافظ خانہ سب کچھ اسی کے ایک کونے میں پڑا ہی پھر بھی بہت سا حصہ خالی ہی۔ جس زمانے میں رنگین محل میں صوبہ دار رہتے تھے تعلقہ دار ضلع اسی کے بالائی حصے میں رہتا تھا۔ چینی محل اور نگینہ محل کا صرف نام ہی نام باقی ہی۔

زنانی مسجد اندرون قلعہ

قلعے کے اندر ایک بہت بڑی عالی شان زنانی مسجد موجود ہی جسے سوطاکھم کی مسجد کہتے ہیں جس کا طول شمالاً وجنوباً ننانو گز اور عرض شرقاً غرباً چوبیس ۲۴ گز اور بلندی چودہ گز ہی۔ اس میں سوطاکھم ہیں جن کی کمانیں سترہ گز بلند اور دس گز چوڑی ہیں۔ یہ مسجد سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں بنی ہی جس کی لاگت تخمیناً دو لاکھ سے کم نہ ہوگی۔

اس کے درمیانی بڑے گنبد کی مرمت بعہد مولوی محمد اکرم الدین خاں صاحب کاکوروی تعلقہ دار ضلع نہایت عمدگی سے کرائی گئی بعض بعض چھوٹے چھوٹے قبّے گر پڑے ہیں اب صرف بیچ کے بڑے گنبد میں جو فی نفسہ ایک بہت بڑی مسجد کے برابر ہی نماز ہوتی ہی۔ اس مسجد میں قلندر خاں کے باغ کا کتبہ کسی نے لاکر لگا دیا ہی جو نہایت خوشخط نستعلیق لکھا ہوا ہی ایک ایک مصرعہ جدا جدا پتھر پر کندہ ہی ؎

بدور شاہ عالمگیر غازی	کہ از عدلش شدہ گیتی منور
قلندر خاں بہا کرد باغ دولت	کہ از بویش جہاں گشتہ معطر
بہ پیش آفتاب دست جودش	بود دریا و کان از ذرہ کمتر
رواقے ساخت بہر یادگارے	کہ باشد زیر ایں فیروز منظر
پئی تاریخ او از طارم چرخ	ندا آمد کہ خال روے بیدر

سنہ ۱۰۸۸ھ

بادشاہی عاشور خانہ اور باغ مسجد کے بعد ہی باغ شروع ہوجاتا ہے جس کی ٹوٹی پھوٹی کیاریوں اور روشوں اس کی چمن بندی بتلا رہی ہیں مگر اب نام کو ایک درخت بھی نہیں۔ اسی باغ میں ایک بادشاہی عاشور خانہ ہے جس میں میرے زمانے میں تحصیل کی کچہری تھی اب واللہ اعلم کس مصرف میں ہے۔

سرائے اس سرا کو ۱۲۰۳ھ میں نواب نظام علی خاں نے مرہٹوں کے مقابلے کے وقت بنوائی تھی اور اس کے اطراف دور دور تک جہاں دیکھو ٹوٹے پھوٹے مکانات کھنڈر۔ گری پڑی چار دیواریاں۔ ویران گنبد۔ قبریں۔ زمین میں دبے ہوئے تہ خانے چور راستے موجود ہیں۔ اس اعتبار سے بیدر بالکل دوسرا بیجاپور ہے۔ بیدر کی آبادی ایسے بلند مقام پر واقع ہے کہ دس دس بارہ بارہ کوس سے چاروں طرف سے مدرسہ کا مینار دکھلائی دیتا ہے اور پانچ چھ کوس سے تو قلعہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ قدیم سے بیدر صوبہ داری کا مستقر تھا اب صوبہ داری پٹن چرو چلی گئی اور بیدر نرا مستقر ضلع رہ گیا۔

اتھناسیس نٹی کین ارمنی روسی سیاح کا بیان ۱۴۷۰ء یہ شخص ایک تاجر تھا اس نے اپنی ڈائری میں بیدر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خطہ ایسا آباد تھا کہ ہر کوس پر ایک گاؤں ملتا تھا۔ جدھر دیکھو زراعت ہی زراعت تھی سڑکوں پر جابجا پہرہ چوکی تھا اور مسافروں کو کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ بیدر ایک شاندار اور فرح بخش آب وہوا کا مقام ہے یہاں کے بادشاہ محمد شاہ کی عمر صرف بیس سال کی ہے اور تین لاکھ فوج ہے جو ہر طرح آراستہ ہے توپ خانوں کا ذکر اس نے نہیں کیا لیکن بہت سے ہاتھی تھے جن پر بڑی بڑی درانتیاں اور چمکدار لوہے کی ڈھالیں وغیرہ لگی رہتی تھیں موجود تھے۔ جب اورنگ زیب نے ۱۶۵۶ء میں بیدر پر حملہ کیا تو شہر کا دور (۴۵۰۰) گز تھا اور تین خندقیں پچیس پچیس گز عریض اور پندرہ فیٹ عمیق تھیں جو بیدر کی پتھریلی چٹانوں میں کٹی ہوئی تھیں۔

مانشیر تھیونا ٹ ۱۶۶۷ء اس سیاح نے بیدر کے حالات یوں لکھے ہیں کہ شہر کی

Mansieur Thevenot ۵۲ Athnasius Nitikin

فصیل اینٹوں کی ہی جس میں برج بھی ہیں اور جا بجا بڑے بڑے گنبد نما برج ہیں جن پر توپیں ایسی بڑی بڑی چڑھی ہوئی ہیں کہ جن میں سے بعض کے دہانے تین تین فٹ چوڑے ہیں۔ اس شہر میں عموماً تین ہزار جمعیت متعین رہتی ہی جس میں سے نصف سوار اور نصف پیدل اور سات سو گولنداز ہیں۔ فوج بہت آراستہ ہر طرح سے مسلح اور ہر وقت جنگ کے لئے طیار رہتی ہی کیوں کہ ملک دکن میں یہ ایک بڑا مقام ہی جس پر ہر وقت غنیم کی چڑھائی کا اندیشہ رہتا ہی۔ بیدر کی گورنمنٹ بہت متمول ہی۔ یہاں کا حاکم جو بادشاہ جہانگیر کا برادر نسبتی ہی قلعے کے باہر ایک مکان میں رہتا ہی لیکن چوں کہ اس گورنر نے بادشاہ بیجاپور کی فوج کو عین محاصرۂ بیدر میں شکست دی تھی اُس کے صلے میں گورنری برہم پور پر جو اعلیٰ تر خدمت ہی مقرر کیا گیا ہی اور یہاں ایک نیا ایرانی گورنر آیا ہی جس کی سواری مجھے ایک مرتبہ راستہ میں ملی تھی وہ باوجود پیرانہ سالی کے نہایت وجیہ اور شکیل ہی۔ گورنر پالکی میں سوار تھا اور پالکی کے سامنے بہت سے لوگ تھے ہاتھوں میں مغرق جھنڈیاں لئے ہوئے تھے۔ جن کے آگے سات ہاتھی تھے۔ گورنر کی پالکی کے بعد اور کئی پالکیاں زنانی سواریوں کی تھیں جن پر سرخ مخملی پردے پڑے ہوئے تھے اُن میں سے ایک کھلی پالکی میں دو صغر سن بچے تھے۔ ان ساری پالکیوں کے ڈنڈوں پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا اُن کے بعد بہت سی رتھیں چھ فیٹ اونچی تھیں جو عورتوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں سب سے آخر سامان باربرداری کی گاڑیاں تھیں آخر میں بہت سے شتر سوار تھے"

سر رچرڈ ٹمپل بیدر میں ۱۸۶۱ء

سر رچرڈ ٹمپل گورنر بمبئی ۱۸۶۱ء میں بیدر تشریف لائے تھے اُنھوں نے بیدر کی نسبت حسب ذیل ریمارک کیا ہی:۔

"قلعہ کے برجوں کا بے نظیر رنگ استداد زمانے سے ماند پڑ گیا ہی یہ برج اُس سرخ پتھر کے بنے ہوئے ہیں جس کے کہ سارے پہاڑ اس نواح میں ہیں۔ مسجد کی عمارت بہت عظیم الشان اور مستحکم ہی جو سلاطین مغلیہ کی استرکاری اور چمکیلی عمارات سے بالکل جدا طرز کی ہی۔ اس مقام پر سب سے خوب صورت چیز مدرسہ ہی۔ مدرسے کا تمام بیرونی حصہ کسی زمانے میں میناکاری گل کاری اور نقش و نگار سے آراستہ تھا

جس کا کچھ کچھ حصہ اب بھی باقی ہے جسے سیاح دیکھ کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں - یہ عمارت شاید ہندوستان کی کل اس قسم کی موجودہ عمارتوں میں سب سے بہتر ہے"

جاترا سے مالیگاؤں ضلع بیدر میں یہ سب سے بڑی جاترا ہے جو برابر دو مہینے رہتی ہے زیادہ تر اس میلے میں گھوڑے آتے ہیں اور یوں بھی لاکھوں روپیہ کا بیوپار ہوتا ہے - یہاں کھنڈوبا کا دیول ہے - دیول کچھ ایسا بڑا نہیں ہے مگر اہل ہنود بہت معتقد ہیں - اکثر لوگ زمین پر لیٹ لیٹ کر دور دراز فاصلے سے آتے ہیں اور "ملکوٹ گھے" پکارتے ہیں یعنی ملکوٹ سے جیسے خُذ بیدی کہتے ہیں یعنی میرا ہاتھ پکڑ - ملکوٹ کے معنے یہہ کہے جاتے ہیں کہ جب کھنڈوبا پیدا ہوا تو اُس پر آتش یعنی جنات مستولی تھے اُس کی مدد کو سات کوٹ یعنی کروڑ آدمی آئے اور اُن دیولوں کو مار ڈالا - یہہ جاترا ماہ پوس کی پونم سے شروع ہوتی ہے جو نومبر دسمبر میں پڑتا ہے اور ماہ ماگھ سدھ کی پاڑوا کو بھنڈارہ ہوتا ہے - یعنی اُس کے بعد خرید فروخت گھوڑوں کی موقوف ہوجاتی ہے - اس میلے میں پہلے دس سے پندرہ ہزار تک گھوڑے فروخت ہوتے تھے مگر سختی محصولات سے جاترا ٹوٹ گئی لیکن سرکار نے سب قسم کے ٹیکس معاف کردیئے نتیجہ یہہ ہوا کہ [illegible] میں صرف ایک ہزار گھوڑے آئے تھے لیکن پانچ ہی برس میں چار ہزار پر نوبت پہنچی اور ہر سال ترقی ہوتی گئی - علی بن عبداللہ صاحب مہتمم افزائش نسل چوپایہ نے بڑی ترقی دی اور جابجا تخمی گھوڑے پھیلا دیئے اور ہزارہا روپیہ جاترا میں انعامات تقسیم کئے جانے لگے اب چاروں طرف کے گھوڑے کھنچ آتے ہیں - برٹش گورنمنٹ کے آرمی رمونٹ ڈپارٹمنٹ میں یہیں سے گھوڑے سپلائی کئے جاتے ہیں -

خانہ پور کا ایک دیول بیدر سے چار کوس خانہ پور ہے جسے ہندو میلار کہتے ہیں یہاں بھی بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے جو بیس دن رہتی ہے اور ہزارہا آدمی جمع رہتے ہیں یہاں اشنان کے لئے بڑے کنڈ اور حوض لگے ہوئے ہیں جن میں بارہ مہینے پانی رہتا ہے - سدابرت اور گھڑیال چیون نقارچی وغیرہ کے لئے سالانہ [illegible] سالانہ مقرر ہیں - دیول کے پاس اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے مگر اُس پر کوئی تاریخ نہیں پہلے یہہ مقام بہت آباد تھا اب بسبب روئت آب و ہوا ویران ہورہا ہے -

بادشاہان خاندان بریدیہ

سلاطین خاندان بہمنیہ کا حال ہم ضمیمۂ گلبرگہ شریف میں لکھ آئے ہیں۔ اب خاندان بریدیہ کا حال لکھتے ہیں۔

قاسم برید ۸۸۹ھ تا ۹۱۰ھ ۸۹۸ھ میں خاندان بہمنیہ کا زوال ہوا اور سلطنت کے پانچ حصے ہو گئے جن میں ایک خاندان بریدیہ بھی تھا۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ قاسم برید تھا یہ ایک گرجی غلام تھا جس کو محمد شاہ لشکری بہمنی نے شہاب الدین یزدی سے خریدا تھا ۸۸۹ھ میں سلطان محمد کی تخت نشینی کے بعد ملک حسن نظام الملک بیدری اور عادل خاں سوائی بیجاپور میں ایک بڑی جنگ ہوئی اس معرکہ میں قاسم برید نے بہادری کے بڑے جوہر دکھلائے۔ نظام الملک نے خوش ہو کر اسے شہر کا کوتوال مقرر کر دیا سنہ ۹۰ھ میں جب نظام الملک کو پسند خاں دکھنی نے مار ڈالا تو سلطان محمد نے اسے وکیل السلطنت مقرر کیا ۸۹۲ھ میں قاسم برید کا طوطی بول رہا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد ۸۹۵ھ میں وزیر اعظم ہو گیا۔ قندہار۔ اودسہ۔ اودگیر اور کلیانی کے قلعہ جات پر پوری طرح اس کا تسلط نہیں ہوا تھا پچھلے قابضین مانع و مزاحم تھے اُن کی سرکوبی کے ارادے سے یہ نکلا مگر پھر کچھ نیت بدلی اور بغاوت پر تُل گیا اور پیاپی تین مرتبہ بادشاہ کو شکست دی اور قریب تھا کہ شہر بیدر کو لے بیٹھے کہ دلاور خاں حبشی نے مقابلہ کر کے قاسم برید کو ایسا نیچا دکھایا کہ اُس نے کولاس میں جا کر سر چھپایا۔ وہاں پھر ایک جنگ عظیم ہوئی جس میں دلاور خاں ایک مست ہاتھی کے ہاتھ سے مارا گیا اب کیا تھا بادشاہ بالکل مغلوب ہو گیا اور اس وقت کچھ ایسی بُری آن بنی کہ بادشاہ کو دب کر قاسم برید سے صلح کرنی پڑی اور پھر اُسی کو وزیر مقرر کیا۔ اس اثناء میں بہادر گیلانی اور احمد خاں بحری دونوں کی قاسم برید سے ایک لڑائی چھڑ گئی لیکن آگے چل کر صلح ہو گئی ۹۰۰ھ میں بادشاہ گلبرگہ سے اپنے بیٹے احمد شاہ کی شادی کر کے بیدر واپس آیا۔ قاسم برید عادل شاہ سے شکست پا کر گلبرگہ ہی سے اودسہ چل دیا تھا

تھا اب بادشاہ کے آنے کی سن کر وہ بھی واپس آیا اور بڑے زور شور سے کاروبار سلطنت کا خود چلانے لگا اور یہاں تک دخیل ہوا کہ بادشاہ کو بےکار محض کر دیا اس طرح پندرہ سال تک برسرعروج رہ کر سنہ ۹۱۰ھ میں دنیا سے رخصت ہوا۔

امیر برید سنہ ۹۱۰ھ تا سنہ ۹۴۸ھ قاسم برید نے تین بیٹے چھوڑے جہانگیر خاں۔ امیر برید اور خواجہ برید۔ امیر برید باپ کی جگہ وزیر ہوا جس نے تھوڑے ہی دنوں بعد بادشاہ کو معزول کر دیا اور خود سلطنت کرنے لگا۔ سنہ ۹۲۰ھ میں امیر برید نے عماد الملک اور قطب الملک کو گانٹھ کر بیجاپور پر چڑھائی کر دی۔ سلطان محمد تو وزیر کی مٹھی میں تھا۔ امیر برید بادشاہ اور شاہزادہ احمد دونوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ لڑائی میں امیر برید نے شکست پائی اور بادشاہ بیجاپور نے سلطان محمد اور شاہزادے دونوں کو قید کر لیا لیکن چند روز بعد ان کو اعزاز واکرام شاہانہ کے ساتھ گلبرگہ بھیج دیا۔ امیر برید تو شکست ہوتے ہی بھاگ کر بیدر پہلے سے آن پونہچا تھا جب بادشاہ اور شاہزادہ گلبرگہ سے بیدر واپس آئے تو آتے ہی دونوں کو قید کر لیا۔ چند دنوں بعد سلطان محمد براڑ بھاگ گیا وہاں جا کر عماد الملک گورنر کی مدد سے ایک بڑی فوج لے کر پھر بیدر پر چڑھائی کی لیکن اسی اثناء میں سلطان محمد اور عماد الملک سے ٹھن گئی اور سلطان محمد افتاں وخیزاں پھر امیر برید کے پنجے میں آن پھنسا اور پہلی طرح برائے نام بادشاہ رہا در اصل حکومت امیر برید ہی کی تھی۔ اس زمانے میں امیر برید اپنے قلعہ جات اودگیر۔ قندہار اور اوسہ میں رہا کرتا تھا کبھی کبھار بیدر آ کر بادشاہ کو بھی دیکھ جاتا تھا۔ سنہ ۹۲۳ھ میں خداوند خاں حبشی جاگیردار قندہار کو امیر برید نے شکست دی۔ سنہ ۹۲۴ھ میں سلطان محمد نے انتقال کیا۔ امیر برید بڑا ہوشیار تھا کھلے خزانے بادشاہ ہونا پسند نہ کرتا تھا برائے نام سلطان احمد شاہ کو تخت پر بٹھلا دیا۔ سلطان احمد عیاش مزاج تھا وہ خود امور سلطنت سے کنارہ و متنفر تھا جو کچھ تھا امیر برید ہی تھا۔ چند دنوں کے بعد سلطان احمد بھی مر گیا۔ سنہ ۹۲۷ھ میں علاء الدین پسر احمد شاہ ثانی جو محمد شاہ بہمنی کا پوتا تھا بادشاہ ہوا اور اپنے باپ دادا کی طرح امیر برید کا دست نگر رہا۔ جب علاء الدین امیر برید کی اس بیباکی اور سفاکی سے ناچار ہو گیا تو مرتا کیا نہ کرتا اس نے سنہ ۹۳۰ھ میں امیر برید کے قتل اور اپنے بھاگ جانے کی تدبیر کی جس کی خبر امیر برید کو پونہچ گئی

اُس نے علاء الدین پر ڈبل پہرا لگا کر قید میں اور سختی کر دی۔ یہ بے چارہ قید کی حالت ہی میں گھٹ گھٹ کر مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد سلطان ولی اللہ بہمنی پسر احمد شاہ بہمنی جو سلطان محمد شاہ کا پوتا تھا بادشاہ ہوا اور اُسی مصیبت میں گرفتار رہا جیسے کہ باپ دادا تھے۔ تین سال تو اس غریب نے مر پٹ کر کاٹے لیکن تا کجے بھاگ جانے کا قصد کیا لیکن اس میں بھی ناکام رہا آخر زہر دے کر ہلاک کیا گیا۔ ولی اللہ بہمنی کی وفات پر امیر برید نے سلطان کلیم اللہ پسر احمد شاہ کو جو محمد شاہ بہمنی کا پوتا تھا ۹۳۲ھ میں تخت پر بٹھلا دیا۔

خاندان بہمنیہ کا آخری بادشاہ کلیم اللہ تھا جو برائے نام تخت پر بیٹھا مگر بالکل مسلوب الاختیار ہونے سے گھر سے باہر بھی نہ نکلتا تھا کہ ۹۳۲ھ کو بابر شاہ کابل سے ہندوستان آیا اور دہلی فتح کر لی اُس کا دبدبہ تمام ملک ہند میں مستولی ہو گیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ۔ برہان نظام شاہ بحری۔ سلطان قلی قطب شاہ سب نے عرائض اخلاص بھیجے۔ شاہ کلیم اللہ نے جب یہ خبر سنی تو اُس نے بھی ایک عریضہ ایک شخص کو تبدیل لباس کر کے اُس کے ہاتھ سے خفیہ بھجوایا جس کا مضمون یہ تھا کہ شومی تقدیر سمجھئے یا سوء تدبیر ملازمین قدیم نے نمک حرامی کر کے میرا ملک دبا لیا اور مجھے محبوس کر رکھا ہے اگر آپ اس طرف کا قصد فرما کر مجھے اس قید سے آزاد کرائیں تو ملکت برار اور دولت آباد آپ کی نذر کروں گا۔ بابر کے پاؤں ہندوستان میں ابھی خود نہ جمے تھے۔ سندھ اور گجرات کا انتظام کرنا تھا اتنی دور دراز پونچنا خالی از دقت نہ تھا ٹال گیا لیکن یہ راز کھل گیا۔ کلیم اللہ گھبرا کر ۹۳۴ھ میں سر چھپانے بیجاپور چلا گیا وہاں بھی اُس غریب کو پناہ نہ ملی مصرع۔ ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است۔

اسمٰعیل عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا وہ بے چارہ بیک بینی دو گوش صرف اٹھارہ سواروں کے ساتھ احمد نگر کی طرف نکل گیا۔ برہان نظام شاہ بحری البتہ بہت کچھ تعظیم و تکریم سے اُسے اپنے شہر میں لایا جس میں یہ غرض مضمر تھی کہ اس کو ملا کر بیدر پر ہاتھ ڈالے۔ جب کبھی شاہ کلیم اللہ مجلس میں آتا تو برہان نظام شاہ پاس ادب ہاتھ باندھ کر اُس کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا۔ چندے یہی حال رہا لیکن شاہ طاہر علیہ الرحمۃ جو ایک ہمدان کے سادات رفیع الدرجات میں سے تھے مانع ہوئے کہ تم بادشاہ ہو کر کلیم اللہ شاہ کے سامنے

مثل نوکروں کے کھڑے ہوتے ہو۔ یہہ امر بالکل شان شاہی کی خلاف ہی کہ تمھارے نام کا تو خطبہ پڑہا جاے اور تم ہی دوسرے کے آگے دست بستہ کھڑے ہو نتیجہ اس کا یہہ ہوگا کہ تمھارے اعیان و انصار شاہ کلیم اللہ سے جا ملیں گے اور پھر ایسا سخت جھگڑا پڑ جائے گا کہ سُلجھاے نہ سلجھے گا۔ برہان نظام شاہ کے کان کھڑے ہوگئے اُس دن سے اُس نے پھر کلیم اللہ کو اپنی مجلس میں نہیں بلایا۔ پھر خدا جانے زہر دے دیا گیا یا یہہ کہ طبعی موت آگئی بہرحال سنہ ۹۳۴ھ ۱۵۲۷ء میں دنیا سے رخصت ہوا اور اپنے ساتھ خاندان بہمنیہ کا خاتمہ بھی کر گیا۔ کلیم اللہ شاہ کا تابوت احمد نگر سے بیدر لایا گیا اور یہیں دفن ہوا۔ اب کیا تھا نظام الملک احمد شاہ بحری نے ولایت جنیر اور دولت آباد پر قبضہ کر کے احمد نگر دارالسلطنت قرار دیا۔ بیجاپور میں اسمعیل عادل شاہ تھا ہی اسی طرح قلی قطب شاہ ہمدانی بلاد تلنگانہ پر قابض تھا اُس نے گولکنڈہ میں اور اعتماد الملک جو براڑ پر متصرف تھا ایلچپور میں اپنی اپنی سلطنت قایم کر لی امیر برید پہلے سے سلطنت بہمنیہ کا زبردست بادشاہ گر وزیر تھا اور اسا ططا ۲ سے شاہ کلیم اللہ کا تھا اب وہ بھی نہ رہا۔ تمام دفائن و خزائن و اسباب جاہ حشمت سلاطین بہمنی پر مع دارالسلطنت بیدر قبضہ کر لیا اور امیر برید شاہ کا لقب لے کے خود بادشاہ بن گیا۔ سنہ ۹۳۴ھ میں عادل شاہ اور برہان نظام شاہ نے بارہ ہزار سوار لے کر بیدر پر چڑہائی کی۔ امیر برید بہت ضعیف ہوگیا تھا بصارت میں بھی نقص آگیا تھا اس لئے اُس نے شیخ علاؤالدین عماد الملک گورنر براڑ سے مدد چاہی۔ عماد الملک آن پہنچا اور اس شورش کے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ امیر برید قلعہ میں اپنے بیٹے علی برید کو چھوڑ کر خود عماد الملک کے پاس گیا اور جہاں تک ممکن تھا مصالحت کی کوشش کی لیکن عماد الملک نے کہا کہ عادل شاہ کے پاس وافر لشکر ہی جس کا اُسے گھمنڈ ہی مجھ سے جہاں تک ممکن تھا میں نے بمصداق الصلح خیر کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور اب سواے اس کے مفر نہیں الا یہ کہ تم قلعہ حوالہ کر دو۔ یہہ سن کر امیر برید واپس آیا اور رنجیدہ ہو کر یہ سن کر ناے پر بیٹھ کر اس قدر شراب نوشی میں مشغول ہوا کہ رات میں اسد خاں آکر اُسے سوتے کو اُٹھا کر اپنے کیمپ میں لے گیا وہاں جا کر اس کو ہوش آیا۔ اپنی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر نہایت نادم و پشیمان ہوا اور قلعہ عادل شاہ کے سپرد کر کے خود مع اپنے اہل و عیال کے اودگیر چلا گیا اور دولت آباد کے متصل بالاگھاٹ

میں سنہ ۹۴۵ھ میں انتقال کیا جہاں اُس کا عظیم الشان مقبرہ اب بھی موجود ہے۔

علی برید شاہ ۹۴۹ھ تا ۹۸۷ھ

اب امیر برید کا بیٹا علی برید تخت نشین ہوا۔ اور علی برید شاہ کا لقب لیا۔ سنہ ۹۵۲ھ میں نظام شاہ بادشاہ احمد نگر ایک بڑا لشکر لے کر قلعۂ اوسہ پر چڑھ آیا۔ علی برید نے کلیان کا قلعہ دے کر عادل شاہ کو اپنی طرف کر لیا اور دونوں مل کر قلعۂ اوسہ پر بڑا بھاری لشکر لے کر جا پہنچے اور ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں علی برید اور عادل شاہ دونوں پسپا ہوئے۔ نظام شاہ کی جرأت اور بڑھ گئی اُس نے بلا غل و غش اودگیر اور قندہار کے دونوں قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ سنہ ۹۵۶ھ میں نظام شاہ نے قلعۂ کلیان پر جو عادل شاہ کے قبضہ میں تھا چڑھائی کی اور علی برید اور عادل شاہ دونوں کو شکست دے کر قابض ہو گیا اگرچہ تھوڑے دنوں بعد پھر یہ قلعہ نظام شاہ سے چھن گیا۔ سنہ ۹۶۲ھ میں علی برید نے شہر بیدر کی حصار اور متعدد برج بنوائے اور برجوں پر بہت سی توپیں چڑھوائیں اور قلعہ کو ہر طرح مستحکم کرنے لگا۔ یہ حصار تین سال میں بنا جس کا طول شمر زہ دروازے سے لے کر فتح دروازے تک چودہ ہزار پانسو درعہ بادشاہی ہے اور جس طرف کہ قدرتی پہاڑ بلند ہیں اُس طرف تو خندق نہیں ہے دوسری طرف بارہ گز گہری خندق ہے۔ سنہ ۹۷۰ھ میں دوبارہ نظام شاہ نے قلعۂ کلیانی پر حملہ کیا جو اس وقت عادل شاہ کے قبضے میں تھا۔ عادل شاہ اور علی برید دونوں نے خوب مقابلہ کیا لیکن مصالحت پر یہ جنگ ختم ہوئی۔ سنہ ۹۸۲ھ میں مرتضیٰ نظام شاہ پسر نظام شاہ بادشاہ احمد نگر نے برار فتح کر کے بیدر پر لشکر کشی کی لیکن اسی اثناء میں خبر ملی کہ محمد شاہ فاروق نے برار پر یورش کر دی ہے تو بیدر کا محاصرہ چھوڑ کر واپس جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر محمد شاہ فاروقی کو شکست دے کر امن قائم کرنے کے بعد پھر بیدر کا رخ کیا اور اس دفعہ قطب شاہی بادشاہ گولکنڈہ کی مدد سے بیدر کا محاصرہ کر لیا لیکن اس نازک وقت میں یہ سانحہ پیش آیا کہ مرتضیٰ نظام شاہ کا بھائی برہان نظام شاہ جسے قید کر رکھا تھا نکل بھاگا اور اُس نے احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ مرتضیٰ نظام شاہ اپنا سارا لشکر قطب شاہ کے سپرد کر کے یلغار احمد نگر پہنچا اور وہاں اپنے بھائی سے میل ملاپ کر لیا۔ قطب شاہ کو یہ مشکل پڑی کہ گولکنڈہ پر عادل شاہ چڑھا آتا تھا لا محالہ قطب شاہ کو جانا پڑا وہ اپنا سارا لشکر لے کر چلا گیا۔ اب صرف نظام شاہ کا لشکر اکیلا رہ گیا مجبور ہو کر بیدر کا

محاصرہ چھوڑ کر اُس کو بھی احمد نگر واپس جانا پڑا - علی برید نے سنہ ۹۸۰ھ میں رنگین محل کی بے نظیر عمارت بنوائی اور اسی سال اڑتیس برس سلطنت کرنے کے بعد حدت اوبہ باہیہ کی وجہ سے انتقال کیا ۔ "آسودہ در بہشت" تاریخ وفات ہے سنہ ۹۸۷ھ ۔ شہر کے بارہ خانہ پور کی سڑک پر اس کا عالی شان گنبد ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں -

ابراہیم برید شاہ سنہ ۹۸۷ھ تا سنہ ۹۹۴ھ

علی برید کے دو بیٹے ابراہیم برید اور قاسم برید ثانی تھے - بڑا بیٹا ابراہیم برید تخت پر بیٹھا - سہیل خاں دکھنی اس کا بڑا مخالف تھا یہہ چاہتا تھا کہ چھوٹا بیٹا تخت نشین ہو اس نے سازشیں شروع کیں - قصبہ کوہیر[۵] میں عادل شاہ مشغول جشن و نشاط تھا - سہیل خاں سیدھا کوہیر پونہچا اور اپنی مقصد برآری کے لئے امداد کا طالب ہوا بادشاہ نے صاف انکار کر دیا تب سہیل خاں اور قاسم دونوں نے بیدر کے اطراف لوٹ مار شروع کر دی - ابراہیم برید کو جب یہہ خبر ملی تو اُس نے ان کا تعاقب کیا اور بیدر کے پاس ہی ان کو ایسی شکست دی کہ یہہ دونوں سیدھے بیجاپور بھاگے وہاں اس زمانے میں بادشاہ کے انتقال کی وجہ سے ایک گڑبڑ مچی ہوئی تھی ان کو کون پوچھتا ناچار پھر بیدر واپس آئے اور بادشاہ سے بہت کچھ عذر و معذرت کر کے اُسے ہموار کر لینا چاہا مگر ابراہیم بڑا سیانا تھا اور ان کی چال بازی سے خوب واقف تھا ان کی ایک نہ سنی اور دونوں کو قید کر دیا۔ سنہ ۹۹۰ھ میں بعض بیگمات کی سفارش اور بے حد کوشش پر ان دونوں کو قید سے نجات ملی - ابراہیم نے سنہ ۹۹۴ھ سات سال کی مختصر سلطنت کے بعد انتقال کیا - اس کا عالی شان مقبرہ شہر کے مغرب میں اب بھی موجود ہے -

قاسم برید شاہ ثانی سنہ ۹۹۴ھ تا سنہ ۹۹۵ھ

ابراہیم لاولد فوت ہوا اس لئے اُس کا بھائی قاسم برید تخت پر بیٹھا - بیجاپور کا وزیر دلاور خاں معتوب ہو کر بیدر آگیا تھا یہاں چند دن رہ کر احمد نگر میں جا کر وہاں کا وزیر اعظم ہو گیا - قاسم برید کی یہ حرکت عادل شاہ کو

---

۵ - بیدر سے بارہ کوس ہے اور دہارور ریلوے اسٹیشن سے بھی بارہ کوس - بڑی اور قدیم بستی ہے - یہاں کے آم بہت مشہور ہیں اور کثرت سے ہوتے ہیں چنانچہ یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے ؎

ہر آں کو صاحب تدبیر باشد — بہ فصل انبہ در کوہیر باشد - ۱۲ -

ناپسند ہوئی اور دوستی میں فرق آگیا جس کا مآل کار ان دونوں کی جنگ ہوئی - عادل شاہ بیدر آن پونہچا تھا کہ خبر ملی کہ دلاور خاں کا بھائی اسمٰعیل خاں جس کو برہان نظام شاہ نے احمد نگر میں قید رکھا تھا اپنے بھائی کی سازش سے قید سے نکل کر سیدھا بیجاپور پونہچا - دربردہ اُسے دلاور خاں اور برہان نظام شاہ کی مدد تھی - عادل شاہ یہ سن کر فوراً بیدر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے بیجاپور جا پونہچا - قاسم برید کی جان بچی اور بقیۃ العمر وہ اطمینان سے حکمران رہا یہ بادشاہ صرف چار سال سلطنت کر کے سنہ ۹۹۹ھ میں مرگیا - اس کا مقبرہ بھی بریدیوں کے گنبدوں کے سلسلے میں ہی -

علی برید شاہ ثانی
سنہ ۹۹۹ھ تا سنہ ۱۰۰۱ھ

قاسم برید ثانی کے بعد اُس کا بیٹا علی برید ثانی تخت نشین ہوا - یہ زمانہ خاندان بریدیہ کے لئے بہت پر آشوب تھا کیوں کہ علی برید کا وہ زور شور نہ رہا تھا جو پہلے بادشاہوں کا تھا اب صرف آٹھ ضلع محمد آباد بیدر - بھالکی چٹگوپہ - حسن آباد - کاریمونگی - نلتّور - اوراد - الھیلی - پر حکومت محدود رہ گئی تھی جن کا مجموعی محاصل نو لاکھ چھیاسی ہزار آٹھ سو اکسٹھ روپیہ ایک آنہ چھ پائی تھا - ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری نے علی برید سے قلعہ بیدر کا اس دھمکی سے مطالبہ کیا کہ ہمارے آباؤ اجداد کا مقبوضہ تھا علی برید نے ونکٹادری حاکم کرناٹک اور برہان نظام شاہ دونوں کو اپنی مدد کو بلا لیا اور صلاح یہ ٹھیری کہ ونکٹادری قلعہ جات مدگل اور رنبکاپور پر اور مرتضیٰ خاں جو برہان نظام شاہ کا جنرل تھا قلعہ جات شولاپور اور نلدرگ پر دونوں جانب سے یورش کردیں - چنانچہ سنہ ۱۰۰۱ھ میں مرتضیٰ خاں دس ہزار کا لشکر لے کر شولاپور پر جا چڑھا - عادل شاہ نے محمد قلی قطب شاہ کو بیدر پر چڑھا دیا اور خود اپنے علاقہ کی محافظت کرنے لگا - علی برید نے جب دیکھا کہ بادشاہ گولکنڈہ بیدر کی طرف ایک بھاری لشکر لے کر آرہا ہی تو ونکٹادری کو مدگل اور رنبکاپور کی مہم سے واپس طلب کر لیا اور اُسے گولگنڈہ کی طرف بھیج دیا - مرتضیٰ خاں نے اپنی طرف سے اورنگ بہادر کو لشکر دے کر بیجاپور پر بھیجا - یہ لڑائی سنہ ۱۰۰۱ھ میں پرینڈہ کے متصل ہوئی جس میں اورنگ بہادر کو شکست ہوئی - اسی اثناء میں برہان نظام شاہ نے احمد نگر میں انتقال کیا اور لشکر شکست یافتہ واپس آیا - اس کے بعد کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور (۱۲) سال سلطنت

کرنے کے بعد اس بادشاہ نے سنہ ۱۰۰۱ھ میں انتقال کیا - اور اس کا بھی گنبد بریدیوں کے گنبد کے سلسلے میں ہے -

امیر برید ثانی سنہ ۱۰۰۱ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ علی برید ثانی کے بعد اُس کا بیٹا امیر برید ثانی تخت پر بیٹھا - یہ ساتواں اور اخیر بادشاہ اس خاندان کا تھا - اس زمانے میں احمد نگر میں انواع و اقسام کے تنازعات پیش تھے تمام راجگان اُٹھ کھڑے ہوئے تھے - یہ شورش امیر برید کی مدد سے فرو ہوئی - امیر برید امور سلطنت کی طرف سے بالکل بے پروائی کرنے لگا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا - سنہ ۱۰۱۸ھ میں مرزا علی نامی ایک امیر تخت پر بیٹھ گیا اور بادشاہ نے بھاگ نگر (حیدر آباد) میں جا کر پناہ لی اور وہیں عالم غربت میں نو سال سلطنت کر کے سنہ ۱۰۲۰ھ میں انتقال کیا - میرزا علی نے بارہ برس بادشاہت کی اور سنہ ۱۰۲۷ھ میں اپنی لڑکی بڑی بی صاحبہ کی ابراہیم عادل شاہ کے فرزند آغوشی علی نامی سے بیدر میں بڑی دھوم دھام سے شادی رچائی اور جہیز میں علاقہ چٹگوپہ دینے کا وعدہ کیا لیکن اپنے وعدے کا ایفا نہ کرنے سے بمقام کمٹھانہ من مضافات بیدر ابراہیم عادل شاہ اور مرزا علی کے ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں میرزا علی اور ولی برید جو اُس کا ہمراز تھا دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر کے بیجاپور بھیج دئے گئے - مرزا علی نے قید میں ہی سنہ ۱۰۳۲ھ میں انتقال کیا ؎

ہر کس بہ بہانہ ازیں دیر فنا	شد عازم آں سرائے جاوید بقا
باقی نہ بود کسے بہ عالم ابداً	غیر از احدے کہ نیست او را ہمتا

کمٹھانے کی لڑائی کے بعد بیجاپور کی طرف سے ملک مرجان سنہ ۱۰۳۶ھ میں بیدر کا گورنر مقرر ہوا - ملک مرجان کو سید شمس الدین صاحب سجادہ نشین خلیل اللہ بت شکن نے پرورش کیا تھا چوں کہ وہ بڑا زیرک تھا بادشاہ کی نذر گزرانا - اس طرح وہ خاندان بریدیہ کا ایک غلام تھا جو بڑی صاحبہ کی شادی کے وقت جہیز میں دیا گیا - چوں کہ وہ بڑا ہوشیار اور قابل شخص تھا خود بڑی بی صاحبہ نے اُسے بیدر پر نامزد کیا - سنہ ۱۰۶۶ھ میں جو آخر سال ملک مرجان کی صوبہ داری کا تھا دو معرکے شاہزادہ اورنگ زیب سے پیش آئے جس میں بہت کچھ روپیہ صرف ہوا باایں ہمہ ملک مرجان ناکام رہا اور بڑا بھاری تاوان دے کر

گلو خلاصی پائی۔ تیسری جنگ میں تو ملک مرجان کی جان ہی گئی کہ وہ مع اپنے دو فرزندوں اور حوالی موالی کے جس برج پر برآمد تھا اسے سرنگ لگاکر اڑادیا اور جب ہی سے اس برج کا نام فتح برج پڑا ہے۔ شہر کے جنوب میں جو دروازہ اب فتح دروازے کے نام سے مشہور ہے اسی میں سے اورنگ زیب شہر میں داخل ہوا۔ اب بیدر شاہان مغلیہ کے قبضے میں آگیا۔
ملک مرجان کی نعش برج پر سے اُتاری گئی اور حضرت مخدوم جی صاحب قدس سرہ کی درگاہ میں دفن کیا گیا۔ ملک مرجان نے تیس برس صوبہ داری کی اور اس افسوس ناک طور پر اُس کی موت ۲۴ ربیع الثانی ۱۰۶۶ھ میں واقع ہوئی کسی نے کیا عمدہ تاریخ لفظ "دو سوخت" ۱۰۶۶ھ سے نکالی ہے۔
۱۰۲۰ھ میں خاندان بریدیہ کا خاتمہ ہوا۔ ان کی حکومت (۲۴) سال رہی اور (۲۴) برس عادل شاہیوں کا تسلط رہا اُس کے بعد سلاطین مغلیہ کا دور دورہ ہوا۔ بعد زوال سلطنت مغلیہ نظام الملک آصف جاہ بہادر کا عمل ہوا جو بافضال الٰہی اب تک جاری ہے اور دعا ہے کہ خدا اسی طرح جاری رکھے۔

فہرست سلاطین بریدشاہیہ

نمبر	نام	سال تخت نشینی	مدت سلطنت	سال انتقال
۱	۲	۳	۴	۵
۱	قاسم برید	۸۹۵ھ میں وزیر اعظم ہوا	۱۵ سال	۹۱۰ھ
۲	امیر برید	۹۱۰ھ	۳۹ سال	۹۴۹ھ بمقام بالاگھاٹ متصل دولت آباد (۹۰) سال کی عمر میں انتقال کیا۔
۳	علی برید	۹۴۹ھ	۳۸ سال	۹۸۷ھ میں بمقام رنگین محل بیدر انتقال کیا۔
۴	ابراہیم برید	۹۸۷ھ	۷ سال	۹۹۴ھ۔

نمبر شمار	نام	سال تخت نشینی	مدت سلطنت	سال انتقال
۵	قاسم برید ثانی	سنہ ۹۹۴ھ	۴ سال	سنہ ۹۹۸ھ
۶	علی برید ثانی	سنہ ۹۹۸ھ	۱۲ سال	سنہ ۱۰۱۰ھ
۷	امیر برید ثانی	سنہ ۱۰۱۰ھ	۹ سال	سنہ ۱۰۲۰ھ
		جملہ	۱۲۴ سال	
		عادل شاہ کی جانب سے نائب السلطنت		
۸	مرزا علی	سنہ ۱۰۲۰ھ	۱۲ سال	سنہ ۱۰۳۲ھ
۹	ملک مرجان	سنہ ۱۰۳۶ھ	۳۰ سال	سنہ ۱۰۶۶ھ

بیدر پر شاہان مغلیہ کا تسلط یہ شہر اب تک احمد آباد بیدر مشہور تھا اورنگ زیب نے اس کا نام محمد آباد بیدر رکھا اور یہی اب تک لکھا جاتا ہے- یہاں سے قلعہ داروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے:-

پہلا قلعہ دار- افتخار خان پہلا قلعہ دار ہوا جو (۳) سال کے بعد مرا-

دوسرا قلعہ دار- خان زماں ولد اعظم خاں جہاں گیری سنہ ۱۰۶۸ھ میں مقرر ہوا جو ساڑھے پانچ برس کے بعد مالوے کا گورنر مقرر ہوا اور وہیں سنہ ۱۰۹۵ھ میں مرا-

تیسرا قلعہ دار- مختار خاں سبزواری سنہ ۱۰۷۴ھ میں قلعہ دار ہوا- اور سترہ برس رہا- اسی کے زمانے میں شہر کے دروازوں پر آہنی تختے اور کیلے جڑے گئے-

چوتھا قلعہ دار- جب سنہ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب نے قلعہ گولکنڈہ تانا شاہ سے لیا تو بیدر پر میر بہادر قلعہ دار تھا پہلے تو اُسے ربیع الثانی سنہ ۱۰۹۹ھ تانا شاہ کے ساتھ ہو دولت آباد بھیجا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد حیدر آباد کا صوبہ دار کیا اور اس کے بیٹے رستم دل خاں کو قلعہ داری ملی - ڈیڑھ سال کے بعد وہ حیدر آباد کا مدار المہام ہو گیا -

پانچواں قلعہ دار - سنہ ۱۱۰۲ھ میں قلندر خاں المخاطب بہ جاں سپار خاں ہوا (اسی کا کتبہ بیدر کے قلعہ کے اندر کی مسجد میں لگا ہوا ہے) جو چند سال بعد گلبرگہ میں جاکر سنہ ۱۱۰۹ھ میں مرگیا۔

چھٹے اور ساتویں قلعہ دار - اورنگ خاں اور اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا قباد خاں قلعہ دار رہے - خانقاہ دستگیر قباد خاں کی بنائی ہوئی ہے جو صوبہ دار اُڑیسہ ہوگیا

آٹھواں قلعہ دار حسام الدین خاں ولد نظام علی ابن غیاث الدین آصف خاں سنہ ۱۱۰۵ھ میں ہوا - قلعہ کے متصل چاندنی چبوترہ اور حویلی مع مسجد اسی کی بنائی ہوئی ہے - یہیں ایک نہایت خوب صورت باغ بھی اسی نے بنوایا تھا - وقائع نگار کی رپورٹ پر کہ اس نے بادشاہی لنگر موقوف کردیا - قریب دس سال کے قلعہ دار رہ کر معزول کیا گیا -

نواں قلعہ دار - خان زماں خاں تھا جو چند سال کے بعد حضوری میں اورنگ آباد بلا لیا گیا

دسواں قلعہ دار - جلال الدین خاں پسر فضل اللہ خاں تھا جو تقرر کے بعد ہی مرگیا -

گیارھواں قلعہ دار - سزاوار خاں بن حسام اللہ خاں سنہ ۱۱۲۶ھ میں مقرر ہوا - اسی کی قلعہ داری کے زمانے میں ۱۱ رمضان سنہ ۱۱۰۷ھ شب پنجشنبہ در زبدۃ الملک خواجہ جہاں گاوان من اعمال گیلان کے مدرسہ پر بجلی گر کے نصف مدرسہ اُڑ گیا جس کی تاریخ "وہ خراب شد" ہے - یہ مدرسہ خواجہ گاوان نے اپنی شہادت سے دو سال بیشتر بنوایا تھا جس کا طول شرقاً وغرباً (۷۵) درعہ اور عرض شمالاً وجنوباً (۵۵) درعہ ہے - جس کی دونوں جانب دو بلند مینار تھے جس پر کاشی کا کام تھا اور انواع واقسام کے رنگین حجرے اور وسط میں مسجد تھی اور چاروں طرف متعدد ایوان علما وفضلاء وطلباء کے رہنے کے تھے - طلباء کو کھانا کپڑا اور فقرا اور وارد وصادر کو لنگر تقسیم ہوتا تھا - یہ عمارت ایسی مستحکم بنی تھی کہ ایک ہزار برس تک اس کو کچھ ضرر نہ تھا - اس کی کسی دیوار پر یہ مصرعہ - ع

این عمارت تا قیامت پائدار

لکھا ہوا تھا لیکن اورنگ زیب کے زمانے میں اس کے حجروں کو باروت کا انبار خانہ بنا دیا تھا ناگاہ تاریخ مذکورۂ بالا پر بجلی گری جس سے آدھی عمارت مع منار جنوبی اور نصف مکان شرقی کے

مع چند مکانات اندرونی کے اڑ گئی۔ اُس وقت مسجد میں پانسو تراویح خواں تھے مع مولوی محمد حسین مدرس کے ستر آدمی جاں بحق ہوئے اور بہت سارے لوگ منہدمہ مکان کے انبار میں دب گئے۔ دوسرے دن جب کھدائی شروع ہوئی تو مدرس اور بعض لوگوں کی تو شناخت ہوئی باقی پہچانے بھی نہیں جا سکے۔

غرض ان سب کو بیرون شہر دفن کیا۔ لیکن اس جم غفیر میں بھی صرف دو شخص زندہ نکلے ایک تو قاضی شہر کے کوئی عزیز تھے اور دوسرا ایک میوہ فروش تھا جو مدتوں بعد تک زندہ رہا۔ تاریخ خافی خانی میں لکھا ہے کہ (۲۲۹) سال یہہ عمارت صحیح و سلامت رہنے کے بعد یہہ حادثہ ہوا۔ خواجہ جہاں کی یادگار علاوہ اس مدرسے کے ایک بڑا تالاب ہے جس پر خواجہ کا مقبرہ واقع ہے اور چار بڑے بڑے بازار باقی ہیں۔ سزاوار خاں دو سال قلعہ دار رہنے کے بعد قلعہ داری قلعہ دہارور پر بھیج دیا گیا۔

بارھواں قلعہ دار - راجہ انوپ سنگھ بندیلہ تھا جو سادات بارہ کا متوسل تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا۔ اس نے لوڈرمل ہزاری کی بیٹی کی خواستگاری کی لیکن بمقابلہ راجپوت نیچ قوم کا ہونے سے اُس نے انکار کیا اس پر چل پڑی۔ انوپ سنگھ قلعہ کا مالک تھا اور ہزاری اُس کا ماتحت تھا۔ بے چارے غریب ہزاری کو جان سے مروا دیا۔ اس واقعہ پر بڑا ہنگامہ ساری قلعہ کی جمعیت نے کیا اور دوسرے ہزاری بدل گئے اور قلعہ کو گھیر لیا۔ راجہ نے ڈر کے مارے قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ اس طرح تین دن قلعہ محصور رہا۔ یہ خبر سن کر راجہ چندر سین بندیلہ نے بیاس ہم قومی بھالکی سے ایک کثیر التعداد جمعیت کی امداد بھیجی وہ لوگ دہلی دروازے کو جو بند رہتا تھا کھول کر قلعہ دار کو نکال لے گئے۔ قلعہ خالی رہ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر چند ہزاری اور بھگونت راؤ دیکھو وغیرہ بہت سے لوگ مل کر محمد شاہ بادشاہ دہلی کے پاس فریاد لے کر گئے انوپ سنگھ نے ساڑھے پانچ برس قلعہ داری کی۔

تیرھواں قلعہ دار - بادشاہ نے فوراً میر کلاں خاں داروغہ گرز برداران کو جو حاضر باش بساط اقدس شاہی تھا بیدر کا قلعہ دار مقرر کیا جو ۳ صفر ۱۱۳۷ھ کو پہنچا۔ حضرت ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ خستہ حالت میں تھی میر کلاں خاں نے دیوار حصار دروازے

اور سیڑھیاں وغیرہ از سر نو بنوائیں - اسی کے زمانے میں موضع کمٹھانے کا (جو بیدر سے چھ میل ہے) بڑا تالاب ایک مہینے کی مسلسل بارش سے ٹوٹ گیا تالاب کا پانی ناریجہ نالے میں پڑا اُس کا پانی مانجرا ندی میں گرا غرض ایسی طغیانی ہوئی کہ بہت سے گاؤں بہ گئے اور خاص بیدر کے کنوئیں جو بے حد عمیق ہیں پانی سے ایسے لبریز ہو گئے کہ صرف تین فیٹ پر پانی آن لگا - نواب آصفجاہ بہادر جب ملک دکن پر مسلط تھے تو میر کلاں خاں نے رشتۂ اتحاد بڑھانے کے لئے اُن کی صاحبزادی کالی بیگم صاحبہ سے اپنے لڑکے قیام الملک کی شادی کر لی میر کلاں خاں نے ننانوے برس کی عمر میں وفات پائی اور حضرت ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ میں آسودہ ہیں -

چودھواں قلعہ دار - واصل خاں کلاں تھا جو چند دن کے بعد ایک نقارچی کے ہاتھ سے مارا گیا -

پندرہواں قلعہ دار - قیام الملک کو بھی موروثی خطاب میر کلاں خاں اپنے باپ کا ملا وہ چونکہ دامادی نواب آصف جاہ بہادر کے حیدرآباد میں رہنے لگا اس لئے محمد واصل خاں جو اپنے باپ میر کلاں خاں مرحوم کا پروردہ تھا قلعہ دار مقرر ہوا - اس کو شکار کا بہت شوق تھا چنانچہ شکار ہی میں گولی لگ کر ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی - اس نے ۱۱۴۱ھ میں واصل گنج بنایا جسے مقتدیٰ خاں نے اپنے عہد میں شاہ گنج سے بدل دیا - واصل گنج کے اطراف ایک بلند فصیل بنوائی اور ایک عمیق خندق کھود کر کے تین بڑی بڑی موریاں پانی کی نکاسی کے لئے بنا کر شٹر (پانی روکنے کے لئے تختہ) لگا دئے تھے جس کی علامات اب تک موجود ہیں - اس کی قلعہ داری کے زمانے میں دو بڑے بازار میر گنج اور بہادر گنج بنے تھے جن کا اب نشان بھی باقی نہیں - واصل خاں بڑا بہادر اور سپاہ پرور تھا - خرچ زیادہ آمدنی کم تھی اکثر اوقات دیہات میں لوٹ مار کرنے لگا - نواب نظام علی خاں نے ۱۱۵۸ھ میں مقتدیٰ خاں کو چار ہزار سواروں کے ساتھ اس کی تنبیہ کو بھیجا لیکن اس نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور ایک نہ سنی آخر خود نواب صاحب اورنگ آباد سے بیدر تشریف لائے تب واصل خاں عجز و انکسار سے پیش آیا اور بیرون قلعہ آکر جان کی امان مانگی اور قلعہ حوالہ کر کے پھر بھی باز نہ آیا چند روز اس کے بعد بھی بیدر میں

رہ کر اپنی کرتوت بیدر والوں کو بتلا گیا۔ اُس نے قلعہ کی خندق کے کنارے کنارے جتنے سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے سب کٹوا ڈالے بشرزہ دروازے کے پاس جو مکانات تھے سب گروا دیئے۔ داؤد شاہ کے تکیے کو برباد کر دیا اور اسی طرح قلعہ کے بہت سے مکانات بھی مسمار کر دئے۔ اپنا بدلہ بیدر والوں سے اچھی طرح لے کر اپنی جاگیر موضع چانگلیر کو چلا گیا وہاں جا کر کچھ لوگوں کو جمع کرکے پھر لوٹ مار کرنے لگا۔ مقتدیٰ خاں نے پانسو سوار دے کر مومن خاں کو اس کی سرکوبی کو بھیجا۔ مومن خاں اپنے سواروں کی ٹکڑی لئے موضع اشٹور میں جو بیدر سے (۲) میل ہی پر ٹھیرا ہوا تھا کہ واصل خاں اپنی ٹکڑی لئے ہوئے وہیں اس غرض سے آیا کہ مومن خاں کی نقل و حرکت کا حال معلوم کرے۔ اِن دنوں سلطان احمد شاہ کا عرس تھا کثرت سے لوگ جمع تھے۔ مومن خاں کے سوار چارے کی تلاش میں پھر رہے تھے کہ واصل خاں صاحب سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ اُنھوں نے اچانک دھر لیا اور لٹھوں سے مار مار کر ختم کر دیا اور اُس کا سر بالنس پر چڑھا کر بڑے خوش خوش مومن خاں کے پاس لائے۔ مومن خاں نے سر کو عرس کے مجمع غفیر میں ایک نمایاں جاے پر لٹکوا دیا۔ بعد خود مومن خان کے سر کو اُتروا کر مع جسد کے سید شیخ کلیم اللہ صاحب کی درگاہ میں وہیں اشٹور میں دفن کروا دیا۔ یہ واقعہ ۱۱۶۷ھ میں ہوا۔

سولھواں قلعہ دار۔ ۱۱۵۸ھ میں مقتدیٰ خاں مقرر ہو چکا تھا۔ اس کی معیت میں پانچ ہزار جمعیت سندھیوں کی جدید بھرتی ہوئی اس نے بھی واصل خان کا سا لوٹ مار کا طریقہ پیدا اختیار کیا۔ نواب میر نظام علی خاں برادر نواب صلابت جنگ بہادر کی گوش مبارک تک یہ خبر پہنچی کہ اُس نے بھی جمعیت بڑھائی اور اطراف بیدر میں لوٹ مار کر رہا ہے تو نواب صاحب معتمد ۱۱۷۴ھ میں بیدر تشریف لائے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مقتدیٰ خاں کو زیر کیا لیکن بڑی ردو قدح کے بعد پھر مقتدیٰ خاں ہی کو خدمت پر قائم رکھ کر خود اورنگ آباد مراجعت فرمائی ۱۱۷۵ھ میں نواب صلابت جنگ دوبارہ بیدر تشریف لائے اور کرنجہ تالاب کے پاس مقیم ہوئے مقتدیٰ خاں کو پھر رگ چڑھی اور بعوض لوازم استقبال ادا کرنے کے قلعہ کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا اور ہمہ تن مقابلہ پر مستعد ہو گیا لیکن کچھ کچھ لوگ جو مقتدیٰ خاں کے خلاف

تھے اُنھوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا نواب صاحب قلعہ میں داخل ہوئے اور مقتدی خاں کو قید کر لیا۔ ادھر تو یہ معرکہ پیش تھا اُدھر قلعہ میں جو پربھیوں کی جمعیت تھی وہ بدل گئی اور اپنے جورو بچوں کو قتل کر کے شہر بیدر کو لوٹنے لگے قلعہ کا انتظام کر کے نواب صاحب اورنگ آباد مرہٹوں کے مقابلے کے لئے واپس ہوئے۔ الغرض مقتدی خاں نے سترہ برس قلعہ داری کی۔

سترھواں قلعہ دار۔ ۱۱۷۵ھ میں نواب مجاہد جنگ سیادت خاں قلعہ دار ہوئے اور قلعہ دار ہوتے ہی جمعیت احشام کے بہت سے لوگوں کو جو ایک لٹیرا گروہ تھا موقوف کر کے سندھیوں کو بھرتی کیا اور شہر کو بہت کچھ آباد کیا۔ محرم ۱۱۷۶ھ کو نواب میر نظام علی خاں بہادر پھر اورنگ آباد تشریف لائے اور اپنے چھوٹے بھائی صلابت جنگ کو قید کر کے خود مسند نشین ہوئے پھر حیدر آباد چلے گئے۔ مجاہد جنگ کے آبا و اجداد سب احمد نگر کے قلعہ دار تھے۔ نواب نظام علی خاں نے بہ مصلحت وقت صلابت جنگ کو قتل کروانا چاہا جس سے قلعہ دار نے انکار کیا اور اسی وجہ سے تین سال کے بعد معزول کیا گیا۔

اٹھارواں قلعہ دار علاؤ الدولہ بدیع الزماں خاں نارنولی ۱۱۷۷ھ میں قلعہ دار مقرر ہوا اُس نے اِسی سال ۸ ربیع الاول پنجشنبہ کے دن صلابت جنگ کو قتل کر دیا جس کے صلے میں دلیر جنگ کا خطاب ملا۔ نواب شہید درگاہ ملتانی بادشاہ میں مدفون ہیں۔ یہ شخص بھی بڑا جابر اور سخت ظالم تھا اس وجہ سے تین سال کے بعد ۱۱۷۹ھ میں معزول کیا گیا۔

اُنیسواں قلعہ دار۔ تھوڑے دن میر کلاں خاں ثانی قلعہ دار رہا۔ جو قلعہ جات کلیانی اور مدگل کا مدتوں قلعہ دار رہ چکا تھا۔

بیسواں قلعہ دار۔ عین الدولہ میر مرتضیٰ خاں فاروقی نیاخانی ۱۱۸۰ھ میں قلعہ دار مقرر ہوا ۱۱۸۷ھ راگھو راؤ پونے کے مرہٹہ سردار سے اور نواب نظام علی خاں سے کنار رود مانجرا پر لڑائی ہوئی جس میں بیدر کی ست گزی توپ چلائی گئی تھی جس کے بعد پھر کبھی نہیں چلی۔ مرتضیٰ خاں سات سال قلعہ داری کر کے ۱۱۸۷ھ میں حیدر آباد چلا گیا۔

اکیسواں قلعہ دار۔ سیف الدولہ محمد غوث نارنولی ۱۱۸۷ھ میں مقرر ہوا۔ ۱۱۹۱ھ میں

موضع اشٹور کے ایک ڈھیڑ (چمار) کو کسی مکان کے کھودنے میں وافر دولت ملی جس میں بارہ ہزار طلائی سلاخیں ملیں جو پانچ پانچ تولہ کی تھیں اور آٹھ سنگوٹیاں اور دو ہل طلائی بھی ملے یہ بھید اس طرح کھلا کہ ڈھیڑ کی لڑکی کا ایک شخص سے تعلق تھا پانچ سلاخیں اُسے بھی ملیں جن کو وہ چٹگوپے کے بازار میں فروخت کرنے گیا۔ لوگوں نے شبہ پر اُسے پکڑ لیا اور وہ سلاخیں کیشوراؤ دیسپانڈیہ نے چھین لیں۔ اس کی خبر اشٹور کے دیسپانڈیہ رستم راؤ کو بھی لگ گئی اُس نے فوراً ڈھیڑ کے گھر کی تلاشی لی اور باقی ساری سلاخیں وغیرہ خود ہضم کر لیں قلعہ دار نے خبر پاکر اپنا حصہ مانگا دیسپانڈیہ مکر گیا جس پر لڑائی ہوئی۔ قلعہ دار نے سارا سونا جو ملا تھا چھین کر رستم راؤ۔ اُس کے ساتھیوں اور ڈھیڑ سب کو قید کر کے نواب نظام علی خاں کے پاس دولت آباد بھیج دیا جہاں سب کے سب سڑ سڑ کر قید میں مر گئے۔ خزانہ جو ملا تھا داخل سرکار کر لیا گیا۔ محمد غوث نے پانچ برس سے کچھ اوپر قلعہ داری کی اور ۱۱۹۲ھ میں خودکنارہ کش ہو کر حیدرآباد میں مر گیا۔

۱۱۹۲ھ سے ۱۲۰۲ھ تک کوئی باقاعدہ کوتوال نہ رہا سیف الدولہ مستقل کوتوال قلعہ بیدر کے معاملات سلجھانے کے لئے حیدرآباد چلے گئے تھے اور بیدر میں اُن ہی کی طرف سے حسب ذیل نگراں کار مقرر رہے۔

حسین خاں۔ رکن الدین برادر شاہ عبدالرزاق نارنولی مشائخ جو نجم الملک کے داماد تھے ۱۱۹۳ھ سے دوسال۔ میر زین العابدین خاں داروغہ دروازہ شاہ گنج۔ دوسال چندماہ۔ شاہ عبدالرزاق دوسال چندماہ۔ رکن الدین خاں (دوبارہ) یہ شخص بڑا منتظم تھا اس کے زمانے میں کوئی جھگڑا برپا نہیں ہوا۔ ۱۲۰۳ھ میں سیف جنگ نجم الملک سے اقطاع دیگلور وکھم منتزع ہو جانے سے رکن الدین خاں نے خود سبکدوشی حاصل کی اور سیف جنگ نجم الملک قلعہ دار مقرر ہوا۔

بائیسواں قلعہ دار۔ سیف جنگ نجم الملک ۱۲۰۳ھ میں مقرر ہوا۔ جو دوسال کے بعد ۱۲۰۵ھ میں حیدرآباد میں زہر سے ہلاک ہوا جس کے بعد عارضی طور پر غلام محمود خاں ایک سال تک کام چلاتا رہا۔

تیئسواں قلعہ دار۔ تارامیاں امین الملک برادر کوچک منیر الملک ابن غیور جنگ

ابن شیر جنگ ۱۲۰۸ھ میں مقرر ہوا۔ اس کے زمانے میں بیدر میں تین سال متواتر بوجہ قلت بارش سخت قحط پڑا کہ جوار فی روپیہ چار سیر بکنے لگی اور آگے چل کر تو بقالوں کے پاس بھی غلہ نہ رہا تب امین الملک نے تمام کھتّے اناج کے کھلوا دئے اور شہرزہ دروازے میں خود بیٹھ کر غلّہ فروخت کرواتا تھا۔ تین سال قلعہ داری کے بعد ماہ لقاعرف چندہ[۱۵] طوائف (جو مشہور مغنیّہ حضوری تھی) کی شکایت پر معزول کیا گیا۔

چوبیسواں قلعہ دار - نور محمد خاں اورنگ آبادی جو کروڑگیری کا میر لشکر تھا مقرر ہوا ابھی کچھ مدت نہ گزری تھی کہ نواب نظام علی خاں بہادر کے ساتھ کھرڑلہ کے سفر پر گیا اور قلعہ داری پر نیابتہً فراکرالدین خاں اورنگ آبادی کو مقرر کیا۔ حیدرآباد واپس آنے کے بعد عالی جاہ مرشدزادہ نے سداسیوا یڈی زمیندار سرکار میدک کی اغوا سے بغاوت کی اور حیدرآباد سے خروج کرکے اندول جوگی پیٹ پہنچا اور وہاں سے بڑھنے کے بعد سدی عبداللہ خاں جو کوہیر سے قلعۂ میدک کی

۱۵ - یہ طوائف بڑی بذلہ سنج اور حاضر جواب تھی ایک دن پالکی میں بیٹھ کر موسیٰ ندی میں سے (جب پل نہ تھا) شہر میں جا رہی تھی پانی میانے کی تہ تک پہنچ گیا ادھر سے کوئی بانکے سپاہی چلے آرہے تھے کہنے لگے بی چندہ دیکھو تمہارا دفتر بھیگ گیا۔ چندہ نے برجستہ جواب دیا کہ سپاہی صاحب آپ کچھ فکر نہ کیجئے آپ کے چہرے کو میں بگڑنے نہ دوں گی۔ (سپاہیوں کا حلیہ جو سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا ہے اُسے اصطلاح فوج میں چہرہ کہتے ہیں)۔

ایک دن ایک امیر کسی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اُن کے دونوں جانب اُن کے دونوں صاحبزادے نہایت وجیہ و شکیل بھی بیٹھے تھے اُنہوں نے بی چندہ سے جو ناچ رہی تھی کہا کہ دیکھو کیسے شیر بچے ہیں چندہ نے کہا کہ نواب صاحب ماشاءاللہ چشم بد دور یہ تعریف تو اُس گوی کی ہے جس میں سے نکلے ہیں - ایک دن چندہ ناچ رہی تھی ناچتے ناچتے اتفاقاً اس کی پشواز میں اُسکی جوتی اُلجھ گئی ایک امیر نے کہا کہ بی چندہ تمہارا جوڑا تمہارے ساتھ ہے - اُس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ باندی کا جوڑا ہمیشہ باندی کے ساتھ رہتا ہے مگر امیروں کا جوڑا (جوتا) خدمت گاروں کی بغل میں رہتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی نقلیں اس کسبی کی لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں ۱۲۔

محافظت کو جا رہا تھا اُسے قتل کر دیا جس سے سارے ملک تلنگانہ میں بدامنی پھیل گئی یہ سب باغی پارٹی نہایت جسارت سے قلعۂ بیدر پر جا چڑھی۔ قلعہ کے ہزاری ندھی رام بہرہ بھیہ (جو نجم الملک کا مقرب تھا) اور جے سنگھ دونوں نے ذاکر الدین خاں نائب قلعہ دار کو بھی ملا لیا اور سب سدا سیو ابڈی کے ہم خیال ہوگئے اور عالی جاہ کا استقبال کر کے قلعہ حوالہ کر دیا۔ یہ خبر نواب نظام علی خاں بہادر کو پہنچتے ہی میر عالم[۵] بہادر۔ موسی رحمو اور محمد عظیم خاں اور گھانسی میاں بہادران و مشاہیر مملکت کو چند توپ قلعہ کشا اور ایک ہزار فوج زیر کمان مانشر ریمنڈ دے کے روانہ کیا۔

---

[۵] اصل نام میر ابو القاسم تھا آپ کے پدر بزرگوار میر سید رضی شوستری ایک بڑے عالم متبحر تھے۔ بیٹے نے بھی باپ سے ہی جملہ علوم فنون میں دستگاہ کامل حاصل کی اور حیدر آباد چلے آئے۔ حیدر آباد میں جب مسٹر جان لین انگریزوں کا وکیل مقرر ہو کر آیا تو غلام سعید خاں ارسطو جاہ نے سرکار عالی کی طرف سے میر صاحب کو سفیر مقرر کر کے بڑی حشمت اور شوکت سے کلکتہ روانہ کیا آپ بعد انصرام کار حیدر آباد واپس آئے ۱۲۰۱ھ میں آپ کھڑپے کی مہم کوطے کرنے گئے اور اسی زمانہ میں آپ بہ اتفاق ایسٹ انڈیا کمپنی فوج کے سرکردہ بھی مقرر ہو کر سرنگاپٹن کو ٹیپو سلطان شہید کے مقابلے پر گئے وہاں سے چیناپٹن گئے اور حیدر آباد واپس آنے کے بعد چند مفتریوں نے رخنہ اندازی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارسطو جاہ آپ سے کشیدہ ہو گیا آپ بھی خانہ نشین ہو گئے۔ حضرت غفران مآب کا پہلے انتقال ہوا اور نو مہینے کے بعد ارسطو جاہ رخصت ہوئے۔ سکندر جاہ بہادر نے گو مہاراجہ اندر کو مدار المہام مقرر کیا لیکن اُن سے برابر کام نہ چلا کمپنی بہادر کی تحریک پر میر صاحب خدمت جلیلہ مدار المہامی پر ۱۲۱۹ھ میں سرفراز ہوئے میر صاحب کا ڈنکا بج گیا۔ ملک میں امن و امان اور ہر طرح کی ترقی ہوئی سیکڑوں مدرسے مسجدیں اور رباطیں بن گئیں چنانچہ حیدر آباد سے دریائے کشنا اور ہمنا باد مضافات بیدر تک منزل بہ منزل سرائیں بن گئیں اور رود موسی کا پل بنا۔ میر عالم کا مشہور بڑا بھاری تالاب جس کا بند ایک فرسخ طول اور پچاس گز بلند ہے بنوایا جو اب تک موجود ہے اور موسی ندی کے کنارے بارہ دری نامی ایک بے نظیر باغ بنوایا جس میں انواع اقسام کے درختوں کے سوا عمارات رفیعہ اور متعدد شہ نشینیں بنوائیں جن میں بے نظیر گلکاری

طرفین سے مقابلۂ عظیم ہوا جس میں بہت سے لوگ مارے گئے شاہزادہ دہلی دروازہ کھلوا کر اورنگ آباد کی طرف نکل بھاگا لیکن وہاں بھی ٹک نہ سکا اور آخر کار گرفتار ہو کر حیدرآباد کے راستے میں تپ محرقہ سے انتقال کیا اور مقبرۂ حسن برہنہ صاحب میں مدفون ہوا- ذاکر الدین خاں بھی چند سال سرگردان و پریشان بھٹکا پھرا آخر کار وادی عدم کا رستہ لیا- دونوں ہزاری ہندوستان بھاگ گئے اور وہیں مر گئے پھر دکن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی- سدا سیو راؤ پہلے تو قلعۂ گولکنڈہ میں قید رہا اور پھر بہ عقوبت تمام مارا گیا-

پچیسواں قلعہ دار- منعم خاں منعم الدولہ ۱۲۱۰ھ میں مقرر ہوا جو بڑا رحم دل اور رعایا پرور تھا اس نے پچاس ہزار روپیہ اُن لوگوں کو دیا جن کے مکانات اس معرکہ میں تباہ ہوئے تھے اور از سر نو اُن کی تعمیر کرادی- اس کی قلعہ داری صرف پانچ ہی مہینے رہی کہ فالج سے بیدر میں انتقال کیا اور حضرت ملتانی بادشاہ کی درگاہ میں دفن ہوا-

چھبیسواں قلعہ دار- خاں جہاں خاں داروغۂ فراش خانہ تھا جو ۱۲۱۰ھ میں مامور ہوا- لیکن اُسے خاص حیدرآباد میں اس قدر کام تھا کہ وہ ہل نہ سکتا تھا لہٰذا اُس نے اپنی طرف سے مرزا حسینی بیگ کو جو نہایت ہوشیار اور فربیں تھا مامور کیا- ہزار جوان جمعیت احشام کے بے کار پڑے تھے اُن کو پہرے چوکی پر لگا دیا اور ان کو کئی کئی مہینے چڑھا کر تنخواہیں ملتی تھیں وہ ماہ بماہ ملنے لگیں- بیٹ پٹرول پر بھی چند لوگوں کو مقرر کر دیا اور جتنی بے کار زمین قلعہ میں پڑی تھی سب میں زراعت کرادی- لال باغ میں جہاں اب پولیس سوپرنٹنڈنٹ کی کچہری ہے بہت سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶- کرائی اور لکھو کھا روپیہ صرف کیا- کربلائے معلی کے حصار شریف کی تعمیر اور نہر حسینیہ کی اجرا کے لیے مجتہد الزمان آقا طباطبائی کے استصواب سے زر کثیر بھجوایا- اواخر عمر میں صلاح و تقویٰ کو بدرجۂ اتم اپنا شعار کر لیا تھا- طاعت آلہی اور داد دہی خلائق کے سوا دوسرا کام نہ تھا- حضرات چہاردہ امام معصوم علیہم السلام کے مولود کے لئے سادات عظام کو بہت کچھ داد و دہش کرتے تھے- اس طرح چار سال چند مہینے اس عمدگی سے خدمت کو انجام دیا کہ آج تک نام چلا آتا ہے اگرچہ عوارض بدنی میں مبتلا تھے حتیٰ کہ طاقت نشست و برخاست کی نہ تھی مگر سر انجام مہام سلطنت سے کبھی تغافل نہ کیا- آخر کار ۱۲۲۳ھ میں دنیا سے رخصت ہو کر دائرۂ میر مومن استرآبادی میں مدفون ہوئے ۱۲

۱۲ و داخل فردوس گردید- تاریخ وفات ہے- حشرھم اللہ تعالیٰ مع الائمۃ الاطہار ۱۲

سے درخت لگوائے اور گرے پڑے مکانات کو درست کرا دیا۔ اس کا ارادہ چار بڑے بڑے حوض بنانے کا تھا مگر خاطر خواہ رقم نہ ملنے کی وجہ سے صرف ایک بڑا حوض ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ کے سامنے بنوایا جو ہمیشہ متصلہ باؤلی کے پانی سے جونل سے لایا جاتا تھا بھرا رہتا تھا۔ ملتانی بادشاہ کی درگاہ کے سامنے کی کمان بھی اسی قلعہ دار کی بنوائی ہوئی ہے۔ تین سال کے بعد نواب مشیر الملک نے اسے خدمت سے علیحدہ کر دیا۔

ستائیسواں قلعہ دار۔ میر آہی المخاطب بہ احسن الدولہ یکتاز جنگ ۱۲۱۴ھ میں قلعہ دار مقرر ہوا۔ لیکن خود نہ آ کر اپنی طرف سے میر اسد علی خاں کو بھیج دیا۔ حسینی بیگ نے نئے قلعہ دار کے آنے کی خبر سن کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور دس دن تک حساب کتاب بالکل درست کر کے دروازہ کھول دیا اور اسد خان کو جائزہ دے کر حیدرآباد چلا گیا۔

اٹھائیسواں قلعہ دار۔ نواب میر اسد علی خاں نے سب سے پہلے جمعیت احشام میں تخفیف کی اور پانچ ہزار مصارف ماہانہ سے پندرہ سو قایم رکھے۔ ۱۲۱۷ھ میں حیدرآباد میں خبر ملی کہ راجہ ہولکر ملک دکن پر یورش کرنے والا ہے۔ نواب مشیر الملک بہادر وزیر اعظم نے قلعہ دار کو جمعیت بڑھانے اور قلعہ کے استحکام کا حکم دیا جس پر جمعیت احشام میں ایک ہزار نفری بڑھائی گئی جن کی ماہانہ تنخواہ سات ہزار ہوئی اور بارہ ہزار روپیہ کا غلہ بھی قلعہ کے کھتوں میں بھر لیا جب احشام کے جوانوں نے اپنی چڑھی ہوئی تنخواہ کے لئے شورش شروع کی تو یہی غلہ اُن میں تقسیم کر دیا گیا ۱۲۲۳ھ میں شام راج رای رایاں نے حصار قلعہ کے نیچے تلگھاٹ دروازے کے باہر شام راج پورہ آکر بار آباد کیا چنانچہ اب بھی وہاں سالانہ بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے۔ ۱۲۱۸ھ میں نواب میر اسد علی خاں اپنے چھوٹے بھائی میر تراب علی خاں کو اپنا نائب مقرر کر کے حیدرآباد چلے گئے۔ تراب علی خاں نے تین سال تک قلعہ داری کا کام کیا ۱۲۲۱ھ میں خدمت سے موقوف ہو کر حیدرآباد چلے گئے اُن کی جگہ حامد علی خاں ۱۲۲۳ھ تک قلعہ دار رہا جو پھر جنگوبہ میں جا کر رہ گیا۔ حامد علی خاں کی جگہ بلدیو راؤ نائب ہوا اور ۱۲۳۵ھ تک قلعہ داری کا سرانجام دے کر حیدرآباد چلا گیا۔

انتیسواں قلعہ دار۔ خلیل اللہ خاں ۱۲۳۵ھ میں قلعہ دار ہوا۔ اگرچہ وہ خود صاحب فہم و

فراست تھا لیکن چوں کہ تاج الدین خاں اُس کا مختار کل تھا اور سارا کاروبار اُسی کے ہاتھ میں ہونے سے لوگ ناراض ہو گئے تھے عام شکایت ہونے سے ۱۲۴۴ھ میں معزول ہو گیا۔

تیسواں قلعہ دار - نظر بہادر ۱۲۴۴ھ میں قلعہ دار ہوا۔ وہ خود کچھ بُرا آدمی نہ تھا لیکن رام چندراؤ متصدی پر سارا دارومدار تھا جس کی وجہ سے تمام زمیندار وغیرہ بدل گئے اور دوسری آفت یہ آئی کہ جس سال مامور ہوا اُسی برس بہت سے قیدی جو برٹش گورنمنٹ کے قلعہ میں مقید تھے بھاگ گئے قلعہ دار صاحب خانہ پور کی جاترا میں مزے اُڑا رہے تھے۔ دو ہزار روپیہ جرمانہ پر بیہ بلا ٹلی۔ دوبارہ ۱۲۵۳ھ میں پھر قیدی بھاگے۔ اس طرح دس سال قلعہ دار رہ کر ۱۲۵۴ھ میں موقوف ہوا۔

اکتیسواں قلعہ دار - ۱۲۵۴ھ میں راجہ چندولال نے عبداللہ[۱] بن علی کو قلعہ دار مقرر کیا

---

[۱] یہ خاندان حیدرآباد میں نہایت مشہور ہے۔ یہ لوگ ملک عرب کے قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کے تین فرزند تھے علی حسین۔ احمد۔ تینوں اپنے باپ کی طرح ریاست حیدرآباد میں نامور اور عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور تھے۔ علی وہ مشہور شخص تھا جو گھوڑوں کا بہترین مبصر تھا اور اس گورنمنٹ میں سٹڈ ڈپارٹمنٹ کا قایم کرنے والا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں سارے ہندوستان میں اس کا جیسا جاکے (سوار) نہ تھا۔ جب بیٹھا بلیٹا۔ چنانچہ ایک نقل مشہور ہے کہ علی صاحب کے پاس ایک شخص اپنا گھوڑا بتلانے لایا آپ اُس وقت باہر تھے وہ گھوڑا واپس لے گیا۔ جب آپ بنگلہ پر واپس آئے تو ٹہلتا باہر بنگلہ کے کمپونڈ میں جا کر گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھ کر اُن صاحب سے کہلا بھیجا کہ اس کا ایک پچھلا پاؤں ضائع ہے اور درحقیقت تھی بھی یہی بات۔ اگرچہ آپ نے ایک یورپین لیڈی سے شادی کر لی تھی اور بالکل انگریزی طرز کی زندگی بسر کرتے تھے مگر بڑے کٹڑ اور پرجوش مسلمان تھے۔ آزاد خیال اور غیر متعصب ایسے تھے کہ کبھی بیوی پر دباؤ نہ ڈالا کہ مسلمان ہو جائے۔ عیسیٰ بدین خود و موسیٰ بدین خود۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ آپ کی کئی لڑکیاں تھیں مگر ماں کے مذہب پر ایک بھی نہ گئی سب مسلمان ہیں۔ ایک صاحب زادی آپ کی مرزا محمد عباس بیگ صاحب ممبر آف دی انڈیا کونسل کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ ایک لڑکا آپ کا چھ مہینے کا بمبئی میں مر گیا آپ کی میم صاحب نے یورپین قبرستان میں اُسے دفن کر دیا آپ کو جب معلوم ہوا تو فوراً بمبئی پہنچ کر نعش کو نکلوا کر اپنے قبرستان میں دفن کرایا۔ باایں توغل انگریزیت

لیکن وہ خود نہ آسکے اپنی طرف سے قایم خاں کو بھیجا ۱۲۶۲ھ میں اُس نے خودکشی کرلی۔ اس کے بعد داور علی نائب رہا جس کو راجہ رام بخش پسر چندولال نے ۱۲۶۲ھ میں موقوف کردیا۔ راجہ چندولال وزیر اعظم نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال کیا اور اُن کے فرزند راجہ رام بخش مدارالمہام ہوئے اُنہوں نے علی بن عبداللہ کو علیحدہ کرکے اس خدمت ہی کی تخفیف کردی ۱۲۸۲ھ میں نواب سرسالارجنگ بہادر مختارالملک مدارالمہام نے انتظام ضلع بندی کرکے حافظ غلام مصطفی خاں کو اول تعلقہ دار (کلکٹر) مقرر کیا اُن کے بعد نواب وحید منورخاں۔ اشندراؤ اور نواب منصور یار جنگ باری باری سے تعلقہ دار ہوئے اور یہی تعلقہ داری کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹- وفات سے ایک دن پہلے میم صاحب کو بلا کر کہا کہ ہمارا تمھارا تعلق صرف دنیا ہی کا تھا تو جو اب ختم ہوا میری تجہیز و تکفین سب عربوں کے ہاتھ سے ہو تم ہاتھ نہ لگانا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علی صاحب بڑے راست باز اور سیدھے مسلمان تھے۔ برٹش گورنمنٹ میں آپ کی ایسی ہی عزت تھی جیسے نظام گورنمنٹ میں۔ بارہا کرنل بار رزیڈنٹ سنگاریڈی مقام پر جہاں گھوڑوں کا فارم تھا آپ ہی کے مہمان رہا کرتے تھے۔ ضلع بیدر کا سب سے بڑا میلا" جاترائے مالیگاؤں" جہاں تمامی ملکی عربی النسل گھوڑوں کی بڑی بھاری نمایش ہوتی ہے اور ہزارہا روپیہ سرکار کی طرف سے انعام ملتا ہے آپ ہی کی بے نظیر یادگار ہے۔ دوسرے صاحب زادے حسن المخاطب بہ نواب عماد نواز جنگ بہادر پہلے تعلقہ دار ضلع پھر صدر محاسب سرکار عالی اور آخر میں کمشنر آبکاری تھے بعد ایران چلے گئے جہاں ایک معزز خدمت پر مامور ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ تیسرے بھائی کیپٹن احمد فوج میں ملازم تھے۔ تینوں بھائی یکے بعد دیگرے زمانہ قریب ہی میں دنیا سے گزر گئے۔

RIVER KRISHNA
PRACTUR FORT.

ساتواں ضمیمہ - قلعہ پراگڑور

تعلقہ عالم پور (الیپور) ضلع رائچور میں لب دریاے کرشنا موضع پراگٹور میں ایک عالی شان قلعہ ہی یہ مقام سٹیشن کرنول سے بارہ میل ہی - دریاے تنگ بھدرا عبور کرکے جانا ہوتا ہی - اس قلعہ کی بناوٹ کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مثل دوسرے قلعہ جات ملک دکن کے یہ بھی ہندو راجاؤں کا بنایا ہوا ہی - بعد میں مسلمان بادشاہوں کے قبضے میں آگیا ہوگا - ہم کو تعجب ہی کہ باوجودیکہ یہ قلعہ بہت بڑا مستحکم اور اب تک درست حالت میں ہی مگر کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہی - ممکن ہی کہ اس کا نام کچھ اور رہا ہو - پراگٹور بالکل ایک چھوٹا سا موضع ہی مگر قلعہ کی وسعت کے لحاظ سے پہلے شہر کی حیثیت رکھتا ہوگا - یہ قلعہ بالکل دریاے کشنا کے کنارے بنایا گیا ہی جو اس کی فصیل سے ہمیشہ ٹکراتا رہتا ہی - قلعہ کا طول و عرض جانب جنوب (۱۴۸۱) فیٹ جانب شمال (۱۵۴۹) جانب مشرق (۶۳۴) فیٹ جانب مغرب (۸۹۲) فیٹ ہی اور کل دور (۴۵۷۳) فیٹ ہی - قلعہ کی فصیل اور برج درست حالت میں ہیں (۳۰) برج قلعہ میں ہیں اور (۳) خندق میں برجوں کی بلندی ۳۰ سے ۳۴ فیٹ اور عرض ۲۰ فیٹ سے ۳۰ فیٹ ہی - ان میں سے ایک برج جو دریا کے کنارے ہی بالکل گر گیا ہی اور دو ایک گر رہے ہیں - اس قلعہ کا صدر دروازہ مغرب رویہ ہی - باقی (۴) کھڑکیاں ہیں - جن میں سے ایک کشنا ندی کی طرف ہی - قلعہ کے اندر تمام مکانات گر گئے ہیں جن کے پتھر کی سلیں بکھری ہوئی پڑی ہیں - اس نواح میں سنگ سلو کثرت سے ہی اس قلعہ کے سب مکانات اسی پتھر کے تھے اور سل پر سل رکھ کر دیواریں کھڑی کی گئی تھیں جو ذرا سے زلزلہ میں پھسل پڑیں - قلعہ میں ایک قدیم مسجد ہی جس کی چھت گر گئی - ستون کھڑے ہیں اور چھت کی صرف دو شہتیریں جوں کی توں ہیں اس مسجد کے بیچ کے در کے اوپر یہ کتبہ ہی

بنا کرد مسجد کہ قاضی حبیب | کہ نصر من اللہ فتح قریب
تفحص نمودہ چو تاریخ آں | سروش ندا کرد جیدٌ غریب

۱۱۷۸ھ

قلعہ کے مفصل حالات کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ غلام احمد خاں عرب جاگیردار موضع کلواکرتی ساکن پراگنٹور کے جد امجد محمد امین عرب یہاں کے قلعہ دار تھے۔ محمد امین بعہد غفراں مآب نواب نظام علی خاں بہادر ایک بارسوخ امیر تھے اُن کے فرزند محمد عیدروس خاں عرب تھے جن کو سرکار غفراں مآب نے خطاب خانی وبہادری ومنصب ہفت ہزاری وتعلقہ جٹپول اور دیگر چند مواضع بشمول موضع پراگنٹور محاصلی ڈیڑھ لاکھ روپیہ ذات جاگیر نگہداشت جمعیت کے لئے دئے تھے۔ محمد امین صاحب موصوف کے کارہائے نمایاں بہت سے لوگوں کی زبانی سنے جاتے ہیں من جملہ اُن کے ایک بات یہ مشہور ہی کہ وقت طیاری عمارات موقوعہ قلعہ خود پتھر اُٹھاتے تھے ان کی دیکھا دیکھی ہر شخص کار تعمیر میں دل وجان سے شریک ہوتا تھا اور اس طرح بہت جلد قلعہ کی عمارات تعمیر ہو گئیں۔ اب تک بھی محمد امین صاحب عرب کے پڑپوتے کو کلواکرتی وغیرہ مواضع ضلع محبوب نگر میں سات ہزار کی جاگیر جاری وبحال ہی۔ اب بھی ان کا مکان قلعہ میں موجود ہی۔ محمد عیدروس خاں عرب نے سو سال کے پیشتر ایک بنگلہ بنایا تھا جو درست حالت میں ہی جس پر سے دریائے کرشنا کا دور دور تک نظارہ ہوتا ہی اور بڑا پرفضا مقام ہی۔ ایک خانہ باغ اور ایک قدیم باؤلی بھی ہی جو فصیل قلعہ سے ملحق ہی۔ یہاں کے لوگ روایت کرتے ہیں کہ قلعہ بعہد حضرت غفراں مآب نواب میر نظام علی خاں بہادر و وزارت نواب مشیر الملک وزیر مملکت بذریعہ محمد امین خاں عرب کے بنا ہی اور ان کا زمانہ ۱۲۰۹ھ کا ہی لیکن قلعہ کی عمارت صدہا سال پیشتر کی معلوم دیتی ہی۔ ہاں یہ ممکن ہی کہ قلعہ کے اندر کے مکانات محمد امین خاں صاحب عرب نے بنوائے ہوں ۱۲۰۴ھ یا ۱۲۰۹ھ دو سال اس قلعہ کی تعمیر کے بتلاتے ہیں جسکی کوئی سند نہیں۔ بہرحال یہ قلعہ اس زمانے سے بہت پہلے کا بنا ہوا ہی جیساکہ قلعہ کی عمارت کے طرز سے ظاہر ہی۔

رانی اور راجہ کے شکستہ محلات و دیگر عمارات اندرون قلعہ ۔۔ قلعہ میں کچھی دیو ماّ رانی کا ایک چھوٹا سا محل ہی جس کی پختہ چار دیواری اب تک کھڑی ہی۔ اندر کے سب مکانات

ٹوٹ ٹاٹ گئے۔ یہ رانی راجہ کیل کنڈا ریڈی کی زوجہ تھی جو راجہ پلّے پہاڑ کا قرابت دار تھا۔ یہ محل گچ کا بنا ہوا ہے جس کا دروازہ شمال رویہ بالکل درست حالت میں موجود ہے۔ اس مکان کے چاروں کونوں پر چار بلند اور بہت خوش نما برج تھے جن کا بالائی حصہ منہدم ہوگیا البتہ نیچے کا حصہ باقی ہے۔ وسط صحن میں ایک سیاہ پتھر کا مثمن حوض نہایت خوب صورت بنا ہوا ہے۔ جس کے اطراف نہایت عمدہ جالی کا کٹہرہ لگا ہوا تھا۔ جس کی کئی جالیاں لوگ اکھاڑ لے گئے اب بھی دو تین باقی ہیں۔ اب اس مکان کے اندر شیر لیٹنے کا جنگل اور خودرو جھاڑیاں ہوگئیں ہیں اور آہستہ آہستہ ناگ پھنی بھی اپنا قدم بڑھا رہی ہے۔ اس محل سے ملا ہوا مغرب رو دریا کی راستہ چھوڑ کر ایک منہدمہ محل ہے جو کچہری کے نام سے مشہور ہے اور غالباً قدیم زمانے میں راجہ کا دربار ہال ہوگا۔ دالان وغیرہ کی چھتیں سب گرگئی ہیں صرف اطراف کے بلند دیواریں کھڑی ہیں۔ سامنے ایک وسیع صحن ہے۔ یہ عمارت بہت بلند اور عالی شان تھی اب اس کی صحن میں تین بہت پرانے درخت نیم کے بہت بلند ہیں جو کسی طرح سو سال کے ادھر کے نہیں ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکان کو گرکر بھی بہت زمانہ ہوا۔ اس قلعہ میں اب اُن عاملا کے چند مکانات ہیں جو جاگیردار سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ ساری آبادی بیرون قلعہ ہے۔ علاوہ اُس دو منزلہ بنگلہ[۵۱] کے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے محمد عیدروس خاں سابق جاگیردار کے رہنے کا ایک مکان ہے اور ایک مکان محمد نظام الدین علی خاں فرزند خواجہ محبوب خاں مرحوم کا جو پہلے دیوان سمستان گوپال پور تھے اُن کا ہے۔

وردراج سوامی کا مندر قلعہ پرا گٹور میں اگر اب کچھ دیکھنے کی چیز ہے تو یہ دو منزلہ مندر ہے۔ جس کا بالائی حصہ وردراج سوامی کا دیول ہے اور زیرین آلوار سوامی یعنی دیو کے چیلوں کا مندر ہے۔ افسوس ہے کہ اس دیول کا بالائی حصہ منہدم ہوگیا مگر چار دیواری اب بھی باقی ہے جس پر صدہا مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ جانب شمال دریا کی طرف نو کمانیں مغرب میں (۵) جنوب اور مشرق میں چھ چھ کمانیں تھیں جو سب گر گئیں اب خالی ستون کھڑے

[۵۱] ۱۸۱۴ء میں دریائے کرشنا میں غیر معمولی طغیانی ہوئی تھی۔ یہ بنگلہ تو بالکل لب دریا تھا یہ بھی بہ گیا۔ ۱۲

نام سے مشہور ہے لوگ اس علم کے از بس معتقد ہیں۔ یہ عاشور خانہ قدیم زمانہ کا ہونے سے گر پڑ گیا تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں غلام احمد خاں عرب جاگیر دار مرحوم جو محمد امین خاں کے پوتے ہوتے تھے اُنھوں نے پندرہ سو روپیہ لگا کر از سر نو طیار کروایا۔ اندرون قلعہ ایک دوسرا عاشور خانہ بھی ہے جو بالکل شکستہ حالت میں ہے۔

عید گاہ بیرون قلعہ کنار رود کشنا محمد امین صاحب عرب کی بنوائی ہوئی پختہ عید گاہ ہے جس میں پتھر خوبی سے تراش کر لگائے ہیں۔ منار بھی خوش نما ہیں۔ عید گاہ کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ ایک کتبہ بھی اس میں لگا ہوا ہے لیکن افسوس ہے کہ پڑھا نہیں جاتا۔

درگاہیں بیرون قلعہ لب دریائے کشنا بزرگان دین کی دو درگاہیں ہیں۔ سبحان اللہ کیا عمدہ مقام ہے آب رواں نیم اور املی کے بلند اور گھنے درختوں کا سایہ دیکھ کر آنکھوں میں تراوٹ آتی ہے۔ ایک درگاہ حضرت لطف شاہ علی صاحب کی ہے جہاں چبوترے پر اور بہت سی قبریں ہیں۔ حضرت کی قبر سنگ سیلو کی ہے جو شکستہ حالت میں ہے اور کوئی معاش نہیں ہے دوسری درگاہ شریف حضرت کریم مولی شاہ صاحب کی ہے جس کو سرکار سے معاش ہے اور ۱۶ ر رمضان المبارک کو عرس ہوتا ہے۔ درگاہ کا احاطہ اور دروازہ اور قبر شریف جو گچ کی ہے درست حالت میں ہے۔ قبر پر ایک درخت ناندور کا سایہ کئے ہوئے ہے۔ دونوں درگاہوں میں سے کسی پر بھی کوئی کتبہ نہیں ہے۔

مسجد محمد امین[۱] ۱۲۰۹ھ بیرون قلعہ یہ مسجد پانچ کمانوں کی ہے اور درست حالت میں ہے اس پر یہ کتبے ہیں۔ پہلی اور دوسری کمان پر وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا تیسری کمان پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ چوتھی کمان پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۱۲۰۹ھ

بنا ساخت مسجد بہ لطف الٰہ ۔۔۔ بدور نظام علی آصف جاہ
مرتب از محمد امین خان عرب ۔۔۔ بتاریخ ہشتم بماہ رجب

---

[۱] یہ صاحب محمد عیدروس خاں کے والد تھے ۱۲

آٹھواں ضمیمہ - قلعۂ پرینڈہ

پرینڈہ ضلع عثمان آباد کی ایک تحصیل ہے جو جی۔ آئی۔ پی ریلوے اسٹیشن کُرڈو واڑی یا بارسی لیٹ ریلوے کے اسٹیشن بارسی ٹون سے قریب سولہ میل کے ہے۔ اس بستی میں ایک عظیم الشان قلعہ بنا ہوا ہے جس کی مرتفع فصیلیں اور سربفلک برج اب تک درست حالت میں ہیں اور دیکھنے والوں کے دلوں میں اُس کے بانیان کی اولوالعزمی اور عظمت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں یہ قلعہ بھی غالبًا اہل ہنود کا بنایا ہوا ہے جو آگے چل کر عادل شاہیوں کے قبضہ میں آگیا۔

اس قلعہ کے گرد ایک بڑی مستحکم فصیل ہے جس میں چھوٹے بڑے (۲۶) برج ہیں جن کی اطراف ایک چوڑی اور گہری خندق ہے۔ جس میں پانی آنے کی دو بڑی بڑی مہریاں بنی ہوئی ہیں جو پہلے پانی سے لبلب ہتی تھیں اور اب تو ایک قطرہ پانی کا بھی نہیں ہے وہ ذرایع آمدنی آب شکست ہوگئے اور خندق بھی جابجا سے اٹ گئی ہے۔ اس خندق میں دو باولیاں ہیں ایک جانب جنوب ہے جس کا نام چار باؤلی ہے جس میں سے قوم اراذل پانی لیتے ہیں دوسری مشرق و جنوب کی جانب ہے جس سے عمل کشنری سے زراعت بذریعہ موٹ کشی ہونے لگی ہے۔

توپیں خلاف دوسرے قلعوں کے اس قلعے میں اب بھی نہایت نفیس بڑی بڑی توپیں برجوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ اندرون قلعہ سولہا برج ہیں جن میں سے چار برج مشہور ہیں باقی معمولی جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔

(۱) "ملک میدان" توپ - جو قلعہ کے شمال و مشرقی بلند برج پر ہے۔ اسی کے قریب ایک بارہ دری ہے جو اب بھی درست حالت میں ہے یہ توپ گن مٹل کی ڈھالی ہوئی ہے یعنی کاسی

رنگ کی پیچ رسی ہی - چودہ فیٹ (۸) انچہ طول - کان کے پاس کا دَوْر ۸ فیٹ - ۱ انچہ - درمیانی دَوْر ۶ فیٹ - ۱۰ انچہ - دہانے کا قطر ۲ فیٹ - ۸ انچہ - توپ کے وسط میں بجاے کنڈوں کے دو شیر بنے ہوئے ہیں اور گولا لگنے سے توپ میں ایک گوڑا ابھی پڑگیا ہی اس توپ کے دہانے کے گرد نہایت خوش خط نستعلیق منبت حروف میں یہ اشعار بالکل صاف کندہ ہیں -:

تا صراحی خندہ تعلیم از لب دلبر گرفت　　آتشے جست از جہان و او بہ مجلس در گرفت

زبس کہ اخگر غم پر بود درون تنم　　چو کوزہ می زند آتش زبانہ از دہنم

دہانے کے سامنے گرادگرد :-

بہ میدان بیک گولہ دو صد صف در شکن دارم　　حذر کن ای غنیم از من کہ آتش در دہن دارم

توپ پر :-

محمد

ابو المظفر الدین محی

اورنگ زیب بہادر عالمگیر

پادشاہ غازی

خمسہ و سبعین ما

سنہ

جلوس

ملک میدان

توپ

عمل عبد محمد حسین

گولہ یک من و دار و سیزدہ آثار و یک پاؤ بوزن شاہجہانی -

(۱) دوسری توپ الموسوم بہ "اژدہا پیکر" ملک میدان کے جوڑ کی جنوب و مغربی برج پر چڑھی ہوئی ہے جو نوسیدون کا برج اس وجہ سے مشہور ہے کہ یہاں ایک چبوترے پر نو بزرگواروں کے مزار ہیں اور وہی نو سید کہلاتے ہیں۔ جن کا سالانہ عرس بھی ماہ رجب میں ہوتا ہے۔ یہ توپ ملک میدان کے جوڑ کی ہے اور بالکل اُسی قسم کی ہے اور اشعار بھی وہی ہیں۔ اس کے علاوہ عبارت ذیل ہے۔

سنہ ۱۰۷۲ ہجری

توپ اژدہا پیکر

عالمگیر بادشاہ غازی

اورنگ زیب بہادر

جلوس میمنت مانوس سنہ ۴

حسین محمد

عمل عرب

گولہ لبست آثار و وار و شش آثار وسی دام بوزن شاہ جہانی

طول	کان کے پاس کا دور
فیٹ انچہ	فیٹ - انچہ
۱۷ - ۶	۷ - ۱
درمیانی دور	دہانے کا دور
فیٹ - انچہ	فیٹ انچہ
۹ - ۵	۴ - ۴

(۲) مشرق و جنوبی رخ کے چنچل برج پر ایک بڑی توپ ہے جو پیچ لوگوں کی معلوم دیتی ہے یہ بھی ڈھلی ہوئی ہے۔ طول (۱۰) فٹ (۸) انچہ دور عقب (۵) فیٹ وسط (۴) فیٹ۔ دہانہ کا دور (۲) فیٹ (۷) انچہ جس پر حسب ذیل کتبہ بخط انگریزی ہے۔

EVERHARDV.S. LINTERME. FECIT ENCHV.

طول	کان کے پاس کا دور	دور دہانہ
۱۰-۸	۵ فیٹ	۲-۷

(۴) مغرب وشمالی رخ کے برج پر "لانڈے قصاب" کی توپ ہے - یہ توپ ڈھلی ہوئی نہیں ہے بلکہ پتر جوڑ کر بنائی گئی ہے اس پر کوئی کندہ نہیں ہے -

طول	کان کے پاس کا دور	دہانے کا دور
فیٹ - انچ	فیٹ - انچہ	فیٹ - انچہ
۱۸ - ۳	۷ - ۷	۶ - ۱۱

قلعہ کے اندر ایک پختہ مسجد ہے جس میں پانچوں وقت نماز ہوتی ہے مسجد کے دو دروازے ہیں قدیم کا دروازہ جانب مشرق ہے اور جدید ۱۳۱۴ھ ہجری میں بزمانہ مولوی محمد وزیرالدین صاحب قریشی تحصیلدار تیار ہوا ہے صحن مسجد میں ایک حوض ہے جس میں ایک چشمہ سے پانی آتا ہے جو مسجد کے قریب جنوب رخ پر واقع ہے اور درست حالت میں ہے مسجد کے نیچے ایک تہ خانہ ہے جس میں توپوں کے گولے رکھے ہیں مسجد کے سامنے قلعہ کی فصیل میں دو کمانیں ہیں ایک میں پیر فولاد کی دوسری میں باوے پیر کی قبریں ہیں - جانب جنوب فصیل میں چھوٹی سی بارہ دری بنائی گئی ہے جو قلمدان کے نام سے مشہور ہے یعنی ایسی مختصر ہے جیسے کہ قلم دان - اسی کے جانب شمال دو منزلہ مسجد ہے جو "شمشیر مسجد" کے نام سے مشہور ہے اس مسجد کی زمین انعامی ہے اور چراغ بتی اور جاروب کشی ہوتی ہے مسجد کے سامنے ایک چشمہ پختہ ہے - اندرون قلعہ نرسہنوں دیو کا ایک دیول ہے جس کی خدمت روزانہ ایک بقال کرتا ہے نہ سرکار سے معاش ہے نہ دیول درست حالت میں ہے - دیول کے سامنے ایک منڈپ تھا جو ٹوٹ پھوٹ گیا دیول کے متصل جانب جنوب ایک عالیشان مکان نقشی لکڑی کا بنا ہوا تھا - سنا جاتا ہے کہ عمل کمشنری میں اس کو توڑ کے ساری نقشی لکڑیاں بیچ دی گئیں - یہ مکان اب بالکل شکستہ حالت میں ہے اس مکان میں ایک کمان جانب مشرق ہے جس میں بارود بھری ہوئی ہے یہیں ایک باؤلی "رام تیرتھ" کے نام سے موسوم ہے جس کے اندر دس کمانیں ہیں - باؤلی کی سیڑھیاں ٹوٹ گئی ہیں - باؤلی کے قریب ایک چھوٹی سی بارہ دری کمان دار پختہ بنی ہوئی ہے جو درست حالت میں ہے - اس کے مشرق میں ایک مکان پختہ بنا ہوا ہے اور اوپر وار کو ایک مکان دو منزلہ ساگوانی پیچ کا ہے اس کے اندر ایک لکڑی کی چھوٹی سی بارہ دری ہے جس کے اوپر کے چھ کھن دس سال

ہوئے کہ شکستہ ہو گئے اس کے جانب شمال ایک حجرہ تین کھن کا تھا وہ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا تھا جن کو سنہ ۱۳ف میں مولوی محمد منہاج الدین صاحب تحصیلدار وقت نے از سر نو بنوا کر درست کرایا اور معمولی لکڑی کے تو چشمہ صاحب موصوف نے بنائے ہیں۔ اس مکان کے سامنے ایک چھوٹی سی سنگھ ڈمبری چار کمانوں کی قدیم بنی ہوئی ہے۔ پائین میں ایک خانہ باغ تھا جس کی روشیں اور کیاریاں حوض موجود ہیں لیکن اب بالکل ویران ہے۔ اس مکان کے نیچے ایک تہ خانہ ہے اس میں گندھک بھری ہوئی ہے اسی کے متصل عربوں کا قہوہ خانہ ہے جس میں ایک پتھر رکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ خان عالی عزت خاں نے کوئی مکان اور باغ بنایا تھا جس کا اب پتہ بھی نہیں صرف یہ کتبے کی سل رہ گئی ہے ؎

خان عالی مکان عزت خاں	کردہ احداث گلشن رنگیں
وہ چہ گلشن خورنق[۵] ثانی	ہر گلش خار دیدۂ جنت
قمری و عندلیب می خوانند	وہ چہ گلشن نشان خلد بریں
سنبلش رشک زلف حور العین	حبذا فرخا مکان و مکیں
گفت بالفظ نیک تاریخش	فکر فاتر بہشت روی زمیں

سنہ ۱۱۰۰ھ

اس مکان کے مشرق کی طرف ایک جدید کچہری سنہ ۱۲۸۹ف میں مولوی اصغر علی صاحب تحصیلدار کے زمانہ میں سرکار سے تیار ہوئی تھی اب وہ شکستہ حالت میں ہے۔ کچہری کے پاس دو حمام خانے پختہ قدیم کے بنے ہوئے موجود ہیں۔ جانب مغرب ایک زنانہ مکان ہے جس کو سنہ ۱۲۸۰ف میں مولوی حاجی قدرت عظیم صاحب تحصیلدار نے تیار کیا تھا۔ تحصیل کچہری کے سامنے ایک قدیم دروازہ ہے جو شکستہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک گچی کا حوض ہونا سنا جاتا ہے۔ کچہری کے جانب شمال دو بلند تہ خانے ہیں جن کو بڑی بڑی کمانوں کے پشتے دئے گئے ہیں اب ان میں سرکاری اسپ تحمی اور افسروں کے ٹانگے اور گھوڑے وغیرہ باندھے جاتے ہیں۔ اس کے مشرق میں ایک چھوٹی سی کمان میں محبوب سبحانی کا چلہ ہے جس کی کمان شکستہ ہے۔ اس کے قریب ایک بلند دروازہ ہے جس پر ایک طغرہ بہ خط نسخ عربی لگا ہوا ہے جس کو عرصے تک

---

[۵] جس طرح کسریٰ کا محل مشہور ہے اسی طرح ابراہیم ادھم کا محل خورنق مشہور تھا۔ ۱۲

غور کرنے کے بعد خاکسار اور مولوی فقیر احمد صاحب نے یہ شکل پڑھا - وہ یہ ہے -
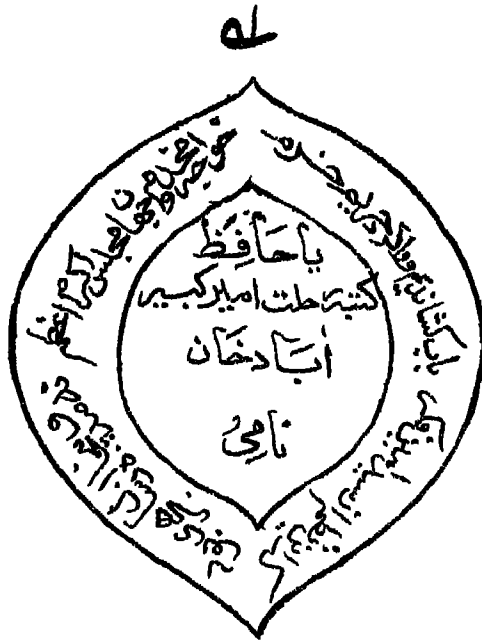
یہ دروازہ روزانہ بند ہوتا ہے جس کے بڑے بڑے قفل ہیں - دروازے کے سامنے ایک مہاکال برج ہے جس کے پائے میں ایک چشمہ ہے اس کا پانی بہت عمدہ اور شیریں ہے - قلعہ کے اطراف ایک پرکوٹہ (خندق) ہے جس میں ایک مہادیو کی دیول جانب مشرق وجنوب کے ہے وہ شکستہ حالت میں ہے - برج ماتا کال کے سامنے چھ کمانیں گچ کی ہیں اُن میں تحصیل کا محافظ خانہ ہے تین کمانیں جانب شمال اور تین مشرق میں ہیں جو خالی پڑی ہیں ان کمانوں کے درمیان ایک بلند دروازہ ہے جو درست ہے وہ بھی روزانہ شب کو بند ہوا کرتا ہے - دروازے کے جانب شمال و مشرق تھوڑا سا میدان ہے اُس میں چھوٹی چھوٹی توپیں رکھی ہوئی ہیں صحن مذکور میں جانب مشرق تین و جانب مغرب میں تین جملہ چھ کمانیں پختہ و درست حالت میں ہیں اُن چھ کمانوں کے درمیان ایک برج ہے جس میں بلند دروازہ کمان دار موجود ہے اور یہی صدر دروازہ ہے اس کے پٹ آٹھ سال سے ٹوٹ گئے ہیں جس کی درستی کے لئے کارروائی جاری ہے - قلعہ میں جابجا بڑے بڑے تہ خانہ ہیں ایک ایک تہ خانہ اتنا بڑا ہے کہ جس میں ہزاروں آدمی چھپ جائیں اور پتہ بھی نہ لگے پھر چور راستے ہیں گے سوا الگ جس کی اس زمانے میں کسی کو خبر نہیں - بیرون آبادی حضرت

۵۱ . اس کتبہ کا فوٹو ابراہیم روضہ کی پلیٹ کے اوپر ہے - ۱۲

شاہ بدرالدین چشتی قدس سرہ کی درگاہ ہے- آپ حضرت سلطان المشائخ شاہ نظام الدین اولیائے بدایونی کے مرید و خلیفہ ہیں- آپ بھی سات سو اولیاء کے ہمراہ دکن میں آئے تھے- کافروں کے ساتھ بڑی سخت لڑائی کی تھی چنانچہ اُسی لڑائی میں آپ شہید ہوئے جس میں سر آپ کا قصبۂ پین ضلع کوکن میں کٹ گیا- اور تن آپ کا لڑتا مقابلہ کرتا کافروں کو مارتا ہوا قصبۂ پرینڈہ قلعۂ بالاگھاٹ کے نزدیک پونہچا وہاں ایک عورت نے دیکھ کر کہا کہ یہ عجیب مردوا ہے کہ بے سر لڑتا چلا آتا ہے اُسی وقت آپ کی لاش زمین پر گری- وفات آپ کی بقول صاحب سیر اولیا ۷۲۱ھ میں واقع ہوئی- سر آپ کا قصبہ پین ضلع کوکن میں اور جسم آپ کا قصبہ پرینڈہ متصل قلعۂ بالاگھاٹ مدفون ہے-

نواں ضمیمہ قلعہ جلدرگ
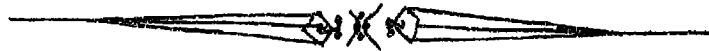
موضع[1] جلدرگ پہلے کسی قدر آباد تھا - لیکن (۳۶) سال قبل جو عالمگیر قحط ہوا تھا - اُس وقت سے قلعہ ویران - موضع بے چراغ اور زمینات افتادہ ہوگئیں - عرصہ تک اس کی بھی کس مپرسی کی حالت رہی - آخر ناتھورام نامی شخص نے آباد کرنے کی نیت سے کل زمینات بغرض کاشت لے لیں - اُس نے رعایا کے رہنے کے لئے اپنے ذاتی صرف سے مکانات بنائے دیول درست کرایا اور چند آدمیوں کو ادھر اُدھر سے لاکر آباد کیا مگر قلعہ کی بدقسمتی سے ناتھورام فوت ہوگیا اور اس کے بعد اُس کے بنائے ہوئے مکانات کے منجملہ دو تین مکانات بھی گر گئے - جلدرگ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ناتھورام زندہ رہتا تو وہ اُس کو معقول طور پر آباد کرکے ایک عمدہ مقام بناتا - اُس کے جانشین اگرچہ بالکل صغرسن ہیں لیکن ان صغر سن بچوں کی ولیہ (یعنی ماں) اس سے بے خبر نہیں ہے مگر چونکہ یہ مقام اور موضع ہر طرف آبادی سے دور راستے خراب اور دشوار گزار ہیں اس لئے اس کا آباد کرنا کچھ کم وقت طلب نہیں ہے -

قلعہ جلدرگ مستقر تحصیل لنگسگور سے (۱۰) میل بہ جانب شمال و مغرب دریائے کرشنا کے درمیان واقع ہے - اس کے قریب ہی دریائے کرشنا کی شمالاً و جنوباً دو شاخیں ہیں اور انہیں شاخوں کے وسط میں ایک بلند پہاڑی پر یہ قلعہ بنایا گیا ہے جو ایک جزیرہ نما کی حیثیت رکھتا ہے - قلعہ سے کچھ دور بہ جانب مشرق پھر یہ دونوں شاخیں مل گئی ہیں اس طرح

---

[1] قلعہ جلدرگ اگرچہ میرا دیکھا ہوا ہے لیکن یہاں کے حالات مولوی محمد ظفر حق صاحب (خلف مولانا سیف الحق صاحب مرحوم ادیب دہلوی) تحصیلدار کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور اس لئے اُن کا شکریہ ادا کرنا ضرور ہے - ۱۲

گویا دریاے کرشنا اس قلعہ کی قدرتی خندق ہی - قلعہ کے اطراف دریاے کرشنا اس قدر عمیق اور سطح زمین اس قدر ناہموار اور پتھریلی ہی کہ بارش میں تو بوجہ طغیانی اور دوسرے اوقات میں بہ باعث دشواری راہ اس کا عبور کرنا آسان نہیں ہی - قلعہ کی قدرتی خندق (شاخ ہاے کرشنا) کے ہر طرف دو مری چھوٹی چھوٹی مگر دشوار گزار پہاڑیاں بھی ہیں اور یہ سب چیزیں من حیثیت المجموع قلعہ کے استحکام کے قدرتی سامان ہیں - قلعہ کے شرقی و شمالی جانب تو شاخ ہاے کرشنا نے آمد و رفت کا راستہ بند کر رکھا ہی اور جہاں تک نظر جاتی ہی راستہ بالکل ناقابل گزر ہی اسی طرح جنوبی جانب کی شاخ طی کرنے کے بعد بھی ایک میل تک راستہ اس قابل نہیں ہی کہ گاڑی اور گھوڑا تو در کنار انسان بھی آسانی سے جا سکے - قلعہ کے سامنے ہی کرشنا کی شمالی شاخ کے دوسرے کنارے پر چار برج نظر آتے ہیں جن کو یہاں کے لوگ قلعہ جلدرگ کے ہی متعلق بتاتے ہیں لیکن چوں کہ دریاے مذکور کی شمالی شاخ اُن برجوں اور قلعہ جلدرگ کے درمیان حد فاصل ہی اس لئے یہ برج یقینی طور پر اس قلعہ کا جزو نہیں ہی بلکہ گمان غالب ہی کہ راجگان بیدر نے پہاڑی قلعہ (جلدرگ) کو توڑ کر ایک قلعہ نیچے بنایا تھا جس کو علی عادل شاہ نے منہدم کرا کے اُس کے معاوضہ میں حسب سابق پہاڑی قلعہ طیار کیا تھا اُسی منہدمہ قلعہ کے پہاڑی برج باقی ماندہ نشانیاں ہیں اور غالباً اسی وجہ سے یہاں کے لوگ ان پہاڑوں برجوں کو قلعہ جلدرگ سے متعلق بتاتے ہیں - قلعہ جلدرگ کے جانب شمال و مغرب وہ مقام ہی جو چندر کوٹ کہلاتا ہی اور اُس کے مغرب کے جانب دو میل کے فاصلہ پر وہ دیول واقع ہی جس کو "چھایا بھگوتی" کہتے ہیں جو ہندوؤں کی مقدس پرستش گاہ ہی اور اس چھایا بھگوتی کے متصل موضع نارائن پور موجود ہی جس میں وہ آبشار واقع ہی جس پر اینکٹ باندھنے کی تجویز مسٹر ایلن سابق چیف انجنیر آبپاشی نے کی تھی - اس آبشار کی نسبت بیان کیا جاتا ہی کہ پاؤ میل کے دوری میں پانسو فیٹ کا ڈہال ہی اور آبپاشی کے اغراض کے لئے نہایت کار آمد چیز ہی - اسی جگہ قدیم زمانے کا ایک شکستہ اینکٹ موجود ہی جس سے زمینات خشکی سیراب ہوتے تھے - حال میں مولوی یوسف الدین صاحب صوبہ دار صوبہ گلبرگہ نے کوشش کی تھی کہ اُس کو پھر کار آمد کیا جاے مگر کارروائی چل کر رہ گئی اور جو اس کے محرک تھے وہ مر بھی گئے

قلعہ جلدرگ سے بہ جانب شمال موضع کوڑلیکل موقوعہ تعلقہ شوراپور کا پہاڑ نظر آتا ہے۔ جہاں
کسی زمانہ میں نہایت مستحکم قلعہ تھا اور بجانب شمال شوراپور کا پہاڑ اور بجانب جنوب مغرب
مدگل کا قلعہ اور بجانب جنوب مشرق مستقر لنگسگور نظر آتا ہے۔ قلعہ جلدرگ چوں کہ نہایت
بلند پہاڑی پر واقع ہے اس لئے یہاں کا منظر بہت اچھا ہے۔

موجودہ قلعہ اگرچہ شاہان اسلام کی تعمیر معلوم ہوتی ہے مگر چوں کہ اس پر کوئی ایسا کتبہ نہیں
ہے کہ جس سے اس کی تعمیر کی تاریخ یا بانی قلعہ کا پتہ چلے۔ اس لئے قلعہ کے معاینہ سے
اس کی صحیح کیفیت معلوم نہیں ہوسکتی۔ لیکن کرنل میڈوز ٹیلر کے تاریخی ناول موسوم بہ "نوبل کوئین"
سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۹۸۹ھ یعنی ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں یہ قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں
تھا اور جس طرح عموماً اس ملک کے قلعہ جات راجگان ہنود کے بنائے ہوئے ہیں یہ بھی انہی کی
تعمیر ہوگی اور شاہان اسلام نے اس میں کچھ جدید ترمیم و تعمیر کی ہوگی۔ تاریخ فرشتہ میں جلدرگ کے
قلعہ کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ علی عادل شاہ کے عہد کے کارنامے میں قلعہ چندر کوٹ سنہ ۹۹۳ھ میں
مفتوح ہونے اور اس کو منہدم کرکے ازسرنو تعمیر کرنے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "مصطفیٰ خاں معتمد
سلطنت نے علی عادل شاہ کو اطلاع دی کہ قلعہ چندر کوٹی ابتداءً ایسے پہاڑ پر بنا ہوا تھا مگر راجگان
بیڈر نے اس کو توڑ کر پہاڑ کے نیچے قلعہ بنایا ہے لہذا اگر پادشاہ پسند فرمائیں تو قلعہ زیریں کو منہدم
کرکے پھر سابقہ جگہ پر قلعہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ پادشاہ نے موقع کا ملاحظہ کرنے کے بعد نیچے کے
قلعہ کو توڑ کر پہاڑ پر قلعہ بنانے کا حکم دیا اور حسب تین سال میں نیچے کا قلعہ توڑ کر پہاڑ کے اوپر قلعہ بنایا
گیا"۔ چوں کہ موضع چندر کوٹ موجودہ قلعہ جلدرگ سے بالکل قریب ہے اور اس قلعہ کے سوا
موضع چندر کوٹ کے اطراف میں کوئی دوسرا قلعہ موجود نہیں ہے اور چوں کہ اس قلعہ کے
سامنے ہی کرشنا کی شمالی شاخ کے کنارے پر ایک منہدمہ قلعہ کے برج موجود ہیں اور موجودہ
قلعہ کی تعمیر صاف وصریح طور پر اسلامی شان دکھا رہی ہے اس لئے ان سب مجموعی کیفیتوں کے
لحاظ سے یہ امر یقین کے درجہ تک پہنچتا ہے کہ وہ منہدمہ قلعہ جس کے چار برج نظر آتے ہیں
وہی قلعہ تھا جس کو چندر کوٹ کہتے تھے اور جس کو (پہاڑی قلعہ جلدرگ توڑنے کے بعد) راجگان
بیڈر نے نیچے تعمیر کیا تھا اور قلعہ جلدرگ وہی قلعہ ہے جس کو پہلے راجگان بیڈر نے توڑا تھا اور

جس کو حسب بالا مصطفیٰ خاں نے بہ حکم علی عادل شاہ (چندر کوٹ کا قلعہ زیریں توڑنے کے بعد) پہاڑی پر سابقہ بنیادوں پر طیار کرایا اور جس کو تاریخ فرشتہ میں چندر کوٹ کے قریب یا قلعہ چندر کوٹی منہدمہ مصطفیٰ خان کے معاوضہ میں بنایا اور علی عادل شاہ کی بیگم (چاند بی عرف چاند سلطان) کے نام کی مناسبت کے سبب قلعہ چندر کوٹی کے ہی نام سے موسوم تھا مگر معلوم ہوتا ہی کہ اس پہاڑی قلعہ کا ابتدائی نام غالباً جلدرگ ہی تھا جو عادل شاہی سلطنت تک مذکورۂ بالا وجوہ میں سے کسی ایک یا زیادہ وجوہ سے قلعۂ چندر کوٹ ہی کہلاتا رہا اور عادل شاہی سلطنت جانے کے بعد ہی وہ اپنی مقامی کیفیت اور چاروں طرف پانی گھرا ہونے کے لحاظ سے پھر اپنے اصلی یعنی جلدرگ (پانی کا قلعہ) کے نام سے موسوم ہوگیا۔ مذکورۂ بالا تبدیل نام کا قیاس اس لئے بھی صحیح معلوم ہوتا ہی کہ علی عادل شاہ کے عہد کی ایسی دوسری نظیریں بھی موجود ہیں چنانچہ نلدرگ کے قلعہ کو جس کو راجہ نل نے بنایا تھا جب علی عادل شاہ نے فتح کرلیا تو اس کا نام بدل کر شاہ درگ رکھ دیا لیکن عادل شاہی سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ ہی شاہ درگ کا نام بھی ختم ہوگیا اور قلعہ پھر اپنے سابقہ نام یعنی نلدرگ سے موسوم ہوا اور اب تک نلدرگ کے نام سے ہی مشہور ہی۔ پس مذکورہ بالا لحاظ سے موجودہ قلعہ جلدرگ کی تاریخ تعمیر سنہ ۹۸۶ھ اور علی عادل شاہ کا عہد قایم ہوتا ہی اور اس کی تائید کرنل میڈوز ٹیلر کے مذکورۂ بالا ناول سے ہوتی ہی جس میں سنہ ۱۵۹۵ء سے پہلے اس قلعہ کا موجود ہونا درج ہی۔ قلعۂ جلدرگ میں ہزارہا قبروں کی علامات موجود اور صدہا قبریں اب بھی صاف طور پر نظر آتی ہیں یہ مقام گنج شہیداں کے نام سے موسوم ہی۔ اس نام اور قبروں کی کثرت سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ مسلمانوں کی سلطنت کے بعد ہی جلدرگ پر بہت سی خوں ریزیاں ہوئی ہیں مگر کسی تاریخ کی کتاب میں اس کا ذکر نہ ہونے سے صراحت نہیں کی جاسکتی کہ عادل شاہیوں کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد کس کس کا قبضہ رہا البتہ اس قلعہ میں محمد سرور کی درگاہ کے سامنے ایک چبوترہ پر کتبہ لگا ہوا تھا جو چبوترہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے اب نیچے رکھا ہوا ہی۔ اس کتبہ سے ظاہر ہی کہ سنہ ۱۱۱۱ھ میں تلوک سنگھ نامی سردار نے بہ حکم عالمگیر بادشاہ غازی اس قلعہ کو فتح کیا اور درگاہ کے سامنے ایک اونچا چبوترہ بنا کر اس پر کتبہ کا پتھر نصب کیا۔ یہ کتبہ فارسی اور

ناگری دونوں خطوں میں ہے فارسی کتبہ کی نقل درج ذیل ہے۔

سنہ ۱۱۱۱ ہجری

خانہ زاد بادشاہ عالمگیر غازی تلوک سنگھ ابن چترائی کنڈ بندیلہ

جب وہ چبوترہ جس پر کتبہ مذکور کا پتھر نصب تھا ٹوٹ گیا تو "محمد سرور" کی درگاہ کے خدام نے
اس جگہ پر ایک نہایت عمدہ چبوترہ بنا لیا جس میں درگاہ کی چادریں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں۔ قلعہ
جلدرگ کے سات دروازے اور پانچ حصار ہیں دروازوں میں سے ایک برج نما دروازے
کے سوا باقی سب تقریباً گر چکے ہیں صرف دیواریں باقی ہیں اور ایک دروازہ جو باقی ہے وہ
بھی خستہ حالت میں ہے چھت اور برج میں درزیں آگئی ہیں اور شق ہوگیا ہے۔ قلعہ کے پانچوں
حصاروں کی فصیل جا بجا سے گر گئی ہے۔ پانچوں دروازوں کی یہ کیفیت ہے کہ پہلے حصار میں دو
دروازے ہیں ایک دروازہ بہ جانب مشرق جو شوراپور کے دروازے کے نام سے موسوم ہے
اور ایک دروازہ بجانب جنوب جو مدگل کے دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔ مشرقی دروازے
کے اندر داخل ہونے کے بعد گنج شہیداں راہ میں ہے اور مدگل کے دروازے کے قریب وہ میدان
ہے جہاں قلعہ کا بازار لگتا تھا۔ اس بازار میں کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ لیکن دیواروں اور
چبوتروں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ دوسرے حصار میں بھی دو دروازہ ہیں ایک دروازہ تو
پہلے حصار سے دوسرے حصار میں داخل ہونے کے لئے ہے اور دوسرا دروازہ گھاٹ دروازے
کے نام سے مشہور ہے اور اسی دروازے سے کرشنا کی شمالی شاخ پر جانے کا بھی راستہ ہے اسی
دروازے کے قریب یلمّا کا دیول ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ نا تھو رام نے اس کو درست
کرایا ہے۔ تیسرے حصار میں میر محی الدین علی نامی بزرگ کی ایک قدیم درگاہ ہے یہ درگاہ پختہ
بنی ہوئی ہے اور درست حالت میں ہے اس درگاہ کے عقب میں جانب جنوب ایک پختہ مکان
ہے جس کی چھت گر گئی ہے صرف دیواریں باقی ہیں۔ چوتھے حصار میں دروازے کے
سامنے جانب شمال ایک چھوٹی سی مسجد واقع ہے جس کی دیواریں رہ گئی ہیں چھت باقی
نہیں ہے اور ناگ پھنی بہت کثرت سے مسجد میں ہوگئی ہے اور اس کے شمال اور مشرق کے
جوانب میں پختہ قبریں موجود ہیں جس میں سے بعض صاف نظر آتی ہیں اور بعض ناگ پھنی

میں چھپ گئی ہیں اس مسجد سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر ایک بڑا وسیع اور بلند چبوترہ ہی جس پر
کھڑے ہوکر دیکھنے سے ندی اور قلعہ کے سامنے کا نظارہ بہت اچھی طرح ہوسکتا ہی - پانچواں
حصار سہ منزلہ ہی - پہلی منزل میں اکثر شاہی مکانات کے نشانات اور ایک بڑی اُفتادہ
باؤلی ہی اور اسی طرف مخدار سرور کی درگاہ بنی ہوئی ہی - یہ درگاہ درحقیقت کسی بزرگ
کا مزار نہیں ہی بلکہ ایک ملبا چبوترہ ہی جس پر اس درگاہ کے معتقدین کا بیان ہی کہ حضرت پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تھے - اس چبوترے کے اطراف چاردیواری کھینچی ہوئی ہی - اور
اُس کے پائیں میں وہ چبوترہ تھا جس پر تکوک سنگ کا کتبہ نصب تھا - اس درگاہ کی نسبت
بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان لوگوں کا عقیدہ ہی کہ جو بیمار علی الخصوص جذامی یہاں آتے
ہیں وہ تن درست ہوجاتے ہیں چنانچہ دو مسلمان عورتیں اور ایک ہندو عورت اور ایک
مانگ مرد یہاں موجود ہیں - مسلمان عورتیں موضع بھیرواڑ گی تعلقہ بھاگے واڑی علاقہ
سرکار عظمت مدار کے رہنے والی ہیں اور دس سال قبل جذام میں مبتلا ہوکر یہاں آئی ہیں اور
صحت یاب ہوچکی ہیں اور اسی درگاہ کی خدمت کرتی ہیں اور یہیں سکونت اختیار کرلی ہی -
چوتھا شخص یعنی مانگ دو سال سے یہاں مقیم ہی یہ بھی مبتلائے مرض ہی مگر اب اپنے آپ کو
پہلے سے بہتر بتاتا ہی ان سب لوگوں کا توکل پر گزارا ہی - جو لوگ جلد رگ دیکھنے یا اپنے عقیدت
کے لحاظ سے اس درگاہ پر آتے ہیں وہ ان متوکلین کو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں اور درگاہ پر بھی چڑھاتے
ہیں اور یہ عورتیں چڑھاوے کی پوری رقم درگاہ کے اخراجات میں صرف کرتی ہیں جس سے اس وقت
تک یہ درگاہ اچھی حالت میں ہی - پانچویں درجہ کی دوسری منزل میں جانب شمال مغرب ایک
بارہ دری ہی جہاں سے قلعہ کا شمالی و مغربی حصہ اور چھایا بھگوتی کا دیول بہت صاف اور
خوش نما طور پر نظر آتا ہی - یہ بارہ دری بھی امتداد زمانہ سے مرمت طلب ہوگئی ہی - تیسری منزل
میں جانب جنوب مشرق ایک منہدمہ دالان ہی اور اس تمام قلعہ میں سب سے زیادہ بلند مقام
یہی ہے اور عجب نہیں کہ یہی مقام بالا حصار ہو - اس کی چھت گر گئی ہی لیکن دیواریں کچھ سالم کچھ شکستہ
موجود ہیں اور ایک زینہ بھی ہی جس سے چھت پر چڑھ کر دور دراز کا نظارہ ہوسکتا تھا - اس زینے سے
اگر اس بالا حصار کے منہدمہ دیوار پر چڑھ کر دیکھا جائے تو قلعہ مدگل اور شوراپور کا پہاڑ

وغیرہ نظر آتے ہیں۔ اس قلعہ میں کوئی توپ باقی نہیں ہے۔ صدر دروازہ چوبی تھا۔ حال میں ایک انگریز اس کی باقی ماندہ لکڑی لے کر چلا گیا جس کا اُس نے ایک صندوق بطور یادگار کے بنالیا۔ مختصر یہ کہ یہ قلعہ موقع کے لحاظ سے تمام و کمال اس قابل ہے کہ آثار قدیمہ میں شریک کرکے کم سے کم پانچویں حصار کے مختصر اور قابل ملاحظہ فصیل اور بالا حصار۔ بارہ دری مسجد۔ دروازہ اور وہ چبوترہ جس پر تلوک سنگھ کا پتھر نصب تھا ان کو ضرور درستی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ چند روز میں جو حالت اب ہے یہ بھی نہ رہے گی
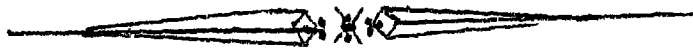
دسواں ضمیمہ خلد آباد و غارہائے ایلورا

خلد آباد اورنگ آباد سے (۱۴) میل اور دولت آباد سے چھ میل بلند پہاڑوں پر واقع ہے۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے اور (۲۷۳۲) فیٹ سمندر سے اور (۵۰۰) فیٹ سطح ارضی سے بلند ہے۔ یہ مقام خاص کر اس وجہ سے مشہور ہے کہ بڑے بڑے نامی گرامی اکابر اسلام اس خطۂ زمین میں آسودہ ہیں۔ مثلاً اورنگ زیب اور شاہزادہ اعظم شاہ۔ نظام الملک آصف جاہ بانی خاندان سرکار عالی نظام۔ ناصر جنگ فرزند دوم آصف جاہ۔ نظام شاہ بادشاہ احمد نگر۔ ملک عنبر۔ تانا شاہ بادشاہ گولکنڈہ وغیرہ وغیرہ۔ اس بستی میں پندرہ بیس تو گنبد ہیں اور تخمیناً چودہ سو مزارات ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا آباد اور شاداب شہر تھا۔ اب ویران ہے اور باغات جو درگاہوں اور گنبدوں کے اطراف تھے وہ سب جنگل ہو گئے ہیں۔ جس زمانہ میں دولت آباد دارالسلطنت تھا خلد آباد معرض گمنامی میں تھا۔ ۱۱۰۰ھ کے قبل تک یہ سارا پہاڑی سلسلہ خلد آباد کے نام سے مشہور تھا اور جو کچھ آبادی تھوڑی سی جنوبی پہاڑ پر تھی وہ بھی مضافات دولت آباد شمار ہوتی تھی۔ اگرچہ سب سے پہلے بزرگ جن کا قدم اس سرزمین پر پڑا حضرت جلال الدین صاحب تھے لیکن مستقل اقامت حضرت منتجب الدین زر زری زر بخش کے ہونے سے خلد آباد کی شہرت آپ ہی کی بدولت ہوئی آپ کے وصال کے بعد جب گنبد تعمیر ہوا تو روضہ کے نام سے اس خطہ نے شہرت پائی اور اب بھی "روضہ" سے مراد خلد آباد کی بستی لی جاتی ہے۔ حضرت کس زمانے میں یہاں آئے پتہ نہیں چلتا تاہم سال وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۰۹ھ کے قبل کی یہ بستی ہے۔ منتجب الدین صاحب کے بعد برہان الدین اولیا بحکم شیخ نظام الدین اولیا اپنے برادران طریقت کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور یہ پاس ادب اس مقام سے

تھوڑا جانب جنوب ہٹ کر آپ نے قیام فرمایا - تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب کے روضے کے اطراف کی زمین "باغ روضہ" کہلاتی تھی کہ نظام شاہیوں کے کئی تاج داروں کے مزار اس سرزمین پر ہیں جن میں سے نظام الملک بحری اور آنکس خاں کے گنبد اب تک موجود ہیں ان کے علاوہ اور بھی مقابر ہیں مگر پتہ نہیں کہ کس کے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے کوئی باغ بھی ہو - لیکن اب تو باغ کا نشان تک باقی نہیں ہے - اورنگ زیب نے ۱۱۱۸ھ میں احمد نگر میں انتقال کیا - شاہزادۂ محمد اعظم شاہ بہادر مہم مالوہ پر نکل چکا تھا خبر وفات سن کر پچیس کوس سے پلٹا اور نعش کو حسب وصیت روضہ کو لایا اور سید زین الدین صاحب کے مقبرہ کے صحن میں دفن کیا - اورنگ زیب کا لقب خلد مکاں پڑا اور اسی مناسبت سے خلد آباد مشہور ہوا - خلد آباد کا بہت بڑا حصہ ویران ہے - اب تحصیل اور پولیس سٹیشن ہے - مردم شماری (۲۸۴۳) اور آباد مکانوں کی تعداد (۶۴۵) ہے خلد آباد کی زیادہ تر آبادی خدام کی ہے - خدام کی تین قسمیں ہیں -

(۱) خدام درگاہ حد کلاں - وہ ہیں جو حضرت منتجب الدین اور حضرت برہان الدین اولیا کی درگاہ کے خدام ہیں ان کی تعداد سات سو ہے -

(۲) خدام درگاہ حد خورد - وہ ہیں جو حضرت سید الدین کی درگاہ کے خادم ہیں - ان کی تعداد چار سو ہے -

(۳) خدام درگاہ گنج رواں - وہ ہیں جو حضرت جلال الدین سہروردی کے خادم ہیں - ان کی تعداد ڈیڑھ سو ہے -

درگاہ حد کلاں و حد خورد کے مصارف کے لئے چند مواضع قدیم سے جاگیر ہیں - حضرت جلال الدین کی درگاہ کے لئے دو مواضع سوئی بیچن اور نادر آباد جاگیر ہیں - فصیل شہر کے باہر کنبیالی خورد اور کنبیالی کلاں دو محلے ہیں اور قصبہ کے اندر (۱۶) محلے ہیں - شاہی پورہ - بڑکی آلی - قصاب واڑہ - ٹکار واڑی - مومن واڑہ - برہمن واڑی - النگ - گٹھریوں والا محلہ چھوٹی باؤلی - حمال واڑی - پٹیلوں کا محلہ - پرانی کچہری - بازار - گنج - قاضی پورہ - کمان

منعم کا باغ ۱۰۸۱ھ	پانگرے دروازہ کے باہر بجانب شمال منعم کا باغ ہے جس میں

ایک مسجد اور چند قبور کے سوا کچھ نہیں ہی - چار دیواری کے چاروں کونوں پر ایک ایک حجرہ اور اُس پر ایک ایک برج ہی - باغ کا دروازہ شرق رویہ ہی - دروازہ کے کتبۂ ذیل سے واضح ہوتا ہی کہ اس میں رحمٰن قلی کی قبر ہی -

"یارب چو رحمان قلی خاں برحمت تو پیوست از خرد تاریخ از فردوس منزلش شد"

دروازے کی دونوں جانب پانچ پانچ حجرے ہیں - باغ بالکل ویران ہی جنگلی درخت اور زیادہ تر شریفہ کی خودرو جھاڑی ہی - باغ کا مکان متعلقہ ویران ہی -

باغ بنی بیگم نہایت خوش نما محصور مقام ہی - اس میں ایک بلند کرسی کی نہایت خوش نما اور وسیع بارہ دری بنی ہوئی ہی - تالاب حوض خاص جنوب میں اور دو گم تالاب گوشۂ غرب و شمال میں ہیں ان سے ہی آبیاری ہوتی ہی - پہلے خاکسار تالاب سے نہر لائی گئی تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ گئی - وسط باغ میں جہاں بانو بیگم عرف بنی بیگم صاحبہ شاہزادۂ محمد بیدار بخت فرزند کلاں شاہزادۂ اعظم شاہ کی زوجہ کی قبر ہی - قبر ایک مربع خوش نما حوض کے اندر بنی ہوئی ہی - قبر اور چبوترے کے سوا حوض سنگ سرخ کا ہی - اطراف مختلف شکلوں کی کیاریوں کا چمن ہی اور ان ہی کیاریوں کے درمیاں ایک اور حوض ہی - ان سب حوضوں میں پانی کے نل لگے ہوئے ہیں جس کا خزانہ قبر کی چار دیواری کے باہر پچھم کی طرف ہی - چار دیواری کی سنگ سرخ کی محرابیں اور قبر کے چبوترے کے سنگ مرمر کی سلیں لوگ اُکھاڑ لے گئے اب صرف قبر کا تعویذ پڑا ہی - اب چبوترے پر استرکاری کردی گئی ہی - باغ کی متعلقہ مسجد کے حوض کا پتھر بھی بے رحم اور سنگ دل لوگ لے گئے مقبرے کی چار دیواری کے چاروں کونوں اور وسط میں لداؤ شہ نشینیں ہیں جن کی ساخت اب بھی سرمایۂ ناز ہی - اس مختصر مقبرہ میں بعض بعض صنعتیں ہر شخص کو نقش بر دیوار بنا دیتی ہیں - چاروں شہ نشینوں کے نیچے پانی نکلنے کا راستہ نہایت خوبی سے بنایا ہی - ان چاروں شہ نشینوں کے نیچے چھوٹی چھوٹی سنگ سرخ کی نہایت خوب صورت سہ دریاں ہیں - مقبرہ دروازہ جنوب رخ ہی - مقبرہ کے مغربی رخ پر ایک بہت ہی خوش نما مسجد تین درجوں اور پانچ محرابوں کی ہی صحن مسجد اور حوض کے جنوب میں چند قبریں ہیں اور یہیں ایک برآمدہ سنگ سرخ کا ہی اُس کے پتھر بھی غایب ہیں - مسجد کے مقابل ایک مکان تین درجے کا تھا اگلا درجہ حال میں گر گیا پچھلے دو اپنی حالت پر کھڑے ہیں - پچھلے درجہ کی چھت پر پانی کا خزانہ ہی جس کی دیوار دو گز بلند ہی اور ایسا مستحکم بنایا گیا ہی کہ اب تک پانی

نہیں رستا۔ خزانے میں (۲۲) نل ہیں جو سارے باغ میں دوڑے ہوئے ہیں۔ اس کا نظارہ تو کچھ اُسی وقت دیکھنے کے قابل ہوگا جب نہر خاکسار رواں ہوگی اب تو سارا باغ تشنہ وہاں ہی باغ کے شمالی جانب عالی شان دو منزلہ دروازہ ہی اور اس کے محاذی دو درجے کی عمارت ہی جس کے اندرونی دالان میں دو حجرے ہیں۔ باغ کے چاروں کونوں پر ایک ایک حجرہ اور ہر حجرے کے سامنے سہ درہ اور اوپر برج ہی۔ گوشۂ جنوب و شرق کا برج گر پڑا ہی۔ چاروں حجروں کی دونوں طرف اور بڑے دروازے کے ادھر اُدھر اور جنوبی عمارت کے قرب میں ایک ایک زینہ فصیل اور عمارت پر جانے کے لئے ہی۔ جنوبی عمارت کے باہر دونوں طرف دو حجرے ایک بیت الخلا اور دوسرا باورچی خانہ ہی مسجد اور شرقی اور جنوبی عمارتوں کے سامنے ایک حوض ہی جو اب مٹی سے بھر گیا ہی۔ شمالی دروازے کے سوا باقی سمتوں میں باہر جانے کے لئے چھوٹے چھوٹے تین دروازے ہیں۔ دکن والا دروازہ باورچی خانے کے حجرے کے اندر سے نکالا گیا ہی باغ کی چاردیواری اب تک صحیح و سالم ہی۔ مقبرے سے تھوڑے فاصلہ پر چاروں کونوں پر ایک ایک چبوترہ بھی ہی۔ باغ میں اب معمولی ترکاری بوئی جاتی ہی اور ۹ ماہانہ مصارف کے مالی مقرر ہیں۔ باغ کے عقب میں جانب جنوب لب حوض ایک سہ درہ چاردیواری سمیت نہایت خوش نما نشستگاہ ہی۔ حوض کے لبریز ہونے پر یہ مقام بہت دلکش ہوگا۔ اس حوض سے مغربی جانب کھڑکی کے باہر باغ کے متعلق اور چند مکانات ہیں ان قطعات کی چاردیواری کہیں کہیں سے گر گئی ہی۔ اگلے قطعہ میں ایک حوض ہی اور باقی قطعات میں قبریں ہیں۔ پچھلے قطعہ کی قبر کسی شاہزادی کی مشہور ہی۔ ان قطعات کے پیچھے سید معظم شاہ (جو عالمگیر کے زمانہ میں ایک باکمال درویش تھے) کی قبر ہی۔

ریشم باؤلی ۱۰۲۸ھ ریشم باؤلی یہاں سے قریب ہی۔ اس کے مغربی جانب کئی احاطے ہیں اور جنوب رخ شاہ صادق صاحب کی مسجد ہی جس پر کتبۂ ذیل ہی۔ ان اشعار کے دونوں جانب باریک خط میں کچھ عبارت ہی جو پڑھی نہیں جاتی۔

نیست صادق چنین مسجد | ساخت بہر ثواب بر سر راہ
یافت تاریخ از خرد فی الحال | کرد صادق صفائی بیت اللہ

۱۰۲۸ھ

مقبرہ خان جہاں معروف بہ لال باغ ۔ بعض لوگ اس کو اورنگ زیب کے کوکا کا مقبرہ کہتے ہیں۔ اس باغ کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ پست ہے۔ چاروں طرف مختصر سی عمارت اور بیچ میں مربع حوض اور اس حوض کے چاروں جانب ایک ایک لمبوترا حوض ہے۔ ان سب حوضوں میں متعدد نل لگے ہوئے ہیں۔ چار دیواری کے چاروں کونوں پر حجرے اور ہر حجرے پر ایک ایک برج ہے۔ گوشۂ غرب و جنوب کے حجرے میں ایک دروازہ ہے جس کے قریب ہی حوض خاص کی باؤلی ہے۔ اس باغ کی سیرابی اس باؤلی کے علاوہ نہر خاکسار سے بھی ہوتی تھی۔ جس نہر سے پانی آتا تھا اس کا نشان اب تک موجود ہے۔ اس حجرے کا برج بھی گر گیا۔ باغ کی شمالی حد میں عمارت کے دونوں طرف زینے دوسرے حصہ میں جانے کے لئے ہیں باقی گوشۂ شمال و مشرق کے حجرے اور صدر دروازے کے (جو پورب طرف ہے) دونوں طرف دو زینے ہیں۔ صدر دروازے پر اسی زمانے کا نیلا اور پیلا رنگ اب تک کچھ کچھ باقی ہے۔ باغ کی حیثیت سے دروازہ چھوٹا ہے۔ دوسرے حصہ میں خان[ل] جہاں کا مقبرہ اور ایک شکستہ مسجد ہے۔ شمال میں ایک دروازہ شرق میں برآمدہ اور مسجد کے قریب جنوب میں دوسرا دروازہ ہے تیسرے حصے میں ہیں سے جاتے ہیں۔ تیسرے حصہ میں ایک گنبد اور ایک مسجد ہے۔ گنبد میں میر ولاور علی۔ میر تقی اور میر نقی کی قبریں ہیں۔ اسی حصہ کی مغربی دیوار سے ملے ہوئے باہر کی طرف مولینا رکن الدین۔ سعید الدین برہان الدین پسران عماد الدین صاحب کے مزارات ہیں اور اسی کے قریب عماد الدین حقیقی کے چوتھے صاحب زادے حماد الدین صاحب کا گنبد ہے۔ مولینا عماد الدین کے اہل بیت حضرت برہان الدین اولیا کے مرید اور ہر چہار فرزند رشید سید زین الدین صاحب کے لائق شاگردوں میں تھے۔ تیسرے حصہ کی جنوبی دیوار میں ایک دروازہ اور ایک برآمدہ اور شمال طرف ایک دو دالان ایک دوسرے کے مقابل شرقاً و غرباً ہیں جن میں ایک ساحجرہ ہے

[ل] شاہ جہاں اپنے باپ کی جگہ ۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا دوسرے ہی برس خان جہاں لودھی نے بغاوت کی اور مرہٹوں سے مل کر اپنی جداگانہ سلطنت قائم کرنی چاہی جہانگیر بادشاہ کی وفات کے بعد اس نے شاہ جہاں کے ساتھ آگرہ جانے کا انکار کیا۔ خان جہاں نے صوبۂ مالوہ پر قبضہ کرنا چاہا لیکن پھر بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے دکن کا صوبہ مقرر ہوا۔ ۱۲۔ ۲۴

لال باغ کے متعلق پہلے حصہ کے مشرق میں شارع عام پر ایک باغ اور بھی ہی جس کی چار دیواری گر گئی ہی۔ درمیان میں گنبد ہی۔ یہ سارا باغ ویران ہی اب باغ جا کر کھیت بن گئے ہیں اور فراغت سے قلبہ رانی ہوتی ہی۔ لال باغ کے پہلے حصہ کے جنوب میں دروازے پر نقار خانہ ہی اور وہیں دو شکستہ چار دیواریاں ہیں۔ شمالی چار دیواری کے اندر ایک گنبد اور ایک مسجد بالکل شکستہ ہی اور احاطہ جنوبی میں دو گنبد ہیں۔ خدا جانے کن کے ہیں۔

سرایا کرہ سرا کی جسے کرہ بھی کہتے ہیں) عمارت نہایت شان دار ہی لیکن نہایت مرمت طلب ہی۔ سرا کے چاروں طرف متعدد حجرے بنے ہوئے ہیں اور بیچ میں ایک بڑا بھاری حوض ہی جو اپنی تشنہ دہانی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہی۔ مغربی حجروں کی لین میں ایک مسجد ہی اور اسی کے جواب میں شرقی حجروں کے درمیان دو درجے کا سہ درہ اور شمالاً اور جنوباً دو دروازے ہیں۔ شمالی دروازہ کی دونوں جانب زینے اور چار چار حجرے ہیں۔ شمالی دروازے پر قطع تاریخ ابھرے ہوئے حرفوں میں ہی۔ پتھر بھر بھرا ہونے سے مادہ تاریخ کا مصرعہ جھڑ گیا لیکن مضمون سے معلوم ہوتا ہی کہ شاہ عالم گیر کی وفات کے بعد خدمتگار خاں نے بنوائی ہی:۔

ع

نذر درگاہ شہ مغفور حق	شاہ عالم گیر علیین مقام
ساخت خدمتگار خاں ایں کٹرہ	تا از اں فیضے بود بر خاص و عام
وقف کردہ حاصلش در راہ حق	تا بود ایں دار فانی را قیام
...... شکست و ریختنش	....
بر فقیران و غریبان جہاں	ہم یتامی و مساکین انام
یا الٰہی ہمچو فیض حسن تو	ساز مقبولش بحسن اختتام
سال تاریخ بنایش گفت عقل	....

حویلی خان بہادر دو حصے ہیں۔ ایک میں تحصیل اور دوسرے میں امین ملغور کی کچہری ہی۔ یہاں ایک باولی۔ ایک حوض اور ایک چھوٹی سی خوب صورت مسجد بھی ہی جس کے دونوں جانب دو حجرے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و جنوب میں لنگر خانے کے مکانات ہیں

چوں کہ محکمہ جات سرکاری اس مکان میں ہیں ضروری داغ دوزی ہوتی رہتی ہے جو اب تک قایم ہے۔ خان بہادر سے کون سا امیر مراد ہے معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ جتنے بڑے بڑے امرا تھے سب ہی خان بہادر تھے۔

بلغور بروزن فی الفور۔ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی گیہوں اور جو کے دلیے کے ہیں جسے عربی میں ثرید کہتے ہیں اور ہمارے ہاں کھچڑا۔ شاہ عالم گیر۔ نواب مغفرت مآب آصف جاہ۔ نواب ناصر جنگ شہید سہ مقبرے کے نام سے مشہور ہیں ان کے لنگر خانے کے اخراجات یکجائی ہوتے ہیں۔ شاہ اورنگ زیب کا لنگر یہیں سے بٹتا ہے۔ روزانہ مقدار غلہ کی ایک من اڑتیس سیر تین چھٹانک ہے کچھ خشک باقی پک کر تقسیم ہوتا ہے۔ ماہ صیام میں ۲۲۰ بار اور عشرہ شریف میں ۱۰ بار زیادہ پکتا ہے۔ یہ لنگر ایک روز شیریں اور ایک دن نمکین ہوتا ہے۔ نمکین لنگر میں گوشت بھی ڈالا جاتا ہے۔ اندازہ ماہانہ خرچ کا ایک ہزار روپیہ ہے۔ عملہ میں بخشی، مشرف، جائزہ نویس۔ اہل قلم ہیں جن کی نگرانی میں یہ کام ہوتا ہے اس کے علاوہ حفاظ۔ صلوۃ خواں، دعا گو۔ فراش۔ آبدار۔ چوبدار۔ حوالدار۔ گل فروش۔ داروغہ۔ نقارچی۔ درباں۔ باورچی۔ بھشتی وغیرہ کافی عملہ موجود ہے۔

شہر پناہ شاہ عالم بہادر نے قصبے کے گرد فصیل بنوائی تھی جو اب بہت مرمت طلب ہے۔ فصیل میں چھ دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔

جانب شمال۔ ہوڑی دروازہ۔ پانگرہ دروازہ۔

جانب شرق۔ لنگڑے ملا کا دروازہ۔ کنبیالی دروازہ۔

جانب جنوب۔ نقار خانے کا دروازہ۔ منگل پیٹ دروازہ۔

کھڑکیاں۔ ایک جانب شمال پانگرہ دروازے کے غرب میں۔ دوسری جانب مغرب متصل حوض خاص۔

مسجد چہار دہ صد اولیا خلد آباد میں سب سے پہلی مسجد یہی ہے جو پنج بیبیوں کے چبوترے کے شمال میں ہے اسی میں حضرت منتجب الدین صاحب نماز پڑھا کرتے تھے

۱۵ سنہ ۱۶۸۲ء میں سلطان معظم چوتھی مرتبہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور اسی کو شاہ عالم کا خطاب بھی تھا ۱۲۔

اس کی مرمت بھی سرکار سے ہو گئی ہے۔ اچھی حالت میں آباد ہے۔ صحن مسجد میں اسی زمانہ کا ایک پرانا نیم کا درخت ہے مسجد کے نیچے ظہیر الدین۔ حسام الدین۔ بہاء الدین۔ سراج الدین بھکری کے مزار ہیں جو حضرت منتجب الدین کے رفقاء اور حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء تھے۔ ان سب کا عرس ۱۵ شعبان کو ہوتا ہے۔

گورنمنٹ گسٹ ہوس اور بنگلے اس مسجد کے شمال و مشرق میں چار بنگلے ہیں جو پہاڑ کے کنارے پر بنے ہوئے ہیں۔ یہ مقام نہایت پُر فضا اور فرحت بخش ہے۔ کوسوں کا نظارہ یہاں سے ہوتا ہے۔ غار ہائے ایلورا اسی کے نیچے ہیں۔ پہلے یہاں صرف ایک خس پوش بنگلہ تھا بعد اعلیٰ حضرت غفران مکاں کی رونق افروزی کے زمانے میں اور ایک نفیس بنگلہ بنایا گیا اور رفتہ رفتہ اب چار عالی شان کوٹھیاں بن گئی ہیں۔ دو بنگلہ ملے ہوئے گورنمنٹ گسٹ ہوس ہیں جو اعلیٰ پیمانہ پر ہر طرح فرنشڈ[1] ہیں۔ فرنیچر یہاں کا نہایت بیش قیمت اور شاہانہ ہے۔ شاہزادگان اور ویسرائے اور گورنر اور تمام معزز اور محترم مہمان اسی میں اُترتے ہیں اُن کی آرام و آسایش کا کل ساماں مہیا ہے۔ تیسرا بنگلہ سٹاف کے واسطے ہے اور چوتھا سیاحوں کا ڈاک بنگلہ ہے۔ بڑے تین بنگلوں میں صرف سرکاری مہمان جو غار ہائے ایلورہ دیکھنے آتے ہیں ٹھیرتے ہیں۔ تعلقہ دار ضلع یا صوبہ دار کی اجازت سے چند روز کے لئے دوسرے عہدہ دار بھی رہ سکتے ہیں چوتھے بنگلہ میں اُترنے کے لئے کسی اجازت خاص کی ضرورت نہیں۔ خاکسار جس زمانے میں قایم مقام تعلقہ دار اول مستقل دوم تعلقہ دار ضلع اورنگ آباد کا تھا بارہا ان بنگلوں میں ہفتوں رہا ہے۔ اس سے بہتر مقام تفریح طبع کے لئے میسر آنا ممکن نہیں۔ ویسریگل لاج[2] میں جو سامان ہوگا وہی یہاں سب موجود ہے۔ اہتمام میں اس قدر سعی بلیغ کی گئی ہے کہ باورچی خانے کا سامان چھری کانٹے ظروف چینی سامان روشنی۔ بچھونے۔ تکئے۔ بلینکٹ۔ رگ۔ سب ہی کچھ موجود ہے بڑے سے بڑا سردار چلا آئے تو یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ سرکار عالی نظام کی دریا دلی اور فیاضی کی جھلک یہاں نظر آتی ہے۔ کہ ان بنگلوں کی تعمیر اور آراستگی میں خزانہ کا موہنہ کھول دیا گیا ہے۔ کوئی گورنر جنرل ایسا نہیں

[1] یعنی ساز و سامان سے آراستہ۔ ۱۲ [2] ویسرائے کے رہنے کا مکان۔ ۱۲

جو ایک نہ ایک دفعہ یہاں نہ آتا ہو گورنروں لارڈوں یورپ کے نامور سیاحوں - نوابوں راجاؤں کی یہاں کمی نہیں آئے دن کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہی -

غارہائے ایلورا غارہائے ایلورا[۵] (جس کا نوٹ ہم مختصراً کہیں دے آئے ہیں) عجائبات روزگار میں ہیں ان کے دیکھنے کے لئے چاردانگ عالم سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں - ان کے بیان کے لئے ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہی چنانچہ ایک مبسوط کتاب فرگسن صاحب نے لکھی ہی جو سرکاری طور پر یہاں سیاحوں کی واقفیت کے لیئے میری ہی تعلقہ داری کے زمانے میں رکھی گئی ہی - یہ غار پہاڑوں کے اندر نہایت نفاست سے تراشے گئے ہیں - پہاڑوں کے اندر وسیع مکانات کا تراشنا اُس زمانے میں کیوں کر ہوتا تھا معلوم نہیں مگر اب تو ناممکن ہی - آج ہماری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ کس طرح بنائے ہوں گے - یہ غار صدہا بلکہ ہزار ہا برس پہلے کے بودھ اور جین لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں بعض پانچ ہزار برس پہلے کے کہے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ اُس زمانے کے سنگ تراش پتھر کو کس طرح موم بنا لیتے تھے بعض بعض مکان سہ منزلہ ہیں جن میں وسیع ہال ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ کہیں اندھیرا نہیں - پہاڑ کے باہر سے گمان بھی نہیں ہوتا کہ اِس کے اندر حضرت انسان نے یہ کمال کیا ہی - لمبے لمبے برآمدے اُن میں بیسیوں ستون اور ہزار ہا تصاویر مجسم قدآدم ہیں لیکن سب سڈول اور ایک ہی ناپ کے کیا مجال کہ کوئی ذرا چھوٹا بڑا ہو جائے - پرکار سے ناپ لیجئے تو چانول برابر فرق نہ نکلے - چھجے - کارنسیں کس نفاست سے بنائی گئی ہیں اور اُن میں کیسی کیسی گل کاری اور نقش و نگار بنائے ہیں اور کیسے کیسے آویزے لٹکائے ہیں کہ آج موم سے بھی نہیں بنا سکتے پھر کیا مجال کہ کہیں سے کوئی چیپ اُڑ گئی ہو - آخر چھینی کا کام ہے پتھر پر جب چوٹ پڑتی ہی تو بہت کر کے ٹکڑا نکل جاتا ہی مگر یہاں اس خوبی سے کام کیا ہی کہ گویا پتھر ان کے ہاتھوں میں چکنی مٹی تھا کہ جس شکل میں چاہا ڈھال دیا - ایک سانچہ ہی کہ جس میں ساری عمارت کل مورتیں ڈہال دی ہیں - ان غاروں کی طیاری میں ہزاروں کاریگر صدہا سال لگے رہے ہوں گے اور روپیہ کا تو اندازہ لگانا محال ہی کہ دولت کہاں سے اُمنڈ پڑی تھی یہ سارے مکان اہل ہنود کی پرستش گاہیں ہیں مسلمان جو بت پرستی کے دشمن ہیں اُن کو اس سے کیا تعلق بلکہ جہاں

[۵] - ان غاروں سے ایلورے کا گاؤں قریباً ایک میل کے ہی وہاں بھی حال کا بنا ہوا ایک مندر ہی اور داول شاہ کا چلّہ بھی ہی ۱۲

ان کی دست رس ہوگئی ہے وہیں تصاویر کو نکما کر دیا ہے۔ چھوٹے موٹے غاروں کو چھوڑ کر اس وقت جو سلسلہ دھیڑواڑے سے لے کر اندر سبھا تک گورنمنٹ نے پریزرو (محفوظ) کر رکھا ہے (۳۵) غار ہیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل ہیں۔ جن میں سے مشہور یہ ہیں :-

دھیڑواڑہ[1] (چماروں کا محلہ) ستار[2] (بڑھئی) کی جھوپڑی۔ دوتال[3] (دومنزلہ) تین تال[4]۔ راون[5] کی کھائی[6]۔ دسا اوتاری[7]۔ رنگ محل[8] (کیلاس) چھوٹا رامیشر[9]۔ چھوٹا نیلکنٹھ[10]۔ چھوٹا دھومالا[11]۔ بڑا رامیشر[12]۔ بڑا نیلکنٹھ[13]۔ کمہارواڑہ[14]۔ تیلی کا گھانا[15] (کولھو) جوگیشور[16]۔ بڑا دھومالا[17] (سیتا کی نہانی) چھوٹا کیلاس[18]۔ آدھ ناتھ سبھا[19]۔ جگناتھ سبھا[20]۔ پرس رام سبھا[21] (راج بیٹھک) اندر سبھا[22] پارس ناتھ سبھا[23]۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے رنگ محل۔ اندر سبھا۔ تین تال۔ سُنار کی جھوپڑی۔ زیادہ مشہور ہیں کہ ان کا کام دیکھ کر عقل چکر میں آجاتی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے صرف کیلاس کا مختصر ذکر کرتے ہیں اس سے ناظرین دوسرے غاروں کا اندازہ کرلیں۔ قلم میں یہ طاقت کہاں جو ان عجائب روزگار کا بیان کرسکے۔ ہمارے خیال میں بہزاد و مانی بھی یہ کاریگری دیکھ کر کان پکڑ لیتے اور بے ساختہ کہہ اُٹھتے کہ جائے اُستاد خالی۔

رنگ محل کا صدر دروازہ غرب رویہ دومنزلہ ہے اور ڈیوڑھی لمبی چوڑی ہے۔ دروازے کے سامنے غلام گردش کی دیوار پر ایک بڑا بھاری بُت کھڑا ہے جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے ہاتھی اور ہاتھیوں کی دونوں طرف دیوار پر چوبداروں کی تصویریں ہیں۔ اندر وار بڑے بڑے دو ہاتھی کورو اور پانڈو کی یادگار بنائے گئے ہیں۔ پہاڑ کے بیچوں بیچ دیول ہے۔ دیول اور دروازے کی بالائی منزل ایک سطح میں ہے جس پر پل سا بنا دیا ہے اور اوپر نندی (بیل) بٹھا دیا ہے۔ دیول کے چاروں طرف مکانات تراشے ہوئے ہیں۔ دیول اور ان مکانوں کے درمیان چوڑا راستہ مثل سڑک کے چھوڑا گیا ہے۔ دیول کے شمالی مکانات پڑ لنکا اور جنوبی اُتر لنکا کہلاتے ہیں۔ پڑ لنکا کے وسط میں ایک دو منزلہ مکان بھی ہے۔ اُتر لنکا کے سلسلہ میں چھ دالان اور وسط میں ایک سہ منزلہ مکان ہے جس کی پشت پر ایک دالان اور بھی ہے۔ سہ منزلہ مکان کی درمیانی منزل کا چھجہ اور دیول کے جنوبی برآمدے کا سائبان ایک ہی پتھر میں تراشا

گیا ہے جس پر سے اوپر کی دونوں منزلوں میں آجا سکتے ہیں اب گر جانے سے بدون سیڑھی کے اوپر نہیں چڑھ سکتے۔ دیول کی ساری دیواریں تصاویر اور بتوں سے لپی پڑی ہیں۔ دیول کے باہر شمالی اور جنوبی دیواروں میں رام اور راون اور کورو اور پانڈو کی لڑائیوں کی تصویریں ہیں اور دیوار کی چاروں طرف شیر اور ہاتھیوں کی خوف ناک مورتیں ترشی ہوئی ہیں۔ دیول کی کرسی بہت بلند ہے۔ دیول کے اندر سولہ ستون ہیں۔ یہیں چھوٹے چھوٹے پانچ دیول اور ہیں مگر اُن میں کوئی بت نہیں ہے۔ دیول کی چھت اور ستونوں پر انواع و اقسام کے گل بوٹے بیلیں اور درخت بنے ہوئے ہیں۔ ایک مقام پر شہد کی مکھیوں کا چھتہ اور صدہا مکھیاں بنی ہوئی ہیں جو اب اُڑا ہی چاہتی ہیں۔ کسی جگہ پوجاری مالا جپ رہا ہے اور مالا کے دانے بے جوڑ ہاگے سمیت ترشے ہوئے ہیں کہیں دیو تخت اُڑائے لئے جا رہے ہیں۔ خاص دیول اور نندی کے دیول اور دروازہ کی چھت پر اپسرا کی تصویر ہے اور صدر دروازے کے باہر شمالی جانب بگھی گھوڑا بیل ہاتھی وغیرہ کی تصویریں ہیں۔ غرض ہزار ہا قسم کی تصویریں ہیں جو دنیا کے رات دن کے واقعات بتلاتی ہیں۔ اندر سبھا اور رسنار کی جھوپڑی اگرچہ وسعت میں رنگ محل سے کم ہیں مگر اپنی اپنی جگہ لاجواب ہیں ؏

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

بڑے بڑے سیاح جو دنیا کی قدیم یادگاریں اور مشہور عمارتیں دیکھ کر آتے ہیں یہاں آکر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ ملک دکن میں پہاڑوں میں اس قسم کے مکانات تراشنے کا بڑا دستور تھا چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی ایسے مکانات ہیں مگر ایک دو اور مختصر۔ جس قدر غار دریافت ہوئے ہیں وہ (۳۵) ہیں ابھی اور پہاڑوں کو کس نے ڈھونڈا ہے خدا جانے اور کتنے مکانات ابھی معرض خفا میں ہیں۔ غار ہائے ایلورا کے متعلق سید محمد عسکری صاحب نے جو سید محمد کاظم حبیب کنتوری کے برادر کہیں تھے خلد آباد کے ساقی نامے میں ایلورے کے متعلق بھی کچھ اشعار کہے ہیں ناظرین کی تفریح طبع کے لئے وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

کروں گا میں پہلے ایلورے کی سیر ۔۔۔ کہ مملو بتوں سے ہے یہ سارا دیر
ہزاروں برس کی ہیں یہ مورتیں ۔۔۔ مگر ہیں عجب خوش نما صورتیں

جو ہی سامنے کوہ گردوں وقار — اسی کے تلے ہیں ایلورے کے غار
نہیں غار ہی نام یہہ مستعار — عجائب غرایب ہیں نقش و نگار
کہیں بیل بوٹے کہیں نقش ہیں — کہ حیرت فزا اور فرح بخش ہیں
وہ خارا تراشان ملک تلنگ — بنا جن کے ہاتھوں ہیں قرطاس سنگ
مرقع بنایا عجب بے نظیر — کہ حیرت میں ہیں سارے برنا و پیر
جو آتے ہیں سیاح روم و فرنگ — وہ سب دیکھ کر اُن کو ہوتے ہیں دنگ
تراشے وہ پتھر میں نقش و نگار — کہ حیران ہی عقل ہر سادہ کار
بنایا عجب طرح کا بت کدہ — جسے دیکھ کر سب ہیں حیرت زدہ
برابر مکانوں کی ہی اک قطار — کہ جن میں نفضا و یہ ہیں بے شمار
قرینے سے ہیں سب بلند اور پست — کہیں شیر غراں کہیں فیل مست
چکارے کہیں اور کہیں ہیں ہرن — کہیں ریچھ و بندر کہیں مرد و زن
غضب کے تھے صناع خارا تراش — پہاڑوں میں کی یہ تراش و خراش
دکھائی ہیں کیا صنعتیں بے بہا — بنائی ہی اک سمت اندر سبھا
ہی کاریگری اس میں بے حد و حصر — تراشا ہی واں تخت و پہیم و چتر
بنایا ہی پریوں کا جھرمٹ کہیں — انیلی حسیں چلبلی نازنیں
جوانی کے عالم میں البیلیاں — کرے ایک سے ایک اٹکھیلیاں
ہیں پریاں کہیں اور کہیں دیو ہیں — کہیں ارجن و بھیم اور گیو ہیں
بنایا ہی سارا حشم اور خدم — وہ اقبال گرداں مست و دژم
کہیں کرنا اور کہیں گاؤ دم — کہیں طبل و طاس اور رو ئینہ خم
وہ خاصے کے گھوڑے وہ ساز و یراق — وہ زین اور پاکھر سے چوبند و چاق
وہ دم سم وہ کان اور کنوتی کی شان — مہیا ہی جولاں گری بے گمان
کفل اور سینے وہ ابھرے ہوئے — کہیں زین کے دامن اٹھے ہوئے
کوئی اُن میں کوتل کسی پر سوار — کہیں ایک دو اور کسی جا قطار

سواروں کے منہ پر چھلم سر پہ خود لئے ہاتھ میں گرز و بان و عمود

ہی چلّے میں جوڑے ہوئے کوئی تیر مخالف کو کرتا ہی کوئی اسیر

کوئی پھینکتا ہی کسی پر کمند تبرزیں سے ہی کاٹتا کوئی بند

ہی باندھے ہوئے کوئی تیغ و سپر کوئی گرز و گوپال ورمح و تبر

جواں ہی کوئی اور کوئی پیر ہی ہی خوش کوئی اور کوئی دلگیر ہی

دکھایا ہی نقش شبستاں کہیں تراشا ہی سرو چراغاں کہیں

کوئی جاپ کرتا ہی مالا لئے کوئی ہی کھڑا مرگ چھالا لئے

کہیں ہیں فقیر اور کہیں ہیں امیر کہیں پہلواں ہیں کہیں گوشہ گیر

کوئی دے رہا ہی کسی کو شراب بجاتا ہی مردنگ کوئی رباب

ہی رقصاں کوئی اور گاتا کوئی ہی سارنگ و طبلہ بجاتا کوئی

بہن اور بھائی کا ایک ماجرا دکھایا ہی تصویر میں برملا

کہ بے وجہ بھائی نے ماری جو لات تو بس سڑ گیا پاؤں دیکھو یہ بات

پڑا ہی وہ ناچار اور شرمسار وہ ہمشیر ہی اس کی تیماردار

اسی طرح زانی کا ہی واقعہ کہ ضم ہو گئے زانی و مزنیہ

کہیں سانپ ہی پھن کو کھولے ہوئے ہیں بچھو کہیں نیش تولے ہوئے

کہیں گاؤ ہی اور کہیں گاؤ میش وہیں اُن کے بچے بھی ہیں گرد و پیش

ہیں بیٹھے درختوں پر جس جا پرند بنائے ہیں کیا خوش نما چوڑ بند

کوئی اپنی منقار کھولے ہوئے ہی اُڑنے کو پر کوئی تولے ہوئے

بعینہٖ کسی جا پہ رقصاں ہی مور پپیہا کہیں اور کہیں ہی چکور

وہ اس طرح کندھوں کو ہیں تولتے جو دیکھے وہ سمجھے کہ ہیں بولتے

وہ یا بولتے بولتے سو گئے کہ پتھر کے سب دفعتہً ہو گئے

دیا راجہ اندر نے کی یہ دعا کہ پتھرا گئی یہ سبھا کی سبھا

مگر خود ہی راجہ اسی حال میں پھنسا کس طرح آ کے جنجال میں

طلسمات کا ہے بنایا ہی دہر
عدیل اب کرو چل کے روضہ کی سیر

رانی اہلیا بائی کا مندر اور کنڈ رانی اہلیا بائی نے اندور میں ۱۷۶۵-۹۵ء تک سلطنت کی ہی۔ اُنھوں نے ایلورے میں ایک مندر اور کنڈ بنوایا ہی۔ کنڈ مربع ہی جس کے چاروں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جس کے اطراف چودہ فیٹ بلند احاطہ ہی اس کنڈ کے مشرق میں گرستنا سوامی کا مندر ہی جس کا چبوترہ ۴۸ × ۶۱ فیٹ ہی اور سبھا منڈپ اندرو ار سے ۲۵½ فیٹ مربع ہی جس کے تین طرف برآمدے نکلے ہوئے ہیں۔ ہال کے تینوں طرف پردے کی دیوار کھنچی ہوئی ہی جس میں آٹھ ستون ہیں اور چار ستون دیواروں میں ہیں اور اندر بھی چبوترے پر چار ستون ہیں اس طرح جملہ سولھا ستون ہیں۔ برآمدوں میں بھی دو دو ستون ہیں۔ ستونوں پر نقش و نگار اور مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ ڈیوڑھی ۱۰ فٹ - ۳½ × ۲ فٹ - ۹½ میں بنی ہوئی ہی جس کا دروازہ ۱۲ فٹ - ½ مربع ہی۔ درمیان میں ایک نہایت عمدہ چکنے سنگ سیاہ کا لنگ ہی جو منڈپ سے ڈہائی فیٹ نیچے ہی۔ مندر کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے طاق چراغوں کے واسطے بنے ہوئے ہیں لیکن پچھواڑے کی دیواروں میں بڑے بڑے طاق مورتیں بٹھانے کے ہیں اور یہیں مندر کے اندر جانے کا دروازہ بھی ہی۔ مندر کے اطراف ایک چبوترہ ۲½ اونچا اور چار فیٹ چوڑا ہی۔ دیواروں پر جا بجا عمدہ نقش و نگار ہیں۔ پچھلا کمرہ دو منزلہ ہی بیچ کے کمرہ میں ایک طاق میں ایک سوار کی تصویر بہت عمدہ بنائی گئی ہی۔ اس مندر کی عمارت جدید زمانے کی سنگ سرخ کی بہت خوش نما بنائی گئی ہی اور ہر اعتبار سے قابل دید ہی۔

سونا باوٗلی۔ حضرت منتجب الدین صاحب کی درگاہ کے میدان شرقی میں سونا باوٗلی ہی اور اُسی کے قریب نظام شاہیوں کے (۵) گنبد اور دو چبوترے ہیں۔ اِن گنبدوں میں ایک دولت خاں ناظر کا بھی ہی جس نے حضرت جلال الدین گنج رواں کی درگاہ کے باہر مسجد بنوائی ہی۔ سونا بائی ایک ہندو رئیس کی لڑکی تھی جو حضرت منتجب الدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی اسی کی بنائی ہوئی یہ باوٗلی ہی۔ اس کی تین بہنیں اور تھیں باولہ بائی۔ ڈاک بائی۔ کوٹھا بائی۔

ان سبھوں نے بھی خلد آباد میں ایک ایک باؤلی بنوائی تھی۔ جن میں سونا باؤلی سب سے زیادہ عمیق ہے اور ڈاک باؤلی عریض و طویل ہے لیکن سونا بائی جیسی باؤلی نہیں ہے یعنی سوتا نہیں ہے۔ بارش کا پانی مُنڈی ٹیکری وغیرہ سے بہہ کر جمع ہوتا ہے۔ باقی تینوں باولیوں سے زراعت ہوتی ہے۔

موتی چوک سونا بائی کے جنوب و شرق میں جو گنبد ہیں اور وہاں جو چبوترہ ہے وہ موتی چوک کہلاتا ہے اس چبوترے کے علاوہ اور بھی چار چبوترے موتی چوک کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک چبوترہ جو منتجب الدین صاحب کی درگاہ میں ہے اُس پر چشتیہ اور قادریہ خاندان کے لوگ بانوا اور باقید کہلاتے ہیں بیٹھتے ہیں اور آنکس خاں کے گنبد کے سامنے دو چبوترے ہیں جن پر حضرات جلالی اور رفاعی اور پیر بدر الدین صاحب کی نولکھی بیٹھتے ہیں۔ مسجد سے ہوڑے کے دامن کی کمان تک چوتھا چبوترا ہے جس پر اہل طبقات کے فقرا ٹھیرتے ہیں۔ اہل طبقات حضرت بدیع الدین صاحب زندہ شاہ مدار اور جلالی حضرت جلال الدین صاحب بخاری اور رفاعی حضرت سید احمد کبیر صاحب کے سلسلہ سے کہلاتے ہیں۔ اہل طبقات سے گُل حسین شاہ صاحب سر بہ مُہر بہت بڑے بزرگ اورنگ زیب کے عہد میں گزرے ہیں جن کا مزار پانگرے دروازہ کے باہر بیدر باؤلی کے قریب ہے۔ موتی چوک پر ٹھیرنے والے فقرا کو عرس میں کچھ نقدی ملا کرتی ہے جس کو اُن کی اصطلاح میں "ذرّہ" کہتے ہیں۔

گنبد آنکس خاں سید رساں صاحب کے مزار کے گوشہ غرب و جنوب میں آنکس خاں برادر رضاعی طاہر خاں کا گنبد ہے جو خاندان سلاطین نظام شاہیہ کا ایک ممبر تھا۔ جس کے دروازہ پر یہ کتبہ ہے:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خان عالیشان رفیع القدر و المکان آخوند میر آنکس خان سخی ابن سخی آنکس خان - یہ گنبد بالکل شکستہ حالت میں ہے۔

حضرت منتجب الدین کی کمان ابن صفا تعلقہ دار کا آب دار خانہ آنکس خاں کے گنبد سے

خلد آباد کی بستی کی طرف ایک کمان ہے جو منتجب الدین صاحب کی کمان کہلاتی ہے کمان سے ملی ہوئی دو درجہ کی عمارت ہے جس کا پچھلا درجہ ملک عنبر کا بنایا ہوا ہے اور اگلا سائبان ابنّ صاحب تعلقہ دار کا۔ یہ عمارت ابنّ صاحب کے آبدار خانے کے نام سے مشہور ہے یہاں ایک کمان دو پہاڑیوں کے بیچ میں بنی ہوئی ہے۔

ہوڑا اور منڈی ٹیکڑی پچھم کی ٹیکڑی ہوڑا اور مشرق کی منڈی ٹیکڑی کہلاتی ہے۔ اوڑھا مرہٹی میں نالے کو کہتے ہیں پہاڑی کے نیچے نالہ بہتا ہے اس سے اوڑھا نام پڑا جو کثرت استعمال سے ہوڑا ہوگیا۔ منڈی ٹیکڑی اس واسطے کہتے ہیں کہ سوائے ایک چھوٹے سے املی کے درخت کے اور کوئی روئیدگی نہیں۔ ہوڑے کی پہاڑی پر بھی کچھ قبریں حضرت منتجب الدین کا چلہ اور ایک مسجد ہے۔ مسجد تو گر گئی صرف چار دیواری باقی ہے۔

عیدگاہ خواجہ حسین و خواجہ عنبر صاحبوں کی درگاہ کے پاس ایک وسیع عیدگاہ ہے جس میں ہزاروں آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

دو تالاب درگاہ کے مشرق میں دو تالاب ہیں۔ پانگرہ تالاب تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے چوتھی سمت میں پختہ دیوار ہے اور یہیں ایک دوسرا تالاب ہوڈری تالاب کہلاتا ہے جو بالکل معمولی ہے ذرا سی نشیب زمین میں بارش کا پانی جمع ہوجاتا ہے۔

لال شاہ میاں کا حجرہ پانگرے تالاب کے شکم میں لال شاہ میاں کا حجرہ ہے۔ آپ مجذوب فقیر تھے حال میں انتقال کیا ہے۔ اس کا پانی بہت شیریں ہے اور بستی والے کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

کریم الدین صاحب کی مسجد سنہ ۷۶۰ھ حضرت برہان الدین غریب کی درگاہ میں ہے اس پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے :-

السُّلْطَانُ الْأَعْظَمُ الْمُعَظَّمُ عَلَاءُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اَحْمَدُ شَاہِ بِنْ اَحْمَدُ شَاہِ الْوَالِی الْبَهْمَنِی
بنائے مسجد جامع نزدیک حضرت روضتیں متبرکتین نذر کردہ بودند در اثنار آن از دار فنا بدار بقا رحلت کردند .... بحکم .... بندۂ درگاہ .... سلطانی تاریخ غرہ، ۵ جمادی الاخریٰ ... اثنین ستین و سبعمائۃ مسجد .... گردید

یہیں خانقاہ میں خواجہ محمد لشکری کی قبر ہے۔

اکبری مسجد ۱۰۰۷ھ یہ مسجد خلد آباد کی تمام مسجدوں میں بڑی اور خوب صورت ہے۔ اس فرش سنگ سیاہ کی مربع سلوں کا ہے۔ دو درجے اور پانچ کمانیں ہیں۔ یہ مسجد دُہری ہے۔ یعنی نیچے بھی دو درجے بنے ہوئے ہیں اور کئی حجرے بھی ہیں۔ بیچ کی محراب پر یہ کتبہ ہے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَکَفٰی وَاعِظًا بِالْمَوْتِ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۱۰۰۷ھ

خانقاہ و نقار خانہ ۱۲۲۰ھ یہیں بارہ کمانوں کی ایک خانقاہ اور نقار خانہ ہے نقار خانے پر یہ کتبہ ہے:-

زلطف شاہ شاہ زین الدین حقانی　　　آسیہ خانم بہ نسبت در خواجگانی
دریں خانقاہ آل ختم رسل　　　ایں نقار خانہ بنا ساخت مانی
ز ہجرت ہزار و دو صد و بست بود　　　بتولیت شیخ ابوالخیر فلانی

نقار خانے کے پاس بہت سی قبریں ہیں جس میں سید منصور صاحب صوبہ دار بنگالہ اور اُن کی بیگم کی قبر ہے۔ سکندر یار جنگ کی قبر پر "عاقبت خانہ نواب سکندر یار جنگ بہادر بہ تاریخ پنجم ماہ رمضان المبارک ۱۲۶۳ھ" کندہ ہے۔ یہاں ایک آم کا درخت بھی ہے۔ احاطہ کی حد شرقی پر ایک تہرا دالان ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔

شاہ زین الدین چراغ چشتیاں　　　مرقد پاکش غریق نوریاں
در حریم روضۂ آن پاک دیں　　　کرد عالی خانقہ معمور داں
شاہ منصور آنکہ با خلق متیں　　　نام نیکش در جہاں مشہور داں
بر سریر عیش و عشرت تا ابد　　　بر مراد دوستاں معمور داں
چشم از پیر خرد تاریخ جست　　　لے . . . .

درگاہ کے جنوبی احاطہ میں سہ درہ اور گنبد ہے۔ ایک چار دیواری کے اندر سلاطین فاروقیہ

لے - یہ مصرعہ مٹ گیا ہے - ۱۲

برہان پوری اور خدام درگاہ کی قبریں ہیں۔ یہاں ایک درخت نیم کا اور ایک بڑ کا ہے۔ تحویل دار صاحب کی مسجد اور قاضی کا حوض ہے۔ یہاں سے آٹھ دس قدم کے فاصلے پر سیدانی بی صاحب کے مزار کا چبوترہ ہے۔

کالی مسجد دیول توڑ کر بنائی گئی ہے۔ یہاں کے دیول اکثر سب قبلہ رُخ ہیں اس وجہ سے مسلمانوں کو اُن کے مسجد بنانے میں کسی قسم کی وقت نہ تھی۔ مسجد کا صحن وسیع ہے مگر چار دیواری نہ ہونے سے محفوظ نہیں ہے۔
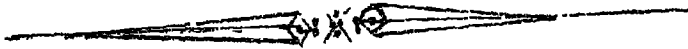
اولیاے کرام و دیگر مشاہیر عظام

حضرت شیخ منتجب الدین قدس سرہ ۶۷۵ھ

آپ کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ سے اور شجرہ مشیخت اکیس واسطوں سے رسول اکرم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمود کے چار بیٹے۔ برہان الدین۔ منتجب الدین۔ عزیز قتال۔ ابو الفتح اور پانچ لڑکیاں بی خدیجہ بی عائشہ۔ بی مریم۔ بی آمنہ۔ بی حمیدہ تھیں۔ عزیز قتال کے سوا سب خلد آباد میں آسودہ ہیں۔ آپ ۶۷۵ھ میں بی بی ہاجرہ کے بطن سے تولد ہوئے۔ آپ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے اسبق خلفا اور مشاہیر اہل دکن سے ہیں۔ میر غلام علی صاحب آزاد بلگرامی نے صاحب معراج الولایت سے لکھا ہے کہ آپ فرید گنج شکر کے مرید اور اکبر اولاد تھے۔ چنانچہ آپ کی مدح میں اشعار ذیل لکھے ہیں ؎

منتجب شیخ زر زری زر بخش | گو شفیق کلاں بود بشمار
از مریدان خواجہ گنج شکر | کرد اول بدیو گیر قرار
خلعت زر ز غیب می آید | در صباح و رواح دلیل و نہار
شد ازاں نام زر زری زر بخش | می نمودش برائے خیر نثار
رخت زیں تنگ نائے چوں بربست | بجز اسید سوئے دار قرار
خواجہ برہان سوئے دکن آمد | زندہ زو گشت سنت و آثار

شو خموش از ثنائے او عبدی
کہ تواں کرد وصف او تکرار

لیکن دیگر کتب مستند و روایات معتبر سے آپ کا برہان الدین اولیا سے چھوٹا ہونا اور حضرت محبوب الٰہی کا مرید ہونا متیقن ہے۔ آپ کی ریاضت اور مجاہدہ ملاحظہ فرما کر تمام خلفاء

...سے پہلے خلافت نامہ مصلّیٰ اور عصا اور خلعت سے سرفراز فرما کر خلائق کے ارشاد کے لئے ایک جماعت کثیر کے ساتھ دکن روانہ کیا۔ دہلی سے چلتے وقت آپ اپنے ساتھ جماعت کثیر دیکھ کر متردد ہوئے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کی کہ مجھ میں اتنی استطاعت کہاں کہ ان سب کا متکفل ہوسکوں آپ نے مراقبہ کر کے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سب کا خرچ نماز تہجد کے وقت تم کو ملا کرے گا۔ چنانچہ آپ کو ہر رات بعد نماز تہجد ایک ڈبہ پُر از زر ملتا تھا آپ اسی سے سب کا خرچ چلاتے تھے اور اسی سبب سے آپ زرزری زر بخش مشہور ہیں ؎

آں جواں مردیکہ در راہ خدا — زر بہ محتاجاں رساند زر زریست

آپ دہلی سے چل کر مختلف مقامات پر ٹھیرتے ہوئے اس مقام پر پہونچے تو نفس کشی اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے لئے یہی ٹیکڑی پسند آئی اُس وقت سوائے سونا باؤلی کے یہاں کچھ نہ تھا اور آپ کی زندگی تک سوائے مسجد چہاردہ صد اولیاء کے جس میں آپ پنج گانہ نماز پڑھتے تھے اور کوئی عمارت نہیں بنی تھی۔ آپ کا طرز معیشت درویشانہ تھا صرف چلہ کشی کا مقام محفوظ تھا۔ جو درگاہ کے جنوب میں ہوڑے کی پہاڑی کے اندر ایک غار ہے اوپر سے گنبد نما جس میں دو چار آدمی بافراغت رہ سکتے ہیں۔ شمال کی طرف ایک چھوٹا سا دروازہ بھی پتھر کا لگا ہوا ہے۔ آپ کا وصال ۷ ربیع الاول ۷۰۹ھ جمعرات کے روز (۳۴) سال کی عمر میں ہوا مادۂ تاریخ "شہنشاہ اولیا" ہے۔ آپ کی درگاہ کے دو احاطے ہیں۔ چھوٹے احاطے میں آپ کا گنبد ہے۔ آپ کے پہلو میں خواجہ محمد صاحب آسودہ ہیں جو آپ کے یار غار پیر بھائی اور آپ کے دوستِ صادق اور محبِ واثق تھے۔ آپ کے وصال کے دن جذبۂ محبت اور صدمۂ مفارقت سے زار و قطار روتے اور یہ شعر بار بار پڑھتے تھے:۔

از یار غار ماندن تنہا بہ غار اولیٰ — بے یار زندہ بودن مردن ہزار اولیٰ

یہ شعر پڑھتے پڑھتے آپ قبر پر گر پڑے اور اپنے دوستِ جانی سے جا ملے۔

کتبہ بر بالین مزار حضرت منتجب الدین

برہان شرع حجت حق مقتدائے دیں — قطب المدار غوث زماں شیخ اتقیا ست

ہم صاحب و مقرب درگاہ کبریاست | ہم رہبر مشائخ و ہم ختم اولیاست
امروز دست شیخی او برتر از ہمہ | ایندم بساط مجلس او حدّ نادلی است
بودہ دریں جہاں ہمہ را التجا بدو | ایندم پناہ و ملجا ارواح اصفیاست
بوداست شاد خاطر ما در لقائے او | امروز قدسیاں را شادی ازاں لقاست
بر اولیائے حق نبود مرگ شیخ ما | زندہ است لیک پردہ اندر میان ماست
بیند کسیکہ دیدۂ روح آور دیدست | دارد حیات خوب چنیں دیدہ ہر کراست
او بُد پناہ عالمیاں بعد ازیں ہم | در روضۂ مقدس او کاں پناہ ماست

گنبد کے اندر چند قدیم زمانے کے قلمی اور مطلا بڑی تقطیع کے نہایت خوش خط کلام مجید اور ایک تاناشاہ کا فولادی آئینہ ہے۔ آپ کی قبر پر ہمیشہ تین غلاف رہتے ہیں۔ نیچے کا غلاف سفید ململ کا عطریات اور بخورات سے معطر اور درمیانی غلاف نین سکھ کا اور اوپر کا غلاف نہایت قیمتی کمخواب کا ہوتا ہے۔ صحن میں سنگ سیلو اور سنگ موسیٰ کا فرش ہے۔ آپ کی شرقی دیوار کے نیچے آپ کے بھانجے شمس الدین صاحب اور غربی دیوار سے ملی ہوئی دوسرے بھانجے کی قبر ہے۔ گنبد کے مغربی رُخ سے ذرا ہٹی ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ اور حضرت کے ماموں خواجہ سراج الدین کا گنبد ہے جس کی پشت پر کھرنی اور مولسری کا درخت ہے۔ دونوں گنبدوں کے درمیان بہت سی قبریں ہیں یہیں سونا بائی کی قبر بھی ہے جو ایک برہمن متمول آدمی کی لڑکی تھی اور جو حضرت منتجب الدین کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی۔ شرقی دیوار میں ایک دروازہ جسے "درچاک" کہتے ہیں آمد و رفت کے لئے ہے۔ غرب میں مسجد اور جنوب میں ایک دالان ہے جس میں ایک حجرہ بھی ہے۔ اس دالان کے ایک ستون پر یَا اَللّٰہُ الْمَحْمُوْدُ فِیْ کُلِّ اَفْعَالِ یَا اللّٰہُ - کندہ ہے۔ اس دالان میں پتھر کے تین چھوٹے چھوٹے جھولے لٹک رہے ہیں جن میں سے ایک پر نادعلی کندہ ہے۔ سنگ تراش نے اچھی صناعی دکھائی ہے اس دالان کی چھت پر گنبد بھی ہے۔ اور پچھلی دیوار میں دروازہ ہے جو ایام عرس میں کھلتا ہے۔ احاطہ کے گوشۂ شمال و مشرق میں زینہ ہے۔ احاطے کے شرقی اور جنوبی دو حصے ہیں حصۂ شرقی ۶۰×۳۰ قدم ہے جس کے چاروں طرف دالان ہیں۔ شمالی دیوار کے دروازہ کے باہر حضرت کے

اُستاد سید کبیر صاحب کی قبر ہی- جنوبی حصہ ۵۰×۴۰ قدم ہی جس کے سامنے چبوترہ اور سیڑھیاں اور دونوں طرف پانچ کمانیں اور صحن میں چند قبریں ہیں-

سرہانے کی باؤلی سید صاحب کی قبر کے پورب میں ایک باؤلی اس نام سے مشہور ہی یہیں لب سڑک حضرت فخر الدین و صدر الدین بھکری کی قبریں ہیں-

شرقی دالان یہاں کا شرقی دالان احمد علی خاں صاحب کا تعمیر کرایا ہوا ہی جس پر یہ کتبے ہیں ؎

بدرگاہ منور زر زری بخش | بنا فرمود قصد احمد علی خاں
خراج از فکر عالی یافت سالش | مقام عرش نمائے پاک یا زلہا

سنہ ۱۲۷۲ھ

ہوئی تعمیر اس مکاں کی جب | اک سعادت عجب حصول ہوئی
کہی تاریخ اس کی ہاتف نے | نذر احمد علی قبول ہوئی

سنہ ۱۲۷۲ھ

نقار خانہ نقار خانے کا دروازہ بہت عالی شان ہی جس پر وَّ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا کندہ ہی- اس دروازے کے باہر ایک ویران مسجد ہی جس میں مسافر وغیرہ ایام عرس میں ٹھیر جاتے ہیں-

تین تین چشمہ کے دالان سنہ ۱۱۲۰ھ دروازہ ورچاک سے اُترتے ہوئے سہ درہ اور اس کے نیچے سیڑھیاں ہیں- سہ درے پر چھوٹا سا گنبد ہی- سہ درے کے شمال و جنوب تین تین چشموں کے دالان اور حجرے ہیں- شمالی دالان میں تین کتبے ہیں ؎

(۱) بدرگاہ منور زر زری بخش | بنا ہستند اسعد چند ایوان
شکستہ بود زاں ایوان یک ایں | مرتب کرد سلطان خاں دل و جان
میاں ساہوکاراں بود مشہور | در سخاوت نیست ہمتا و دیگراں
چو تاریخ مرتب انیست بشنو | سنہ الف و مائۃ عشرین و سہ داں

مسجد واقع اندرون درگاہ ۱۱۷۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۲)
کہ تاریخ بنائے مسجد او — ز دریائے حدیث قدس اللہ
ز ہجرت یکہزار و یکصد و ہفتاد و یک سال — مرتب شد بنائے مسجد شاہ

دیانت خاں مرید منتجب شاہ . . . .

(۳)
دیانت خاں مرید منتجب شاہ — مددگارش خدا و ہم رسول اللہ
مددگارش ہمہ پیران عالم — دگر آں شیر مردان علی شاہ
بنا کرد مسجدے در روضۂ شاہ — مزیدش باد عمر و دولت و جاہ
کہ تاریخ بنائے مسجد او — ز دریائے حدیث قدس اللہ
چو بندہ جستہ تاریخ بنائش — چنیں دانند ہمہ مردان درگاہ
بروز جمعہ سابع عشر رمضاں — مبارک بود روز و سال و ہم ماہ
ز ہجرت یکہزار و یکصد و ہفتاد و یک سال — مرتب شد بنائے مسجد شاہ

اشعار ناموزوں اور جابجا سے حروف جھڑ گئے ہیں۔ جتنا پڑھا جاسکا بجنسہ نقل کردیا۔ آخر کے دو قطعے منتجب الدین صاحب کی مسجد کے متعلق ہیں جو اندروائے احاطے میں ہے۔ دیانت خاں حضرت کے مرید نہیں ہوسکتے کہ آپ کے وصال کے دو سو باسٹھ سال بعد یہ مسجد بنوائی ہے۔ مرید کے معنی یہاں معتقد کے ہیں۔

دولت شاہ درباری درچاک کے جنوبی دالان کے درجۂ اسفل میں دولت شاہ درباری اور اُن کے دونوں بھائیوں کے مزار ہیں۔ دولت شاہ چار بھائی تھے۔ دولت شاہ بھیکا بھکاری شاہ۔ رکن کرتاری شاہ جن کا مزار دولت آباد میں ہے۔ چوتھے کا نام معلوم نہیں۔ دولت شاہ کا عرس ۱۰ شعبان کو ہوتا ہے۔

عرس شریف حضرت منتجب الدین صاحب کا عرس شریف ۴ ربیع الاول سے ۸ رمضان تک بڑی دھوم دھام تزک و احتشام سے ہوتا ہے۔

غریب حضرت فرید الدین ادیب ۷۳۸ھ آپ برہان الدین اولیاء کے مشہور مریدہیں

برابر پچاس سال ذاکر و شاغل رہے۔ چوں کہ شیخ سے تیرہ دن اول انتقال ہوا لہٰذا زیادہ شہرت نہیں پائی۔ لیکن آپ کے علو مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ برہان الدین صاحب اولیاء فرماتے تھے کہ ای فرید تیرا خط اُستاد کے خط کے برابر ہو گیا اگر بروز قیامت مجھ سے پوچھا جائے گا تو ہماری درگاہ میں کیا لایا تو میں عرض کروں گا کہ فرید کو لایا ہوں۔ جو نعمت ظاہری و باطنی کہ میں رکھتا ہوں سب میں نے تجھے دی۔ آپ اپنے مرشد کے از بس شیدا تھے چنانچہ حضرت برہان الدین فرماتے تھے زَادَ اللّٰہُ اِعْتِقَادَکَ وَمُحَبَّتَکَ وَیَقِیْنَکَ پندرہ سال کی عمر سے آپ اس کوچہ میں آئے۔ مرشد کامل کی تلاش تھی ایک دن اپنے ماموں کے ساتھ مجلس سماع میں آئے وہیں برہان الدین اولیاء سے دست بوس ہوئے مُعًا دل نے کہا کہ اگر شیخ کامل ہوں گے تو ان کی توجہ سے دنیا کی محبت دُھل جائے گی اور میری غذا بھی کم ہو جائے گی۔ خود فرید الدین صاحب کا قول ہے کہ دنیا کی محبت اُسی وقت سے کم ہونے لگی اور دنیاوی شان و شوکت میری نظر میں ہیچ معلوم ہونے لگی۔ گھر پہنچ سر کے بال منڈوائے۔ خوراک میں اس قدر کمی ہوئی کہ ایک روٹی بہ مشکل کھاتے تھے اٹھارہ سال کی عمر میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ چوں کہ پہلے ہی مرتاض تھے جب مرید ہوئے برہان الدین صاحب نے فرمایا کہ آج یہہ جوان میرے سامنے اس طرح آیا جیسے کہ کوئی سی سالہ مرید اپنے مرشد کے پاس آتا ہے۔ برہان الدین صاحب کی تعلیم و تلقین نے فرید الدین کو انتہائے کمال پر پونہچا دیا۔ خواجہ مبارک غوری آپ کے پیر بھائی کہتے تھے کہ فرید الدین جب نماز پڑھتے تھے تو گردن کی ہر رگ سے کلمہ لا الہ الا اللہ نکلتا تھا اور جب ذکر کرتے اور دل پر توجہ دیتے تو زبان سے ایک بار ذکر کرتے تو دل سو بار ذکر کرتا۔

نقل ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آکر عرض کی کہ میرا لڑکا بیمار ہے آپ دعا کیجیے آپ نے کچھ جواب نہ دیا دوبارہ سُن کر بھی خاموش رہے اُس کے چلے جانے کے بعد خادم نے پوچھا کہ حضور کے خاموش رہنے میں کیا مصلحت تھی آپ نے فرمایا کہ میں اُس غریب سے کیا کہتا لڑکے کی عمر پوری ہو چکی تھی چنانچہ دوسرے دن وہ لڑکا مر گیا۔ قاضی فرید الدین سے منقول ہے کہ میں ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ زار و قطار رو رہے ہیں۔

جب ذرا سکون ہوا میں نے سبب گریہ وبکا کا پوچھا آپ نے فرمایا کہ شیخ کا ارشاد ہوا ہی کہ میری وفات کے بعد تو میری جگہ بیٹھ۔ بھلا یہہ بات میرا دل کس طرح گوارا کرے گا۔ اس لئے میں نے درگاہ باری تعالیٰ عزّاسمہٗ میں التجا کی ہی کہ ای پروردگار تو مجھے شیخ سے پہلے ہی اُٹھالے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شیخ سے تیرہ دن پہلے ۲۹ محرم ۱۰۳۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ چوں کہ آپ اپنے مرشد کا حد سے زیادہ ادب کرتے لہذا "ادیب" کے نام سے مشہور ہوئے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم گشت از فضل رب

وقت وفات آپ بالکل ساکت وصامت تھے ایک شخص پاس بیٹھا ہوا بہ آواز بلند کلمہ پڑھنے لگا اور یہہ نہ سمجھا کہ عاشقانِ خدا کی یاد سے کسی وقت خالی نہیں رہتے ؎

میان عاشق ومعشوق رمز یست — کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا کہ کیا تو نے سمجھا کہ میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہوں اور یا کریم کہہ کر جان دی ؎

چنیں واجب کند در عشق مردن — بجاناں جاں چنیں باید سپردن

آپ کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اُس سے کہہ رہا ہی کہ "فرید ہمارا دوست تھا ہم نے اُسے وہاں نہیں چھوڑا کیوں کہ وہ وہاں کے لائق نہ تھا"

حضرت فخر الدین پروردہ کاملین حضرت فخر الدین آپ بھی برہان الدین اولیاء کے مرید تھے۔ خلفاء میں آپ کی آن بان ہی کچھ اور تھی کہ مرشد کی حیات میں آپ کو مرید کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ آپ امرائے سلطنت اور ملازم شاہی تھے اور شمس الملک خطاب تھا گو بہ ظاہر امیرانہ لباس تھا لیکن بڑے عابد وزاہد تھے ؎

مرد اہل طریقت لباس ظاہر نیست — کمر بخدمت سلطاں ببند و صوفی باش

بادشاہ کی طلب پر جب دولت آباد سے دہلی جانے لگے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کو اجازت پیری مریدی کی ملی۔ آپ نے عرض کی کہ میں سگ دنیا ہوں اگر اجازت ہو تو شاہی تعلقات چھوڑ کر آپ کے قدموں میں پڑا رہوں آپ نے فرمایا کہ ابھی تم کو بہت کچھ دیکھنا ہی۔ آپ دہلی چلے آئے اور مدتوں اپنی خدمت پر رہے۔ حضرت برہان الدین نے

آپ کو ایک خط لکھا جس کے ناصیہ پر یہ اشعار آبدار تھے ؎

اے دوست بہ نالیدن کاشانہ رہا کن ہشیار شوی غالب مستانہ رہا کن
چوں دوست برائے تو در کعبہ کشاد است این رفتن بیہودہ بہ بت خانہ رہا کن
تو باز سپیدی کہ بود دست ملوکاں زاغ روسیہ را سر ویرانہ رہا کن

چوں کہ ان اشعار میں زیارت حرمین شریفین کی طرف اشارہ تھا فوراً ادائے فریضۂ حج سے فارغ ہو کر دہلی واپس آ گئے۔ اس عرصہ میں برہان الدین اولیاء نے جامۂ خلافت اور نامۂ اجازت دولت آباد سے بھیجا لیکن فخر الدین صاحب کو یہ دونوں چیزیں اُس وقت پہنچیں کہ یہاں حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ نقل ہے کہ آپ جامہ پہنتے جاتے تھے اور اجازت نامہ پڑھ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں فرماتے تھے کہ وای برحال ما کہ ساری عمر دنیا کے بکھیڑوں میں گزری خدا جانے میرا انجام کیا ہو۔ آہ شب ہجراں کیسے تمام ہوگی اور صبح وصال کب ہوگی! آپ بادل دردناک دربار میں گئے۔ وقت آچکا تھا جیسے ہی بادشاہ سے نظر دوچار ہوئی ارشاد ہوا کہ تم سے اب کام نہیں ہو سکتا اور دربار سے رخصت کر دیا۔ اور جائداد و املاک سب ضبط کر لی۔ جب فخر الدین گھر واپس آئے تو سوائے ایک لونڈی کے کچھ سامان نہ پایا شکر حق بجا لائے اور لونڈی کو بھی آزاد کر دیا۔ ایک گھوڑا سواری کا رہ گیا تھا اُسے بھی کسی فقیر کو دے دیا ؎

بخت بیدار من امروز زالطاف خدائے یافت آں روز کہ اندر دل شبہا می خواست

خاصانِ خدا اور مقربانِ بارگاہ الٰہی ہی کچھ اس نعمت کا اندازہ کر سکتے ہیں گویا آپ نے قید دنیا سے رہائی پائی۔ مکروہات سے نجات ملی۔ اپنے مالک کی طرف کا سیدھا راستہ لیا۔ جامۂ خلافت سامنے رکھا اور سر منڈا کر خلق سے منہ پھیر گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کے دل کو چین کہاں تھا دوبارہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے وہاں سے پلٹ کر دولت آباد آئے اور دم آخر تک اپنے شیخ کے طرق محمود پر زندگی کے دن کاٹنے لگے۔ مولینا فرید الدین ادیب۔ فرید الدین یگانہ۔ فخر الدین شمس الملک اور مبارک غوری چاروں بزرگوں کے مزار ایک بڑے پختہ چبوترے پر بنے ہوئے ہیں جس کے نیچے تہ خانہ میں سلاطین نظام شاہیہ میں سے کسی کی قبر ہے

چبوترے کے آثار سے معلوم ہوتا ہی کہ پہلے کسی زمانہ میں گنبد ہوگا۔

ملک عنبر کا گنبد ۱۰۳۵ھ اسی چبوترے کے غرب رو ملک عنبر کا گنبد ہی جس کا زمانہ ۱۵۴۶ء - ۱۶۲۶ء کا ہی جو مرتضی نظام شاہ ثانی کا وزیر تھا۔ تاریخ فرشتہ اور مآثر الامرا سے معلوم ہوتا ہی کہ ملک عنبر سلاطین عادل شاہیہ کا غلام تھا۔ چند جرار حبشیوں کے ساتھ مرتضی نظام شاہ بحری کے ہاں جرگہ ملازمین میں داخل ہوکر خدا داد عقل و شجاعت کی بدولت مرتضی نظام شاہ کی مملکت کو اکبر بادشاہ کی سپاہ مغل کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے سلطنت نظام شاہیہ کا وزیر ہوگیا۔ ملک عنبر فنون سپہ گری و قواعد سرداری میں یکتائے روزگار تھا۔ ملک کی آبادی میں ساعی اور رعایا کی بہبودی میں سرگرم تھا۔ اول درجہ کا عادل و منصف اور متقی اور پرہیزگار تھا۔ اورنگ آباد کو جس کا قدیم نام "کھڑکی" ہی اسی نے ۱۶۱۰ء میں آباد کیا۔ ملک عنبر نے ۲۹ شعبان ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء میں اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور روضے میں حضرت منتجب الدین اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی کی درگاہ کے درمیان جگہ پائی۔ عرس وغیرہ کے لئے پہلے موضع عنبر اپور تعلقہ انبڑ (عنبر) ضلع اورنگ آباد میں کچھ زمین انعام تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ ملک مذکور کی بنائی ہوئی کئی عمارتیں موجود ہیں۔ اورنگ آباد میں دو مسجدیں ہیں ایک پشت چوک پر اور دوسری نواب پورہ میں یہ دونوں کالی مسجدیں مشہور ہیں۔ تیسری یادگار جامع مسجد ہی جس کے تین درجے ملک عنبر کے بنوائے ہوئے ہیں اور دو اورنگ زیب کے۔ چوتھی یادگار وہ نہر ہی جو اورنگ آباد کے گوشۂ شمال و مشرق سے پہاڑوں میں سے کاٹ کر لائی گئی ہی۔ اور فصیل شہر سے دو مقامات پر تقسیم ہوگئی ہی۔ پانچویں یادگار اورنگ آباد کا بھڑکل (دہبارکل) دروازہ ہی۔ اورنگ آباد کی عمارتوں میں رابعہ دورانی کے مقبرہ کے بعد اس عالی شان دروازے کا نمبر ہی۔ کالا چبوترہ جس پر اب خونیوں کی گردن ماری جاتی ہی۔ ہاتھیوں کا تماشہ دیکھنے کے واسطے ملک عنبر ہی کا بنوایا ہوا ہی۔ ملک عنبر کا گنبد اپنے اطراف کے گنبدوں میں شان دار اور نمایاں ہی۔ یہ گنبد ملک عنبر نے اپنی زندگی ہی میں بنوا لیا تھا۔ گنبد کا احاطہ منہدم ہوگیا تھا جو از سر نو بنوایا گیا ہی۔ گنبد کے سامنے ایک دالان ہی

جس کے آگے سائبان بڑھا کر مسافر خانہ (ڈاک بنگلہ) بنا دیا ہی - باورچی خانہ - حمام اور بیت الخلا بھی جدید تعمیر ہوا ہی - احاطہ کی غربی دیوار میں دو نئے دروازے اور شرقی دیوار میں ایک قدیم دروازہ ہی - قدیم دروازے کے اندرونی حصہ پر ایک چھوٹا سا سائبان ڈال دیا گیا ہی - بنگلہ جات کے چپراسی اس میں رہتے ہیں - احاطہ کے اندر آٹھ نو درخت کھرنی کے ہیں اور گنبد کے اطراف بہت سی قبریں ہیں جو مٹتی چلی جا رہی ہیں - چار دیواری کی شرقی دیوار کے باہر ایک بلند چبوترے پر مسجد بنی ہوئی ہی - ملک عنبر کے گنبد اُس کے احاطے اور عمارات ملحقہ کی ترمیم عالی جناب نواب معین الدولہ بشیر نواز جنگ بہادر (بہاء الدین خاں) صوبہ دار وقت کی حسن توجہ سے بہ احسن الوجوہ ہوگئی - آپ بڑے متقی خدا پرست اور دین دار بزرگ ہیں - آپ کی خاص توجہ عمارات خلد آباد کی درستی کی جانب رہی ہی اور آپ ہی کی خدا ترسی کا نتیجہ ہی کہ خلد آباد کی گری پڑی عمارتیں درست ہوگئیں - گنبد کے متعلق جو مسجد ہی اُس کی چار دیواری نہ ہونے سے گدھے وغیرہ گھس جاتے ہیں اور صحن مسجد میں جو عہدہ داروں کے گھوڑے باندھے جاتے ہیں سختی سے اس کی ممانعت ہونی چاہیے - ملک عنبر کے گنبد کو سٹور بنانا بھی درست نہیں لارڈ کرزن نے گول گنبد کی متعلقہ مسجد واقع بیجاپور کا مسافر بنگلہ اُٹھوا دیا اور یہ تو سلطنت اسلامی ہی۔[۵۱]

کتبہ مزار حبیب العید روسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجود الحبیب شیخ عبد اللہ بن العید روس بجہت حضر موت بلد تریم سنہ ۹۹۳ھ و توفی بجہت ہند و دفن بجنت ملک عنبر روضہ۔

گنبد سیدی کریمہ و سیدی عبد الرحمن -

ملک عنبر کے گنبد کے پاس اُن کی زوجہ سیدی کریمہ کا خالی گنبد ہی جس کا نہ احاطہ ہی نہ کوئی مکان اس کے متعلق ہی اور یہیں ایک بڑی بھاری باؤلی بھی ہی - باؤلی کے پاس ایک ہشت پہلو گنبد ہی جو سیدی عبد الرحمن نبیرۂ ملک عنبر کا کہلاتا ہی اور بعض کسی نظام شاہی بادشاہ کا بتلاتے ہیں -

---

[۵۱] - نواب برزو جنگ بہادر نے اسٹور اس گنبد ہی سے اُٹھوا دیا - ۱۲ -

درگاہ حضرت سید راجو قتال حسینی ۷۲۵ھ

آپ حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کے پدر بزرگوار ہیں۔ آپ کا نام سید یوسف ہے لیکن عام طور پر سید راجہ یا سید راجو قتال حسینی کے نام سے مشہور ہیں۔ سید یوسف اور اُن کے والد سید علی دونوں صاحب حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ سید صاحب کو سماع کا بہت شوق تھا آپ مجلس سماع میں بیشتر بےخود ہوجاتے تھے۔ دہلی سے جب سب لوگ دولت آباد آئے تو آپ بھی ۷۲۵ھ میں تشریف لائے اور بقیہ زندگی حضرت برہان الدین اولیاء کی صحبت بابرکت میں بسر کی۔ آپ کی تصنیف "مثنوی راجہ" مشہور ہے اور آپ راجہ ہی تخلص فرماتے تھے۔ ایک غزل بطور نمونہ ہم یہاں درج کرتے ہیں ؎

روے کہ دیدہ ام من اندر عیاں نگنجد | حسن و جمال آن رو اندر جہاں نگنجد
آں روے محض مطلق بیچون و بیچگونہ | از وہم و فہم بیروں صورت دراں نگنجد
اندر کنار جاناں اسرارہا بگفتم | جبریل یا ملائک اندر میاں نگنجد
پرواز مرغ قدسی جز لامکاں نباشد | ایں مرغ لامکانی اندر مکاں نگنجد

اندر جمال جاناں راجہ دوام غرق است
از فرح ایں مراتب اندر جہاں نگنجد

آپ نے ۵ شوال ۷۳۱ھ میں وفات پائی عرس کے لئے علاوہ زمیں انعامی کے چار پچیس روپیہ سالانہ گلبرگہ سے ملتے ہیں۔ آپ کی درگاہ بالکل پہاڑ کے کنارے ہے۔ احاطہ کے اندر مرتفع گنبد اور ایک مسجد ہے۔ مسجد کی پشت ایک شیریں چشمہ پانی کا ہے اسی کا پانی سارے خلد آباد میں بہتر سمجھا جاتا ہے۔ شرقی رخ پر ایک بڑا دروازہ ہے۔ عام روایت ہے کہ آپ کے گنبد پر سے کوئی پرند نہیں اُڑتا اور جو اُڑتا ہے وہ دو ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

متفرق قبریں دروازہ کے باہر میر محمد ناصر کوتوال کی قبر پر یہ کتبہ ہے:-

"در میر محمد ناصر مرحوم کوتوال روضۂ منورہ بست و ہفتم جمادی الثانی ۱۱۵۶ھ ہجری فوت شد"

یہاں تین دالان ہیں اور ایک بڑ کا درخت ہے۔ درگاہ کے احاطے میں تین چھوٹی چھوٹی

چار دیواریاں دو سنگ سرخ کی ایک سنگ سیاہ کی ہیں۔ مسجد کے پاس کی چار دیواری میں نواب رحمت خاں مرحوم صوبہ دار اورنگ آباد اور گنبد کے پاس کی چار دیواری میں داؤد خاں صوبہ دار برہان پور کی ہمشیرہ زادیوں کی قبریں ہیں۔ سید چندن صاحب خلف الصدق سید یوسف صاحب کی قبر بھی گنبد کے جنوب و مشرق کے کونے میں ہے علاوہ اس کے اور بہت سی قبریں ہیں۔ سنگ سیاہ کی چار دیواری گنبد سے پانچ سات گز کے فاصلے پر پورب کے رُخ ہے جس میں سید محمد صاحب گیسو دراز کے نبیرہ زادوں کی قبریں ہیں۔ چار دیواری کی شمالی دیوار پر بہت صاف اور جلی حروف میں کتبہ تھا جو اب معدوم ہو کر چیدہ چیدہ لفظ رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:-

مقبرہ ماہ سکینہ ...... بندہ نواز ...... ساختہ پختہ ۱۱۳۴ھ

یہیں ابوالحسن تاناشاہ کی قبر ہے جس کا ذکر بہ ضمن دولت آباد آچکا ہے۔

احمد نظام شاہ بحری ۹۱۴ھ اور برہان نظام شاہ بحری کا مقبرہ ۹۶۱ھ

سید راجو قتال حسینی کی درگاہ کے باہر جانب شمال ان دونوں بادشاہانِ احمد نگر کا گنبد ہے۔ باپ بیٹے ایک ہی جگہ آسودہ ہیں۔ ملک عنبر کے گنبد کو چھوڑ کر خلد آباد کے سب گنبدوں سے یہ گنبد بڑا ہے۔ یہ گنبد ایک بڑے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ روکار میں دو حصے ہیں جس کے حصۂ زیرین میں تین حجرے ہیں۔ بالائی حصہ میں بارہ کمرے ہیں۔ چھجہ بہت چوڑا اور نفیس ہے۔ منڈیر میں جھانجیاں بنی ہوئی ہیں۔ گنبد کے اندر انواع و اقسام کی گلکاری اور نقش و نگار ہیں۔ احمد نظام شاہ (۱۵۰۸ء-۱۴۸۹ء) ملک نائب نظام الملک کا بیٹا تھا۔ ملک نائب بیجانگر کا ایک برہمن نو مسلم تھا اس کا نام تما بھٹ پسر بھیرو تھا۔ احمد شاہ بہمنی کے عہد میں مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے مسلمان کر لیا اور ملک حسن نام رکھ کر غلاموں میں شریک ہوا۔ احمد شاہ ملک حسن کو اپنے بڑے بیٹے محمد شاہ کے ساتھ تعلیم دلانے لگا اور بھیرو سے بحری نام پڑ گیا۔ محمد شاہ نے اپنے عہد میں اسے معتمدوں میں داخل کر کے ہفت ہزاری منصب اور ماہی مراتب سے سرفراز کیا اور بہ مناسبت بحری شکار خانہ اس کے تفویض کیا۔ اُس زمانہ میں شکار خانہ کے مہتمم کو مغول قوش بیگی کہتے تھے اور بڑھتے بڑھتے نظام الملک بحری کا خطاب ملا۔

خواجہ جہاں وزیر کی توجہات سے ملک تلنگانہ راج مندری اور کنڈاویر اور اُس کے مضافات کو فتح کیا۔ خواجہ جہاں کے قتل کے بعد یہی وزیر ہوا اور ملک نائب کا خطاب ملا اور محمد شاہ کی وفات کے بعد اُس کی وصیت کی بنا پر اُس کے بیٹے سلطان محمود کا وزیر ہوا اور قصبہ بیڑ اور دوسرے پرگنہ جات جو دولت آباد کے تحت تھے اپنے بیٹے احمد شاہ کو دیئے۔ احمد شاہ اپنی قوت بہ تدریج بڑھاتا گیا چندر روز میں قصبۂ پٹن کے علاوہ تمام پر قبضہ کرلیا۔

یہ خود ناظم صوبہ احمد نگر تھا۔ سلطنت بہمنیہ کا زوال تھا موقع اچھا ملا خطبہ اور سکہ اپنا جاری کرکے بادشاہ ہوگیا۔ احمد شاہ سنی المذہب پرہیزگار۔ رعایا پرور۔ خداترس اور عادل تھا اس کے خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ بہت ہیں۔ ۹۱۴ھ میں وفات پائی اور باغ روضہ میں مدفون ہوا۔ تاریخ وفات یہ ہے

شاہ احمد حامد ذات الہ — شد چو از دنیا بہ فردوس بریں
ذوق حق شد سال تاریخش عیاں — ہم گدائے احمدی خاقان دیں
۹۱۴ھ — ۹۱۴ھ

احمد شاہ کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا برہان نظام شاہ بادشاہ ہوا۔ پہلے مذہب مہدوی جو محمد مہدی کی ایجاد تھا اُس کا پیرو تھا بعد سید طاہر کی صحبت میں شیعہ بن گیا۔ اس نے (۴۷) برس نہایت ہمت و استقلال سے سلطنت کی اور ۹۶۱ھ میں وفات پاکر اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوا۔ اسی سال سلطان محمود گجراتی اور سلیم شاہ بادشاہ دہلی نے انتقال کیا۔ مولانا غلام علی پدر محمد قاسم فرشتہ مورخ نے کیا عمدہ قطعہ کہا ہے:-

سہ خسرو را زوال آمد بہ یک سال — کہ ہند از عدل شاں دار الاماں بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات — کہ ہیچو دولت خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سلطان خوباں — کہ در ہندوستاں صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہ بحری — کہ در ملک دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خسرو — چو می پرسی "زوال خسرواں" بود
۹۶۱ھ

قطعۂ دیگر

چوں شہ برہاں شہنشاہ جہاں برہان دیں | زیں جہاں پر بلا گردید در جنّت مقیم
گو شہنشاہ مکرم بو فضائل کن رقم | رحلتش ہم حبّ مولائی شاہ برہان الکریم

سنہ ۹۶۱ھ — سنہ ۹۶۱ھ — ۹۶۱ھ

اور سلاطین نظام شاہیہ کے گنبد بھی باغ روضہ میں ٹوٹے پھوٹے کھڑے ہیں مگر پتہ نہیں چلتا کہ کس کے ہیں۔

سید نصیر الدین صاحب پون بیک احمد نظام شاہ کے گنبد کے مغرب میں حضرت راجو قتال صاحب کی درگاہ کی مسجد کے باہر گوشۂ شمال و مغرب میں سید نصیر الدین صاحب پون بیک کا مزار ہے۔ آپ بھی حضرت برہان الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ آپ کے سلسلۂ نسب کی شاخ شجر نبوت سے ملتی ہے۔ بیا بزرگ تھے۔

پنج بیبیوں کا چبوترا سید صاحب کے مزار کے قریب ایک احاطے میں ایک چبوترے پر پانچ زنانی قبریں ہیں۔ یہہ چبوترا بالکل شکستہ تھا۔ نواب بشیر نواز جنگ بہادر نے اپنی جیب خاص سے درست کرا دیا جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ یہہ بیویاں حضرت منتجب الدین اور برہان الدین اولیاء کی بہنیں ہیں جن کے اسمائے گرامی حضرت منتجب الدین صاحب کے تذکرہ میں آچکے ہیں۔

سید رساں صاحب سنہ ۱۳۱۱ھ موتی چوک کے اُس چبوترے سے جس پر بانوا اور بانقیہ فقرا ٹھیرتے ہیں جنوب میں سید رساں صاحب کا مزار ہے۔ آپ سعد بنیر کے رہنے والے تھے اتفاق زمانہ سے خلد آباد تشریف لے آئے اور کاغذی پورہ میں جو خلد آباد سے جانب جنوب دو میل ہے عقد کیا۔ آپ کے دو صاحب زادے۔ سید فیض رساں اور سید عبد الکریم موجود ہیں۔ آپ بڑے کاسب اور شاغل تھے۔ خلد آباد کے لوگ کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ ۲۴ رمضان سنہ ۱۳۱۱ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ قبر کا چبوترا پختہ ہے اور مزار شریف پر یہہ کتبے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیر کامل ہادی راہ خدا — واصل حق پیشوائے عارفاں
کرد چوں رحلت شد ایں تاریخ او — قطب جنت آشیاں سید رساں

ہادی دیں حاجی سید رساں — رخت بر بستہ بسوئے آخرت
سال ترحیلش یکے از شاعرے — چوں ز دنیا خویشتن را در نہفت
در زمین پاک خلد آباد خفت — داخل فردوس شد حاجی بگفت

باخداے مصطفیٰ از نسل پاک حیدری — چوں بخلد آباد شد صایم رسیدہ ایں ندا
حاجی افضل بشان حق ز فیضاں گستری — مقبرہ انوار ہا سید رسان قادری

منصبہ حاجی محمد افضل الدین عرف باپا میاں خادم غفر اللہ ذنوبہ

کتبہ عاصی احمد علیخان

کمال الدین صاحب حاجب الخیرات اور سید کبیر صاحب کی قبریں

منڈی ٹیکڑی کے دامن شمالی میں کمال الدین صاحب حاجب الخیرات کی قبر ہے اور کمان سے باہر بستی کی طرف سڑک کے مشرق میں بڑ کے درخت کے نیچے سید کبیر صاحب منتجب الدین صاحب کے استاد دوم کا مزار ہے۔

خواجہ حسین و خواجہ عمر صاحبان کی درگاہ سنہ ۵ے ھ

سڑک سے پچھم رُخ دو سو گز کے فصل سے دونوں بھائیوں کی درگاہ ہے جس پر گنبد ہے۔ آپ کے والد ماجد خواجہ محمود شیرازی تھے۔ خواجہ حسین بڑے بھائی کے صاحب زادے سید زین الدین تھے اور خواجہ عمر لاولد فوت ہوئے۔ دونوں صاحب تاجر پیشہ اور صاحب ثروت تھے۔ یہ دونوں حضرات برہان الدین صاحب اولیاء کے مرید تھے۔ جب سید زین الدین صاحب شیراز سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر دہلی آئے تو خواجہ حسین صاحب اپنے بیٹے سے ملنے دہلی گئے اور جب دہلی خالی کر کے دولت آباد

بسایا گیا آپ کو بھی دولت آباد آنا پڑا - ۲۷ شعبان ۷۵۰ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا
آپ کے گنبد کے اطراف دو احاطے ہیں - پہلے احاطہ میں گنبد اور اُس سے ملی ہوئی مسجد ہے
اور گنبد کے محاذی سیدانی بی صاحبہ کا مزار ہے - یہ مسجد سیدانی صاحبہ کی بنوائی ہوئی ہے - دوسرے احاطہ میں پختہ
اداو کی کمانیں اور تین طرف دیوار ہے - یہیں شاہ پیارے صاحب کا مزار ہے اور یہ احاطہ آپ ہی کا بنوایا ہوا ہے -

گل حسین شاہ کا مزار اور بیدر باؤلی

باغ منعم سے ملی ہوئی یہ باؤلی ہے اور باؤلی کے پاس گل حسین شاہ صاحب کا مزار ہے -

حضرت برہان الدین اولیاء غریب ۷۵۴ھ

آپ کا اور حضرت منتجب الدین صاحب کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے - آپ ہانسی میں ۶۵۴ھ میں تولد ہوئے اور پیار سے آپ کو لوگ "برہانی" کہا کرتے تھے - آپ کو کیمیا کا بہت شوق تھا -
بہ تلاش مرشد آپ دہلی آکر ایک مسجد میں فروکش ہوئے - اور وہیں آپ کا شہرہ سارے شہر میں ہو گیا آپ نے
سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا غلغلہ سنا کہ آپ کا دسترخوان باوجود فقر کے بے انتہا
وسیع ہے بھلا فقیری کے ساتھ یہ تمول کیسا ضرور کیمیا یا دستِ غیب ہے - اسی خیال سے خانقاہ
میں حاضر ہوئے - آپ بہت غربت کی حالت میں بسر کرتے تھے - حضرت کے خادم اقبال نے
اطلاع کی کہ برہان الدین ایک غریب حاضر ہے - آپ نے فرمایا کہ ساری خلقت تو اُن کی طرف
جھک پڑی ہے ابھی تک وہ غریب ہی ہیں اسی دن سے آپ غریب کے نام سے مشہور ہو گئے -

غریب است ایں محب حق بہ دنیا   حبیب اللہ فی الدنیا غریب

رفتہ رفتہ تقرب حاصل ہوا اور باورچی خانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی - ایک دن حضرت
سلطان المشائخ باورچی خانے کی طرف آن نکلے - مولٰینا غریب سے کہا کہ ایک مٹی کا ڈھیلا تو
استنجے کے لئے لاؤ آپ نے جھپٹ کر ایک ڈھیلا اُٹھایا تو سونا تھا دوسرا اُٹھایا وہ بھی سونا
بن گیا غرض مٹی کا ڈھیلا نہ ملا مجبوراً واپس ہو کر یہ واقعہ عرض کیا - آپ نے فرمایا "برہان جو چیز استنجے
کے کام بھی نہ آئے اُس کی خواہش عبث ہے" آپ نے اُسی وقت سے کیمیا کی جستجو چھوڑ دی اور
فقر کی طرف متوجہ ہوئے - آپ ۶۹۳ھ میں حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے - حضرت
کے خلفا میں دو ہی شخص سر برآوردہ تھے ایک آپ اور دوسرے کمال الدین یعقوب جو پٹن علاقہ

گجرات میں مدفون ہیں۔ شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت (یہہ دونوں بھی آپ کے مرید اور سلطان علاءالدین کے عزیزوں میں سے تھے) نے مولینٰا غریب کی شکایت کی جس پر حضرت مولینٰا غریب سے کچھ کشیدہ خاطر ہو گئے تھے۔ وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے مولینٰا غریب نہایت منحنی اور ضعیف الجثہ تھے اول تو ستر برس کا سن اوپر سے یہ ریاضت اور بھی ضعیف ہو گئے غائت ضعف سے کمل کو دوہرا کر کے بچھالیا کرتے تھے۔ ان حضرات نے جڑ دی کہ برہان الدین ایک کمل نیچے اور ایک خرقہ کندھے پر ڈال شیخوخیت کے سجادہ پر بیٹھتے ہیں اور پیران طریقت اور اپنے شیخ کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے۔ سلطان المشائخ۔ یہہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور جب آپ آئے تو رخ نہ دیا۔ مولینٰا حضرت کی پائے بوسی کے بعد جماعت خانے میں آئے اُسی وقت اقبال خادم نے کہا کہ آپ کو اسی وقت یہاں سے چلے جانے کا حکم ہوا ہے۔ آپ سخت متحیر ہوئے اور کہا:۔ ؎

ماچہ کردیم دگر بار کہ شیریں لب دوست بہ سخن باز نمی باشد و چشم از نازش

آپ وہاں سے اُٹھ کر دو دن ابراہیم طشت دار کے مکان میں رہے لیکن ابراہیم خود ڈر رہا تھا کہ کہیں حضرت کو خبر لگ جائے تو مفت میں میری شامت آجائے گی۔ اشارتاً و کنایتاً آپ کو چلے جانے کو کہا آپ بے انتہا ملول ہو کر دوسری جگہ جا پڑے۔ آپ کی حالت مرشد کے اقدام مبارک سے دور ہونے سے بہت زار ہو گئی رات دن روتے رہتے تھے۔ آخر ایک دن خواجہ خسرو نے جرأت کر کے حضرت سے عرض کی کہ برہان الدین غریب آن جناب کے مریدان صادق اور عقیدت مندان بے ریا سے ہیں چوں کہ وہ بہت نحیف ہیں سخت بوریے پر نہیں بیٹھ سکتے اس لئے کمل کو دونہ کر کے بچھا لیتے ہیں اُن کا قصور قابل معافی ہے لیکن اُس وقت آپ نے توجہ نہ کی۔ آخر کار خواجہ خسرو پگڑی گلے میں ڈال کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیا؟ خواجہ خسرو نے کہا کہ دست بستہ برہان الدین کی عفو تقصیرات کا خواہاں ہوں آپ نے فرمایا وہ کہاں ہیں؟ بلاؤ۔ فوراً خواجہ خسرو اور مولینٰا غریب دونوں گردن میں پگڑی ڈالے ہوئے جوتے اُتارنے کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ آپ سر پر ٹیڑھی ٹوپی رکھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے فی البدیہہ یہہ شعر پڑھا:۔ ؎

ہر قوم راست راہی دینے و قبلہ گاہی   من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہی

سلطان المشایخ بہت مسرور ہوئے اور دونوں سے بغل گیر ہوئے اور برہان الدین کی تجدید بیعت فرمائی برہان الدین صاحب کے دکن میں آنے کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

(۱) حضرت سلطان المشایخ کا سن شریف (۹۵) سال کا تھا اور اواخر عمر میں سات ماہ تک حبس بول کی شکایت رہی۔ ایک روز اقبال خادم سے فرمایا کہ نقد اور جنس جو کچھ ہو لاؤ۔ اقبال نے عرض کی کہ نقد جو آتا ہے روزانہ خرچ ہو جاتا ہے ہاں غلہ بہت سا ہے آپ نے فرمایا کہ مردہ ریگ کو کیوں سمیٹ رکھا ہے آج ہی تقسیم کر دو۔ اُس کے بعد کپڑوں کی گٹھری منگا کر اُس میں سے ایک دستار اور پیراہن اور مصلیٰ برہان الدین صاحب کو دے کر دکن جانے کی اجازت دی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جس دن شاہ منتجب الدین صاحب خلد آباد میں رخصت ہوئے آپ وضو کر رہے تھے اور برہان الدین آفتابہ لئے ہوئے پانی ڈال رہے تھے یکایک آپ نے پوچھا کہ تمھارے بھائی منتجب الدین تم سے بڑے تھے یا چھوٹے۔ آپ سمجھ گئے کہ ضرور اُن کا انتقال ہو گیا کیوں کہ آپ کی زبان مبارک سے تھے کا لفظ نکلا ہے جو زمان ماضی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ دوسرے دن حضرت خود برہان الدین کے مکان پر رسم تعزیت ادا کرنے تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہم نے تم کو منتجب الدین کی جگہ مقرر کیا فوراً دولت آباد چلے جاؤ۔ برہان الدین سن کر خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا کیوں تامل کیا ہے؟ برہان الدین نے نہایت ادب سے عرض کی کہ حضرت کا حکم میرے سر آنکھوں پر مگر پس و پیش یہ ہے کہ آپ کی جوتیوں سے دور ہو جاؤں گا آپ نے کہا اچھا جوتیاں بھی لے جاؤ۔ برہان الدین نے نعلین مبارک اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیں لیکن پھر بھی درد جدائی سے بے تاب ہو گئے اور بے اختیار زار و قطار رونے لگے۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ اب کیا پس و پیش ہے۔ برہان الدین نے بہ عجز و زاری عرض کی کہ میں اس مجلس سے منزلوں دور ہو جاؤں گا۔ آپ نے نہایت التفات سے فرمایا کہ یہ بھی سہی تم سارے خلفاء کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سات سو خلفاء آپ کے ساتھ آئے بعض چودہ سو۔ برہان الدین صاحب با دل ناخواستہ سفر کی طیاری کرنے لگے مگر آخری کوشش ایک دفعہ اور کی اور عرض کی کہ خادم کو

کسی طرح حضرت کی جدائی گوارا نہیں ہے۔ آپ نے چند مراقبہ فرمایا اور کہا کہ برہان الدین تم بے تامل چلے جاؤ اور جانے رہو کہ میرے تمھارے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا ؎

گر باسنی پیش منی در یمنی   در بے منی پیش منی در یمنی

لاردّ ولا کدّ ولا مدّ۔ رخصت کے وقت خرقہ ہائے خلافت و نعمت ہائے باطنی سرفراز فرمانے کے سوا پانچ نصیحتیں بھی کیں۔

(۱) جو خرقہ ہائے خلافت تم کو امانتہً دئے گئے ہیں مولینا داؤد حسین (زین العابدین) کو پہونچانا۔

(۲)۔ والد کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا اور اُس کو رحمت حق تصور کرنا۔

(۳)۔ جمعہ کی نماز کبھی ترک نہ کرنا۔

(۴)۔ ہمیشہ مجرد رہنا۔

(۵)۔ میری پیرزادی صاحبہ (عائشہ بی بی) کی خدمت اور خبر گیری سے (جو دولت آباد میں ہیں) غافل نہ رہنا۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد آپ دہلی سے دولت آباد آئے اور یہ وقت وہ تھا کہ دہلی اُجڑ کر دولت آباد آباد ہوا تھا اور شک نہیں کہ آپ کے ساتھ ایک جماعت کثیر حضرت سلطان المشایخ کے معتقدوں اور مریدوں کی راستہ میں ٹھیرتی ٹھیراتی آئی۔ ایک روز کنارے دریائے تاپتی کے ایک فرح بخش جنگل میں ایک چھوٹا سا گانوں نظر پڑا رات کو آپ وہیں ٹھیر گئے اور ندی کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر آپ نے وضو کیا اور وہیں جماعت سے نماز ادا کی اور دعا کی کہ خدایا اس مقام پر ایک شہر آباد کر آپ کی دعا مقرون اجابت ہوئی اور چند روز بعد وہ مقام آباد ہو کر آپ ہی کے اسم مبارک پر برہان پور نام رکھا گیا باقی حال بُرہان پور کا حضرت زین الدین صاحب کے بیان میں درج ہوگا جس وقت عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر شاہ نے ۱۰۰۸ھ میں قلعہ اسیر گڑھ فتح کیا اس پتھر کو ترشوا کر ایک ہاتھی بنا دیا جو اب ہتیا کھڑک کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی تشریف آوری دولت آباد میں بروایتے ۷۱۸ھ میں ہوئی ہے اور بروایتے ۷۲۰ھ میں۔ آپ پہلے محلہ اکرام آباد میں کاکا کے مکان پر اُترے

اگر وہ جگہ پسند نہ آنے سے بعد شمس الملک کے مکان پر آئے۔ وہاں سے جب آپ خلد آباد تشریف لائے تو پہلے جلال الدین صاحب کی درگاہ کے شمال نالے کے قریب ایک باؤلی پر ٹھیرے اب تو وہ باؤلی باقی نہیں مگر اس کا نشان البتہ ہے اور برہان باؤلی کے نام سے مشہور ہے اور قطعہ ارضی جس میں یہ باؤلی ہے کھڑکالی کہلاتا ہے۔ برہان باؤلی سے اٹھ کر یہیں تشریف لائے جہاں کہ آپ کا مزار ہے۔ آپ کا سن شریف جب اسی سال ہوا تو ۷۳۵ھ میں بہت بیمار پڑے لوگ متردد ہوگئے آپ نے فرمایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا البتہ جب دوبارہ علیل ہوں گا تو تین سال سلسلۂ علالت طول پکڑے گا اسی حالت میں شب قدر کی نعمت بھی مجھے ملے گی جب حق سے ملوں گا عبداللہ مطبخی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات کے چار سال پہلے مجھے خبر دی تھی مگر منع کر دیا تھا کہ کسی سے کہنا نہیں۔ دوبارہ ۷۳۶ھ میں صاحب فراش ہوگئے۔ اکثر روتے رہتے تھے۔ ایک دن خواجہ مبارک غوری حاضر تھے فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں بلکہ سبب یہ ہے کہ اگر ایک لحظہ بھی اپنے رب کی یاد سے غافل ہوگیا تو اس پر روتا ہوں۔ عاشقانِ خدا کسی حالت میں درد و اندوہ سے نہیں روتے اور صاحبانِ حال بیماری اور زحمت کو رحمت اور درد کو علاج جانتے ہیں ؎

ملک طلبش بہر سلیماں نہ دہند — منشور غمش بہ ہر دل و جاں نہ دہند
درماں طلباں ز درد او محروم اند — ویں درد بہ طالبان درماں نہ دہند

چنانچہ حضرت ابراہیم ادہم بیماری میں روتے تھے۔ ایک مرید عیادت کو آئے عرض کی کہ کسی طبیب کو بلاؤں آپ نے فرمایا ذکر حبیبی طبیبی الغرض جب حضرت برہان الدین کی علالت نے اشتداد پکڑا کسی طبیب حاذق کو لائے اور یہ نہ سمجھا کہ:-

پیش خواجہ طبیب بیمار است — خواجۂ ما طبیب باطنہا ست
ذات خواجہ ہست روح محض بگو — روح را از حمیتے کہ گفت کجا ست

حکیم جی آئے نبض دیکھی اور کہا:-

چوں دلش دیدہ طبیب از شوق حق خوں گشتہ گفت — علت عشق است ایں را من نہ دانم چارہ چیست

وفات سے دو برس پہلے عالم استغراق تھا آپ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ جس وقت

دولت آباد سے لوگ دہلی واپس ہونے لگے تو کاکا صاحب نے آپ سے بھی دہلی چلنے کے لئے بہ اصرار عرض کیا آپ نے فرمایا کہ بھلا میں اس مقام سے اب کہاں جا سکتا ہوں۔ خواجہ مبارک غوری ناقل ہیں کہ آپ کی وفات سے چالیس دن پہلے میں کہیں جانے والا تھا خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی فرمایا کہاں جاتے ہو اس کے بعد مجھے کہاں پاؤ گے۔ فی الفور میں نے اپنا ارادہ فسخ کیا۔ صوفی سجستانی آپ کے مرید خاص قصبۂ بیڑ میں رہا کرتے تھے اور ہر سال خدمت مبارک میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آخر مرتبہ جو وہ آئے تو آپ نے کہا سجستانی تم واپس جا سکتے ہو مگر تم کو معلوم رہے کہ میرے اور تمھارے درمیان صرف ایک مہینے کی مہلت باقی رہی ہے اور تو بھی میرا ہمراہ ہے۔ صوفی صاحب بیڑ واپس گئے اور حضرت کی وفات سے پورے ایک مہینے بعد وہ بھی اپنے مرشد سے جا ملے۔ عبد اللہ مطبخی کہتے ہیں کہ آپ نے شب قدر دیکھی اور فرمایا کہ لو اب ہمارے چل چلاؤ کا وقت قریب آگیا تم کہیں جانا نہیں۔ مولٰنا وجیہ الدین کیولکھری کی وفات کی خبر جب آپ نے سنی فرمایا یار تو پونہچ گئے اور ہم ابھی طیار بھی نہیں۔ چند دنوں بعد آپ نے عبد اللہ صاحب سے کہا کہ کیوں تمھیں یاد ہے کہ وجیہ الدین کی موت کے وقت میں نے کیا کہا تھا اب مجھے دنیا میں رہنے کی طاقت نہیں اس لئے اب میری زندگی کی دعا نہ کرو بلکہ یہ دعا کرو کہ خداوند عالم مجھے اپنے پاس جلد بلا لے۔ آخر وقت ایک روز مریدوں کو بلا کر وصیت کی اور اپنے مرشد کی تسبیح لے کر سامنے رکھی اور دستار مبارک گردن میں ڈال کر ارشاد فرمایا کہ "مسلمان ہوں۔ امت رسول ہوں شیخ کا مرید ہوں۔ اگر میں خود نیک نہ تھا تو نیکوں سے تو ملا۔ اپنا انصاف میں خود کرتا ہوں" یہ کہتے ہوئے سجدہ میں گئے اور تسبیح سے تجدید بیعت کی۔

وفات ۷۳۸ھ ۱۲ صفر ۷۳۸ھ یوم سہ شنبہ بوقت چاشت آپ نے خدام کو بلا کر فرمایا کہ کھانا کھا لو سب کھانے کو چلے گئے صرف خواجہ رشید الدین حاضر خدمت رہے فرمایا کہ ہمارے خواجہ صاحب کے کپڑے کہاں ہیں لاؤ۔ خواجہ صاحب نے عرض کی حجرے میں ہیں اتنا کہہ کر اور آگے جھکے کہ حضرت اور کیا فرماتے ہیں دیکھا تو وہاں کچھ باقی نہ تھا۔ اُس روز نعش ویسی ہی رہی دوسرے دن ۱۳ صفر بدھ کے دن اُس گنج اسرار الٰہی کو سپرد خاک کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کا عرس بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ تاریخ وفات میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے۔

تاریخ وفات از حماد الدین صاحب ضیا کاشانی

ہفصد وسی وہشت بود زسال — کہ شدہ ختم احسن الاقوال
سیزدہم روز بود ماہ صفر — کز جہاں شیخ عزم کرد سفر

از مولوی غلام علی آزاد بلگرامی

اربعا بود و یازدہ ز صفر — ہفصد وسی وہشت بود زسال
کہ ندا آمد از سرادق قدس — لبوے شیخ ما التعال لتعال

فضائل وخصائل کم عمری ہی سے آپ کی طبیعت رجوع الی اللہ تھی اکثر حجرے میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ پچیس برس کامل عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی اور کبھی شب کو نہ سوئے تیس سال تک مسلسل صائم الدہر رہے صبح کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھ کر بعد نماز اشراق سو رکعت صلوۃ التحفہ اور اٹھارہ رکعت نماز چاشت اور تین پارے پڑھ کر ایک روز کی نماز قضا بھی پڑھتے تھے اس کے بعد مزاروں کی زیارت کو جاتے اور ڈیڑھ ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے بعد قیلولہ فرماتے۔ نماز عشاء جماعت سے پڑھتے تھے۔ اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے مگر اپنے نزدیک عبادت الٰہی سے قاصر تھے اکثر فرماتے تھے مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ ؎

عاصیاں از گناہ توبہ کنند — عارفاں از عبادت استغفار

آپ مدۃ العمر مجرد رہے۔ شیخ کا ادب غایت درجہ مرکوز خاطر تھا کبھی مرقد مبارک کی طرف پشت نہیں کی نہ اُدھر لعاب دہن ڈالا۔ آپ مجلس سماع کے بہت شائق تھے۔ ذاتی املاک کچھ نہ رکھتے تھے جو کچھ تھا سب راہ خدا میں دے ڈالا حتی کہ رہنے کو گھر تک نہ تھا سوائے مصلے کے اور کوئی چیز آپ کے پاس نہ تھی جب سردی لگتی تو اوسی کو اوڑھ بھی لیتے تھے۔ غذا بالکل سادی تھی۔ اکثر نان جو اور لوبیا کھاتے تھے۔ ایک وقت کا کا سعد بخت (شاد بخت) نے مغز بادام اور مصری پیش کی آپ نے منہ میں ڈالا کہا کہ اس میں تو کچھ ذائقہ نہیں کاکا نے براہ شوخی کہا کہ کیا جو کی روٹی اور لوبیے کی پھلیوں کے برابر بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔

کھانا جو آتا تھا پہلے مسکینوں اور فقراء کو دیتے بعد تھوڑا سا خود کھاتے۔ اگر کوئی کتا بھوکا دیکھتے فوراً اپنا کھانا کھلا دیتے اور اُس پر اپنا ہاتھ پھیرتے جاتے اور بارگاہ خداوندی میں اُس کو شفیع لاتے اور دعا کرتے کہ خدایا مجھے اپنی طرف بلا اور اپنے سچے دوستوں میں سے بنا۔ قلت غذا سے بالکل پوست و استخواں رہ گیا تھا بہ شکل سات لقمے کھاتے تھے۔ لباس بھی سادہ تھا سر پر عمامہ بغل میں کرتہ اُس پر عبا اور نیچے تہ بند اور جوتیاں جلیبی کی اُس زمانہ میں تھیں نحیف و لاغر۔ قد لنبا۔ ڈاڑھی مرسل۔ آپ تارک الدنیا تھے۔ سلاطین و امراء سے قطعاً نہیں ملتے تھے سلطان محمد تغلق آپ کی ملاقات کو آنا چاہتا تھا۔ جمعہ کی نماز جامع قطبی میں پڑھ کر آپ کے مکان کی طرف رخ کیا امیر خسرو دوڑتے ہوئے آگے آئے اور کہا کہ بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں بادشاہ بالکل قریب آگیا شور و غل ہٹو بڑھو کی آواز آنے لگی۔ آپ فاتحہ پڑھنے لگے تاکہ بادشاہ نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا دل پھیر دیا اُس نے گھوڑے کی باگ دوسری طرف موڑ دی ؎

اولیا را ہست قدرت از آلہ تیر جستہ باز گرداند ز راہ

سلطان محمد تغلق نے تین ہزار تنکے ملک[1] نائب کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے کاکا سے کہا کہ فقیر کے گھر میں اگر کچھ ہو تو وہ بھی لاؤ اور ملک نائب کے سامنے ہی دونوں کو ملا کر تقسیم کر دیا۔ بعد تقسیم آپ نے تھوڑی کھجوریں اور ایک مصلیٰ بادشاہ کو بھیجا اور ملک نائب سے کہا کہ سنو ؎

مرد آں دزد دکہ کشتہ باشد زن آں پوشد کہ رشتہ باشد
شربت کہ برائے خود .... ہم کردۂ تو بہ پیشت آرند

آپ کو سلطان المشایخ نے بایزید ثانی کا لقب بھی دیا تھا اور آپ کو دیکھ کر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بھی فرماتے تھے۔ یعنی ہر طرح سے آپ اکمل الانسان تھے۔ آپ قطب بھی تھے۔ آپ کے ہم جلیس آپ جیسے ہی بزرگانِ دین تھے مثلاً امیر حسن اعلائے سنجری۔ خواجہ خسرو و مولینا ابراہیم طشت دار

[1] ملک نائب کافور ہزار دیناری نے ۱۳۰۸ء میں تیس ہزار فوج لے کر رام دیو راجہ دیوگڑھ پر چڑھائی کی تھی اور ۱۳۰۹ء میں ورنگل پر اور ۱۳۱۱ء میں دہلی واپس جا کر پھر دوسرے برس دیوگڑھ آیا اور ملک دکن کا بہت سا

حضرت سلطان المشایخ۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلی۔ مولٰینا کمال الدین۔ سید خاموش خواجہ مبشر۔ سید حسین۔ اقبال وغیرہم۔ حضرت نصیرالدین صاحب محمود چراغ دہلی جب اودہ سے پہلے پہل دہلی تشریف لائے برہان الدین صاحب ہی کے ہاں اُترے تھے۔ آپ کی بات مقبول انام ہوئی تھی ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مجدالدین صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک جوان سپاہی بلا ہتیار لگائے معرکۂ کارزار میں بے دھڑک جا گھسا لوگوں نے کہا کہ ایسی ناعاقبت اندیشی کیوں اُس نے کہا کہ حضرت برہان الدین صاحب فرما چکے ہیں کہ جب تک تو بُڈہا نہ ہوگا نہ مرے گا پس مجھے ڈر کس بات کا ہی۔ آپ علوم باطنی کے علاوہ بڑے محدث اور فقیہ بھی تھے۔ آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی تھی۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے تصوف حقایق اور سلوک میں کئی رسالے آپ سے منسوب ہیں۔

آپ کے مکاشفات اور کرامات بہ کثرت ہیں جن میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

خواجہ محمد کاتب مرید سلطان المشایخ اقبال خادم سے کسی بات پر رنجیدہ ہوگئے آپ نے فرمایا ارے میاں صرف دو ہفتہ کے واسطے دوستی کو کیوں توڑا۔ خواجہ صاحب سمجھے شاید دو ہفتہ بعد اقبال کہیں چلا جائے گا آپ مل گئے۔ پورے پندرہ دن کے بعد اقبال دنیا سے چل بسے۔ ایک عورت کنپٹی کے درد سے تڑپتی ہوئی آپ کے پاس آئی عرض کیا کہ یا سر کو توڑ دیجئے یا دعا کیجئے کہ درد سر جاتا رہے آپ نے تبسم فرمایا اور کہا جب تک سر نہ ٹوٹے گا درد سر نہ جائے گا۔ وہ عورت اپنے گھر واپس آ کر دیوار کے نیچے بیٹھ گئی اوپر سے سر پر ایک اینٹ گری سر میں سے خون بہنے لگا درد سر چنگا ہوگیا۔ ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں جو بسبب طوالت ترک کی گئیں۔ آپ بڑے مقرر اور شیریں گفتار تھے۔ کلام میں کشش اور اثر غایت درجہ تھا۔ آپ کے اقوال بے شمار تھے۔ مولٰینا حماد الدین نے ایک رسالہ ہی بنام احسن الاقوال لکھا ہی چند اقوال ہم بھی نقل کرتے ہیں:۔

(۱)۔ فقیر کسی کی امانت نہ رکھے۔ کسی کا ضامن نہ ہو اور کسی دستاویز پر گواہی نہ کرے۔

(۲)- فقیر وہ ہی کہ جو کچھ ہاتھ میں اور سر میں ہو دونوں دور کرے -

(۳)- فقیر کو باریک کپڑا نہ پہننا چاہیئے -

(۴)- فقیر سوائے خدا کے کسی پر تکیہ نہ کرے -

(۵)- دنیا کی مثال آدمی کے سایہ کی سی ہی جوں جوں آگے بڑھو دور ہوتا جاتا ہی اور جوں جوں پیچھے ہٹو کھسکتا آتا ہی - اسی طرح جو دنیا کی طرف رُخ کرتا ہی دنیا اُس سے بھاگتی ہی اور جو دنیا کی طرف سے منہ موڑتا ہی دنیا اُسے لپٹتی ہی -

(۶)- بکری جب پانی پیتی ہی تو گردن لمبی کرکے پی لیتی ہی پاؤں پانی کے اندر نہیں ڈالتی لیکن مرے بعد اُس کی کھال کی مشک بنتی ہی اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہی چاہتا ہی کہ کپڑا اُس کا گرد سے آلودہ نہ ہو لیکن جب مرتا ہی تو اُسے خاک میں ملا دیتے ہیں -

(۷)- جب کوئی مسافر مقیم کے پاس آئے تو چاہیئے کہ دو قسم کا گرم پانی پیش کرے ایک تو ہاتھ منہ دہونے کے لیئے دوسرا شوربائے گرم -

(۸) دل ایک ظرف ہی - جب تک خالی ہی ہوا سے پُر ہی اور جب کوئی چیز اُس میں بھری جائے تو ہوا نکل جاتی ہی - اسی طرح دل خواہشات دنیاوی سے پُر ہی جب محبت اُس میں آئی ہوا سے خالی ہو کر خالص محبت الٰہی رہ جاتی ہی -

مزار مبارک ۷۴۱ھ آپ کی قبر پر گنبد ہی جس کی دیوار پر یہ قطعہ لگا ہوا ہی -

ہیں بدار الملک ہند آسودہ سلطان غریب	شاہ دین و قطب عالم شیخ برہان غریب
خادم درگاہ سلطان میر کاکا شاد بخت	کز وفا بستست دل بر عہد و پیمان غریب
کردہ از اخلاق وافر آں نکو سیرت بنا	روضۂ رضواں صفت از بہر مہمان غریب
سال ہفصد بود و چل چار وگر از فضل حق	شد مرتب ایں چنیں قبہ و ایوان غریب
از پئی تاریخ شد ایں نظم مکتوب و نبشت	بندہ برہانی بریں مکتوب و عنوان غریب

چاندی کی کوئیں صحن درگاہ میں جو فرش سنگ سیلو کا ہی اس میں چاندی کی کوئیں (کیلیں) نکلا کرتی تھیں جن کو خدام کاٹ لیتے تھے اب اُن کا بڑھنا بند ہو گیا مگر دکھلائی اب بھی دیتی ہیں -

دوسرے مزار گنبد سے ملے ہوئے مولانا عبدالکریم - عبداللطیف خواہرزادگان حضرت برہان الدین اولیاء کے مزار ہیں ایک جانب کاکاشادبخت - خواجہ قبول - خواجہ خیرالدین - خواجہ عبدالرحمٰن - خواجہ جلدک کی قبور ہیں -

مسجد درگاہ کے متعلق ایک مسجد تین در کی ہے - جس کی محرابوں پر یا محمد اور بیچ میں بسم اللہ اور درمیان کے دو ستونوں پر یا اللہ اور ممبر کے قریب وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اَللّٰهُ بَاقِيْ وَالْكُلُّ فَانِيْ کندہ ہے - مسجد کے شمال رُخ ایک سہ درہ سنگ سرخ کا دالان بنا ہے - گنبد کی پشت پر پانچ کمانیں جنوبی کمانوں کے جواب میں بنائی گئی ہیں - مشرق کی طرف ایک زینہ بھی خانقاہ پر چڑھنے کا ہے -

نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر ۱۱۶۱ھ مسجد سے ملے ہوئے نواب[1] نظام الملک آصف جاہ بہادر اور اُن کی بیگم سیدۃ النساء کے مزار ہیں - یہ دونوں مزار سنگ سرخ

---

[1] سنہ ۱۷۱۳ء میں داؤد خاں پنّی جو ذوالفقار خاں وایسرائے دکن کا نائب تھا گجرات بھیج دیا گیا اور نظام الملک بہادر آصف جاہ وایسرائے مقرر ہوئے اور صرف سترہ مہینے کی حکومت میں اپنی قوت سے مرہٹوں کو زیر کر لیا لیکن سنہ ۱۷۱۴ء میں دہلی طلب کر لئے گئے اور حسین علی خاں صوبہ دار ہوئے سنہ ۱۷۲۰ء پھر نواب صاحب دکن کو تشریف لائے اور علاوہ صوبہ داری مالوہ کے دکن کے صوبہ دار بھی ہوئے اور سنہ ۱۷۲۱ء میں وزارت سے سرفراز ہوئے اور فروری سنہ ۱۷۲۲ء میں دہلی جا کر پھر سے بارہ اکتوبر سنہ ۱۷۲۳ء میں خطاب آصف جاہ کا لے کر وکیل المطلق ہو کر آئے سنہ ۱۷۴۱ء ناصر جنگ نے بغاوت کی اور سات ہزار فوج لے کر اورنگ آباد پر چڑھ آئے لیکن ۲۳ جولائی سنہ ۱۷۴۲ء میں شکست پائی اور قلعہ قندھار میں قید کر دیئے گئے لیکن اُسی سال چھوڑ دیئے گئے اور اپنے باپ کے ساتھ حیدر آباد چلے گئے سنہ ۱۷۴۳ء میں آصف جاہ بہادر ایک بڑی فوج کے ساتھ ملک کرناٹک میں امن قائم کرنے گئے اور اگست سنہ ۱۷۴۴ء میں اورنگ آباد آ کر یہاں کا انتظام آخری دم تک جب کہ برہان پور میں ۱۹ جون سنہ ۱۷۴۸ء میں (۷۹) سال کی عمر میں انتقال کیا کرتے رہے - آصف جاہ بہادر نے اورنگ آباد میں گلبرگہ کی ایک سیدانی سیدالنساء بیگم سے عقد کر لیا تھا جن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے غازی الدین اور ناصر جنگ اور دو صاحبزادیاں بھی تھیں - نواب صاحب کے اور چار صاحبزادے دوسرے محلات سے بھی تھے صلابت جنگ - نظام علی خاں بسالت جنگ و مغل علی خاں

کی جالی کے اندر ہیں دروازوں کی جالی نہایت خوب صورت تراشی گئی ہے۔ آپ کا نام قمرالدین خاں اور والد ماجد کا نام غازی الدین خاں فیروزجنگ ابن عابد خاں ہے۔ آپ ۱۰۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب صاحب اورنگ زیب کی عہد حکومت سے محمد شاہ فرماں روائے دہلی تک ہر ایک سلطنت کے رکن رکین اور مدارالمہام رہے۔ ۱۱۳۲ھ میں دکن کے صوبہ دار ہوئے۔ اپنی عہد حکومت میں بہت سی فتوحات کیں نربدا کے کنارے سے سیت بندر رامیشور تک ملک قبضہ میں تھا۔ مرض تپ بواسیر اور خلل مثانے سے ۴ جمادی الاخری ۱۱۶۱ھ کو اناسی سال کی عمر میں برہان پور میں وفات پائی۔ بڑے صاحبزادے نواب میر احمد خاں ناصر جنگ شہید نے آپ کی نعش خلد آباد میں لاکر حضرت برہان الدین غریب کے پائین میں دفن کی۔ مرحوم خدا ترس۔ دین دار۔ فقیر دوست۔ غریب نواز اور منخیر تھے۔ اس وقت جو سکہ نظام گورنمنٹ میں جاری ہے۔ وہ آپ ہی کی یادگار ہے۔ آپ کو شاعری کا بھی مذاق سلیم تھا **شاکر** تخلص کرتے تھے۔ آپ کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

تا شہید خنجر مژگانِ یارم کردہ اند	سرمہ درچشم قیامت از غبارم کردہ اند

افسوس کہ با طبع بتاں نیست گوارا	ای باغ وفا آب ہوائے کہ تو داری

از فضایم مطلب مطلب دیگر بخیال	ایں قدر ہست کہ آہو نگہاں رم نکنند

چوں گل بہ بوی یار گریباں دریدنیست	آہے ز سوز سینۂ بریاں کشیدنیست
زنہار دل بہ نقش و نگار جہاں مبند	رنگے کہ دیدئی برخ گل بریدنیست
شاکر برنگ برق دریں عرصۂ خیال	دامن ز خویش بر زدہ یکرہ دویدنیست

جس سال آپ نے رحلت کی اُسی سال محمد شاہ فرماں روائے دہلی اور اعتماد الدولہ قمرالدین خاں وزیر اعظم نے بھی دنیا کو خیر باد کہا۔ غلام علی صاحب آزاد نے کیا خوب تاریخ کہی ہے:-

سہ رکن مملکت ہند از جہاں رفتند	فتادہ حیف سہ دُرِ یگانہ از کفِ دہر
برائے رحلت ہر سہ بیافتم تاریخ	نماند شاہ زماں با وزیر آصفِ دہر

سنہ ۱۱۶۱ھ

دیگر

گشت تاریخ چوں کشیدم آہ	موت شاہ و وزیر آصف جاہ
۶	۱۱۶۷ - ۶ = سنہ ۱۱۶۱ھ

خلد منزلت اور متوجہ بہشت بھی مادۂ تاریخ ہے - نواب صاحب کی بیگم صاحب بھی آپ کے بازو ہی میں آسودہ ہیں اور دو زنانی قبریں بھی ہیں - آپ کا عرس معرفت امین صاحب بلغور کے ہوتا ہے - برہان پور پہلے مملکت نظام میں تھا اب انگریزی ہے مگر اب بھی دو گاؤں وہاں جاگیر ہیں جن کا ایک مہتمم اور عملہ مقرر ہے جو زیر نگرانی تحصیل دار تعلقہ کنڑ ضلع اورنگ آباد کام کرتا ہے - برٹش گورمنٹ نے معاوضہ دے کر یہہ دونوں گاؤں لے لینا چاہے تھے مگر سرکار عالی نے منظور نہیں کیا کہ یہہ مواضع قدیم نشان ہیں اس کا کہ کسی زمانہ میں یہہ مقام بھی نظام گورمنٹ کا تھا -

ناصر جنگ شہید سنہ ۱۱۶۴ھ میر احمد علی خاں نظام الدولہ ناصر جنگ کا مزار نواب آصف جاہ مرحوم کے پاس ہی ہے - بجائے احاطہ کے سنگ سرخ کے سہ درے چاروں طرف بنے ہوئے ہیں -

---

سنہ ۔ بعد وفات نواب آصف جاہ بہادر کے نواب نظام الدولہ ناصر جنگ میر احمد علی خاں بہادر نے ۷ جمادی الثانیہ کو حکم نوبت کا دیا سوائے ہدایت محی الدین خاں جن کو سعد اللہ خاں بہادر مظفر جنگ کا خطاب تھا سر تسلیم خم کیا - نواب صاحب کو ہدایت محی الدین خاں کی سرتابی کی خبر لگی لیکن اس وقت چشم پوشی کی - عماد الملک غازی الدین خاں بہادر دار الخلافت میں موجود تھے جب بادشاہ کو خبر رحلت نواب آصف جاہ بہادر کی پہنچی خلعت ماتمی سرفراز فرمایا اور نواب صاحب کو بغرض عطائے خدمت وزارت طلب فرمایا اب باوجودیکہ ملک دکن کا انتظام نہ ہوا تھا اور ہدایت محی الدین خاں مفسدہ پردازی کر رہا تھا سنہ ۱۱۶۲ھ میں عازم ہندوستان ہوئے راستہ میں شقۂ دستخطی خاص پیشگاہ سلطانی سے فسخ عزیمت کا پہونچا کہ وہاں بھی خبر بدنظمی کی پہونچ گئی تھی - نواب صاحب موسم بارش کی سخت تکالیف اُٹھا کر اورنگ آباد واپس تشریف لائے - یہاں ہدایت محی الدین خاں نے حسین دوست خاں عرف چندہ صاحب کو

آصف جاہ کے بعد بہ اغوائے برادر خورد ہمت خاں نے بمقام پھولچری ۱۷ محرم الحرام ۱۱۶۴ھ آپ کو جام شہادت پلایا۔ آپ کا عرس بھی بلغور ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ آپ کی بیگم کی قبر بھی یہیں ہے۔ اور ایک حوض بھی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بہت سی قبریں ہیں جن میں عوض خاں۔ ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ۔ متوسل خاں۔ جمال الدین خاں۔ شاہزادہ جنگلی۔ شاہ کریم الدین کی قبور معلوم ہیں۔ سعید الدین سوم تعلقہ دار اورنگ آباد کی قبر پر یہ کتبہ ہے:۔

بصد فکر متیں تاریخ ہاتف گفت شد غمگیں
ازیں دنیائے بے حاصل بجنت شد سعید الدین
۱۲۸۲ھ

شاہزادہ محمد معصوم نبیرہ خلد مکان بھی یہیں ہے اس کے پائیں میں سنگ سرخ کی چار دیواری کے اندر کسی شاہزادہ اور شاہزادی کی قبر ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶۔ متفق کر کے ارکاٹ پر چڑہائی کی جہاں انور الدین خاں بہادر شہامت جنگ نواب ممدوح کی طرف سے مامور تھے ابھی یہ لوگ ارکاٹ پہنچنے نہ پائے تھے کہ دوسری طرف سے مظفر جنگ بھی آن ملے اور فرانسیسوں کے گروہ کو جو پھولچری میں مقیم تھے ساتھ لے کر ۱۱۶۲ھ میں انور الدین خاں کو مار ڈالا۔ نواب صاحب کو جب یہ خبر ملی اورنگ آباد و محمد ابوالخیر خاں شمشیر خاں بہادر کے سپرد کر کے آپ ستر ہزار سوار جرار اور توپ خانۂ بے شمار اور ایک لاکھ پیادہ فوج لے کر آخر رمضان المبارک میں متوجہ ہوئے۔ ۲۶ ربیع الآخر ۱۱۶۳ھ کو قلعہ پھولچری (پانڈی چری) پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تمام دن توپیں چلتی رہیں رات کو جنگ موقوف ہوئی دوسرے دن شاہ نواز خاں اور محمد نواز خاں نے کچھ ایسی پٹی پڑہائی کہ ہدایت محی الدین خاں کو ساتھ لے آئے نواب صاحب بہت خوش ہوئے فتح کے شادیانے بجنے لگے اور ہدایت محی الدین خاں کو نظر بند کر لیا۔ ہر چند لوگوں نے کہا کہ ایسا موقع پھر نہ ملے گا اسے قتل کر دینا ہی مناسب ہے لیکن نواب صاحب ازبس رحیم و کریم تھے قصور معاف فرما دیا لیکن فرانسیسی آمادۂ فساد تھے انہوں نے قلعۂ جنجی (نصرت گڈھ) جو پایہ تخت ملک کرناٹک کا تھا فتح کر لیا۔ نواب صاحب کو کمال غیرت آئی۔ فرانسیسیوں نے سرداران افاغنہ کرناٹک کو ادھر سے توڑ کر ملا لیا اور ساتھ لے کر ۱۷ محرم ۱۱۶۴ھ کو نواب صاحب کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور

"درچاک" دروازہ ۱۰۹۹ھ — درچاک خانقاہ کے احاطے کے دروازے پر کلمۂ طیبہ اور چوکھٹ کے حصۂ زیرین پر یہ بیت کندہ ہے:

بہ تعمیر ایں ہاتف غیب گفت — درِ باب فیض ہست تاریخ داں

۱۰۹۹ھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷ - توپ خانہ سے گزر کر دولت خانہ تک جا پونہچے۔ نواب صاحب پچھلی رات کو ہاتھی پر سوار ہو کر برآمد ہوئے کہ افاغنہ کو جو ملازم رکاب تھے راہ راست پر لائیں۔ جب ہاتھی نواب صاحب کا ہمت خاں بہادر سردار افاغنہ کے ہاتھی کے پاس پونہچا تو آپ نے فرط نوازش سے ابھی وہ مجرائی نہ کرنے پایا تھا کہ دست شفقت اُس کے سر پر رکھا باوجود اس کے بھی وہ آداب نہ بجالایا آپ نے اُس کی اِس حرکت کو سراسیمگی پر محمول کیا اور جھٹپٹا بھی تھا ابھی اُجالا نہ ہوا تھا آپ نے یہہ بھی خیال کیا کہ شاید مجھے پہچانا نہ ہو آپ عماری میں سے ذرا سے بلند ہوئے اور کہا کہ "ای برادر یہہ وقت کشش اور کوشش کا ہے"۔ ہمت خاں اور اُس کی خواصی میں دو اور شخص تھے اُنھوں نے ایک دم آپ پر بندوقیں جھونک دیں آپ وہیں شہید ہو گئے۔ ہمت خاں نے نواب کا سر کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا پھر آخر روز لشکریوں نے آپ کا سر تن سے ملا کر اورنگ آباد روانہ کیا۔ آپ کی شہادت کا مادہ تاریخ "حسن خاتمہ" ۱۱۶۲ھ ہے۔ آپ نے صرف دو سال سات مہینے اور دس دن سلطنت کی نواب شہید نے وفات سے چند روز قبل ایک بزرگ سے بیعت کی تھی اور تادم واپسین پابند احکام شریعت رہے۔ آپ بڑے رحم دل۔ صاحب معدلت اور فصیح الکلام تھے۔ علم موسیقی اور فن تصویر گری کا بھی شوق تھا اور طبیعت بہت موزوں تھی اُردو اور فارسی دونوں میں اشعار آپ دا فرماتے تھے ہم مونتہً چند اشعار درج کرتے ہیں:-

ناصر کسے کہ معترف سہو خود نشد — فرزند خاص حضرت آدم نمی شود

ابر دریا دل بدست گوہر افشاں می رسد — ای صدف دامن کشا کار نیساں می رسد

اگر بوے آں گل صبا می رساند — بزخم دل ما دوا می رساند

تبرکات دروازۂ "درچاک" کی دونوں طرف خانقاہ اور ایک ایک حجرہ ہی۔ شمالی حجرے میں اسناد جاگیرات اور وہ عمامہ جو سلطان المشائخ نے شیخ برہان الدین صاحب کو مرحمت فرمایا تھا اور دیگر تبرکات اور غلاف وغیرہ سامان رہتا ہی اور جنوبی حجرے میں موے مبارک ہی۔ دروازہ پر ایک چھوٹا سا گنبد بھی بنا ہوا ہی۔

حیات دالان وغیرہ اِن حجروں کے مشرق میں دو کمانوں کا ایک دالان ہی جو حیات دالان کے نام سے مشہور ہی۔ حضرت برہان الدین اولیاء اکثر یہیں تشریف رکھتے تھے اور وہ پتھر بھی موجود ہی جس سے آپ ٹیکا دے کر بیٹھتے تھے۔ یہاں ایک مولسری کا درخت بھی ہی اس مقام پر اور دالان اور عمارتیں بھی ہیں۔ چھوٹا گنبد بھی بنا ہوا ہی اور بہت بڑا درخت کھرنی کا ہی۔ نقار خانہ بھی دو منزلہ ہی۔ یہیں نور شاہ میاں کا مزار ہی جو ایک بزرگ ٹونک کے رہنے والے تھے تیس چالیس برس اسی دالان میں رہے۔ مجرد۔ متوکل۔ شب بیدار۔ تہجد گزار تھے اس کے قریب ہی شاہ پاک ایک بزرگ کا مزار ہی جو اورنگ زیب کے زمانے میں تھے۔ شاہ بہاء الدین عرف باجن صاحب بھی یہیں آسودہ ہیں۔

حضرت سید زین الدین صاحب ۷۷۱ھ اصل نام سید داؤد حسین تھا۔ شیخ کی طرف سے زین الدین کا لقب ملا۔ آپ ۷۰۱ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ بعد ادائے فریضۂ حج آپ دہلی تشریف لائے اور کلام مجید حفظ کر کے تحصیل علم میں مشغول ہوئے اور مولینا کمال الدین سامانہ اور نیز دیگر علمائے دہلی سے سند فضیلت حاصل کی۔ دہلی سے جب سب دولت آباد آئے تو آپ بھی مولینا کمال الدین صاحب کے ساتھ آئے۔ دولت آباد میں آتے ہی آپ کے علم و فضل کی شہرت ہوئی آپ ہمیشہ مسجد میں تفاسیر قرانی اور احادیث نبوی کا وعظ کیا کرتے تھے اور درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا۔ آپ مذہب صوفیہ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸۔ دل از من رباید بکاکل سپارد زجامی ستاند بجامی رساند

ہر کجا شمشیر آں مغرور می گردد بلند گردن نخچیر ہم از دور می گردد بلند

معتقد نہ تھے حال و قال سے متنکرہ تھے۔ حضرت برہان الدین کا توغلؒ جب سنتے تھے تو چیں بجبیں ہو جاتے تھے۔ بعض لوگ ایسے تھے کہ وہ آپ کے پاس بھی آتے تھے اور حضرت برہان الدین اولیاء کے بھی معتقد تھے۔ ایک شخص جو زین الدین صاحب کا شاگرد اور برہان الدین صاحب کا مرید تھا آپ سے مصباح المصابیح پڑھنے آیا اور بعد سبق کے حلقۂ سماع میں شریک ہوا اُس پر کیفیت اور حالت وجد خوب طاری ہوئی زین الدین صاحب کو بھی خبر ہوئی دوسرے دن خوب لتاڑا کہ تو بھی ناچنے گانے والوں کی صحبت میں جاتا ہی افسوس ہی کہ تو نے سب پڑھا لکھا ڈبو دیا۔ اچھا میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں سچ سچ بتا کہ فضیلت علم اور دانش مندی میں کون بہتر ہے میں یا تیرا پیر؟ پہلے تو وہ خاموش رہا لیکن جب بہ اصرار پوچھا گیا تو عرض کی بھلا میری کیا مجال ہی کہ آپ دونوں بزرگواروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تفوق دے سکوں۔ سید صاحب برآشفتہ ہوئے اور کہا کہ باوجودیکہ تو میرا شاگرد ہی مگر امر حق نہیں کہتا۔ شاگرد بیچارہ جب مجبور ہوا تو ناچار اُس نے کہا کہ علوم ظاہری اور باطنی میں آپ کو فضیلت ہی۔ لیکن حضرت برہان الدین صاحب کو علم باطنی ایسا ہی کہ اُس کی گرد آپ کے دامن تک نہیں پہنچی۔ اس بات کو سنتے ہی آپ طیش میں آگئے اور حجرے کے اندر جا کر چار تختے دولت آبادی کاغذ کے اُٹھا لائے (جو روپشت اُن لغات و سوالات لاینحل سے پُر تھے جو آپ نے تمام عمر میں اس غرض سے چھانٹے تھے کہ نسبت اہل کے علماء سے حل کروں گا) اور کہا کہ لے یہ اپنے پیر کے پاس لے جا اور اِن کا حل کرا لا اور چھ مہینے کی مہلت بھی ہی اگر تیرے پیر نے چھ مہینے میں جواب دے دیا تو وہ بے شک افضل ہی ورنہ تیری اس ہرزہ درائی کی سزا دوں گا۔ وہ سیدھا مولینا غریب کے پاس پہنچا آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ آ جلد آ بہت دیر سے میں تیرا منتظر ہوں میں نے پہلے ہی مولوی داؤد حسین کے سوالات کا جواب شافی کئی کئی طرح سے لکھ رکھا ہی حجرے میں جا اور آٹھ تختہ کاغذ کے رکھے ہیں وہ لے جا کر اُن کو دے دے۔ شاگرد نے منہ مانگی مراد پائی اُلٹے پاؤں واپس آیا۔ سید صاحب نے دیکھا تو مسکرا اور سمجھے کہ ناکام واپس آیا جب اُس کے ہاتھ میں کاغذ دیکھے تو خیال کیا کہ میرا مسودہ واپس لایا۔ ہاتھ میں لے کر دیکھا تو متحیر ہو گئے کہ سارے شکوک اِن جوابات سے رفع ہو گئے اور پورا پورا جواب ہر ایک سوال کا قل ودلؒ موجود تھا۔ اس وقت آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ

گرنے لگے۔ سچ ہے کہ جو شخص اپنی نظر سے دوست کے جمال کو دیکھے گا اپنی نیستی کی تاریکی کا عکس اُسے نظر آئے گا۔ اُسی وقت یہ بیت پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے:۔

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا　　چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار آید

آپ کے ساتھ آپ کے سارے شاگرد ہوئے۔ سیدھے خانقاہ میں پونچے برہان الدین غریب کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر اُن کے قدموں پر گر پڑے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں داؤد حسین یہ امر خلاف شرع شریف ہے۔ سید صاحب نے کہا کہ جب تک میں رسم کو شرع کے خلاف جانتا تھا نعمت باطنی سے محروم تھا اور فرمایا:۔

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید　　یا جاں رسد بجاناں یا جان زتن بر آید

اور اُسی وقت ۷۳۶ھ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور حضرت سلطان المشایخ کا دیا ہوا خرقۂ خلافت ۱۸ ربیع الآخر ۷۳۶ھ میں آپ کو دے کر زین الدین خطاب دیا۔ حضرت کو اب نئی دنیا نظر آنے لگی۔ مولینا غریب نے فرمایا کہ داؤد کیا جاہل ہی رہو گے یا کچھ پڑھو گے بھی آپ نے عرض کی جو ارشاد ہو۔ مولٰنا نے فرمایا مرصاد العباد جو سلوک کی کتابوں میں ایک عمدہ کتاب ہے پڑھو۔ وہ ایک معمولی کتاب تھی آپ بارہا دیکھ چکے تھے۔ مگر حکم مرشد سبقاً سبقاً پڑھنی شروع کی۔ مولینا نے وہ وہ نکات بتلائے کہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ کتاب ختم ہو چکنے کے بعد پھر مولینا نے فرمایا کوئی کتاب پڑھو۔ آپ نے پوچھا کون سی۔ ارشاد ہوا وہی۔ غرض تین مرتبہ از ابتدا تا انتہا وہی ایک کتاب پڑھی مگر جب پڑھی کچھ رنگ ہی اور تھا غرض روز بروز مدارج سلوک و کشف و کرامات کھلتے گئے مولینا غریب کی وفات کے تیسرے دن آپ سجادۂ خلافت پر متمکن ہو کر مرجع انام ہوئے۔

دہلی وغیرہ کا سفر اور دولت آباد کی واپسی

جب دولت آباد سے دہلی کی واپسی کی اجازت مل گئی تو آپ بھی دلی گئے۔ دہلی میں آپ شیخ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی اور نیز دیگر خلفائے سلطان المشایخ سے ملے۔ آپ سے ایک جماعت کثیر نے بیعت کی من جملہ اُن کے شیخ الاسلام صدر الدین دہلی کے مفتی بھی تھے۔ دو ماہ تک آپ برابر حضرت سلطان المشایخ کی روح پر فتوح پر روزانہ ایک کلام مجید ختم فرماتے تھے اور صبح کی

نماز کے بعد روضۂ منظر پر شاغل رہتے تھے ایک دن آپ نے یہ بیت سنی

بیا سا سائے بحسن خود کہ جانم از تو آسودست   تو حسن من برافروودی خدا حسنت بیفزاید

چند دنوں بعد سلطان محمد نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مختار ہیں خواہ دہلی میں تشریف رکھیں یا مرضی مبارک ہو تو حرمین شریفین تشریف لے جائیں یا دولت آباد کا ارادہ فرمائیں اگر کہیں جانے کا عزم ہو تو ایما ہو کہ سامان سفر مہیا کر دیا جائے۔ ابھی آپ کا ارادہ کسی طرف جانے کا نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور فیروز شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ محمد شاہ سے بھی زیادہ آپ کا معتقد تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی ۱۸ صفر ۷۵۲ھ کو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور کا قیام موجب خیر و برکت دارین ہے آپ ابھی کسی طرف کا قصد نہ فرمائیں حضرت نے فرمایا کہ تم مجھے اس بات سے معاف رکھو میں چاہتا ہوں کہ اپنے پیر کے آستانہ پر مروں۔ فیروز شاہ پاس ادب سے اصرار نہ کر سکا اور سامان سفر مہیا کر دیا اور کچھ نقد بھی نذر دیا۔ آپ جب دہلی سے چلنے لگے تو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی اور بہت سے خلفائے سلطان المشایخ امرا و شاہزادگان شمسی حوض تک پونہچانے آئے۔ شیخ نصیر الدین صاحب نے حوض شمسی کے کنارے قبلہ رو ہو کر دعا کی اور اپنا عمامہ زین الدین صاحب کے سر پر رکھ کر بہت سے تبرکات حضرت سلطان المشایخ کے دے کر آپ کو رخصت کیا۔ دہلی سے آپ اجودھن (پاک پٹن) تشریف لے گئے۔ جس روز وہاں پونہچے۔ صاحب سجادہ شیخ محمد بن شیخ علاء الدین بن شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہم بابا صاحب کی بشارت پر استقبال کو نکلے اور باوجودیکہ شیخ محمد صاحب کی عمر سو سال سے متجاوز تھی تب بھی سید صاحب کی حرمت و عظمت بے انتہا کی۔ سید صاحب تین شبانہ روز بابا صاحب کے گنبد کا دروازہ بند کرکے مشغول رہے اور نماز کے وقت کے سوا باہر نہیں نکلتے تھے اور شبانہ روز کلام مجید کا ورد تھا تین شبانہ روز میں بارہ کلام مجید پڑھے اور قریب ایک مہینے کے اجودھن میں رہے رخصت کے وقت شیخ محمد صاحب ایک منزل تک پونہچانے آئے اور بابا صاحب کے بہت سے تبرکات دے کر روانہ کیا۔ وہاں سے آپ اجمیر شریف گئے اور ایک ہفتہ تک سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک پر خلوت رہی اور (۲۸)

کلام مجید ختم کر کے بہت سا فیض حاصل کیا۔ لوگ کثرت سے آپ کے مرید ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد دکن کا رخ کیا اور دولت آباد میں قیام فرمایا۔ یہاں ہر کہ ومہ آپ کا گرویدہ اور معتقد تھا جس وقت بہرام خاں[1] مازندرانی حاکم دولت آباد نے بہ اغوائے کھنبہ دیو مرہٹہ سردار کے سلطان محمد شاہ بہمنی سے بغاوت کی اور سلطان محمد لشکر بےشمار اور فوج جرار لے کر دولت آباد سے دو کوس ورے ٹھیر گیا اُس وقت بہرام خاں گھبرایا اور در اقدس پر حاضر ہو کر یہ اشعار پڑھے ؎

کہ ای از رخت راحت دل پدید | زبانِ تو ہر مشکلے را کلید
چہ تدبیر کاں شاہ گردوں فراز | بیاورد برما چنیں ترک و تاز

اس کے بعد اپنا سارا قصہ عرض کر کے کہا کہ اگر حکم ہوتا ہے تو قلعہ کا دروازہ بند کر لیتا ہوں یا جیسا ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو میرے پاس مشورت کو آیا ہے تو مصداق اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ[2] تو میری رائے میں قلعہ کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ جانا کچھ ٹھیک نہیں بلکہ مال و اسباب کو چھوڑ چھاڑ اپنے بال بچوں کو لے کر گجرات چلے جاؤ۔ بہرام خاں نے وہیں اپنے ہمراہیوں کو بلا چلنے پر طیار ہو گیا آپ نے دستِ شفقت بہرام خاں اور کھنبہ دیو دونوں کی پیٹھ پر پھرایا اور کہا کہ جاؤ خدا کے فضل سے سلامتی شامل حال ہے۔ سلطان محمد شاہ نے جب سنا کہ بہرام خاں بھاگ گیا تو مسند عالی خاں اور چار سو جرار سواروں کو بھیج کر گجرات تک پیچھا کیا لیکن حضرت کی زبانِ فیض ترجمان سے لفظاً سلامتی نکل چکا تھا صحیح سلامت گجرات جا پہنچا ان سے بال بھی بیکا نہ ہوا اور کھسیانا ہو کر واپس آیا۔ اور حضرت زین الدین صاحب سے پہلے ہی پر دل تھا اب تو اور بھڑک اُٹھا۔ پہلے ناراض ہونے کا سبب یہ تھا کہ آغاز سلطنت میں تمام مشائخین نے حاضر و غایب بادشاہ سے بیعت کی تھی لیکن آپ نے بوجہ شراب خواری اور منہیات کے مرتکب ہونے کے بیعت سے صاف انکار کر دیا تھا اور فرمایا کہ سلطنت اُسی کو زیبا ہے جو شریعت محمدی کا پیرو ہو اور منہیات ظاہری و باطنی سے محترز ہو۔ غرض گجرات سے پلٹ کر بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ یا تو آپ میرے پاس

[1] ۱۳۶۲ء میں بہرام خاں جو حسن گنگو بہمنی کا داماد تھا دولت آباد کا گورنر تھا [2] مستورہ اُس سے کیا جاتا ہے جس پر کہ بھروسہ ہو۔ ۱۲

پاس حاضر ہوں یا بیعت کا اقرار کرکے خلافت نامہ پر دستخط کردیں۔ قاضی صاحب جو یہ پیغام شاہی لائے تھے آپ نے سُن کر فرمایا کہ پہلے میری ایک کہانی سن لو پھر جو بات سو بات۔ کسی معرکہ میں ایک عالم۔ ایک سید۔ ایک مخنث گرفتار ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا ان تینوں کو بت خانے میں لے جاؤ۔ اِن میں سے جو بت سجدہ کرے اُسے چھوڑ دو۔ اور جو انکار کرے اُس کی گردن مار دو۔ پہلے عالم نے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ پر عمل کرکے بت کو سجدہ کرلیا۔ سید نے بھی سجدہ کرلیا اور کہا کہ جو حجت عالم کی ہے وہی میری ہے۔ جب مخنث کی نوبت آئی تو اُس نے کہا کہ میں نے اپنی ساری عمر اعمال ناشائستہ اور افعال قبیحہ میں گزرا ئی نہ علم رکھتا ہوں نہ سیادت کہ ان کی آڑ پکڑوں۔ میرا سرمایہ صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے سوا اور کچھ نہیں اگر میں اس کو بھی کھو دوں تو کل قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا میں کسی حال میں سجدہ کرنے والا نہیں جان جائے یا رہے۔ میری حالت مخنث کی سی ہے بلکہ مع شئ زائد نہ میں مجلس میں جاؤں گا نہ سلطان محمد کی خلافت کا اقرار کروں گا۔ رہا اُس کا ظلم سو میں حاضر ہوں۔ قاضی صاحب نے بادشاہ سے جو سنا تھا کہہ دیا بادشاہ برسر غضب ہوا اور قاضی سے کہا ابھی جاؤ اور اُس فقیر سے کہو کہ تمھاری خیر اسی میں ہے کہ میرے شہر سے فوراً نکل جاؤ آپ بلا تامل مصلیٰ کندھے پر ڈال اور اُسی وقت حضرت برہان الدین اولیاء کے روضے کی طرف چل دیئے اور خلد آباد میں حضرت کے روضے کے پائین عصا گاڑ مصلیٰ بچھا بیٹھ گئے اور کہا کہ ہاں اب دیکھوں کہ کون مرد ہے جو مجھے یہاں سے ہٹا سکتا ہے۔ سلطان محمد نے جب یہ حال سنا سخت نادم و پشیمان ہوا اور صدر الشریف کے ہاتھ یہ بیت لکھ کر بھیجی اور بہ منت و سماجت عفو تقصیر کا خواہاں ہوا اور کہلا بھیجا کہ اب خدا را آپ کہیں اور جانے کا قصد نہ فرمائیں :-

من زان تو ام تو زان من باش خوش باشد عشق اتفاقی

آپ نے فرمایا فقیر کو کیا کدہے اگر سلطان محمد غازی شریعت محمدی کا اتباع کرے۔ شراب خانے برخاست کردے۔ اپنے باپ کے طریقے پر چلے۔ خود شراب ترک کردے اور علماء اور قضات کو امر معروف اور نہی منکر کا حکم دے تو مجھ سے بڑھ کر اُس کا کوئی ہوا خواہ نہیں اور یہ رباعی دست خاص سے لکھ کر بھیجی :-

تا من بزیم بہانہ جوئی نہ کنم | جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے من بدیہا کردند | گر دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

سلطان محمد غازی کا لقب سن کر بہت خوش ہوا اور جب سے اپنے نام کے ساتھ غازی لگا دیا اور اُسی روز ملک مرہٹواڑی کی حکومت مسند عالی خاں کے سپرد کر کے گلبرگہ روانہ ہوا اور تمام ملک سے شراب خانے اُٹھا دیئے۔ چوروں، رہزنوں اور مفسدوں کے انسداد کے لئے سختی سے احکام اجرا کئے اور ساتھ ہی حکم دیا کہ رہزنوں اور قزاقوں کے سر کاٹ کے بھیج دئے جائیں۔ کہتے ہیں کہ چوروں اور ڈاکوؤں کے اس کثرت سے سر کٹ کر آئے کہ گلبرگہ میں کئی چبوترے بن گئے۔ الغرض سلطان محمد نے ملک کا خوب انتظام کیا۔ رہزنوں کا تخم تک نہ رہا ملک میں امن چین ہو گیا احکام شرع شریف کی پوری تعمیل ہونے لگی اور بادشاہ خود بھی محتاط ہو گیا۔ سید زین الدین صاحب کے تصرف کا یہ اثر تھا کہ قلب ماہیت ہو گئی اور آپ بھی بادشاہ سے راضی اور خوش ہو کر دست بدعا رہتے تھے۔

برہان پور کی آبادی[۱] جس وقت نصیر خاں فاروقی والی خاندیس نے قلعۂ اسیر کا آسا اہیر سے ۸۰۲ھ میں لیا۔ سید زین الدین صاحب بھی مبارک باد کو خاندیس روانہ ہوئے اُدھر سے نصیر خاں با خدم و حشم دریائے تاپتی کے بائیں کنارے تک جہاں زین آباد آباد ہے آیا اور آپ کو قلعہ میں لے جانے کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ مجھے شیخ کا حکم ندی پار ہونے کا نہیں ہے اور وہیں دو ہفتے قیام کیا۔ نصیر خاں حاضر باش رہتا تھا۔ چلتے وقت اُس نے کئی پرگنہ اور وظائف پیش کئے آپ نے کہا کہ فقیر لے کر کیا کرے گا۔ ہاں اگر تمہاری خوشی ہے تو ندی کے اُس پار جہاں تم ٹھیرے ہوئے ہو ایک شہر میرے مرشد برہان الدین اولیا کے نام آباد کر کے اپنا دارالخلافت بناؤ اور جہاں میں ٹھہرا ہوں یعنی تاپتی کے اس طرف ایک چھوٹا سا قصبہ فقیر کے نام پر بسا دو۔ نصیر خاں اُسی وقت تعمیل حکم میں مستعد ہو گیا اور آپ نے دونوں جگہ کے سنگ بنیاد رکھے دوسرے دن آپ فاتحہ پڑھ کر دولت آباد واپس ہوئے۔ آپ کی دعا کی برکت سے برہان پور بڑا شہر اور سلاطین فاروقیہ کا دارالحکومت بن گیا۔

برہان پور کی توصیف میں غلام علی صاحب آزاد نے یہ غزل لکھی ہے:-

[۱] برہان پور اور زین آباد کی آبادی کے متعلق تاریخ فرشتہ کا قول ہم نے نقل کیا ہے۔ نصیر خاں کی نسبت دیکھو صفحہ ۲۳۶

فزود نور بعیت بقاے برہان پور | دمید روح بہ قالب ہواے برہان پور
دماغ عالمیاں را چہ تازگی بخشند | طراوت چمن دلکشاے برہان پور
سواد اعظم او بس کہ نور افشاں است | ز آفتاب زند دم سہاے برہان پور
بنام اشرف برہان دیں غریب نمود | نصیر[۱] والی کشور بناے برہان پور
زہے مقام مقدس کہ اولیا خیز است | کند سپہر طوائف فضاے برہان پور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵- حکومت کی ابتدا ۸۰۱ھ سے ہوئی اور کئی سال بعد یہ دونوں بستیاں آباد ہوئیں اور سید زین الدین صاحب کی وفات ۷۷۱ھ میں ہوئی پس اس واقعہ کی تطبیق وقت طلب ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں بستیاں زمانہ ما بعد میں اِن دونوں بزرگوں کے نام پر تیمناً و تبرکاً آباد کی گئی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۱]- نصیر خاں ملک راجہ کا بیٹا اور خان جہاں فاروقی کا پوتا تھا۔ خان جہاں سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے دربار میں صاحب اعتبار امرا میں سے تھا۔ خان جہاں کے مرنے کے بعد گردش روزگار نے ملک راجہ کو اُس وقت پدری منصب پر پہنچنے نہ دیا اور ایک مدت دراز پریشانی اور افلاس میں گزری بہزار خرابی اور بصد کوشش فیروز شاہ کے یہاں خاصے کے سواروں میں ملازم ہوا۔ چوں کہ قلت ماہوار سے بہ مشکل بسر ہوتی تھی اس لئے بیکار وقت کو شکار میں صرف کیا کرتا تھا اسی زمانے میں فیروز شاہ گجرات آیا ہوا تھا۔ اس کو بھی شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک روز شکار کے پیچھے گھوڑا اُڑالا شکار گاہ سے چودہ پندرہ کوس دور نکل گیا۔ تکان راہ اور صعوبت سفر سے بدحواس ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ بھوک پیاس نے غلبہ کیا۔ یکایک دور سے ایک سوار دیکھا کہ دو کتے تازی اور چند شکاری جانور ساتھ لئے شکار کھیل رہا ہے۔ چوں کہ بھوک سے بے تاب تھا اُس سے پوچھا کہ تیرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے ملک راجہ نے نہایت اخلاق سے عرض کی کہ ہے اور ماحضر پیش کر کے ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔ فیروز شاہ نے پہلے کھانا کھایا۔ جب حواس درست ہوئے تب اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو۔ ملک راجہ نے آداب بجا لا کے عرض کی کہ میں خان جہاں فاروقی کا بیٹا ہوں اور ملک راجہ میرا نام ہے اور خاص شاہی ملازموں میں ہوں۔ فیروز شاہ اول تو خان جہاں کو اچھی طرح جانتا تھا دوسرے ملک راجہ کا بھی زیر بار

فتاد بس کہ گزر لشکر محمد را [51] | غبار خیز بود کوچہ ہاے برہان پور
لب سبز مین ورق ابر خامۂ آزاد | نمود سبز بنائے ثنائے برہان پور

حضرت سید زین الدین صاحب کے آخری حالات اور وفات سنہ ۷۷۱ھ

درگاہ حد خورد کی پشت پر بہ جانب شمال ایک مکان النگ کے نام سے مشہور ہے۔ النگ ترکی لفظ ہے جس کے معنے قلعہ کی دیوار کے ہیں۔ حضرت اسی سادی سی عمارت میں رہتے تھے اور اسی سبب سے یہ جگہ بہت متبرک خیال کی جاتی ہے۔ اس کے بالاخانہ کی دیواریں جو خاص مقر حضرت کا تھا اب بھی خستہ حالت میں موجود ہیں۔ اس کے دو احاطے ہیں۔ اندرونی احاطے میں میر حسن [52] کی قبر ہے جو آپ کے مرید تھے۔

نقل ہے کہ ایک لکڑہارا جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا لاکر اسی دیوار سے ٹیکا دے کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر آرام لے کر لکڑیاں بیچنے کو خانقاہ شریف میں لایا جن لوگوں نے لکڑیاں لیں ہر چند جلائیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶ - احسان ہو چکا تھا اس لئے حکم دیا کہ دربار عام کے وقت ملک راجہ پیش کیا جائے المختصر ملک راجہ دربار عام میں منصب دوہزاری سے سرفراز ہوا اور تھانیسر میں مضافات خاندیس کی حکومت کا فرمان عطا ہوا۔ ملک موصوف نے ۷۸۴ھ میں حسن تدبیر اور بزور شمشیر جہاد کر کے خاندیس کے راجاؤں کو مطیع کیا اور رفتہ رفتہ اس قدر قوت بہم پہنچائی کہ خود بادشاہ ہو گیا۔ چوں کہ ملک راجہ حضرت سید زین الدین صاحب کا مرید تھا اور شیخ سے ارادت اور خلافت کا خرقہ پایا تھا۔ اس لئے مرتے وقت بڑے بیٹے نصیر خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے خلافت اور اجازت اس کے سپرد کی۔ خاندان فاروقیہ میں دو سو سال سے کچھ زائد سلطنت قائم رہی اور خرقہ خلافت بطناً بعد بطن جو ولی عہد ہوتا گیا اس کو پہنچتا رہا۔ اس خاندان کا آخر بادشاہ بہادر شاہ گزرا ہے۔

۵۱ - سید محمد صاحب برہان پور کے ایک مشہور ولی ہیں۔

۵۲ - دہلی کے باشندے جوان خوش رو خوش گلو و ذی علم تھے۔ آپ کی نسبت ایک نہایت حسینہ اور جمیلہ لڑکی سے ہوئی تھی لیکن مشکل یہ آن بنی کہ اُس پر ایک حاکم جابر بھی فریفتہ تھا اور اپنے

اگر نہ جلیں جو محض آپ کی برکت تھی۔ قدم درویشاں رد بلا مشہور ہے اور یہ خطہ تو حضرت کے اقدام مبارک سے برسوں مفتخر رہا۔ اسی وجہ سے لوگ میت کو اس دیوار کے نیچے سے لے جایا کرتے ہیں کہ رب غفور الرحیم یہاں کی برکت سے آتش دوزخ سے نجات دے۔ رحلت سے تین سال پیشتر سے آپ بالاخانہ پر تشریف فرما تھے۔ دو سال پیشتر ایک روز نماز چاشت کے بعد آپ نے خواجہ شہاب الدین کو بلایا اور مصلّے سے اُٹھ کر شرقی دریچہ سے باہر تشریف لائے اور جس جگہ کہ اب مزار شریف ہے بتلا کر فرمایا کہ یہاں سے جماعت خانے تک یہ جگہ صاف کرا دو گے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷ - نکاح میں لانا چاہتا تھا لیکن میر حسن صاحب کے والد کی سعی مشکور ہوئی اور میر حسن صاحب سے عقد ہو گیا اس خصومت سے حاکم ان کا دشمن جانی ہو گیا آخر کار بے چارے کو کسی مقدمہ میں پھانس کر جولیت سے محروم کر دیا اس ذلت اور رسوائی کے سبب سے آپ وطن کو خیرباد کہہ کر دولت آباد چلے آئے۔ میدان خالی رہ گیا حاکم نے ان کی بیوی کو کھینچوا بلایا۔ لیکن قضائے کردگار اس عورت کا اُس ناہنجار کے مکان میں قدم دھرنا تھا کہ وہ مختلف عوارض میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس عفیفہ کی طرف رخ بھی نہ کر سکا۔ میر حسن حضرت کی خدمت میں جا پہنچے ایک دن اشعار لغتیہ نہایت خوش الحانی سے آپ کو سنا رہے تھے جس سے آپ کو ایسا وجد ہوا کہ ٹہلنے لگے اور نہایت مسرور ہو کر فرمایا کہ میر حسن کہو کیا چاہتے ہو تو میر صاحب نے کہا ؎

عرض حاجت در حریم حضرتت محتاج نیست　　راز کس مخفی نماند بر دل دانائے تو

آپ نے فرمایا اچھا اُٹھ اور گوشے میں جا کر قدرت حق کا تماشہ دیکھ۔ میر صاحب نے جا کر دیکھا تو بیبی کو حالت اصلی پر پایا ؎

کھویا ہوا مال ہاتھ آیا　　بولا وہ کہ شکر ہے خدایا

یہ خبر جو طرف مشہور ہو گئی وہ حاکم بدکردار مع اُس زن وفا شعار کے حاضر ہوا اور سارا قصہ دُہرا کر اپنی خطا کا قایل ہوا اور عرض کی کہ میں نے اس عورت کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اب یہ سراپا خطا کار حاضر دربار ہے آپ میرا دامن اس دھبہ سے پاک فرما دیں۔ آپ نے میر حسن کو بلا کر کہا کہ یہ تیری عورت حاضر ہے اور ہر دغیرے پاک ہے اسے لے لے۔ میر صاحب اب وہ میر صاحب نہ تھے اُن کو دوسرا ہی عشق تھا۔ عرض کی کہ میں لے کر کیا کروں گا مجھے عورت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اس بے چاری کو کالمعلقہ کیوں ڈال

ہمارے کام آئے گی - جب جگہ صاف ہوگئی آپ نے دوبارہ اُس جگہ دیکھا اور کہا کہ ہمارا مرنا جینا یہیں ہے [۵]

خیال در ہمہ عالم بگشت و باز آمد ز خاک کوے تو بہتر نہ دید جاے را

۱۳ ربیع الاول ۱۰۷۴ھ دوشنبہ کے دن کھانسی زکام اور تپ لاحق ہوئی - بارہ دن آپ علیل رہے سوا ے پانی کے غذا حلق سے نہ اُتری ضعف بدرجۂ غایت ہوگیا مگر باین ہمہ نماز پنج گانہ کھڑے ہوکر ہی پڑھتے تھے - فرض تو فرض سنتیں اور نفل بھی کبھی قضا نہ ہوئے - یہاں تک اہتمام تھا کہ عمامہ بھی کھڑے ہوکر باندھتے تھے - ایک خادم نے عرض کی کہ ایسی حالت میں قیام آپ سے ساقط ہے آپ نے فرمایا کہ میرا عمل اس حدیث شریف پر ہے مَنْ تَعَمَّمَ قَاعِدًا اَوْ تَسَرْوَلَ قَائِمًا اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِبَلَاءٍ لَا دَوَاءَ لَہٗ [۶] آب ہوا خلد آباد میں بہت سرد تھی کسی نے آپ سے عرض کی کہ آپ دولت آباد تشریف لے چلیں تو اچھا ہے آپ نے فرمایا کہ جہاں میں ہوں وہیں رہنے دو تاکہ میں شیخ کے آستانے پر مروں کیوں کہ وہاں جاکر بھی مرا تو آخر مجھے یہیں لاؤ گے - بروز وفات بھی حسب معمول تین مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی ایک دفعہ شیخ کے لئے دوسری مرتبہ سلامتی خلق کے لئے اور تیسری مرتبہ دفع بلیّات کے لئے - نماز ظہر سے پہلے جو لوگ حاضر خدمت تھے اُن میں سے خواجہ شہاب الدین نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں - آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے - تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ اذان ہوئی - خواجہ صاحب نے کہا کہ وقت تو آگیا مگر اذان ابھی نہیں ہوئی آپ نے کہا اچھا نماز پڑھو اور خود مصلے پر تشریف لائے - بعد نماز آپ کے پاس جو کچھ تھا دے ڈالا وہ صرف ایک ساڑی اور تین کیلے اور تھوڑی شیرینی تھی - اُس کے بعد فرمایا کہ دنیاوی اسباب سے میں صرف اسی قدر رکھتا تھا اُس کو تجرید کیا اب مجرد ہوا - غلام سب آزاد -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸ - رکھا ہے طلاق دے دو - آپ نے فوراً طلاق دے دی اور بعد انقضاے مدت عدت وہ عورت اُس حاکم کے نکاح میں آگئی اور وہ دونوں بھی حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے - میر حسن صاحب نے حضرت کی حیات میں انتقال کیا اور النگ میں دفن کئے گئے - میر حسن قوال کے نام سے مشہور ہیں -

[۶] جس شخص نے بیٹھ کر عمامہ باندھا یا کھڑے ہوکر پائجامہ پہنا اللہ تعالی اُسے کسی ایسی بلا میں مبتلا کرتا ہے جس کا کچھ علاج نہیں - ۱۲ -

کتب خانہ وقف - اس کے بعد لیٹ گئے خدام نے کہا کہ آپ کچھ وصیت فرمائیں آپ نے منہ پھیر لیا دوبارہ پھر کہا تو کہا "منجھے مت بلاوا" یعنی مجھے نہ پکارو - غرض آپ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا - عصر کی نماز کا وقت آگیا مگر آپ غشی[۱] میں تھے - خواجہ شہاب الدین نے قریب آکر پاؤں ہلایا اور کہا کہ نماز کا وقت آگیا فوراً چونک پڑے اور اٹھ کر نماز عصر پڑھی اور بعد ادائے فرض سر سجدے میں رکھ کر جان شیریں جان آفریں کے سپرد کی - اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

۲۵ / ربیع الاول ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۷ء) اتوار کے دن یہہ سانحہ ہوا - اور روز دوم آپ دفن ہوئے -

قطعات تاریخ وفات ۱۱۷۱ھ

روز شد تیرہ چو شب در دیدۂ اہل شہود ⁂ چاک زد چوں گل قبا در باغ گیتی ہر وجود

عالمے را ہم چو سنبل شد پریشانی ازاں ⁂ شاہ زین الدین صاحب کوچ از دنیا نمود

۱۱۷۱ھ

جو زین الحق دُرِ دریائے عرفاں ⁂ مرید خاص شاہنشاہ برہاں

بحق پیوست تاریخش خرد گفت ⁂ بیم قطرہ بحق واصل بدالساں

۱۱۷۱ھ

درگاہ شریف آپ کی درگاہ کے کئی احاطے ہیں جس احاطہ میں گنبد ہے اُس میں فرش سنگ سرخ کا ہے دروازہ کے پٹوں پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے ہیں اور سیڑھیوں پر بہت عمدہ نقش و نگار کیے گئے ہیں - قبر پر غلاف کے علاوہ ہمیشہ شامیانہ تنا رہتا ہے - جس میں شتر مرغ کے انڈے لٹکے ہوئے ہیں - مزار مبارک کے سرہانے یہہ کتبہ ہے :-

---

[۱] - بزرگان دین اور خاصان خدا کا یہی حال ہوتا ہے - میری والدہ کے پھوپا شمس العلما جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب مرحوم محدث دہلوی کا سن شریف بھی سو سال کے لگ بھگ تھا - عرصہ تک بیمار رہے - جتنی سختیاں ہونی ہوتی ہیں وہ سب دنیا میں ختم ہو جاتی ہیں عاقبت کے مواخذہ سے یہیں نبٹ جاتے ہیں - مولوی صاحب کو جن کو تمام لوگ میاں صاحب کہتے تھے بالکل فریش تھے مگر ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی تھی جہاں تسبیح ہاتھ سے چھوٹی کہ بے چین ہو گئے جو پاس بیٹھے رہتے تھے تسبیح پھر پکڑا دیتے تھے - اسی طرح نماز کا حال تھا کتنے بھی غافل ہوں نماز کا وقت آیا کہ کروٹیں بدلنے لگے اور جب تک نماز نہ پڑھ لیتے تھے کسی کل چین نہ پڑتا تھا - ایسے لوگ اب کہاں پیدا ہیں - ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایں[1] بارجا و خوابگہ شیخ زین دین است | خورم کہ حقیقت سلطان راستین است
ایں آستان مطلع ایوان مہر و مہ است | دیں گنبد منور شاہنشۂ یقین است
شاہنشہی کہ قبلۂ امید خلق بود | امروز نیز کعبۂ حاجات مستعین است
ہر حاجتے کہ داری ایں جا شود روا | کانجا نہفتہ دولت و اقبال درکمین است
کی غم بود ز دور دہر دور روزگار | آں را کہ خاک روضۂ او صندل جبین است
آں روضۂ مبارک برہان اصفیا است | ایں روضہ مثل مجمع بحرین دو یمین است
روپاک شو ز جملہ گناہاں دریں دو بحر | کارام خضر مقصد موسیٰ ہم اندرین است
ہرگز مرید گم نکند راہ دیں ازانکہ | دو قطب رہنمائے بیک جائے ہمنشین است
چوں خاتم است سلسلۂ خواجگان چشت | ایں خواجۂ محقق شیراز چوں نگین است
تاریخ بود ہفصد و ہفتاد و یک زسال | کیں جان خستہ با غم ہجراں او قرین است
نقلش بہ بست و پنج مد از اول ربیع | با بست و ششش نہفتن ایں گنج در زمین است
روز بنائے دہر بوقت ادائے عصر | در سجدہ جاں سپر و کہ عشاق راہ این است
ایں روضہ کہ راست شد اندر مہ صیام | دار الامان ست بانی ایں خادم امین است
ایمن ز استراق شیاطین ایں سپہر | چوں چاؤش ستارۂ ثاقب شہاب دین است
ای معدن کرم نظرے کن کہ روز و شب | حامد . . . خوش و زہجر تو مزین است

گنبد کے سامنے پتھر پر یہ کتبہ ہے :-

اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

ایں قبۂ معظم سلطان اولیا است | کو نایب پیمبر و برہان انبیا است
قطب المدار غوث الاسلام زین و دین | آں کو بحق خلیفۂ برہان اصفیا است
داؤد بن حسین رسے کز طفیل او | اقبال و بخت بندۂ نیکاں ایں سرا است

[1] ۔ صندل لگانے سے حروف بھر گئے ہیں جو بہ مشکل پڑھے جاتے ہیں اور لکڑی کے تختہ پر یہ کتبہ ہونے سے پڑھنا اور بھی مشکل ہے ۔ شاعری اُس زمانے کی جیسی بھی ظاہر ہے ۔ ۱۲ -

این بارجاہ شاہست تا خلق روز و شب — آید اُمیدوار کہ ایوان بارجاست
دارد بنائے روضۂ از آں زینت و بہار — خواجۂ[۱] شہاب آمد و بنیاد یا بہاست
از سال نقل خواجۂ و بنیاد مقبرہ — ہفتاد و ہفصد و یک تبیان ماجراست
داؤد بن حسین تاریخ مہد شد — نظم بکار بند کہ عنوان سر کشاست

گنبد والے احاطے کے چاروں کونوں پر چار حجرے لداؤ کے ہیں جن میں سے ایک میں پیراہن شریف اور دوسرے حجروں میں درگاہ کا سامان ہے۔ اس احاطے میں چار درخت مولسری کے ایک چنبیلی اور بیلے کا منڈوا اور ایک آم کا درخت ہے۔ گوشۂ جنوب و غرب میں اورنگ زیب کی قبر ہے علاوہ اس کے شمس الدین فضل اللہ اور مولینا تاج الدین احمد اور مولینا محمد صاحب کے قبور ہیں۔ سنگ مرمر کی چار دیواری میں خان بی بی صاحبہ کا مزار ہے جو حضرت سید زین الدین صاحب کی بہتی تھیں اور شاہزادۂ اعظم شاہ اور اُن کی بیگم کی قبریں ہیں زنانی قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ دوسرے احاطہ میں جسے یہاں حجرہ کہتے ہیں شاہزادۂ معظم کے معصوم بچوں کی قبریں ہیں جن پر سائبان تھا جو اب گر گیا۔ علاوہ اور عمارات کے جن میں لوگ رہتے اور زائرین اُترتے ہیں ایک تسبیح خانہ بھی ہے جہاں اورنگ زیب کے حفاظ وغیرہ کلام مجید پڑھا کرتے ہیں۔ خلد مکان کے پاس حضرت امیر حسن مصنف ہدایت القلوب کا مزار ہے جس پر ایک چھوٹا سا گنبد اور سنگ سرخ کا سہ درہ بنا ہوا ہے۔ درچاک کے آگے تین کمانوں کا دالان ہے جس کی بیچ والی کمان بسم اللہ الرحمن الرحیم کلمۂ طیبہ اور مرتب شد در سال ۱۲۰۲ھ ہجری کندہ ہے۔ حاجی رمضان خاں کشمیری سیاح عرصہ سے اِن ہی دالانوں میں رہتے ہیں۔ اس دالان کے پاس ایک ہاتھ بھر کا گنبد محض بطور صناعی کے بنایا گیا ہے۔

اورنگ زیب ۱۰۷۷-۶۵۹ ۱۶عر ابوالمظفر محمد محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی ۱۱ ذی قعدہ ۱۰۲۸ھ کو گجرات میں پیدا ہوا۔ تاریخ ولادت "آفتاب عالمتاب" ہے شاہزادگی کے زمانے میں بیشتر برہان پور اور خاندیس رہا۔ چوں کہ زمانۂ دراز تک دکن کی فوج پر سپہ سالاری

[۱] یہ وہی صاحب ہیں جو حضرت شاہ زین الدین صاحب کے ساتھ حج کو گئے اور پھر دہلی اور دہلی سے دولت آباد آئے۔ یہ مقبرہ ان ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ مگر خود ان کی قبر کہاں ہے پتہ نہیں۔ ۱۲

کرکے متواتر فتوحات حاصل کرتا رہا لہٰذا وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ سربرآوردہ اور تجربہ کار جنرل تھا۔ ذی قعدہ ۱۰۶۹ھ / مئی ۱۶۵۹ء چالیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ زمانۂ شاہزادگی سے مالی و فوجی امور کا کافی تجربہ حاصل تھا۔ تفصیلی امور انتظام مملکت میں ایسی کافی دستگاہ رکھتا تھا کہ تخت پر بیٹھنے کے بعد ہر اعتبار سے وہ اِس اہم ذمہ داری کے لئے موزوں تھا۔ جسامت دبلی پتلی اور پستہ قد تھا اور لباس و طرز زندگی بالکل سادہ اور فقیرانہ تھا۔ ہمیشہ سفید ململ پہنتا تھا۔ شاہ جہاں کی طرح نہ مزاج میں عیش و نشاط تھا نہ شراب چھوتا تھا بلکہ غذا بھی بالکل سادی اور بہت کم کھاتا تھا اور کبھی رقص و سرود نہ دیکھتا نہ سنتا تھا۔ بیت المال میں سے ایک دمڑی کو ہاتھ نہ لگاتا تھا کلام مجید لکھ کر اور ٹوپیاں کاڑھ کر مصارف ذاتی چلاتا تھا۔ روزے نماز اور احکام شرع شریف کا حد درجہ پابند تھا کٹّا سنّی اور بالکل مذہبی آدمی تھا۔ کوئی کام خلاف شرع اسلام نہ کرتا تھا تو وہ بادشاہ اور بادشاہ بھی کیسا اولوالعزم لیکن اُس کی زندگی ایک بہترین نمونہ تھی جو بالکل شاہانہ تکلفات سے مبرّا تھی۔ اُس کو اپنے آرام و آسائش کا بالکل خیال نہ تھا اُس کا مقولہ تھا کہ بادشاہ کا وجود محض رعایا کی خدمت گزاری اور آرام و آسائش کے لئے ہے۔ درباری شان شوکت اور دھوم دھام سے وہ سخت کارہ تھا۔ اکبر کی طرح اس میں مذہبی ڈھیل نہ تھی۔ بت پرستی کا جانی دشمن تھا جو کچھ کام کرتا تھا اُس میں مذہبی جھلک کا عنصر غالب رہتا تھا اور اسی وجہ سے سلطنت مغلیہ کا زوال ہوا۔ اور آخر زمان سلطنت میں ہندوؤں نے سر اُٹھایا جس سے عمر رسیدہ بادشاہ سخت متردد رہا۔ جدھر دیکھو اُدھر سازش کا بازار گرم تھا۔ اگرچہ بادشاہ کے چار بیٹے شاہزادۂ معظم۔ شاہزادہ اعظم۔ اکبر اور کام بخش تھے مگر ان میں سے کوئی بھی باپ کا ہم درد نہ تھا۔ آخر کار اورنگ زیب احمد نگر میں جا بیٹھا وہاں سے شاہزادۂ معظم کو اُس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ "جب میں پیدا ہوا تو میرے گرد لوگوں کا مجمع تھا اور اب میں تن تنہا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیوں زندہ ہوں اور دنیا میں کس لئے آیا تھا۔ افسوس کہ مجھ سے مخلوق خدا کی بہتری کا کوئی کام نہ ہوا۔ خدا میرے دل میں ہے۔ لیکن اپنی تیرہ چشمی کے سبب سے میں اُس پاک نور کو نہ دیکھ سکا۔ دنیا میں آتے وقت میں کچھ اپنے ساتھ نہیں لایا مگر اب گناہوں کی گٹھری کا بوجھ سر پر لے جاتا ہوں" ۵

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم
حرمان و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

آخری وقت تک کبھی ایک وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی مرتے دم تک تسبیح ہاتھ سے نہ چھوٹی جب دم نکل گیا تب بھی تسبیح ہاتھ میں تھی - نواسی برس کی عمر اور اوائل ماہ (۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ تاریخ سنہ ۱۷۰۷ء) میں نماز صبح کے بعد روح قالب خاکی سے پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مدت سلطنت پچاس برس دو ماہ (۲۸) روز اور بہ حساب عیسوی پچاس سال تھی - اورنگ زیب کی وصیت تھی کہ قبر پختہ نہ بنانا نہ کوئی دھوم دھام کرنا - ٹوپیاں کاڑھنے سے پانچ روپیہ مہینے کی بچت ہوتی تھی اور یہی رقم اپنی تجہیز و تکفین کے واسطے رکھی تھی - کلام مجید کی کتابت سے قریب ساڑھے تیرہ سو کے نکلا وہ غربا میں تقسیم کر دیا گیا - اگر ایسے خدا ترس اور نیک دل بادشاہ میں تعصب نہ ہوتا اور مذہبی تعدیل ہوتی تو سلطنت مغلیہ کا دوسرا ہی رنگ ہوتا - بعد وفات دوسرے دن شاہزادہ اعظم نعش خلد آباد لایا اور حضرت زین الدین قدس سرہٗ کی درگاہ شریف کے گوشہ جنوب و غرب میں دفن ہوا ؎

جنازہ لے کے وراجب سوئے مزار آئے
عدم میں غل مچا پیدل گئے سوار آئے

اورنگ آباد کی طرف کے دروازہ میں سے ایک اونچی سڑک اندرون آبادی جاتی ہے جس کا فرش دو سو تین سو فیٹ تک پتھر کا ہے - اورنگ زیب کی قبر شمالی اور جنوبی دروازوں کے بیچوں بیچ میں ہے جہاں سے (۳۰) گز لمبا پتھر کے فرش کا راستہ مزار کی طرف جاتا ہے - یہاں ایک بیٹھے ہوئے چھٹے اور دروازے سے گزرنے کے بعد جو سنہ ۱۷۶۰ء میں بنایا گیا تھا ایک چوکون صحن ملتا ہے جس کی تینوں جانب مکانات ہیں جو بطور مسافر خانے اور مدرسہ کے استعمال کئے جاتے ہیں - جنوبی رُخ پر بیچوں بیچ میں ایک نقار خانہ اور مغرب کی طرف ایک بڑی مسجد ہے جس کی وضع کا ایک اور دالان بھی مسجد سے ملا ہوا بنا ہوا ہے جس کی سیڑھیاں اُتر کر ایک چبوترے کے کنارے پر آتے ہیں مسجد کے شمالی سرے پر ایک کھلا ہوا دروازہ ہے جس میں سے اندر والے صحن میں جاتے ہیں جس کے جنوب و مشرق میں اورنگ زیب کی قبر ہے - اُس کے محاذی ایک لمبا پست دالان اور ایک حجرہ ہے جس میں قبر کے غلاف وغیرہ رہتے ہیں - دروازہ کی ٹھیک داہنی جانب قبر ہے اور جو اورنگ زیب کی وصیت کے موافق بالکل سیدھی سادی اور کچی ہے اُس پر مثل دوسرے

بادشاہوں کے کوئی گنبد وغیرہ نہیں ہے ؎

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است   سایہ از ابر رحمت قبرپوش ما بس است

مغربی جانب جو سنگ مرمر کی جالی لگی ہوئی ہے وہ پانچ فیٹ اونچی ہے جس کی آٹھ جالیاں ہیں چار دروازے کے اس طرف چار اُس طرف اس کے اوپر اسی قدر بلند نصف دائرہ کی چوبی جالی ہے دروازہ ساگوان کی لکڑی کا ہے- قبر کا چبوترہ سنگین ہے جس کے بیچوں بیچ میں چھ انچہ اونچی مٹی کی قبر ہے جس پر مولسری کے درخت کا سایہ ہے چبوترے کے اطراف شامیانہ تاننے کے تِلّے تِلّے کھم ہیں عرس یا کسی اور خاص موقع پر شامیانہ لگایا جاتا ہے اور مغرق غلاف بھی قبر پر ڈالتے ہیں یوں سادہ دنوں میں صرف سفید چادر پڑی رہتی ہے- خدام اور چوبدار وغیرہ ہر وقت موجود رہتے ہیں- قبر پر باوجود اس سادگی کے خداداد شان و شوکت ہے کہ آج بھی جو جاتا ہے اُس پر ایک عجیب حالت رعب و داب شاہی کی طاری ہوتی ہے- یہیں حجرے میں اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک سیپارہ رکھا ہوا ہے جس کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں کہ اورنگ زیب بڑا خوش نویس تھا- اورنگ زیب کی وفات کے بعد ایک وصیت نامہ بچھونے کے تکیے کے تلے ملا شاہزادۂ اکبر باغی ہوکر جلا وطن ہوگیا تھا- اُس سے کوئی بحث باقی نہیں رہی باقی تین شاہزادوں میں اورنگ زیب نے جو سلطنت کی تقسیم کی تھی کوئی بھی اُس پر کاربند نہ ہوا- بڑا شاہزادہ معظم باپ کی وفات کی خبر سنتے ہی کابل میں بادشاہ بن بیٹھا- شاہزادۂ اعظم دکن میں خود مختار ہوگیا- ان دونوں نے بڑی بھاری فوج جمع کی اور دونوں کے لشکر آگرہ کے جنوب میں جون ۱۷۰۷ء میں بھڑ گئے اور ایک بہت بڑی لڑائی میں شاہزادہ اعظم کو کھلی شکست ہوئی جس میں وہ اور اُس کے دو جوان بیٹے مارے گئے- فروری ۱۷۰۸ء میں شاہزادہ کام بخش کو دکن میں شکست ہوئی اور وہ زخموں سے چور چور ہوکر جان بحق ہوا اب صرف شاہزادہ معظم رہ گیا اور وہی بہادر شاہ ثانی یا شاہ عالم اول کے نام سے بادشاہ ہوا-

مزار حضرت سید زینو یوسف صاحب قاضی کے حوض کے پاس ایک چار دیواری کے اندر حضرت سید زینو صاحب کی قبر ہے اس چار دیواری میں آپ کے سوا آپ کے بھائی سید عبداللہ اور حضرت زینو صاحب کی بہن بی بی رابعہ کی قبریں بھی ہیں بعض

لوگ کہتے ہیں کہ زنانی قبر آپ کی بی بی عصمت النسا کی ہے۔ واللہ اعلم۔ اصلی نام آپ کا سید یوسف تھا سیاہ فام اور نہایت کریہ منظر تھے۔ سید زین الدین صاحب کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کو اپنی بدشکلی کا سخت ملال تھا۔ سید صاحب اس امر کو تاڑ گئے دست شفقت آپ کی پیٹھ پر پھیرا اور فرمایا "تم کو بدشکل کون کہتا ہے تم تو میرے یوسف ہو"۔ اسی دن سے آپ سید زینو یوسف مشہور ہو گئے۔ آپ کی درگاہ کے اندرونی دروازہ پر صرف یا اللہ کندہ ہے۔

مزار خواجہ لطف اللہ یہیں ایک احاطہ میں املی کے دو درختوں کے پاس خواجہ لطف اللہ معروف بہ خواجہ بنگاہ یا خواجہ بنگالہ کا مزار اور ایک مسجد ہے جس کی چھت تو گر گئی ہے اب صرف دیواریں کھڑی ہیں۔

مزار امیر حسن اعلائے سنجری ۷۳۸ھ میر حسن یا امیر حسن۔ اصلی نام نجم الدین باپ کا نام اعلائے سنجری تھا۔ سنجر ملک سیستان کا ایک شہر ہے۔ بڑے نامور شاعر تھے۔ سلطان علاء الدین بلبن کے بیٹے محمد سلطان خاں شہید کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ اہل ہند آپ کو "سعدی ہند" کہتے ہیں۔ کلام آپ کا نہایت عمدہ اور بلیغ ہے۔ جامی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ غزل گوئی میں ان کا ایک خاص طرز تھا۔ غلام علی آزاد بلگرامی کہتے ہیں کہ آپ کے اشعار شہرۂ آفاق اور نمک ریز جراحت عشاق ہیں۔ ملک الشعراء فیضی کا قول ہے کہ میر حسن شعر گوئی میں ایک ایسی ادا اور آن رکھتا ہے کہ اس کا عاشق ہونا چاہیئے۔ حضرت سلطان المشائخ آپ کے اشعار قوالوں سے فرمائش کر کے سنتے تھے شیخ کی زبان فیض ترجمان سے اقوال و حکایات سن کر میر صاحب نے ایک رسالہ فوائد الفواد لکھا جس کی پر لطف عبارت اور عمدہ نکات و اشارات مقبول خاص و عام ہیں۔ امیر خسرو آپ کی تصنیف پر رشک کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت سلطان المشائخ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت کر کے حوض شمسی پر تشریف لائے۔ شیخ برہان الدین اولیاء بھی ہمراہ تھے۔ میر حسن کو دیکھا جلسہ ہو رہا ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ کو آتے دیکھ یہ اشعار پڑھے ؎

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم ؎ گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہد تاں فسق از دل ما کم نہ کرد فسق مایاں بستہ از زہد شماست

آپ نے یہ اشعار سُن کر فرمایا کہ صحبت کا اثر حسن نیت پر موقوف انشاء اللہ وہ وقت بھی جلد آجائے گا - ادھر آپ کی زبان سے یہ بات نکلی اُدھر میر صاحب کی حالت متغیر ہوگئی سر برہنہ قدموں پر گر پڑے اور منہیات سے توبہ کرکے مرید ہوگئے اُس وقت میر صاحب کا سن پچاس سے متجاوز تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں :- ؎

اے حسن توبہ آنگہے کردی کہ ترا قوت گناہ نماند

میر صاحب حسن بے مثال اور عقل کمال رکھتے تھے میر خسرو کو ان سے کمال تعشق تھا - ایک دن سلطان المشائخ بازار جارہے تھے امیر خسرو ساتھ تھے دیکھا کہ میر حسن ایک دکان روٹی کی لگائے بیٹھے ہیں دیکھتے ہی دل ہاتھ سے جاتا رہا نزدیک جاکر پوچھا روٹی کیوں کر بیچتے ہو؟ میر صاحب نے کہا ایک پلڑے میں روٹی رکھتا ہوں اور دوسرے میں خریدار سے کہتا ہوں کہ روپے ڈالئے جب روپیہ کا پلڑا جھک جاتا ہی تو خریدار کو رخصت کرتا ہوں - امیر خسرو نے کہا اور جو خریدار مفلس ہو تو؟ میر صاحب نے کہا تو پھر روپیہ کے عوض درد و نیاز لیتا ہوں - ادھر تو میر صاحب کے برجستہ جواب سے امیر خسرو کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اُدھر میر حسن صاحب کو بھی داد طلب دامن گیر ہوئی - اُسی وقت دکان کو بالائے طاق رکھ کر اکتساب علم کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں رہنے لگے - چند روز کی یک جائی سے میر صاحب کا اور امیر خسرو کا اتحاد بڑھ گیا اور دونوں نے ملتان میں محمد سلطان خاں شہید پسر غیاث الدین بلبن کی ملازمت کی - امیر خسرو مصحف بردار اور میر صاحب دوات بردار ہوئے - جس وقت سلطان خاں دہلی آیا یہ بھی ساتھی ساتھ آئے - رفتہ رفتہ رشتۂ اتحاد بڑھ گیا لوگوں نے بدگمانی شروع کی بادشاہ سے اُلٹی سیدھی جا لگائی - انّ بعض الظن اثم امیر خسرو نے جب یہ بہتان سنا تو اُسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے - ؎

نعت
نہیں دل خود کام کارمن برسوائی گشید خسروا فرمان دل بردن ہمیں بار آورد

بادشاہ نے سختی سے اِن دونوں کا ملنا جلنا بند کرا دیا لیکن چوں کہ صحبت سچی تھی بادشاہ کی ممانعت کا کچھ بھی اثر نہ ہوا - بادشاہ نے میر صاحب کو بلا کر تعزیر بیدی کی سزا دی - مگر میر صاحب کوڑے کھا کر سیدھے امیر خسرو کے پاس پہنچے - پادشاہ نے اِن کی اس حرکت پر سخت تعجب کیا

ایک صاحب اہل دن نے عرض کی کہ یہہ محبت مجبت مجازی سے عشق حقیقی کو پونہچ گئی ہو آپ کی دخل دہی بے کار ہو۔ بادشاہ نے امیر خسرو سے بلاکر پوچھا کہ تمھاری محبت خواہش نفسانی سے پاک ہو یا نہیں؟ امیر خسرو نے کہا کہ ہم دونوں کے درمیان دوئی کا پردہ اُٹھ گیا ہو۔ بادشاہ نے کہا گواہ کون ہو۔ امیر خسرو نے آستین اُلٹ کر اپنا ہاتھ دکھایا۔ اور کہا کہ ع۔

گواہ عاشق صادق در آستیں باشد

بادشاہ نے دیکھا تو واقعی کوڑوں کے نشان تھے۔ اُس وقت خسرو نے یہہ رباعی پڑھی:۔

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست　　تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست
اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت　　نامیست مرا برمن و باقی ہمہ اوست

میر صاحب نے ۲۹ صفر ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "مخدوم اولیا" ہو۔ درگاہ ۷۳۸ھ کے حصار کے باہر گوشہ جنوب و غرب میں کوئی پانسو قدم کے فاصلے سے دفن ہیں۔ میر صاحب بڑے ظریف بھی تھے۔ ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے اکثر لوگ عیادت کو آئے۔ امیر خسرو بھی تشریف لائے اور پوچھا کہ "مارا می شناسی کہ ما کیانیم" اور پھر کہا کہ "ما چہ کسانیم" میر صاحب نے آنکھ کھول کر کہا کہ "بندہ بسخن اولیم" لوگوں نے ہنس کر کہا کہ میر صاحب اس وقت بھی مذاق نہیں چھوڑتے۔ یہاں آپ کو لوگ عموماً حسن شیر کہتے ہیں۔ غلام علی آزاد کہتے ہیں کہ یہہ حسن شاعر کی تصحیف ہو۔ مشہور ہو کہ شیر آپ کے مزار پر آیا کرتا ہو۔ مزار پر جمعرات کو خلایق کا ہجوم ہوتا ہو کند ذہن طلباء آپ کے آستانے پر شکر چاٹتے ہیں اور غبی ذکی ہو جاتا ہو۔ یہاں اور بہت سی قبریں ہیں مگر آپ کی قبر سے ملی ہوئی مشرق میں جو قبر ہو عوام کا کہنا ہو کہ یہہ آپ کا کتب خانہ ہو۔ درگاہ بہت مرمت طلب ہو صدر دروازے پر یہہ کتبہ ہو:۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کتبہ محمد یحییٰ خادم لتعمیر برادر اچھو

ازحسن عمل نمود عــا بد برپا　　دروازہ تازہ طور محراب نمـا
۱۱۹۳ھ

تیسرے احاطے میں میر مسعود عرف لیٹر جھجو کی قبر ہو جو میر صاحب کے بھائی یا بھتیجے تھے۔ درگاہ سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا تالاب غلام علی صاحب آزاد کا بنایا ہوا مشہور ہو۔ ٹیکڑی پر میر آخون صاحب

کا اور وہیں بی بی عائشہ کی قبریں ہیں۔

نمونہ کلام ای ماہ خوباں یک شبے یا خویش مہماں کن مرا ؛ درآفتاب روئے خود چوں صبح خنداں کن مرا

دارم دے آتش کدہ آخر خلیل من توئی ؛ برمن فروزاں یک دمے آتش گلستاں کن مرا

افگند زلف کافرت اشکالہا در دین من ؛ یک بار بنما روے خود از سر مسلماں کن مرا

در کنج فرقت سالہا داؤد ساں نالیدہ ام ؛ بر تخت وصلت ای پری یک شب سلیماں کن مرا

از زہد خشک خویشتن ہستم براں اول قدم ؛ زاں می کہ چشمت مست شد امروز غلطاں کن مرا

گہ بار گاہ بدہ چندیں چہ زارم میکشی ؛ لب بالب من بندہ نہ جاں کندن آساں کن مرا

مسکیں حسن می گویدت ای وقت مشتاق تو خوش ؛ گرمن زالیشاں نیستم در کار ایشاں کن مرا

امیر خسرو ۷۲۵ھ آپ کا تذکرہ ہماری کتاب سے فی الواقع غیر متعلق ہے لیکن چونکہ آپ سے اور امیر حسن سے بڑی گاڑھی دوستی تھی ہم نہیں چاہتے کہ امیر صاحب کا تو ذکر کریں اور امیر خسرو صاحب کو چھوڑ دیں لہذا بالکل علی سبیل الاختصار لکھتے ہیں۔ جن صاحب کو تفصیلی حالات دیکھنے ہوں وہ انتظار کریں اُس مبسوط کتاب کا جو علی گڑھ میں خاص اہتمام سے زیر ترتیب ہے۔ آپ کا نام ابوالحسن تھا۔ خسرو تخلص کرتے تھے۔ باپ امیر سیف الدین بلخ ہزارہ کے امیر زادوں میں تھے جو چنگیز خاں کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ امیر خسرو مومن آباد عرف پٹیالی میں جو گنگا کے کنارے ہے پیدا ہوئے۔ اِن کے والدین نے جس وقت سلطان المشائخ سے بیعت کی آپ آٹھ برس کے تھے اور باپ کی عمر پچاس سال کی تھی۔ آپ کفار کے ہاتھوں سے شہید ہوئے اُس وقت امیر خسرو نو برس کے تھے۔ انھوں نے باپ کا ایک نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:-

سیف از سرم گزشت دل من دو نیم شد ؛ دریا ہے ازیں رواں شد و دُر یتیم شد

اِن کے نانا عماد الملک اولیاے کرام میں سے تھے انھوں ہی نے ان کی پرورش کی اور ایک سو تیرہ سال کی عمر میں قضا کی۔ اگرچہ امیر خسرو کا زیادہ وقت امرا اور بادشاہوں کی صحبت میں گزرا تھا مگر دلی رجحان تصوف کی طرف تھا اور اسی سبب سے سلطان مشائخ کے بڑے مورد عنایت۔

یار وفادار اور محرم اسرار تھے۔ حضرت سلطان المشائخ اکثر ان کو "ترک اللہ" کہہ کر پکارتے تھے جیسا کہ خسرو کے ان اشعار سے ظاہر ہے:۔

برزبانت چوں خطاب بندۂ ترک اللہ رفت   دست ترک اللہ بگیر دہم باللہش سپار
چوں من مسکیں ترا دارم ہمینم بس بود   شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

چوں کہ میر صاحب حسن لطافت بیان اور فن موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اس لئے بعض اوقات حضرت سلطان المشائخ آپ کو ترک اللہ کے سوا "مفتاح السماع" بھی کہہ کر پکارا کرتے تھے شب بیدار تہجد گزار تھے۔ چالیس سال صائم الدہر رہے۔ شیخ کے ساتھ ہی حج بھی کیا۔ سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ آپ کے دل میں ایسا سوز و گداز تھا کہ ہمیشہ پیراہن قلب پر جلا ہوا رہتا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ کی خاص توجہ آپ پر تھی اور مورد عنایات خاص تھے۔ حضرت بارہا فرمایا کرتے تھے اے ترک اللہ میں اپنے وجود سے رنجیدہ ہوتا ہوں لیکن تجھ سے نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ خضر سے ملاقات ہوئی امیر خسرو نے لعاب دہن کی خواہش کی حضرت نے فرمایا یہ دولت سعدی شیرازی کے حصہ کی تھی امیر خسرو نے یہ بات شیخ سے کہی آپ نے اپنا لعاب دہن دیا یہ اُسی کی برکت ہے کہ قریب سو کتابوں کے نظم و نثر میں آپ کی تصنیف ہیں۔ لعاب دہن جس وقت آپ کے منہ میں پڑا آپ نے یہ شعر پڑھا:۔

زلفت از ہر دو جانب خوں ریز عاشقانست   چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیانست

قریب قریب پانچ لاکھ اشعار آپ کی زبان سے نکلے ہیں۔ آپ کا کلام مقبول انام ہے۔ خالق باری جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اور جو نصاب خسرو کے نام سے مشہور ہے آپ ہی کی تصنیف ہے شعر گوئی پر آپ کو ایسی قدرت کاملہ تھی کہ مثنوی مطلع الانوار جو مثنوی مخزن الاسرار مصنفۂ شیخ نظامی گنجوی کے جواب میں لکھی ہے دو ہفتے میں تمام کی۔ ایک مرتبہ آپ نے شیخ سے عرض کی کہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن مجھے خسرو کے نام سے پکاریں کیوں کہ یہ متکبروں کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت میں تمھیں "محمد کاسہ لیس" کہہ کر پکاریں گے۔ امیر خسرو اکثر بڑے بڑے اُستادوں پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے حضرت ہمیشہ منع فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ چاہیئے۔ جس وقت حضرت نظامی علیہ الرحمہ کے خمسہ کا جواب لکھا حضرت نے آپ کو ڈرایا۔ آپ نے کہا کہ میں تو آپ کی پناہ

میں ہوں مجھے کیا ڈر - اتفاقاً اُسی خمسہ کی ایک بیت کے جواب میں جب یہہ بیت کہی ؎

کوکبۂ خسرویم شد بلند		غلغلہ در گور نظامی فگند

فوراً ایک شمشیر برہنہ نمودار ہوئی - امیر خسرو نے ڈر کر اُسی وقت حضرت سلطان المشائخ اور شیخ فرید گنج شکر کو یاد کیا وہیں ایک ہاتھ ظاہر ہوا اُس نے تلوار کے وار کو اپنے اوپر لیا - تلوار آستین کاٹتی ہوئی ایک درخت پر جا پڑی - خسرو حضرت کے پاس آئے اور یہہ کیفیت عرض کرنی چاہی آپ نے پہلے ہی کٹی ہوئی آستین دکھائی - خسرو قدموں پر گر پڑے آپ نے فرمایا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست		ملکیت ملک سخن از خسرو ماست
ایں خسرو ما ناصر خسرو نیست		زیرا کہ خدا ناصر خسرو ماست

خسرو جان و مال سے اپنے مرشد پر فدا تھے - ایک مرتبہ ایک سائل حضرت سلطان المشائخ کے پاس آیا - آپ کے پاس کچھ نہ تھا دوسرے اور تیسرے دن بھی اتفاقاً کچھ نہ آیا آخر کار آپ نے اپنی جوتیاں اُس کو دے دیں وہ خوش خوش لے کر چلا راستہ میں امیر خسرو ملے جو کسی مہم سے واپس آرہے تھے - ملاقات ہوئی شیخ کی خیریت دریافت کی - آپ نے کہا کہ تجھ میں سے مجھے پیر روشن ضمیر کی بو آتی ہی معلوم ہوتا ہی کہ شاید کوئی تبرک تیرے پاس ہی - فقیر نے کہا ہاں نعلین مبارک ہیں - امیر خسرو نے پانچ لاکھ اشرفیاں دے کر نعلین کو لے لیا اور سر پر رکھ کر شیخ کے روبرو حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا تم نے تو یہہ جوتیاں پانچ لاکھ اشرفی میں سستی خریدیں - امیر خسرو نے کہا کہ فقیر نے جو مانگا میں نے بے تکلف دے دیا ورنہ اگر میری جان اور سارا مال بھی مانگتا تو میں بے دریغ دے دیتا - ایک مرتبہ امیر خسرو نے شیخ سے عرض کی کہ میری خواہش ہی کہ دنیا میں آپ کے بعد نہ رہوں اور میری قبر آپ کے پہلو میں ہو - جب شیخ کی وفات کا زمانہ قریب آیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ خسرو میرے بعد دنیا میں کم رہے گا جب وہ مرے تو میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرا محرم راز ہی - میں بے اُس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا - اگر یہہ جائز ہوتا کہ دو شخص ایک قبر میں دفن ہوں تو میں وصیت کر جاتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا کہ ہم دونوں ایک جگہ رہیں جس وقت شیخ کا وصال ہوا امیر خسرو بادشاہ کے ساتھ بنگالہ میں تھے - وفات کی خبر سنتے ہی سارا مال و اسباب راہ خدا میں

دے دیا اور ملازمت شاہی چھوڑ کر دلی چلے آئے اور لباس سیاہ پہن کر چھ مہینے تک قبر کے پائیں بیٹھ کر رنج والم میں گزارے ۲۰۰ ذی قعدہ ۷۲۵ھ روز جمعہ اور بہ روایت دیگر ۱۸ اشوال سنہ مذکورہ امیر خسرو نے چوراسی سال کی عمر میں انتقال کیا اور شیخ کی قبر کے پائیں میں دفن ہوئے۔ انتقال کے بعد بموجب وصیت کے آپ کو شیخ کے پہلو میں دفن کرنا چاہا مگر لوگ مانع ہوئے کہ دونوں قبریں برابر ہونے میں زائرین کو شبہ ہوگا لہذا آپ کی قبر کے چبوترے کے پائیں میں دفن ہوئے۔

قطعۂ تاریخ وفات از نتائج فکر مولینا غلام علی پدر محمد قاسم فرشتہ

میر خسرو خسرو ملک سخن　　آن محیط فضل دریائے کمال
نثر او دل کش تر از ماء معین　　نظم او صافی تر از ماء زلال
بلبل بستاں سرائے داد و دیں　　طوطی شکر مقال بے زوال
از پئے تاریخ سال فوت او　　چوں نہادم سر بہ زانوے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او　　دیگرے شد طوطی شکر مقال
۷۲۵ھ　　۷۲۵ھ

بی بی عائشہ قدس سرہا فتوح الاولیاء کے سوا اور کسی کتاب میں آپ کا ذکر نہیں ہے اور وہ بھی ناقص یعنی کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ خلد آباد کب تشریف لائیں لوگوں کا قیاس ہے کہ حضرت منتجب الدین کے ساتھ آئی ہوں گی کیوں کہ برہان الدین صاحب جب دولت آباد آئے وہ وہاں موجود تھیں اسی وجہ سے سلطان المشائخ نے آپ سے دولت آباد آتے وقت کہا تھا کہ میری پیرزادی صاحبہ (بی بی عایشہ) سے غافل نہ رہنا عام خیال یہ ہے کہ آپ بابا صاحب فرید گنج شکر کی صاحبزادی تھیں۔ برہان الدین غریب جس وقت دولت آباد تشریف لائے شیخ کے حکم کی تعمیل میں ہمیشہ جمعہ کے جمعہ نماز کے بعد حاضر ہوا کرتے تھے۔ بی بی صاحبہ کی ایک لڑکی چہاردہ سالہ عفت و

عصمت وزہد وتقویٰ سے متصف صایم الدہر اور قایم اللیل تھیں۔ جو ہمیشہ سیاہ لباس پہنا کرتی تھیں۔ ایک دن بی بی صاحب کے پاس صاحب زادی بھی بیٹھی ہوئی تھی آپ اُن کو دیکھ کر مسکرائے بی بی صاحب کو یہ ناگوار ہوا اور ملتانی زبان میں کہا کہ "اگر آساں دھی کے دیکھن جی ضرورت کیہڑی آہے" یعنی میری لڑکی کو دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ سر سے پا تک عرق عرق ہو گئے اور کہا کہ میں بارگاہ شیخ کا خادم اور ادنیٰ غلام ہوں آپ بھی میری مخدومہ محترمہ ہیں بھلا میری مجال ہی کہ کسی اور خیال سے دیکھوں۔ میرے مسکرانے کا سبب یہ ہی کہ صاحب زادی صاحب کا ارادہ نکاح کا نہیں ہی اور مجھے بشارت ہوئی ہی کہ آپ سے ایک ولی پیدا ہوگا۔ بی بی صاحبہ متحیر ہو گئیں اور کہا اچھا تم استخارہ کرو۔ برہان الدین صاحب نے آیندہ جمعہ کا وعدہ کیا۔ صاحبزادی صاحب نے کہا کہ میں خود آج شب کو استخارہ دیکھ کر کل جواب دوں گی۔ دوسرے روز بعد نماز صبح اپنی ماں سے کہا کہ عن قریب ایک شخص صحیح النسب ایسی ایسی شکل وشمائل کا آئے گا اور اُس سے میرا نکاح ہوگا چنانچہ چند دنوں بعد ایک بزرگ اُسی وضع قطع کے جیسا کہ آپ نے بتلایا تھا مع دو تین خادموں کے آئے اور اُن سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ بی بی صاحب نے ایک پھٹا پُرانا بوریا اُن کے بیٹھنے کو بھیج دیا اور کہا ذرا توقف کیجیے اور برہان الدین صاحب کو بلا بھیجا آپ نے فراست باطنی سے اُن کے علم وفضل کو پہچان کر مصافحہ کیا۔ بی بی صاحبہ کے گھر میں سوائے اُس لباس کے جو ماں بیٹیوں کے جسم پر تھا اور کچھ نہ تھا۔ لڑکی کا لباس اُتار کر برہان الدین صاحب کو دھونے کو دیا آپ لے چلے تھے کہ راستہ میں کئی لوگ ملے اُنہوں نے جب یہ حال سنا آپ کو واپس لائے اور سب سامان کر دیا اور علمائے شہر کو بلا کر صاحب زادی صاحب کا نکاح اُن صاحب سے کر دیا جن کا نام سید ضیاء الدین تھا۔ نکاح کے تین دن کے بعد صاحب زادی صاحب نے کہا کہ آپ کی حصول خوشنودی میں میرے تین دن کے نوافل فوت ہوئے اگر اجازت ہو تو کوئی لونڈی حسینہ اور جمیلہ تلاش کر کے پیش کروں اور میں اپنے اُسی مشغلہ میں لگ جاؤں جس میں میری عمر بسر ہوئی ہی۔ ضیاء الدین صاحب نے کہا کہ میں بھی چاہتا تھا کہ بس اب آپ مجھے اجازت دیں تو میں سیاحی کروں اور خدا کی یاد میں مصروف ہو جاؤں کیونکہ برہان الدین غریب کی بشارت پوری ہو چکی ہی۔ صاحب زادی صاحب نے کہا کہ میں حافظ قرآن

ہوں اور یہہ لڑکا جس کی ولادت کا آپ اظہار کر رہے ہیں حضرت برہان الدین صاحب غریب پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ بھی حافظ پیدا ہوگا ممکن ہے کہ ضبط کلام مجید میں مدت معہود بڑھ جائے تو لوگ متہم کریں گے اس لئے آپ ہمسایوں کو اس راز سے آگاہ کر کے سفر اختیار کیجئے۔ آپ نے محلے والوں سے یہہ راز بیان کیا اور لڑکے کا نام سید علاء الدین رکھ کر سفر پر چلے گئے اور جاتے جاتے کہہ گئے کہ یہ لڑکا بڑا موحد اور محقق ہوگا اور ہمیشہ یاد خدا اور اسرار الٰہی میں مستغرق رہے گا۔ الغرض نو ماہ کے بعد علاء الدین صاحب پیدا ہوئے آپ کے عقیقہ کے وقت بہت سے لوگ جمع ہوئے اور سب نے حسب مقدرت دیا دلایا لیکن برہان الدین صاحب نے کہا کہ میں غریب اور مفلس ہوں میرے پاس کچھ نہیں کہ پیش کروں۔ بی بی صاحبہ نے ازراہ خوش طبعی کہا کہ آپ کو ملک دکن کی ولایت ہی پھر مفلس کیسے۔ حضرت نے علاقہ مونگی پٹن اور خاندیس کی ولایت طفل نو مولود کو دی۔ جب سید علاء الدین صاحب سن رشد کو پونچے تو آپ کو ایک حسین طوائف سے پاک محبت ہوگئی۔ ایک روز جمعہ کی شب کو آپ نے چند پتھر اُس کے مکان پر پھینکے۔ طوائف کی نائکہ نے کہا کہ ہم لوگوں کا پیشہ کسب ہی لیکن ہم بھی آج کی رات توبہ کر لیتے ہیں یہہ کیسے مسلمان ہیں کہ ہفتہ میں ایک دن بھی گناہوں سے توبہ نہیں کرتے۔ یہ سنتے ہی آپ کے بدن میں لرزہ پڑ گیا اور نہایت نادم و پشیمان ہو کر اس حرکت سے توبہ کی اور فوراً اعتکاف میں بیٹھ گئے اور کئی برس تک باہر نہ نکلے۔ آدھی کھجور اور ایک گھونٹ پانی سے روزہ کھول لیتے تھے۔ چند سال کے بعد ماں نے جب دیکھا کہ ہڈی سے چمڑا الگ گیا ہی تو زبردستی اعتکاف سے باہر نکالا دیکھا تو محویت غالب تھی۔ جب لوگوں نے سید صاحب کی ریاضت اور مجاہدہ کا حال دیکھا جوق جوق بیعت کو آنے لگے۔ جب ارادتمندوں کا زیادہ ہجوم ہونے لگا اور لوگ مجبور کرنے لگے تو آپ نے کہا کہ جس وقت مجھے خرقۂ خلافت خواجہ رکن الدین چشتی سے سرفراز ہوگا جس کسی کا حصہ میرے سلسلہ میں ہوگا اُسے داخل بیعت کروں گا۔ چند روز بعد ایک بڑا قدآور قوی ہیکل شخص پہلوانوں کی وضع ایک ہاتھ میں کمان اور دوسرے میں پتھر کا ایک بڑا گولہ تھا دولت آباد آیا اور تمام شہر و دیار کے مشائخین کبار کے دروازے پر چکر لگایا کرتا تھا۔ خود بھی بڑا متقی اور پرہیزگار تھا مگر مرشد کامل کی تلاش میں تھا

ایک روز بازی کرتا ہوا سید صاحب کے دروازے پر آیا۔ ولی راولی می شناسد۔ سید صاحب نے فوراً پہچان لیا کہ یہہ اہل دل اور جویان مرشد کامل ہی اپنے کو اس لباس میں چھپائے ہوئے ہی۔ آپ نے فرمایا کہ ای سید نظام الدین ادریس تو طالب خدا ہو کر اپنی اوقات عزیز کو اس طرح ضایع کرتا ہی۔ یہہ سنتے ہی پہلوان نے جو کمان اور گولہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا پھینک دیا اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ میں ایک عرصہ سے اسی آرزو میں پھر رہا ہوں کہ جو شخص مجھے پہچانے اُس سے میں بیعت کروں الحمد للہ کہ آج میری مراد برآئی۔ جوینده یابنده۔ آپ نے انھیں کو خرقۂ خلافت لانے گجرات بھیجا۔ سید نظام الدین کو راستہ میں ایک شخص صوفی منش ملا اُنھوں نے بمصداق آیہ کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ اُن سے مصافحہ کیا۔ اُس شخص نے نظام الدین سے پوچھا کہ آپ کا عزم کہاں کا ہی۔ نظام الدین نے کہا کہ میں سید علاء الدین صاحب کی طرف سے خواجہ رکن الدین صاحب کے پاس خرقۂ خلافت لینے جا رہا ہوں صوفی صاحب نے کہا کہ میں خرقۂ خلافت لیکر دولت آباد جا رہا ہوں تمھارا جانا بے کار ہی یہیں سے پلٹ چلو۔ نظام الدین صاحب نے کہا کہ ہاں یہ تو صحیح ہی لیکن حضرت علاء الدین صاحب دانایان راز آگہی ہیں کیا اُن کو اتنی بات معلوم نہ تھی اور مجھ پر مرشد کے حکم کی تعمیل لازم ہی میں تو احمد آباد تک جاؤں گا الغرض چند دن میں احمد آباد پہونچ کر خواجہ صاحب کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ خرقہ تو میں بھیج چکا ہوں تم ناحق آئے بریں ہم آپنے ایک خرقہ نظام الدین صاحب کو بھی دیا۔ نظام الدین چند دن خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے ایک دن کہا کہ میری سعادت اور سرفرازی اسی میں ہی کہ خرقہ اپنے پیر کے دست مبارک سے پہنوں خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا بہت مناسب ہی۔ اور دوبارہ ایک خرقہ علاء الدین صاحب کے واسطے بھی بھجوایا اور بہت سے راز سربستہ کہلا بھیجے۔ نظام الدین صاحب عجالتہً دولت آباد آئے اور خرقۂ خلافت دے کر خواجہ صاحب کے ارشادات بھی پہونچائے۔ علاء الدین صاحب کے بڑے چار خلیفہ تھے سید نظام الدین ادریس مونگی پٹن پر اور وہیں آپ کا مزار ہی۔ دوسرے حضرت لقمان چشتی جن کی قبر قلعۂ اسیر گڑھ میں ہی۔ اور ملک خاندیس اُن کے سپرد تھا۔ تیسرے

شیخ فرید بنہاری - چوتھے حضرت خواجہ حسین جن کی قبر دولت آباد میں ہے۔ آپ نے سید نظام الدین کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے انتقال کیا۔ سید علاء الدین صاحب کی قبر کا صحیح پتہ نہیں ہے کہ کہاں ہے بعض کہتے ہیں کہ دولت آباد میں ہی کہیں دفن ہیں اور بعض دوسرے دوسرے مقامات بتلاتے ہیں۔

بی بی عائشہ کی قبر میر حسن اعلائے سنجری دہلوی کے مزار سے جانب جنوب ہے جس کی مرمت نواب بشیر نواز جنگ بہادر صوبہ دار وقت نے اپنی جیب خاص سے کرادی ہے - ۷ر شعبان کو بی بی عائشہ اور اُن کی صاحبزادی دونوں کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی بڑے جید عالم اور سخت متشرع ہم عصر سلطان المشائخ تھے۔ بدعت اور سماع سے بالکل کنارہ کش تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نظام الدین اولیاء سے مباحثہ علمی میں غالب آسکتا ہوں لیکن اُن کی کرامات بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ قاضی صاحب کبھی مجلس سماع میں شریک نہیں ہوئے اور اس کو خلاف شرع کہتے تھے۔ ایک مرتبہ دہلی میں کوئی فقیر آیا جو آگ جلا کر اُسی میں بیٹھا رہتا تھا آپ نے اپنے بڑے بیٹے کو بھیجا کہ جاؤ تو اُس سے کہو کہ یہ امر خلاف شرع ہے فقیر نے نگاہ گرم سے ان کی طرف دیکھا دیکھتے ہی وہ جل کر بھسم ہو گئے۔ قاضی صاحب نے جب سنا تو کہا کہ الحمد للہ کہ میرے لڑکے نے راہ حق میں جان دی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے چاروں بیٹوں کو بھیجا جب سب جل گئے تو دوگانہ شکریہ کا ادا کیا اور خود تشریف لے جا کر کہا کہ یہ امر خلاف شرع ہے آگ سے باہر نکل آؤ لیکن وہ نہ نکلا اور آپ پر کئی دفعہ نظر ڈالی مگر کچھ اثر نہ ہوا تب ناچار باہر آ کر آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ قاضی صاحب نے جب دہلی کا یہ حال دیکھا کہ یہاں بدعت کثرت سے رائج ہے تو دلی چھوڑ کر کعبۃ اللہ چلے گئے وہاں سے گجرات واپس آئے اور پوچھا کہ نظام الدین زندہ ہیں لوگوں نے کہا کہ ہاں - قاضی صاحب نے کہا کہ جب تک وہ زندہ ہیں میں دلی کا رخ نہ کروں گا۔ گجرات سے دولت آباد چلے آئے یہاں حضرت برہان الدین کا دور دورہ تھا اور مجالس سماع گرم رہتی تھیں۔ چند روز کے بعد قاضی صاحب بہت علیل ہوئے زیست سے نا امیدی ہو گئی حضرت برہان الدین نے عیادت کو آنا چاہا آپ نے فرمایا کہ وہ نظام الدین کے خلیفہ ہیں اور گانا سنتے ہیں اور جو شخص نامشروع امر کرتا ہے میں مرتے وقت اُس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا - برہان الدین صاحب نے کہا کہ میں توبہ کر کے آیا ہوں قاضی صاحب نے فوراً اپنا

عمامہ بطور یادگار بھجوا دیا۔ برہان الدین عمامہ کو بوسہ دیتے ہوئے آئے قاضی صاحب بہت اخلاق سے ملے۔ قاضی صاحب کا گنبد خلد آباد کے گوشہ جنوب و غرب میں کالی مسجد سے دو سو گز کے فاصلے پر ہے۔ گنبد کے اندر آیۃ الکرسی اور چند اسمائے الٰہی کندہ ہیں۔ ۲۹ ذی قعدہ کو عرس ہوتا ہے۔ قاضی صاحب کے گنبد کے سامنے دو قبریں میر ابرو اور میر گبرو کی ہیں جو حضرت سلطان المشائخ کے قوال کہلاتے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سی قبریں ہیں۔

شیخ بابا جلال صاحب قاضی صاحب کے گنبد کے پاس آپ کا گنبد ہے جس کا ایک کونا گر گیا ہے۔ آپ دولت آباد میں سناری دروازے کے قریب رہتے تھے۔ سید محمد صاحب سامانی نے اپنی کتاب سیر محمدی میں لکھا ہے کہ شیخ بالوجلال مرد بزرگ اور صاحب نعمت تھے۔ ہمارے خیال میں بالو کا لفظ سہو کتابت ہے اصل میں بابا ہوگا کیوں کہ اُس زمانہ میں بالو کا لفظ مروج نہ تھا۔ آپ کو سماع کا بڑا شوق تھا۔ سماع میں بے خود ہو جاتے تھے اور منہ سے کف جاری ہو جاتا تھا۔ اور عالم بے خودی میں جو زبان سے نکل جاتا تھا ہو کر رہتا تھا۔ سید یوسف راجو قتال صاحب جب دولت آباد آئے آپ کی ملاقات کو گئے آپ کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت سید محمد گیسو دراز بھی تھے جن کی عمر چار سال کی تھی آپ نے اس لڑکے کی نسبت جو کلمات فرمائے د رمن وعن پورے ہوئے۔

شاہ خاکسار صاحب اصل وطن بیجاپور تھا وہاں سے خلد آباد آئے۔ مجذوب تھے ارادت کا سلسلہ حضرت غوث الثقلانی سید شاہ عبد القادر محی الدین گیلانی سے بارہ واسطوں سے ملتا تھا۔ آپ کے فقر و کمال کی وجہ سے لوگ کثرت سے معتقد تھے۔ شاہ اورنگ زیب کے اوائل زمان سلطنت میں آپ نے وفات پائی اور اُسی تکیہ میں مدفون ہوئے یہ کوہستانی مقام ہے۔ خلد آباد سے ڈیڑھ میل گوشہ جنوب و غرب میں ہے۔ یہاں صرف چھوٹے چھوٹے دو گنبد بنے ہوئے ہیں۔ شاہ خاکسار صاحب کا مزار مغربی گنبد میں ہے۔ اور دوسرے گنبد میں اُن کے بھانجے حافظ عبد الحلیم مدفون ہیں۔ اور باہر چبوترے پر دوسرے بھانجے شاہ عبد الملک صاحب کا مزار ہے جس پر گنبد بنتے بنتے رہ گیا اور بھی بہت سی قبریں یہاں ہیں۔ ایک مسجد اور باؤلی بھی یہاں ہے۔ ۲۶ رجب کو حضرت خاکسار صاحب کا عرس ہوتا ہے جس اخراجات کے لئے کچھ زمین ان ہی پہاڑوں میں ہے وا

کچھ موضع الیس گاؤں میں یہیں ایک ٹیکڑی پر دودہا دھاری صاحب کا مزار ہی مگر وہ کون بزرگ تھے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ یہہ مقام بہت پُرفضا اور چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہی جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہی۔ خصوصاً موسم بارش میں فرش مخملی دور دور تک بچھا رہتا ہی۔ مشہور ہی کہ خاکسار صاحب نے وصیت کی تھی کہ بلاغسل دئے دفنانا لیکن لوگوں نے غسل دینا چاہا اور ایک انگلی دھو کر دیکھی تو خاک ہو گئی معلوم ہوا کہ آپ نے مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا یعنی خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی پر عمل کیا تھا اس لئے بلاغسل دئے دفن کر دیا۔

خاکسار تالاب سنہ ۱۱۲ھ آپ کے گنبد کے شمال کی طرف ایک تالاب آپ ہی کے نام سے مشہور ہی جس کے تین طرف قدرتی پہاڑوں کا کٹھہ ہی اور چوتھی طرف دیوار بنی ہوئی ہی۔ یہیں عام تالاب۔ جامن تالاب اور کورا تالاب ہیں۔ خاکسار تالاب سے۔ دو نہریں بھی نکالی گئی ہیں۔ تالاب کی شرقی حد پر یہہ کتبہ ہی۔

"اہتمام اعظم السد تا بقیامت قایم باد سنہ ۱۱۱ھ"

بلحاظ سنہ یہہ زمانہ اورنگ زیب کا ہی اور غالباً یہہ تالاب اور نہریں اسی بادشاہ کے زمانہ میں طیار ہوئی ہیں جن سے خلد آباد کے قاضی محلہ۔ چھوٹی بڑی درگاہ۔ بازار۔ سرا۔ کچہری بلغور۔ باغ خانجہاں باغ بنی بیگم کی آبیاری ہوتی تھی۔ تالابوں کی مرمت تو اب بھی ہوتی رہتی ہی۔

سُریا کُنڈ مغربی پہاڑی پر ایک چھوٹا سا حوض سُریا کنڈ کے نام سے مشہور ہی اسی کے پاس کچھ گرے پڑے مکانوں کے بھی نشان ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ پہلے یہاں آبادی تھی۔

حضرت جلال گنج رواں سنہ ۶۴۴ھ حضرت سید شاہ جلال الدین گنج رواں بڑے صاحب جلال اور خاصان خدا سے تھے آپ بخارا میں پیدا ہوئے۔ خلد آباد میں سب سے پہلے بزرگ جو سنہ [illegible] میں علاء الدین خلجی کے ہندوستان پر حملے سے چند سال پیشتر تشریف لائے آپ ہی تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے پہلے آپ آکر موضع آنا ساگر میں رہے جو دولت آباد اور روضہ کے درمیان ہی۔ آپ کی تاریخ وفات سنہ ۶۴۴ھ متقدمین ہی آپ کا مزار شاہ خاکسار کی درگاہ سے نصف میل اور خلد آباد سے دو میل جنوب میں ہی۔ یہاں ایک مسجد اور خانقاہ اور نقار خانہ بھی ہی۔ زمین قبروں سے پٹی پڑی ہی مسجد کے متصل آپ کے بھانجے شیخ احمد اور شیخ محمود

کی قبریں ہیں اور گنبد کی شرقی دیوار سے لگی ہوئی بیر ترابی آپ کے فرزند متبنیٰ کی اور دوسری قبریں ہیں گنبد کے مشرق میں ایک پتھر قبلہ رو پونے دو گز لمبا اور ایک گز چھ گرہ چوڑا نصب ہی جو ایک پتھر کی مسجد کہلاتی ہی اور مشہور ہی کہ حضرت نے پہلے پہل یہیں نماز پڑھی تھی - گنبد کی مغربی دیوار میں باہر کی طرف مسجد کے مقابل بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اور نادِ علی اور اُس کے بعد کلمۂ طیبہ اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ وَفِی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ اور تھوڑی سی فارسی عبارت کندہ ہی - جو پڑھی نہیں جاتی - مسجد کی جنوبی دیوار میں یہ قطعہ کندہ ہی :-

. . . . . . روضۂ پاک و منور	کہ خاکش آبروے اہل دین است
جلال الحق کہ بحر معرفت را	زر لہائے[1] تنش موج معین است
کشایم لب پس از مدح بزرگاں	بہ اوصاف شہے کز حق امین است
. . . . . . اورنگ غازی	کہ بر خاک رہش مہ را جبین است
بزر خویش موسیٰ خاں بنا کرد	چنیں مسجد کہ بروے آفرین است
زدل کردم طلب چوں سال و تاریخ	بہ حسن خلق کز طبعش متین است
پُر از جلباب معنی زیر و بم گفت	نشانِ بے زوال کعبہ این است

سنہ ۱۰۷۶ھ

گنبد کے آگے پیچھے دو درخت ہیں جن کے پھل اکثر بے اولادی عورتیں لے جایا کرتی ہیں - ان درختوں کی نسبت مشہور ہی کہ ایک تو اُس شاخ سے لگایا گیا ہی جو کہ حضرت کے مرشد نے دی تھی اور دوسرا پہلے درخت کی قلم ہی - آپ کا عرس ۲۵ / ذیقعدہ کو ہوتا ہی جس کے مصارف کے لیے مواضع سولی بھنجن اور نادر آباد جاگیر ہیں - درگاہ کے باہر پہاڑی پر دولت خاں ناظر کی مسجد ہی جن کی قبر سونا باؤلی کے قریب گنبدوں میں ہی - مسجد کے شمال رخ ایک ٹیکرے پر بہت سے ویران مکان اور تہ خانے ہیں - اس ٹیکرے کے پورب میں جو زمین ہی وہ موسیٰ خانی قطعہ کہلاتا ہی - یہ موسیٰ خاں وہی ہیں جنہوں نے درگاہ کے مغرب میں مسجد تعمیر کرائی ہی - درگاہ سے کاغذی پورہ اور نادر آباد تک کل زمین "یوناس نگری" کے نام سے مشہور ہی - جو ایک راجہ ہو گزرا ہی اس میں

[1] برابر پڑھا نہیں جاتا ۱۲

صدہا مکانوں کے نشانات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہاں مسلسل آبادی رہی ہوگی۔

تالاب گنج رواں درگاہ کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ عوام اس کو پریوں کا تالاب کہتے ہیں یہہ تالاب لاکھوں روپیہ کے صرفہ سے چاروں طرف گھڑے ہوئے پتھروں سے باندھا گیا ہے۔ صرف غربی جانب تھوڑے سے حصہ میں پہاڑ آگیا ہے۔ چاروں طرف سیڑھیاں ہیں۔ تالاب بہت گہرا ہے جب بھرتا ہوگا تو بے انتہا پانی جمع ہوتا ہوگا اب تو پھوٹا ہوا ہے اور سارا پانی نکل جاتا ہے۔

حضرت پیر مبارک صاحب کارروان ۱۰۴۳ھ آپ حضرت برہان الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ۵ رشوال ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی۔ کاغذی پورے کے غرب میں سات آٹھ سو گز کے فاصلہ پر اور شاہ جلال الدین صاحب کی درگاہ سے آدھے میل پر آپ کا مزار ہے۔ قبر کا احاطہ ہے۔ یہیں لاڈلے صاحب انصاری کی بھی خام قبر ہے۔

حاجی نظام صاحب پیش امام آپ کا مزار کاغذی پورہ میں لب سڑک ہے اس سے زیادہ آپ کے حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ چودہ سو اولیاء کے پیش امام تھے اور حضرت شاہ منتجب الدین اور برہان الدین صاحب غریب جیسے بزرگ آپ کے مقتدی تھے تو آپ کیسے کچھ باخدا نفس قدسی ہوں گے۔ آپ کی قبر پر گنبد اور احاطہ ہے اور بہ جانب مغرب اُسی زمانے کی مسجد بنی ہوئی ہے جس کی مرمت حال میں ہوئی ہے مگر ناقدر دانوں نے کتبہ نکال کر الگ ڈال دیا وہ یہہ ہے۔

بنا شد این مسجد در عہد خلافت خداوند داراے زمین برگزیدہ رب العالمین المؤید بتائید الرحمن ابو المجاہد محمد بن تغلق شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بہ فرمایش بندہ درگاہ ملک الامراء اختیار الدولہ والدین الغ اعظم قتلغ سلطان المخاطب بہ نصیر الملک ادام اللہ دولتہ فی رابع عشرین۔ ربیع الاول ستہ ثلثین و سبع مائتہ۔

۲۴ ۷۳۶ھ

درگاہ کے دروازے پر نقار خانہ ہے جس پر نوبت جھڑتی ہے۔ کاغذی پورے میں علاوہ حاجی صاحب

اور بہت سے بزرگوں کے مزار ہیں جو برہان الدین غریب کے ہمراہی تھے اُن کے نام نامی یہ ہیں

	تاریخ عرس	مدفن
(۱) سید کامل صاحب -	×	متصل حوض زنبور
(۲) سید کائے - -	۱۲ ربیع الثانی	لب سڑک - - - - - -
(۳) استاد وزیر - -	۱۲ شعبان	قصاب واڑہ - - - - -
(۴) پیر بالک - -	۲۴ ربیع الثانی	بازار - - - - - -
(۵) موسیٰ سیلانی - - -	۱۴ محرم	زیر درخت املی - - - -
(۶) حاجی چندو - -	۳ ربیع الثانی	لب سڑک گنبد خورد - - -
(۷) سید جلال الدین بخاری -	〃	متصل گنبد حاجی چندو صاحب
(۸) سید امام - - -	۲۴ 〃 〃	بڑکے درخت کے پاس - -
(۹) علی ولی - - - -	〃 〃	بڑکے درخت کے نیچے - -
(۱۰) دولت شاہ درباری - -	〃 〃	اندرون حصار برراستہ قدیم دولت آباد
(۱۱) حافظ جمال - - - -	〃 〃	چبوترہ سنگ بستہ 〃 〃
(۱۲) شاہ کھڑک - - - -	〃 〃	زیر سلامی گھاٹی - - -
(۱۳) پیر غرق - - - -	〃 〃	〃 〃 - - - - -
(۱۴) شاہ نور صحرائی - - -	〃 〃	تالاب سلطان گڑھ - - -

غلام علی آزاد بلگرامی ۱۷۰۴ع ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ ۱۷۰۴ع میں بمقام مدن پور بلگرام صوبۂ اودھ پیدا ہوئے ان کا نسب حضرت عیسیٰ موتم الاشبال[۱] بن زید شہید بن حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہی۔ ایک جگہ خود فرماتے ہیں:۔

گرچہ باشد موتم الاشبال[۱] عیسیٰ جد من عیسیٰ جاں بخش شیرانم باہداد نفس

ذی علم اور فارغ التحصیل تھے۔ آپ کے تبحر علمی کی شہرت دور دور دیار و امصار عرب و مصر میں تھی۔ ہند میں آپ نے اکتساب علم میر ابو الجلیل سلسبیل سے کیا اور علم ادب میر سید محمد سے

[۱] شیر کے بچوں کا یتیم کرنے والا چوں کہ عیسیٰ ابن زید شیر کے بڑے شکاری تھے اس لئے یہ لقب پڑ گیا۔ ۱۲

قرآن شریف شیخ محمد حیات سے۔ فصاحت و بلاغت کا اکتساب محمد اسلم سلیم اور شیخ سعد اللہ گلشن آبادی سے کیا۔ مراۃ الخیال میں شیر خاں لودھی نے لکھا ہے کہ آپ آزاد حسینی الواسطی بلگرامی کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے ملازمت کی غرض سے دہلی گئے دو سال بعد واپس چلے آئے دوسری بار سیستان گئے اور سنہ ۱۱۴۲ھ میں لاہور اور الہ آباد ہوتے ہوئے بلگرام آ گئے۔ سنہ ۱۱۵۰ھ میں حج کیا اور مدینہ منورہ میں مولینا محمد حیات السندی المدنی الحنفی سے صحیح بخاری اور صحاح ستہ پڑھیں اور سند حاصل کی اور مکہ معظمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی المصری الملکی سے فوائد علم حاصل کر کے سنہ ۱۱۵۴ھ میں بندر سورت سے دکن میں آئے اور اورنگ آباد میں رہ پڑے اور انتقال کے بعد خلد آباد میں میر حسن اعلائے سنجری کے مزار کے گوشہ غرب و جنوب کے ایک حجرہ میں دفن کئے گئے۔ خلاصۃ الافکار میں لکھا ہے کہ آپ بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ آپ کی نظم و نثر دونوں نہایت بلند پایہ کی تھیں۔ اشعار مبالغہ اور بیہودہ خیالات سے پاک اور عمدہ تشبیہات اور دل چسپ استعارات سے مملو تھے۔ عربی کے بھی کئی دیوان ہیں۔ فارسی کا ضخیم دیوان موجود ہے۔ غزلان الہند۔ شرح قطعات نعمت خان عالی۔ روضۃ الاولیاء حالات بزرگان خلد آباد میں آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ آزاد نے تین تذکرے ید بیضا۔ سرو آزاد خزانۂ عامرہ سنہ ۱۱۷۶ھ میں لکھے ہیں۔ آپ برابر سات سال تک شاہ عالم کے دربار میں فارسی و عربی تصانیف میں مصروف تھے۔ ہم عصروں اور دربار میں آپ بڑی عزت و توقیر سے دیکھے جاتے تھے۔ نواب آصفجاہ کے صاحبزادوں سے آپ کا گھر ادوستانہ تھا۔ آزاد کا انتقال سنہ ۱۲۰۰ھ میں ہوا۔

نمونۂ کلام

برآر از ید بسم اللہ تیغ خوش مقالی را
مسخر کن سوادِ اعظمِ نازک خیالی را

خیال نازک از جوش نزاکت راز دل باشد
نباشد جز کرامت فہم کردن فکر عالی را

چوں آن زلفے کہ بعد از شانہ کردن یار بر بندد
بجمعیت رساند صبر من آشفتہ حالی را

نگاہے ہست چشم یار را با چشم گریانم
کہ مستاں دوست میدارند ابر برشگالی را

چہ روح افزاست آب زندگی در حالتِ طفلی
کہ باشد یک دو روزے بوے خوش ظرف سفالی را

زچشم انتظار خاکساران نقش گل دارد بہار کوئے جاناں داغ دارد فرش قالی را

دل ویرانۂ آزاد را آباد کن یارب
پریزادے کرم فرمائے ایں مینائے خالی را

رباعی

ای پرتو جلوۂ تو آثار وجود ممنون تو آنچہ ہست در غیب شہود
ذاتت تو غفور محض و من جملہ گناہ تقصیر معاف عفو باید فرمود

دیگر

سلطان رسل شمع شبستان یقیں پروانۂ او چراغ ماہ و پرویں
نخل قد او دریں چمن سایہ فگند برفرق جہانیاں نہ بر روئے زمیں

دیگر

ہر چند نہ برگے نہ نوائے دارم در زاویۂ خمول جائے دارم
اما ز محبت رسول الثقلین در سینہ بہشت دلکشائے دارم

دیگر

دوشینہ بخواب حشر دیدم برپا دربان ارم ستادہ در دست عصا
رفتم کہ اجازت طلبم گفت کہ گفتم کہ غلام علی ام گفت بیا

قطعہ

ای صبا رو بمزار پسر عم نبی خاک آن روضہ کم از عنبر تر نشناسی
کردہ ام خوب تماشا چمن طائف را نرسد ہیچ گلِ او بہ گلِ عباسی
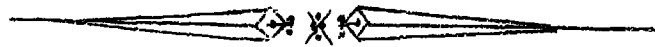
(گیارہواں ضمیمہ) قلعہ دولت آباد

دولت آباد اورنگ آباد سے شمال و مغرب میں نو میل پر واقع ہی جو حیدر آباد گوداوری ویلی ریلوے کا اسٹیشن منماڑ سے (۶۳) اور حیدر آباد سے (۳۰۹) میل ہی - قلعہ جس پہاڑی سلسلہ پر واقع ہی وہ خانہ پور سے دولت آباد اور جالنہ تک پھیلا ہوا ہی - ان پہاڑوں کے نام ماہولی - کنگورہ اور کنداری مشہور ہیں - یہ پہاڑ دودنانا ندی کی وادی میں واقع ہیں - مغربی حصہ پہاڑوں کا سب سے زیادہ بلند ہی جو (۲۳۰۰) فیٹ سے لے کر (۴۰۰۰) فیٹ تک سطح سمندر سے اونچا ہی اور سطح زمین سے پانسو سے چھ سو فیٹ بلند ہی - مشرقی سمت میں جالنہ کی طرف اس سلسلہ کی بلندی سطح ارضی سے صرف سو ڈیڑھ سو فیٹ ہی رہ گئی ہے - دولت آباد کے پہاڑ کی بلندی (۳۰۲۲) فیٹ ہی اور اورنگ آباد سے (۷۸۶) فیٹ اور سطح زمین سے (۴۷۰) فیٹ بلند ہی - اس کا قدیم نام دیوگڑہ یا دیوگیری تھا - سب سے پہلے ۱۲۹۵ء میں مسلمانوں نے قلعہ فتح کیا اور ۱۳۱۲ء میں مستقل طور پر مسلمانوں کی سلطنت میں شریک ہوا - ۱۳۲۱ء میں نصیر الدین کو امیر غازی الملک نے قتل کیا اور خود تخت پر بیٹھ کر سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کا خطاب لیا - ۱۳۲۲ء میں بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے محمد فخر الدین جونا کو جو الغ خاں کے نام سے مشہور ہی ورنگل بھجوایا راستہ میں دیوگڑھ سے کچھ اور فوج شامل ہو کر مہم پر روانہ ہوئے - مگر ایک طول طویل محاصرے کے بعد ناکام واپس آنا پڑا اور شاہزادہ تین ہزار سوار لے کر پھر دیوگڑہ واپس آیا - دوسرے سال دہلی سے تازہ دم لشکر کی امداد آئی اور پھر شاہزادہ ملک تلنگانہ کی مہم پر روانہ ہوا - بیدر اور ورنگل

---

۵۱ - کنگورا پہاڑ سے موضع کام کھیڑے کے پاس نکلی ہی اور (۱۱۵) میل ٹیڑھا بیڑھا راستہ طی کرنے کے بعد پربھنی ضلع میں چلی گئی ہی - بالآخر پورنا ندی میں جا کر ملتی ہی اور پورنا گوداوری میں گرتی ہی - ۱۲

فتح ہوا اور راجہ لدّار دیو کو قید کر کے دہلی بھیج دیا جو دہلی پہونچ کر چھوڑ دیا گیا ۱۳۲۴ء میں بادشاہ دہلی میں اپنی جگہ الغ خاں کو چھوڑ کر خود لکھنوتی گیا ۱۳۲۵ء میں بادشاہ ایک خیمے کے نیچے دب کر مرگیا اور الغ خاں سلطان محمد بن تغلق شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا اس نے دہلی سے دیوگراھ دار السلطنت تبدیل کرنی چاہی جو ہندوستاں کے وسط میں تھا اور یہ خیال کچھ بے جا نہ تھا لیکن یہ کام کچھ آسان بھی نہ تھا لوگوں کو از حد صعوبت و تکالیف کا سامنا تھا لہذا یہ قصد ملتوی کیا گیا ۱۳۳۸ء میں بادشاہ کے بھتیجے بہاؤالدین نے بغاوت کی خواجہ جہاں اور دوسرے امرا اس کی سرکوبی کو روانہ کئے گئے عساکر سلطانی دیوگراھ میں آئے اور بہاؤالدین کو ملک کرناٹک میں بھاگنا پڑا آخر کار بہاؤالدین کو بیلا دیو نے حوالہ کر دیا اور نہایت سختی سے قتل کیا گیا۔ اسی سال بادشاہ خود دیوگڑھ آیا اور تمام لوگوں کو دہلی سے دولت آباد آنے کا حکم دیا اور دیوگڑھ سے دولت آباد نام رکھا۔ اگرچہ بادشاہ نہایت سیر چشمی سے لوگوں کی مدد کرتا تھا لیکن پھر بھی دہلی چھوڑنا لوگوں کے لئے سخت مشکل تھا بہت سے راستے ہی میں مر گئے جو پہونچے وہ یہاں آن کر مرنے لگے آخرکار بادشاہ نے واپسی کی اجازت دی مگر دو برس بعد پھر بہت سختی[ف] سے دولت آباد جانے کا حکم دیا کہ جو نہ جائے گا وہ جان سے مارا جائے گا

ف - ٹیونز سیاح لکھتا ہے کہ ۱۳۳۰ء میں اس حصہ ملک پر ایک ایسے بادشاہ سلطان محمد تغلق کی حکومت تھی کہ جس سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا - یہ دلّی کا بادشاہ تھا جو اپنے لشکر کے زور پر کئی سال تک ملک گجرات میں لڑتا رہا اور ملک گجرات کو جو کیمبے کے تحت تھا فتح کر لیا اور آخرکار خود اس پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ دہلی نے از بالائے بالا گھاٹ و بیجانگر پر چڑھائی کی - بادشاہ کے ہنود بہت معتقد تھے اور اسے ولی سمجھتے تھے - ہنود کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عبادت الٰہی میں مشغول تھا کہ چار ہاتھ نمودار ہوئے جنھوں نے آسمان پر سے اس پر پھول برسائے اس نے بہت سے ملک فتح کئے تھے اس کی حکومت میں بہت بڑا حصہ ملک کا تھا - اس نے بہت سے بادشاہوں کو اپنا مطیع کر لیا تھا بہتوں کو قتل کیا اور ان کی کھالیں کھچوا کر اپنے ساتھ لے گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے کھال کھچوانے والے بادشاہ کا خطاب دے رکھا تھا - اس بادشاہ کے عجیب و غریب قصے مشہور ہیں - ایک دن بادشاہ لباس بدل رہا تھا کہ بند کھڑکی میں سے آفتاب کی شعاع اندر آپڑی اس پر وہ برافروختہ ہوا اور کہا کہ

اور بے انتہا سختی سے اپنے حکم کی تعمیل کرائی اس طرح دوبارہ ۱۳۴۱ء میں بادشاہ دولت آباد کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵ - یہ کون ہے جس کی اتنی بڑی جرات ہوئی کہ میری خلوت گاہ میں گھس آیا -
میں اسے ضرور مار کر رہوں گا - ہر چند امراء نے عرض کی کہ خداوند نعمت وہ آفتاب کی شعاع تھی - آفتاب
وہ چیز ہے کہ جس سے ہم سب کی زندگی ہے اور آفتاب خدا کا بنایا ہوا آسمان میں ہے اسے کس طرح نقصان
پہنچایا جا سکتا ہے لیکن بادشاہ نے ایک نہ سنی اور لشکر کی طیاری کا حکم دیا اور کہا کہ میں ضرور اپنے دشمن
کے پیچھے جاؤں گا اور اس نے ایسا ہی کیا کہ ایک جم غفیر لشکر کا لے کر نکلا - لشکر کی کثرت سے اس قدر
گرد و غبار بلند ہوا کہ آسمان کا نورانی چہرہ دھندلا پڑ گیا تب لوگوں نے عرض کی کہ اب تو بادشاہ کی لشکر کشی
سے آفتاب روپوش ہو گیا جب کہیں بادشاہ کو سکون ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں میں نے آفتاب کو بھگا دیا
تب لشکر لے کر پلٹا - اور دوسرے ایسے ہی فوق العادت حالات اس بادشاہ کے بیان کئے گئے ہیں
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ بڑے مرتبے کا بادشاہ تھا مثلاً جب وہ ساحل کیرومنڈل پر تھا تو
اُسے خبر ملی کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جہاں زمین سونے کی ہے اور پہاڑ
پتھر جواہرات کے اس جزیرے میں ایک مندر ہے جہاں آسمان سے فرشتے اُترتے ہیں - بادشاہ نے
سنتے ہی چاہا کہ جس طرح بن پڑے اس پر قبضہ کرنا چاہیئے اُس نے وہاں پہنچنے کا ارادہ کیا مگر اس کے
پاس اس قدر جہاز کہاں تھے جو اتنے بڑے لشکر کو اُتار سکتا تو اُس نے لاکھوں چھکڑے مٹی اور پتھر کے
سمندر میں ڈلوانے شروع کئے کہ میں سمندر کو پاٹ کر اُتر جاؤں گا اور لگاتار کوشش سے یہاں
تک ہوا کہ بارہ یا پندرہ لیگ تک رستہ بن گیا (محمد تغلق کے حالات اور اس سے بیشتر کا پرانا قصہ
راجہ رام چندر کے پل بنانے کا جو اُس نے بندروں کے لشکر سے بنوایا تھا دونوں قریب قریب ایک
ہی معلوم ہوتے ہیں اسی پل کو مسلمان لوگ آدم کا پُل بھی کہتے ہیں) اور بادشاہ جزیرہ سیلا کو (سیلون
لنکا) تک پہنچ گیا - اس بند کو کئی سال کے بعد سمندر نے کاٹ دیا اور اسی کے باقی ماندہ حصے میں جیلاؤ
کے مچھلی پکڑنے کا اُتھلا حصہ ہے - جب ملک نائب (بادشاہ کے سپہ سالار نے) دیکھا کہ خواہ مخواہ اس
ناممکن العمل کام پر کتنی محنت برباد ہو رہی ہے تو اُس نے دو بڑے بڑے جہاز طیار کرا کے اور اُن میں سونا
اور جواہرات لدوا کر جزیرے کے راجہ کے نام سے بادشاہ کے پاس بھجوائے اور راجہ کی طرف سے
اطاعت و فرماں برداری کا قول و قرار کہلا بھیجا کہ کسی طرح اس بلا سے نجات ملے تب خدا خدا کر کے

آیا - یہاں ایک سخت قحط پڑا ہوا تھا اس لئے بادشاہ نے بہت سا لشکر خواجہ جہاں کو دے کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۶ - بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ اُس زمانے کے ہم عصر لکھتے ہیں کہ محمد تغلق ایک نادر روزگار شخص تھا وہ بڑا فیاض اور حاتم دل تھا خصوصًا اہل ہنر کی بڑی قدر کرتا تھا اُس نے مریضوں کے لئے جا بجا شفا خانے اور بیواؤں اور یتیموں کے لئے خیرات خانے کھول دئے تھے - اپنے زمانے کا بڑا فصیح البیان اور لائق بادشاہ تھا - اس کو بہت سے علوم میں دستگاہ تھی - منطق - علم ہیئت ریاضیات - فلسفۂ یونان - سب میں ماہر تھا اور اپنے مذہبی فرائض کا سختی سے پابند تھا - لیکن بایں ہمہ صفات حسنہ اس کے دل میں رحم نام کو نہ تھا نہ کسی کا پاس خاطر تھا - سزا دینے میں بہت ہی سخت بلکہ سنگدل تھا اور اکثر بے انصافی کر بیٹھتا تھا - بندگان خدا کا خون بہانا اس کے نزدیک کچھ بات نہ تھی اور جب کبھی اس پر تُل جاتا تھا تو ایسا معلوم دیتا تھا کہ اب نسل انسان کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا کوئی ہفتہ خالی نہ جاتا تھا کہ ایک نہ ایک عالم یا مقدس شخص یا اس کے معتمدین اور مصاحبین میں سے کسی نہ کسی کی گردن نہ ماری جاتی ہو - اگر کوئی ذرا سی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف ہو جاتی تھی تو فورًا اُس کی طبیعت ہاتھ سے جاتی رہتی تھی اور بھڑک اٹھتا تھا اور پھر جو دل میں آتا تھا کر بیٹھتا تھا - اس کا مزاج بالکل وہمی تھا اور اپنے خیال کا وہمی بندہ تھا - امراء کو بہت داد و دہش بھی کرتا تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں ساڑھے سات لاکھ روپئے تک دے دئے ہیں مغلوں نے جب چڑھائی کی تھی تو اس بادشاہ نے اُن سے لڑائی نہیں کی بلکہ بے شمار دولت دے کر اُن کو ہموار کر لیا - اس کے تھوڑے دنوں بعد فارس پر چڑھائی کے لئے تین لاکھ ستر ہزار سواروں کا لشکر طیار کیا - لیکن نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوا کہ ان لوگوں کو تنخواہ نہ ملنے سے اُنھوں نے لوٹ مار شروع کی اور ملک کو لوٹ ڈالا پھر چین پر حملے کا ارادہ کیا اور ایک لاکھ فوج کوہ ہمالیہ کی طرف بھیج دی جہاں سب کے سب ہلاک ہو گئے جو اس مہم سے بچ کر آئے انھیں بادشاہ نے مروا ڈالا اس کی یادگار میں محمد تغلق نے اس جگہ پر ایک بڑا مندر بنوا دیا جو اب تک وہاں موجود ہے اور جاترا کا ایک بڑا مقام شمار کیا جاتا ہی - محمد تغلق نے ملک گجرات فتح کر لیا - بنگال میں بھی لڑائی کی اور ترکوں سے شیخ اسمعیل (جس کا عروج ملک فارس میں سولھویں صدی کے اوائل میں ہوا ہی - باربوسا نے جو سنہ ۱۵۱۴ع میں ہندوستان میں تھا اور جس نے اپنے وقایع سنہ ۱۵۱۶ع میں لکھے ہیں اس کو اپنا ہم عصر لکھا ہی - اس نے مشرقی حصہ ملک فارس کا فتح کر کے مذہب شیعہ کی بنیاد ڈالی تھی وہ مسلمان اور نو عمر شخص

دہلی واپس کر دیا اور خود مشرقی ساحل ہند کی طرف بڑھا لیکن ورنگل پہنچ کر لشکر میں سخت وبا پھیلی اور

لقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷ - تھا مگر خاندان شاہی سے نہ تھا) یعنی ملک فارس سے لڑائی ہوئی - محمد تغلق کے اوائل زمانہ سلطنت میں مغلوں کی ایک کثیر جماعت نے پنجاب پر حملہ کیا اور بڑھتے بڑھتے دہلی تک پہنچ گئے بادشاہ دہلی نے ان کو بہت سا روپیہ دے کر ہموار کر لیا - صوبہ بنگالہ کے متعلق یہ ہے کہ محمد تغلق کی سلطنت سے پہلے ہی وہ فتح ہو گیا تھا لیکن پھر کچھ سرکشی کی تھی اور دوبارہ مغلوب کیا گیا تھا اس کے زمانے میں غیاث الدین بہادر نے جو بادشاہ دہلی کا صوبہ تھا پھر اسے فتح کیا جو تھوڑے ہی دنوں بعد خود مختار بن گیا اور بہادر شاہ کا خطاب لے کر اپنا سکہ جاری کر دیا ۱۳۲۷ء م ۷۲۸ھ کے سکوں میں ملک بنگال کا بادشاہ دہلی کے تحت میں ہونا درج ہے مگر دو ہی سال بعد خود مختار بادشاہ کا سکہ چلا دیا لیکن پھر ۱۳۳۳ء میں محمد تغلق نے اپنا سکہ ملک بنگال میں جاری کیا اور باغی سردار پر چڑھائی کی - بادشاہ نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور زندہ کھال کھچوا کر اس میں بھس بھروا کر سارے صوبے میں پھروایا تاکہ ایسے خود سر صوبہ داروں کا انجام معلوم ہو کہ جو خود مالک بن بیٹھتے ہیں ۱۳۴۷ء میں محمد تغلق نے گجرات کو فتح کیا - پھر دکن کا قصد کیا اور دوارا استدام - ملیبار اور آناگندی کو جس کا نام کمپیلا تھا اور ورنگل کو فتح کر لیا - اس بادشاہ نے دولت جمع کرنے کی غرض سے ایک کم قیمت سکہ تانبے کا بعوض سونے کے ملک میں رواج دیا تھا لیکن اس سے ساکھ جاتی رہی اور تجارت بالکل ڈوب گئی - جب اس طریقے میں ناکامیابی ہوئی تو خزانہ بھرنے کے لئے اس نے بڑے بڑے بھاری محصول لگا کر زراعت کو برباد کیا - کاشتکار زراعت کا کاروبار چھوڑ کر لوٹ مار پر پل پڑے جس سے ملک تباہ و ویران ہو گیا اور رعایا برایا تمام مفلس و قلاش ہو گئی اور بھوکوں مرنے لگی - بادشاہ نے انسان کی اتنی بھی پروا نہ کی کہ جتنی کہ کیڑے کی کرتے ہیں اور رہے سہے لوگوں کو بھی اجاڑ دیا - جب کسی حصۂ ملک کی رعایا نے سخت اور جابرانہ مطالبات شاہی کے دینے سے اپنا عجز ظاہر کیا تو فوراً بادشاہ ان پر فوج کو اس طرح بھیج دیتا تھا جیسے کوئی شکار پر جاتا ہے - وہ لوگ حلقہ ڈال کر جانوروں کی طرح آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے تھے اور پھر سب کو بلا امتیاز احدے تہ تیغ کر ڈالتے تھے ایسے واقعات ایک دفعہ نہیں بارہا پیش آئے اور ایک دفعہ اس نے ہنود کے قدیم شہر قنوج میں قتل عام کروا دیا جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا اور بے چارے ہنود کو ناگفتہ بہ مصائب کا سامنا ہوا جس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے - جب بادشاہ دیوگیری (دولت آباد) سے پلٹا تو اس کا ایک دانت گر گیا تھا جس کے لئے

بادشاہ خود بھی بیمار ہو گیا ناچار دولت آباد واپس آنا پڑا۔ آتے آتے بادشاہ نے راستہ میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸۔ اُس نے ایک مقبرہ بڑ مقام پر بنوا دیا جو اب تک موجود ہی۔ لیکن سب سے زیادہ مظالم کی مثال قتل باشندگان دہلی کی ہی۔ بادشاہ نے بجائے دہلی کے دیوگیری کو پائے تخت مقرر کرنا چاہا اور اسی نے اس مقام کا نام دولت آباد رکھا اِن دونوں مقاموں میں چھ سو میل کا فصل ہی بادشاہ نے ایک حکم عام دے دیا کہ سب باشندے دہلی سے دیوگیری چلے جائیں اور لوگوں کے جلا وطن ہونے سے پہلے تمام بڑے بڑے درخت اکھڑوا کر اِس نئے رستے پر اِس سرے سے اُس سرے تک لگوا دیئے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ سب کو دلّی چھوڑنی پڑی۔ سنگ آمد و سخت آمد اس زمانے میں سڑکیں نہ تھیں اور رستہ کوہ بندھیاچل اور گھنے جنگلوں میں سے تھا۔ جہاں غذا اور پانی میسّر نہ ہوتا تھا نہ اِن لوگوں کے لئے جو وہاں پونہچ چکے تھے نئے شہر میں رہنے کے مکانات موجود تھے بہت سے آدمی بڈھے اور عورتیں اور بچے تو رستے کی صعوبت کی تاب نہ لا کر وہاں پونہچنے بھی نہ پائے تھے کہ مر گئے۔ آخر کار بادشاہ نے اُن لوگوں کو جو گرتے پڑتے وہاں پونہچ گئے تھے دہلی واپس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ ابن بطوطہ اس قیامت نما واقعے کے وقت موجود تھا اور اُس نے چشم دیدیہ واقعات لکھے ہیں۔ بادشاہ نے تمام باشندگان دہلی کو شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب معلوم ہوا کہ لوگ پس و پیش کر رہے ہیں تو منادی کرا دی کہ اگر کوئی شخص شہر میں مکانات میں یا گلیوں میں ملے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس حکم پر سب نکل کھڑے ہوئے لیکن جاسوسوں نے آ کر دیکھا تو صرف ایک اندھا آدمی اور ایک فریش مریض دو مکانوں میں نظر پڑے۔ بادشاہ نے بیمار کو تو سولی چڑھوا دی اور اندھے کو حکم دیا کہ اس کو اس کے پاؤں سے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ جابجا اُس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہو کر جھڑ گئے صرف ایک ٹانگ دولت آباد تک پونہچی کیوں کہ حکم یہی تھا کہ دولت آباد پونہچاؤ اور اس کی تعمیل ضرور تھی۔ جب ابن بطوطہ دہلی پونہچا تو وہاں کوئی متنفس باقی نہ تھا اور بالکل سناٹا اور ویرانہ تھا“ اس بادشاہ کا کچھ عجیب وہمی مزاج تھا تھوڑے دنوں کے بعد اُس نے دوسرے مقامات کے لوگوں کو حکم دیا کہ دلی میں جا کر بسیں لیکن ایک دفعہ شہر اُجڑ چکا تھا پھر پنپ نہ سکا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ جب بادشاہ شہر کو اُجاڑ چکا تو اُس نے اپنے محل کے کوٹھے پر چڑھ کر دیکھا تو سارا شہر خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا آگ یا دھوئیں کا کہیں نام نہ تھا تب بادشاہ نے کہا ”ہاں اب میرے

ایک دانت نکلوایا جس کو بڑی دھوم دھام سے ایک مقبرہ بنوا کر بیڑ میں دفن کرایا۔ بٹن بمقام

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۹ - دل کو اطمینان ہوا اور میری خواہش پوری ہوئی" ابن بطوطہ اس دربار کا ایک ممبر تھا اب اور اسے بہت سے حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمد تغلق کی دو عادتیں بہت راسخ تھیں - ایک تو داد و دہش اور دوسری خوں ریزی - دربار میں روز دیکھا جاتا تھا کہ فقیر جس کو چیتھڑے لگے ہوئے تھے آن کی آن میں امیر بن گیا یا یہ کہ کسی بدنصیب کے قتل کا حکم ہوا - بادشاہی فیاضی اور بہادری اور مجرموں کے ساتھ اس کی بے رحمی اور سنگ دلی کے افسانے زبان زد خاص و عام تھے قطع نظر ان امور کے وہ بہت منکسر المزاج اور نصفت پسند تھا اداے فرائض مذہبی اور نماز کا سختی سے پابند تھا اور تارک الصلوٰۃ کو سخت سزا دیتا تھا اس کی تمام عادات میں فیاضی سب سے بڑھی ہوئی صفت تھی - جو قتل کیا جاتا تھا اُس کی نعش محل شاہی کے دروازے پر رکھی رہتی تھی - ایک دن محل کی طرف گیا تو میرا گھوڑا بدک گیا میں نے دیکھا تو میرے سامنے ہی زمین پر ایک سفید ڈھیر پڑا تھا - میں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے تو لوگوں نے کہا کہ آدمی کی نعش ہے جس کے تین ٹکڑے کر دئے گئے تھے - دربار عام میں ہر روز سیکڑوں آدمی پا بہ زنجیر سامنے لائے جاتے تھے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑے رہتے تھے اور دونوں پاؤں بھی بندھے ہوتے تھے - بعضوں کو قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں پر مار پڑتی تھی اور طرح طرح کے عذاب دئے جاتے تھے" یہ شخص متضاد صفات کا آدمی تھا - خیرات اور داد و دہش اور پابندی مذہب کے ساتھ اس میں خوں ریزی کی عادت بد اور آدمیوں کے مروا ڈالنے کی خواہش ایک عجیب و غریب ترکیب تھی جو کچھ سمجھ میں نہیں آتی اسی لئے ہندو اسے انسان فوق العادت سمجھتے تھے کہ بظاہر ولی تھا مگر دل شیطان کا رکھتا تھا یا ایک شیطان مجسم تھا مگر ولی کی روح اس میں حلول کر گئی تھی - یہی وجہ ہے کہ سلطان محمد تغلق کے متعلق زمانہ مابعد میں انواع و اقسام کے خرق عادات مشہور ہو گئے ہیں اور جب دیکھو ایک نئی روایت اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے - اس بادشاہ کو ہندوؤں سے سخت نفرت تھی - تمام فوجی اور سول کے عہدے افغانوں کو دے رکھے تھے جو ہندوؤں کی زبان نہ جاننے کے علاوہ ان سے نفرت بھی کرتے تھے - خاندان تغلق کی سلطنت ۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۴ء تک رہی - اس میں آٹھ بادشاہ ہوئے محمد تغلق نے ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء تک بادشاہت کی - اس بادشاہ نے ۲۱ شوال ۷۵۲ھ میں انتقال فرمایا -

پر بادشاہ نے نصرت خاں کو بیدر کا اور قتلغ خاں اپنے اُستاد کو ملک مرہٹواڑی کا گورنر مقرر کیا بادشاہ ابھی تک بیمار تھا ۱۳۴۱ء میں دہلی واپس ہوا اور دوسرے لوگوں کو بھی واپسی کی اجازت دی۔ اس زمانہ کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دولت آباد دہلی کے برابر تھا اور چالیس دن میں دہلی سے دولت آباد پہنچتے تھے۔ سڑک کے دو رویہ سایہ دار درخت تھے اور ہر ہر منزل پر شاہی محل اور مسافروں کے لئے سرائیں بنی ہوئی تھیں جہاں ہر قسم کی اشیاے مایحتاج ملتی تھیں۔ سلطان محمد تغلق نے متعدد عالی شان عمارات دولت آباد میں بنوائیں اور فصیل کے اطراف ایک عمیق خندق کھدوائی۔ شیخ مبارک لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے دولت آباد کو "کعبۃ الاسلام" کا نام بھی دیا تھا۔ چوں کہ دکن میں سخت قحط تھا لوگ تاب نہ لاسکے اور چو طرف بلوہ کر دیا۔ نصرت خاں بیدر میں باغی ہو گیا جو گرفتار رہوا۔ ذو الفقار خاں کے بھتیجا علی شاہ کو دولت آباد سے گلبرگہ کی تحصیل کرنے کو بھیجا گیا اس نے بیرم خاں سردار گلبرگہ اور نائب بیدر دونوں کو قتل کر ڈالا ناچار قتلغ خاں خود دولت آباد سے علی شاہ کے مقابلے کو چلا اور اُسے شکست دے کر قید کر لیا۔ ۱۳۴۴ء میں راجگان ملک تلنگانہ و کرناٹک نے ایلکار کے سوا دولت آباد کے مسلمانوں کو سب جگہ سے نکال باہر کیا۔ ادھر یہ خرابی ہوئی کہ قتلغ خاں نے دغابازی شروع کی۔ ۱۳۴۶ء بادشاہ نے اسے معزول کر کے عین الملک کو دولت آباد کا گورنر مقرر کیا اس نے بھی آن کر بغاوت کی لیکن شکست پائی اور خطا بھی معاف کی گئی۔ اس کے بعد مولینا نظام الدین جو قتلغ خاں کا بھائی تھا ملک دکن کا گورنر مقرر ہوا اس نے جدید نظم و نسق پھیلایا اور چار صوبے اور ساٹھ ساٹھ میل مربع کا ایک ایک ضلع ایک ایک شق دار کے تحت مقرر کیا اس طرح قریب سو شقداروں کے مقرر ہوئے اور قریب ستر لاکھ سالانہ کے مصارف زیادہ ہوئے جس کی وجہ سے آمدنی میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا۔ بادشاہ نے اپنے داماد عماد الملک کو برار کا گورنر مقرر کر کے ایک بڑا لشکر بھی بھیجا جس کا مستقر ایلچپور تھا۔ یہ بھی حکم بھیجا کہ قتلغ خاں نے جو خزانہ جمع کیا ہے اور راستہ مخدوش ہونے سے دہلی نہیں بھیجا جا سکا وہ قلعہ دولت آباد میں بہ حفاظت رکھا جائے مطالبہ جات کی سختی کی وجہ سے گجرات اور دولت آباد کے لوگ بد دل ہو گئے اور بغاوت

کر بیٹھے۔ محمد تغلق خود گجرات گیا اور مجد الملک اور لیسر تھانیسری دو شخصوں کو ہنگامہ فرو کرنے کے لئے دولت آباد بھجوایا اور اسی طرح ایک شخص عزیز نامی جو ذات کا چمار تھا بیدر بھیجا گیا۔ یہ لوگ پنج ذات کے تھے ان کی سختیوں سے لوگ اور بھڑک گئے۔ گجرات کا بلوہ ۱۳۴۷ء میں بادشاہ کے خود جانے سے فرو ہوگیا لیکن بعض باغی مغل امراء کی پناہ میں دولت آباد بھاگ گئے۔ بادشاہ نے نظام الدین کو حکم دیا کہ پندرہ سو سوار مع چند امراء کے فوراً دولت آباد بھیجے جائیں بظاہر تو یہ لوگ امداداً بھیجے جاتے تھے مگر درپردہ مقصود یہ تھا کہ وہاں پونہچ کر ان کو بھی قید کرلیا جائے لیکن پہلی ہی منزل پر یہ راز فاش ہوگیا امیروں نے محافظین کو قتل کیا اور دولت آباد پونہچ کر نظام الدین کو قید کرلیا اور مجد الملک اور لیسر تھانیسری دونوں کے سر قلم کرلئے اور قلعہ کے خزانہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ ان امراء نے اپنی طرف سے اسمعیل خاں کو تخت پر بٹھلایا ہندو راجاؤں نے بھی سر اطاعت خم کیا اس طرح ملک دکن میں ایک عام بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ محمد تغلق بڑا جری بادشاہ تھا وہ خود دولت آباد پونہچا اور سب باغیوں کو مغلوب کرکے ان کے سردار اسمعیل خاں کو قلعہ دولت آباد میں گرفتار کرلیا۔ حسن گانگو اور دوسرے باغی سردار بیدر اور گلبرگہ کی طرف بھاگے جن کے تعاقب کو بادشاہ نے عماد الملک کو بھیجا لیکن ابھی یہاں کا انتظام برابر نہ بیٹھنے پایا تھا کہ پھر گجرات میں شورش ہوئی۔ بادشاہ نے عماد الملک کو یہاں کا گورنر مقرر کیا اور کیوان الدین اور دوسرے امراء کو یہاں کے انتظام کے لئے چھوڑ کر خود گجرات پونہچا اور شورش کو ٹھنڈا کیا۔ ادھر حسن گانگوی کے ساتھ باغیوں نے مل کر عماد الملک پر یورش کی اور اسے قتل کر ڈالا یہ حال دیکھ کر کیوان الدین اور اس کے ساتھی سب گجرات بھاگ گئے۔ میدان خالی تھا حسن گانگوی شہر دولت آباد میں داخل ہوا اور قلعہ کے لوگ اس سے آن ملے۔ اسمیل خاں خود کنارہ کش ہوگیا اور حسن گانگوی علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کا لقب لے کر بادشاہ بن بیٹھا۔ محمد تغلق کا ول چھوٹ گیا اس کا ارادہ تھا کہ گجرات کا انتظام کرنے کے بعد دکن کی خبر لوں گا لیکن موت نے مہلت نہ دی اور ۱۳۵۱ء میں اسکی موت کے ساتھ دکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے خاندان سے نکل گیا اس کے بعد قلعۂ دولت آباد باری باری سلاطین بہمنیہ۔ نظام شاہیہ اور مغلیہ کے

قبضہ میں رہا اور آخر کار مغلوں نے ۱۶۳۳ء میں محاصرہ کر کے فتح کیا - اس محاصرہ کی کیفیت
بادشاہ نامہ میں عبدالحمید لاہوری نے حسب ذیل لکھی ہے - مہابت خاں نظام پور میں نظام شاہ
کے مکان میں رہا کرتا تھا اُس نے توپ خانہ اور سامان حرب اپنے بیٹے لہراسپ کے سپرد
کر کے حکم دیا کہ کاغذی پورے کے پہاڑ پر سے برابر گولہ باری جاری رہے فتح خاں نظام شاہ کو
کالے کوٹ میں جو قلعہ کا پچھلا حصہ اور سب سے زیادہ مستحکم مقام ہے لے کر بیٹھ گیا اور وہ خود
مہاکوٹ میں جو قلعہ کا بڑا حصہ ہے جا بیٹھا اور قلعہ کی فوج کا بڑا حصہ عنبر کوٹ میں تھا - یہ حصہ
قلعہ کا سدّی عنبر نے مغلوں سے لڑانے بھڑنے کے لئے بنایا تھا - مغلوں نے قلعہ سر
کرنے کے لئے بہت سے حملے کئے آخر کار فصیل میں ایک رخنہ پڑا اور عنبر کوٹ
کا ناصری خاں نے محاصرہ کر لیا - رندولہ خاں اور شاہ جی نے جو علی الترتیب بیجاپور اور
مرہٹوں کے لشکر کے سردار تھے محصورین کی طرف سے زور مارا اور برار کی طرف نکل جانا چاہا
مگر ناکامیاب رہے - فتح خاں اپنے زنانے کو کالے کوٹ میں بھیج کر مہاکوٹ کے بچانے کے
لئے پوری طرح آمادہ ہو گیا اور ایک بڑی سرنگ اُڑا دی لیکن جب کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی
تو آخر کار اپنے بیٹے عبدالرسول کے ذریعہ سے صلح کی درخواست کی اور کنجیاں قلعہ کی بھیج دیں
قلعہ کی جمعیت ناصر خاں کے قبضے میں آگئی وہ فتح خاں اور حسین نظام شاہ دونوں کو لے کر
ظفر نگر (اورنگ آباد) چلا گیا - اس کے غیاب میں مراری پنڈت نے جب دیکھا کہ قلعہ میں
تھوڑی جمعیت رہ گئی ہے اور رسد تھوڑی ہے تو پھر ایک دفعہ قلعہ چھین لینے کی کوشش کی
لیکن مراری پنڈت پسپا ہوا اور خاں خاناں بھی اس اثناء میں دولت آباد پہنچ گیا اور
غنیم ناسک کی طرف واپس گیا حسین نظام شاہ اور فتح خاں دونوں قید کر کے اسلم خاں
کے ساتھ دربار میں بھیج دئے گئے - حسین نظام شاہ کو قید کر کے قلعہ گوالیار میں بھیج دیا اور
فتح خاں نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی - اس زمانے کی دولت آباد کی حالت
ٹیورنیر سیاح نے یہہ لکھی ہے کہ قلعہ میں ایک کثیر تعداد عمدہ توپوں کی ہے جن کے گولنداز
انگریز یا ہالینڈ کے باشندے ہیں - یہ صحیح ہے کہ جس پہاڑ پر اب قلعہ بنا ہوا ہے اس سے تھوڑا
بلند ایک اور پہاڑ بھی ہے لیکن اس پر جانے کا راستہ سوائے اس کے کہ اسی قلعہ کے

اندر سے جائیں اور نہیں ہے - یہاں ایک ڈچ انجنیر تھا جو ۱۵-۱۶ سال سے ملازم تھا وہ ہر چند اپنے ملک کو بحصول رخصت واپس جانا چاہتا تھا لیکن کسی طرح پروانگی نہیں ملتی تھی راجہ جے سنگھ سپہ سالار جو سیواجی کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا دولت آباد سے گزرا یہ انجنیر بھی اُن سے ملنے گیا اور راجہ نے اس سے فرمائش کی کہ اس بلند پہاڑ پر اگر توپ چڑھا دے تو رخصت دے دی جائے گی - انجنیر نے بہ ہزار دقت واشکال پہاڑ پر توپ چڑھا دی اور راجہ صاحب کی سفارش سے بادشاہ نے انجنیر کو رخصت بھی دے دی - چنانچہ سنہ ۱۶۶۷ء میں وہ اپنے ملک کو چلا گیا - تھیوینات سیاح نے دولت آباد کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ شہر مغلوں کے تسلط کے قبل بالاگھاٹ کا دارالسلطنت اور بڑی تجارت گاہ تھا لیکن اب اورنگ آباد مرکز تجارت ہے جس کو اورنگ زیب نے اپنی گورنری کے زمانے میں آباد کیا - یہ شہر بہت بڑا ہے عرض کم اور لمبان میں دور تک چلا گیا ہے اس کے اطراف پختہ فصیل ہے جس کے برجوں پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں - اگرچہ فصیل اور برج نہایت مستحکم ہیں لیکن یہ قلعہ مغلوں کے تمام مقبوضات میں سب سے زیادہ مستحکم ہونے کی صرف یہی وجہ نہیں ہے - بلکہ قلعہ قدرتی طور پر ایک بیضوی شکل کے پہاڑ پر واقع ہے جس کے چاروں طرف شہر کی آبادی پھیلی ہوئی ہے - قلعہ کے دامن میں پہاڑ کی قدرتی فصیل ہے جس کے اوپر قلعہ بنا ہوا ہے جس پر بادشاہ کا محل ہے مجھے ایک فرانسیسی سے جو دو سال تک قلعہ کے اندر رہا معلوم ہوا کہ علاوہ اصلی قلعہ کے اس کے اندر اور تین قلعے بڑا کوٹ - عنبر کوٹ - اور کالا کوٹ ہیں -

اندرونی حصار اندرونی دروازے سے نکلنے کے بعد پچاس ساٹھ گز آگے بڑھ کے ایک بہت بڑا چوتھا دروازہ ملتا ہے جو کالا دروازہ کہلاتا ہے - یہاں سے سڑک سیدھی جانب پانچویں دروازے کی طرف مڑتی ہے - دس بارہ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد چھٹا دروازہ ملتا ہے جس کی مستطیل ڈیوڑھی ہے جس میں اہل ہنود کے زمانے کی ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت باقی ہے - پچاس ساٹھ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ساتواں دروازہ ملتا ہے جس کی بائیں طرف سے ہندو راجاؤں کے قدیم محل کا دروازہ ہے اس سے تھوڑی دور آگے آٹھواں دروازہ ہے جس کی داہنی طرف چینی محل کا کھنڈر ہے - چینی محل کے اوپر دار ایک گول برج ہے - جس پر ایک

بڑا بھاری مینڈھا توپ چڑھی ہوئی ہو یہاں سے چند گز پر وہ تنگ راستہ ہو کہ جس کے سوائے دوسرا نہیں جہاں سے قلعہ کے بالائی حصہ میں داخل ہوتے ہیں اس جگہ بھی بدون اس پل کے عبور کئے کے نہیں پہنچ سکتے جو خندق کے اوپر پڑا ہوا ہو- یہ خندق بارہ مہینے پانی سے لبریز رہتی ہو اور سو فیٹ عمیق ہو- اس کی بائیں جانب پھر ہندوؤں کے بوسیدہ محل کے کھنڈر ہیں پل سے آگے بڑھ کر ایک تنگ راستہ ملتا ہو جو اس خوبی سے کوتاہ کیا گیا ہو کہ وقت واحد میں ایک سے دوسرا آدمی نہ جا سکے اگر ایک آدمی تلوار تان کر اوپر کھڑا ہو جائے تو جو آتا جائے بہ آسانی اُس کا سر بھٹے کی طرح اُڑا دے سکتا ہو- یہاں سے نکل کر ہم اورنگ زیب کے بنائے ہوئے ایک بلند برج پر پہنچتے ہیں- اول تو اس جگہ سے صحیح و سلامت گزرنا ہی مشکل ہو اور جو بچ کر نکل بھی جائے تو آگے دو اندھیریاں ملتی ہیں ایک چھوٹی ایک بڑی جن میں دن کے وقت بھی اندھیرا گھپ رہتا ہو اور بدون مشعل کے راستہ نہیں سوجھتا یہ اندھیریاں پہاڑ میں کاٹ کر ایسی کشادہ اور وسیع بنائی گئی ہیں کہ بے تکلف گھوڑے پر سوار جا سکتا ہو اور بڑی اندھیری میں جو بہت لمبی ہو ایک طرف ایسی سرنگ بنائی گئی ہو جو قلعہ کے باہر بہت دور پر نکلتی ہو- چھوٹی اندھیری (۶۰) فیٹ لمبی ہو اور دوسری اس سے ڈیوڑھی- پہلی اندھیری پار ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا صحن ملتا ہو جس کی ایک جانب کچھ ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں ایک شکستہ محل کی ہیں- بڑی اندھیری کے ختم پر ایک ڈیوڑھی ملتی ہو جس کے کئی نقش و نگار کے ستون ہیں- اس کے بعد پھر ایک بڑی سرنگ ہو جس میں بہت سی کوٹھریاں پہاڑ میں کھود کر بنائی گئی ہیں جس میں جمعیت کے لوگ بطور محافظ کے رہا کرتے تھے- یہاں سے چند سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترہ ملتا ہو پھر (۴۴) فیٹ کی چڑھائی کے بعد اور ایک چبوترہ ۳۰ × ۲۰ فیٹ کا ملتا ہو اس مقام پر ایک بڑا آہنی توا رکھا ہوا ہو- اول تو غنیم یہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور جو کسی طرح گرتا پڑتا پہنچ بھی جائے تو راستہ کے منہ پر توا ڈھک کر آگ دہکا دیتے تھے کہ گرمی کی تپش اور دھوئیں سے دم گھٹ کر وہیں مر جائیں چوں کہ آگ بلا ہوا کے نہیں چل سکتی اس لئے یہاں ایک سوراخ بھی بطور روشن دان کے پہاڑ میں کھود دیا گیا ہو- اس چبوترے کے پاس ہی فقیر سلطان صاحب کی درگاہ ہو جس کے صحن میں بہت سی شکستہ توپیں اور بنیادیں پڑی ہوئی ہیں اور ایک توپ

پھیرنے کا چرخ بھی ہے۔ یہاں ایک احاطہ کی دیوار بھی باقی ہے جو کوئی محصور جگہ تھی جس کے بائیں
طرف ایک برج پر ایک توپ چڑھی ہوئی ہے۔

کوڑی ٹانکہ یہاں سے سیدھے ہاتھ کی طرف ایک پہاڑی چشمہ کوڑی ٹانکے کے نام سے مشہور ہے۔
اگرچہ یہہ چشمہ بہت بلندی پر واقع ہے تاہم صاف شفاف پانی موجود ہے۔ جس کا پانی اس قدر ستھرا ہوا ہے
کہ کوڑی ڈالو تو تہہ میں صاف نظر آتی ہے اور پانی اس قدر شیریں لطیف اور خنک ہے کہ برف کو
بھی مات کرتا ہے۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر اور ایک چشمہ ہاتھی تالاب کے نام سے مشہور
ہے جو ۴۰×۳۰ فیٹ ہے۔

بارہ دری قلعہ کی چوٹی پر پہنچتے پہنچتے آدمی کا دم چڑھ جاتا ہے اور پسینے میں شرابور ہو جاتا
ہے لیکن بارہ دری کی پختہ۔ سنگین اور ہوادار عمارت میں قدم رکھتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے
بہت بھلے معلوم دیتے ہیں اور یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کرۂ نار سے کرۂ زمہریر میں آ گئے جس سے
تکان اور کوفت جاتی رہتی ہے۔ قلعہ کے سب سے بالائی حصہ پر ایک بارہ دری اورنگ زیب کی
بنوائی ہوئی قابل دید ہے۔ یہہ وہی مکان ہے جو قلعہ کی بلندی پر دور دور سے سفید سفید دکھلائی
دیتا ہے۔ بارہ دری ہشت پہلو بنی ہوئی ہے جس کا صحن مربع اور چاروں طرف وسیع دالان اور برآمدے
ہیں۔ موسم گرما میں شاہ جہاں اور اورنگ زیب یہیں آکر رہتے تھے۔ اس کی بلندی پر سے سارے
مقامات ہتیلی میں معلوم دیتے ہیں۔ نیچے کے آدمی بالشتیے اور سڑکیں پتلی پتلی لکیریں نظر آتی ہیں۔
چو طرف کے بلند بلند پہاڑ اور گھاٹیاں مخملی لباس میں ڈھکی ہوئیں ایک ایسا پر لطف منظر ہے کہ جس سے
کسی طرح دل سیر نہیں ہوتا۔ بارہ دری کے وسیع اور عالی شان کمرے ایسے ہیں کہ جو بڑے بڑے
لوگ لارڈ اور ویسرائے آتے ہیں وہ یہیں ٹھیر کر چائے نوش کرتے ہیں اور بریکفاسٹ بھی یہیں ہوتا
ہے۔ لیڈیاں کرسیوں پر بٹھلا کر اوپر پہنچائی جاتی ہیں۔ یہہ کرسیاں پہاڑی ڈانڈی یا جھمپان کی وضع
کی ہیں جن کو کہار اُٹھاتے ہیں۔ جس حصہ کوہ پر بارہ دری بنی ہوئی ہے وہ تین سو فیٹ مدور ہے جو بجائے
خود ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔ جس کے اطراف چھوٹی سی فصیل اور چھوٹے چھوٹے
برج ہیں۔

قلعہ کے حالات یہہ قلعہ سات سو فیٹ بلند پہاڑ پر ہے جو بیچ میں کھڑا ہوا ہے یعنی اس سے

ملا ہوا اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ قلعہ کا دور تخمیناً چھ ہزار گز ہے یہ قلعہ بہت دور سے نظر آتا ہے اور ریلوے اسٹیشن سے تو صاف نظر آتا ہے بلکہ بارہ دری کی عمارت بھی سفید سفید الگ دکھلائی دیتی ہے۔ یہ پہاڑ سلسلہ کوہ بالا گھاٹ کا ایک ٹکڑا ہے جو شمال اور مشرق کی جانب چلا گیا ہے۔ پہاڑ تو کیلے سرپوش کی طرح کا ہے۔ جس کے مشرق و جنوب میں بستی ہے لیکن اب شہریت کچھ بھی باقی نہیں بلکہ ایک اُجڑا ہوا گاؤں ہے جس میں کچھ جمعیت قلعہ کی اور چند زراعت پیشہ لوگ رہتے ہیں جو انگور۔ انجیر اور دوسرے میوہ جات کی کاشت کرتے ہیں۔ بیرونی فصیل کا دور پونے تین میل کا ہے جس کے صرف دو دروازے مکہ اور روضہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بیچوں بیچ کے بڑی سڑک سے ایک شاخ سڑک کی قلعہ کی طرف پھوٹ جاتی ہے اور تھوڑے نشیب میں اُتر کر ہم قلعہ کی پہلی چار دیواری میں پونہچ جاتے ہیں جو قلعہ کو تین طرف گھیرے ہوئے ہے۔ یہ جگہ صرف کھلا ہوا چٹیل میدان ہے اس کے آگے دوسرا حصار ہے جس کا ایک نہایت مرتفع مربع دروازہ بنا ہوا ہے جس کے اندر دو چھوٹے چھوٹے شیر اور ہاتھی پتھر پر کندہ ہیں اور بائیں طرف ایک ویران مسجد ہے۔ تیسرا دروازہ دوسرے سے زیادہ بلند اور مضبوط ہے جس کے برجوں پر شیر اور ہاتھیوں کے تصاویر ہیں۔ اس کے گنبد اور دیواروں پر گلکاری اور نقاشی کی گئی ہے اس کی دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے دالان سنگین ستونوں پر کھڑے ہیں۔ ایک زینہ چڑھ کر ہم پھاٹک کے اوپر پونہچ جاتے ہیں اس مقام پر متعدد محلات کے کھنڈر ہیں یہاں سے سڑک داہنی طرف مڑ جاتی ہے اور دوسری طرف نقار خانہ ملتا ہے اس کے آگے ایک چھوٹا دروازہ قلعہ کے حصہ زیرین میں ہے جہاں سے ناہموار راستہ اور سیڑھیاں ہم کو قلعہ کے اندر پونہچاتی ہیں۔ بیرونی اور اندرونی حصار کے درمیان جتنا حصہ ہے اس میں متعدد محلات مندر۔ درگاہوں مسجدوں کے کھنڈر ہیں جو اب سب جھاڑی میں چھپ گئے ہیں۔ آخری دروازے سے تھوڑے فاصلے پر داہنی طرف بھوانی کے مندر کا باقی ماندہ حصہ ہے جس کے سامنے ہی پیر قادر صاحب کی درگاہ ہے۔ اس کے آگے سرسوتی کی باؤلی کی دیوار سو فیٹ لمبی اور چالیس فیٹ اونچی ہے جس کے دونوں طرف بڑے بڑے مربع پتھروں کی بندش اور سکڑی سیڑھیاں ہیں جو باؤلی کے اندر تک جاتی ہیں۔ اس باؤلی میں زندہ جھرا ہے علاوہ اِس کے شمال و مشرق میں جو تالاب ہے اس کا نل بھی لایا گیا ہے۔ اس کے آگے چند فوجی لوگوں کی قبریں ہیں جس کی سیدھی طرف

باغ کا ایک اونچا احاطہ ہے اور فصیل میں دور دور تک حجرے اور کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ باغ کے سامنے ایک بڑا پختہ حوض ڈیڑھ سو فیٹ مربع اور بائیس فیٹ عمیق ہے حوض کے چاروں طرف شہ نشین ہے سیڑھیاں شہ نشین سے لے کر تالاب کی تہ تک ہیں۔ اس تالاب میں پانی بذریعہ نلوں کے ایک بڑے تالاب سے جو پہاڑوں میں ہے لایا جاتا تھا۔

قلعہ کے اندر متعدد نامعلوم تہ خانے کوٹھے اور چور راستے ہیں جو بند ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض کوٹھوں میں گولی باروت اور مختلف اقسام کے ہتھیار اور اجناس وغیرہ سامان ہے۔ چنانچہ اسی سالہا سال کی پرانی باروت سے جو جم کر ڈھیپے ہو گئے ہیں دولت آباد اور اورنگ آباد میں جب ضرورت پڑتی ہے بے تامل توپیں سر کی جاتی ہیں اور یہی باروت عمدہ سے عمدہ کام دیتی ہے۔ بعض کوٹھوں میں غلہ بھرا ہوا تھا جو راکھ ہو گیا ایک کوٹھے میں گھی ہے جو اب بالکل چلٹ کرم ہم کی شکل کا ہو گیا ہے ایک کوٹھے میں تماکو ہے جو بیچا تا تو جاتا ہے کہ تماکو ہے مگر چٹکی میں لو تو راکھ ہو جاتا ہے۔

مسجد اور مینار ۸۴۹ھ - قلعہ کے اندر جو چھوٹی سی مسجد تھی وہ اب ویران ہے۔ اس مسجد میں علاؤ الدین (جو غالباً سلطان احمد شاہ بہمنی کا بھائی تھا جس کا زمانہ سلطنت ۱۴۳۵ تا ۱۴۵۷ء تھا) کا بنایا ہوا ایک بہت بلند مینار (۱۰۰) فیٹ اونچا ہے جس کا دور نیچے سے (۷۰) فیٹ ہے یہ مینار قلعہ دولت آباد کی فتح کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ اس کے نیچے (۲۴) حجرے ہیں۔ مینار کے اوپر کلس لگا ہوا ہے۔ وسط مینار میں برآمدہ بھی بنا ہوا ہے جس کے اطراف عمدہ کٹہرا بھی ہے۔ یہ مینار تمام میناکاری لاجوردی اور سنہری ایرانی کام سے جگمگا رہا تھا۔ جیسا کہ بیدر کے مدرسہ کا مینار ہے اب وہ رنگ و روپ سب جاتا رہا لیکن کہیں کہیں اب بھی اس کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ مینار سے شمال میں نقار خانہ اور جنوب میں مسجد ہے۔ طرز عمارت اور لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد جینیوں کے بہت بڑے مندر کو جو (زمانہ مابعد میں کالی کے مندر کے نام سے مشہور تھا) توڑ کر بنائی گئی ہے ؎

ببیں کرامت بت خانہ مرا ای شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

چنانچہ مینار کی بائیں جانب اب بھی کچھ حصہ مندر کا باقی ہے صرف درمیانی حصہ میں مسجد ہے۔

اس مندر پر ایک پرانا کتبہ خط بالبودھ میں مندر کی شمالی دیوار میں لگا ہوا تھا جو اُکھاڑ کر رایل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی میں بھیج دیا گیا۔ مسجد کے دروازے پر یہ شعر کندہ ہے ؎

ایا سلطان علاءالدین قطب شاہ
مبارک باد ایں فرخندہ بنیاد

مسجد کے جنوب رخ مینار کی جڑ میں ایک بڑے پتھر پر یہ اشعار کندہ ہیں ؎

بود ست یکے بزرگ شاہے
بر مسند سلطنت چو ماہے

بس محتشم و غیور و دانا
کس را چہ مجال لا و الّا

در معرض او کہ ورس گوید
جمشید سخن تبرس گوید

احمد شہ بہمنیت نامش
چہ جام جم و چہ جاہ جامش

دارد پسرے کہ بر فلک نیست
در خطۂ بیدر است شک نیست

سلطان علاءالدین ست نامش
شیریں تر از انگبیں کلامش

بود ست یکے مگر ملازم
در حضرت شہ ستادہ دایم

لفظ چو شکر دو چشم پر نور
بستہ کمرے چو ایستادہ از دور

سلطاں کہ برو نگاہ کردے
صد نوع دعائے شاہ کردے

روزے مگرش بسوے خود خواند
لطفش بنمود و نیز بنشاند

گفتا کہ بجان و دل خود ما ز تو شادیم
ویں دولت آباد ترا بہ تحفہ دادیم

یارب کہ بدیں دولت آباد بمانی
تا روز قیامت بدل شاد بمانی

بندہ بس بزرگ و روحانی
یعنی پرویز عبد سلطانی

فرمان شدہ حکم او مرتب
دو روز رواں شود شبا شب

چوں سکۂ لعل او نمودند
ماہی و مراتبش فزودند

موے سر اوش شانہ کردند
در حال ورا روانہ کردند

آمد بدیار دولت آباد
مجموع برادراں شدند شاد

بنیاد عمارتے بہ کردند
بستند میاں کساں کہ مردند

بنیاد بنائے او سال است
زیں حرف چو بگزری وبال است

تاریخ مینار دولت آباد دَر ہشتصد و چہل و نہ شد آباد
این عمارت چو دستہ گل شد زامر پرویز بن قرنفل شد

ان اشعار میں سے بعض بعض ناموزوں ہیں لیکن مطلب فوت نہیں ہوتا جس کا ملخص یہ ہی کہ ایک بادشاہ ایسا تھا کہ جس کا تخت چاند کی طرح جگمگاتا تھا وہ نہایت محتشم غیور اور دانا تھا کسی کی مجال اس کے سامنے چون وچرا کرنے کی نہ تھی حتیٰ کہ جمشید بھی اس سے کانپتا تھا۔ اُس کا نام احمد شاہ بہمنی ہی جس کے سامنے جام جم اور اُس کے جاہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں سلطان علاؤالدین جو اُس کا ایک ملازم تھا ایک دن بادشاہ نے اُس کی یاد فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں تم سے بہت خوش ہوں اور اس خوشنودی میں ما بدولت نے تم کو قلعۂ دولت آباد ہمیشہ کے لئے دیا۔ بادشاہ نے اسی مضمون کا فرمان بھی نافذ فرمایا اور علاءالدین بیدر سے دو شبانہ روز چل کر دولت آباد پونہچا اور قبضہ کر لیا۔ خطابوں سے بھی سرفرازی ہوئی اور بھائی بند سب اس سرفرازی پر خوش ہوئے تیس سال کے عرصہ میں یہ مینار اُن لوگوں کی یادگار میں طیار کیا گیا جو کہ مر گئے۔ اس کی تکمیل کی تاریخ ۸۴۹ھ ہی۔ یہ عمارت ایک گلدستہ بن گئی ہی جس کو پرویز بن قرنفل نے بنایا۔

ابوالحسن تاناشاہ اور چینی محل یہیں قریب چینی محل کے کچھ کھنڈر کھڑے ہوئے ہیں۔ ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے سلطان ابوالحسن المعروف بہ تاناشاہ کو جو قطب شاہیہ کا آخری تاجدار تھا یہیں قید کیا تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہی جس کی نسبت شاہجہاں بادشاہ نے یہ شعر لکھا تھا:-

انبہ فرستادیم ابوالحسن اَنۡبَتَہُ اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا

عمارت کی وضع قطع اور چینی کے باقی ماندہ کام سے جس کی نیلی اور زرد میناکاری کچھ کچھ اینٹیں اب بھی مشرقی حصہ میں باقی ہیں پایا جاتا ہی کہ یہ محل کسی زمانے میں نہایت نفیس پُر تکلف اور خوشنما ہوگا ابوالحسن نسلاً چغتائی اور مذہباً شیعہ تھا۔ عبداللہ قطب شاہ کا داماد تھا۔ یہ بادشاہ خاندان قطب شاہیہ کا ڈوبتا ہوا آفتاب اور سلطنت شیعہ کا گل ہوتا ہوا چراغ تھا۔ ابوالحسن کوئی ممبر خاندان قطب شاہیہ کا نہ تھا۔ ابوالحسن جب سن شعور کو پونہچا تو کامل چودہ برس تک اکتساب علم

میں مصروف رہا۔ بعد تصوف کی طرف میلان خاطر ہوا اور سید راجو حسینی صاحب پدر بزرگوار حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہتا تھا اور آپ سے بیعت بھی کی تھی۔ عبداللہ قطب شاہی حقیقت میں آخری بادشاہ اپنے خاندان کا تھا اور ملک تلنگانہ کا فرماں روا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف تین لڑکیاں تھیں۔ پہلی سلطان محمد سے اور دوسری میر احمد کربلائی سے منسوب تھی تیسری لڑکی کا عقد سید سلطان سے ہونے والا تھا اور سب کچھ طیاری ہو چکی تھی لیکن عین وقت پر کسی خاص وجہ سے معاملہ درہم برہم ہو گیا اور قطب شاہ نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کسی فقیر کو دے دوں گا مگر سید سلطان کو ہرگز نہ دوں گا۔ محل میں ہلچل مچ گئی قطب شاہ کی بیگم نے کہا کہ خیر تمھاری مرضی اگر ایسی ہی ہے تو ابوالحسن بھی ہمارا قرابت دار ہے اور فقیری کا دم بھی بھرتا ہے۔ اگر تمھارا دل ٹھکے تو اس سے کردو۔ بادشاہ نے فوراً قبول کر لیا۔ تانا شاہ کی تلاش میں لوگ دوڑے عصر کا وقت تھا۔ تانا شاہ سید راجو حسینی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا آپ باغ کے درختوں کو پانی دے رہے تھے۔ آپ نے تانا شاہ کو پاس بلایا اور فرمایا کہ آمیں تیرے مہندی لگاؤں کہ اس وقت بادشاہ کی لڑکی کی رسم حنابندی ہو رہی ہے اور وہیں کیاری میں سے گیلی مٹی لے کر تانا شاہ کی چھنگلی پر تھوپ دی کہ اتنے میں قطب شاہ کے لوگ پہنچے اور تانا شاہ کو ہاتھوں ہاتھ لے گئے اور غسل دلا کر پوشاک بدل کر اسی وقت قطب شاہ کی لڑکی کا عقد نکاح تانا شاہ سے ہو گیا اس طرح تانا شاہ کی تقدیر جاگی اور وہ دعوی دار سلطنت کا ہو گیا۔ جب سید سلطان کو خبر ہوئی تو آمادۂ جنگ ہوا مگر پیش رفت نہ گئی اور حیدرآباد سے اورنگ آباد چلا آیا اور میر جملہ خانخاناں کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ تانا شاہ نہایت خوش خلق اور سخی تھا اور لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آتا تھا لوگ اس کی طرف جھکے ہوئے تھے برخلاف اس کے امیر احمد جو دعوی دار سلطنت تھا نہایت زشت خو۔ بخیل اور کج خلق تھا لوگوں کے دل اس سے پھٹ گئے تھے۔ تانا شاہ کے نکاح کے بعد چار سال قطب شاہ زندہ رہا۔ (۴۸) برس کی سلطنت کے بعد (۶۰) سال کی عمر میں ۳ محرم ۱۰۸۳ھ اتوار کے دن انتقال کیا اور سب نے بالاتفاق ۵ محرم ۱۰۸۳ھ کو تانا شاہ کو بادشاہ بنا دیا اور سید مظفر وزیر مقرر ہوا۔ اگرچہ سید مظفر وزیر باتدبیر تھا مگر خدا جانے کیا افتاد پڑی کہ اس کو معزول کر کے مادنا کو قلمدان

وزارت دیا گیا اور خدمت پیشکاری پر اُس کا بھائی نیکنّا سرفراز ہوا۔ یہہ لوگ کرناٹک کے رہنے والے
تھے اور بعض کہتے ہیں کہ کسی پٹواری کے لڑکے تھے۔ تانا شاہ عیش و عشرت میں لگ گیا
مادنّا اور نیکنّا سیاہ و سفید کے مالک بن گئے اور دست تظلم دراز کیا چو طرف اُن کے مظالم
کی چیخ پکار ہونے لگی۔ اسی زمانہ میں اورنگ زیب نے شہزادہ شاہ عالم بہادر کو ایک جرار لشکر
کے ساتھ بیجاپور کی تسخیر کو بھیجا چوں کہ مہم نے طول کھینچا لہذا اورنگ زیب خود اورنگ آباد
سے احمد نگر ہوتا ہوا شولاپور پہونچا۔ شولاپور میں اورنگ زیب کی نظر سے تانا شاہ کا ایک خط گزرا جس میں
لکھا تھا کہ "میں اب تک بادشاہ عالی جاہ کا احترام کرتا رہا لیکن بادشاہ نے سکندر عادل شاہ کو کم عمر
اور اکیلا پاکر دبالیا اس لئے مجھے اُس مظلوم کی کمک ضرور ہوئی میں خلیل اللہ خاں کے ساتھ
سواروں کا جرار لشکر بھیجتا ہوں اور دوسری طرف سے راجہ سنبھا آن چڑھے گا دیکھوں کہ حضرت
کس کس طرف لڑتے ہیں" اورنگ زیب اس خط کو دیکھتے ہی آگ بگولہ ہوگیا اور کہا کہ میں نے
رحم کھا کر متمول سارنگ ساز (یعنی سکندر عادل شاہ) کی طرف ڈھیل دے دی تھی اب مینڈکی
کو بھی زکام ہوا اور مرغی بھی بانگ دینے لگی۔ اُسی وقت شاہزادہ شاہ عالم بہادر کو تانا شاہ کے
استیصال کے واسطے مقرر کیا۔ خلیل اللہ خاں باتفاق شیخ منہاج اور رستم راؤ کے جو مادنّا نیکنّا
کا چچیرا بھائی تھا شاہ زادے کے مقابل ہوئے اور قصبۂ سیڑم[۵۱] اور قلعۂ ملکھیڑ پر چند لڑائیاں ہوئیں

---

۵۱ سیڑم نظام ریلوے کا سٹیشن واڑی سے (۲۴) اور حیدرآباد سے (۹۲) میل ہے ملکھیڑ کا ذکر علیحدہ ضمیمہ میں مندرج ہے۔ باقی مقامات سب یہیں قریب قریب ہیں۔ سیڑم مستقر تحصیل ضلع گلبرگہ میں واقع ہے۔ یہہ ایک بڑا قصبہ ہے جس کے چاروں طرف فصیل اور برج ہیں۔ یہاں ایک چھوٹی سی ندی رواں ہے جو کاگنا میں مل جاتی ہے۔ بارہ دروں کا ریل کا پُل اس پر بنا ہوا ہے اور ہر در (۴۰) فیٹ عریض ہے ندی کے کنارے کسی بیوی کا ایک چھوٹا سا گنبد بھی بنا ہوا ہے اُس پر ایک کتبہ بھی ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا۔ سیڑم کی وجہ تسمیہ یہہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بزرگوار یہاں تھے بادشاہ نے اُن کو اور جاگیرات دینی چاہیں آپ نے فرمایا سیرم یعنی یہی کافی ہے۔ بستی کے اندر کچھ قدیم محلّات ہیں جو قدیم امراے سلطنت بیجاپور کے تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس محل میں کچھ خزانہ ہے چند سال کا عرصہ ہوا کہ ملک ہنگری کے ایک یہودی نے رہے سہے مکان کو بھی بطمع خزانہ کھود ڈالا مگر ملا دلا خاک بھی نہیں۔ اس محل کے تہ خانے سے جو راستہ جاتا ہے جو نیچے نیچے ندی

آخر الامر فتح شاہزادے کی ہوئی۔ شاہزادہ نے کہلا بھیجا کہ سیڑم اور ملکھیڑ اور پرگنہ ناگاوی (چیتاپور) پرگنہ اُڑکی وکوڑولی جن پر ہمارا قبضہ ہو چکا ہے بخوشی بادشاہ جمجاہ کی نذر کر دیں تو میں عرضداشت سفارش بادشاہ کے حضور میں گزران کر صلح کرا دیتا ہوں خلیل اللہ خاں مر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۲ - کے اُس پار نکل گیا ہے اب تو اس میں کوڑا کرکٹ اس قدر بھر گیا ہے کہ کوئی جا ہی نہیں سکتا۔ سیڑم بھی بہت قدیم بستی ہے پہلے یہاں بہت سے دیول تھے جن میں سے اکثر زمین کے اندر دب گئے اب بھی جہاں کہیں کھودو آثار قدیم ملتے ہیں۔ یہاں ایک دیول میں ایک بڑا پتھر کا ستون ہے جسے دیپ دان کہتے ہیں۔ گاؤ دم مخروطی شکل کا بنا ہوا ہے قاعدہ ، ۲½ فیٹ مربع ہے۔ طول (۴۵) فیٹ ہے ایک ہی پتھر اتنا بڑا ملنا اور اس سبکی سے تراشنا البتہ ایک قابل دید صنعت ہے۔ سیڑم میں ناگاوی کی طرح کی ایک بہت قدیم دیول ہے جو کئی ہزار برس پہلے کا بنا ہوا ہے۔ ناگاوی کا دیول جین لوگوں کا ہے اور یہ شیبو کا۔ اس دیول کے ستونوں پر بہت عمدہ کام نقاشی کا ہے۔ آب ہوا سیڑم کی بہت خراب ہے۔ ندی کا پانی خراب اور بستی کی باؤلیاں کھاری اس وجہ سے کہ یہ سیسہ کا معدن ہے اور پانی میں چونے کی آمیزش اور کھار زیادہ ہے جو معدے کے لئے مضر ہے۔ معدہ تو معدہ انجن بھی یہاں سے پانی نہیں لیتا کہ کھار سے بائلر جلد خراب ہو جاتا ہے۔ راقم نے ایک باؤلی دوم کچہری کے بنگلہ کے پاس کھدوائی تھی جس میں اب ڈاکٹر خانہ ہے) اس میں حسن اتفاق سے میٹھا پانی نکلا اور اب اس باؤلی کا پانی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ سارا ملک سنگ سیلون کا ہے مکانات کی چھتیں بھی پتھر کی سلوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ ندی کے کنارے ایک درگاہ واحد علی خاں صاحب سابق صدر مہتمم پولیس کے دادا کی بنی ہوئی ہے وہ تفریح کے لئے اچھا مقام ہے۔

واڑی سے حیدر آباد جاتے ہوئے پہلا اسٹیشن چیتاپور ہے جس کا ہم مختصر نوٹ کسی جگہ دے آئے ہیں۔ بستی اسٹیشن سے نصف میل ہے۔ بہت بڑا گاؤں ہے جس کے اطراف فصیل ہے جس کے چاروں کونوں پر دمدمے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں کے مکان بھی پتھروں کی سلوں سے چھائے ہوئے ہیں اور تمام زمین پتھریلی ہے۔ یہاں کی ریشمین چولی ساڑیاں مشہور ہیں رنگ پختہ اور عمدہ ہوتا ہے۔ ایک عجیب بات اس بستی میں یہ ہے کہ عین آبادی کے وسط میں ایک قدیم طرز کا بنا ہوا گرجا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اوائل سولھویں صدی میں پرتگالیوں نے بنایا تھا۔ یہ گاؤں نواب سر آسماں جاہ بہادر اور نواب عسکر جنگ بہادر دونوں کی جاگیر ہے۔ کچھ حصہ آبادی کا ان کا ہے کچھ اُن کا۔ بستی سے ملا ہوا چیتا شاہ ولی کا مقبرہ ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ زندہ دفن ہو گئے

آخر میں تھا راضی ہوگیا مگر رستم راؤ اور شیخ منہاج تنے رہے اور دوبارہ لڑائی ہوئی - تاناشاہ نے بہت سی فوج اور توپیں بھیجیں مگر آخر کار پسپا ہونا پڑا - اورنگ زیب کے لشکر نے لوٹ مار شروع کی اور تعاقب کیا شیخ منہاج نے کہا کہ مردوں کا کام یہ نہیں ہے کہ عورتوں پر دست تظلم دراز کریں ذرا صبر کیجئے میں اپنے قبائل کا بندوبست کرلوں تو پھر آپ کے مقابلہ کے لئے حاضر ہوں شاہزادہ نے کہا اچھا اور فوراً تلوار کو نیام کرلیا - شیخ منہاج اپنے قبائل کو گولکنڈہ کی طرف سے حیدرآباد بھیج کر میدان جنگ میں آن ڈٹا اور رستم راؤ کو ساتھ لیکر خوب لڑا اور جوہر مردانگی دکھاے لیکن ایک سورما چنا کیا بھاڑ کو بھون سکتا ہے دونوں زخمی ہوئے اور ان کی طرف کے بے شمار لوگ مارے گئے اور سب کے سب دم دبا کر حیدرآباد بھاگے - حیدرآباد پہنچ کر نیکنا اور مادنا نے تاناشاہ سے جڑی کہ یہ شکست محض خلیل اللہ خاں کی سازش سے ہوئی وہ شاہزادہ سے مل گیا ہے - تاناشاہ خلیل اللہ خاں کے خون کا پیاسا ہوگیا اور اُس کے مار ڈالنے کی فکریں کرنے لگا - خان مذکور نے جب دیکھا کہ بے وجہ میرے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں تو کُھلے خزانے ۱۰۹۶ھ میں شاہزادہ سے جا ملا - وہاں اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳ - تھے - جہاں آپ کا مقبرہ ہے وہ محلہ چپتا ولی پیٹ کہلاتا ہے - آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے - چپتاپور سے ملی ہوئی ویران بستی ناگائی کی ہے یہ مقام بالکل اُجڑ گیا ہے لیکن پہلے بہت آباد ہوگا - بعض مندروں کی عمارات قدیم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے چھٹی اور ساتوں صدی عیسوی میں جب یہاں شمالی ہندوستان کے راجپوتوں کی حکومت تھی اور بودھ مذہب کا زور شور تھا یہ مقام آباد تھا مگر یہ مندر جین لوگوں کے معلوم دیتے ہیں - پہلے یہاں ایک مستحکم قلعہ بھی تھا اور مندرون کی کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ مقام بہت متبرک تھا - بہت سے مندر مسلمانوں نے گرا کر کھنڈر کر دیے - کئی مندروں میں پتھروں کے کتبے موجود ہیں اگر یہ پڑھے جائیں تو بہت سے دلچسپ حالات معلوم ہوں گے - بہت سے مندروں کو خزانے کے لالچ سے کھود کر ستیاناس کردیا ہے - اس بستی کی بربادی کے متعلق مختلف روایات ہیں بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے مدتوں محاصرہ کیا اور فتح کے بعد اس کی فصیل کھود کر زمین کے برابر کردی اور مکانوں کو توڑ پھوڑ کر بستی کو غارت کردیا - بعض کہتے ہیں کہ بستی پر قہر خدا نازل ہوا اور آگ برسی - ہم نے سنا کہ ایک قسم کی وبا آئی تھی جس سے ساری بستی ویران ہوگئی اور پھر وبا کے ڈر سے لوگ نہ بس سکے - بہرحال اب ایسا اُجڑا ہوا ہے کہ ایک آدمی بھی نہیں رہتا - مکانات خالی پڑے ہیں - مسلمانوں نے یہاں ایک مسجد بھی بنادی ہے جس میں مندروں کے ستون لگے ہوئے ہیں - ۱۲

بات کے منتظر ہی تھے۔ آتے ہی ہفت ہزاری منصب ملا اور چھ ہزار سوار تابع میں دئے گئے
مہتاب خاں کا خطاب ملا اور اُسی سال شولاپور میں اورنگ زیب نے خلعت اور پانچ ہزار روپیہ
انعام سے سرفراز فرمایا۔ تانا شاہ نے جب یہہ خبر سنی تو بے دست و پا ہو گیا اور راتوں
رات حیدر آباد سے اپنے قبائل اور خدام جواہر و اشرفی جس قدر لے جاسکا لے کر قلعہ
گولکنڈہ میں جا بیٹھا۔ باقی تمام کارخانجات شاہی اور مال و متاع جس کی تعداد پانچ کروڑ سے
زیادہ تھی مع سپاہ شہر میں چھوڑا۔ شہر والوں نے جب سنا کہ بادشاہ بھاگ گیا تو پھر ایک بھاگڑ
مچی تو سب کے سب قلعہ میں پونہچے۔ شہر خالی ہو گیا بدمعاشوں نے لوٹنا شروع کیا۔ تمام شب
ایک ہنگامہ عظیم برپا رہا صبح کو شاہزادہ کو خبر ملی جو حیدر آباد سے چھ کوس اس طرف پڑا ہوا تھا
یلغار حیدر آباد پونہچا۔ شہر تو پہلے ہی سے لٹ رہا تھا مغلیہ لشکر نے رہا سہا بھی لوٹ لیا آخر کار
کوتوال شہر چار پانسو سواروں کو لے کر کارخانجات شاہی کی حفاظت کرنے لگا۔ اب تانا شاہ کی
طرف سے پیغام صلح پیش ہوا۔ شاہزادہ نے فرمایا کہ اگر علاوہ سالانہ خراج کے ایک کروڑ تیس لاکھ
روپیہ اور محالات و پرگنہ جات مفتوحہ ہماری نذر کرو اور مادنّا اور نیکنّا دونوں کو ہمارے سپرد
کرو جنھوں نے یہہ ساری آگ لگائی ہے تو اب بھی صلح ممکن ہے۔ قبل ازیں تانا شاہ نے سعادت خاں
کی معرفت سے معروضہ عفو تقصیر پیشگاہ خسروی میں گزرانا تھا جس پر فرمان قضا شیم صادر
ہوا کہ ابوالحسن کے افعال قبیحہ احاطۂ تحریر و تقریر سے خارج ہیں۔ کافر و فاجر مادنّا کو وزیر کیا
سادات و شرفا کو بے اختیار محض کیا۔ فسق و فجور کا علانیہ رواج دیا۔ شراب خواری بلا
غل و غش جاری۔ کفر و اسلام۔ ظلم و عدل میں کچھ فرق نہ رکھا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں
کفار کی امداد کی۔ غرض کون سی بات شریعت کی باقی ہے مجھ سے امید عفو تقصیر کی رکھنا
عبث ہے مصرع

زہے تصور باطل زہے خیال محال

ادھر یہہ نا امیدی کا جواب آچکا تھا ادھر لوگوں نے مادنّا اور نیکنّا دونوں کا پیچھا لیا کہ ہر
شخص ان سے نالاں تھا ایک دن یہ دونوں بھائی قلعہ کی فصیل کے نیچے بیٹھے کچھ مشورہ کر رہے
تھے کہ چند لوگوں نے پونہچ کر ان دونوں کا کام تمام کیا اور دونوں کے سر کاٹ کر شاہزادے

کے پاس بھیج دئے - خانہ ظالم خراب - لیکن لبعد از خرابی خانہ ہاے بسیار - شاہزادہ کی سفارش
پر درخواست صلح تو منظور ہو گئی لیکن ابھی عملی طور پر مصالحت نہیں ہوئی تھی کہ تاناشاہ کی فوج پھر
مغلوں پر ٹوٹ پڑی - شاہزادہ بوجہ گرانی حیدرآباد کے کوہیر (ضلع بیدر) میں جا ٹھیرا اور اس اثناء
میں چھوٹی موٹی کئی لڑائیاں ہوئیں لیکن آخری لڑائی جو حیدرآباد سے دو منزل پرے ہوئی اس میں تاناشاہ
کو کھلی شکست ہوئی اور وہ خود مقید ہو گیا - تاناشاہ بڑا مستقل مزاج شخص تھا - جس وقت شاہزادہ
قلعہ میں داخل ہو گیا اور دارو گیر کی مہیب صدا تاناشاہ کے کانوں تک پہنچی تو وہ دیوان خاص سے
محل خاص میں چلا گیا اور مطلق رتی برابر اضطراب اُس کے چہرے سے ظاہر نہ تھا - خاصہ بردار کو
حکم دیا کہ خاصہ چنا جائے - اس عرصہ میں روح اللہ خاں اور مختار خاں امراے عالمگیری تاناشاہ کو
اسیر کرنے کے لئے پہنچے - تاناشاہ اُن سے خاطر مدارات سے پیش آیا اور اپنے پاس بٹھا کر ادھر اُدھر کی
باتیں کرنے لگا - خاصہ چنا گیا اطلاع ہوئی تاناشاہ نے ان دونوں سے بھی کہا کہ بسم اللہ آئیے مختار خاں
اور دوسرے لوگ دسترخوان پر جا بیٹھے لیکن روح اللہ خاں سے نہ رہا گیا اُس نے کہا کہ بھلا یہ کوئی
وقت کھانے کا ہے آپ پر تو قیامت ٹوٹ رہی ہے اور آپ کو کھانے کی سوجھی ہے - تاناشاہ نے مسکرا کر
کہا کہ اجی حضرت کھانے کا تو یہی وقت ہے اس وجہ سے کہ میں نے سلطنت کے بار گراں سے نجات
پائی آج اُس ذمہ داری عظیم کے بوجھ سے خدا نے ہلکا کیا ع

ایں بار گراں بود داشتہ چہ سبک شد

اب یہ بوجھ دوسرے کی گردن پر ہے وہ جانے اور اُس کا کام - ٹھنڈے دل سے اور پیٹ بھر کر پیچ پوچھو
تو آج ہی کھانا کھاؤں گا ورنہ آج تک میں کھانا نہیں کھاتا تھا بلکہ کھانا مجھ کو کھاتا تھا - القصہ نہایت
اطمینان سے خاصہ تناول کر کے سوار ہو کر امرا کے حلقے میں قیدیوں کی طرح شاہزادے کے پاس
گیا جو قلعہ کے دروازے میں خیمہ لگائے ہوئے منتظر بیٹھا تھا - تاناشاہ نے ایک بیش قیمت مالاے
مروارید شاہزادے کو پیش کی شاہزادے نے قبول کیا اور جیسا کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہوتا ہے بہت
اعزاز و احترام سے ملا - اورنگ زیب نے تاناشاہ کو کبھی اپنے سامنے نہیں بلایا بلکہ ایک علیحدہ
خیمہ میں ساتھ رکھتا تھا لیکن جو امور ایسے ایک معزز بادشاہ کے شایاں تھے سب برابر ادا
ہوتے تھے اعزاز و اکرام میں کسی قسم کا فرق نہ تھا - اورنگ زیب جب حیدرآباد اور گولکنڈہ کے

انتظام سے فارغ ہوکر ۱۰۹۸ھ میں بیدر واپس ہوا تو تانا شاہ کو جان نثار خاں کے ہمراہ قلعہ دولت آباد میں بھیج دیا۔ تانا شاہ کی عمر کی تقسیم یوں ہے (۱۴) سال طفلی۔ (۱۴) سال تحصیل علم۔ (۱۴) سال حاضر باشی بخدمت مرشد خود۔ (۱۴) سال سلطنت (۱۴) سال مقید بدولت آباد۔ بحالت قید تانا شاہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بندہ سلطان تھا۔ وہ سن رشد کو پہونچ گیا تھا دربار میں آنے جانے لگا تھا اورنگ زیب نے جب لوگوں کا رجحان اس کی طرف دیکھا تو نظر بند کر دیا اس کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ اس غریب لڑکے کا انجام کیا ہوا۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ جمعرات کے دن تانا شاہ نے وفات پائی اور قلعہ کے باہر حضرت سید راجو قتال حسینی صاحب اپنے مرشد کے زیر سایہ آسودہ ہے۔ درگاہ کے احاطہ میں بہت سی قبریں ہیں خدا جانے وہ کن کن بزرگوں کی ہیں۔ البتہ سیاہ چار دیواری کے دروازے کی دیوار کے مغربی جانب تانا شاہ کی قبر ہے لیکن عبرت کا مقام ہے کہ جو شخص افسر تاج و تخت تھا آج اس کی قبر پر گنبد تو کجا معمولی سے معمولی کتبہ بھی نہیں ؎

مخسپ ای دل سخن بپذیر آخر ز چندیں رفتہ عبرت گیر آخر

لوگ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب کی چال بازی سے مرا۔ عام روایت یہ ہے کہ عالمگیر اس امر کے درپے ضرور تھا کہ کسی نہ کسی طرح تانا شاہ کا مطلع صاف کردے۔ تانا شاہ نے بھی سنا کہ اس کے قتل کی فکر ہو رہی ہے۔ تانا شاہ تھا بڑا مرد اورنگ زیب سے کہلا بھیجا کہ میرے مارنے کے لیے تردد کیوں ایک گھوس کو (جو عموماً کثیف ہوتی ہیں اور ان کے کپڑوں میں سے موت اور گوبر کی بو آتی ہے) کہیے کہ میرے سامنے سے چلی جائے بس مجھے مار ڈالنے کو کافی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اسی سبب سے یہ کہاوت لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے کہ او ہو۔ فلاں شخص کا تو ایسا دماغ ہے جیسے تانا شاہ کا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسہال کبدی سے انتقال ہوا۔ حیدرآباد میں تانا شاہ کی دو یادگاریں ہیں۔ چار محل اور گوشہ محل۔ چار محل کے کچھ حصہ میں بارود تھی اس سے برباد ہوا باقی موسیٰ ندی بہا لے گئی ؎

اشک آں ہم صبر و طاقت از دل بے تاب برد پارۂ او سوخت آتش پارۂ او آب برد

دو غار جس برج پر کالا پہاڑ توپ چڑھی ہوئی ہی اس کی داہنی جانب ایک غار ہی جس میں مدتوں تک جنارد ھن سوامی ایک سنیاسی رہا کرتا تھا - دوسرا غار قلعہ کے مشرقی جانب چند پختہ سیڑھیاں فصیل میں بنی ہوئی ہیں جن پر سے اُتر کر اس چھوٹے سے پل پر جانا ہوتا ہی - جو خندق پر ہی - یہاں ایک غار ۱۹×۱۵ فیٹ اور چھ فیٹ بلند ہی - جس میں دیوی کی ایک بھدّی مورت بنی ہوئی ہی اور پہاڑ کے دامن میں گاؤں کے پاس ایک دیو سالہ من پڑی ایک ہندو سنیاسی کے نام سے مشہور ہی -

کالا پہاڑ توپ بارہ دری کے اوپر بالا حصار پر ایک بہت بھاری توپ جو "کالا پہاڑ" کے نام سے مشہور ہی رکھی ہوئی ہی - یہہ توپ ۲۱ فیٹ ½ ۸ انچہ لمبی ہی کان کے پاس کا دور ۴ - ۱۰ اور دہانہ کا دور ۴ - ۹½ ہی - اس پر کچھ کندہ نہیں ہی -

توپ دھول دہاں اس سے اور اوپر "دھول دہاں" توپ ہی جو بیجاپور کی مشہور توپ ملک میدان کے لگ بھگ ہی - حیرت ہی کہ اتنی بڑی بلندی پر اتنی بھاری توپ کیسے پہنچائی گئی -

طول	انچہ	دور کان کے پاس	دہانے کا دور
فیٹ ۱۹	۱۰	فیٹ ۵ فیٹ ½ ۵	۴ فیٹ (۸) انچہ

اس پر حسب ذیل کتبات ہیں :-

توپ دہول دہان

۱ طول - بارود کا وزن ہی - لفظ وزن ہی

۲ اس زمانے کے طول ان پیمانے اور وزن معلوم نہیں ہوتے غالباً (۲۹۵) من وزن ہوگا -

میڈھا توپ چینی محل کے پاس قلعہ کے دروازے کے نزدیک ایک برج پر یہ توپ ہی جس کے کان کے پاس مینڈھے کی منڈیا بنی ہوئی ہی اور اس توپ کی سیدھی طرف گولہ لگ کر گڑھا بھی پڑ گیا ہی۔

طول	کان کے پاس کا دور	دہانے کا دور
۱۸-۲½"	(۷) (۲)"	(۵) فیٹ

دروازہ مہاکوٹ قلعہ پر کی توپیں ۔ ۔ ۔ توپ مجنوں یک صف شکن دو سرکار میر نظام علی خاں بہادر سے

دولت آباد کے عام حالات دولت آباد کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور زندگی بخش ہی۔ یہاں میوہ جات کے باغ کثرت سے تھے۔ انجیر۔ انگور اور امرود یہاں کا مشہور ہی۔ تمام میوہ جات تر و تازہ اور بالیدہ ہوتے تھے اتنا بڑا تازہ اور شاداب انجیر شاید کہیں اور ہوتا ہو۔ انگور پہلے تو بے انتہا پیدا ہوتے تھے اب پہلے کی بہ نسبت کم مگر پھر بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اب تو جدھر دیکھو اور ویرانی ہی سوائے کھنڈروں کے کچھ میوہ تو میوہ سبزی بھی نظر نہیں آتی۔ انگور اور انجیر اب بھی کچھ ہوتے ہیں مگر اتنے کم کہ نہ ہونے میں داخل ہیں۔ فصیل قلعہ کے باہر بعض دل فریب اور قدرتی خوش نما مناظر آبشار۔ تالاب جھیلیں اور دل کش مرغزار ہیں جن کے نظارے سے دل باغ باغ ہو جاتا ہی اور آنکھوں میں تراوٹ آتی ہی۔ دولت آباد سے قریب خلد آباد ہی جس کا حال ہم جداگانہ ضمیمہ میں لکھیں گے۔

حوض قتلغ خاں خلد آباد کے نواح میں حوض قتلغ جو سلطان محمد تغلق شاہ کے استاد قتلغ خاں صوبہ دار خلد آباد نے بنوایا تھا قابل دید ہی۔ یہ حوض کاہے کو ہی ایک تالاب ہی۔ تین طرف پہاڑ اور ایک طرف پختہ دیوار ہی۔ اس حوض کا پانی درۂ آبپاشی سے گزرتا ہوا قلعہ

دولت آباد کے ہاتھی حوض میں پونہچا یا تھا۔ قتلغ خاں کا دو منزلہ مکان گرا پڑا اب بھی موجود ہی اوپر کا حصہ تو بالکل منہدم ہوگیا نیچے کا کچھ باقی ہی۔ عوام میں قتلو کا حوض مشہور ہی۔

درۂ آبپاش حوض مذکور کے جنوب اور دولت آباد کی شمالی گھاٹی کے دامن میں وسیع اور عمیق درۂ آبپاش ہی۔

یہ جگہہ قدرتًا ایک مثلث متساوی الساقین ہی۔ شرقًا اور غربًا دونوں طرف دو پہاڑیاں اور جنوب یعنی قاعدہ کی طرف چونے اور پتھر کی چوڑی دیوار بطور بند کے بنائی گئی ہی۔ یہہ مرغزار دل برداشتہ اور وحشت زدہ کے واسطے فرحت افزا اور از حد دل کشا ہی۔ دلچسپی اور نظارۂ قدرت الٰہی کے لیئے اس سے بہتر مقام نہیں ہوسکتا۔ مختصر یہہ کہ جس طرح ملک دکن میں خلد آباد بے نظیر ہی اُسی طرح شاہ خاکسار صاحب کے پہاڑوں میں حوض قتلغ اور درۂ آبپاش بہ اعتبار لطافت آب و ہوا و نیز بغرض تفریح طبع و سیر و شکار یہہ مقامات بے مثل ہیں۔ یہہ تمام کوہستان ہر فصل میں خزاں کے جھگڑوں سے پاک اور ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہی خصوصًا موسم بارش میں تو بلا شبہ نمونۂ جنت نظر آتا ہی حاجی محمد خاں قدسی کہتے ہیں:- ؎

در ایام خورداد واردی بہشت	زند دولت آباد دم از بہشت
ز دلہا صبا رفتہ گرد ملال	ہوائے بہشت است یا برشگال
در و بامش از سبزہ فیروزہ فام	حصارش ز سنگ زبرجد تمام
ندیدہ کسے جز دریں مرغزار	یقلب الاسد ابتدائے بہار
نہ از سیل دیوار باغش خراب	نہ بر نخل مومش ستم ز آفتاب
جو انند پیران ایں سرزمیں	نہ سرما نہ گرما بہشت ست ایں
ز رشح ہوا پائے صحت بگل	طبیبان ز بے کاری ایں جا خجل
حصارش کند بر سر چرخ ناز	کہ طاؤس عرش است پر کردہ باز
مرایں قطع را بود یا در سیاں	کہ رفت از زمیں سبزہ بر آسماں
دریں ملک مردم خوش آسودہ اند	ہوائیست گوئی کہ فرمودہ اند
نیا بیند برگے دریں بوستاں	کہ گردد زبانش بنام خزاں

گلے غنچہ نگزاشت فیض سحاب — دریں بوستاں جز گل آفتاب
گراز گریہ خالی کند ابر دل — عجب گر رود پائے مور ے لگل
ببارد اگر ابر سالے تمام — دریں خاک گل را نہ دانند نام
بہار از پی زینت ہر چمن — برو مایہ از برشگال دکن
زنم گشتہ بازار ہا سبز پوش — دکانہا دکان زبر جد فروش
ہوا اش بخوبی ازاں ست فرد — کہ ہرگز کسے را تصفہ نہ کرد
زمین دکن سر نیارد فرود — زفیروزہ رنگی بہ چرخ کبود

بزرگان دین دولت آباد پچھلے زمانے میں ملک دکن میں اول درجہ کا شہر تھا وہاں ہر قسم کے دنیاوی باکمال اور دینی نامور پیشوا موجود تھے - چنانچہ صوفیائے کرام میں حضرت مومن عارف باللہ اور حضرت جلال الدین گنج رواں سہروردی مشاہیر میں سے تھے - حضرت مومن صاحب دولت آباد کے شرقی پہاڑوں کے دامن میں آسودہ ہیں اور حضرت جلال الدین صاحب دولت آباد کی شمالی آبادی کی انتہائی حدود میں ایک ٹیکڑی پر مدفون ہیں اُس زمانے میں یہہ مقامات اندرون آبادی ہوں گے اب تو دور دور آبادی کا پتہ نہیں - صرف اِن دو بزرگواروں کے مزار باقی ہیں -

مساجد حضرت مخدوم حاجی سید نظام الدین صاحب پیشل امام چہاردہ صد اولیا کی درگاہ کے غربی دروازہ پر یہہ کتبہ ہے -

"بنا شد ایں مسجد در عہد خلافت خدائگاں روے زمیں برگزیدۂ رب العالمین الواالمجاہد محمد بن تغلق شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ"

بفرمائش بندۂ درگاہ ملک الامرا اختیار الدولہ والدین الغ اعظم قلی سلطانی المخاطب بہ نصیر الممالک کان اللہ لہ فی الرابع عشر ربیع الاول سنۃ - ثلث وثلثین وسبعون"

۷۳۳ھ

حضرت پیر مومن عارف باللہ کی مسجد پر کتبہ تو ہے مگر پڑھا نہیں جاتا -

مسجد درگاہ شریف کا غذی پورے پر یہہ کتبہ ہے -

از سرِ جودت بجواں ترمیم ایں اقدس بنا۔ مسجد حاجی نظام الدین امام اولیاء

۱۳۱۷ھ

اور عقب درگاہ چشمۂ شمال رویہ میں یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی شیئاً للہ

بقطعی ندا داد ہاتف چناں ‏ ‏ ‏ ‏ کہ چشمۂ رواز سیدرساں

سنہ ۱۲۷۰ھ

دولت آباد کی جامع مسجد جینیوں کا مندر توڑ کر بنائی گئی ہے اور دالانوں کی وضع قطع سے احمد شاہ کے وقت کی اُن مسجدوں سے ملتی جلتی ہے جو کہ گجرات میں تھیں۔ اس مسجد کے (۹۶) منقوش ستون ہیں۔

نظام آباد سرائے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی (سنہ ۱۶۰۰-۱۶۳۲ء) نے دولت آباد کے قریب اپنے نام کا ایک شہر نظام آباد بسایا تھا شہر تو اُجڑ گیا مگر ایک سرائے البتہ باقی ہے جو چودہ ہزار چار سو مربع فیٹ کے دور میں ہے۔ اس میں چھپن کوٹھریاں اور تین نہایت وسیع دالان ہیں۔ سرائے کے چاروں کونوں پر برجیاں بھی بنی ہوئی ہیں مگر ساری عمارت بہت خستہ حالت میں ہے عجب نہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل نیست و نابود ہو جائے اور شہر نظام آباد کی طرح یہ بھی صفحۂ دنیا سے مٹ جائے۔

دولت آبادی کاغذ یہاں اعلیٰ درجہ کا پائدار کاغذ بنتا تھا۔ چنانچہ اب تک دولت آبادی کاغذ مشہور ہے اور کاغذی پورے کی ساری بستی کا یہی ذریعۂ معاش تھا۔ اب انگریزی کاغذ چل پڑے یہاں کے کاغذ کی قدر نہ رہی لہذا یہ صنعت ڈوب گئی۔ اب بھی گندہ کاغذ لفافوں کا یہاں بنتا ہے لیکن اُس کی بھی نکاسی نہیں۔ کاغذی پورے کے لوگ جن کا ذریعۂ معاش یہی تھا مفقود ہونے سے اب تباہ حال ہیں اور کوئی پیشہ اِن غریبوں کو آتا نہیں جو اپنا پیٹ پال سکیں۔

بارھواں ضمیمہ قلعۂ دھارور

دہارور[۱] کا قلعہ بے شک اپنے با اقتدار بانی کے شوکت وجبروت کی ایک مستحکم یادگار ہی لیکن اب بالکل شکستہ ہی اور جابجا سے فصیل ٹوٹ گئی ہی تاہم اس کی منہدمہ عمارات برجوں اور فصیل سے جو آثار باقی ہیں معلوم ہوتا ہی کہ اس کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا یہ قلعہ اب ضلع بیڑ کی تحصیل مومن آباد عرف آنبہ جوگائی میں واقع ہی۔ اس کے ویران محراب و در اور اس کی ساخت کی ترکیب اپنے حوصلہ مند بانیوں کی عظمت و اقتدار کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ دیرینہ اور مسن لوگوں کی زبانی معلوم ہوتا ہی کہ اس قلعہ کی ابتدا دہار سنگہ راجہ نے کی تھی اور کشور خاں لاری نے اسے مکمل کیا اور کچھ تعمیر بادشاہ عالمگیر غازی کی سلطنت میں بھی ہوئی ہی۔ دہار سنگھ راجہ کے واقعات اور اُس کی زاد بوم کا کچھ پتہ نہیں چلتا مگر اندرونی حصار ملک نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کا طیار کردہ معلوم ہوتا ہی جس کے ایک پتھر پر کچھ عبارت کندہ ہی لیکن مٹ جانے سے برابر پڑھی نہیں جاتی جتنی بہ مشکل نکل سکی بجنسہ نقل کی جاتی ہی۔

---

[۱] - اس قلعۂ کو آج سے تیس برس پہلے میں نے دیکھا تھا مگر اس خیال سے نہیں کہ کبھی یہاں کی تاریخ لکھنے کی نوبت آئے گی اس وجہ سے مجھے اب کچھ یاد نہیں رہا۔ میں جناب اودھ بہاری لال صاحب تحصیل دار کا ممنون ہوں جنھوں نے میری خاطر قلعہ کے دیکھنے اور وہاں کے حالات لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ دہارور پہلے کیج تحصیل میں شامل تھا اور کیج سے چار کوس ہی لیکن اب ضلع بندی جدید میں کیج کی تحصیل ٹوٹ گئی اور قصبۂ دہارور تحصیل مومن آباد عرف آنبہ جگائی میں شریک ہوا جو ضلع بیڑ میں ہی اور مومن آباد مستقر تحصیل سے دس کوس ہی۔ اس دہارور کو عموماً کیج دہارور کہتے ہیں تاکہ نظام سٹیٹ ریلوے اسٹیشن دہارور سے مخلوط نہ ہو جائے آخر الذکر مقام ضلع اطراف بلدہ کی ایک تحصیل ہی جو پہلے کوٹ پلی کی تحصیل سے نام زد تھی اور بیدر جانے کے لئے قریب تر اسٹیشن یہی ہی۔ ۱۲

"برج خصال زن دیوان مرتضی شاہی کار کرد بنام احمد آقا ایں حصار ملک نظام شاہ مقبول بارگاہی عطاء عنایت خداوند آلہی حوالہ کرد احمد آقا برائے محافظت - مرتب آیدت برج بابی پُر است تاریخ فی عشرین شہر مبارک رمضان سنہ خمس ثمانین تسعمائۃ ہجری"

۹۸۵ھ

اندرونی احاطہ میں ایک مسجد بھی تھی جس کی لداؤ چھت تمام گر پڑی ہے صرف دیواریں کھڑی ہیں اور قد آدم دروازہ سنگ لبستہ مسجد کے صحن کا موجود ہے - اس پر یہ اشعار کندہ ہیں -

در عہد نظام شاہ عالی مقدار	آں شاہِ جہاں بجاہ خورشید لقب
بانی بنائے خیر شد سنجر خاں	آں منبع خلق و لطف احساں ادب
تاریخ بنائے خیر اگر خواہی	از قبلہ اہل عجز و اخلاص طلب

سنہ ۱۰۳۰ھ

ایک قلمی تاریخ موسوم بہ خورشید جاہی کے چند کہنہ و بوسیدہ اوراق میرے دیکھنے میں آئے تھے اُس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کے عہد بادشاہت میں قلعۂ دہارور کا حصار اوّلیں بنایا گیا - تاریخ مذکور میں دہارور کا نام فتح آباد لکھا ہوا ہے - جب اسمٰعیل عادل شاہ بادشاہ بیجاپور تخت نشین ہوا چند سال بعد اُس نے اپنے سپہ سالار کشور خاں لاری کو فوج کثیر کے ساتھ نظام شاہ والی احمد نگر سے لڑائی کے لئے روانہ کیا جنگ عظیم کے بعد کشور خاں نے فوج نظام شاہی کو شکست فاش دی اور قصبہ نیکنور تک اپنا تسلط کرا یا - اس فتح نمایاں کے بعد بحکم بادشاہ بیجاپور کشور خاں نے دفع غنیم کے خیال سے قلعۂ دہارور کی تکمیل اور استحکام کیا اور دوسرا حصار بنوایا - سنا گیا کہ ۱۲۶۱ف تک قلعہ کی حالت فی الجملہ درست تھی اگرچہ اندرونی مکانات بالکل منہدم و برباد ہو گئے تھے مگر قلعہ کی فصیل اور اُس کے شاندار بروج ثابت و قایم تھے - ۱۲۶۱ف میں شورہ پشت و قطاع الطریق روہیلوں کا گروہ دور دراز مقامات سے تاخت و تاراج کرتا ہوا قلعہ میں پناہ گزیں ہوا تھا اُن کی گرفتاری کے لئے جمعیت کنٹنجنٹ کے دو رسالے اور توپ خانہ بھیجا گیا تھا قلعۂ دہارور کے تاریخی اور

گزشتہ مصائب میں وہ واقعہ یادگار ہے لیکن کہیں تاریخ سے اس کا پتہ نہ چلا - لوگوں کے
بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان رہیلوں کی لوٹ مار سے تمام قصبۂ دہارور ویران
ہوگیا تھا اور عام ساکنین اپنی اپنی جان لے کر جدھر منہ اُٹھا نکل بھاگے آخرش سرکار نے
کنٹنجنٹ کی فوج روانہ کی - قلعہ کا دروازہ پہلے بند کرکے قلعہ کے اندر جا بیٹھے تھے - جنرل
ہاریٹ کمانڈنگ افسر اور اُن کے تحت میں گیارہ یوروپین افسر موجود تھے دو ہفتے برابر
گولہ باری ہوتی رہی مگر قلعہ کی فصیل کو مطلق جنبش نہ ہوئی - بعد میں پتہ ملا کہ شمالی رخ کی تھوڑی
سی فصیل خام ہے فوراً ادھر توپیں لگا دیں ذرا سی دیر میں فصیل ٹوٹ گئی اسی راستے سے فوج
قلعہ میں جا گھسی اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد رہیلوں نے ہتیار ڈال دئے اور اطاعت
قبول کرلی - اس فتح مندی کے بعد صاحبان رسالہ نے قلعہ کو مامن اشرار خیال کرکے بہت
سی فصیل کھدوا ڈالی - سنا گیا کہ منوں باروت اور گولی قلعہ کے کوٹھوں میں بھری پڑی تھی وہی
نکال نکال کر سرنگیں لگا لگا کر اڑا دیں - اس کے بعد اور جو کچھ شکست و ریخت ہوئی ہے وہ
زمانہ کی دست برد اور نگہداشت کی سرد مہری کہنی چاہیئے - قلعہ کے اندر بہت سے مکان
موجود ہونے کی علامات پائی جاتی ہیں چنانچہ اب تک بہت سے کھنڈر موجود ہیں جن کی
خالی چار دیواریاں کھڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کی تعمیر کے بعد بہت سے عالی شان
مکانات و محلّات بنائے گئے تھے - قلعہ کے مغربی جانب اب تک ایک نہایت عالی شان
و مرتفع مکان کی بوسیدہ دیواریں کھڑی ہیں - قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام کوئی
سیرگاہ تھا - اس کی مغربی جانب پہاڑ کے دروں کا ڈھلاؤ اور اس کی سطح پر قدرتی درختوں
کی بے سلسلہ مگر گنجان جھنڈوں کی سرسبزی کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے - اس مکان کے
سامنے خانہ باغ اور چمن بندی کی علامات چھوٹی چھوٹی روشیں اور مختلف اقسام کی
کیاریوں کے مٹے مٹائے نشانات اب بھی موجود ہیں - پختہ روشیں اور نالیاں اور درمیانی
حوض اب سب ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں - اس اُجڑے ہوئے مکان اور تباہ شدہ چمن کو
دیکھ کر نہایت حسرت و افسوس ہوتا ہے - پہلے یہہ مقام کیج کی تحصیل میں تھا اب کیج کی تحصیل
شکست ہوگئی - کیج میں حضرت قاضی مہذب الدین صاحب قدس سرہ کا مدفن ہونے سے

عام لوگ اس قصبہ کو کیج شریف کہتے ہیں۔ حضرت کا گنبد شریف پختہ عمارت ہی۔ حضرت موصوف کے مجاہدہ محاسن و برکات نزدیک و دور مشہور ہیں۔ سنا گیا کہ حضرت کا زمانہ تقریبًا سات سو برس کا ہی۔ حضرت زرزری زربخش یا برہان الدین اولیاء قدس سرہ کے ساتھ اورنگ آباد تشریف لائے تھے اورنگ آباد سے بہ اشارت خاص کیج فائز ہوئے۔ اور یہیں زندگی کے بقیہ ایام یادِ خدا میں صرف فرما کر رحلت فرمائی۔ آپ کے وصال کے بہت دنوں بعد آپ کا گنبد تعمیر ہوا۔ اندرون حدود درگاہ عمومًا لوگ بہ پاس ادب پلنگ یا چارپائی پر نہیں سوتے۔ اس قلعہ میں حصار کے اندر اکیس برج ہیں جن کے تفصیل حسب ذیل ہی:

اندرون حصار جانب مشرق (۸) خندق کا بُرج شکستہ۔ سالم۔ شاہ بُرج۔ کھنڈے راؤ کا برج نصف شکستہ۔ ہتھیاراؤ کا برج۔ دروازہ کے قریب کا بُرج۔ دروازہ کے محاذی بُرج۔ ٹکسال بُرج۔

جانب شمال چھ بُرج۔ چوڑی بنگالن کا بُرج۔ شولاپوری برج۔ چادر پانی کا برج درہ چادر پانی کا برج۔ چور دروازہ کا برج جن میں ایک شکستہ اور ایک درست۔

جانب مغرب تین برج۔ پانڈا برج۔ کوٹ تالاب برج دو۔

جانب جنوب۔ درۂ لوگڑی کے پاس سے وڈی چشمہ تک چار برج ہیں جن میں تین شکستہ اور ایک سالم ہی۔ لیکن ان برجوں کے کوئی خاص نام نہیں ہی۔ بیرون حصار چھ برج حسب ذیل ہیں:

جانب مشرق چار برج۔ روبروے شاہ برج ایک برج ہی جس پر کندہ ہی۔ مگر پڑھا نہیں جاتا ہی۔ پرکوٹ یعنی (خندق) کے قریب ایک برج ہی اس پر کا کتبہ بھی مالقری نہیں ہی۔ ٹکسال برج کے محاذی بیرون حصار دو برج ہیں جن میں سے ایک شکستہ اور ایک درست ہی۔

جانب جنوب دو برج۔ درۂ لوگڑی کا برج۔ لال اکھاڑے کا برج۔

قصبۂ دہارور کے مسن آدمیوں کا بیان ہی کہ برجوں پر بہت سی توپیں تھیں لیکن سب تلف کردی گئیں اب کوئی توپ نہیں ہی۔ اگرچہ کتبے پیچیدہ اور مٹے ہوئے ہوں گے لیکن تاہم کوشش کی جاتی تو کچھ نہ کچھ پڑھے جا سکتے تھے لیکن یہ کام جب ہی ہو سکتا تھا کہ میں خود جاتا اور یہ سردست ممکن نہ تھا۔

تیرھواں ضمیمہ رائچور

رائچور کی جغرافی حالت

جی - آئی - پی ریلوے کا ٹرمنس اسٹیشن ہی جو بمبئی سے (۴۴۳) میل ہی - مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے بھی یہیں سے شروع ہوتی ہی - مدراس یہاں سے (۳۵۱) میل ہی اور حیدرآباد (۱۸۲) میل - مردم شماری ۱۳۲۰ف میں (۴۲۶۹۹) اور خانہ شماری (۴۹۹۷) تھی - یہ مقام سمندر کی سطح سے (۱۳۱۵) فیٹ بلند ہی اور بلدہ حیدرآباد سے (۴۸۰) فیٹ نیچا ہی - دریاے کرشنا[۵۱] رائچور سے جانب شمال (۱۲) میل ہی اور دریاے تنگ بھدرا[۵۲] جانب جنوب (۱۷) میل - چوں کہ رائچور دونوں دریاؤں کے بیچ میں ہی اس واسطے دوآبہ کہلاتا ہی جیسا کہ پانچ دریاؤں کے ہونے سے پنجاب مشہور ہی - رائچور صوبہ گلبرگہ میں شامل ہی - رائچور مستقر اول تعلقداری یعنی کلکٹر ضلع ہی - ۱۲۶۶ف میں اس ضلع کے دو ٹکڑے کئے گئے مغرب رویہ رائچور اور مشرق رویہ لنگسگور - رائچور سے لنگسگور (۵۵) میل ہی - ۱۳۱۵ف کی جدید ضلع بندی میں پھر ضلع لنگسگور شکست

---

[۵۱] دریاے کرشنا مغربی گھاٹوں سے قریب مہابلیشور کے نکل کر خلیج بنگالہ میں گرتا ہی اس کا طول تخمیناً آٹھ سو میل ہی - دریا کے قریب ہی جی - آئی - پی ریلوے کا اسٹیشن اسی نام کا ہی اس دریا کا آہنی پل اس ریلوے لین کا سب سے بڑا پل ہی جس کی ۳۶ کمانیں ہیں اور جو ۳۸۵۴ فیٹ لمبا ہی ۱۲ -

[۵۲] دریاے تنگ بھدرا دو چھوٹی چھوٹی ندیوں تنگا اور بھدرا کے مل جانے سے پیدا ہوا ہی - موضع سموگہ علاقہ میسور سے نکل کر لنگسگور و رائچور کی جنوبی حد پر بہتا ہوا عالم پور کے قریب سرحد موضع کوٹرویلی میں (کرنول سے عالم پور نو میل ہی درمیان میں تنگ بھدرا حائل ہی) کرشنا سے ملتا ہی اس مقام کو ہنود "سنگم تریان" کہتے ہیں اور بڑا متبرک مقام سمجھ کر اشنان کرتے ہیں - کرشنا اور تنگ بھدرا دونوں ندیوں سے بہت سی نہریں کاٹ کر زراعت میں مدد لی گئی ہی - مملکت نظام میں تنگ بھدرا کی درازی (۱۷۵) میل ہی - گورنمنٹ نظام اور برٹش میں یہی دریا حد فاصل ہی - مدراس ریلوے کا اسٹیشن اسی دریا کے نام سے تنگ بھدرا کہلاتا ہی - دریا بالکل ریلوے اسٹیشن سے ملا ہوا ہی جس پر کرشنا کی طرح کا بڑا بھاری آہنی پل بنا ہوا ہی - ۱۲

کرکے رائچور میں شامل کر دیا گیا اب یہ ضلع (۸) تحصیلات پر مشتمل ہی اور بہت بڑا ضلع ہی۔ زمانہ سلف کے کاغذات اور اسناد سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں رائچور کا نام فیروز نگر بھی تھا۔ رائچور کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہی کہ تقریباً آٹھ سو برس پہلے ایک شخص بوس رڈی جس کا تفصیلی حال معلوم نہیں تھا ملیاباد میں قلعہ بنا رہا تھا (جس کا ذکر جداگانہ ضمیمہ میں ہی) جو رائچور کے قریب ہی ایک دن شکار میں دور نکل گیا۔ خرگوش نظر پڑا اپنے کتے کو چھوڑا تو خلاف توقع خرگوش کتے پر حملہ آور ہوا اور کتے کو زخمی کر دیا جس سے کتا مر گیا۔ بوس رڈی نے دل میں کہا کہ اس سرزمین میں کیسی جرأت ہی کہ خرگوش نے کتے کو مار لیا بس اسی جگہ قلعہ کیوں نہ بنایا جاے۔ یہ خیال آنا ہی تھا کہ ملیاباد کا قلعہ ناتمام چھوڑ کر اس جگہ قلعہ بنایا اور اس بستی کا نام نائی چور رکھا۔ کنٹری زبان میں "نائی" کتے کو کہتے ہیں کثرت استعمال سے (ن)۔ (ر) سے بدل کر رائچور ہو گیا علاوہ اس کے فصیل کے اس کنٹری کتبے سے جو سیلانی دروازے کے جنوب برج پر ہی اس کا نام راکٹور لکھا ہوا ہی میرے خیال میں ایک دوسری وجہ تسمیہ اس سے صاف ہو سکتی ہی "رای" تلنگی میں پتھر کو کہتے ہیں۔ اور گاؤں کو یعنی پتھر کا گاؤں۔ کیونکہ یہ پتھریلا ملک ہی۔

رائچور کے قدیم تاریخی حالات بہ سبیل اختصار

(۱) میں رائچور کے متعلق تیرہ سو چھتیس برس قبل سے آج تک کی مختلف حکمرانوں کی مسلسل مگر مختصر سرسری بیان کرنا چاہتا ہوں ۵۶۸ء سے لیکر ۷۵۷ء تک جس کو قریب دو صدی کے ہوتے ہیں ملک کرناٹک میں یہ مقام بادامی[۱]

---

[۱] یہ مقام بیجاپور سے (۷۲) میل ہی مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے ہاڑگی گدگ سکشن پر ہی۔ قصبہ بادامی ریلوے اسٹیشن سے (۳) میل ہی۔ یہاں جینیوں کا ایک مندر اور غار ۶۵۰ء کا بنا ہوا ہی۔ علاوہ اس کے برہمنوں کے زمانے کے تین غار جن پر ۵۷۹ء کا کتبہ ہی موجود ہیں۔ بہت سی سیڑھیاں غاروں میں اترنے کے لئے بنی ہوئی ہیں جو امتداد اور کثرت آمد و رفت زائرین سے بہت شکستہ حالت میں ہیں جینیوں کے غار کا طول (۲۱) فیٹ عرض و عمیق (۱۹) فیٹ ہی۔ نرسہو کا اوتار وشنو پانچ پھن کے سانپ انتھا پر بیٹھا ہوا ہی اور ایسی ہی بہت سی مورتیں اب تک باقی ہیں۔ ایک غار کے اگلے ستونوں میں چوبی قطع کے بریکٹ لگے ہوئے ہیں۔ بعض بعض ستونوں پر عورتوں مردوں کی تصاویر کے علاوہ بے نظیر صناعی نقش و نگار کی موجود ہی۔ بادامی اسٹیشن سے (۹) میل کے فاصلے پر پراس گراہ میں ایک بڑا مندر شری بانا شنکری دیوی کا ہی جہاں

مغربی چلوکیا خاندان کے راجاؤں کی حکومت رہی ہی اس خاندان میں نو راجہ ہوئے جن کا پہلا راجہ جیا سمہا اور آخری ستیاس رایا نری پا سمہا کرتی ورماں تھا - اس کے بعد راجگان "رشترا کوٹاس" نے سلطنت کی جن کا پایہ تخت ملکھیڑ[۵۱] تھا -

(۳) ۷۵۴ء میں خاندان رشترا کوٹاس کا پہلا راجہ دنتی ورمان نے ملک کرناٹک میں دوسو انیس سال تک سلطنت کی ہی - اس خاندان میں بارہ راجہ ہوئے جو ۹۷۳ء تک حکمراں رہے -

(۴) اس کے بعد مغربی چلوکیا خاندان کی حکومت قصبۂ کلیانی میں قایم ہوئی جو اب ضلع گلبرگہ میں نواب غضنفر الدولہ کی جاگیر ہی - کلیانی وہ مقام ہی جہاں بسپا نے[۵۲] لنگایتوں کا نیا مذہب قایم کیا تھا جس کے سپرد ملک کرناٹک میں لاکھوں آدمی موجود ہیں - مغربی چلوکین خاندان کا پہلا راجہ اہاوا مانورملّدی ٹیلا تھا - اس خاندان میں گیارہ راجہ ہوئے جس کا اخیر راجہ "تری بھونا مالا ویرا سو بیشورا تھا" اس خاندان نے دوسو سولہ سال تک حکومت کی جس کا خاتمہ ۱۱۸۹ء میں ہوا -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸ - جنوری کے مہینے میں ہر سال جاترا ہوتی ہی - جس میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں ۱۲

[۵۱] - یہ مقام مابین اسٹیشن ریلوے چیتا پور اور سیڑم کے ہی جہاں ایک نیا اسٹیشن ملکھیڑ گیٹ کے نام سے کھلا ہوا ہی - بائیں ہاتھ کی طرف بستی نظر آتی ہی - یہاں بھی پرانے زمانے کا ایک عالی شان اور مستحکم قلعہ بنا ہوا ہی جس کے اندر قدیم مکانات بھی کچھ کچھ باقی ہیں - ملکھیڑ کے حالات کا ایک جداگانہ ضمیمہ اس حصہ میں درج کیا گیا ہی ۱۲

[۵۲] - لنگایت اپنے کو برہمن - چھتری - ویس - شودر - چاروں سے جدا سمجھتے ہیں - یہ لوگ شیو کو پوجتے ہیں اور اپنے مذہب کی پابندی اور اظہار عقیدت کی غرض سے ایک گول پتھر چاندی کے تعویذ میں منڈھا ہوا بطور ڈھولنے کے گلے میں ڈالے رکھتے ہیں - غریب لوگ کسی ریشمین رومال یا معمولی کپڑے میں پتھر باندھ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں - ان کے مذہبی پیشوا کو جنگم کہتے ہیں - جس کی بہت تعظیم کی جاتی ہی ۱۲ -

(۴) ۱۰۰۰ء میں بعہد مغربی چلوکین راجگان راجہ وکرما دتیّا نے رائچور اور اُس کے ملحقات میں راج کیا جس کا دار الحکومت یادگیر تھا جس کا اصلی نام اٹیا گری تھا۔ اس ملک میں جس قدر عمدہ عمدہ صناعی کے دیول ہیں وہ راجہ ہتمی مہا سمنتھا ستی دیوا کے بنائے ہوئے ہیں جو راجہ وکرمادتیّا کا باج گزار تھا اور جس کی حکومت گبوّر میں ۱۰۸۵ء تک رہی۔

(۵) ان مغربی چلوکین راجاؤں کا راج وہاں سب سے اول "ناگاوی"[۵] میں تھا جہاں اب بھی چند دیول موجود ہیں۔

(۶)۔ مغربی چلوکین سلطنتِ کلیانی کے آخری راجہ کو راجہ بجالائے جو کالا چوریا کے خاندان کا تھا شکست دے کر مملکت کرناٹک پر قابض ہو گیا۔ خاندان کالا چوریا میں پانچ راجہ ہوئے جن میں کا آخری راجہ سنگھانا تھا۔ اِن پانچوں راجاؤں نے ۱۱۲۸ء سے لے کر ۱۱۸۳ء تک حکومت کی۔

(۷) خاندان کالا چوریا کے اختتام کے بعد راجگان یادھو جو دیوگری (دولت آباد) پر مسلط تھے ملک کرناٹک پر حکمراں ہوئے۔ اس خاندان میں چھ راجہ ہوئے ۱۲۱۰ء سے ۱۲۴۷ء تک رائچور اور اُس کے مضافات میں یادھو خاندان کے راجہ سنگھانا نے سلطنت کی اور اسی راجہ کے زمانے میں خاندان یادھو کی زیادہ تر حکومت ملک کرناٹک پر رہی۔ اس کے بعد ملک کرناٹک پر بشمول قلعہ جات رائچور و مدگل راجگان ورنگل کی حکومت رہی۔

(۸) ۱۳۴۷ء کے اوائل میں سلطان محمد تغلق کا صوبہ دار ملک دکن پر حملہ آور ہوا اور سلطنت اسلامیہ قایم کی جس میں یہ ضلع رائچور دوآبہ یعنی دریائے کرشنا تنگ بھدرا کا درمیانی ملک بھی شامل تھا۔ ۱۳۶۵ء میں محمد شاہ بہمنی پادشاہ دوم خاندان بہمنی اور راجہ ویجانگر کے درمیانی بڑی بھاری جنگ ہوئی جس میں تخمیناً پانچ لاکھ ہندو مارے گئے جس کی وجہ سے ملک کرناٹک بالکل تباہ

[۵] یہ مقام اسٹیشن چیتاپور نظام سٹیٹ ریلوے واڑی سکشن پر ہے اور واڑی سے دوسرا اسٹیشن جانب حیدرآباد ہے واڑی سے دس میل پر اور چیتاپور سے ایک میل اِدھر ہی بائیں ہاتھ کی طرف ناگاوی کی اُجڑی ہوئی آبادی نظر آتی ہے اب وہاں چند دیول اور شکستہ مکانات موجود ہیں۔ خرابی آب و ہوا کے سبب سے بالکل ویران ہو گیا ہے۔ ۱۲۔

ہوگیا اور سالہا سال تک پھر نہ پنپ سکا ۔ ۱۳۷۵ء میں محمد شاہ کا انتقال ہوا اور اُس کا فرزند مجاہد شاہ تخت نشین ہوا جو خاندان بہمنیہ کا تیسرا بادشاہ تھا اُس نے بکّا رایا راجہ بیجانگر سے خواہش کی کہ دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان کے جو قلعے ہیں اور جن میں دونوں سلطنتوں کا حصہ ہے وہ تنگ بھدرا کے کنارے تک ہمارے حوالے کئے جائیں ۔ بکّا رایا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ کُل ملک دوآبہ کو آپ ایک دم خالی کر دیجئے کیوں کہ قلعہ رائچور اور مدگل قدیم سے ہمارے مقبوضات سے ہے اور آپ اپنی سلطنت کی حد دریائے کرشنا کے اُس پار تک رکھیں اس پر اِن دونوں میں پھر ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں بکّا رایا کو شکست ہوئی ۔

(۹) ۔ ۱۳۹۷ء یعنی راجہ بکّا والی بیجانگر کے آخری زمانے میں اُس کے فرزند دیورائے نے قلعہ رائچور اور مدگل پر چڑھائی کی ۔ یہ دونوں مقامات ہمیشہ سے رایان بیجانگر اور سلاطین بہمنیہ و عادل شاہیہ کے درمیان مابہ النزاع رہے ہیں اور بہت سی لڑائیاں ان دونوں قلعوں پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں ہوئی ہیں ۔ فتح برج قلعۂ رائچور کے کتبے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود شاہ بہمنی پادشاہ پنجم نے بھی ۱۴۱۶ء میں رائچور پر پادشاہت کی ہے اور اُسی کے زمانے میں قلعہ کی بیرونی فصیل اور کچھ برج تعمیر پائے ہیں ۔

(۱۰) ۔ راجہ بکّا دوم کے مقابلے کے لئے فیروز شاہ بہمنی پادشاہ ہشتم روانہ ہوا اور دریائے کرشنا کے کنارہ پر اپنی فوج اُتار دی ۔ رائچور کے مقام پر فیروز شاہ بکّا کے لشکر میں جا گھسا اس طرح کہ قاضی سراج کو اُس کے سات دوستوں کے ہمراہ فقیروں کے لباس میں بھجوایا یہ لوگ اس طرح اُس مقام پر پہنچے جہاں طوائف رہتی تھیں ۔ قاضی سراج نے ایک طوائف سے اپنا تعشق گانٹھا اور ایک دن جب وہ بناؤ سنگھار کر کے راجہ بکّا کے حضور میں جا رہی تھی اُس کے پاؤں پر لوٹ گیا کہ مجھے بھی لے چل ۔ طوائف نے کہا کہ دیوانہ ہوا ہے وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تو کیسے جائے گا مجھے راجہ کے بیٹے نے جلسے میں بلایا ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ میں تم کو ساتھ لے جاؤں وہاں ناچنے گانے والوں کا کام ہے نہ کہ تمہارا ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے میں بھی ہر فن میں مولیٰ ہوں ۔ طوائف نے سمجھا کہ محض مذاق سے

کہتا ہی تو اُس نے اپنا منڈل قاضی صاحب کے سامنے سرکا دیا کہ بسم اللہ ہیں گو ہیں میدان قاضی صاحب نے وہ وہ گتیں بجائیں اور ایسا اُتار چڑھاؤ اور بینڈ اور مضمار کا کمال دکھایا کہ اُس کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ گئے - قاضی صاحب نے کہا کہ تم مجھے لے تو چلو پھر دیکھو کہ میں کیسا ناچتا گاتا ہوں اور تمھاری مجلس میں اگر دونی اور چونی رونق نہ ہو جائے تو سہی یہ دیکھ کر طوائف ساتھ لے چلنے پر آمادہ ہو گئی اور قاضی صاحب اپنے سازو سامان سے آراستہ ہو کر ساتھ ہو لئے - طوائف نے راجہ کے دربار میں جا کر اپنا مجرئی ہونے کے بعد عرض کی کہ میرے ساتھ ایک اور طائفہ بھی گویّوں اور نقالوں کا بہت اچھا ہی اگر حکم ہو تو حاضر کروں راجہ کے فرزند نے بخوشی اجازت دی - قاضی صاحب زنانہ لباس میں بڑے ٹھسّے سے آئے اور ایسا گایا بجایا کہ ساری محفل محو حیرت رہ گئی - پھر انھوں نے کھرے کا ناچ شروع کیا جس میں جنبئے نکال کر ناچتے ہیں اور ناچتے ناچتے ایک دم راجہ کے بیٹے پر جا پڑا اور ایک جنبیہ اُس کی چھاتی میں بھونک دیا جس سے سارا جلسہ درہم و برہم ہو گیا اور ایک ایسی اودھم مچ گئی کہ فیروز شاہ نہایت آسانی سے کرشنا پار اُتر آیا اور راجہ بکّا پر فتح حاصل کی - رائے بکا کو بھاگتے ہی بن پڑی - ۱۴۱۷ء میں دیو رائے نے پھر ملک دوآبہ پر چڑھائی کی اور سارا ملک تباہ و تاراج کرنے کے بعد فتح کر لیا -

(۱۱) ۱۴۳۵ء میں علاؤالدین دوم خاندان بہمنیہ کا دسواں پادشاہ اپنے باپ سلطان احمد ولی البہمنی کی جگہہ تخت نشین ہوا اُس وقت علاؤالدین نے اپنے پوتے محمد شاہ کو فوج راجہ بیجانگر سے خراج حصول کرنے کو بھیجا - محمد شاہ نے راجۂ بیجانگر سے خلاف رائے اپنے دادا کے مصالحت کر لی اور قلعۂ رائچور پر قبضہ کر لیا جس کی تصدیق قلعہ کی بیرونی فصیل کے مشرقی دروازے کی پیشانی پر جو کتبات موجود ہیں اُن سے ہوتی ہی جن میں ۸۴۷ و ۸۴۸ھ درج ہیں - محمد شاہ کے رائچور پر قابض ہونے کے بعد اُس سے اور اُس کے دادا علاء الدین سے ایک بڑی جنگ ہوئی جس میں محمد شاہ نے شکست پائی اور علاء الدین نے اپنے پوتے کا قصور معاف کر کے قلعہ رائچور اور مضافات اُس کو بخش دئے - دیو رائے راجۂ بیجانگر نے پھر علاء الدین کو خراج نہ دیا - اور اُلٹا رائچور پر حملہ آور ہوا اور فتح کر لیا آخر کار دونوں میں آپس میں صلح ہو کر

رائچور علاء الدین ہی کے قبضے میں رہا۔

(۱۲) سنہ ۱۴۸۹ء میں قاسم برید وزیر سلاطین بہمنیہ نے یوسف عادل شاہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بیجانگر کے وزیر ہیم راج عرف نرسمّا سے مدد چاہی اور وعدہ کیا کہ اگر فتح ہو گئی تو قلعہ جات رائچور اور مدگل تم کو دے دوں گا۔ ہیم راج کو فتح حاصل ہوئی اور اس طرح پھر قلعہ رائچور راجگان بیجانگر کے قبضے میں آگیا۔

(۱۳) سنہ ۱۴۹۳ء میں یوسف عادل شاہ اور ہیم راج کے درمیان پھر رائچور پر لڑائی ہوئی جس میں نابالغ راجہ بیجانگر زخمی ہو کر فوت ہوا اور رائچور یوسف عادل شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ سنہ ۱۵۱۰ء میں یوسف عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کا انتقال ہوا اور اُس کا فرزند اسمٰعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا۔

(۱۴) سنہ ۱۵۲۰ء میں اسمٰعیل عادل شاہ اور کشن دیو رائے راجہ بیجانگر کے درمیان رائچور پر ایک بڑی جنگ ہوئی کشن دیو رائے کے ساتھ (۷۳۶۰۰۰) فوج اور (۵۵۰) ہاتھی تھے کشن دیو رائے نے سب سے پہلے اپنا مقام ملیاباد میں جو رائچور سے (۳) کوس ہے کیا۔ بعد قلعہ رائچور کا محاصرہ کیا۔ اس وقت رائچور میں اسمٰعیل عادل شاہ کی فوج آٹھ ہزار پیدل۔ چار سو سوار بیس ہاتھی اور تیس توپیں موجود تھیں۔ اسمٰعیل عادل شاہ کشن دیو رائے کے حملہ آور ہونے کی خبر سن کر ایک لاکھ چالیس ہزار کی جمعیت سوار پیدل لے کر رود کرشنا کے شمالی کنارے پر پہنچا اور رائچور سے (۱۳) میل کے فاصلہ پر ایک خندق اور فصیل تخمیناً ایک میل مربع تیار کرائی جس کے آثار اس وقت تک بھی ریلوے اسٹیشن کرشنا سے بہ جانب مغرب دو میل کے فاصلے پر موجود ہیں[۵]۔ چنانچہ ۱۹ مئی سنہ ۱۵۲۰ء ہفتہ کے دن بہت بھاری لڑائی رائچور کے شمال جانب شروع

[۵] آرڈنینس نقشہ میں بجانب شمال و مغرب دریا کے کنارے کنارے اس خندق کی علامتیں بتلائی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں لشکر ٹھیرا ہوگا۔ کیمپ کا خط دریا کے طول کے متوازی واقع ہے۔ باقی مغربی جنوبی اور مشرقی رخ قریب ایک ایک میل کے لمبے ہیں یہ مقام رود ہائے بھیما اور کرشنا کے سنگم سے ذرا ہی نیچے ہے اور کرشنا ریلوے اسٹیشن سے دو میل مغرب جانب ہے ۱۲

ہوئے جس میں اسمٰعیل عادل شاہ کی فوج نے شکست کھائی اور کشن دیو رائے کی فوج نے اُن کو ایسا دبایا کہ بے انتہا خونریزی اور نقصان عظیم کے بعد دریائے کرشنا میں جا گرے دریا طغیانی پر تھا بہت سے لوگ ڈوب گئے جو پار اُتر گئے وہ گرتے پڑتے اپنی جان بچا کر بھاگے۔ کشن دیو رائے نے کرشنا پار ہو جانے کے بعد بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا دوڑتا اسمٰعیل عادل شاہ کے کیمپ میں جا گھسا اسمٰعیل عادل شاہ خوف کے مارے اپنے سپہ سالار اسد خاں کے ساتھ پہلے ہی چل دیا تھا۔ اس جنگ میں کشن دیو رائے کی مدد کو پرتگالی فوج کرسٹوواوڈی فیگریڈو افسر کے ساتھ تھی اس جنگ میں عادل شاہیوں کے چار اعلیٰ فوجی افسروں کے علاوہ صلابت خاں بھی مارا گیا۔

(۱۵) ۱۵۳۰ء میں بیجانگر کے راجہ اچوتیا کے عہد میں اسمٰعیل عادل شاہ نے پھر رائچور پر قبضہ کر لیا جس کے بعد ابراہیم عادل شاہ نے بتیس برس تک رائچور میں حکومت کی جس کی تصدیق کتبہ برج مغربی فصیل سے جو مسجد گوکل بھانویں میں نصب ہے ہوتی ہے جس پر ۹۶۰ھ کندہ ہے۔ اس کے علاوہ اسی کی تائید میں کاٹی دروازے کی کمان کے طاق میں جو کتبہ نصب ہے اُس سے بھی ہوتی ہے اگرچہ مورخین نے ابراہیم عادل شاہ کی مدت حکومت (۲۴) سالہ بتلائی ہے مگر ان کتبوں سے ۳۲ سالہ ثابت ہوتی ہے۔

(۱۶) ۱۵۵۱ء میں برہان نظام شاہ بادشاہ احمد نگر نے رام راج کو کچھ تحائف بھیجے یہ بات ابراہیم عادل شاہ کو بہت ناگوار ہوئی جس کا انتقام اُس نے یوں لیا کہ بیجانگر کے جو سفیر دربار عادل شاہی میں تھے اُن سے بے عزتی کے ساتھ پیش آیا جس پر رام راج بہت برافروختہ ہوا۔ اور برہان نظام شاہ سے درخواست کی کہ ہم تم دونوں مل کر ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کریں۔ اس جنگ میں برہان نظام شاہ کامیاب ہوا۔ اور اس طرح برہان نظام شاہ اور رام راج کے آپس میں دوستی اور اتحاد ہو گیا اور دونوں نے مل کر پھر قلعۂ رائچور چھین لیا اور اس طرح ایک مرتبہ پھر ملک دوآبہ راجۂ بیجانگر کے ہاتھ آ گیا۔

(۱۷) ۱۶۴۴ء بلکہ قریب قریب اورنگ زیب کے زمانے تک ملک دوآبہ کرناٹک راجہ رنگا ششم بیجانگر کے قبضے میں رہا۔ اس کے بعد چند روز یہ ملک زمینداروں کے قبض و تصرف میں رہا۔

قلعہ رائچور
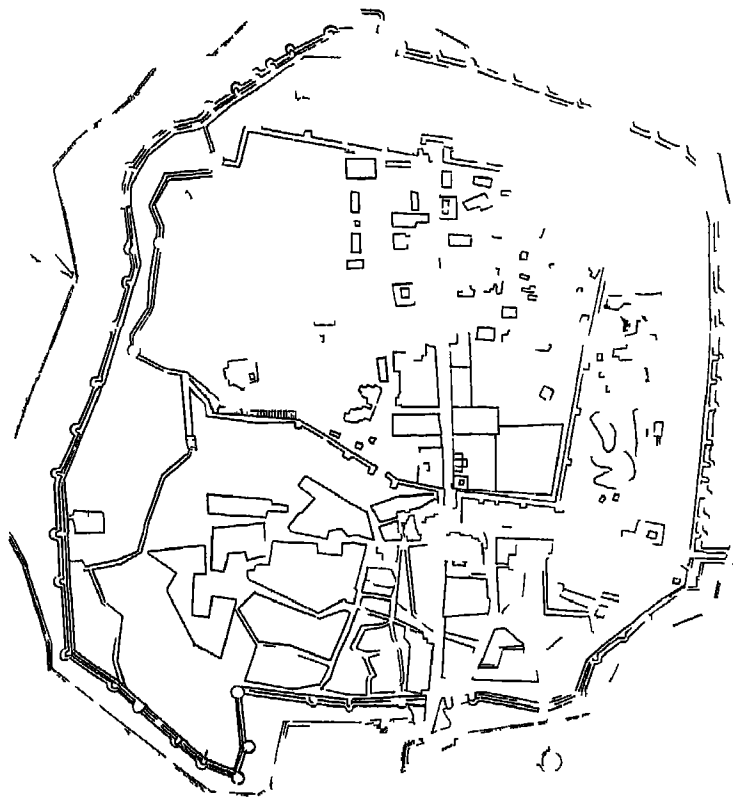
(۱۸)- سنہ ۱۶۸۶ء میں سلطنت بیجاپور پر اورنگ زیب نے قبضہ کیا جس میں بہت بڑا حصہ ملک کرناٹک کا شامل تھا - اورنگ زیب کا انتقال سنہ ۱۷۰۷ء میں ہوا -

سنہ ۱۷۰۷ء سے لے کر سنہ ۱۷۲۳ء تک ہندوستان اور دکن کی سلطنت بہادر شاہ- جہاں دار شاہ- فرخ سیر اور محمد شاہ کے قبضے میں رہی -

(۱۹)- محمد شاہ کے عہد میں ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۷۲۳ء کو نظام الملک آصف جاہ بہادر صوبہ داری دکن پر واپس ہوئے اور اُس زمانے سے آج تک بہ فضل خدا سلطنت نظام قایم ہی جسے خدا ہمیشہ ہمیشہ قایم رکھے -

بروے عہد نامہ مورخہ ۲۱ر مئی سنہ ۱۸۵۳ء فی مابین آنریبل دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نظام الملک آصف جاہ بہادر کے ملک دوآبہ رائچور بہ اداے تنخواہ فوج کنٹنجنٹ کرنل لو صاحب رزیڈنٹ کے وقت میں سرکار انگریزی کے سپرد ہوا تھا اور بروے ضمیمہ عہد نامہ مورخہ ۲۶ر دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء فی مابین ہز مجسٹی ملکہ آں جہانی امپرس وکٹوریا و ہز ہائی نس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر بزمانہ کرنل ڈیوڈسن صاحب بہادر رزیڈنٹ ملک دوآبہ رائچور پھر گورنمنٹ نظام کو مسترد ہوا-[لہ]

قلعہ کے حالات سنہ ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء کتبہ ہاے سنگی و دیگر عمارات قدیم و نیز بعض کتب سے معلوم ہوتا ہی کہ رائچور ایک قدیم شہر ہی جس کے قلعے کا استحکام اور حیرت خیز دست کاریوں سے اُس کے ابتدائی فرمار وایان و راجگان بیجانگر کی اعلیٰ قوت و شوکت اور اُن کے خزانے کی

لہ - اس تمام مختصر اور مفید تیرہ سو برس سے زاید زمانے کی ہسٹری کے لئے ہم نواب فرام ز جنگ بہادر صوبہ دار وظیفہ یاب کے ممنون ہیں جو اُنھوں نے نومبر سنہ ۱۹۰۶ء میں وقت افتتاح ٹون ہال بہ حیثیت تعلقہ دار ضلع کے مرتب کی تھی - رائچور میں ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کا سنہ ۱۰۱۶ھ کا تعمیر کیا ہوا ایک انبار خانہ تھا جس کو صاحب موصوف بیادگار جوبلی حضور پر نور میر محبوب علی خاں بہادر غفراں مکاں بہ صرف زرکثیر بہ منظوری سرکار ابد پایدار از سر نو درست کراکے ایک بے نظیر عالی شان ٹون ہال رائچور کے لئے بنا دیا جو زمانہ دراز تک یادگار رہے گا - ۱۲

بے حد وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس قلعے کی استواری اور اس کے موجودہ اسباب سے ظاہر ہے کہ یہ قلعہ اُس زمانے کے بہادر فرمانرواؤں کی پرزور حکومت وسلطنت اور اُن کے خوں ریز معرکوں کا استوار مرکز تھا۔ یہ ایک بہت پُرانا قلعہ ہے جس زمانے میں مشہور و نامی گرامی بہادر راجہ گوڈ گنگیا ریڈی والی وردھمان پور کے وزیر راجہ وٹھل نے اس نواح کے قلعوں کو فتح کر کے رائچور کی طرف عنانِ حکومت پھیری تو اس مقام کا نام راکٹور رکھا۔ ایک دوسری وجہ تسمیہ یہ مروی ہے کہ قریب آٹھ سو برس کے ہوئے کہ بوس ریڈی نامی ایک شخص ملیاباد کا قلعہ بنوا رہا تھا جو رائچور سے جانب جنوب تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک دن وہ شکار کو نکلا اور ایک خرگوش پر اپنے کتے کو چھوڑا اور اُس سرزمین پر پہنچا جہاں اب رائچور آباد ہے جہاں وہ دونوں گتھ گئے۔ خرگوش تو کتّے نے مار لیا لیکن کتا بھی زخمی ہوا۔ بوس ریڈی نے خرگوش کی جرأت پر تعجب کیا۔ اور ملیاباد کی قلعہ کی تعمیر کو ناتمام چھوڑ کر یہاں قلعہ بنوایا اور نائی چور نام رکھا۔ (نائی کنڑی میں کتے کو کہتے ہیں) جو کثرتِ استعمال سے رائچور ہو گیا۔ راجہ وٹھل نے اپنی رعایا اور سپاہ کی حفاظت کی غرض سے بماہ ماگھ سدھ دسویں یوم یکشنبہ آخر شکے سنہ ۱۲۱۶ جیٹھ نام سمچھری مطابق سنہ ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء کو قلعہ کی تعمیر شروع کی اور ماہ کارتک سدھ سپتمی یوم دوشنبہ سنہ ۱۲۲۳ وجے نام سمچھر مطابق سنہ ۷۰۱ھ موافق سنہ ۱۳۰۱ء سات سال میں قلعہ کی تعمیر ختم ہوئی۔

فصیلیں اس قلعے کی اندرونی وبیرونی دو حصار ہیں۔ تین طرف خندق ہے اور جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ گھیرے ہوئے ہے۔ فصیلوں کی بندش نہایت حیرت خیز و نادر ہے یعنی اندرونی فصیل کی دیواروں میں بڑی بڑی سلیں جو اکثر بارہ بارہ فٹ طول اور ڈہائی فیٹ عرض اور تخمیناً دس دس ٹن وزن کی ہوں گی (۲۸ من کا ایک ٹن ہوتا ہے) بلا مدد چونے یا مٹی کے ایک پر ایک جمائی گئی ہیں اور بعض پتھر عرض وطول میں اس سے بھی دُگنے ہیں۔ کسی مقام پر آٹھ اور کسی مقام پر صرف پانچ پتھروں کے جمانے سے فصیل مکمل ہو گئی ہے۔ ان فصیلوں کی تعمیر میں چونا۔ مٹی یا گچ کا بالکل استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ بڑی ہنرمندی کے ساتھ پتھروں کو اس خوبی سے گھڑا گیا ہے کہ ذرا درز باقی نہیں ہے اور ایک دوسرے سے پیوستہ ہو گئے ہیں۔ اس قلعہ کے دو حصار ہیں جن کی تین طرف خندق ہے اور جنوبی طرف ایک چھوٹا سا پہاڑ گھیرے ہوئے ہے۔ اس

قلعے کی بیرونی فصیل اور دروازے سلطان ابراہیم عادل شاہ نے ۹۵۵ھ میں بنوائے تھے۔

دروازے اور برج اندرونی حصار میں دو مستحکم دروازے ہیں ایک بجانب مشرق شاہ پیر پٹیلا کا دروازہ مشہور ہے دوسرا مغرب کی طرف سیلانی دروازہ کہلاتا ہے۔ بیرونی فصیل کے تین عالی شان دروازے ہیں۔ دروازہ شمالی موسوم بہ نورنگ دروازے کی عمدہ صنعت اور دل فریب دستکاری سے قدیم فن تعمیر کی صناعی کا پورا ثبوت ملتا ہے یہ دروازہ قابل دید ہے اس پر اکثر فحش تصاویر منقش ہیں۔ مشرقی دروازے کا نام کالی دروازہ ہے جس کی پیشانی پر کلمات طیبات اور نصر من اللہ وفتح قریب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیا ولی اللہ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین ۹۴۷ھ اور اسمائے شریف دوازدہ امام و دیگر آیات قرآنی کندہ ہیں اور یہ بھی کہ یہ دروازہ شمشیر الملک نے بہ عہد ابراہیم عادل شاہ یکم رمضان ۹۵۵ھ میں طیار کرایا ہے۔ بجانب مغرب مکی دروازہ ہے لیکن یہ دروازہ قدیم نہیں معلوم دیتا غالباً عمل کمشنری یا اس سے پہلے کا ہوگا کیوں کہ اس دروازے کے پاس زمانہ سلف میں بادشاہی فیل خانہ تھا اور علامات مکانات اس وقت تک موجود ہیں۔ اس قلعہ کے دس دروازے حسب ذیل ہیں۔

دروازہ ہائے بیرون قلعہ :- مکی [1] دروازہ۔ نورنگ [2] دروازہ۔ کالی [3] دروازہ۔ لبن کوٹا [4] دروازہ۔ خاص [5] باؤلی دروازہ۔ پیر [6] ٹیلا دروازہ۔ پرکوٹہ [7] دروازہ۔ خندق [8] دروازہ۔

دروازہ ہائے اندرون قلعہ :- سیلانی [9] دروازہ۔ سکندری [10] دروازہ۔

دور فصیل بیرونی :- چار میل بیانوے گز۔

دور فصیل اندرونی :- دو میل ایک فرلانگ چار گز۔

دور خندق :- تین میل ایک فرلانگ چھتر گز۔

برج :- بیرونی فصیل میں (۵۳) اندرونی میں (۲۱) برج ہیں۔ جن کے برج اپنے اپنے ناموں سے مشہور ہیں۔

قادریہ [1] برج۔ بنڈہ [2] باؤلی کا برج۔ برج [3] ملوخاں۔ خسروی [4] برج۔ بادشاہی [5] برج۔ نیابت [6] برج علی برج۔ شاہ [8] برج۔ لبن [9] کوٹہ برج۔ برج [10] رفیع۔ برج [11] نورنگ دروازہ۔ طاہر [12] خانی عرف تکنا برج۔ تعلیم [13] کا برج۔

کتبہ برج قادریہ ۱۰۲۹ھ - کتبہ ذیل بخط نسخ نہایت درجہ خوشخط ایک لمبے چوڑے سیاہ پتھر پر منبّت کندہ ہی اور کاٹی دروازے کے اندر جو شاہی عمارات ہیں ان عمارتوں پر ایک بلند کوشک ہے جو برج قادریہ سے ملی ہوئی ہی وہاں ایک علیحدہ مقام پر طاق بنوا کر رکھا گیا تھا جس کو میں نے اب بہ غرض حفاظت اتروا کر ضلع کی کچہری کے سامنے رکھوا دیا ہی - چوں کہ یہ کتبہ نہایت خوش خط تھا لہٰذا اس کا فوٹو بھی دیا گیا ہی - برج قادریہ کا دور (۱۶۰) فیٹ عرض (۹۰) فیٹ - بلندی (۵۵) فیٹ ہی - ابتداء برج قادریہ در رابع عشر شہر جمادی الاول ختم اللہ عزّ وجل فی العصر همایون الاعظم خاقان المعظم مالک رقاب الامم سمّی خلیل اللہ سلطان ابراهیم عادلشاه طاب ثراه وجعل الجنّة مثواه و اتمامه در سنه الف سبع عشرین فی العهد صاحب القرانی کشورستانی جوانبخت شاه بادشاه ابوالمظفر سلطان محمد عادلشاه لازال ناصر العباد اللہ وحافظ البلاد اللہ و بانی مقبول خدای مختص درگاه منان عبدالوهاب ابن ریحان نوّر اللہ مرقده وغفر ذنوبه

راقمه سید حسین بن فضل اللہ سنه ۱۰۲۹ھ

قلعہ کی فصیل کا بڑا کنٹری کتبہ ۱۲۹۴ء

سیلانی دروازے سے چند گز کے فاصلے پر جنوبی فصیل میں ایک بہت بڑا مستطیل پتھر نصب ہی جو اکتالیس فیٹ پانچ انچ لمبا اور تین فیٹ چوڑا ہی جس پر پرانی کنٹری میں جو عبارت کندہ ہی اُس کا پورا ترجمہ ہم نے ذیل میں دیا ہی اور فصیل کے پتھروں کا فوٹو بھی دیا ہی جس میں اوپر سے پانچواں اور نیچے سے چوتھا پتھر یہی ہی -

"مرحبا ایسے شخص کو جو جامع ہی تمام نیک خصلتوں کا - معدن ہی سچائی کے جواہرات کا - ممتاز شوکت اور فیاضی میں - غضب ناک بہادران قدیم میں - تند خو مردانگی میں خاوند شہر کا لکتیا ز جس کی دلیری تسلیم کی گئی ہی - لڑائی میں والی عمدہ شہر کرٹا پاسرو کا - خاص ومتبرک ہم جلیس بہادر دیوی کا - کرنوں کا آفتاب بنسلو خاندان کا غضب ناک میدان جنگ میں - نہایت جواں مرد و معزز گرامی سردار دونوں فوجوں میں دلیروں میں ایک دلیر - ناقابل فتح مثل گنڈہ بھرنڈا کے افضل سردار اپنے دشمنوں پر جس نے فتح کیا تیروں کو - داہنے پیر میں شکست یافتہ افسروں کے تصاویر بنے ہوئے توڑے پہنتا ہی - وہ تمام عالم میں ایک بے نظیر جواں مرد ہی - وہ پہنتا ہی ایک خوبصورت

لاانال بص
آں نوّر اللہ مرہ

کتبۂ برج فادرہ رایچور

قلعہ رائچور کی فصیل کے پتھر۔ نیچے سے چوتھا پتھر ۴۱ - ۵ لمبا ہے
جس پر کنڑی کا کتبہ ہے

بالا حصار کی
توپ
۲۰ - ۴ طول

چمک دار تاج - وہ ہمیشہ جلال میں رہتا ہی - اُس کی اصلی گاڑی ہانکنے والا وہ ہی
جو اپنی کلغی مانند چاند کے رکھتا ہی - وہ تعلیم دیتا ہی خراب اور معذور گھوڑوں کو -
وہ اوتار ہی ایسے بہادروں کا جو نہیں ہٹتے ہیں میدان جنگ سے - ایسا بہادر
جس نے سر کاٹے بہادروں کے - جس نے کاٹا سر کاسی نایک پدّے پلّی کا -
بہادر جس نے کاٹا سر کیسی نایک کندر دکا - وہ بے نظیر ہی اپنے قہر لازوال و جلال
میں - وہ دوربین ہی جنگ میں رام کے مانند - وہ شب کے وقت لے گیا ہی خزانہ
سیراپی راگ نایک زمیندار شہر گیون ٹونڈا کا جو واقع ہی جانب ملک نیر والا کدر
کے - وہ مشہور ہی اپنی فطرتی تیزی و ذکاوت میں - وہ کوٹا یم ماڈی کی گردن کی گھنٹیاں
تقسیم کرتا ہی - وہ پہنتا ہی زرہ دار کوٹ اور ہانکتا ہی گھوڑوں کو ریشمی کوڑوں سے - وہ
نیک افعال اور راما کے سیدھے ہاتھ کی چھڑی ہی - اُس کی شہرت ایسی ہی جیسے
کہ پرہما کے انڈے کا چھلکا - بھرا ہوا ہی جواہرات کے صندوق کے مانند - وہ
نازاں ہی اپنی قوت پر - وہ پرستش کرتا ہی پاک و چمک دار قدم سومنات دیوتا
کی - وہ فتح کرتا ہی دشمن کی فوج کو - وہ واقف ہی تمامی مہم اور معاملاتِ پولیٹکل سے
مثلاً دوستی وغیرہ کے - جس زمانے میں مشہور نامی گوڈ گنگیا ریڈی بہ مقام
بوز نیا پورہ اپنی سلطنت میں امن و امان کے ساتھ حکمرانی کرتا تھا اُسی زمانے میں
راجہ وٹھل ناتھ نے جو زینت دیا گیا ہی ستودہ صفات اور خوبیوں سے اور پرستش
کرتا ہی متبرک چمک دار قدم سری نارایَن دیوتا کی اور فتح کرتا ہی غنیم کے فوج کو اپنی سلطنت
خطرہ خاص اور غنیم سے بچانے اور اپنی رعایا کو محفوظ رکھنے کی غرض سے - ادھونی
نمشکار وگلا ہوا قلعوں کو فتح کر کے راکٹور (رائچور) کی طرف عنانِ عزیمت پھیری اور
جب امن و امان سے حکمرانی کرنے لگا تب اپنی رعایا کی حفاظت کے واسطے ماگھ شد
دسویں یوم یکشنبہ آخر شاکہ ۱۲۱۶ء جیٹھ نام سمچھر (مطابق ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء) چٹانی قلعہ تعمیر کیا
مبارک - مبارک - مبارک ۔
اسی پتھر کے پہلو میں کسی قدر چھوٹا اور ایک پتھر ہی اُس پر ایک تصویر کندہ ہی جس سے

معلوم ہوتا ہی کہ اتنے بڑے پتھر کو کس طرح لائے۔ ایک چوپہیہ گاڑی بنا گئی ہی اُس میں بھینسے جُتے ہوئے کھینچ رہے ہیں اور گاڑی پر پتھر آڑا دھرا ہوا ہی اور اس پتھر پر تین شخص بیٹھے ہوئے ہیں ایک ایک دونوں سروں پر ایک بیچ میں جو بھینسوں کو ہنکار رہے ہیں اور آدمیوں کو ہمت دلا رہے ہیں۔

اس کتبے کی رو سے صاف ظاہر ہی کہ اس قلعے کی تعمیر کو چھ سو سال سے زائد کا عرصہ ہوا۔ مگر افسوس ہی کہ اس قلعہ کی حالت امتداد زمانے سے دن بدن بدتر اور عمارات قریب الانہدام ہوگئی ہیں اس قلعہ کی شکل قریب قریب مربع کے ہی۔ گوشہ ہائے جنوبی و مشرقی مدوّر ہیں۔ قلعہ کے اندرونی و بیرونی حصار کے اندر آبادی ہی اور باقی آبادی قصبہ رائچور کی اور بازارات وغیرہ قلعہ کے مشرقی جانب زیادہ ہی اب بیرون شہر اسٹیشن کی طرف سڑک کی دونوں جانب متعدد بنگلے جناب راجہ رای للتا پرشاد صاحب (ناظم سٹیٹ نواب سالار جنگ بہادر ثالث دام اقبالہم مدار المہام سرکار عالی جو پہلے اس ضلع کے اول تعلقدار تھے) کی حسن سعی سے بن کر رائچور کی ہیئت کذائی ایک خوش نما اور پر رونق شہر کی ہوگئی ہی۔

مکانات قدیم آثار قدیم پایا جاتا ہی کہ قلعہ کا درمیانی حصہ زمانہ سابق میں نہایت آباد اور پر رونق تھا جس میں شاہی مکانات اور پر فضا خانہ باغ باؤلیاں سلاح خانے۔ کتب خانے حمام وغیرہ تھے۔ اندرون آبادی ایک وسیع باغ کی جگہ جیل کے محاذی اب بھی موجود ہی مگر سپاٹ میدان ہی شمسو میاں صاحب مرحوم مہتمم کوتوالی نے اپنا مکان اُس کے ایک حصہ میں بنالیا ہی جس میں اب آبکاری کی گرد نگ اہی باقی بحال خود ویران پڑا ہی صرف ایک باؤلی قدیم زمانے کی رہ گئی ہی حمام خانہ بھی اُسی جگہ پر تھا اب اُس کا پتہ نہیں ہی۔

باروت کوٹھہ جس مکان میں اب جیل ہی وہ پختہ اور بلند اور لداؤ کی وسیع عمارت ہی یہ مقام راجگان بیجانگر کا دربار ہال تھا جہاں راجگان اور سلاطین دربار کرتے تھے اور امرائے نامدار حاضر باش رہتے تھے یا اب چور ڈاکو۔ قاتل۔ قزاقوں کا مسکن ہی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

عمل کمشنری میں یہ باروت کا کوٹھا بنایا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۲۹۶ھ میں توپوں کے کچھ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے جو نکلے تھے نیلام کیے گئے۔

بالاحصار اس قلعہ میں جو پہاڑی ہی وہ (۲۰۹) فیٹ بلند ہی اور بالاحصار کے نام سے مشہور ہی - اس پہاڑ پر ایک بڑا وسیع مکان والان در دالان نہایت مستحکم اور بلند کرسی کا ہی جس کی تین کمانیں ہیں طرز عمارت سے معلوم ہوتا ہی کہ یہہ عاشور خانہ تھا - اس سے ملی ہوئی ایک کمان کی چھوٹی سی مسجد بھی ہی - بالاحصار پر جہاں پہلے دیول تھا وہاں اب صرف ایک پتھر کے بیل کا سر ٹوٹا ہوا پڑا ہی - اور وہیں ایک چھوٹا سا مربع منڈپ ہی اگرچہ اس کے دو ستونوں پر کتبات ذیل مسلمانوں کے وقت کے ہیں مگر طرز عمارت اور ستونوں کی ساخت کہہ رہی ہی کہ مندر کا بچا کھچا حصہ ہی اور یہہ کوئی نئی بات نہیں رائچور کی اکثر مسجدیں مندر توڑ کر بنائی گئی ہیں اور جتنے ستون ہیں جوں کے توں مندر کے لگا دئے ہیں - کتبۂ اول بائیں ستون پر ہی اور کتبۂ دوم داہنے ستون پر ہی :-

(۱)- دریاے شجر و کوہ پنج بی | ایں بنگلۂ طاس گشت موجود
نواب حسین خاں بہادر | راہ گم خویش خویشتن برد
روزے بمقام سیر بے مثل | بنیاد بگند وسعی بلیغ نمود
کاں شد روزے ازیں مشرف | کش فیض وجود او بیفزود
اتمام شد ایں مکان مطبوع | از فضل جلال رب معبود

۱۱۹۵ ہجری

(۲)- ستون کی دونوں طرف ایک ہی عبارت کندہ ہی :-

تعمیر بنگلہ در عمل محمد حسین خاں بہادر گھٹالہ بتاریخ ہفتدہم رجب ۱۱۹۵ھ مرتب شد

نواب محمد حسین خاں بہادر گھٹالہ امراے عظام میں سے تھے - آپ کا مزار سید معروف شاہ قادری (جو آپ کے مرشد تھے) کے پائیں رائچور میں ہی - آپ کا دیوان خانہ اب تک موجود ہی - قادر باؤلی جو آپ آیا باؤلی کے نام سے مشہور ہی آپ ہی کی بنائی ہوئی ہی - آپ کے فرزند محمد برہان علی خاں سبقت یار جنگ تھے جن کا مزار حیدرآباد میں ہی - آپ کے دو پوتے محمد گیسو دراز خاں سبقت یار جنگ بہادر گھٹالہ اور محمد اعظم علی خاں کامیاب جنگ بہادر گھٹالہ صاحب جاگیرات و منصب حیدرآباد میں موجود ہیں -

مزار پنج بیبیاں یہیں پنج بیبیوں کا مزار ہی جن کی پانچ قبریں پختہ ہیں - یہ پانچوں بہنیں خاندان سادات سے تھیں - بیان کیا جاتا ہی کہ جو درخت نیم کا قبور پر جو بالکل چھوٹی اور صرف ایک ایک

فٹ کی بنی ہوئی ہیں سایہ کئے ہوئے ہے اُس کا پتہ بہ مقابلہ دوسرے نیم کے درختوں کے میٹھا ہے ان کا عرس ۱۶ رجب کو ہوتا ہے۔

بالاحصار کی توپ بالاحصار پر ایک توپ ہے جس کا دُنبالہ ٹوٹ گیا ہے ۲۰ فیٹ ۴ انچ لمبی ہے اس کی ساخت اس طرز کی ہے کہ فولادی پٹیاں جماکر اوپر سے فولادی پیچ کس دئے ہیں۔ اس توپ کے نیچے جو پھرانے کی کل لگی ہوئی ہے جسے انگریزی میں (ٹرنیئن) کہتے ہیں وہ باوجود امتداد زمانہ کے اب بھی درست حالت میں ہے اور جدھر چاہو اتنی بڑی بھاری توپ کو آسانی سے پھرا سکتے ہیں۔ اس کا فوٹو فصیل قلعۂ رائچور کے لیے کنڑی کتبہ والے پتھر کے نیچے دیا گیا ہے

شیخ میاں صاحب کی درگاہ اسی پہاڑ پر تھوڑا نیچے اُتر کر مغرب کی جانب ایک مسجد شکستہ کے صحن میں ایک چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ آپ شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھانجے ہیں۔ مسجد کا کوئی خاص نام نہیں ہے اور چھت گر کر بالکل ویران ہے۔

چشمۂ آب اس درگاہ کے پائیں میں ایک چشمہ میٹھے پانی کا ہے۔ جو ہمیشہ بھرا رہتا ہے کبھی سوکھتا نہیں۔

کالی مسجد اس چشمے کے نیچے ایک تین کمانوں کی مسجد اسی نام سے مشہور ہے۔ ستون اس کے سنگ سیاہ کے ہیں جو کسی ویول کے معلوم ہوتے ہیں اور بے انتہا شفاف اور خوب صورت اور منقش ہیں۔

خاص باؤلی ۹۰۷ھ بالاحصار کی پہاڑی کے پائیں میں اس نام کی ایک بہت بڑی عمیق خوب صورت باؤلی ہے جس میں تالاب بیرون فصیل کا پانی آتا ہے۔ اس باؤلی کے وسط میں ایک خوش نما برج چبوترہ بنا ہوا ہے (جس پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں) جو اپنی زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ وہ کسی زمانے میں پر فضا سیرگاہ تھی۔ اس باؤلی کے اوپر والا ایک کمان میں جو اندھیری باؤلی کے نام سے مشہور ہے اور جس میں ایک بڑی مہری ہے اُس جگہ ایک پتھر کی سل جس کا طول ۴ فیٹ ۵ انچہ اور عرض دو فیٹ چار انچہ ہے۔ اُس پر کتبۂ ذیل بخط ثلث کندہ ہے۔ اول تو وہاں اندھیرا ہے دوسرے پانی کی زد سے نیچے کی سطروں کے حروف مٹ گئے ہیں بہت مشکل سے اس پتھر کو صاف کرایا اور اُس میں رنگ بھروا کر کئی دن کی محنت شاقہ کے بعد اوپر کی دو سطریں

پوری پڑھ لی گئیں نیچے کے حصے کے چیدہ چیدہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں مگر پوری عبارت پڑھی نہیں جاتی۔

فِی خِلَافَةِ الْمَلِكِ الْاَکْرَمِ الْاَعْظَمِ اُمَّهَاتِ الْمِلَّةِ وَالسَّلْطَنَةِ وَالدُّنْیَا وَالدِّیْنِ اَبُو الْمَغَازِی مَحْمُوْد شاہ بھمنی خلد اللہ تعالیٰ دولتہ فی عہد الخانِ الْاَعْظَمِ الْاَکْرَمِ عَادِلُ خَان خلد اللہ دولتہ بتائید هذا لبنا آباحاجی باقی فی شہر ربیع الاول سنۃ سبع تسعمائۃ ھ

کرد خاں صدر دیں ×××	در زمان ملک الملک سوائے عادل خاں
نو حضرت رازونیاے... حاجی ربو نام ہیں	چوں بصدق او دگر بنیاد از طین اینچنیں
عمل احمد بن محمد باوجہ کہ شد کمال	ن ہ صد و ہفدہ ××××××
بین کرد دگر انگرفت ازار بعین	از برائے آخرت کرد کارے این چنیں
بست سدّے کل بنوشند و کنند شاں آفریں	×××××××××××

آثار شریف اندروں قلعہ زیر دامن کوہ بالائے حصار جانب شمال ایک حجرہ اور قدیم دالان شاہی عمارت ہے اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موئے مبارک ہے جس کی زیارت دوازدھم شریف کو ہوتی ہے۔ آثار شریف میں حضرت امامین علیہما السلام اور حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی قلمی تصاویر بھی ہیں لیکن خلاف شرع ہونے سے ایک عرصہ سے اُن کی زیارت موقوف کر دی گئی ہے۔

حسینی علم آثار شریف کے پاس عاشور خانہ کی پختہ قدیم عمارت ہے جس میں عادل شاہیوں کے وقت کے علم موجود ہیں۔

عاشور خانہ بارہ امام ہزارا بیگ کی مسجد کے پاس ہے۔ پہلی عمارت منہدم ہو جانے سے جدید عمارت بذریعہ چندہ بنائی گئی ہے اس میں ایک بہت بڑا علم ہے جو نہایت خوب صورت اور سونے کے ملمع کا ہے جس پر درود شریف کا طغرا اور بارہ امام کے نام نامی جالی میں کٹے ہوئے ہیں۔

بی بی کا آثار بیرون قلعہ پرانی کچہری کے قریب ایک خام مکان اس نام سے مشہور ہے جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تبرکات تھے اب کچھ بھی نہیں ہے۔

قصبہ رائچور میں جابجا کتبے ہیں جن کو میں نے مہینوں پھر کر دیکھا ہے اور مولوی فقیر احمد صاحب کی مدد سے ان کو بہ مشکل پڑھا ہے اور بعض بعض پتھر قریب تھے کہ ضائع ہو جائیں مثلاً وہ کتبہ جو فتح برج پر تھا۔ برج تو بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا پتھر لوگ نکال لے گئے میرا گزر اتفاقاً اس برج پر ہوا دیکھا تو یہ پتھر اوندھا پڑا ہوا تھا سیدھا کرایا اور اُسے پڑھا اور ضلع کی کچہری میں لاکر رکھ دیا ورنہ یہ بھی وڈروں (پتھر پھوڑوں) کی نذر ہو جاتا۔ اسی طرح سکندر مسجد میں ایک نہایت خوش خط کتبہ تھا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ خدا جانے کس سنگ دل نے اس بے نظیر پتھر کو پاش پاش کر دیا اس کی کتابت نمونہ ہے خطاطی کا جس کے دیکھنے سے دل کو سرور اور آنکھوں میں نور آتا ہے۔ ان ٹکڑوں کے ساتھ میرے دل کے ٹکڑے ہو گئے۔ ان ٹکڑوں کو میں نے ملا کر دیکھا تو ایک ٹکڑا گم تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اسی قسم کے پتھر کا ایک ٹکڑا ایک مینار کی مسجد کی موری میں لگا ہوا ہے جسے خدا بھلا کرے حافظ محمد حسن مرحوم پیش امام کا کہ اُنھوں نے نکال کر اُسے ایک طرف رکھوا دیا۔ اُس ٹکڑے کو میں نے منگوا لیا اور اپنے بچھڑے ہوئے جسم سے اس عضو کا پیوند کر دیا مگر پھر بھی ایک جیب جو میرے نزدیک سونے کی جیب سے زیادہ قابل قدر ہے مفقود ہے۔ خدا جانے کہاں رُل رہی ہوگی اسی طرح بنڈہ باؤلی کے برج کی سیڑھیوں پر ایک پتھر پڑا تھا۔ وڈر سیڑھیاں توڑ توڑ کر لے گئے قریب تھا کہ اس دُرِ شاہوار کو بھی وہ ہتوڑے کے ضرب سے شہید کرتے میں نے اس پتھر کو بھی اپنی چھاتی پر رکھا۔ اسی طرح کئی مسجدوں میں کتبوں کے پتھر رکھے ہوئے تھے بعض جگہ غیر متعلق پتھر کہیں سے لاکر دیواروں میں نصب کر دئے ہیں جیسے کہ طاہر خانی مسجد متصل نورتگ دروازہ میں ایک کتبہ طاہر خانی برج کا جو نکٹے برج کے نام سے مشہور ہے لاکر دیوار میں لگا دیا ہے۔ بس غنیمت ہے کہ محفوظ تو ہے۔ باقی جو پتھر کس مپرسی کی حالت میں پڑے تھے اور اندیشہ تھا کہ ناقدر دانوں کے ہاتھ سے ضائع ہو جائیں گے اُن سب کو خاکسار نے بہ امداد محمد حسین صاحب داروغۂ صفائی منگا کر ٹون ہال کے برآمدے میں ایک قرینے سے سجا دیا ہے۔ رائچور میں بار بار چاروں طرف پھرنے کے بعد مجھ کو (۵۱) کتبے دستیاب ہوئے سنتا ہوں کہ دو کتبے نواب یار جنگ بہادر مرحوم صوبہ دار گلبرگہ لے گئے ہیں جو محبوب گلشن میں ہیں والعلم عند اللہ۔

کتبہ بر باؤلی متصل قدیمی عیدگاہ متصل اسٹیشن رائچور ۱۲۵۱ھ	یہ عیدگاہ ریلوے اسٹیشن کے

حدود میں آگئی ہے - عمارت کچھ باقی نہیں ہے - صرف ایک باؤلی ہے اُس کی شمالی دیوار پر یہ کتبہ بہ خط فارسی کندہ ہے - یہ باؤلی عیدگاہ کے متعلق تھی جس کو کرچیکار ساجن صاحب نے بنوایا تھا کرچی علاقہ بیجاپور میں ایک موضع ہے وہاں سے یہ لوگ رائچور میں آئے تھے چنانچہ موضع رام پور میں اب تک اس خاندان میں زمین انعام جاری ہے۔

صاحبن صاحب کرچیکار بے ریا	ساخت چاہے درزمین دایہ
سالِ تاریخ از حساب ابجدی	گفت ہاتف "چشمہ رحمت جاریہ"
	۱۲۱۵ھ

باؤلی محبوب گلشن یہ کتبہ اس باؤلی کا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے مقام سے لاکر موٹ کے پتھروں کی دہلیز میں لگایا گیا تھا جسے نواب فرامرز جنگ بہادر نے نکلوا کر وہیں تسید ہاکر کے گڑوا دیا ہے -

در عہدِ افضل سلاطین
محمد شاہ بن ہمایون شاہ
بنا کردہ خانِ اعظم
ملو خانِ حافظ
سن خمسہ و ثمانون ماۃ
۸۸۵ھ

کتبات مکی دروازہ ۸۷۴ھ یہ دروازہ اسٹیشن ریلوے سے قلعہ میں جانے کا پہلا دروازہ ہے جو خندق میں واقع ہے اس کے داہنے بائیں دو کمانیں اور بھی ہیں - یہ دروازہ صرف خندق میں پانی وغیرہ کے لئے آنے اور نیز اندرون قلعہ دوسرے مقامات میں جانے کو بنایا گیا تھا - قلعہ سے باہر نکلنے کا صرف ایک کاٹی دروازہ ہے باقی تمام دروازے خندق میں آکر ختم ہوتے ہیں - زمانہ

حال میں خندق پر پُل پاٹ کر سڑک ڈال دی گئی ہے۔ بھرتی کی وجہ سے یہ دروازہ بہت پست ہوگیا ہے۔ اس مقام پر کتبات ذیل ہیں۔

(۱) کتبہ جنوبی راستہ پر خندق میں اندر دیوار کو لگا ہوا ہے۔

دَر عہدِ سُلطانِ محمد شاہ بناکردۂ خان اعظم ملو خان حافظ نشر سنۃ اربع وسبعین وثمانمائۃ سنہ ۸۷۴ھ

(۲) اسی مقام پر شمال رُخ:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

در عہد سلطان محمد شاہ بناکردۂ خان اعظم ملو خان حافظ نشر سنہ اربع وسبعین وثمان مائۃ سنہ ۸۷۴ھ

(۳)۔ اسی مقام پر بجانب مغرب کمان پر نصب ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

در عہد محمد شاہ بن ہمایون شاہ بن سلطان علاء الدین بناکردۂ خان اعظم ملو خان حافظ نشر اربع وسبعین ثمانمائۃ سنہ ۸۷۴ھ

بنڈہ باؤلی کا برج سنہ ۹۱۱ھ یہ ایک وسیع باؤلی تھی جس کا صرف حصار باقی ہے پانی نہیں ہے بارش کا پانی اس گڑھے میں جمع ہو جاتا ہے جس میں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں۔ اس باولی کے متصل ایک برج ہے جو اسی باؤلی کے نام سے مشہور ہے اُس پر شمال رویہ یہ کتبہ دیوار کے اندر لگا ہوا ہے۔

سُلطانِ المجاھد الواثق الملک المنّان

معظم خان بن ایوب

فی غرۃ شعبان المعظم سنہ ۹۱۱ھ

ڈودی بنڈہ باؤلی ۹۹۰ھ بنڈہ باؤلی کے متصل فصیل پر ایک ڈیوڑھی شمال و جنوب رخ بنی ہوئی ہے جس کو وڈی کہتے ہیں۔ درمیان میں لداؤ کی چھت ہے جس کی دونوں جانب کمانیں ہیں غالباً پہرے والوں کی نشست گاہ ہے۔ جس مکان کی یہ ڈیوڑھی ہے وہ اب معدوم ہے۔

جانب شمال یہ کتبہ دروازے کی پیشانی پر بخط نسخ ہے۔

دَرْ زَمَانِ عَلِیْ عَادِلْ شَاہُ — کَرْدْ بُنْیَادِ دُوْڈِیْ اِیْنجَا

یَافْت دَرْ عَھْدِ شَاہِ اِبْرَاھِیْم — کَارِ بُرْکُوْنَۂ حِصَارِ اِتْمَامُ

کَرْدِ یُوْسُفْ عَلِیْ قَنْدِیْل دَارْ — اَنْدَرْ اِیْنْجَا مَشَقَّتِ بِسْیَارُ

فِیْ سَلْخِ شَھْرِ رَمَضَانِ الْمُبَارَکِ تِسْعَمَائَۃَ تِسْعِیْن ۹۹۰ھ

اس تختی کے ناصیہ پر دو چھوٹی چھوٹی محرابیں جن کی دونوں جانب دو گلاب کے پھول ہیں اور تختی کے داہنی اور بائیں جانب ایک ایک کنول کا پھول اور ایک ایک شرزہ ہے ہر شرزہ کے نیچے ایک مور ہے جو سانپ نگل رہا ہے۔

دوسری جانب دروازے کی دہلیز پر کتبۂ ذیل بخط نسخ دو سطروں میں کندہ ہے۔ یہ کتبہ پتھر کی دو کڑیوں پر لٹکا ہوا ہے جس کی دونوں جانب گھوڑے کی نہایت خوب صورت گردن اور دوسری طرف شرزے بنے ہوئے ہیں۔

شاہ عالم پناہ ابراھیم — کو نشستہ بجائے عادلشاہ

دولت او ھمیشہ افزون باد — بر سر یر سپہر حشمت و جاہ

مسند او ھمیشہ قایم باد — بطفیل علیؑ و لطف اِلٰہ

کردہ اندر زمان او بنیاد — این عمارت کہ کس ندارد یاد

ہست خندق تا کوہ بلند — ز آب حیات او زندہ

دوستانش بہ فتح فیروزی — دشمنانش ہمیشہ با د تباہ

ہر کہ کردہ بنار این خندق — دارد امید ہا بحضرت حق

بود یوسف علی قندیل دار	اندر آں وقت باعث ایں کار
سال ایں تاریخ اگر خواہی	یافت در نہصد و نود اتمام

سنہ ۹۹۰ھ

کتبہ بر بالائے دروازہ پرکوٹہ سنہ ۹۵۱ھ بنڈہ باؤلی کی وڈی سے آگے بڑھ کر ایک برج پر بنڈہ باولی کے شمال رخ پرکوٹہ کے دروازے پر نصب ہی (پرکوٹہ اس کو کہتے ہیں جو جگہہ خندق اور قلعہ کی فصیل کے درمیان ہو اور وڈی چھوٹے مکان کو) یہاں راستہ بہت قلب تھا لوگوں کو پہاڑ پر چڑھنے میں بڑی وقت تھی لہذا سیڑھیاں بنوا کر ایک خوش نما دروازہ بنوادیا جس کے اندر مکان ہوگا اور اس جگہہ جو برج ہی اُس پر یہ کتبہ لگا دیا ہی۔

بدور پادشاہ ابراہیم عادل	کہ شد از عدل او عالم گلستان
در پنجاہ و یک بیس کوہی عجوبہ	کہ در رفتن شدندی خلق حیران
بکند از راہ برجا بیش در ساحت	بنو فیض خدا و شاہ مردان
چو این وڈی نام این کرد از توکل	مرتب ساختنش از فضل یزدان
لبی کوشید در این کار ز اخلاص	غلام شاہ دین یوسف علیخان
چو کار قلعہ ازوی یافت رونق	بتاریخش نظام آمد بروخوان

سنہ ۹۹۱ھ

دروازے پر سیدھی جانب ایک عقاب (گرڑ پنکھ) ذوالوجہین بنا ہوا ہی اور بائیں طرف دوسرا عقاب اسی طرح دو موہنا ہی جس کی ایک چونچ میں ایک ہاتھی اور دوسری میں دوسرا اور ایک پنجے میں تیسرا ہاتھی ہی۔ اس عقاب کی بائیں جانب ایک شجر الحیات ہی جس پر عقاب کا گھونسلا ہی جس میں ایک بچہ ماں باپ کی طرح کا ذوالوجہین ہی جس کے کھانے کے لئے ایک اژدہا لپک رہا ہی جس طرح مشہور ہی کہ سیمرغ ہاتھی کا چوگا کرتا ہی وہی نقشہ یہاں بنایا ہی۔

کتبہ برج ملو خاں یہ کتبہ بنڈہ باؤلی کے نزدیک پرکوٹے کے راستے میں فصیل پر پڑا ہوا تھا قریب تھا کہ سیڑھیوں کے پتھروں کی طرح یہ بھی تلف ہو جاتا۔ جن دنوں ہم کتبوں کی تلاش میں سرگرداں تھے حسن اتفاق سے اس پتھر پر نظر پڑی اور میں نے اُس کو لاکر ٹون ہال میں رکھوا دیا جس طرح معظم خاں نے برج بنوا کر کتبہ نصب کرا دیا ہی اُسی طرح ملو خاں نے کوئی برج بنوایا ہوگا جس کا

اب پتہ نہیں - وہ کتبہ یہ ہے -

اَلْمَلِكُ الْوَاثِقُ الْمَنَّانُ
سوای ملوخان بن عادل خان سوای

کتبۂ اسبار خانہ سنہ ۱۰۱۶ھ یہ مکان پہلے غلّے کا کوٹھا تھا - نواب فرامرز جنگ بہادر تعلقہ دار وقت نے اس کو ٹون ہال بنا دیا - اس کوٹھے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے مگر افسوس کہ اشعار غیر موزوں ہیں :-

ز یمن ہمت توفیق عالی کردگار	بستہ شد از اعتقاد پاک سلطانی بجار
عجب بنیاد سنگین محکم استوار	بسی سالہا و قرنہا علم پائیدار
در زمان شاہ ابراہیم عادلشاہ سلطان	بنا شد در کار کرد ملک ریحان
بکرم فی التاریخ و تولید سر بیان	از ہجریہ بود یکہزار و شانزدہ سال و ان

خسرو برج سنہ ۱۰۸۱ھ خسرو برج کا کتبہ خونی مسجد میں رکھا ہوا تھا جس کو اس مسجد سے کوئی تعلق نہ تھا لہذا ٹون ہال میں رکھوا دیا گیا ہے اس کا فوٹو ہدیۂ ناظرین ہے - خسرو برج اندرون آبادی بہت بڑا برج ہے جو نہایت عمدگی سے بنایا گیا ہے - اور جس کے پتھر اس خوبی سے وصل کیے گئے ہیں کہ ذرا جھری نہیں ہے اس برج کا دور (۲۷۰) فٹ - عرض ۹۰ - فیٹ - ارتفاع (۵۰) فیٹ ہے

بادشاہی برج سنہ ۱۰۱۸ھ یہ پتھر بیراگی کنوئیں کے متصل برج کا ہے وہاں۔ خدا جانے کس نے اٹھا کر گوگل بھائی کی مسجد میں رکھ دیا۔ اب ٹٹوں حال میں محفوظ ہے۔

جوہر درج کرامت اختر برج کمال — آفتاب اوج حشمت سایۂ لطف الٰہ
شہسوار عرصۂ ابراہیم عادل شاہ — والی والا جناب داور دوران پناہ
مستفیض از نفحۂ گلزار فضلش جان دل — مستنیر از لمعۂ رائے منیرش مہر و ماہ
در دور شاہ عادل شہنشہ — نصرت خدا چنیں بداد
کین برج پادشاہی مثل ندارد در جہاں — یا از گردش فلک ہرگز چنیں نزادہ
کسی مانند ایں برج ہرگز ندیدہ — نے بسمع کس ہرگز چنان رسیدہ
گر کسی تعریف ایں برج تو خواہد — گو در ایام حوالہ ملک ریحان حبشان بستہ

قلعۂ رائچور

کتبۂ خسرو بیگ قلعۂ رائچور
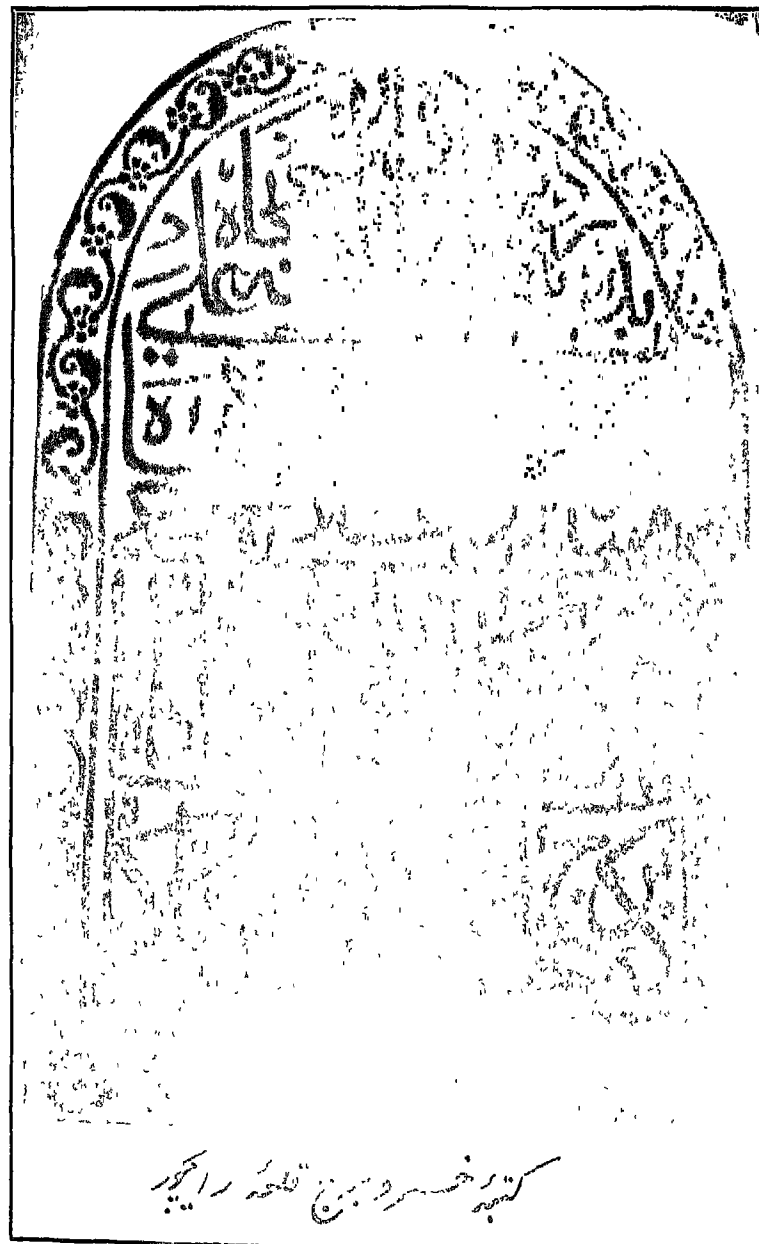
کہ این برج است یا درج است یاقوت | ملک یاقوت داماد ملک ریحان این در سفتہ
گر کسی تاریخ این برج بتو پرسد | گو ہاتف از غیب چنان داده مژده
خرد تاریخش ازان چنان گفتہ | وصل البرج فی السعاده

نیابت برج سنہ ۱۰۱۸ھ یہہ کتبہ رائچور کے قلعہ کے برج کا ہی جو اب محبوب گلشن گلبرگہ میں رکھا ہوا ہی۔

نیابت برج گشت ز توفیق احد | بامداد ے شفیعے یا محمد
در عہد ابراہیم عادل شاہ معظم | کہ ابتداے این برج گشت با یہ محکم
ز عون ہمت ملک ریحان صاحب | بنا کردند برجے ملک یاقوت نائب
منازل یافت برجے زین سعادت | کہ رو آورد الی القبلہ ہدایت
کہ تاریخش یکہزار و ہجدہ ہجرت | رسیده برج جوزا اوج عزت

سنہ ۱۰۱۸ھ

شکر باؤلی سنہ ۹۱۴ھ یہہ باؤلی جس کا یہ کتبہ ہی ٹٹون ہال کے قریب کالی مسجد کے متصل ہی۔ گوگل بھائی کی مسجد میں رکھا ہوا تھا اب ٹئون ہال میں ہی:۔

سرچشمۂ آب زندگانی اینجاست | خوش بارگہ عیش و کامرانی اینجاست | خواہی کہ چو عمر جاودانی یابی
در یاب کہ عمر جاودانی اینجاست | بر سنگ چنین نوشت نقاش | دنیا نکند وفا تو خوش باش
نوشتیم نامۂ بر سنگ خارا | کہ تا فردا چہ خواہد بود مارا | اگر روزی عزیزی این بخواند
بیا چیزے رسد فریاد مارا | تبا کنندۂ این مقام نیکو خلوہ خاوم علی نور اللہ بن کریم شاہ بندہ نعمت للہ

علی برج سنہ ۱۰۰۱ھ یہ کتبہ بھی علی برج سے جدا ہوکر مسجد متذکرۂ بالا میں رکھا ہوا تھا اب ٹئون ہال میں محفوظ ہی۔ چوں کہ یہہ کتبہ نہایت خوش خط ہی لہذا اس کا فوٹو ہدیہ ناظرین ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المؤمنین یا محمد یا علی بدور شاہ ابراہیم عادل

بنای برج کرد آن مرد عاقل   غلام شد خواص خان بد شہ شاہ   تمامش کرد آن دانای آگاہ
چو آذجان بد محب سرور غالب   نہاد آن برج را نام علی ابن ابی طالب   مشقت کرد بسیار اندرین کار
زروی اعتقاد آن مرد ہشیار   اگر خواہی کہ تاریخش بخوانی   ز ہجر الف بگذشت است تا دانی

کتبۂ درگاہ متصل صدر پٹہ خانہ ۹۱۲ھ یہ پتھر ایک درگاہ کا ہی جو متصل صدر پٹہ (ڈاک) خانہ سرکار عالی کے تھی درگاہ کے پاس ایک مسجد اور باؤلی بھی تھی - اب نہ وہ درگاہ ہی نہ مسجد نہ باؤلی فقط ایک قبر اُن بزرگ کی باقی رہ گئی ہی جن کا نام بھی اب کوئی نہیں جانتا درگاہ کی بربادی کے بعد یہ پتھر مسجد ہزارہ بیگ میں رکھا گیا تھا جو اب ٹٹون ہال میں رکھوا دیا گیا ہی:-

انما بینۃ دکاکین متصلہ الیہ بشرطان بصرف مشغلہا فی العمارۃ و السراج والماء   ۱۰ ربیع الآخر سنہ ۹۱۲ھ

ایک مینار کی مسجد سنہ ۹۱۹ھ[۵] بیرون قلعہ متصل ڈاکر خانہ لب سڑک یہ شاہی مسجد ہی جو ایک مینار کی مسجد کے نام سے مشہور ہی جو سلطان محمود بہمنی کے عہد میں ۹۱۹ھ میں ملک عنبر کی بنائی ہوئی ہی - اس مسجد کا ایک ہی گاؤدم مینار ہی جو اسّی گز بلند اور دس گز دور میں ہی - اس کے اندر چکر دار سیڑھیاں ہیں اور جابجا روشن دان بھی ہیں جس سے مطلق اندھیرا نہیں ہی اور آسانی سے چڑھا جاتا ہی اوپر جاکر دور دور تک نظر آتا ہی ایک پر لطف منظر پیش نظر ہوتا ہی اس مینار پر رائے للتا پرشاد صاحب سابق تعلقدار کے عہد میں چاروں طرف چار قندیلیں لگادی گئی ہیں - چوں کہ بہت بلندی پر یہ روشنی ہی دس دس میل تک نظر آتی ہی اور مثل تاروں کے چمکتی ہی - اس مسجد کے ستونوں کی ساخت سے خیال کیا جاتا ہی کہ دیول توڑ کر بنائی گئی ہی مسجد پانچ محرابوں کی ہی اور تین دالان ہیں مسجد تمام سلوں سے بنی ہوئی ہی لکڑی کا نام نہیں ہی - طول ۴۱ فیٹ (۶) انچہ عرض (۱۳) فیٹ مسجد کے دروازۂ داخلی کی دہلیز پر یہ کتبہ بخط ثلث ہی -

بعہد سلطنت شاہ بہمنی محمود   چنین عمارۃ خوب و لطیف شد موجود
بدولت ملک الملک عادل ثانی   درین خجستہ مکان این چنین عمارت کرد

[۵] صفحہ (۳۰) حصہ دوم کے محاذی اس مسجد کا فوٹو ملاحظہ ہو - ۱۲

قلعۂ رائچور

قلعہ رائچور

کتبہ برج علی ابن ابی طالب قلعہ رائچور

قلعہ رائچور
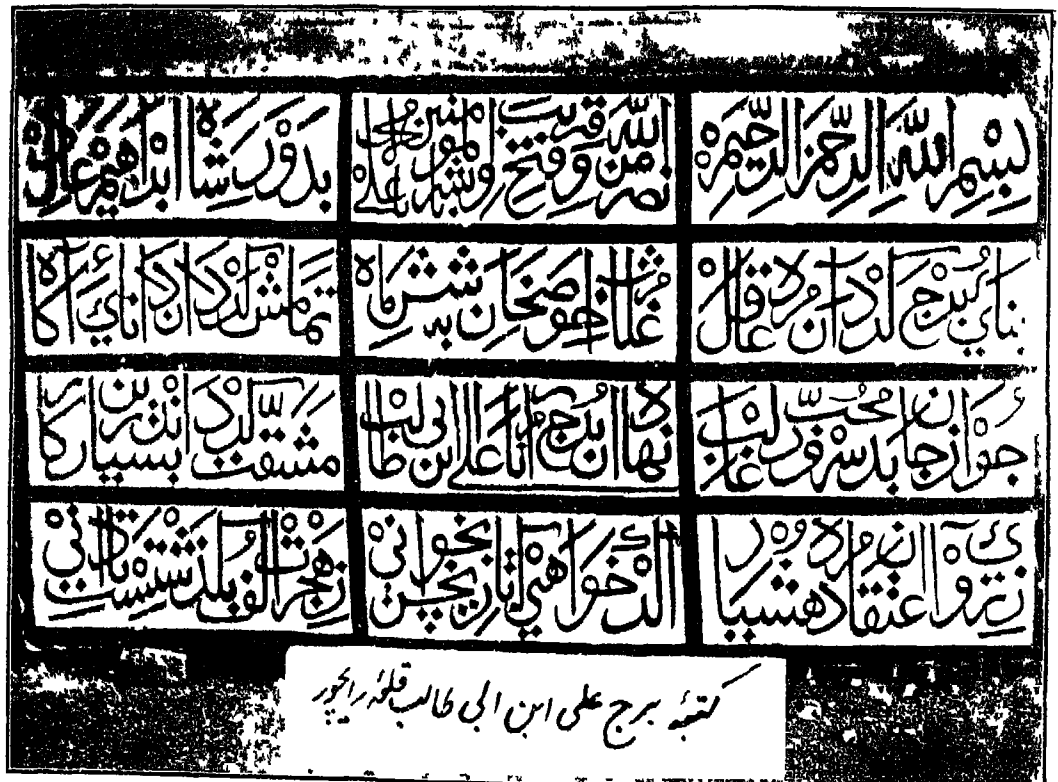
بنا نهاد یکے صاحبِ سخا و کرم　　کہ اسم عنبر خلقش مثال عنبر بود
هر آنکسی کہ بدنیا بنای مسجد کرد　　غرض کہ خلد برینش جزای خواهد بود

بسال نوّد و نهصد از هجرة　　تمام گشت عمارت بطالع مسعود
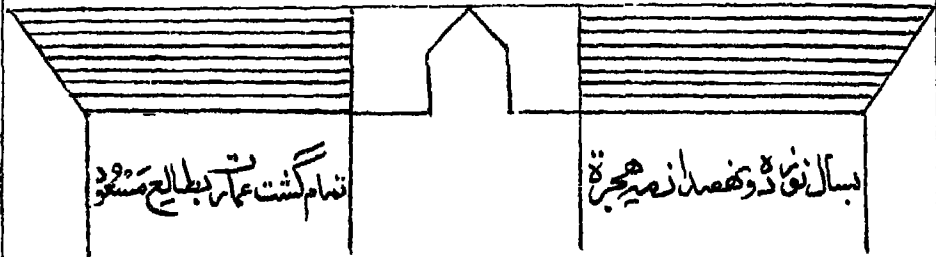
(۲) یہ پتھر بنکا باؤلی کے متصل برج پر پڑا ہوا تھا و ڈر کسی عمارت میں توڑ پھوڑ کر لگانے کو لیجا رہے تھے خدا بھلا کرے مولوی فقیر احمد صاحب کا اُنھوں نے اُسے داخل ہوتے وقت بائیں ہاتھ کی دیوار میں نصب کرا دیا ہی اور اس طرح اسے ٹھکانے لگا دیا۔

قال النبی علیہ السلام الصدقة تطفی غضب الرب کما تطفی الماء النار۔

(۳) یہ کتبہ بیچ کے در کی چوکھٹ پر ہی:-

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

(۴) منبر سے ملا ہی ہوا داہنی جانب سامنے وار کو سنگ سیاہ پر بخط عربی یہ آیۃ کلام مجید کی کندہ ہی:-

آخر کی ڈہائی سطریں باقی ہیں اوپر کا حصہ بالکل چھیل ڈالا گیا ہی۔ عمل کشنری میں اس مسجد میں دو اخانہ تھا۔ ڈی فریزر ڈاکٹر نے اوپر کی سطور کو حک کرا دیا خدا جانے نیچے کی سطریں کیسے بچ رہیں۔
(۵) منبر کے سامنے وسط مسجد میں سقف پر چاروں طرف پتھر کی کڑیوں پر سورہ انا فتحنا تا سا رت مصیرا تک مع بسم اللہ بخط ثلث اُبھرے ہوئے خط میں منقوش ہی۔ جو مغرب کی طرف سے شروع ہوئی ہی اور چاروں سمت پھر کر ختم ہوئی ہی۔ اس مسجد کا فوٹو مہتر محل اور آنڈو مسجد کے ساتھ دیا گیا ہی۔
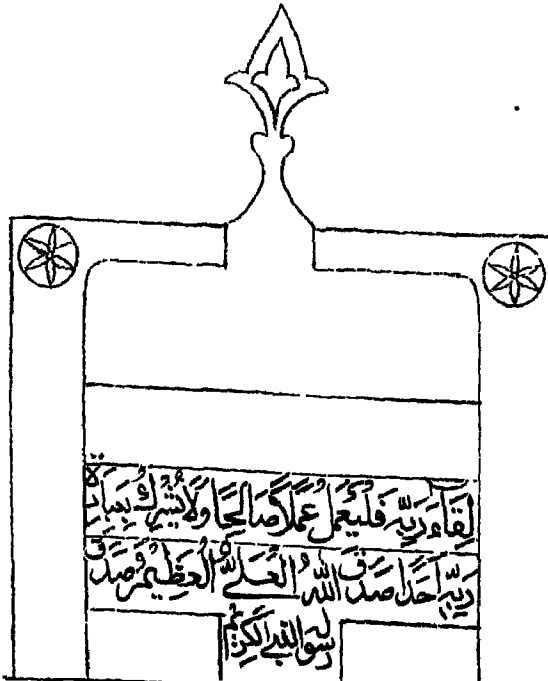
جامع مسجد اندرون قلعہ سنہ ۹۰۸ھ مجلس کے محاذی واقع ہی اور علی عادل شاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہی۔ یہ بہت بڑی اور وسیع مسجد ہی۔ اس کی سقف اور ستون چوبی تھے۔ اندازہ سو برس کا ہوا بالکل گر گئی تھی۔ تخمیناً ستر سال کے اول گلاب سنگھ صوبہ دار جبر رائچور کے عمل دار تھے اُنھوں نے حسن عقیدت سے ذاتی صرفہ سے ازسرنو مسرفت شیخ احمد صاحب مرحوم محصول دار جو فقیر احمد صاحب کے والد تھے بنوا دی۔ یہ مسجد پہلے طول میں (۱۴۷) فیٹ تھی مسجد کا حصہ وسطی ۴۵×۳۶ فیٹ ازسرنو پتھر کے ٹپاؤ کا بنایا گیا اور ستون کڑیاں بھی پتھر کی لگائی گئیں۔ شمالی حصہ ۵۷×۲۳ اور جنوبی حصہ ۴۵×۲۳ فیٹ ویسا ہی خالی پڑا ہی۔ چبوترہ کا عرض ۲۹ فیٹ ہی۔ اس مسجد میں حسب ذیل کیفیات ہیں۔ (۱) منبر کے سیدھے ہاتھ کی طرف جس کا فوٹو قابل ملاحظہ ہی۔

کتبہ جامع مسجد اندرون قلعہ رائچور

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
علی ولی اللہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
کل من علیہا فان
ویبقی وجہ ربک ذو الجلال
والاکرام
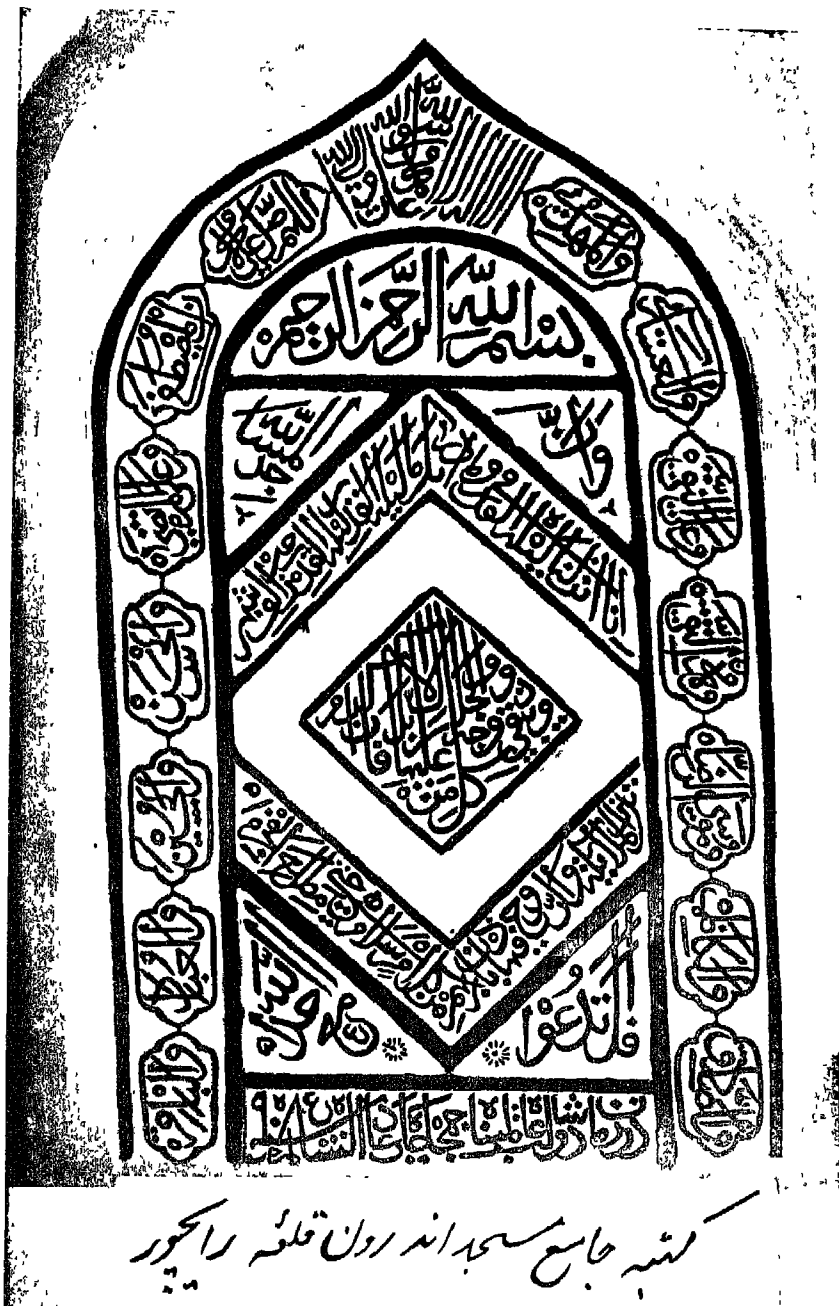
(۲) منبر کے بائیں ہاتھ کی طرف دو کتبے ہیں ایک اوپر لگا ہے دوسرا طاق میں ہے۔

کتبہ اندرون طاق جنوبی جامع مسجد محاذی مجلس

ملک عبد المحمد ابن ریحان	بدور شاہ ابراہیم عادل
ساخت جامع تا ابد باشد نشان	کہ بلغ بود سال تاریخ آن
نزلنا ھاھنا ثم ارتحلنا	کذا الدنیا نزول ارتحال
یظن المرء فی الدنیا خلود	خلود المرء فی الدنیا محال

۱۲۲۷ھ میں اس مسجد کی سرکار سے بھی مرمت ہوئی ہے۔ یہ مسجد دیول توڑ کر بنائی گئی ہے اور بت کو اوندھا کرکے فرش مسجد میں گاڑ دیا ہے۔ منبر سیاہ پتھر کا ایسا چکنا اور مصفا بنایا گیا ہے کہ نظر پھسلتی ہے اور جس کی صناعی لاجواب ہے۔ مسجد کے صحن میں میاں شیخ سالار کا مزار ہے جو حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھانجے ہوتے ہیں۔

مسجد نورنگ دروازہ یہ مسجد بیرون قلعہ نورنگ دروازے کے متصل واقع ہے۔ پٹاؤ کی چھوٹی سی پختہ اور خوش نما مسجد ہے۔ جس کے تین در ہیں طول سوا سات گز عرض (۵) گز یہ مسجد ویران ہو گئی تھی اس مسجد کے سامنے ہی ہنومان کا پتھر ہے۔ ہندوؤں کو خیال ہوا کہ مسلمان پوجا پاٹ میں حائل ہوں گے سرینواس راؤ وکیل نے راتوں رات لین کی جمعیت کے لوگوں سے مسجد کو شہید کرا دیا۔ سرکار سے وکیل مذکور کو آٹھ سو روپیہ جرمانہ ہوا اور وہ رقم مسلمانوں کو دے دی گئی جس سے ازسرنو مسجد کی تعمیر کی گئی اور ایک باؤلی بھی جو قدیم سے ویران تھی درست کر دی گئی اس مسجد کا کوئی کتبہ نہیں ہے البتہ بائیں ہاتھ پر طاہر خانی برج کا کتبۂ ذیل لا کر نصب کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نصر من اللہ وفتح قریب وبشر المؤمنین
فی عہد السلطان الاعظم ظل اللہ فی الارضین
ابو المظفر علی عادلشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ
بناکردہ طاہر خان فی سنہ سبعین احد وتسع مائۃ ۹۷۱ھ

فتح برج یہ عظیم الشان برج نورنگ دروازے کی مسجد کے عقب میں شمال کی طرف ہے عمارت کچھ زمانے کے ہاتھ سے تباہ ہوئی رہی سہی حکام کی بے دردی سے بلا غل و غش لوگ پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر لے گئے اِس پتھر کو بھی جہاں لگا تھا اکھیڑ کر لے جانے والے تھے کہ اس سے بہتر سل کہاں مل سکتی ہے کہ مجھے خبر ملی۔ اس پتھر کی زبان حال سے صدائے داد فریاد اور ناقدردانی زمانہ کی شکایت سن کر پتھر کا کلیجا بھی پانی ہو جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ وڈرون کے بے رحمانہ ہتوڑوں کی زد سے محفوظ رہا اور خاکسار سراپا خطا کار کے نامۂ اعمال میں یہ نیکی چڑھنے کی تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ محمد حسین صاحب داروغہ صفائی نے میرے ایما سے اس نایاب کتبہ کو (جو بخط ثلث نہایت خوش خط لکھا گیا ہے۔ اور جس کا عرض و طول

۵-۹×۲-۱۰۱۲ھ) ہاتھوں ہاتھ اٹھوایا اور لاکر ضلع کی کچہری کے محاذی رکھوا دیا جہاں پر کہ اس کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک ناظرین اس کے فوٹو کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔

وللہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

بنی ھذا المقام الرفیع المسمّٰی بہ برج الفتح فی

عہد خلافۃ السلطان الاعظم شمس الدنیا والدین شاہ محمود البہمنی

وزارۃ الخان الاکرم مجلس الرفیع عادل خان ابن العادل الخان الخازی

وحکومۃ الملک المکرم نظام الدین حسن الکرمانی فی سنۃ شہور ستۃ عشر و تسعمائۃ

۹۱۶ھ

کتبہ یوسف الحسینی الیزدی

یتیم شاہ کی مسجد ۱۱۶۲ھ یہ مسجد کالی دروازے کے متصل ہے ممبر کے داہنی جانب رواق میں سیاہ چمکتے ہوئے پتھر پر ذیل کا کتبہ ہے مسجد شکستہ ہو گئی تھی مودو میاں نامی ایک صاحب نے اس کی ترمیم بصرفہ ذاتی کر دی ہے

چراغ و مسجد و محراب و منبر ابوبکر و عمر عثمان حیدر

این بیت اللہ باہتمام یتیم شاہ فقیر بیننده - شاہ جمال قلندر بسعی شیخ عبد الواحد قلعہ دار احداث یافت۔ تحریر ہفتم جمادی الاول ۱۱۶۲ھ ہجری۔

کتبہ فتح برج رائچور
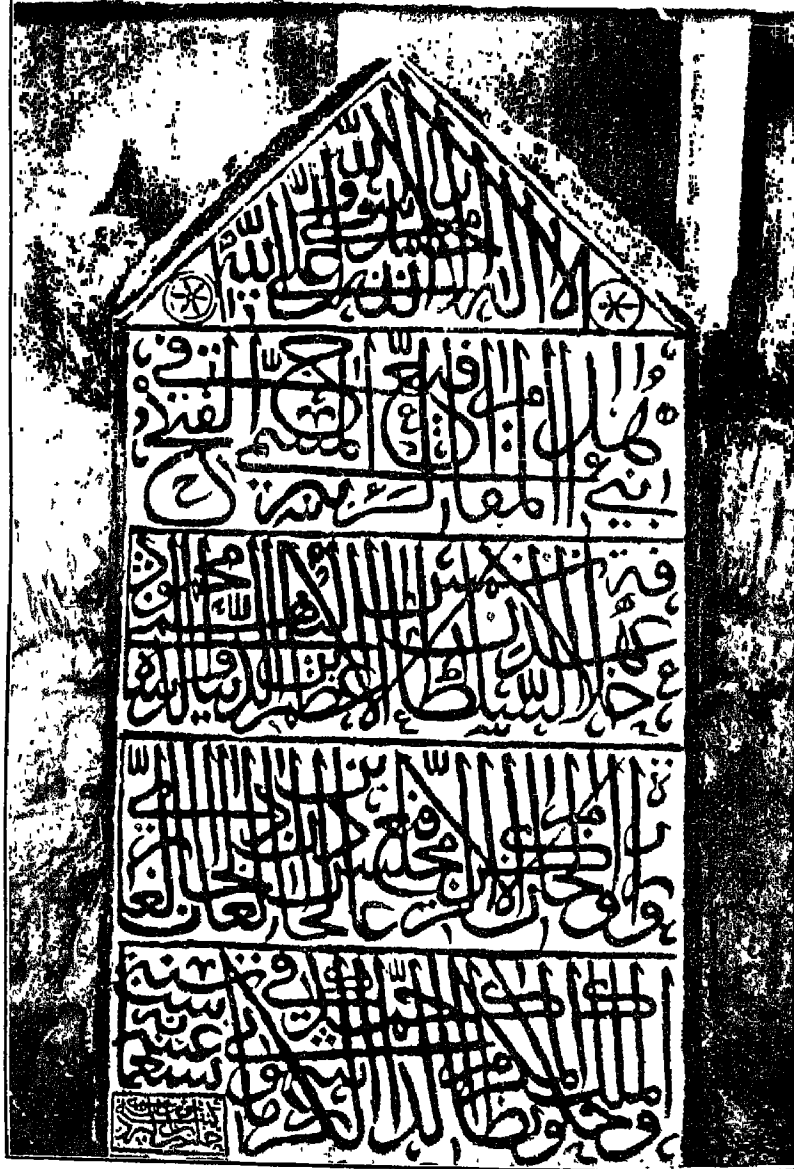
ہزارہ بیگ کی مسجد اندرون قلعہ متصل عاشور خانہ بارہ امام واقع ہی۔ یہ مسجد خام ہی لکڑی کی چھت ہی۔ تین در کی ہی۔ طول ۲۲ فیٹ عرض ۱۲ فیٹ ہی۔ اس مسجد کے صدر دروازہ پر یہ کتبہ ہی:

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ
قد وفق بناء ھذا المسجد فی زمان السلطان محمود شاہ
آوان عادل خان ۲۰ رمضان البانی عبد الضعیف
نحیف ملتجی خالق الکل خواجہ سنبل

درگاہ میر حسین صاحب یہ درگاہ محبس کے شمال رُخ پر واقع ہی۔ درگاہ کے اندر ایک شکستہ مسجد اور قبرستان ہی حضرت شاہ میر حسن و حضرت شاہ میر حسین قدس سرہما آپ ہر دو حضرات گھوڑے پر سوار تھے چنانچہ آپ کے گھوڑوں کے سموں کا نشان اب تک پتھر پر کوٹ تالار کے محلہ میں جو سیح چٹانیں ہیں وہاں موجود ہیں اور ایک تصرف اب تک جاری ہی کہ اگر کسی کے مکان میں سانپ نکل آئے تو آپ کے مزار کی مٹی لا کر مکان میں ڈال دیا تو سانپ بھاگ جاتا ہی۔ آپ کا سالانہ عرس ۱۲ ربیع الثانی کو ہوا کرتا ہی۔ درگاہ کی پیشانی پر یہ کتبہ ہی لیکن بلحاظ عبارت اس کتبہ کو اس درگاہ سے کوئی تعلق نہیں یہ کسی انبار خانے کا ہی جو اکھیڑ کر یہاں لگا دیا گیا ہی۔

اللہ کافی
زفیض ذوالجلال شد انبار خانہ
کہ فی السماء رزقکم بیمانہ
در عہد شہنشاہ ابراہیم عادل
منور شد مقام رزق کامل
کہ بلغ بود سال الف و اثنی ثلثین
بنا کردند سید محمد در آن حسین

دفتری مسجد ۹۰۴ھ

یہہ مسجد سکندری دروازے کے متصل پیر پٹولہ صاحب کے مزار کے پاس لب سڑک واقع ہی اس کے متصل ایک باؤلی بھی ہی جس کی ترمیم حال میں خاکسار کے زمانے میں کی گئی ہی۔ مسجد کے صدر دروازہ پر چینی کا کام تھا جو اب جھڑ گیا ہی ذرا ذرا سے نشانات باقی ہیں۔ اِس مسجد کا طول (۴۳) فیٹ عرض (۲۴) فیٹ ہی پانچ در ہیں پہلے چار دروں کے واسہ عبارت ذیل منبت کندہ ہی۔

پانچواں واسہ خالی ہی۔ یہہ تمام عبارت چونے سے لیپ گئی تھی کسی طرح پڑھی نہیں جاتی تھی کئی دن کی لگاتار کوشش کے بعد بہ مشکل اُس جمے ہوئے چونے کو بھگوا کر نکلوایا جب یہہ عبارت پڑھی گئی۔ مسٹر شاوکشا آبکاری کنٹریکٹر نے جن کے گرنانگ کے پاس یہہ مسجد ہی ان کتبوں کو صاف کروا دیا۔ میں اُن کا مشکور ہوں۔ یہ مسجد مستحکم سلوں کے پٹاؤ کی ہی۔ لیکن اسی مقام کے اردگرد تھوڑے سے فصل سے (۶) مسجدیں ہیں۔ مسجدیں زیادہ اور مصلی کم اس وجہ سے آباد نہیں۔ یہ مسجد پہلے دفتر کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی اب وہ دفتر ہی گاؤ خورد ہوگیا۔ مسجد میں کون نماز پڑھے۔ اس مسجد کے باہر ایک سیاہ پتھر نصف دائرہ کی شکل کا گڑا ہوا ہی۔ جس پر ہندی کتبہ کندہ ہی باوجود کوشش کے بھی نہ پڑھا گیا مجھ کو تلنگی اور کنڑی پڑھنی نہیں آتی اور جن کو پڑھنی آتی ہی اُن کے دل میں دردنہیں شوق نہیں وہ میرے اس طرز عمل کو خبط پر محمول کرتے ہیں اور از دیدہ دور از دل دور پر عمل ہیں اور میں کہتا ہوں کہ جو باتیں ضبط تحریر میں آجائیں وہی بسا غنیمت ہیں ہر شخص یہ خیال خبطے دارد۔

(کتبہ دفتری مسجد)

الحمد للہ رب العلمین الصلوٰۃ علی سید نا محمد واٰلہ اجمعین اما بعد وقف کرد و تصدق نمود ظل اللہ المرضات اللہ وملک المعاشر المتوکل علی اللہ الرحمان ملک حاجی بن سلیمان قرمانی انہ فقد رحل المورث نہ چاور زمین در گبور بر عمال تعلما ء رایچور بر حفاظ و امام و موذن مسجد مسطور فیہ ہشت چاور زمین برای حافظان و امام و موذن و یک چاور زمین برائے متولی باشد و اوصا وقف نمود جمل دکان موصوف و مسجد دہ واقع در رایچور در جنب مسجد مذکور از تعمیر و روغن چراغ و فرش وسائر مصلے الوقتی صحیح شرعی و شرط گیرد

واقف کرامت برانکس کہ مطلع شود و برین وقفیت تغیر و تبدیل نمایند کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی محکم کتابہ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ گردد۔

مورخاً اربع و تسعمائۃ
۹۰۴ھ

سکندری دروازہ ۹۰۴ھ یہ کتبہ نہایت خوش خط دروازے کی پیشانی پر بخط ثلث ایک ہی سطر میں ہنبت کندہ ہے۔ اس دروازے کی دونوں جانب تین تین دروں کی لداؤ نشست گاہ بنی ہوئی ہے۔ ایسٹرک کی بھرتی کی وجہ سے دروازہ قدرے پست ہو گیا ہے۔

در زمان خسرو سلطان سکندر قادری	شد مہیا کار این دہلیز باصنعتگری
چون تامل کرد از تاریخ آن گفتہ خرد	گو در فرسنگ و فراین تاریخ ختمش بنگری
بانی این کار آقا خسرو غلام شاہ را	کن بلطف خویش یارب با فزحشر یاوری

اس دروازے کے اندر پیر بیٹولہ صاحب کا مزار ہے۔

سکندر مسجد و کتبہ شاہ برج ۹۷۳ھ سکندر دروازے کے باہر بختہ لداؤ کی چھوٹی سی مسجد ہے جس کے تین در ہیں۔ اس میں کوئی کتبہ نہیں ہے "شاہ برج" کا ایک کتبہ یہاں لا کر کسی نے رکھ دیا ہے۔ یہ کتبہ بخط عربی نہایت واضح اور ایسا خوش خط کندہ ہے کہ جس کے دیکھنے سے نظر میں تراوٹ آجاتی ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ کسی ظالم نے اس کے چار ٹکڑے کر دئے چار ٹکڑے کر دل کے کہ نہیں ہو سکتا رُخ کو دوں خال کو دوں چشم کو دوں زلف کو دوں بیچ کا ٹکڑا ندارد ہے۔ جوئیدہ یابندہ معلوم ہوا کہ ایک مینار کی مسجد میں ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے وہ منگا کر روح کو قالب سے ملا دیا۔ بچھڑے ہوئے یاروں کو یکجا کیا بریں ہم ایک چھوٹی سی چیپ ندارد ہے جس کا پتہ نہیں خدا جانے کہاں ہوگی۔ سیاق عبارت کے لحاظ سے خط کشیدہ الفاظ بڑھا کر پورا کر دیا۔ شاہ برج محاذی اول کچہری کے ہے۔ اس برج پر ایک توپ تھی جس کے عمل کمشنری ۱۲۶۳ف میں ٹکڑے ٹکڑے کروائے گئے۔ تین ٹکڑے ہیں جو چار چار ہاتھ کے لمبے ہیں ایک پر کوٹ پر۔ ایک برج کے نیچے اور ایک سڑک کے بازو پڑا ہوا ہے۔ یہ کتبہ اب ٹاؤن ہال میں رکھوا دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ... مستقیما

در زمان دولت شاہ جہان	آنکہ گوی سبقت از عالم ربود
کرد بنیاد بنای شاہ برج	حضرت اخلاص خان از عین جود
خواستم تاریخ سالش عقل گفت	بعد فتح کافران یک سال بود

برج تعلیم ۹۵۳ھ خاص باؤلی کے پاس تعلیم کے برج پر یہ کتبہ ہے:-

معمار قضا کہ ہست در حسن عمل — بانی بنا نیکوں برج حمل
تاریخ بناش ہمیشہ آمدہ است — برج فلک دولت و اقبال ازل

۹۵۳ھ

بدور خسرو عادل کہ زد خصم از وبست شد — بسعی احمد حاجی کو نابادی مرتب شد

خندق دروازہ ۹۴۸ھ قلعہ کے مشرقی جانب خاص باؤلی کے آگے تعلیم کے برج کے پاس ایک دروازے پر یہ کتبہ ہے اس دروازے میں جانے کے لئے ایک پٹاؤ کی ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے جس کے دونوں جانب کمانیں ہیں جن میں پہرے والے رہتے تھے۔ یہ ڈیوڑھی اب مخدوش حالت میں ہے۔

کشودہ باد بشادی ہمیشہ ایں درگاہ — بحق اشہدان لا الہ الا اللہ
ایں عمارت بعہد عادل شاہ — شد مہیا بخیر و نیکوی
سر تاریخ ایں بنا گویند — فتح شد باب مدعا گوی

کتبہ بین کوٹہ برج ۱۱۶۴ھ - کاٹی دروازے سے جنوب رویہ گلی میں ایک برج واقع ہے اُس پر یہ کتبہ ہے -

این برج در عمل نواب سعد اللہ خان بہادر
مظفر جنگ باہتمام شیخ عبد الواحد
از سر نو تعمیر یافت ۱۱۶۴ھ ہجری نبوی

برج رفیع ۹۵۵ھ خسرو برج کے پاس فرام روڈ پر ایک برج ہے اس پر یہ کتبہ ہے۔

بستم دریں حصار ز توفیق کردگار	برجے کہ کوتہ است از او دست اہل غدر
چوں سرز ند ز مطلع او طلعتِ ہلال	باشد ز روے مرتبہ چوں بر سپہر بدر
در روزگار عادل دوراں تمام شد	آں عادلے کہ ساختہ جا بر سر صدر
چوں نسبت رفیع ز قدرش بدیع نیست	تاریخ اوست "برج رفیع بلند قدر"

۹۵۵ھ

کالی دروازہ ۹۵۷ھ اس دروازے کو خاردار پٹ تھے جو عمل کمشنری میں جلا دیے گئے اب خالی دروازہ ہے جس کے دونوں جانب جوانوں کی نشست گاہ کے مکان تین تین در کے بنے ہوئے ہیں اس دروازے کی داہنی جانب تو محرابوں کا لداؤ ہے جس کے اوپر عمارت تھی جو منہدم ہو کر صرف ایک کمرہ باقی رہ گیا ہے وہ بھی لداؤ کا ہے۔ اس دروازے کے متعلقہ مکانات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بہ نسبت دوسرے دروازوں کے جمعیت زیادہ رہتی تھی۔ (۱) اس دروازے کی پیشانی پر بخط عربی یہ عبارت کندہ ہے:

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ سنہ ۹۵۷ھ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلِیِ نِ الْمُرْتَضٰی وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَالْعَابِدِ وَالْبَاقِرِ وَالصَّادِقِ وَالْکَاظِمِ وَالرِّضَا وَالتَّقِیِّ وَالنَّقِیِّ وَالْعَسْکَرِیِّ وَالْمَھْدِیِّ دَرْ عَھْدِ سُلْطَان ابراہیم ہمایون عادلشاہ بنا کردہ شمشیر الملک غرۂ رمضان خمسین و تسع مائۃ

اس دروازے کے چبوترے پر پیر باے صاحب کا مزار ہے۔

(۲)- کانی دروازے کی سرائے کی کمان میں داہنے رخ طاقچہ میں یہہ کتبہ نصب ہی -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنای چنین قصر عالی مشید

۲ع۵ ۳۱۵ ع۵ ع۵۱ ۵۹۰۱۵ ۵۲۵۱۲۵۱۳۵۱۵۰۰۱۵۳۵۱۵ھ

سنہ ۱۰۳۲ھ

بماناد چون طاق گردون موبد

بدور براهیم عادل شهنشه

مهیا شد از طبع عبد المحمد

چو خواهی بتاریخ این پی بری

بکن عدد مصراع اول چو ابجد

برضمائر بلا انظار متعاقبان اهل زمانه معلوم باد که

این عمارت را اساس و بنیاد نهاده بنای ملی ساخته اند و ازین پیش

این عمارت محض دیوار بود و هیچ عمارت نبود والسلام

نوٹ - ۵ع = عشر (۵) یعنی پانچ دہائی - صفر (۰) اس شکل میں دیا گیا ہی - ۴۰ کو اس طرح لکھا ہی ۵ھ اور ۳۰ کو ۵ ۳ - ۴ کو ھ - ۱۲

(۳) دروازے کی ایک جانب دالان کے دوسرے طاق میں یہ کتبہ ہے۔
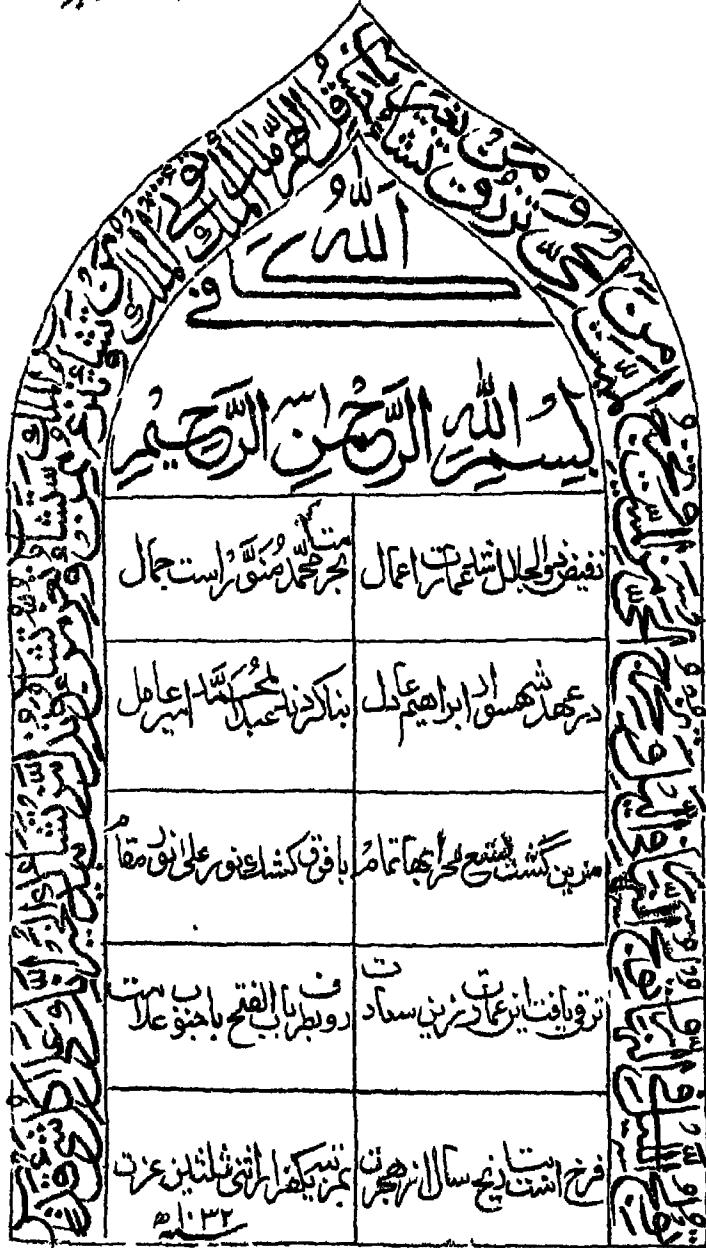
(۴) کاٹی دروازہ سے گزرنے کے بعد سڑک پر ایک دروازہ ہے وہ بھی کاٹی دروازے کا جزو ہے اس پر یہ کتبہ ہے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد محمد بن ہمایون شاہ بنا کردہ خان اعظم ملو خان

(بخط کوفی)

این در همیشه در همه عالم کشاده باد	دشمن بزیر خاک و درین در فتاده باد
یا رب مآل این در عالی بحال خیر	اقبال عز و دولت و شادی مدام باد

پتھر کا ہاتھی بیرون کاٹی دروازہ متصل مین کچہری ایک ہاتھی ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا سر بازار کھڑا ہوا ہی جس پر منقش جھول پڑی ہوئی ہی جس کے دونوں جانب دو چھوٹے چھوٹے ہاتھی کے بچے بھی ہیں۔ یہ سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہی۔ اسی قسم کے دو ہاتھی ملیاباد میں بھی ہیں اور وہ بہ اعتبار کاری گری اس سے بہتر ہیں۔ اس مقام پر دو چھوٹے چھوٹے برج تھے اور ہاتھی کے پیچھے سے ایک فصیل تھی جو کاٹی دروازے سے جا کر مل گئی تھی۔ راستہ کشادہ کرنے کو یہ سب مسمار کر دیا گیا۔ صرف ایک مینار جس کو "توڑے" کا منار کہتے ہیں جو تین قدم بلندی باقی ہی جس میں ایک زنجیر جڑی ہوئی ہی۔ پلیٹ پر پہلا ہاتھی رائچور کا ہی اور دوسرا اور تیسرا ملیاباد کا۔ یہ دونوں ایک ہی قد و قامت کے ہیں لیکن بیچ کے ہاتھی کی پلیٹ ذرا بڑی ہی۔

مسجد بی بی حلیمہ سنہ ۱۰۳۲ھ کاسے تالاب چھاؤنی فقیر پاکے پریس کے محاذی پرمس کے راستہ پر بی بی حلیمہ کی بنوائی ہوئی چھوٹی سی لداؤ کی مسجد ہی جو صرف ایک کمان کی ہی طول و عرض ۲۳×۱۷ فیٹ ہی۔ اس مسجد میں دو کتبے سنگ سیاہ کے ہیں ایک کمان پر ہی۔

قوله تعالیٰ یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ

بعون الٰہی بنا گشتہ مسجد	بحرمت محمد منور ز ساجد
ز بی بی حلیمہ بناء لہا	ثواب بود عشر امثالہا
ز تاریخ فتح بناء شدہ	ز ہجرۃ ہزار و سی و دو بدہ

ز بی بی حلیمہ شد این یادگار
نگہدار ایمانش پروردگار

ہاتھی

ھیاباد کا ہاتھی

دوسرا ممبر کے پاس داہنی جانب طاق میں لگا ہوا ہے :-

مسجد سواراں سنہ ۱۲۷۶ھ محلہ گھٹال واڑی میں آیا باؤلی کے پاس یہ مسجد تین در کی لداؤ کی ہے - ۲۱ × ۱۴ فیٹ طول و عرض ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم — لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کہ بت خانہ شکست از فضل اللہ — بنا گردید مسجد شاہ عبد اللہ

چو در وقت شجاع الملک مرحوم — عمل نواب ذوالفقار الدولہ

مہ اول جمادی بست و ہفتم — یک الف و یکصد و نود و ستہ

لغایت یازدہم مہ ربیع الثانی ثمانیہ(۸) زیادہ انجمہ گشتہ
کہ آن شاہ خادمہ ست حاجی بختی کند تیار این برسبت دومہ
باہتمام غلام محمد شد مرتب برآنہا بادوایم فضل اللہ

اندر کی دیوار پر دوسرا کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم		
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ		
چراغ مسجد و محراب و منبر		ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
فاطمہ حسن حسین العباد والباقر الصادق الکاظم الرضا		
التقی النقی العسکری المہدی		

جامع مسجد بیرون قلعہ ۱۰۳۸ھ وسط آبادی میں ایک عالی شان اور وسیع جامع مسجد شاہی واقع ہے۔ اس مسجد کی تعمیر بھی بزمان ابراہیم عادل شاہ ۱۰۳۸ھ میں ہوئی ہے اس مسجد میں بڑی بڑی گیارہ کمانیں ہیں اور عمدہ سنگ بستہ گچ کاری کی عمارت ہے اس مسجد کا طول و عرض ۱۱۵×۳۲ فیٹ ہے۔ صحن نہایت وسیع ہے۔ ایک باؤلی اور ایک چھوٹا سا حوض بھی ہے۔ سرکار سے ۱۲۸۳ھ میں درست ہوئی ہے اور معاش بھی جاری ہے مسجد کے تحت میں (۲۸) دکانیں ہیں جن کا کرایہ ۵۶ ماہانہ اسی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ پیشانی مسجد پر سنگ سیاہ پر یہ کتبہ ہے۔ اس کتبہ کے دونوں جانب قل اعوذ برب الناس کا نہایت خوش نما طغرا کنول کے پھول کی شکل کا کندہ ہے جس کا فوٹو بجنسہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس فوٹو کے اوپر اور نیچے قلعۂ رائچور کے دو مختلف فوٹو ہیں

قلعۂ رائچور

طغرا قل اعوذ برب الناس بر جامع مسجد
بیرون قلعہ

قلعۂ رائچور
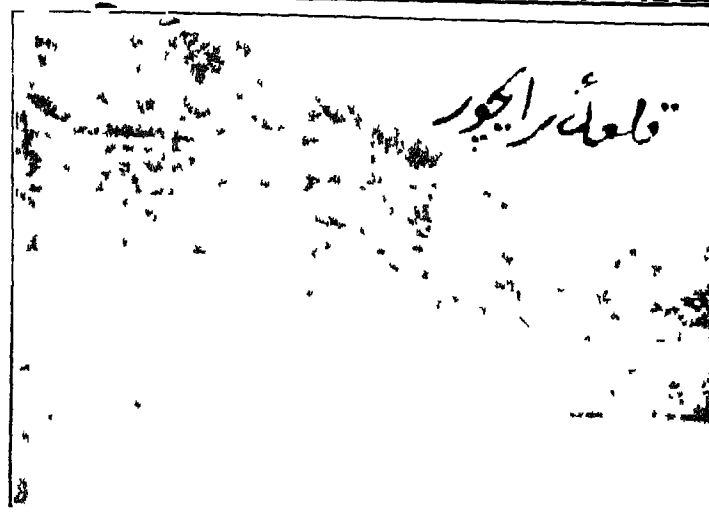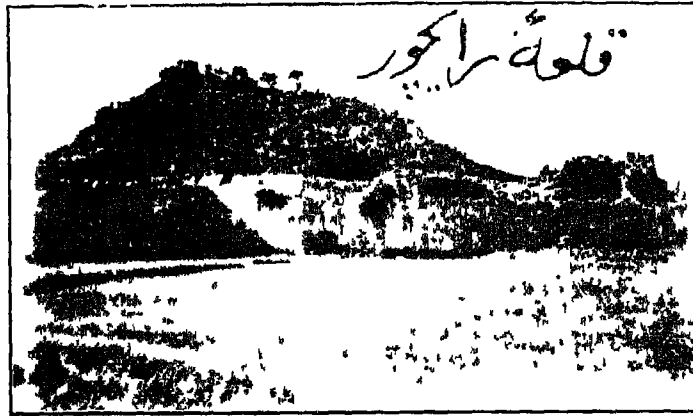
اندرون مسجد درمیانی کمان پر دونوں جانب یا فتح الابواب کا طغرا ہے۔

چوک کی مسجد اس مسجد میں تین کمانیں ہیں۔ طول و عرض ۲۸ × ۲۳ فیٹ ہے۔ مسجد میں نہایت خوب صورت اور چمکدار دو ستون سنگ سیاہ کے ہیں۔ جو کسی مندر سے لاکر اُن کی تصویریں مٹا کر داہنے کھم پر "یا حنّان" اور بائیں پر "یا منّان" کندہ ہے۔ منبر کے بازو محراب میں ایک سنگ سیاہ کا کتبہ حسب ذیل ہے۔

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ
عوناً لک فی النوائب کل ہمّ و غمّ
سینجلی بعظمتک یا اللہ بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی یا علی
یا علی
یا اللہ یا محمد یا علی
یا اللہ یا محمد یا علی
وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا
فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین
بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا
تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السموٰت وما فی الارض
من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین
ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون الا بما شاء
وسع کرسیہ السموٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما
وھو العلی العظیم

نورنگ دروازہ رائچور

اندرونی حصہ نورنگ دروازہ

کچہری ضلع رائچور

مسجد کے شمالی دروازے پر جو لب سڑک ہی دہلیز کے اوپر یہہ کتبہ ہی:-

مشو نومید از فضل الٰہی
اگرچہ بد فعال و پر گناہی

بہاؤ الدین کی مسجد سنہ ۹۱۶ھ | چوک کی مسجد سے سو قدم آگے لب سڑک یہہ خام مسجد ہی جس کی چھت چوبی ہی - اس کے صحن میں یہہ کتبہ رکھا ہوا ہی قیاس غالب ہی کہ یہہ کتبہ اس مسجد کا نہیں ہی کیوں کہ یہہ مسجد اول تو کچی دوسرے چھوٹی غالباً چوک کی مسجد کا ہوگا اب ٹئوں ہال میں رکھوا دیا گیا ہی -

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا قَدْ رَفَعَ ھٰذَا الْمَسْجِدَ الشَّرِیْفِ فِیْ عَہْدِ خِلَافَۃِ السُّلْطَانِ الْاَعْظَمِ الْمُتَوَکِّلِ عَلَی الْغَنِی شاہ محمود بن شاہ محمد البہمنی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و وزارۃ الخان الملک الاکرم مجلس الرفیع عادلخان بن العادلخان الغازی ابداللہ دولتہ و احسانہ و حکومۃ الملک المکرم شیخ نظام الدین احمد بن شیخ برہان الدین الکرمانی ابداللہ برہانہ و من فاز ببنیانہ الامیر رمضان حسین بن یاسر بن ابراہیم التستری دام توفیقہ سنۃ شہور ستۃ عشر تسع مائۃ الہجریۃ المصطفویۃ والحمد للہ الاخر کتبہ الراجی الی اللہ الغنی حسین بن یوسف الیزدی عفی اللہ عنہ

محبوب گنج | اس گنج کی بنیاد مولوی حاجی حافظ سید احمد حسن صاحب دہلوی تعلقہ دار وقت نے ڈالی تھی اور راجہ رائے للتا پرشاد صاحب کے عہد میں تکمیل ہوا - خوشنما گنج ہی جس کے وسط میں دو منزلہ تھانہ پولیس کا بنایا گیا ہی اور دائرے کی شکل پر اطراف میں دکانیں ہیں -

لوزنگ دروازہ | لوزنگ دروازہ اور اُس کے متعلق مکانات بیرونی قلعہ کی شمال رویہ فصیل سے لگا ہوا ہی اس میں کئی دروازے ہیں - لوزنگ دروازے اور اُس کے اندرونی حصہ کے دو فوٹو ملاحظہ طلب ہیں تیسرا فوٹو اس پلیٹ پر ضلع کی کچہری کا ہی -

(۱) پہلا داخلی دروازہ جو شمال کی طرف ہے اس کی چھت پختہ سنگین سلوں کی ہے اس کے آزو بازو چھوٹی چھوٹی پختہ کمانیں ہیں جو جوانوں کی نشست گاہ تھی۔ اس دروازہ سے گزرتے ہی دس قدم کے فاصلہ پر دو دروازے اور ہیں ایک مغرب کی جانب فصیل کی دیوار میں بنایا گیا ہے جو پر کوٹہ اور خندق میں جانے کے لئے بنایا گیا ہے۔ دوسرا مشرقی جانب کو۔ جو نورنگ مکان میں داخل ہونے کا ہے۔ یہ دروازہ بعینہ گنبد کی شکل کا ہے اور چھت بھی گنبد کی وضع کی بہت بلند اور خوش نما ہے "مکان نورنگ" چاروں طرف لداؤ کمان دار مکانات ہیں۔ کمانوں کی پیشانی پر دوہرا واسمہ لگایا گیا ہے۔ پہلے واسے پر پھول پتیاں نقش و نگار نہایت نفاست سے بنایا گیا ہے اور دوسرے واسے پر مجلس رقص و سرود و برہنہ تصویریں کھدی ہوئی ہیں اور کمانوں کے نیچے جو زینہ کا پتھر ہے اس پر مچھلیوں کی تصویر ہے۔

اس احاطہ کے اندر دو دروازے ہیں ایک مشرق کی طرف جو پر کوٹہ میں جانے کا ہے دوسرا دروازہ شمال کی جانب یہ دروازہ نہایت خوب صورت اور عالی شان لداؤ کا ہے اور خندق میں جانے کا راستہ ہے جس کی دونوں جانب وسیع لداؤ کی کمانیں ہیں جن میں دو دو ستون ہیں یہ دروازہ زمانہ عمل کمشنری میں جلا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے پیشانی کا پتھر چٹخ گیا ہے اور مخدوش حالت ہونے سے دیوار چن کر بند کر دیا گیا ہے۔ نورنگ دروازے سے باہر نکلتے وقت دو اور دروازے پٹاؤ کے ملتے ہیں جن میں سے ایک پر کوٹہ پر جاتا ہے اور دوسرا خندق میں۔ آخر الذکر دروازہ بھی عمل کمشنری میں جلا دیا گیا تھا جس کی ساری چھت جابجا سے کھنڈ گئی ہے۔ نواب لیاقت جنگ بہادر اول تعلقدار نے چھت کی حالت مخدوش دیکھ کر اتروا دی اور پتھر نیلام کر دئے۔ اب اس دروازے کے بالائی حصہ کی کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ رائے للتا پرشاد صاحب اول تعلقہ دار نے خندق پر پل بندھوا کر سڑک نکال دی ہے۔ قلعہ کے تمام دروازوں میں کیا بلحاظ عظمت اور کیا بلحاظ صناعی کے باوجود ایں ہمہ تباہی و بربادی نورنگ دروازہ اب بھی قابل دید ہے۔

سات کچہری پہلے ضلع کی کچہری قلعہ کے اندر ایک مینار کی مسجد اور ڈاک خانے کے درمیان اس مکان میں تھی جہاں اب برنچ اسکول ہے۔ رائے للتا پرشاد صاحب تعلقہ دار

نے لال پہاڑی کے مرتفع ٹیکڑے پر شہر رائچور کے مغرب میں اور قلعہ کے شمال میں ایک عالی شان عمارت کچہری کی بنوانا شروع کی جس کی تکمیل نواب لیاقت جنگ بہادر تعلقدار ضلع کے عہد میں ۱۳۰۷ء میں ہوئی۔ اس عمارت میں مختلف کچہریاں یکجا ہیں مولوی زین العابدین صاحب بلگرامی تعلقدار کے زمانے میں تین کمرے اور اضافہ کئے گئے اور میرے وقت میں عدالت دیوانی کی اجلاس اور کچہری کی عمارت بجانب مشرق جدید طیار کی گئی اور ابھی سلسلہ عمارات کا جاری بھی ہے۔ یہ کچہری ایسے اچھے موقع پر بنائی گئی کہ چاروں طرف سے کوسوں سے نظر آتی ہے۔ اس میں لٹینگ کنڈکٹر (بجلی سے محفوظ رکھنے کا تار) بھی نواب فرامرز جنگ بہادر کے عہد میں لگایا گیا ہے اور میرے خیال میں عمل کشنری کی بنی ہوئی دو کچہریوں سے جو لنگسگور اور عثمان آباد میں بڑے وسیع اسکیل پر بنی ہوئی ہیں ضلع رائچور کی کچہری کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ بلحاظ خوش نمائی اُن سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے تحصیل کچہری - صدر پٹہ خانہ - ویرہنچ - ایمن کچہری - مڈل سکول زنانہ سکول - ڈاکٹر خانہ یہ سب مکانات اندرون آبادی ہیں جہتم صاحب آب پاشی کی جدید کچہری ضلع کی کچہری کے پاس ہی بنی ہے۔

سٹاف بنگلہ کچہری کے سامنے رائے للتا پرشاد صاحب نے معزز مہمان سرکاری اور عہدہ داروں کے واسطے بنوایا تھا مگر اب وہ کرایہ پر دے دیا گیا ہے۔

محبوب چمن سنہ ۱۲۹۰ف میں نواب یار جنگ بہادر صوبہ دار نے عمل کشنری کے باغ کو از سر نو رونق دی اور ریل کی سڑک کے متوازی بہت وسعت دے کر ایک بیگھہ زمین میں باغ بنوایا اور محبوب چمن نام رکھا - وسط باغ میں ایک نہایت خوش نما بنگلہ بنوایا جو نہایت دل کش اور ٹھنڈے مقام پر واقع ہے جہاں قریب میں باؤلی عمل کشنری کی ہے اور نہایت خوش نما چمن لگا ہوا ہے۔ ریل کی سڑک بالکل اس بنگلے سے ملی ہوئی ہے - اس بنگلہ کا نام محبوب منزل ہے - خاص خاص عہدہ دار اور مہمان سرکاری اس بنگلہ میں فروکش ہوتے ہیں جو ہر طرح فرش فرنیچر سے آراستہ ہے۔

کلب یہ بھی رائے للتا پرشاد صاحب کی بنائی ہوئی دو منزلہ عمارت لب سڑک ہے جو بیادگار سالگرہ مبارک حضرت غفران مکاں بنائی گئی تھی اور جس کا بڑا ہال سر جی بلوڈن

رزیڈنٹ کی تشریف آوری کی یادگار میں بعہد نواب لیاقت جنگ بہادر بنوایا گیا - یہ کلب درحقیقت محبوب چمن کے احاطہ میں واقع ہے - نواب فرامرز جنگ بہادر نے ایک وسیع حوض بنواکر کلب کی رونق اضعافاً مضاعفہ بڑھا دی - اس کلب میں ہر قسم کی سیر و تفریح کا سامان موجود ہے - مختصر سی لیبریری ہے - بلیرڈ ٹیبل ہے - ٹینس اور بیڈمنٹن کورٹ ہیں - کٹش لیسٹ کا سامان ہے مختلف اُردو اور انگریزی کے اخبار بھی آتے ہیں - ہر قسم کے جلسے اور تقاریب یہیں ہوتے ہیں - تمام سامان دعوت برتن اور کراکری (چھری کانٹے وغیرہ) موجود ہے - متعدد ٹبلر اور لوائے ملازم ہیں - شام کو اکثر عہدہ داران کا یہاں مجمع ہوتا ہے - نواب لیاقت جنگ بہادر کے زمانے میں کلب کی بڑی رونق تھی اُن کو خاص مذاق تھا ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند میلش اندر طبع او انداختند

اب وہ بات نہیں مگر پھر بھی غنیمت ہے کہ چلا جاتا ہے -

اسٹیشن کی مسجد جب رائے للتا پرشاد صاحب نے بیرون شہر اسٹیشن کی سڑک کی دونوں جانب خوش نما بنگلہ جات بنوائے تو اُس کے ساتھ ہی ایک مسجد کا پایہ بھی ڈالا جو ناتمام رہ گئی ہے - بعد میں برہان الدین منشی سمستان گدوال نے حسب وصیت والدہ خود اُن کے زر مہر سے اس کا اکثر حصہ بنوا دیا تھا جو باقی رہ گیا تھا وہ شیخ احمد صاحب انسپکٹر ریلوے نے اپنے ذاتی صرفہ سے بنوایا - اس مسجد کا طول وعرض ۱۵ فٹ ۱۰ انچ × ۱۵ فٹ ۳ انچ ہے اور پیشانی پر "عَجِّلُوْا بِالصَّلوٰۃِ قَبْلَ الْفَوْتِ" لکھا ہوا ہے -

عیسائی مشن یہاں دو مشن ہاؤس ہیں ایک متصل ریلوے اسٹیشن رومن کیتھولک کا ہے جہاں ایک پختہ گرجا اور کانونٹ (خانقاہ) ہے جس میں لڑکیاں اور کم عمر لڑکے یورپین طرز پر تعلیم پاتے ہیں - دوسرا امریکن میتھوڈسٹ کا ہے اس کے متعلق بھی ایک لاوارث لڑکوں کا مدرسہ ہے -

دیگر عمارات لب سڑک راجۂ گدوال کا بنگلہ اور باغ - پولیس اسٹیشن - کچہری امین کروڑگری - مسافر بنگلہ وغیرہ عمارات ہیں -

ریلوے اسٹیشن آخری عمارت ہے - یہ اسٹیشن بہت بڑا ہے - جی - آئی - پی ریلوے کا

ٹرمنس ہے اور مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اسٹیشن پر وسیع ویٹنگ روم اور رفرشمنٹ روم موجود ہیں۔ اسٹیشن کے سامنے ہی مسافر بنگلہ اور بازار ہے۔ اسٹیشن کے باہر دھرم سالے موجود ہیں اور مسلمانوں کا مسافر خانہ بھی ہے

دیول ونکٹ ماروتی ایک مشہور اور بہت بڑا دیول ہے جس کو ہنومان کا دیول بھی کہتے ہیں۔ قصبۂ رائچور کے مشرقی محلہ گاجگار سیٹ میں ہے۔ جس کی عمارت قدیم پختہ اور سنگ بست ہے۔ اس کی جاترا بھی سالانہ ہوتی ہے اور رتھ کشی ہوتی ہے اور ہزارہا ہنود جمع ہوتے ہیں۔ اسی کے قریب ایک اور دیول مگر ذرا اس سے چھوٹا قدیم زمانے کا ہے جسے ننکوٹ ہنومان کہتے ہیں۔

رام سرائے ونکٹ ماروتی کی جاتریوں کے آرام کے لئے چندہ اور لوکل فنڈ سے یہہ عمارت بنائی گئی تھی جو اب کس مپرسی کی حالت میں ہے۔

باغ دار اجاہ رائچور کی آبادی کے مشرقی جانب نواب ذوالفقار الدولہ داراجاہ (فرزند نواب بسالت جنگ نے جن کو میر نظام علی خاں مغفرت مکان کے خویش تھے) نے اپنی عہد حکومت میں یہ باغ بنوایا تھا جس کے اب صرف کچھ درخت اور آثار باقی رہ گئے ہیں اور دو باؤلیاں سنگ بست ہیں اور کچھ چھوٹے چھوٹے مکانات ہیں۔ آپ کا مزار اسی میں ہے آپ کے انتقال کے (۳۲) سال بعد گلاب سنگھ جمعدار نے جو رائچور کے عامل تھے مزار پر چوکھنڈی بنوا کر یہہ کتبہ دروازے پر نصب کرا دیا ہے۔

بنود روضہ زروز غروب داراجاہ ۱۲۰۸ھ	نکرد عاملی از سی دو سال تعمیرش
گلاب سنگ جمعدار صاحب ہمت	بنا نمود زدل وہ بحسن تدبیرش

مسجد کٹ کالوہ یہ مسجد بہت چھوٹی سی ایک کمان کی کٹ کالوہ میں واقع ہے۔ طول عرض ۲۰×۱۲ فیٹ اس پر یہ کتبہ ہے عذراجا نے رضا بی بی کون تھیں غالباً انھوں نے یہ مسجد اپنے مکان کے متصل بنوائی ہوگی۔ العلم عند اللہ

مکانِ رضا بی بی

سنہ ۱۱۱۲ھ

سڑکیں سڑکیں یہاں کی سب موسم کی ہیں لیکن بلحاظ کثرت ٹریفک جب تک شل کی نہ ہوں آئے دن کا کھڑاگ ہی۔ سڑکوں کے دورویہ قنادیل کی روشنی ہوتی ہی۔ عملۂ صفائی و آبپاشی و نگہداشت سڑک وافر موجود ہی۔ سڑکوں پر چھڑکاؤ ہوتا ہی راتوں کو روشنی ہوتی ہی اسٹیشن سے بستی کے باہر باہر جو سڑک خاص باؤلی پر سے شہر میں گئی ہی وہ فرام روڈ سے موسوم ہی کہ فرام جی صاحب المخاطب بہ نواب فرازجنگ بہادر اول تعلقہ دار کے عہد میں بنی تھی۔ ایک سڑک ڈاک خانے کے بازو سے سیدھی ضلع کی کچہری کو حال میں نکالی گئی ہی جو بلگرام روڈ کہلاتی ہی کہ مولوی سید زین العابدین صاحب بلگرامی (فرزند مولوی سید حسین صاحب بلگرامی نواب عماد الملک بہادر) تعلقہ دار کے وقت میں بنی تھی۔

کارخانجات رائچور میں کئی کاٹن اور جننگ پریس ہیں جن میں سے یہ مشہور ہیں۔ رین پریس۔ سبھاپتی پریس۔ کھیم راج راٹھی پریس۔ فتح چند گرد ہاری لال پریس۔ چھاؤنی فقیر پا پریس۔ دائیمس کمپنی کا پریس۔ رالی برادرز پریس۔ والکارٹ برادرز ایجنسی۔ کارخانۂ دباغت چرم۔ روشن کمپنی دھونی

مصنوعات رائچور کی دو چیزیں زیادہ مشہور ہیں ایک سلیپر ہیں جو نہایت سبک نازک اور نرم ہوتی ہیں ایسی کہ جیب میں تہ کرکے رکھ لو۔ یہ لال سنہری اور روپیلی چمڑے کی بنتی ہیں۔ دوسرے مٹی کی صراحیاں۔ پیالے اور چلمیں۔ جن پر سنہری کام نہایت نفاست سے کیا جاتا ہی۔

آب نوشی کی قلت رائچور ضلع کا ضلع ہمیشہ امساک باراں کا شکار رہتا ہی اگرچہ رائچور کی دونوں جانب بڑے دریا کرشنا اور تنگ بھدرا قریب میں ہی ہیں اور اسی وجہ سے دوآبہ کہلاتا ہی مگر وہی مثل ہی کہ کوئیں کے پاس پیاسا۔ بستی کی باولیاں تالاب موسم گرما میں سب خشک ہو جاتی ہیں۔ ایک آدہ باؤلی میں کچھ پانی رہ جاتا ہی تو وہ اتنے بڑے شہر کے لئے کیا کفایت کر سکتا ہی۔ عرصے سے

دریائے کرشنا سے پانی لانے کی سکیم زیر غور ہے خدا وہ دن جلد لائے کہ تشنہ دہان اہالیانِ رایچور سیراب ہوں۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے تو پانی سے ہی ساری خلق خدا کو زندہ رکھا ہے۔

چھاؤنی رایچور رایچور کنٹونمنٹ۔ رایچور سے (۵) میل کے فاصلے پر کنٹجنٹ فوج انگریزی کی چھاؤنی بہ مقام موضع یرمرس تھی۔ یہ چھاؤنی ۱۲۸۰ھ میں لنگسگور سے اُٹھ کر یہاں آئی تھی۔ ۱۳۱۲ف میں ملک امانی براڑ سرکار انگریزی کے تحویل کر دینے سے یہ چھاؤنی ٹوٹ گئی بیشتر بنگلے خالی پڑے ہیں اب رایچور ضلع کا سوپرنٹنڈنٹ پولیس یہاں رہتا ہے اور سرکار عالی کے رزرو پولیس کا ہیڈکوارٹر ہے۔

بزرگانِ دین

ملک دکن جس میں رایچور شامل ہے سارا کفرستان تھا۔ حضرت زرزری زربخش قدس سرہٗ کے ساتھ اکثر اولیا اللہ اس ملک میں تشریف لائے اور وہیں سے چوطرف بزرگانِ دین پھیل گئے۔ حضرت صوفی سرمست (جن کا مزار سگر تعلقہ شورا پور میں ہے) اور حضرت شیخ سالار صاحب امام الاولیاء اور حضرت شیخ یونس صاحب بخشی اولیا اور حضرت شیخ احمد علم بردار وغیرہ اولیای کرام رایچور میں تشریف لائے اور ضلالت کفر کو روشنی ایمان سے منور کر دیا۔ اِن میں سے بہت سے بزرگانِ دین نے جام شہادت نوش فرمایا اور قلعہ کے اطراف جابجا دروازوں اور فصیلوں کے پاس آسودہ ہیں۔

پنج بیبیاں پنج بیبیوں کا مختصر ذکر اوپر آچکا ہے۔ اِن کو مرتبۂ طیر حاصل تھا۔ راجہ ہوڑا کے زمانے میں سب سے پہلے رایچور آکر قلعۂ ارک کے پہاڑ پر جہاں ایک دیول تھا اور جہاں اب بیل کا سر ٹوٹا پڑا ہے رہنے لگیں۔ چندابی۔ گونگی بی۔ زچہ بی تین بیویاں اور ان کے بھائی چندہ حسینی اور اُستاد شیخ روانی اس طرح پانچ تن آئے تھے۔ اِن کے مزار اسی پہاڑ پر ہیں اور چندہ حسینی صاحب کی گھوڑی کا مزار بھی وہیں ہے۔ مزار کے پاس جو درخت نیم کا ہے اُس پر منت مراد والی عورتیں

دھجیاں اپنے کپڑوں کی پھاڑ پھاڑ کر باندھتی ہیں۔ مشہور ہے کہ پہلے اس درخت میں سے شکر جھڑتی تھی اب صرف آدھے درخت کا پتہ میٹھا ہونا کہا جاتا ہے۔

شاہ ابوطٰہ حسینی آپ قدیم بزرگ صاحب کشف و کرامات مشہور ہیں۔ آپ سے ایک بڑے گوسائیں سے مقابلہ ہوا جو آخر کار آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر آپ ہی کے بائیں میں دفن ہے۔ واڑی سے رایچور آتے ہوئے بائیں ہاتھ کو سب سے پہلے سرحد رایچور میں ریلوے لین سے بالکل ملا ہوا آپ ہی کا گنبد ہے جہاں اور بہت سے لوگ بھی دفن ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ سالار صاحب آپ شاہ نصیرالدین چراغ دہلی کے بھانجے ہیں آپ امام الاولیاء کے نام سے مشہور ہیں آپ جامع مسجد قلعہ میں متصل دیوار شرقی آسودہ ہیں کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ دیول تھا اب وہاں رہنے سے راجگان ہنود نے چھوڑ دیا۔ عرس ۲۱ رجب کو ہوتا ہے۔

حضرت شیخ میاں صاحب حضرت شیخ سالار صاحب کے بھائی ہیں۔ آپ کا مزار قلعہ کے جانب مغرب پنج بیبیوں کے پہاڑ کے دامن میں صحن مسجد کی ٹانکی کے پاس ہے۔ وہیں ایک گوی بھی ہے جس میں آپ چلہ کشی کرتے تھے۔ عرس ۲۱ رجب کو ہوتا ہے۔

حضرت شیخ یونس و سید احمد صاحبان بخشی اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ قدیم زمانے میں یہاں تشریف لائے تھے۔ اندرون قلعہ آثار شریف کے صحن میں مدفون ہیں اور یہیں حضرت سید احمد صاحب ایک اور بزرگ بھی آسودہ ہیں۔

حضرت شیخ علی صاحب شہید آپ بھی قدماسے ہیں۔ کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے سر بہ قبلہ جانب مغرب اندرون احاطہ باغ بائین دیوار مسجد جانب شمال مدفون ہیں۔ نواب دارا جاہ کے وقت میں کسی مولوی صاحب نے سر بہ قبلہ مزار پر اعتراض کیا اور قطب رویہ بنوا دیا دوسرے ہی دن خود بخود قبلہ رو ہو گیا۔

حضرت شاہ کمل پوش صاحب پنج بیبیوں کے پہاڑ کے پاس عام تالاب کے کنارے جنوب رخ ایک چھوٹے سے پہاڑ میں مدفون ہیں۔

حضرت پیر بانے صاحب آپ بھی قدیم بزرگ ہیں آپ کا مزار کاٹی دروازے میں

مقبرے میں ہے۔ ۶ شعبان کو عرس ہوتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ جس کسی کو سول کا درد ہو تین مرتبہ آپ کے مزار کے گرد پھرنے سے جاتا رہتا ہے۔

حضرت پیر علاء الدین صاحب آپ بھی قدما سے ہیں اور کاٹی دروازہ کی شرقی دیوار سے ملا ہوا آپ کا مزار ہے۔ مزار کے پاس پیلو کا درخت ہے جس سے پہلے شکر جھڑتی تھی عمل انگریزی سے موقوف ہے۔ ۱۶ رجب کو عرس ہوتا ہے۔

حضرت شاہ میر حسن و میر حسین صاحبان اوپر ذکر آچکا ہے۔

حضرت شیخ احمد صاحب علم بردار شاہ کریم اللہ صاحب آپ کا مزار قلعہ کے جانب شمال لال پہاڑی کے پاس مقبرۂ کریم اللہ صاحب کے پاس ہے۔ چوتھیا بخار جسے آتا ہو گر وہ چار یاریوں تک مزار شریف پر جا کر طواف کرے تو بخار جاتا رہتا ہے۔ تاریخ عرس ۱۱ شعبان۔ یہیں شاہ کریم اللہ صاحب کا مزار بھی گنج شہیداں میں ہے ۱۶ رمضان شریف کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت پیر پٹولا صاحب حضرت سید شاہ ابدال حسینی صاحب عرف پیر پٹھولہ آپ کا مزار اندرون قلعہ دروازے کے پاس چھوٹے سے گنبد میں ہے۔ اب جہاں آپ کا مزار ہے وہاں ہنومان کا دیول تھا آپ نے بت کو پھینک کر یہاں قیام کیا چنانچہ وہ بت اب تک عام تالاب میں پڑا ہے۔ تاریخ عرس ۱۲ رجب۔ آپ کے ہمراہیاں نعمت اللہ شاہ اور میر اکشن کے مزار بھی آپ کے پائیں میں چبوترے پر ہیں۔

حسن شاہ حسن صاحب غوری مجذوب آپ کا مزار اندرون قلعہ جانب مغرب متصل فصیل ہے۔ اگر کسی گھوڑے کو کری اُٹھے تین بار مزار کے گرد دوڑانے سے جاتی رہتی ہے۔

حضرت سید پیر قابل و حضرت معصوم پیر صاحبان آپ لمبا بزرگ تھے۔ ذکر ارّہ فرماتے تھے جس میں سر تن سے جدا ہو جاتا ہے ایسی حالت میں آپ کو کسی نے دیکھ لیا ویسے ہی جاں بحق ہوئے اور اسی طرح تن اور جسم جدا جدا قلعہ کے باہر لشکر بازار میں ڈھونڈی کی مسجد کے پیچھے ایک محاط مقبرہ میں مدفون ہیں۔ تاریخ

عرس ۲۴ر شعبان۔ حضرت معصوم پیر صاحب بھی اسی مقبرہ کے احاطہ میں بجانب شرق آسودہ ہیں حالات آپ کے کچھ معلوم نہیں۔

حضرت شاہ سیلانی صاحب وغیرہ قلعہ سے بجانب مغرب سیلانی دروازے کے محاذی مسجد کے پاس آپ کا مزار ایک گنبد میں ہے۔ ۱۱ر رجب کو عرس ہوتا ہے۔ حالات معلوم نہیں۔ یہیں شاہ ہنگرؒ صاحب اور شاہ کھپرؒ دونوں سربہ قبلہ ایک ہی جگہ سیلانی دروازے کی فصیل کے پاس مغرب کی جانب دفن ہیں۔

حضرت سید شاہ شمس عالم صاحب حسینی ۸۹۲ھ رائچور کے بزرگان دین میں آپ کا نام مثل آفتاب کے روشن ہے آپ بڑے بزرگ اور صاحب کشف و کرامت ہیں حضرت کی درگاہ بیرون آبادی رائچور بجانب مشرق یرمرس کی سڑک پر بائیں ہاتھ کو واقع ہے۔ آپ کا عرس شریف بڑی دھوم دھام رونق و احتشام سے ہر سال ۱۵ر صفر کو ہوا کرتا ہے۔ اس عرس کے لئے ایک دن کی مقامی تعطیل بھی سرکار کی منظورہ ہے۔ جناب رای للتا پرشاد صاحب سابق اول تعلقدار ضلع ہذا حال ناظم سیٹلمنٹ نواب سالار جنگ بہادر نے رائچور کے واسطے وہ کیا جو نواب یار جنگ بہادر (اکرام اللہ خاں صاحب مرحوم کاکوروی) نے گلبرگہ کے لئے۔ نواب برز و جنگ بہادر نے نظام آباد کے لئے۔ نواب فرامز جنگ بہادر نے ورنگل کے لئے یعنی جنگل میں منگل کر دیا۔ اُجڑی ہوئی بستی کو گلزار بنا دیا۔ رای صاحب از بس حضرت شمس عالم صاحب کے معتقد تھے آپ نے درگاہ شریف کی شان دار کمان اور نوبت خانہ کے علاوہ درگاہ کے محاذی عالم سرائے بھی بنوا دی جو ایک بہت بڑا وسیع پیویلین ہے جس میں عرس کا جلسہ ہوتا ہے۔ درگاہ کے عود و گل کے لئے للعہ ۲۳ کہنہ اراضی انعام محاصلی ع۵ سالانہ ہے اور نواب سر وقار الامراء جنت مکان نے سجادہ صاحب درگاہ کے نام ع۵ ماہانہ مقرر کر دیا ہے۔ سنہ ۱۳۰۱ھ میں حضرت نواب میر محبوب علیخاں بہادر غفران مکان اور سنہ ۱۳۰۱ھ میں سر آسمان جاہ بہادر اور ۱۳۰۴ھ میں سر وقار الامراء بہادر اور پھر مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یہاں رونق افروز ہوئے اور حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شمس عالم صاحب سید شاہ جلال الدین عرف چندہ حسینی صاحب قدس سرہٗ کے فرزند رشید اور حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے خالہ زاد بھائی ہیں جن کا مزار مبارک قصبہ گوگی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ شریف میں ہے۔

آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد بزرگوار سے تھی آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۵ صفر سنہ ۸۹۲ھ میں نقل مکان فرمایا جس کی تاریخ "بے شک شمس عالم بود اوہ" (۸۹۲ھ) ہے - اور بروایتے آپ کا وصال سنہ ۸۹۸ھ میں ہوا جس کا مادہ تاریخ "شمس عالم از دو عالم بردہ گو ہے" (۸۹۸ھ) - آپ کی درگاہ پر کسی قسم کا کتبہ نہیں ہے -

آپ ہمیشہ عالم استغراق میں رہا کرتے تھے - یوں تو آپ کے مکاشفات اور کرامات بہت ہیں مگر مختصر اہم چند حالات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں - **نقل** ہے کہ جب آپ اپنے والد بزرگوار کے پاس گوگی میں تھے تو آپ نے اپنے والد کے وضو کے لئے پانی رکھا اتفاقاً کوّے نے چونچ ڈال دی - حضرت کے والد نے فرمایا کہ کوّے نے پانی پی لیا ہے بدل دو - آپ نے عرض کی کہ آپ کے وضو کا پانی اور کوّا پی لے اور زندہ رہے! آپ کی زبان سے یہہ فقرہ نکلتے ہی کوّا زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا - یہہ واقعہ دیکھ کر آپ کے والد ماجد نے فرمایا کہ اب تم کو اجازت ہے کسی اور مقام پر جا کر رہو - **نقل** ہے کہ آپ کو رخصت کرتے وقت آپ کے والد نے آپ کو دو تاڑ کے پھل دئے اور کہا کہ یہہ لے جاؤ اور جہاں رات کو ٹھیرو ان کو دیکھ لینا اگر ان میں کوبلیں پھوٹیں تو سمجھ لینا کہ وہی تمھارا مستقر ہے ورنہ آگے بڑھنا - آپ گوگی سے چل کر منزل بہ منزل ٹھیرتے ہوئے جب رائچور تشریف لائے تو دیکھا کہ یکایک پھلوں میں کوبلیں نکل آئیں اور یہیں مقام کیا اور ان پھلوں کو بو دیا چنانچہ بڑے بڑے درخت ہو گئے تھے جو تین پینتیس سال کا عرصہ ہوا کہ بجلی گرنے سے جل گئے مگر نشان اُن کے اب تک باقی ہیں - **نقل** ہے کہ آپ عالم استغراق میں ایک نیم کے درخت کے تلے تشریف فرما تھے کہ وہاں سے حاکم وقت کی بیوی کا گزر ہوا دیکھا تو آپ نہایت شکیل اور حسین تھے مگر آگے کے دو دانت بہت بڑے تھے - عورت کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہہ شخص ہے تو خوب صورت مگر دو دانت باہر نکلے ہوئے کیسے بُرے لگتے ہیں وہ ابھی مکان تک نہ پہنچی تھی کہ اُس کے سب دانت گر پڑے - عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ فلاں مقام پر ایک فقیر بیٹھا ہوا تھا - میں نے حقارت سے دل میں اُن بزرگوار کے دانتوں کو نام دھرا جس کی وجہ سے میرے سارے دانت گر گئے اور مع حضرت کے پاس حاضر ہو کر زار و نالہ کرنے لگی اور نہایت منت و سماجت سے خواہانِ عفو تقصیر ہوئی آپ نے فرمایا اچھا وہ

گرے ہوئے دانت اپنے منہ میں ڈال لے ڈالتے ہی جیسے کہ ویسے ہوگئے - یہ جورو مرد دونوں حضرت کے ازحد شیفتہ ہوگئے اور انھوں ہی نے آپ کی درگاہ اور ایک نہایت خوش نما مسجد وخانقاہ بنوائی ہے اور ایک باؤلی بھی کھدوادی - درگاہ شریف کے احاطہ کے باہر اور بہت سی قبریں ہیں اور مسجد سے ملا ہوا ایک پتھر کی سلوں کا وسیع دھرم سالہ ہے جو ہندوانی وضع کا ہے -

حضرت سید جلال صاحب ڈونگری حضرت سید جلال صاحب کوہ نشین کا چلہ رایچور کی بستی کے باہر مشرق وشمال کے گوشہ میں جو بڑا پہاڑ ہے اُس پر ہے - مسجد کے صحن میں چبوترے پر آپ کا مزار ہے اور مکان کے اندر آپ کے اُستاد حضرت شاہ حسین کی قبر ہے - یادگیر سے مغرب رخ بھیماندی کے اُس پار تعلقہ شاہ پور میں موضع گلسرم میں حضرت جلال الدین صاحب ڈونگری (ڈونگر یعنی پہاڑ وبیابان) برادر زادہ حضرت شمس عالم کا مزار ہے - سید جلال الدین صاحب اپنے چچا شمس عالم صاحب کی زیارت کو رایچور تشریف لاے تھے تو اس پہاڑ پر چلہ کشی فرماتے تھے اس سبب سے یہ جلال صاحب کا پہاڑ مشہور ہوگیا - آپ کے اُستاد کا انتقال ہونے سے وہیں دفن ہوئے اور حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے معتقدین نے آپ کا چلہ پہاڑ پر بنا دیا - آپ کا عرس ۲۴ ذی قعدہ کو ہوتا ہے -

حضرت کمل پوش صاحب آپ کا مزار رایچور کی بستی کے شمال رُخ آبادی سے تھوڑی دور شمس عالم صاحب کی درگاہ اور سید جلال صاحب کے پہاڑ کے درمیان ایک ویران مسجد کے صحن میں واقع ہے - وہاں اور شہدا کی قبریں بھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی قدیم بزرگ ہیں لیکن حالات کچھ معلوم نہیں - اسی نام کے ایک دوسرے صاحب بھی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے -

وہ بزرگان دین جن کے حالات معلوم نہیں

نام	مقام دفن
حضرت شیخ روحانی	کوہ پنج بیبیاں کے پاس قلعہ کے برج سے ملا ہوا -

نام	مقام دفن
حضرت کملی پوش	کوہ پنج بیبیاں کے پاس عام تالاب کے کنارے جنوب رخ ایک چھوٹی سی پہاڑی میں۔
حضرت سید شاہ احمد	سیلانی دروازے کے پاس لب سڑک جانب شمال۔
حضرت ولی پیر	لشکر بازار میں لب سڑک حضرت پیر قابل کے مقبرہ کے جنوب میں صرف قبر کا تعویذ باقی ہے۔
حضرت شیخ برہان شہید	جامع مسجد اندرون قلعہ سمت جنوب کی قبروں میں ایک قبر آپ کی بھی ہے۔
حضرت پیر گدائی	قلعہ میں قاضی صاحب کے مکان کے پاس شمال رخ۔
حضرت اللہ غنی	نورنگ دروازے کے قریب بیرونے مسجد۔
حضرت شاہ یحییٰ	عیدگاہ کے پاس۔

تذکرہ بزرگان متاخرین حضرت سید شاہ معروف قمیصی القادری۔ آپ حضرت سید شاہ قمیص ابن ابی الحیات قدس سرہ کے فرزند ہیں جن کا مزار ساڈھورا ضلع انبالہ میں ہے آپ جناب غوث الصمدانی میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں آپ سب سے پہلے اپنے خادموں کو ہمراہ لئے ہوئے موضع کاڈلور میں تشریف لائے جو رائچور سے دس میل ہے وہاں کا دیول ویران کر کے قیام فرمایا۔ آپ کا مزار بستی کے مغرب میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔ عرس ۲۲ محرم کو ہوتا ہے۔ اسی پہاڑی پر آپ کے فرزند سید شاہ میراں قادری اور سید شاہ حضرت قادری پوتے سید شاہ علی قادری اور سید شاہ قمیص قادری بھی وہیں آسودہ ہیں۔

حضرت سید شاہ معروف سید شاہ علی صاحب کے فرزند ہیں آپ کاڈلور سے رائچور تشریف لائے۔ آپ کا مقبرہ رائچور کی مشرقی جانب ایک پہاڑ پر ہے آپ کا مقبرہ نور محمد صاحب نامی ایک رائچور کے سربرآوردہ صاحب نے سنہ ۱۱۶۶ھ میں بنوایا۔ حضرت کا وصال ۲۲ ذیحجہ سنہ ۱۱۶۵ھ میں ہوا ہے۔ (اسد اللہ الغالب) ۱۱۶۵ھ تاریخ وفات ہے۔

حضرت کے فرزند سید شاہ قمیص قادری جن کا وصال ۴ ر جمادی الاولی ۱۱۸۶ھ میں ہوا اپنے والد ماجد کے پاس آسودہ ہیں - مادہ تاریخ رحلت (زہے آفتاب رفت) ہے - اس کے بعد کا سلسلہ یہہ ہے -

حضرت سید شاہ محمد قادری فرزند سید شاہ قمیص قادری نے تیرہ سال کی عمر میں وفات پائی حضرت سید شاہ عبد الرزاق قادری فرزند دوم سید شاہ معروف قادری - یہ دونوں صاحب ایک بیٹے ایک بھائی بھی اس پہاڑ پر آسودہ ہیں - حضرت شاہ قمیص محی الدین قادری آپ کے فرزند ہیں حضرت قمیص قادری کے جن کی رحلت ۹ ر صفر ۱۲۳۸ھ میں ہوئی تاریخ وصال (فقد گم شد از اعظم الفقرا) ۱۲۳۸ھ ہے اور چھ واسطوں کے بعد یہہ خاندان ۴ ر محرم ۱۳۱۲ھ کو ختم ہوا اخیر بزرگ اس خاندان کے سید وہاب پیر قادری تھے -

---

حاجی الحرمین حضرت شمس الدین سید شاہ حسین البصری القادری - بصرے سے پہلے آپ بیجاپور تشریف لائے اور اورنگ زیب کی فتح بیجاپور کے بعد آپ رائچور تشریف لائے اور موضع ہسور جو رائچور سے ایک میل ہے جاگیر ملی - آپ رائچور میں ہی ایک حجرے میں رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے محلۂ حجرہ اب تک مشہور ہے - بعد نورنگ دروازے کے پاس محلہ کوٹ تلا میں آکر رہے یہہ محلّہ اہل ہنود کا تھا مگر بحکم شاہی آپ کی اقامت کے لئے خالی کر دیا گیا - آپ کا مقبرہ اور ایک مسجد ہسور میں ہی ہے - ۱۵ ر رجب تاریخ رحلت ہے سال نہیں ملا - آپ کے دو فرزند سید شاہ محی الدین قادری اور حضرت سید عبد القادر سبز پوش اور پوتے سید شاہ حافظ حسین (فرزند شاہ محی الدین قادری) شاہ حافظ حسین کے بیٹے سید حسین عرف فقر اللہ یہ سب بزرگ اسی پہاڑ پر آسودہ ہیں - سید حسین کے بیٹے سید خواجہ محی الدین قادری اور پوتے سید فقر اللہ قادری یہہ دو صاحب موضع اُپل پہاڑ میں مدفون ہیں - سید فقر اللہ کے فرزند سید شاہ نبی محی الدین قادری اور ان کے دو صاحب زادے سید شاہ محمد قادری اور سید حسن پیر قادری رائچور میں موجود ہیں -

---

حضرت شاہ محمد قادری نور دریا - حضرت امین الدین اعلی بیجاپوری کے خلیفہ ہیں - ۱۱ ر ذی قعدہ ۱۰۸۵ھ میں انتقال فرمایا رائچور میں ایّا باؤلی کے پاس آپ کا مزار ہے - نور دریا اس وجہ سے

مشہور ہوئے کہ آپ نے ایک دن جانماز کا کونا زور سے دبایا جو تر ہوگیا بعد معلوم ہوا کہ آپ نے ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچایا۔ آپ کا خاندان چودہ پشت کے بعد ختم ہوا۔

حضرت سید شاہ حسن پیر قادری صبغۃ اللہی۔ آپ بیجاپور کے حضرت شاہ صبغۃ اللہ صاحب کے خاندان سے ہیں جو مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں حضرت ابراہیم فرزند حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ مبارک کے پایئں میں دفن ہیں اور آپ وہاں نوّاب رسول اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ بیجاپور سے رایچور تشریف لائے اور پہلے پنج بیبیوں کے پہاڑ کے پاس ایک غار میں تشریف رکھتے تھے اُس وقت نواب بسالت جنگ کا عہد تھا نواب صاحب آپ کو قلعہ میں لائے اور آثار شریف کے محلّے میں اُتارا اور ۲۲ ۱۱ھ میں ایک مکان طیار کروادیا جس کی چوکھٹ پر انّا فتحنا لک فتحاً مبیناً لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ لکھا تھا اب وہ مکان شکست ہوجانے سے یہاں کے آثار شریف کو قدیم آثار شریف میں شامل کردیا۔ آپ کا مزار آثار شریف قدیم کے جنوب میں حضرت شیخ یونس صاحب کے پایئں مدفون ہیں اور کئی واسطوں کے بعد آپ کا خاندان ختم ہوا۔

حضرت سید نور الدین حسینی۔ آپ حضرت سید اشرف جہانگیری سمنائی مصنّف لطائف اشرفی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے اجداد سید شاہ حافظ حسینی اور اُن کے فرزند سید شاہ حمزہ حسینی کا ذکر بہ ضمن بزرگان دین بیجاپور آچکا ہے۔ آپ بھی وہیں سے تشریف لائے اور رایچور میں جنوب رو موضع یرگرہ کے راستے پر عام تالاب کے پاس مدفون ہیں۔ ان کے صاحب زادے سید بدر الدین حسینی اور پوتے سید حمزہ حسینی عرف حسینی پیر بھی یہیں آسودہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ شاہ صاحب۔ مسجد گھٹال واڑی کی پختہ مسجد جو سنجی مسجد کے نام سے مشہور ہے بت خانے کو توڑ کر آپ ہی نے بنوائی ہے۔ سنجی آپ کا غلام تھا۔ اس مسجد کا کام ۲۷ جمادی الاول ۱۱۹۶ھ کو شروع ہوکر بائیس مہینے میں ۱۱ ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ کو تمام ہوا۔ آپ بڑے اہل کمال اور صاحب دعوت تھے آپ اسی مسجد کے صحن میں آسودہ ہیں۔

حضرت بغدادی صاحب۔ بغداد کے ایک بزرگ تھے جو بہ تقریب سیاحت رایچور

میں وارد ہوئے آپ کے ساتھ آپ کی صاحب زادی بھی تھیں۔ آپ حضرت سید شاہ قمیص قادری کے پاس اُترے اور آپ کی دختر نیک اختر کو شاہ صاحب کی اہلیہ کے سپرد فرمایا جو بڑی کاملہ اور عارفہ تھیں اور جو کچھ روپیہ پیسہ آپ کے پاس یعنی چند ہُن تھے وہ بھی دے دیئے کہ اس سے اِس لڑکی کی شادی کر دینا لیکن موت نے مہلت نہ دی خود دنیا سے چل بسے۔ بیٹی اکیلی رہ گئی وہ بھی باپ سے جا ملی۔ باپ بیٹی دونوں ایاّ باؤلی کے پاس میٹھی نیند سو رہے ہیں کہ قیامت تک نہ جاگیں گے

ع کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے۔

بی بی صاحب جو امین تھیں اُنھوں نے وہ پیسہ طلیاری مقبرہ میں لگا دیا۔

حضرت سید مصطفیٰ قادری۔ آپ گلبرگہ شریف سے تشریف لائے آپ سبز پوش کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت شمس عالم صاحب کی درگاہ کے سامنے مشرق کی طرف آسودہ ہیں۔

حضرت سید کریم صاحب قادری۔ آپ مشائخین موضع سالگندہ تعلقہ کُسند ھوڑ کے ہم جد ہیں۔ نواب بسالت جنگ کے عہد میں رائچور تشریف لائے۔ آپ کے اکثر لوگ معتقد تھے اور حکام وقت بھی حسن عقیدت رکھتے تھے۔ پرگرہ کے راستہ پر جو املی بن ہے وہ آپ ہی کا لگایا ہوا ہے۔ پٹھانوں اور مہدویوں سے ۲۷ رمضان (سنہ معلوم نہیں) کو تراویح پر جھگڑا ہوا اُس میں قریب ساٹھ مسلمانوں کے مع آپ کے شہید ہوئے نواب داراجاہ کی طرف سے فوج نے آکر فساد کو فرو کیا اور آپ داراجاہ کے باغ میں دفن ہیں اور پٹھان عام تالاب کے پاس مدفون ہیں جو جزیرہ کہلاتا ہے۔

حضرت سکندر بادشاہ۔ فقیر صاحب کمال تھے آپ کا مزار خواجن گوڑا مستاجر آبکاری کے مکان کے پاس لب سڑک ہے۔

ذکر حکام مقتدر و معززین

نواب طالب محی الدین خاں بہادر۔ آپ ۱۲۰۷ھ میں جب کہ رائچور وغیرہ ملک سرکار آصفیہ کے قبضہ میں آیا صوبہ دار تھے۔ آپ ابوطہ حسینی کے مقبرہ کے مغربی جانب ایک چبوترے پر مدفون ہیں۔

نواب ہدایت محی الدین خاں بہادر۔ آپ نواب میر نظام علی خاں بہادر کے ہمشیرہ زادے ہیں۔ آپ بھی صوبہ دار تھے۔ آپ بھی طالب محی الدین خاں کے پاس ہی مدفون ہیں۔

نواب شجاع الملک بسالت جنگ بہادر۔ فرزند نجمی مغفرت مآب نواب آصف جاہ بہادر کے

کے تحت حکومت رایچور رہا جب آپ کا انتقال ۱۱۹۶ھ میں ادھونی میں ہوا تو نواب داراجاہ حاکم وقت مقرر ہوئے۔

نواب ذو الفقار الدولہ داراجاہ بہادر - نواب بسالت جنگ بہادر کے فرزند ہیں آپ ادھونی اور رایچور کے حاکم مقرر ہوئے - رایچور کے مشرق میں آپ کا باغ اب تک موجود ہے۔ ۱۲۰۵ھ میں آپ نے انتقال کیا اور اسی باغ میں آسودہ ہیں - آپکے بعد آپ کے فرزند نواب غلام حسین خان بہادر مسلط ہوا مگر اُن کی صغر سنی کے سبب سے ابتری ہونے لگی ۱۲۱۰ھ میں نواب میر نظام علی خاں بہادر نے رایچور اور ادھونی خود لے لیا -

رایچور کے مشاہیر میں سے نواب محمد حسین خاں بہادر رگھڈالہ کا ذکر اوپر آچکا ہے - نور محمد صاحب اُس زمانے کے ایک قدیم ذی وجاہت شخص سالگندہ کے متوطن تھے جنھوں نے سید شاہ معروف قادری کا مقبرہ بنوایا ہے - نواب داراجاہ بہادر کے باغ کے راستے پر نور محمد کا بنگلہ اب تک مشہور ہے آپ سید معروف قادری کے پائیں میں مدفون ہیں -

چودھواں ضمیمہ شاہ پور و سگر و گوگی

یادگیر ریلوے اسٹیشن سے ۳۱ میل شورا پور ہے اور وہاں سے ۲۰ میل شاہ پور[۵۱] ہے جو ضلع گلبرگہ کی ایک تحصیل ہے۔ یہاں کا قلعہ بہت مشہور ہے۔ پہلے یہ مقام راجگان کے قبضے میں تھا جس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس زمانے میں اس قلعہ کا نام گنگ درگ تھا اور بعضے پانی درگ بھی کہتے ہیں۔ بعد سلاطین بہمنیہ کا قبضہ ہوا اور پھر علی عادل شاہ نے سنہ ۹۷۵ھ میں اس قصبہ کی بنا ڈالی اور شاہ پور نام رکھا۔ کشور خاں نے اپنے باغ میں ایک چھوٹی سی گڑھی بنائی تھی اُس کو توڑ کر سنہ ۹۷۵ھ میں قلعہ کی تعمیر شروع کی اور سنہ ۹۷۶ھ میں پورا کیا اور قلعہ کا نام نصرت آباد رکھا اور ایک پیٹ عادل پور کے نام سے بسائی جو اب پُرانی پیٹ کے نام سے مشہور ہے اور ایک دروازہ اندرون قلعہ اور ایک برج محمدی سنہ ۱۰۶۷ھ میں تیار کرایا۔ افضل خاں وزیر نے افضل پیٹ آباد کیا اور ایک مسجد بھی سنہ ۱۰۲۳ھ میں بنوائی۔ دولت خاں نے خواص پورہ سنہ ۱۰۳۷ھ میں آباد کیا۔ اس کا خطاب خواص خاں تھا اور یہ بھی بیجاپور کا وزیر تھا۔ شاہ پور اور پُرانی پیٹ کے درمیان ابراہیم پور آباد ہے جسے اب گنّی پیٹ کہتے ہیں۔ یہاں دو قلعے ہیں۔ ایک چھوٹا سا پورانا قلعہ پہاڑ پر ہے جو اس نئے قلعہ کے مغرب میں ہے اور دوسرا جدید قلعہ مشرق میں ہے۔ ان دونوں قلعوں کی لاگت ایک کرور ستاسٹھ لاکھ چوراسی ہزار پانسو پچاس روپیہ چار آنے بیان کی جاتی ہے۔ سنہ ۱۱۱۱ھ میں اس قلعہ پر اورنگ زیب کا قبضہ ہوا اور اب سرکار عالی نظام

[۵۱] شاہ پور۔ سگر اور گوگی کے تاریخی حالات اور کتبات جناب مولوی محمد منہاج الدین صاحب سوم تعلقہ دار ڈویژن شورا پور اور مولوی محمد خیر الدین صاحب تحصیل دار حال تعلقہ شاہ پور و مولوی عبد الحکیم صاحب سابق تحصیلدار شاہ پور جو آپ میرے لائق مددگار رہاں ہیں کی توجہات اور مہربانی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ بلکہ منہاج الدین صاحب نے تو یہاں تک زحمت گوارا کی کہ میرے لئے خود شاہ پور تشریف لے گئے اور کتبات اُتار کر لائے۔ میں ان تینوں صاحبوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ۱۲ من المصنف۔

یہ قلعہ شاہ پور کا نہیں بلکہ نصرت آباد گڑھ ہے ۔

کی مملکت میں ہے۔ زمانۂ سابق میں شورا پور کے راجہ وِنکٹپا نایک نے ۱۲۰۲ھ میں جنگ کرکے قلعہ پر قبضہ کرلیا تھا اور ۱۲۱۳ھ تک وہی قابض رہا۔ آخر سکندر جاہ بہادر بن نواب میر نظام علی خاں بہادر سے خواہاں عفو قصور ہو کر قلعہ حوالہ کر دیا۔ قلعہ مذکور کے پہاڑ میں بہت سے بزرگانِ دین کے مزار ہیں۔ سید سالار مسعود غازی۔ سید بخاری صاحب۔ پیر محمد شمس الدین صاحب وغیرہ اولیاء اللہ آسودہ ہیں۔

کتبہ سنگ دروازہ قلعہ سنہ ۱۰۱۷ھ

فضل خدائے پاک کسے راکہ رہبر است — فتح و فتوح نصرت از بخشش محقر است
کز صبح و شام خلق ہمہ است در دعا — ہر سال نام شاہ جہاں شاہ داور است
در عہد بادشاہ جہاندار داد گر — فیروز شاہ حاکم و پاک و مظفر است
دروازہ طاق طاق درو در جہاں لطیف — فردوس ثانی است کہ مثلش نہ در خور است
بانیِ ایں عمارت دروازہ کوتوال — اعنی فہیم عہد شہنشاہ داور است
از ہجرت پیمبر ہفتصد و دہ بر آں — گشتہ تمام زاں کہ دریں دہر کمتر است
سنہ ۱۰۱۷ھ

عمرش دراز بخش خدایا چو عمر نوح
ایں شاہ را کہ شاہ جہاں بخت یاور است

کتبہ شاہ دروازہ سنہ ۱۰۱۷ھ

بفرمانِ شہ فیروز اعظم — کہ ہست او شاہِ شاہان معظم
زہے فیروز مثل ظل فیروز — رسیدش خدمت اطراف عالم
بنا شد شاہ دروازہ زہے طاق — کہ از وے طاق کسریٰ گشت برہم
مہم فتح سلطانی بنا کرد — کہ ہست او کوتوالِ شہر اعظم
کہ سال ہفتصد و دہ بود تاریخ — شدہ اتمام در ماہِ محرم
ندیم خستہ عین غیر مسکیں ۱۰۱۷ھ — پسندما بخواند خلق عالم

الہا ایں شہر معمور داری
زما در تا کہ زاید نسل آدم

کتبۂ مسجد بالائے کوہ ۱۰۳۷ھ

درزمان شاہ عادل سلطان محمد کامراں — بیتے سنگلیسر شکستہ حسن لقا خورشید خاں
ساختہ مسجد کہ در ماہ محرم باصفا — ہجریہ تاریخ الف وسی و ہفتم شد نشاں
ازبرائے آں کہ شیخ مصطفیٰ ذاتِ شریف — با ولاد و احفادش کہ ایں باشد رواں

قطعہ تعمیر دروازہ قلعۂ نصرت آباد ۱۱۴۱ھ

بحمد اللہ شہر نصرت آباد — چہ خوش حصن حصین کشور افتاد
برآں برجے نمایند از حصارین — بروح آسماں گردو نشارین
دگر دروازۂ نو شد عمارت — مبارک باد تا روزِ قیامت
بعہد دولتِ آں بادشاہے — کند تاراج کفر و دیں پناہے
زنسل پور بہمن شاہ والا — شدہ فیروز ظلّ حق تعالیٰ
عمارت ساختہ خود بادل و جاں — ملک والا مبارک خاص برخاں
کہ بودہ کوتوال از شاد بہجت — ہمیشہ نیک نام و صاحب بخت
زہجرت ہفتصد و چاردہ سال — مرتب گشت از حق جملہ فی الحال
چو خوش گفتی جمال الدین مفتی — در تاریخ پُر ہنجار سفتی

اس قلعہ میں (۹) توپیں ہیں جن میں دو بڑی ہیں ایک (۱۱) بالشت لمبی ہی اور دوسری نو بالشت اور سات چھوٹی لیکن کسی پر کوئی کندہ نہیں ہی۔

(۱) قلعہ کے مشرق رویہ دروازے پر یہ کتبہ ہی :-

نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المومنین فاللہ

اللھم صل علی المصطفیٰ علی المرتضیٰ و علی الحسن الرضا و الحسین شہید کربلا و امام زین العابدین و امام محمد باقر و امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم و امام علی موسیٰ رضا امام محمد تقی امام علی نقی امام حسن عسکری امام محمد مہدی صاحب الزمان

اساس دیو درگ را اے مسلمان	زمن بشنو کہ میگویم زبنیاد
خراب افتادہ بُد دہلیز بیرونش	نکردے قرنہا مردم ازاں یاد
زمان شاہ عادل چوں در آمد	شدآں دہلیز آباد از سر داد
پُر آبادیش گردید تاریخ	بدور سید تاج الدین بُد آباد
	۹۷۵ھ

ناد علیاً مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب

کل ھم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی

(۲) فصیل مغربی۔ قلعے کے حصّہ آخری پر یہ کتبہ ہے:۔

در کار کرو
شاہ محمد رضا حوالدار
الف سبع سبعین سنہ ۱۰۷۷ھ

(۳) محمد برج قلعہ جو کہ شمال رُخ پر ہے۔ اُس پر یہ کتبہ ہے:۔

بتوفیق خدا در نصرت آباد	محمد برج را کردند بنیاد
بدور شہ علی سلطان عادل	آقا محمد کہ نائب بود فاضل
ز تاریخش سبع سبعین الف بود	مرتب برج شد در وقت مسعود
۱۰۷۷ھ	

(۴) یہ کتبہ اُس مسجد میں رکھا ہوا ہے جو اندرون قلعہ دامن کوہ میں ہے :-

بعہد سلطنت سلطان علی عادل شاہ ناصر الملک و مملکتہ

فی عمل محمد عبد اللہ شیخ ابو الحسن ابن قاضی عبد العزیز تعمیر ساخت

سنہ ۱۰۷۰ھ

خواص پورہ پیٹ اور مسجد دولت خاں نے سنہ ۱۰۲۸ھ میں بنائی ہے جس کا خطاب خواص خاں تھا اور جو علی عادل شاہ بن ابراہیم عادل شاہ کا وزیر تھا - پرگنہ کھمبا وبن - عین الملک کی جاگیر تھا جو ابراہیم عادل شاہ بن اسمٰعیل عادل شاہ کا وزیر تھا اُس نے اپنے والد کا گنبد اور باؤلی سنہ ۹۴۷ھ میں طیار کرایا۔

قصبہ سگر حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاء جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں قصبہ سگر میں مشہور و معروف ہیں جو شاہ پور سے تین کوس کا فاصلہ ہے - آپ کا لقب گھوگھرٹ اس وجہ سے مشہور ہے کہ آپ غیاث پور عرف گھوگھرٹا (متصل دہلی) میں پہلے رہا کرتے تھے - آپ کا مزار مبارک ایک وسیع اور کھلے چبوترے پر ہے - زمانہ قدیم میں اس ملک پر راجہ کما رام کمپلی نگر کا قبضہ تھا - اس راجہ نے ایک سید بزرگ سے کچھ بدسلوکی کی تھی آپ نے شہنشاہ دہلی کے پاس شکایت کی اور حضرت صوفی صاحب سے بھی داد فریاد کی جو شہر متھرا میں نہایت صاحب کرامت مشہور تھے حضرت اُس وقت مراقبہ و مشاہدہ میں سرشار تھے آپ نے فرمایا "جا اسلام کی فتح ہے" بادشاہ بھی لشکر اسلام سے کر آیا آپ بھی ساتھ ساتھ سگر تشریف لائے اور یہیں رہ پڑے آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ عالم ہے - سگر سے دو میل ایک بستی دریا پور ہے وہاں راجہ کما رام نے ایک ریوڑ سانڈوں کا دیوکی پوجا کو چھوڑ رکھا تھا اُس میں کا ایک بڑا بیل فقیر لوگ چٹ کر گئے - راجہ نے سنتے ہی حضرت سے شکایت کی کہ آپ کے فقراء نے ایسا کیا میرا بیل زندہ دلوایئے آپ نے سر اور پیر کو ملا کر چوب دستی سے اشارہ کیا بیل زندہ ہوگیا - راجہ نے حضرت کا عروج دیکھ کر آپ پر چڑھائی کی لیکن لشکر اسلام کو غلبہ ہوا اور بہت سے کفار مارے گئے - بعد مدت دراز کے سلاطین اسلام دکن میں آئے۔

حضرت کے ساتھ چودہ سو سات پالکیاں اولیاء اللہ کی تھیں۔ آپ نے جو طرف جہاد کر کے اسلام کی بنیاد مستحکم کی چنانچہ اب بھی گنج شہیداں سگر میں موجود ہے۔ روایت ہے کہ حضرت کی صاحبزادی محبوب بی عرف ترکش بی بی جو بڑی کاملہ اور کاشفہ تھیں اُن کے ہاتھ سے راجہ کمارام مارا گیا جس کی تاریخ "کمارام جہنم رسید" ہے۔ ترکش بی بی کا مزار آپ کے چبوترے سے ملا ہوا سیڑھیوں کے پاس زمین کے برابر ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی معرکہ میں بادشاہ دہلی کے طرف سے لکھی خاں افغان اور نعمت خاں وزیر مع فوج آپ کی مدد کو آئے تھے۔ اس واقعہ میں بہت سے مسلمان بھی شہید ہوئے۔ حضرت کی ولادت تولد احسن ہے۔ اور وصال کی تاریخ "نجم عشق" ہے آپ اصلی باشندہ سامرہ کے تھے اور وہاں کے بڑے امیر تھے عرصہ تک شہر متھرا میں رہے بعد دکن میں تشریف لائے۔ آپ کا نسب نامہ بروے مجمع الانساب سولہ واسطوں سے حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب سے جا ملتا ہے۔ آپ کا عرس شریف ۵ ربیع الثانی کو ہوتا ہے۔ آپ کے چار فرزند اور تین صاحب زادیاں تھیں۔ آپ کے دو فرزند شیخ فریدالدین سلطان سرمست دوسرے شیخ نظام الدین سرمست یہہ دونوں اجودھیا[1] چلے گئے تیسرے صاحب زادے شیخ شہاب الدین سرمست نے موضع جالی ہال تعلقہ گلبرگہ میں انتقال فرمایا جو دریاے بھیمرا کے کنارے ہے اور وہاں آپ کا گنبد بھی ہے۔ چوتھے فرزند منور بادشاہ ہیں سگر میں آسودہ ہیں آپ بھی شہید ہوئے تھے جس کی تاریخ "تاج منور" ہے آپ کی ایک صاحبزادی محبوب بی عرف ترکش بی کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ دوسری بیٹی بی بی رابعہ سید شاہ رجبی سے منسوب ہوئیں جن کا مقبرہ گلک مندرگہ (متصل راکیری) میں سرراہ ہے۔ تیسری صاحب زادی بی بی نظام خاتون حضرت شیخ محمد کاکو سے منسوب ہوئیں جن کے بطن سے دو فرزند شیخ یعقوب اور شیخ اسمعیل تھے اور پہلی صاحب زادی حضرت بی بی مخدوم جہاں حضرت چندہ حسینی شاہ صاحب سے منسوب تھیں۔ دوسری خورشید جہاں حضرت شیخ اسحق کو دی گئیں جو والدہ تھیں حضرت شیخ عبدالخالق المشہور بہ شاہ میمن متوکل کی تیسری عین الحیات حضرت شیخ محمد حسینی ابدال کو دی گئیں۔

قصبۂ سگر ایک قدیم مقام ہے۔ اول ویرانہ تھا اصلی آبادی اس کی سنہ ۷۵۲ھ میں ہوئی۔ جامع مسجد کے بنا کی تاریخ "جامع خیر ابد" ہے۔ یہہ مسجد یادگار زمانہ ہے اور بجز مسجد جامع شہر گلبرگہ کے اپنا

[1] فیض آباد ملک اودھ۔۱۲

جواب نہیں رکھتی۔ ستونوں اور دروں کی انتہا نہیں۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک محرابیں ہی محرابیں دکھلائی دیتی ہیں۔ یہ مسجد اسمعیل عادل شاہ کے عہد میں طیار ہوئی مگر افسوس ہے کہ اس کا دروازہ راجگان شوراپور اکھاڑ کر شوراپور لے گئے۔ اس مسجد کے متعلق یہ کتبہ ہے:

درزمان عدل عادل خاں وزیر پیر خرد — ساخت ایں مسجد جامع بتوفیق خدا
تا بماند نام خیر از والی دستور خاں — ایں بنا کردہ زبہر طاعت فرد صمد

طالع وقتش طلب می کرد مہدی از حساب
سال تاریخش برآمد "جامع خیر ابد"
٩٣١ھ

کتبۂ سرا ٧٠٧ھ

شد بنائے ایں سرا در عہد شاہ کاروبار — شہریار و تیغ یاور بادشاہ تاجدار
شہ محمد بو المظفر آں کہ گیرد در جہاں — دست او ابر سخا ہمچوں نیستاں دُر بار
از عموم عدل او گشتہ جہاں خلد بریں — وز نسیم فضل او ایں شہر شد دار القرار
تا بود شمس منوّر تا بود مہ را ثبات — تا بود دوران گردش باد عمرش پائدار
بود از ہجرت گزشتہ ہفت صد بر ہفت سال — ایں عمارت شد مرتب از عموم کردگار
٧٠٧ھ

کتبۂ عاشورخانہ محلہ روضہ بستی ٧١٠ھ

بحمد اللہ زعین عون علّام — بامر بادشاہ ملک اسلام
ستودہ حامی شرع مجازی — شہاب الدین احمد شاہ غازی
بہار باغ بہمن شاہ مغفور — خدایا دار از چشم خزاں دور
زہجرت ہفتصد و دہ میداں — کہ ایں دروازہ . . . . . .
٧١٠ھ
شد از اول بسعی ایں عمارت — گرفت او کوتوال باعدالت
محمد فخر دیں سلک ایں گہر ساخت — زبہر تعمیر مزبور تاریخ برداشت
الا یا ایں حصار نصرت آباد

الی یوم القیام آباد آباد

کتبہ درگاہ حضرت صوفی سرمست ۷۹۴ھ

در عہد بادشاہ جہاں دار تہمتن — شاہ جہاں محمد محمود صف شکن
از نسل شاہ بہمن بہمن کبار تیغ — از زور تیغ گشتہ سپہدار انجمن
بانی ایں عمارت کردہ چو پادشاہ — شہر سگر چو جنت ایں عہد خوب فن
تا مست مبارکت مبارک در عہد شاہ — کہ بود کوتوال دریں شہر چوں یمن
بندہ فرید است دعا گوئے عمر شاہ — تاریخہا بجست بہر باب در سخن
از ہجرت پیامبر ہفتصد نود چہار — بود است ایں عمارت آراستہ زمن

کتبہ مسجد صوفی سرمست

مجلی مسجدے مقبول درگاہ — زرائے بال چند گشتہ منور
دَمْتُ الْقَوْلَ فِی التَّرتیبِ مسجد — موذن حیّ و قل اللہ اکبر

کتبہ قبر راضی ابن زید

بعہد شہنشاہ ابوالمغازی — بگرفت عمارت کرد تازی
گل باغ بہمن آل شاہ رحمت — گشت خوشبو شرع محمد
دریں بوم مدفون است شیر یزداں — کہ نامش راضی ابن زید میداں

کتبہ باؤلی درگاہ سنہ ۱۲۴۰ھ

سبیل اللہ این چاہ مصطفیٰ | بنا کردہ علی بہر مصلی
برآمد سال تاریخش ز مسکیں | طہارت آرای مرد مصلّی

سنہ ۱۲۴۰ھ

سجادہ صاحب سگر کے دروازے پر دو کتبے

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا

دیگر

محمد عربی آبروے ہر دو سرا | کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او
شنیدہ ام کہ تکلم نمود ہمچو مسیح | بدین حدیث لب لعل روح پرور او
کہ من مدینۂ علمم علی در است مرا
عجب خجستہ حدیث است من سگ در او

کتبہ مسجد سگر

اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ

قصبہ گوگی گوگی شاہ پور سے چار کوس ہے۔ اور ایک قدیم بستی ہے جس کی آبادی لمبی دور تک چلی گئی ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پرانی گوگی میں حضرت چندا حسینی کی درگاہ ہے۔ اور اُس کے متصل یوسف عادل شاہ۔ ابراہیم عادل شاہ اور اسمٰعیل عادل شاہ کی جو گھنڈی ہے جس میں باپ بیٹے پوتا مع اپنی بیویوں کے دفن ہیں۔

یوسف عادل شاہ بادشاہ ہونے کے قبل جب سرکار بیدر سے تعلق رکھتا تھا یہیں رہتا تھا سلطان محمد بہمنی نے اُسے (۵) موضع ذیل سنہ ۸۹۵ھ میں جاگیر دئے تھے۔ گوگی۔ الور۔ ملہ۔ بڑا گاؤں سمت وڈگیرہ۔ وڑگاؤں۔ جب سنہ ۸۹۷ھ میں یوسف عادل شاہ بیجاپور کا بادشاہ ہوگیا تو گوگی کی سکونت چھوڑ کر بیجاپور چلا گیا وہاں سنہ ۹۰۰ھ میں قلعہ کا حصار بنوایا۔ یوسف عادل شاہ نے

بیس سال دو مہینے سلطنت کر کے پچھتر سال کی عمر میں مرض سوء القنیہ (مقدمۂ استسقا) سے ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء میں بیجاپور میں انتقال کیا۔ نعش گوگی لائی گئی۔ اور حضرت شاہ جلال الدین چشتی عرف چندا حسینی صاحب کی درگاہ کے پاس جن سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی ایک روضہ میں مدفون ہے۔ مادۂ تاریخ وفات "بگفتا نماند شہنشاہ عادل" ہے۔ ۹۱۶ھ

اِس کے بعد اُس کا بیٹا اسمٰعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا اور ملک تلنگانہ میں قطب شاہ سے برابر گیارہ مہینے تک لڑتا رہا۔ اس ملک کی آب وہوا ناموافق ہونے سے تپ آنے لگی جس کی وجہ سے نہایت کم زور ہوگیا بادشاہ نے اسد خاں لاری اور امیر قاسم برید ترک کو بلا کر کہا کہ یہاں کی آب وہوا مجھے ناموافق ہے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ یہیں رہ کر ملک تلنگانہ کے قلعوں کو فتح کرو میں گلبرگہ جاتا ہوں بعد صحت واپس آجاؤں گا۔ دوسرے دن علی الصباح بسواری پالکی جانے کا قصد کیا لیکن صبح چہارشنبہ ۱۶ر صفر ۹۴۱ھ/۱۵۳۴ء کو تیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اسد خاں لاری نے اس بات کو چھپایا اور پالکی پر پردہ ڈال کر راتوں رات قصبۂ گوگی کو روانہ کیا جہاں وہ اپنے باپ کے جوار میں مدفون ہے۔ اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو تخت نشین ہوا اُس نے ۱۰۰۰ھ میں شیخ میاں متولی کی معرفت دروازہ اور روضہ حضرت شاہ مجنون قادری مجذوب کا بنوایا جو بوقت حضرت محمد محمود بحری قدس سرہٗ بیجاپور سے گوگی تشریف لائے تھے آپ کی وفات شب شنبہ آخری شب ہفتم ماہ ربیع الاول ۱۱۲۷ھ میں ہوئی ہے۔ بادشاہوں کے مزاروں پر گنبد نہیں ہیں صرف لداؤ کی ایک ہی چوکھنڈی ہے جس کے اطراف ایک بڑا احاطہ افضل خاں وزیر نے بنوایا جس کا بڑا دروازہ افضل خاں کے نام سے مشہور ہے۔ اس احاطہ میں ایک مسجد سیاہ پتھر کی نہایت خوش نما اور بہت بلند موجود ہے جس میں تین مردانی اور دو زنانی قبریں ہیں زنانی قبروں کا پتہ نہیں لگتا کہ کن بیگمات کی ہیں۔

درگاہ حضرت چندا حسینی قصبۂ گوگی میں جناب حضرت سید شاہ جلال الدین الملقب بہ شاہ چندا حسینی کی درگاہ شریف ہے جس پر ایک نہایت شاندار چوکھنڈی بنی ہوئی ہے۔ اس چوکھنڈی میں حضرت کی بیوی مخدوم جہاں صاحبہ علیہا الرحمۃ اور آپ کے صاحبزادہ حضرت سید نور عالم حسینی آسودہ ہیں۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید شاہ شمس عالم صاحب کی

صاحب سے ہوئی تھی جو صوفی سرمست کے نواسہ تھے۔ آپ صحیح النسب سادات سے ہیں اور چند واسطوں سے آپ کا سلسلہ امام زین العابدین ابن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ شہید کربلا سے ملتا ہے۔ آپ ملک دکن کے نہایت باکرامت اور متبرک اولیاء سے ہیں آپ سنی المذہب تھے آپ کا سلسلہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا سے ملتا ہے۔ آپ کا وصال ۱۰ ر شعبان المعظم کو ہوا جس کی تاریخ "درِ رخ چندا" ہے (۸۵۹ھ)۔ یوسف عادل شاہ آپ کا بہت معتقد تھا آپ کی درگاہ شریف بصرف زر کثیر اُسی نے بنوائی ہے۔ اور خود بھی آپ کے جوار میں مدفون ہے درگاہ شریف کا سایہ بادشاہوں کے روضہ پر پڑتا ہے اور سلاطین کے مقابر کا سایہ درگاہ کے دروازے کی بیرونی جالی تک آکر رہ جاتا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے آپ کی درگاہ کی چار دیواری بنوائی اور مسجد شیخ منّان متولی نے ۱۰۰۸ھ میں بنوائی۔ زمان سلطنت عادل شاہی تک آپ کے عود گل کے مصارف کے لئے چودہ مواضع محاصل ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے جاگیر تھے جو رفتہ رفتہ موقوف ہو کر اب بھی آپ کی اولاد پر کچھ معاش بحال ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے سید شاہ نور عالم آپ ہی کے مقبرہ میں اپنی والدہ محترمہ کی بائیں جانب مدفون ہیں اور دوسرے فرزند ارجمند سید احمد شاہ شمس العالم جن کا انتقال ۵ ا صفر ۸۹۲ھ کو ہوا رایچور میں لب سڑک حیدر آباد مدفون ہیں جن کی درگاہ زیارت گاہ و مرجع عالم ہے سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اور چوتھے فرزند سید شاہ عبد الرحیم و سید شاہ مغنی حسینی بیدر میں آسودہ ہیں۔ آپ کے پوتے سید شاہ جلال الدین الملقب بہ شاہ مخدوم حسینی ابن سید شاہ نور عالم اندرون روضہ شریف اپنے دادا کے پائین میں مدفون ہیں۔

درگاہ شریف پر کتبات ذیل ہیں۔

(۱) پائین مقبرۂ مبارک حجرہ جانب جنوب پر برج میں کندہ ہے ؎

حجرۂ دنیا بلفظ سجن زاں شد تصف　　تا بداں معنی حبیب المہد گردد معتکف

(۲) بر دروازۂ شمال رویہ درگاہ شریف ہے ؎

ہیں ولی چندا حسینی باکمال　　ہے "رخ چندا" میں تاریخ وصال (۸۵۹ھ)

(۳) کتبہ سنگی بر دروازہ مغرب رویہ درگاہ شریف:-

الٰہی عاقبت محمود گرداں بلائے ناگہاں را دور گرداں

کہ بے شک بیابی تو رحمت خدا لقد ہما قدرت قل الہ

بامر الٰہی چو راضی شوی کہ بے شک وشبہ بجنّت روی

بدور شاہ ابراہیم عادل شاہ ابن شاہ ابن شاہ علی عادل شاہ۔

روضہ کے دروازہ پر

(۴) عمرت دراز باد چنداں کہ بے نہایت دولت ہمیشہ باشد دشمن بزیر پایت

بناکردند شیخ منان متولی درسال الہجرۃ یک ہزار و ہفتاد سال

۱۰۷۰ھ

ہر کسے ناکردہ است ایں کرد تمام بجز نیک نامی نماند مدام

(۵) کتبہ سنگی بر دروازہ خاص باغ - جو لب سڑک واقع ہے۔

گشت بانی ایں عمارت را سبب تا بود در دہر باقی ایں نشاں

میر تاج الدین سرخیل حرم بانی ایں قصر زیبا شد بداں

از خرد تاریخ پرسیدم بگفت ایں عمارت باد باقی جاوداں

درگاہ حضرت شیخ محمد شمس الدین بحری عرف شاہ منجن ۱۰۸۹ھ

نئی گوگی میں حضرت شیخ محمد شمس الدین باقر اللہ قادری مجذوب ابن شیخ عبدالمحمد ابن شیخ اسحٰق ابن شیخ عبدالخالق ہیں۔ آپ شاہ منجن متوکل کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت محمد محمود بحری قدس سرہ کے مرشد تھے۔ آپ کی تعریف میں محمد محمود صاحب نے یہ غزل کہی ہے:۔

فغاں کاں محرم اسرار وحدت توازن درجہد باتاے وحدت

محمد باقر آں بحر معانی کہ روشن بود از ناوائے وحدت

دہ و یک رفتہ بود از ماہ شوال لشنبہ آں شہ والائے وحدت

زکثرت دست دادہ از سر شوق	بقلب وحدت وچوں جائے وحدت
حساب سالش از مصراع آخر	بگیرای شمع محفل ہائے وحدت
دلے روزت در پردہ دار دشمار	محمد باقر آں دریائے وحدت

سنہ ۱۰۸۹ھ

آپ کے پیرومرشد سید شاہ عبدالستار عشاق قادری جیگیری ہیں۔

نقل ہے کہ بعد فتح بیجاپور کے عالمگیر بادشاہ گوگی تشریف لائے تھے۔ آپ کی ولایت اور کرامات کے ساتھ ساتھ کچھ امور خلاف شرع کی شکایت بھی سنی۔ اپنے وزیر کو تفحص حالات کے لئے بھیجا اور بعد خود بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے حجرہ میں بلالیا اور اپنے قریب بٹھلا کر ایک پیالہ بھنگ کا منگوایا۔ بادشاہ چونکنا ہوا۔ جھک کر دیکھا تو بالکل دودھ تھا۔ حضرت کے پاس ایک گدڑی رکھی ہوئی تھی جو خود بخود متحرک تھی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ گدڑی کیوں اُچھل رہی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے کچھ دنوں سے لرزہ آتا ہے۔ آج تجھ سے باتیں کرنے کے لئے میں نے یہ لرزہ گدڑی کے حوالہ کردیا ہے تھوڑی دیر میں ایک حجرے سے مزامیر اور راگ کی آواز آئی بادشاہ نے پوچھا کہ کون قوال گارہا ہے آپ نے کہا کہ حجرے میں جاکر خود دیکھ لو۔ بادشاہ نے جھانک کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا خود بخود مردنگ وغیرہ بج رہی تھی۔ بادشاہ حضرت کی کرامات سے محظوظ ہوا اور جاگیر دینا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ مدراس تشریف لے گئے تھے ایک پادری سے مذہبی بحث چھڑ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ چلو دریا کے کنارے بیٹھ کر بحث مباحثہ ہوگا۔ آپ نے اپنے خلیفہ شاہ فضل اللہ کو فرمایا کہ نماز کا وقت ہوا جانماز بچھادو۔ پادری کیا دیکھتا ہے کہ جانماز سطح دریا پر بچھی ہوئی ہے اور آپ بے تکلف نماز پڑھ رہے تھے۔ پادری اس کرامت سے دنگ ہوگیا اور فوراً مسلمان ہوگیا اُس دن سے آپ کا لقب بحری پڑگیا۔

روایت ہے کہ حضرت کا وطن مالوف دھنا سری علاقہ مدراس میں تھا آپ کا خاندان قضاۃ کا تھا۔ آپ جب گوگی تشریف لائے جوان تھے آپ اپنے مرشد سے ملے آپ سے بسم اللہ لکھوائی گئی مگر آپ باوجود کوشش کے بھی لکھ نہ سکے۔ ایک دن آپ ایک کوئیں پر گئے دیکھا کہ پتھر پر رسی

کے رگڑے سے نشان پڑ گئے ہیں آپ نے سوچا اللہ اکبر پتھر جیسی چیز گھس گئی کیا وجہ ہے کہ میں محنت کروں اور کامیاب نہ ہوں اُس دن سے حصول علم کا شوق ہوا اور چند دنوں میں صاحب تصنیف ہو گئے چنانچہ پرانی ہندی زبان میں آپ کی ایک کتاب "من لگن" مشہور ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

من کوٹھری چھوڑ باہر آیا	دالان میں اُس دن سے کی دھایا
جب برس چار گزر گئے تب	آسا منے مجھے بٹھائے مکتب
بسم اللہ مجھے کہی کہو ہاں	میں بول اُٹھا رحیم رحمن

قطعہ تاریخ وفات یہ ہے ؎

بحری بکمال وحق آگاہ	شیخ محمود عارف باللہ
بود در عہد بادشاہ زمن	ختم شاہاں سکندر عادل شاہ
دستگاہش بعلم حق بجنان	کہ تواں یافت علم ودانش راہ
سیر او در فضائے عالم قدس	نیز او در ہوائے عشق اللہ
گوش کردم ندائے رحلت او	داخل مجلس رسول اللہ

سنہ ۱۱۳۰ھ

عرس شریف ۱۰ شوال کو ہوتا ہے۔ مزار آپ کا اپنے مرشد کی بائیں جانب ہے۔

شاہ مجنوں قادری مجرد ومجذوب تھے۔ بیجاپور سے گوگی جدید میں تشریف لائے۔ آپ کی وفات کی تاریخ حضرت محمد محمود بحری نے یہ کہی ہے:۔ ؎

آں سکۂ عشق شاہ مجنوں	سر دفتر بیدلان مجنوں
سر حلقۂ عارفان آفاق	عاشق صفتاں ربع مسکوں
القصہ چو شاہے کس نبودہ	بالائے زمین وزیر گردوں
درخواست کہ تا رود ازیں خاک	بر عالم جاں زند زشبخوں
از دور مہ ربیع الاول	یک ہفتہ دو دیدہ بود بیرون
فرخ شب شنبہ آخر شب	بادل گشتہ صبح مقروں

شد گوہر شہ بحکم ایزد	مستغرق بحر ذات بے چوں
از بہر حساب سال وصلش	بودند خادمانش محزوں
بحری بطریق پاک برخواند	مصراع خوش و لطیف و موزوں
از مطلع ایں غزل ہمیں گفت	آں سگ عشق شاہ مجنوں

سنہ ۱۰۶۱ھ

آپ کی درگاہ گوگی جدید میں شمالی راستہ پر مسجد کے روبرو ہی۔
ایک اور بزرگ ملّا مجرد مجذوب تھے آپ کا مزار بھی یہیں ہی اور مسماۃ چچہ ماں نصیبہ بی صاحبہ عیدگاہ کے روبرو مدفون ہیں۔

قلعۂ واکن گیرہ کا کتبہ تعلقۂ شوراپور میں قلعہ کے دروازے پر یہ کتبہ ہی:-
بحکم شہنشاہ دیں پناہ محمد محی الدین اورنگ زیب بادشاہ عالمگیر غازی خلّد اللہ ملکہ باہتمام عاقبت محمود حافظ مسعود غرۂ رجب المرجب سنہ چہل و نہ جلوس والا مطابق یک ہزار و یک صد و ہفدہ ہجری تعمیر یافت۔

سنہ ۱۷۰۵ - بیڈروں نے اس قلعہ پر اورنگ زیب سے خوب مقابلہ کیا۔ واکن گیرے میں دو جدا گانے قلعے الگ الگ پہاڑیوں پر ہیں جن میں صرف پانسو فیٹ کا فصل ہی۔ چھوٹا قلعہ زمانۂ مابعد کا بنا ہوا ہی جس کو نشٹی ایرنّا نے بنایا تھا۔ اب اس قلعہ کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہی دوسرا قلعہ موجود ہی مگر وہ بھی از بس خستہ حالت میں ہی جس پہاڑ پر یہ قلعہ ہی وہ (۲۵۰) فیٹ بلند ہی اور اس کی شکل اس وضع کی ہی ⌂ یعنی خماسی الاضلاع۔ اس قلعہ کے دو دروازے ہیں مشرقی دروازہ ۸' - ۱۰" × ۱۱ اور مغربی ۸' × ۴ × ۱۱ ہی اور آخر الذکر دروازے پر ہی یہ کتبہ ہی۔ فصیل ساڑھے چار فیٹ عریض ہی جو بڑے بڑے گنڈوں سے بنا کر چونے سے درز بندی کر دی گئی ہی۔ قلعہ کے سات برج ہیں جو سب گرے پڑے ہیں۔ ایک چٹان پر گوپالا سوامی (کرشنا) کی مورت کھدی ہوئی ہی۔ اور اسی چٹان کے اوپر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہی یہ بھی تباہ ہی جس پر کا کتبہ بھی کوئی نکال لے گیا۔ قلعہ میں دو عمدہ باولیاں ہیں جن میں بارہ مہینے پانی رہتا ہی۔ قلعہ کا رقبہ سات ایکر تیرہ گنٹھ ہی۔ قلعہ میں کوئی عمارت باقی نہیں رہی لیکن پہاڑ کے دامن میں بجانب مغرب ایک محاط مقام پر کوٹھ ہی جس میں پچیس مکانات مرہٹوں کے ہیں جو کوٹ کاروں (قلعہ کے محافظوں) کی نسل سے ہیں اور بلحاظ اُن خدمات کی جو ان کے

موضع لوہنال[۵] کا کتبہ کرنل میڈوز ٹیلر کمشنر شوراپور نے (جن کی مشہور تصانیف سیتا اور تارا اور امیر علی ٹھگ کی سوانح عمری ہیں) تعلقہ شوراپور کے موضع لوہنال میں ایک تالاب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۴ - آباؤ اجداد نے قلعہ کے متعلق کی تھیں اب بھی پچاس ایکر انعام چلا جاتا ہے۔ شوراپور حیدرآباد سے جنوب و مغرب پر دریائے کشنا اور بھیما کے درمیانی ڈوئاب میں واقع ہے۔ یادگیر ریلوے اسٹیشن سے (۳۱) میل ہے اب اس کی مردم شماری (۱۵،۲۷) ہے۔ بیڈر راجاؤں کی سلطنت کے زمانے میں پانچ لاکھ کی آبادی تھی۔ بیڈر لوگ اصلی متوطن میسور اور جنوبی ملک مرہٹواڑی کے ہیں ان کا پہلا راجہ گاونایک تھا۔ پہلے یہ لوگ لٹیرے تھے آگے چل کر سلطنت کرنے لگے۔ یہ لوگ بڑے جری اور قول و قرار کے پکّے ہیں۔ اس قوم کے لوگ قوی الجثہ اور سیر و شکار کے عادی ہیں۔ قدیم زمانے میں ان کے گروہ کے گروہ بادشاہان بیجاپور و گولکنڈہ کی افواج میں بھرتی تھے اور مرہٹوں نے جو اورنگ زیب کا ناک میں دم کر رکھا تھا اُس میں بڑا حصہ بیڈروں ہی کا تھا۔ قصبۂ شوراپور میں جو شولاپور علاقہ انگریزی سے رفع التباس کے لئے بیڈر شوراپور کہلاتا ہے سات محلّے راجاؤں کی رانیوں کے نام سے مشہور ہیں۔ رنگما پیٹ - تمّا پیٹ - لکشما پیٹ - ستیما پیٹ - نرسنگما پیٹ - رکما پیٹ - ینکٹا پور - اب شوراپور مستقر تحصیل اور ڈویزن ہے جو ضلع گلبرگہ میں شامل ہے۔ شوراپور کے تفصیلی حالات کے لئے نواب فراز جنگ بہادر کی انگریزی کتاب شوراپور قدیم راج بیڈران مطبوعہ سنہ ۱۹۰۰ء دیکھنی چاہیے۔

[۵] ۱۱ - فروری سنہ ۱۸۴۵ء کو جنرل فریزر رزیڈنٹ شوراپور تشریف لائے کرنل میڈوز ٹیلر نے لوہنال کی وسیع جھیل جو شکستہ حالت میں تھی بتلائی اور معتدبہ رقم کی منظوری لے کر اُس کو از سر نو درست کرایا جس سے کئی مواضع سیراب ہوتے ہیں۔

ماہ مارچ سنہ ۱۸۵۱ء میں کرنل میڈوز ٹیلر نے لوہنال کے قریب موضع کچکنور میں ایک نئے تالاب کی براآورد مرتب کی جس کا کٹہ (۱۸۷۲) گز طول اور عمق اوسط (۲۶) فیٹ و انتہائی (۵۰) فیٹ اور رقبہ شکم تالاب کا سوا چھ مربع میل تھا جس سے دس ہزار بیگہ اراضی میں شالی زار کی کاشت ہوسکتی تھی۔ لیکن یہ کام پورا نہ ہوسکا۔ راجہ ونکٹپا نایک نے سنہ ۱۸۵۸ء میں بغاوت کی اور بعد مقابلہ انگریزوں نے راجہ کو قید کر لیا اور شوراپور پھر بروے معاہدہ ۷ رجولائی سنہ ۱۸۶۰ء سرکار نظام کو مسترد کیا گیا۔ راجگان بیڈر کا راج سب سے پہلے کلبا نایک کے عہد میں سنہ ۱۸۵۶ء شروع ہوا اور ایام غدر میں ونکٹپا نایک کی بغاوت کی وجہ سے ضبط کر لیا گیا۔ یہ خاندان قریب قریب ساڑھے تین

اور بنگلہ بنوایا تھا تالاب پر یہ کتبہ ہے۔

تالاب بوہناں کہ جائیست خوش سری — زیبد بزیر بنگلہ پُر از آب وافری
چوں سابق ایں دہانہ سد خورد داشت زآب — شد سدّ ایں دہانہ بمبیڈوز ٹیلری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵ - صدیوں تک چلا آخر کار ۱۸۶۰ء میں سرکار عالی کے تفویض ہوا۔ آخری راجہ وِنکٹپا نایک کے نو بیویاں تھیں جن میں کی رانی بھنگارمّا سوم اور رانی رنگمّا ششم زندہ رہیں رانی بھنگارمّا نے سال گزشتہ ۱۹۱۴ء میں وفات پائی اور رانی رنگمّا ابھی بقید حیات ہیں۔ سرکار نظام نے ان رانیوں کے لئے معقول پنشن مقرر کی۔ ان کے علاوہ راجہ کے خاندان کے کشٹپا نایک۔ وِنکٹپا نایک اور پیڈ نایک تھے وہ بھی مر گئے۔ کشٹپا نایک لاولد فوت ہوا۔ وِنکٹپا نایک کا فرزند کشٹپا نایک اور پڈ نایک کا بیٹا ما دپا نایک اب تک زندہ ہیں۔ اول الذکر کو سگرا ور رضہ جو شور اپور سے دس بارہ میل ہے۔ دس ہزار روپیہ محاصل سالانہ کی جاگیر ہے۔ ثانی الذکر ما دپّا نایک اور اس کی بہن جنمّا کو جو پڈ نایک کی بیٹی ہے سو سو روپیہ ماہانہ نقدی تنخواہ ملتی ہے۔ ۱۲
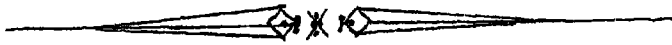
پندرھواں ضمیمہ

عالم پور

یہہ مقام لب دریاے تنگ بھدرا واقع ہی جو رایچور سے براہ راست ساٹھ میل اور بذریعہ ریل کرنول اسٹیشن سے (۹) میل ہی۔ دریاے تنگ بھدرا کے ایک کنارے پر ضلع کرنول علاقۂ سرکار عظمت مدار ہی اور دوسرے کنارے پر تعلقۂ عالم پور ضلع رایچور۔ اس تعلقہ کی تین طرف مشرق۔ جنوب اور شمال ہیں دریاے کرشنا اور تنگ بھدرا ہیں۔ قدیم زمانے میں اس تعلقہ کا نام شاہ علی نگر یا شاہ علی پور تھا۔ وجہ تسمیہ یہہ ہی کہ شاہ علی صاحب پہلوان قدس سرہ جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے اقربا اور حضرت صوفی سرمد کے مصاحب تھے مع اپنے ہمراہیوں کے پہلے رایچور تشریف لاے اور وہاں سے عالم پور آئے دیکھا تو یہہ مقام کفرستان تھا اور راجگان ہنود کی حکومت تھی مسلمانوں کا نام ونشان تک نہ تھا بلکہ مشہور یوں ہی کہ اگر بھولا بھٹکا کوئی مسلمان آن نکلتا تھا تو اُس کو فوراً پکڑ کر دیو پر چڑھا دیتے تھے۔ حضرت نے پہلے بت پرستوں کو اسلام کی دعوت دی اور راجہ سے جہاد شروع کیا اور اِس بستی کو اپنے نام سے موسوم فرمایا جو رفتہ رفتہ علی پور رہ گیا اور آگے چل کر عالم پور مشہور ہوا بعد بگڑ بگڑا کر الپور بن گیا سنہ ۱۳۰۶ف میں مولوی نظام الدین حسن صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی۔جج ہائی کورٹ نے قدیم کاغذات میں اس کا نام عالم پور دیکھ کر بہ تحریک گورنمنٹ مہمل نام الپور کو خارج کرا کے پھر عالم پور نام رکھوایا۔ الغرض حضرت مع اپنے ہمراہیوں کے شہید ہوئے۔ آپ جب شہید ہوئے تو آپ کا تن بے سر برابر کفار سے لڑتا ہوا پاؤ کوس کے فاصلے پر برہمیشور سوامی کی بڑی دیول میں زمین پر آرہا اور وہیں آپ دفن کیے گئے۔ تن مبارک جن جن دیولوں پر سے گزرا وہ سب نیست ونابود ہو گئے سواے اس دیول کے جہاں آپ خود آسودہ ہیں۔ آپ کا عرس شریف ۲۱ ذیقعدہ کو ہوتا ہی اور صندل دونوں جگہہ چڑھاتے ہیں جہاں آپ کا سر مبارک ہی وہاں اور جہاں آپ کا جسد پاک ہی وہاں بھی

سالانہ کشتی بھی لٹائی جاتی ہے۔

اہل ہنود اس بستی کے متعلق یہہ روایت کرتے ہیں کہ اسکانڈ پران مصنفہ وید ویاس[51] مہارشی میں لکھا ہے کہ چھ ہزار سال پیشتر یہہ مقام بالکل جنگل ویرانہ تھا۔ رساسدر رشی نے یہاں متعدد معابد طیار کرائے اور ہملا پور نام رکھا۔ ہملا کے معنی سونے کے ہیں یعنی سونے کا گاؤں۔ سو برس بعد ویسد راجہ نے رساسدر رشی پر غلبہ پایا۔ رساسدر دیول میں غائب ہوگیا۔ راجہ ویسد نے اس قصبہ کا نام الکاپور رکھا۔ الکا کے معنی زیبائش کے ہیں۔ رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے کا کا لفظ ساقط ہو کر الپور رہ گیا۔ یہہ تعلقہ بہت مختصر صرف (٤٨) مواضع کا ہے مشرق میں تعلقہ نندی کٹکور ضلع کرنول انگریزی۔ مغرب میں سمستان گدوال[52] شمال میں سمستان ونپرتی وجٹپول اور جنوب میں پھر ضلع کرنول واقع ہیں اس تعلقہ میں دو بڑی ندیاں

[51] ہندوؤں کے معتقدات میں ہے کہ وید ویاس ابتداے آفرینش آدم میں پیدا ہوئے اور جو کچھ پیشین گوئی انھوں نے کی دنیا میں پوری ہونے لگی۔ ١٢

[52] ضلع رائچور میں کئی مشہور سمستان ہیں جن کا ذکر ہم علی سبیل الاختصار کرتے ہیں۔
سمستان گدوال۔ گدوال کا اصلی نام کیشوسوامی کا دیول بستی میں ہونے سے کیشونگر تھا لیکن آگے چل کر مستقر کے اعتبار سے گدوال نام پڑ گیا۔ اس سمستان کا رقبہ (٨٦٤) مربع میل ہے۔ یہہ ایک بہت قدیم سمستان ہے جس میں (٢١٥) مواضع ہیں۔ قصبۂ گدوال کی مردم شماری (١٠١٩٦) ہے۔ یہاں ایک قدیم قلعہ راجہ سوم نادر کا بنایا ہوا ہے جو سنہ ١٦١٧ میں بننا شروع ہوا اور سنہ ١٦٢٤ میں اُس کی تعمیر ختم ہوئی اسی میں کیشوسوامی کا دیول ہے اور اسی کے پاس راماسوامی کا مندر بھی ہے۔ یہہ دونوں مندر بھی قدیم ہیں۔ ریاست سرکار عالی نظام میں یہہ اسٹیٹ درجۂ اول کا ہے۔ سنہ ١٨٧٤ء میں جو دربار بہ تقریب تشریف آوری پرنس آف ویلز (ایڈورڈ ہفتم) بمقام بمبئی ہوا تھا اُس میں نواب سالار جنگ مختار الملک بہادر اول راجہ رام بھوپال بہادر کو اپنے ساتھ لے گئے تھے اسی طرح سنہ ١٣١١ھ میں بہ تقریب دربار مسند نشینی اعلیٰ حضرت غفران مکاں بعد لارڈ ریپن راجہ صاحب کی کرسی اول تھی۔ زمانہ قدیم سے ملک دوآبہ راجہ صاحب کا تھا بلکہ قمرنگر عرف کرنول بھی آپ ہی کے مقبوضات میں شامل تھا۔ سنہ ١٢٨٤ھ تک اس سمستان کا سکہ جداگانہ تھا جیسا کہ اب تک گدوالی سکہ کہیں کہیں نظر پڑ جاتا ہے۔ اورنگ زیب نے جب ملک دکن او

تنگ بھدرا اور کرشنا ہیں - تنگ بھدرا سمستان گدوال کی حد سے بہتا ہوا موضع کوردی پاڑ
مینی پاڑ - کل گوٹلہ - ملوڑ سے گزرتا ہوا اس تعلقہ کی جنوبی سرحد سے خارج ہو کر پھر علاقہ انگریزی
کے مواضع بیجگال - تانڈر پاڑ - کرنول گوندی پرلا - پول توڑ - دوبڑی پاڑ - دیو مرڑگی پر سے
گزر کر موضع سنگوار تعلقہ ہذا کی سرحد میں کرشنا سے جا ملا ہے - دریائے کرشنا موضع ساسنور علاقہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۸ - بابا گھاٹ پر فوج کشی کی تو راجہ گدوال نے نذرانہ پیش کر کے اطاعت قبول کی
لیکن کچھ حصہ ملک کا مثل کرنول و امتیاز گڈہ ادھونی دام جینتہ وغیرہ علیحدہ ہو گیا - عہد آصف جاہی سے راجہ مذکور
ایک لاکھ دس ہزار روپیہ تحریر دیوانی اور پانچ ہزار روپیہ تحریر پیشکاری اور ایک ہزار روپیہ رسوم دیسپانڈیہ گری جملہ
ایک لاکھ سوالھا ہزار روپیہ سکہ گدوالی پیشکش گزرانتے رہے جس وقت ملک دوآبہ سرکار انگریزی سے مسترد ہوا
تب سے صہ۵ فیصدی بٹاؤن بڑھا کر سالانہ دو اقساط پر پیشکش خزانہ عامرہ سرکار عالی میں داخل ہوتا ہے - والی
سمستان کو اپنے حدود میں فوجداری دیوانی کے اختیارات حاصل ہیں - راجہ رام بھوپال نے ۱۳۱۸ھ میں لاولد
انتقال کیا - آپ نے اپنی حیات میں اپنے بھتیجے راجہ حال سیتا رام بھوپال بلونت بہادر کو متبنیٰ کیا - اُن کی صغر سنی کے
زمانے تک سمستان زیر نگرانی مسٹر ڈنلاپ ڈائرکٹر جنرل کورٹ آف وارڈز رہا - جو حسب فرمان خداوندی
۱۱ صفر ۱۳۲۲ھ میں واگزاشت ہوا - اس خاندان میں کئی پشت سے اولاد صلبی نہ ہونے سے تبنیت کا سلسلہ
جاری تھا اب سال گزشتہ راجہ صاحب کے ایک صاحب زادی پیدا ہوئی ہے جس کی ولادت کی تقریب میں
مولوی غوث محی الدین صاحب ناظم سمستان نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

این ہمہ جوش نشاط است کہ در وقت سعید　　دُر نایاب عطا کرد ترا رب غفور
چہ مبارک قدم است این کہ پس از چندین پشت　　دختر نیک زصلب تو در آمد بظہور
چہ خوشا وقت نکو بود چہ فرخندہ شبے　　کہ شد از جلوۂ او جملہ محلّت پُر نور
اے کہ احسان تو معروف چو بذل حاتم　　وے کہ آوازِ سخاوت ز دکن تا بیسور
کرم و لطف ز آئینۂ قلب صافت　　انچنانست نمایاں کہ ز جام بلور
باد بر راجہ ما باد مبارک یا رب　　دختر ماہوشے مہر منیرے چوں حور

سمستان گدوال میں بہ ماہ ماگھ سری کیشو سوامی کی جاترا بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے جس میں دور دور
کے ہزارہا آدمی جمع ہوتے ہیں۔

سمستان گدوال سے بہتا ہوا التعلقہ ہذا کی سرحد مغربی موضع پلی پاڑ جاگیر میں داخل ہوکر مواضع چنڈور - مارائمنگال - پراگٹور - کوڑیلی کی حدود پر سے گزرتا ہوا جانب شمال سرحد موضع کوڑیلی میں دریاے تنگ بھدرا سے مل گیا ہی - جہاں یہہ دونوں دریا ملے ہیں اس مقام کو "سنگم تریان"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۹

سمستان امرچنتہ - یہہ بھی قدیم سمستان ہی - اس کا مستقر آتماکور میں ہی جو امرچنتہ سے چار میل ہی - یہہ مقام رایچور سے پندرہ کوس ہی - اس میں ساٹھ مواضع ہیں اور محاصل پونے دو لاکھ ہی - رقبہ (۱۹۰) میل مربع ہی - والی سمستان سوامی راجہ سری رام بھوپال راؤ بلونت بہادر ہیں -

سمستان ہاے آناگندی ہلی حیدر وجولگیرہ سمستان آناگندی بڑی بھاری سلطنت بیجانگر کی بچی کھچی یادگار ہی - اس سمستان کی مختصر تاریخ یہہ ہی تیمراج پسر رام راج نے بیجاپور تباہ ہونے کے بعد علی عادل شاہ کے پاس پناہ لی تھی - اُس نے معروضہ کیا کہ وِنکٹادری رام راج کا جانشین بن گیا ہی اور وہ رفتہ رفتہ قوت حاصل کرتا جاتا ہی اور ریاست کے تمام امرا و رؤسا اُسی کے ساتھ ہیں اور میں تن تنہا رہ گیا ہوں لہذا میری التماس ہی کہ بادشاہ جہاں پناہ مجھے ملازم رکھ کر قلعۂ آناگندی عنایت فرمائیں - بادشاہ اُسے اپنا بیٹا کہہ چکا تھا اُسے موقع باریابی دے کر تسلی دی اور اُسی روز چتر و اثاثۂ سلطنت جو لوازمۂ راجگان بیجانگر ہی دے کر حکومت آناگندی پر روانہ فرمایا - اناگندی بیجانگر سے بھی پہلے کا یہہ شہر ہی - عادل شاہ نے بعد خرابی بیجانگر اس قصبہ کو دوبارہ آباد کیا - چند دنوں میں وہاں اچھی آبادی ہوگئی - بھٹکے بھٹکائے لوگ کثرت سے آکر جمع ہوگئے - اسی سلسلہ و خاندان کے راجہ یہاں اب تک قایم ہیں - انگریزی علاقہ میں تین گاؤں ان کو جاگیر تھے وہ تو حال میں ضبط ہوگئے اب ۱۸۲۴ء سے پانسو روپیہ ماہانہ پنیشن ملتی ہی اور سرکار عالی نظام سے البتہ (۲۱) مواضع تخمیناً چالیس ہزار روپیہ سالانہ محاصل کے اب تک جاگیر ہیں -

نواب ممتاز الملک بہادر سر سالار جنگ اول مرحوم نے دس ہزار روپیہ سالانہ پیشکش لگادی ہی - راجہ حال کا نام سری منت سری رنگا دیورائلو نریتی ہمپاپتی راج ہی اور یہی بیجانگر کے راجہ کے خاندان کی عظمت و ثروت کی یادگار ہیں دونوں سرکاروں میں ان کا بہت اعزاز و اکرام ہوتا ہی -

دو چھوٹے چھوٹے سمستان اور ہیں ایک ہلی حیدر کا جو سمستان کنک گیری کے نام سے بھی مشہور ہی جس میں (۱۴) مواضع ہیں جس کا محاصل تخمیناً پندرہ ہزار ہی راجہ کا نام گوریاّ ہی - جولگیرہ کے سمستان میں (۳۰) مواضع تخمینی

کہتے ہیں۔ یہ جا بے نہایت متبرک ہی اور دور دراز سے لوگ آکر اشنان کرتے ہیں۔ آگے چل کر دونوں ندیاں مل کر جسے پڈا پروکہتے ہیں خلیج بنگالہ میں جا کر مل گئی ہیں۔ دریاے کشنا کا رتبہ اہل ہنود کے نزدیک دریاے گوداوری کے بعد ہی۔ یہہ دریا مہا بلیشور صوبۂ بمبئی کے پہاڑوں سے نکل کر سرکار نظام کی حدود میں بمقام ایچم پیٹ داخل ہو کر لنگسگور۔ رایچور۔ محبوب نگر۔ نلگنڈہ۔ ورنگل اضلاع میں بہتا ہوا جانب جنوب و مشرق چلا گیا ہی قریبًا سات سو میل بہاؤ کے بعد مچھلی بندر کے نیچے خلیج بنگالہ میں گرتا ہی۔ اس دریا کا اوسط پاٹ نصف میل ہی۔ کرشنا کی ایک بڑی شاخ تنگ بھدرا ہی۔ جو دو چھوٹی ندیوں تنگا اور بھدرا کے ملنے سے بنی ہی۔ تنگ بھدرا احاطہ میسور سے بہتا ہوا سب سے پہلے موضع مدلاپور علاقہ پائیگاہ ڈویژن لنگسگور میں داخل ہوتا ہی وہاں سے لنگسگور اور رایچور کی جنوبی حد سے گزرتا ہوا مشرق و شمال کی طرف بڑھتا ہوا ضلع رایچور کے مشرقی تعلقہ کے موضع کوڑ ویلی میں کشنا سے مل جاتا ہی۔ ان دونوں ندیوں کے شکم میں اکثر ٹیلے اور چٹانیں ہیں اور جا بجا پایاب ہو جاتی ہیں۔ سنا جاتا ہی کہ تعلقۂ عالم پور میں دو تین ہزار سال کے پیشتر بالکل بت پرستی تھی جن کی تصدیق اُن متعدد دیولوں سے ہوتی ہی جو آب قصبہ عالم پور میں موجود ہیں۔ جدھر دیکھو دور دور جنگلوں میں سیکڑوں بت نظر آتے ہیں۔ کہا جاتا ہی کہ زمانۂ سلف میں راجہ رام چندر نے اس مقام کو اپنا بن باس اختیار کیا تھا۔ یہ مقام دو متبرک ندیوں کے درمیان ہونے سے پورے چھتر یعنی ہندوؤں کا بڑا مقدس تیرتھ ہی۔ رشیوں نے یہاں نو دیول تعمیر کئے۔ کمار برہما[1]۔ ویر برہما[2]۔ اکشا برہما[3]۔ پدم برہما[4]۔ گرڑ برہما[5]۔ بال برہما[6]۔ مارکت برہما[7]۔ اشو برہما[8]۔ سوگا برہما[9]۔ یہ رشی یہاں رہ کر ہمیشہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ان میں سے رسا نامی بہت دولت مند تھا جس پر دیسہ راجہ نے چڑھائی کی اور خود قابض ہو گیا۔ ابتداءً یہہ تعلقہ سرکار نظام کے مقبوضات میں تھا۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں نواب شاہ یار الملک بہادر کو جاگیر ملا جو حیدرآباد کے ایک بڑے امیر تھے اب اُن کی اولاد نواب عبد العلی خاں مشیر الملک اور اُن کے برادر خورد نواب شمشیر الملک بہادر موجود ہیں۔ یہہ جاگیر ۱۲۶۵ھ میں ضبط

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰ - محاصل بیس بائیس ہزار کے ہیں۔ راجہ ونکٹ بھوپال مہنتی والی تھے جلاوطن ہونے سے اُن کی دونوں بیویاں رانی نیلما کلاں اور رانی اوما بائی خورد موجود اور قابض سمستان ہیں ۱۲

ہوئی پھر ۱۲۶۵ھ میں نواب رونق علی خاں فرزند شاہ یار الملک کے نام بحال ہوئی۔ من بعد ۱۲۷۰ھ میں شریک خالصہ ہوگئی۔ اس کے بعد ۱۲۶۴ف سے ۱۲۷۰ف تک انگریزی عمل داری رہی اور ۱۲۷۰ف میں ستر دہو کر اب بفضلہ گورنمنٹ نظام کا علاقہ ہے۔

درگاہ جسد مبارک شاہ علی بادشاہ۔ یہہ درگاہ حضرت شاہ علی بادشاہ صاحب کی مشہور ہے جنھوں نے کفرستان عالم پور کو دارالاسلام بنایا۔ درگاہ مذکور دیول توڑ کر محلۂ قلعہ میں بنائی گئی ہے۔ عمارت مختصر سنگ بست ہے اور ایک حجرہ کے اندر حضرت کی قبر شریف ہے آپ کا عرس ۱۲ ذیقعدہ کو ہوتا ہے ہزارہا مخلوق جمع ہوتی ہے چار دن مجمع رہتا ہے اور ایک کشتی پلاؤ[۵۱] کی لٹائی جاتی ہے اگرچہ کوئی صحیح تاریخ آپ کے زمانے کی نہیں ملتی مگر عام طور پر آپ کا زمانہ ساڑھے سات سو سال کا کہا جاتا ہے اور نعش بے سر کی دفن ہے۔ درگاہ کے سامنے ایک نقار خانہ بھی ہے۔

قدیم مسجد متصل درگاہ اندرون قلعہ درگاہ شریف سے ملی ہوئی یہہ مسجد ہے۔ یہہ مسجد حضرت شاہ علی صاحب ہی کے زمانے میں دیول توڑ کر بنائی گئی ہے اور اسی میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے مسجد پختہ ہے اندازاً سو آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد آباد اور معاش جاری ہے۔ مگر کوئی کتبہ نہیں جس سے سال تعمیر کا پتہ مل سکے۔

قبر بی بی سلطان دختر قادر علیخاں ۱۲۲۱ھ احاطۂ درگاہ شریف میں ایک قبر پر یہہ کتبہ ہے۔

دختر قادر علی خاں آہ آہ ❊ بود خود پاکیزہ طینت پارسا

چوں قضائے او در آمد وا دریغ ❊ سوئے جنت رفت زیں فانی سرا
گفت ہاتف سال تاریخش عظیم ❊ عاقبت معمور سلطان النسا

جاں بحق شد چو بی بی سلطاں ❊ بہر تاریخ او کشادم فال
آہ از روئے زہد و ہم قرآں ❊ داخل جنتی بر آمد سال

۱۲۲۱ھ

مدفن سر مبارک شاہ علی بادشاہ عالم پور کے محلہ باہر پیٹ میں آپ کا سر مبارک مدفون ہے۔ درگاہ کی عمارت پختہ سنگ بست ہے اس درگاہ کے دروازے پر تاریخ طیاری

[۵۱] کشتی پر یہ اشعار بہ خط عربی کندہ ہیں سہ[۵] شار شاہ علی بادشاہ دین چشتی ❊ وقت مشکل کہ میکند پشتی۔

دروازہ حسب ذیل کندہ ہی جاروب کشی وغیرہ کے لئے سرکار سے معاش مقرر ہی اور عرس جسد مبارک اور سر مبارک دونوں کا ایک ہی تاریخ ہوتا ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — اللہ ۔ محمد ۔ علی
لا الہ الا اللہ محمد — فاطمہ ۔ حسن ۔ حسین
الرسول اللہ — بادشاہ علی حسن
در تردد ہمیں کہ بود شام و سحر — بہ سعی عبد النبی نمود ایں در
گفت تاریخ آں بحروف عربی — احد الف میئتن دستہ عشر
۱۲۲۶ھ

یا علی ۔ فاطمہ ۔ محمد

مسجد درگاہ ۱۲۳۰ھ باہر بیٹ میں درگاہ شریف سے ملی ہوئی ہی یہ مسجد اوسط درجہ کی ہی۔ جس میں قریب ڈیڑہ سو مصلیوں کے نماز پڑہ سکتے ہیں۔ عمارت پختہ وسنگین ہی اس کی پیشانی پر جو کتبہ ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مسجد کو ۱۲۳۰ھ میں عبد العلیم خان صاحب مندوزی نے بنوایا ہی دس

در محل جناب شاہ علی — قدس اللہ سرہ المسعود
خان عبد العلیم مندوزی — لبنامی کہ بود سر بسجود
کرد مسجد بنا بدرگہ پاک — باب حسنات خویش را بکشود
ہاتف غیب گفت تاریخش — بے بہا خانہ نجات نمود
۱۲۳۰ھ

جامع مسجد اندرون قلعہ ۱۲۲۹ھ اندرون قلعہ محلہ قلعہ میں یہ پختہ جامع مسجد بنی ہوئی ہی۔ اس پر یہ کتبہ ہی:-

حسب حکم امیر عالیشاں — زبدۂ دودمان آل عبا
مرجع خلق شاہ یار الملک — عمدۂ خاندان محمد علی
خان با عز وشاں علی احمد — کرد مسجد بنا بصدق وصفا

بقیہ نوٹ صفحہ (۳۸۲) سال تاریخ آمدہ ۱۲ھ خریب + کرتی حجام بنا دایں کشتی ۱۲۔

خواست اعظم چو سال تاریخش "خانۂ عافیت" خرد گفتا

سنہ ۱۲۲۹ھ

مادہ تاریخ باب مقدس اعظم — سنہ ۱۲۲۹ھ

دیگر مادۂ تاریخ۔ محمد الحجۃ اللہ ذالک بیت اللہ — سنہ ۱۲۲۹ھ

جامع مسجد باہر پیٹ باہر پیٹ سبزی منڈی میں قدیم زمانے کی پختہ بنی ہوئی ہے جس کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ متوسط درجہ کی مسجد ہے جس میں دو سو نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد آباد ہے۔

لال بنگلہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے لگا ہوا ہے۔ جب دریا پور جاتا ہے تو بنگلے کی کھڑکیوں سے لگ جاتا ہے۔ بنگلہ کی چھت پر شب ماہ میں بیٹھیں تو عجب لطف نظر آتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک نگاہ جاتی ہے چاندی کا تختہ بچھا ہوا ہے۔ دن کے وقت دور دور کا نظارہ ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ فی الحقیقت دل بہلانے کا عمدہ مقام ہے۔ عمارت ایسی پختہ ہے کہ گو کہ دریا کی موج اس کی دیواروں سے ٹکراتی ہے مگر ذرا جنبش نہیں کھائی تخمیناً سوا سو برس کے اول نواب شاہ یار الملک نے جب ان کی عالم پور جاگیر تھا یہ بنگلہ بنوایا ہے۔ پہلے اس میں تحصیلدار صاحبان رہا کرتے تھے جب سے آصف علی خاں تحصیلدار مرحوم کے زمانے میں کوئی دو سال ہوئے بجلی گری اور پیاپے دو تحصیلدار مولوی رفیع الدین اور آصف علی خاں مرے (گو وہ اپنی موت سے ہی مرے نہ بجلی گرنے سے مرے نہ اس بنگلہ کا کوئی اثر تھا) بنگلہ بدنام ہو گیا اس میں اب ڈاکٹر صاحب مع اپنے بال بچوں کے رہتے ہیں۔ مسافر بنگلہ کے طور پر اس کو کام میں لانے کا بھی خیال ہے اور میری رائے میں اس سے بہتر تفرج گاہ ہو نہیں سکتی۔

دیول پال بر مھیشور یہ مشہور دیول موقوعۂ قصبۂ عالم پور دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قلعہ کے اندر ہے۔ اس کی تعمیر کی کوئی تاریخ صحیح نہیں معلوم ہوتی مگر ہندوؤں کے پُران کی رو سے پانچ ہزار برس کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ دیول مذکور کی عمارت پختہ سنگ بست ہے اور پُران مذکور سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ تعمیر کرنے والا اس دیول کا مسمی (رسا سدم) نامی کوئی رشی ہے جس کی تفصیلی حقیقت یہ ہے کہ رشی مذکور کا باپ ملک دکن سے مقام کاسی یعنی بنارس

تمنائے اولاد میں گیا اور وہاں پر چند روز کے بعد فوت ہوگیا - عورت بیوہ ویشویشر دیوتا موقوعہ کاسی کی پرستش میں مشغول ہوئی جس کے صلہ میں اسکی عبادت مقبول ہو کر خود ویشویشر اس بیوہ سے ہم کلام ہوا اور یہ کہا کہ بوجہ فوت ہوجانے تیرے شوہر کے تجھے فرزند نہیں ہوسکتا لیکن اُس کے کہنے کے بعد آثار حمل کے نمایاں ہوئے اور مدت معہودہ کے بعد لڑکا تولد ہوا - جب چار پانچ سال کی عمر کا ہوا تو بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور طعن و تشنیع کرتے تھے کہ یہ "رنڈا پوتر" ہی یعنی باپ کے مرنے کے بعد بیوہ سے پیدا ہوا ہی - غرض کہ لڑکا بعد پہنچنے سن شعور کے ان باتوں کو سن کر بہت آزردہ ہوا اور اپنی ماں سے پوچھنے لگا یہ کیا معاملہ ہی جو لوگ مجھے چھیڑتے ہیں سچ بتا کہ میرا باپ کون تھا ماں نے کہا کہ تیرا باپ کون ہی اس کی حقیقت ویشویشر دیو سے دریافت کر - اس لڑکے نے جواب دیا کہ ویشویشر ایک پتھر کا دیو ہی وہ مجھے سوال کا جواب کیوں کر دے گا - پھر بھی اُس کی ماں نے بہ اصرار کہا کہ ضرور وہ جواب دے گا - بہر حال اُس نے ویشویشر دیو سے پوچھا دیو نے یہ جواب دیا کہ ماں تو تیری جو موجود ہی اور میں تیرا باپ ہوں اس لڑکے نے کہا کہ مجھے تمام لوگ رنڈا پوتر کہتے ہیں اس الزام سے میں کیوں کر بچوں - دیو نے کہا کہ ملک دکن میں ایک مقام ہلاپور (عالم پور کا قدیم نام ہی) جو دریائے تنگ بھدرا پر واقع ہی اور دیو وہاں موجود ہی وہاں جا کر دیو مذکور کا دیول تعمیر کر اُس نے جواب دیا کہ میرے پاس اس قدر روپیہ کہاں جو میں دیول بنا سکوں - ویشویشر نے ہدایت کی کہ تو وہاں جا کر پانچ دیول کی پرستش کر اور وہ پانچوں دیو تجھے پانچ رس عطا کریں گے ان دیوں کے نام یہ ہیں - ۱بال برھمیشور - ۲پاروتی - ۳رس گپنتی - ۴کال بھیروں - ۵جوگل انبہ چنانچہ ان پانچ دیو کی پرستش کے بعد اس کو رس عطا ہوا اور یہ ہدایت ہوئی کہ اس رس کو ایک شیشہ میں رکھ لے اور مزدوروں کو تعمیر دیول کے واسطے مامور کر شام کے وقت اُس رس کو تنگ بھدرا کی ریتی پر رکھ کر یہ استدعا کرنا کہ جس نے جس قدر محنت کی ہی اُس کی مزدوری اُسی قدر مل جائے تیرے اس عمل سے تیرا نام رسا سد کہلاوے گا اور رانڈ پوتر کا الزام دفع ہوجائے گا - اس طرح دیول مذکور کی بنا ہوئی اور اسی طرح متعدد مقامات پر (۶۰) دیول نامبردہ نے مقام پچ نگال

علاقۂ انگریزی سے موضع کوڑویلی تعلقۂ ہذا تک تعمیر کرائے۔ اِن مقامات کی ابتدا و انتہا میں درمیانی فاصلہ (۸) کروہ کا ہے۔ مگر اِن دیولوں میں سے امتداد زمانہ کی وجہ سے اکثر دیولوں کا پتہ و نشان نہیں باقی رہا۔ بال برمھیشور کے اندر (۹) دیو ہیں اور ہر ایک کا دیول علیحدہ علیحدہ ہے جن کی عمارت بالکل سنگ بست ہے اور تمام تر عمارت حسب نمونہ دیول ہائے کاسی و بنارس طیار کی گئی ہے اور اب تک موجود ہیں اس دیول کی دیواروں پر بے شمار تصاویر نہایت عمدہ صنعت سے منقوش ہیں جن سے بانیان کی اعلیٰ درجہ کی کاری گری معلوم دیتی ہے۔

دیول پاپ ناشی ایک دیول موسومہ پاپ ناشی قصبۂ عالم پور سے ایک میل کے فاصلہ پر سرزمین موضع سنگوار تعلقۂ ہذا میں دریائے تنگ بھدرا کے کنارے واقع ہے۔ جو اسی شخص یعنی (رس سدہ) کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ یہ مقام اہل ہنود کے نزدیک بہت متبرک ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس دیول کے پاس تنگ بھدرا ندی شمال رویہ بہتی ہے۔ اور از روے پُران یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک برہمن مدراس علاقہ سے اپنے باپ کی ہڈیاں دریائے بھاگیرتی مقام کاسی ڈالنے کے لئے جاتا تھا جب اس مقام پر پہونچا تو حسب معمول اُن ہڈیوں پر پانی چھڑکا ان میں خوشبو پیدا ہوئی متعجب ہوا کہ یہ پھولوں کی خوشبو کیسی دیکھا تو بجائے اِن ہڈیوں کے ان میں پھول موجود تھے اُس وقت سے جب کہ یہ کرامت واقع ہوئی پاپ ناشی نام سے یہ مقام مشہور ہوا ہے بال برمھیشور کی جاترا ماہ سراون میں ہر سال ہوتی ہے اس قدر داخلہ تعمیر دیول ہائے مذکور الصدر کا ملتا ہے سوائے اس کے کوئی داخلہ نہیں ہے۔ البتہ دیول مذکور میں جابجا پتھروں پر پُرانی سنسکرت کے کتبات ہیں جو بدون خاص اہتمام کے پڑھے نہیں جا سکتے۔ اِن دیولوں کو سرکار عالی سے معاش خدمت مقرر ہے اور بوجوہات متذکرہ بالا عالم پور کا مقام اقوام ہنود کے نزدیک دکن کا کاسی کہلاتا ہے۔

دیول کوڑویلی دیول موقوعۂ موضع کوڑویلی تعلقۂ ہذا موسومۂ سنگم ایشور۔ یہ دیول دریائے تنگ بھدرا و کرشنا کے سنگم پر پختہ اور سنگ بست عمارت ہے یہاں ہر سال سیوراتری کے دن جاترا ہوا کرتی ہے اور ہزارہا اہل ہنود مقامات دور دراز سے آتے ہیں یہ دیول بھی اُسی (رساسُو) کا بنایا ہوا ہے جس نے برمھیشور اور پاپ ناشی کا دیول قصبۂ عالم پور و سنگوار میں تعمیر کرایا تھا اور یہ سب دیول ایک ہی زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ عالم پور کے چپے چپے پر دیول بنے

ہوئے ہیں مگر ہم نے مختصراً بڑے بڑے مشہور دیولوں کا حال لکھنے پر اکتفا کیا۔ اِن دیولوں کے پوجاریوں کو اپنی معاش کے علاوہ جاتریوں سے بڑی آمدنی ہوتی ہی مگر سب خود غرض ہیں کسی ایک کے پاس تاریخی حالات نہیں نہ اُن کو دلچسپی ہی نہ اُنھوں نے کسی کتبہ کو نقل کیا۔ ممکن تھا کہ میں اِن کے چربے اُتروا تا اور ان کو مسٹر شاستری اسسٹنٹ سوپرنٹنڈنٹ صیغۂ آرکیالاجی مدراس گورنمنٹ کے پاس بھیج کر ترجمہ کراتا جس طرح کہ کنگ گیری کے دیول کے سیاسن اور ہیون ہلّی کے تانبے کے پتّروں کو میں نے پڑھوایا لیکن ایک طول عمل تھا جس کے لئے بہت وقت درکار تھا اور ممکن تھا کہ مسٹر شاستری جنھوں نے اپنی مہربانی سے اتنی محنت گوارا کی کہ وہ پہلوتہی کرتے کہ اُن کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں جو ہمارا کام کریں۔ اب کہ سرکار ہٰذا میں ایک نیا صیغہ آرکیالوجی کا قایم ہوا ہی رفتہ رفتہ وہ اس کام کو کریں گے اور ضلع رائچور میں عالم پور اور گبوّر دونوں مقام ایسے ہیں جہاں کہ بیسیوں سیاسن موجود ہیں اور جن کے پڑھنے کو ایک مدت چاہیئے۔ عالم پور میں کوئی قلعہ اب باقی نہیں رہا مگر ہاں گری پڑی دیواروں سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں قلعہ ہاضر ور ہوگا۔ اب یہاں مستقر تحصیل اور پولیس کا اسٹیشن ہاوس اور سرکاری دواخانہ اور مردانہ زنانہ مدرسہ ہی۔

سولھواں ضمیمہ

فرامین و اسناد شاھی

نقل

فرمان بہ مہر سلطان علی عادل شاہ کلاں بادشاہ بیجاپور آں کہ

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب خان اعظم حیدر خاں نائب غیبت و ملک فتح تھانہ دار و کارکنان حال و استقبال معاملۂ بیجاپور آں کہ در ینولا شیخ حسن بن شیخ مخدوم بن شیخ میاں قریشی سلحدار گماشتہ سیادت و نقابت پناہ نجابت و ہدایت انتباہ شاہ محمد حسینی ابن سید السادات سید زین العابدین حسینی البخاری سون ہلی سمت مولوار معاملۂ مذکور و تمرس کلکرنی بدرگاہ عالم پناہ التماس کرد کہ بوقت آمدنی سلطان محمد تغلق و خواجہ سیاہ زمین ویران افتادہ بود جہتہ آبادی موضع مذکور موازی چہار دہ چاور زمین سلطانی شمار کردہ بہ موجب پتر و خورد خط خواجہ سیاہ حق و انعام و دیگر ابواب متعلقہ موضع مزبور بہ تفصیل ذیل بنام آبا و امجاد شاہ محمد حسینی دہندہ میراث کرسی درکرسی مرحمت فرمودہ اند اول برگ و تشریف و ہمہ ابواب پان و ناگر نشان انعام زمین نیم چاور دوازدہ ٹانک میٹی و کھونکنی در چاور پنج کیل درکشت یک پشتہ باخوشہ موازنہ دو کیل بہا قبا در چاور پرتاب چوں و دیگر ابواب متعلقہ و بہ نسبت چنانچہ پروگا ذرہ دو ہون سالیانہ عوض رابطہ پایہ وار دو سوہ تھپکی کھل بھرتی و حاصل روانی راہداری شارع عام بنکاپور از سنک مونکری موضع جمن ہال سمت حویلی معاملۂ مذکور و از آب سیل موضع ہور کنہلی و بجاوہ کلال و کنتی سنک تا حد کنارہ دون سمت مذکور کہ درمابین ہر دو موضع واقع است و تلدام و ہندرکہ و گرام دیوتی و ہنمنت دیو و کارتک و سیپری و جری دہولی و کوری و کوکل و کاروئی و مشعل ایراماس و جوڑہ پاپوش و دکاں بقال و تیلی و تمبولی و جاپ و جولائی و دھنگراں و لبعہدہ بزرگان ہند با مقرر ہست بشرط آں کہ چہار چاور زمین سرکار کشت نمودہ چہارم حصۂ انعام در سرکار دادہ حق و انعام و دیگر ابواب

دیہہ نسبت و دوازدہ بلوتہ گیر و چوں بزرگان فدوی در جمع رکاب حضور پرنور بودہ اند بجہت
لاؤنی و وصول مبلغ کہند نی سد پاین ملپاین را بیا قوم پنجم را بازوے چپا ساختہ پٹیل لغلی مقرر
کردہ ایں تفصیل حق و انعام وغیرہ ابواب مذکور باو لاد و احفاد او میراث کردہ دہانیدہ اند چنانچہ
لبعد بندہ برگ و تشریف و ہمہ ابواب پان و انعام زمین نیم چاورنہ ٹانک میٹھی و کھونکنی در چاور سہ
کیل در کشت یک پشتہ یا خوشہ دو کیل بہا و قبا در چاور سہ چول و خارج ایں در جمیع ابواب دیہہ
نسبت نصف حصہ برابر سد پا پنجم پٹیل لغلی را مقرر کردہ دادہ اند بشرط آں کہ چہار چا در زمین
سرکار کشت کردہ چہارم حصۂ انعام در سرکار دادہ دوازدہ آنہ بلوتہ گیر و بعد او نرس کلکرنی
برگ و تشریف و ہمہ ابواب پان و انعام نیم چاورنہ ٹانک میٹھی و کھونکنی در چاور ہشت
کیل بہا و قبا در چاور سہ چول در کشت یک پشتہ یا خوشہ دو کیل بشرط یک چاور زمین سرکار
کشت کار ساختہ چہارم حصۂ انعام در سرکار دادہ در دیگر ابواب مسطور بہ موجب حصۂ پٹیل کلاں
باشد و بعد او سونا قوم تیلی چھپوری رعیت موروثی موضع مذکور برگ و تشریف و ہمہ ابواب
پان انعام زمین ربع چاور بشرط آں کہ چہار چاور زمین سرکار زراعت نمودہ رعیان دیہہ مذکور را
آباد دادہ پٹی و بیگار را و رامعاف و حق دوازدہ بلوتہ کن در آں پولہ و پشتہ یا خوشہ و پندول
سرک و سال سورو مولہ تلراس موافق محصول رعیت گرفتہ در سال دوازدہ ہون برابر در سرکار دہد
بنا بر التماس آنہا بخاطر مبارک اعلیٰ آوردہ بہ موجب پتر دخورد خط فرمان عاطفت فرمان عاطفت
بنام پٹیلان و سری کاران موضع مذکور مرحمت شدہ بنوعے کہ میراث مذکور تا غایت سنہ اثنا
و ثمانین تسعمائۃ رواں شدہ آمدہ است ہماں دستور در سنہ ثلاث ثمانین تسعمائۃ رواں دارند
ہر کہ از مسلماناں مانع آید بہ غضب خدا گرفتار باشند و از شفاعت حضرت رسالت پناہ بے
نصیب باشد و ہر کہ از ہندواں خلل نماید در دہرم و کاسی خود گاؤ کشتہ خوردہ باشد تعلیق
نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند و بر حکم فرمان اشرف روند تحریر فی التاریخ نہم ماہ ذیقعدہ ۹۸۳ھ

نوٹ۔ یہ فرمان علی عادل شاہ اول بن ابراہیم عادل شاہ بن عادل شاہ کے زمانے کا
ہے جیسا کہ مہر سے ظاہر ہے لیکن تاریخ فرمان کے لحاظ سے اجرائی اس کی ابراہیم عادل شاہ
ثانی کے وقت میں ہوئی کیوں کہ ۲۴ ؍ صفر ۹۸۸ھ کو علی عادل شاہ اول کا انتقال ہو چکا
تھا اور یہ فرمان ۹ ؍ ذیقعدہ ۹۸۸ھ کا ہے۔ ۱۲

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

نقل

فرمان[۵۱] ہمایون شرف صدور یافت بہ جانب عزت و رفعت دستگاہ عمدۃ الاعیان زبدۃ الاقران خان عالی شان سعادت نشان رفیع القدر والمکان نعمت خان حوالدار و کارکنان حال و استقبال دار السلطنت معاملہ پر نور محمد پور آنکہ از شہور سنہ ستہ خمسین والف از راہ مراحم بادشاہانہ و فرط عواطف خسروانہ یک چاور زمین سلطانی در سواد موضع منکلی معاملہ مذکور بابت رد رنارایں در وجہ انعام جہت روشنائی و صف بوریائی و آب سبیل و وظیفہ پیش نماز و فراش مسجد کہ در خانہ شریعت پناہ فضیلت دستگاہ حقایق انبیا قاضی القضات قاضی شریف سید ضیف اللہ مجلس حاکم الشرع معاملہ مذکور واقع است عاطفت فرمودہ دہانیدہ شدہ است می باید کہ یکجا ور زمین سلطانی مذکور داخل محصول و نقدیات و جمیع لوازمات و بیٹھ و بیگار و فرمایش و زر نیلنگی و پاپوش میرمالی و پولیس پٹیل و جنگی و سی سکہ ہیموں و کار عمارت و لعضی ثبت مبارک متبرکہ معدن الامن منبع السرور و تحصیلی و غلہ نو کہنہ و فرمایش کڑبی و علف و جرم و اہماک و پاچاک و انگشت و وجہ یکماہ دو لسبوہ و زکوات تہلمور و کھل بھرت و نیکالو و سہار و دستک و سنکوتی و الباہارک دیہی علق و کیلبحرح و کوتہا چھوروالی و اوسگی و کھونکنی و کیلانہ و شب خانہ و پیرانہ و فقرانہ و پاملانہ و مسکورتی و بال ورکی و سہندر ورکی و روغن و تیل و بہت حوالدار مجموعدار و سرسمت و لوازمہ سرولیبائی و ولیس کلکرنی و نارگوندہ و صدر بہت و عیدین و موہتی مردمان از ہر دو حصہ بوقت کیل و برج حصہ لعبد از کیل و تو فرو کسر و اوت ماباری و چالنکاری و پادری کاری و لوازمہ پٹیل و کلکرنی و دوازدہ بلوتیاں و بیس بندی و پال بہارہ و صادر و وارد موتہی ہتمت و غیر محصول و بیدا کری و صادمک و شرنی و بھیتہ بیگاری و لعضی کلباب و کل وجوہات و سایر قانونات آسمی و رسمی نقدی و جنسی آنچہ در دفاتر اعلی ثبت است و بیشتر احداث خواہد شد تمام دنبالہ قاضی شریف مشار الیہ نمایند و چاور مذکور خارج کفانہ و مقاصاے و قصبہ و دہیہ شناسند لعبد ایشان و باولاد و احفاد ایشان جاری سازند

[۵۱] ۔ یہ فرمان سلطان محمد عادل شاہ کے زمانہ کا ہے جس نے ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی ۱۲۔

عذر فرمان نکردہ سال بسال بہ ہمیں فرمان رواں دارند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند

تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۰۶۶ھ

بروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمایوں اعلیٰ

الملک للہ

مہر

یا علی مدد مہر

شاہی زد مرتضی بر مہر و ماہ

خسرو عادل علی ابن محمد

بادشاہ

نقل

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عاملان و استقبال و ناڑگوڑان و دیسایان پرگنہ ریور

کندہ آں کہ از شہور سنہ ثمان خمسین والف - درینولا فضیلت مآب عبدالنبی بن شیخ مخدوم

قاضی پرگنہ مذکور بدرگاہ معلی التماس نمود - از اسناد سابق عہدۂ قضاءت و خطابت پرگنہ

مذکور انعام اراضی شش کڑو زمین و یومیہ چہار آنہ و معمول عیدین وغیرہ و سال آیا و بھگوٹہ

جاری دارند و نظر عنایت فرمودہ قضاءت بنام فرزند غلام حسین مرحمت فرمایند بنابراں التماس

او بخاطر مبارک اعلیٰ آوردہ غلام حسین بن عبدالنبی را عہدہ قضاءۃ و خطابت پرگنہ مذکور انعام

شش کڑو زمین وغیرہ حقوق بہ مطابق فرد سابق بہ موجب تفصیل ذیل مرحمت فرمودہ دہانیدہ

شدہ است و در سواد پرگنہ مذکور زمین چہار کڑو و دیگر بہ موضع سوملاپور دایک کڑو بہ موضع ملکاپور

دایک کڑو بہ معمول عیدین دہ روپیہ یومیہ چہار آنہ و تیل چراغ مسجد روزینہ پا و بیکے وہلکے وغیرہ

می باید کہ مشارالیہ را قاضی و خطیب آنجا مستقل دانستہ آنچہ وقصہ و معاملہ شرعیہ بودہ باشد

با و رجوع کردہ انعام زمین مذکور و یومیہ معمول عیدین و بھیکی وہلکے و تیل و کل یاب کل وجوہات

دنبالہ نمایند و بعضی صلاۃ و راے نمودہ باشند دیرات قضاءت بحسب قاعدہ از رواں دارند

بہ ہیچ وجہ مزاحم معارض نشوند و میراث بعد مشارالیہ باولاد و باحفاد او جاری دارند عذر فرمان مجدد

ہر سالہ نکردہ سال بسال ہمیں فرمان عنایت رواں سازند تعلیق نوشتہ فرمان باز دہند - تا دانند

وبرحکم فرماں اشرف روند تحریر فی التاریخ غرۂ ذی حجہ سنہ ۱۰۶۸ھ

بروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمایوں اعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا فرمان عالمگیری سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۹ء

الحمد والشکر اگر مسلمان
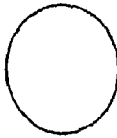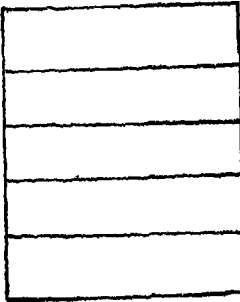
می شد برادر دین ما شدے محفوظ می ماند

واز بلاے بے وطنی دشمنہاے بعید د

محفوظ می ماند اما حیف کہ مسلمان نشد

زبدۃ الاماثل والاقران لایق العنایت والاحسان

پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر ومباہی بودہ بدانند کہ دریں ولا از پیشگاہ خلافت و

جہانبانی ازراہ فضل وکرم تقصیرات آں زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ سر ولیسکی نصرت آباد

۵۱ - یہ فرمان ۱۶۵۸ء سال اول جلوس اورنگ زیب کا پیڈ نایک راجہ شوراپور ضلع گلبرگہ کے نام کا ہے اس پر ایک چھوٹی مہر ہے جو بالکل مٹی ہوئی ہے اور دوسری مربع ہے جس میں طغراے عربی ہے۔ لیکن دوسرے دو فرمان چھتیسویں سال جلوس کے چکنا نایک دوسرے راجہ شوراپور کے نام ہیں جن کی عبارت ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں ان پر کی تینوں مہریں ہم نے خوردبین کی مدد سے بدقت تمام پڑھ لی ہیں۔

بخط نستعلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشان عالی متعالی
پادشاہ
جہان شاہ
محمد اعظم شاہ
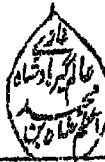
بفرمان ابو المظفر	
محی الدین	اورنگ زیب عالمگیر
بادشاہ غازی	

غازی عالمگیر بادشاہ محمد اعظم شاہ بن
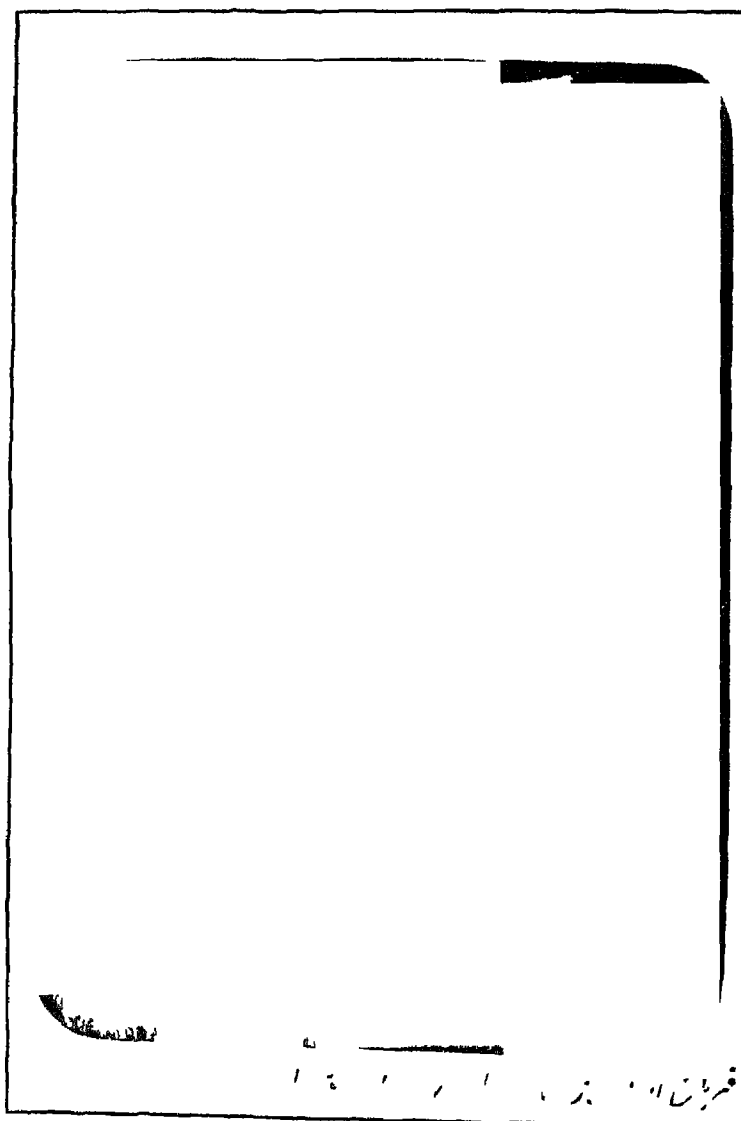
وغیرہ بدستور شدآمد سابق مطابق فرمان والا حضرت بآں زبدۃ الاقران بحال بحکم شدہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲ - یہہ فرمان گڈو پڈ نایک کے نام کا ہے۔ گڈی کے معنی ڈاڑھی کے ہیں یعنی ڈاڑھی والا نایک۔ یہہ اپنے باپ گڈو یام نایک کی جگہ ۱۶۵۶ء میں مقرر ہوا اور گکیرہ میں حکمراں تھا۔ آبادی جائداد کی تقسیم اس میں اور اس کے بھائی گدی لنگ نایک میں ہوگئی۔ گڈو پڈ نایک بڑا جری آدمی تھا اس نے قلعہ واکن گیرہ کو بسونت راؤ سے اور دیوا پور ناگنا تھ راؤ سے چھین لیا۔ بسونت راؤ کے پاس دوسو اور ناگنا تھ راؤ کے پاس تین سو گھوڑے تھے ان کے قبضہ میں قلعہ جات واکن گیرہ۔ شاہ پور اور سگر تھے۔ ان کے پاس بارہ سو کی فوج تھی لیکن پڈ نایک نے صرف نو سو کی فوج سے سخت معرکہ کے بعد ان دونوں کو ہلاک کیا اور سارے قلعے چھین لئے اور جب یہہ خبر اورنگ زیب کو ملی تو بادشاہ نے راجہ رام بخش کو بسرکردگی چار ہزار افواج اس کے مقابلے کو بھیجا۔ شاہی لشکر موضع اگنی میں اترا اور تین مہینے کی جنگ کے بعد راجہ رام بخش ناکام واپس گیا۔ جب بادشاہ بیجاپور نے مغلوں کی شکست کا حال سنا اور معلوم کیا کہ گڈو پڈ نایک ان کے ہاتھ بھی نہ لگا تو بیجاپور کے بادشاہ نے گڈو نایک سے بظاہر صلح کرلی اور در پردہ اس کے قتل کی تدابیر کرنے لگا۔ اس لئے بادشاہ نے ایک عام اعلان دیا کہ جو کوئی ایک مست ہاتھی کو پکڑ کر باندھ دے گا اسے جاگیر تو لاکھ سالانہ کی مرحمت ہوگی۔ یہہ خبر اڑتی اڑتی گکیرہ کو پہنچی اور گڈو پڈ نایک تو وہ پندرہ سو ہمراہیوں کے ساتھ بیجاپور جا پہنچا دیکھا تو وہاں اڑتالیس رجواڑے اور بہادر لوگ پہلے سے موجود تھے بادشاہ نے بیڑا رکھ دیا لیکن کسی نے اس کے اٹھانے کی جرأت نہ کی۔ پڈ نایک آگے بڑھا اور بیڑا اٹھا لیا۔ بادشاہ بھی دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھی تو یہ مرے گا۔ ایک دن مقرر کیا گیا۔ سارے شہر میں منادی کردی گئی کہ فلاں وقت ہاتھی چھوڑا جائے گا سب لوگ اپنے اپنے گھر بند کرلیں اور مکان کی چھتوں پر سے تماشہ دیکھیں۔ پڈ نایک طیار ہوکر وقت مقررہ پر آن پہنچا۔ سر پر ایک چرمی ٹوپی تھی اور ٹانگوں میں جانگیہ (چڈھی) بغل سے کمر تک پٹکہ لپیٹ لیا تھا اور بائیں ہاتھ پر کمبل لپٹا ہوا تھا۔ اسی میں ایک خنجر اور دوسرے ہاتھ میں سونٹا تھا۔ اس طرح دنگل میں اترا۔ مست ہاتھی جو بندھا ہوا تھا چھوڑ دیا گیا۔ ہاتھی نے چھوٹتے ہی مکانوں دکانوں کو ڈھانا اور درختوں کو توڑنا شروع کیا۔ پڈ نایک ہاتھی کے سامنے آیا اور ہاتھی اس پر جھپٹا لیکن پڈ نایک صاعقۂ برق کی طرح چشم زدن میں ہاتھی کی پیٹھ پر تھا اور چڑھتے ہی زبردست سونٹے

باید کہ امیدوار عنایات پادشاہانہ بودہ پام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر بر کاب ظفر انتساب بفرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ و عطائے منصب سربلندی یابد چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۳ - مستک پر پایا ایسا مارنے لگا کہ ہاتھی لوکھلا گیا - پڈنایک اُسی طرح ہاتھی کو کان پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گیا اور دُم کی طرف سے دوبارہ اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا - پڈنایک نے بادشاہ کو سلام کیا اور عرض کی کہ کیا مجھے آنکس دیا جائے گا یا میں اسی سونٹے سے اس کو لے جا کر تھان پر باندھ دوں - بادشاہ نے آنکس دلوا دیا اور پڈنایک ہاتھی کو لے جا کر تھان پر باندھ کر دوبارہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور سلام کیا جس پر بادشاہ نے بر سر دربار ایک سند اور ایک گرز وزنی ڈہائی من کا مرحمت فرمایا جس پر مناسب عبارت کندہ تھی اور ساتھ ہی اُس کے یہہ خطاب سے بھی سرفراز ہوئے "گجگنڈا بھیرنڈا گڈو پڈنایک بلونت بحری بہادر" اور دس تعلقہ حسب ذیل جاگیر دی - اندولہ - نیلرگی - سروال - رستاپور دڑگیرہ - ملّی - کھمپاویں - تہنسگی - کرکل - مدرکی - نایک نے واکن گیرہ میں ایک دربار ہال سنہ ۱۰۸۴ف ۱۶۷۴ء میں بنایا اور سترہ برس حکومت کر کے مرگیا -

زنان میں پام نایک کا بھی ذکر آیا ہے - گڈو پڈنایک لاولد فوت ہوا اُس نے اپنے بھتیجے پام نایک کو متبنیٰ لیا جو لنگ نایک راجہ کرگنٹہ کا بیٹا تھا - پام نایک سنہ ۱۶۲۸ میں حکمراں ہوا اور واکنگیرہ میں رہنے لگا - اس کے پاس بلدہ سو سوار اور بارہ ہزار بیڈروں کا لشکر تھا - اس کی حکومت واکنگیرہ - سگر - شاہ پور - اناپور - ملی بھیڑ پر تھی - اس نے دو تالاب جالی ہنچی میں بنوائے نیز لوکھال کا بڑا تالاب جو عادل شاہیوں کا بنایا ہوا تھا مگر مرمت طلب ہوگیا تھا اُس کی ترمیم اور توسیع کی - ان کے علاوہ بادامی تالاب بھی بنوایا - حیکن ہلّی میں ایک برج بنایا اور واکن گرہ میں ایک اور قلعہ بنا کر چار توپیں چڑھا دیں اور دو تالاب اور تین باؤلیاں بھی کھدوائیں - یہ شخص بادشاہ بیجاپور کا باج گزار تھا - اور وقتاً فوقتاً اپنی فوج بادشاہ کی خدمت میں لے جایا کرتا تھا - اس نے عادل شاہیوں کی طرف ہو کر کئی لڑائیاں لڑیں اور سب میں سرخرو ہوا - بیس سال کی حکمرانی کے بعد اس نے سنہ ۱۱۰۴ھ ۱۶۹۴ء میں انتقال کیا - ۱۲ -

بسم اللہ الرحمن الرحیم
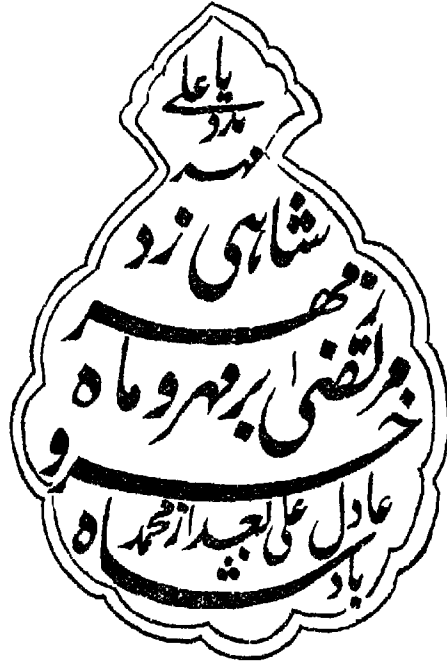
الملک للہ

فرمان ہمیوں شرف صدور یافت بجانب عزت و شجاعت دستگاہ مرحبداں کار آگاہ عمدہ وزرائے عظام زبدہ امرائے کرام نہنگ دریائے مردی و مردانگی گوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت مبارز میدان شہامت شایستہ فراواں عاطفت و تحسین سزاوار ہزاران رحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران کہ عرض کند سپہر اعلیٰ فضل فضلا و فضل افضل از ہر ملکی بجائے تسبیح آواز آید کہ افضل افضل خلاصہ نیکخواہان ملک گیر و کشورستان افضل خاں محمد شاہی سرحوالدار و سیادت و نقابت دستگاہ شجاعت و شہامت پناہ

سلہ - مہر بڑی دقت سے پڑھی گئی اس میں یا علی مدد کے بعد یہہ شعر کندہ ہے ۔

مہر شاہی زد و مرتضی بر مہر و ماہ   خسرو عادل علی بعد از محمد بادشاہ

یہہ فرمان علی عادل شاہ ثانی کے زمانے کا ہے (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) جو قاضی صاحب مدگل کے نام ہے ۔ صاحب سند قاضی محمد ابوالحسن تھے جن کے بعد کا سلسلہ یہہ ہے ۔ قاضی محمد امین الدین، قاضی محمد ابوالحسن، و قاضی محمد امام الدین و قاضی محمد اسمٰعیل اور

سیدہ اُو دحوالہ داری کارکنان سال دا ستقبال معاملہ مدگل آنکہ از شہور سنۃ ثمان خمسین والف در بینولا شریعت پناہ قاضی ابوالحسن بن قاضی خلیل حاکم الشرع معاملہ مذکور بدرگاہ معلی التماس نمود کہ درو جہ قضاے خود بر وجوہ زکوۃ معاملہ مذکور بر محل چہپیہ[۵۱] سادیسی و پردیسی ماہنہ مال و تسک و پسکے بموجب فرمان ایمتاج و بھوگوتہ[۵۲] سالا باد[۵۳] سہ صد ہون روانست اما چیزے ممیر سند مطلق غیر دست دارد از نیم لغایت سرگردان و پریشان حالم نظر عنایت فرمودہ سہ صد ہن تنخواہ قضا کہ روانست از بجملہ دو ست ہون مقرر داشتہ باقی یکصد ہن را بر وجوہ زر الواب دلوانے دہی سکہ ہیون دکار عمارت و لبعض بیت مبارکہ متبرکہ معدن الامن منبع السرور ہفتاد و پنج ہن و غیر محصول و سداکری و ساونک و شرنے و باقیات بابہا لبست و پنج ہن مرحمت نمودہ فرمان اشرف عاطفت شود بنابراں بخاطر مبارک اعلیٰ آوردہ تنخواہ قاضی مشار الیہ بدل قضا بر وجوہ زکوۃ سہ صد ہن کہ روا ست ازیں جملہ دو ست ہن وجود بابہاے زکوۃ مذکور مقرر نمودہ باقی یکصد ہن خود گذاشت کردہ مبادلہ آں بر وجوہ زر الواب دلوانی وہر دو پٹی ہفتاد و پنج ہن و غیر محصول و سداکرے و ساونک و شرنے و باقیات بابہا بست و پنج ہن جملہ یکصد ہن دہانیدہ شدہ است می باید کہ حسب المسطور مقرر دانستہ مبلغ مذکور بلا قصور تمام و کمال مودّی سازند ہیچ باقی و غیر ادا ماندن ندہند و عذر فرمان ہر سالہ نکنند و بر قاضی مشار الیہ معتاد عیدین و بہاے قبا لبست و چہار ہن بر دادنی پٹی روانست اما تمامی ادا نمی کنند چہ معنی دارد باید کہ لبست و چہار ہن بر دادنی پٹی تمام و کمال مودّی سازند و برسانند و پنج چاور[۵۵] زمین و کدہ[۵۶] شالی چہار کرو از اسہ چادر در سواد سہ موضع سمت کرڈی[۵۷] آنرا در موضع بودیہال[۵۸] یکچا ورود در موضع کسر بادی یکچا و رود در موضع ترمری یک چاور و در قصبہ کرڈگل معاملہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۵ - قاضی محمد امین الدین جنھوں نے مجھے سند دکھلائی - آخر کی تین مہریں پوری طرح پڑھی نہیں جاتیں - ۱۲

۵۱ چہپیہ - سادیسی - پردیسی - ماہنہ مال - تسک - پسکی (پھسکی - غلہ کی دکانوں پر سے مٹھی مٹھی آناج لے لینا) بیداگری ساونک - شرنی وغیرہ یہ سب مختلف اقسام کے معمولات تھے اب سوائے پھسکی کے کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا -
۵۲ - بھگوٹہ یا بھواٹ بمعنی محل درآمد ۵۳ سالا باد = سالیانہ ۵۴ بضم اول و کسر واؤ و یاے معروف بہ معنی دو صد از غیاث ۵۵ - چار بیگہ کا ایک چاور ہوتا ہے ۵۶ کدہ - دھنمڑی = زراعت شالیزار ۵۷ بودیہال - کسر بادی - ترمری یہ تینوں موضع تعلقہ ہنگند ضلع بیجاپور میں ہیں اور موضع کرڈگل (کرہ کل) ننگسگور سے دو میل ہے - ۱۲

مذکور دو چاور زمین وکدہ شالی ہیا رکرسٹی کلیاب بالنعام بالاولادی واحفادی بزرگان قاضی

مومی الیہ رواں است بداں موجب بقاضی مشارٌالیہ بوکوتہ بیشو دمقاصدیان وپٹیلان

دیہاے مذکور از روے حرکت زمین النعام مذکور کردکردان نمید ہند در ہر باب بہ رعایاے زمین

النعام مذکور تشویش وآزار میرسانند چہ حد اندازہ آنہا است اکنوں پنج چاور وکدہ شالی

مذکور بالنعام قاضی مومی الیہ مقرر دانستہ مقاصدیان وپٹیلان دیہاے مذکور را تاکید بواجبی

نمودہ زمین مذکور از رعایاے کردکردانیدہ چناں نمایند کہ حق النعامداران بلا قصور ولا فتور عاید

گردد وبہ رعایاے چاورات مذکور ہیچ وجہ بین الوجوہ مزاحم ومعارض شدن ندہند واگر مقاصدیان

وپٹیلان دیہاے مذکور بہ رعایاے چاورات النعام قاضی مشارٌالیہ باز تشویش وآزار دہند

دخل کنند چناں تادیب سازند کہ بجال خود بودہ باشند وپنج چاور وکدہ مذکور داخل محصول ونقدیا

وجمیع لوازمات وبیت ہیکارہ فرمائش وزر ابواب دیوانی دہر دیہی ملکیت بابہا وکلیاب و

کالوجوہات وسایر قانونات اسمی وسمی وقلمی وقدمی ونقدی وجنسی وکلوجزدی اینچہ کہ در دفاتر

اعلی ثبت است وبیشتر احداث خواہد شد تمام وکمال نمایند دادہ نفر کماندار تھانہ معاملہ مذکور

حوالہ محکمہ شرع شریف بموجب فرمان سابق روانست ہرکہ از امر شرع محمدی تجاوز ورزد اہمال

نماید اورا تنبیہ بواجبی سازند در امور شرع محمدی مطیع ومنقاد باشند ومسلمانان متوطنان قصبہ

ومضافات را تاکید کنند کہ پنجگانہ اوقات براے نماز در مساجد حاضر شدہ بدعاے

دوام دولت ابد پیوند اشتغال باشند وعقد انہ اہل اسلام از قصبہ ومضافات بقاضی مومی الیہ

بموجب بوکوتہ سالاباد بدہانند وبے اذن قاضی عقدانہ نکنند واگر کسی بکند تنبیہ بواجبی نمایند و

عذر فرمان ہر سالہ نمودہ سال بسال بر ہمیں متمشی دارند وبعد او باولاد واحفاد او جاری سازند

ومعتاد کوسفند بعید اضحی ومیوہ بعید شب برات بموجب سالاباد بقاضی مومی الیہ میدادہ

باشند وتعلیق نوشتہ گرفتہ اصل آں باز دہند تا دانند در حکم فرمان اشرف روند۔

تحریر فی ۱۲ ماہ محرم ۱۰۶۹ھ

بانتظام سیادت ونقابت دستگاہ مزاجدان کار آگاہ سید نور اللہ سرخیل ممالک پروانگی حضور

پرنور اشرف اقدس ہمیون اعلی۔

دوسرا فرمان عالمگیری
سنہ ۱۱۰۴ھ
۱۶۹۴ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ
پادشاہ

غازی
عالمگیر بادشاہ
محمد
اعظم شاہ بن

زبدۃ الامثال والاقران والاکفاء والاعیان
چکنا نایک بتوجہات مستظہر وسپاہی بودہ بداند

کہ بموجب نوشتہ شجاعت وتہور دستگاہ شمشیر خان معروض دولت واقبال عالی شاہے گردید کہ از یاوری بخت ومسعودی طالع مآل کار را ملاحظہ نمودہ ارادہ تحصیل سعادت ملازمت کہ سرمایہ دولت جاودانیست نصب العین خاطر دادہ ونظر بتقصیرات بی دربی کہ بکرات درمیان آوردہ نشان قول عفو جرائم میخواہد لہذا از راہ فضل وکرم رقم عفو وبخشش برجریدہ معاصی او کشیدیم وبعد دریافت سعادت ملازمت درباب انعام ہشت موضع چیتاپور بحضور پرنور مقدس معلی نوشتہ التماس آں خواہیم نمود باید بخاطر جمع بلاتوقف بملازمت بندگان عالی بشتابد کہ انشاء اللہ تعالی بدرجہ کمال خود رسیدہ درمیان اقران مایہ افتخار خواہد اندوخت ہژدہم شہر ربیع الاول سنہ سی وششم از جلوس والا قلمی شد۔

تیسرا فرمان عالمگیری
۱۱۰۶ھ
۱۶۹۴ء

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پادشاہے

زبدة الامثال والاقران عمدة الاکفا، والاعیان جیکنا نایک بتوجہات
مستظہر ومباہی بودہ بداند عرضداشت آں زبدة الاقران متضمن ارادہ
آمدن حضور والتماس تعین تیمی کانت وچینتہ چمنا دولکاسوردار سال نشان عنایت عنوان
رسیدہ بہرہ مندوز بمطالعہ عالی گشتہ موجی الیہم را برونق التماس او پیش آنحا حت الاماثل فرستادیم
واز راہ تفضل وکرم نشان مرحمت زرداں محلی بہ پنجہ خاص مرحمت شدہ وتفاصیل منصب و
زمینداری وغیرہ کہ بپیشگاہ خلافت وجہانداری جناب دولت عالی متعالی درجۂ اجابت وپذیرائی
یافتہ ورضمن آں ثبت گشتہ باید کہ خاطر خود را من کل الوجوہ مطمئن داشتہ ہمرادنا مبردہ با
روانہ بہ رفیعۂ منیعہ شود کہ بعد از رسیدن حضور لعطائے فرمان والاشان واسنا ودیگر سربلند
خواہد گردید وجمیع ملتمساتش کہ مقبول درگاہ آسماں جاہ گردیدہ با دراک آں سرافتخار باوج افلاک
خواہد رسانید تاریخ غرۂ ذی قعدہ سنہ سی وشش از جلوس میمنت مانوس زینت تحریر یافت
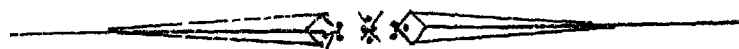
عـ۵ ضمن مقدمات چکنا نایک کہ بجواب باصواب رسیده

التماس

آنکه منصب پنجهزاری ذات پنجهزار سوار وجاگیر در نصرت آباد سرافراز شود و ضامن اول معاف گردد منظور شد

التماس

آنکه روز ملازمت پنجهزار روپیه نقد و خلعت و اسپ و زین و پدک مرحمت شود منظور شد

التماس

داغ و تصحیح و خوراک دواب معاف شود منظور شد۔

التماس

آنکه زمینداری سرکار نصرت آباد مرحمت شود و دریں باب حکم مقدس معلّی صادر شده که بدستور بام نایک

التماس

درباب دستور ہزاری ۱۱۰۰۰ وغیره ہشت مواضع معموله پرگنه جیتاپور نموده بود حکم صادر شد که بدستور بام نایک زمینداری مواضع مذکور نیز بدستور نایک منظور و آنقدر یات در جاگیر مرحمت خواهد شد

التماس

که درباب زمینداری فیروزگڈه و فیروزنگر نموده بود حکم شد که بدستور بام نایک

التماس

که درباره زمینداری الملا درینول از سرکار نصرت آباد برآمده داخل سرکار بیجاپور گردید نموده بود حکم والا صادر شد که بدستور بام نایک

التماس

نموده بود که بعد ملازمت فدوی گماشتها در محال زمینداری دخیل شوند و هرکه از رفقاے پیدیا جدا شده پیش فدوی آمده شریک کار پادشاهی شود تقصیر او معاف گردد الّا که برجوع نشوند مفسدان مذکور را بنده بمنبیه خواهد کرد امیدوار کمک شاہانه دریں باب التماس بدرجه پذیرائی اقتران یافت

التماس

آنکه بعد ملازمت فدوی افواج قاهره به تنبیه پیدیا متوجه شوند و عرض و التماسے از و منظور نگردد و وکیل او را راه نیابد بعزّ اجابت رسید۔

التماس

نموده که درباب زمینداری سرکار کلبرکا بحضور نوشته شود منظور شد

التماس

نموده که بعد ملازمت فدوی در سرانجام مطالب برادرزاده باسد لو نایک بسمع رسیده توجه مبذول شود منظور شد

التماس

نموده که فدوی بملازمت سرافراز میشود سوار و پیاده که رفیق پیدیا بوده با فدوی

خواهند بود اسپان و شتران و گاوان از
بعض افواج بادشاهی که بدزدی رفته
بود نزد آں جماعه خواهد بود هر چند لشکریان
مال خود لیشناسند تا به پس دادن آن حکم
نشود و کسے مزاحم نه گردد دریں باب دستک
مرحمت شود منظور شد -

التماس

نموده که برائے پانصد سوار و دو هزار پیاده
از قرار بست و پنج روپیه در ماهه سوار
و هفت روپیه در ماهه پیاده تا ایام
تنخواه جاگیر بعد داغ اسپان ملاحظه موجودات
پیاده ها بدستور کرناٹکیاں بلا قید جهره
باسم تو بیسی چیزے مرحمت شود امر شد
که دو هزار روپیه بصیغهٔ مساعده
برائے سواران بدو دفعه مرحمت
خواهد شد و بعد تنخواه جاگیر در سال
اول وضع خواهد گشت و پیاده ها در
سرکار والا بضابطه کرناٹکیاں نوکر
خواهند گردید -

التماس

نموده که تا انجام مهم بیدر یا فوجداری
نصرت آباد بشخصے کرد و لتخواه و
دلسوز مقرر شود امر شد که درینباره
بحضور لامع النور نوشته خواهد شد

التماس

آنکه موضع واکن کهیر که وطن قدیم
و زمینداری اوست بعد اخراج بیدریا
شقی برائے اقامت او عنایت شود
دریں باب امر شد که بعد اخراج شقی
دگر فتن توپها وغیره سرانجام انجبا و
انهدام قلعهٔ موضع مسطور عنایت
خواهد شد -

درباب فرمان عالیشان و پروانه
مهر جماعة الملک و دیوان صوبهٔ بیجاپور
متعلقهٔ انعام دهیات و زمین و دستور
زمینداری رسیده که تفصیلش

در ذیل مندرج است التماس نمودہ بدرجۂ اجابت رسیدہ دریں باب بحضور پرنور نوشتہ خواہد شد۔

التماس		
پرگنہ نصرت آباد عرف . . .	پرگنہ الملا سر دیسموکہی	فیل درجناب عالی بدرجۂ اجابت مقرون گشت دریں باب نیز بحضور پرنور نوشتہ خواہد شد۔
پرگنہ حویلی کندورہ سر دیسموکہی	پرگنہ تالی کوٹہ سر دیسموکہی وناڑگوڑگی	
پرگنہ فیروزگڑہ عرف . . . کر سر دیسموکہی	پرگنہ چلیتاپور سر دیسموکہی متعلقہ انعام مواضع . . . پورو . . . وغیرہ ہشت دیہ علاقہ پرگنہ مذکور	
فیروز آباد عرف . . . سر دیسموکہی	. . . درملک تلنگانہ . . . . و . . . . و . . . . در تنخواہ حصۂ ذات	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

مہر

آلہ
زد بتائید
سکہ بر فرمان شاہی
بندۂ حیدر علی ابن
محمد بادشاہ

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سلطان محی الدین سید عبد القادر جیلانی

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عزت و رفعت دستگاہ میراں محمد خلیل حوالہ دار و کارکنان
حال و استقبال معاملۂ مذکور آنکہ از شہور سنہ ثلاث سبعین و الف چوں در خانقاہ خلایق
آرامگاہ قادری بہ یمن چمن شرافت و سیادت شمع انجمن نقابت و ہدایت مہبط انوار محرم اسرار
حارث پیشۂ وحدت در دریائے حقیقت شمع شبستان فیض و ہر اگل گلبن ہدایت و تقی بدر سما
ارشاد ثمرۂ شجرۂ خیر العباد نہنگ بحر اشواق آلہی محمل تفضل کائنات نامتناہی دستگیر خلایق
بحر المعانی و الحقائق مرکز دائرۂ سعادت و نیک اختری مظہر انوار ہدایت و فیض گستری شاہ ذیجاہ
شاہ حضرت نبیرۂ قادری مجلس مملو و سعادت اندود حضرت سعادت الانبیا سید الاصفیا
گذرانندۂ اسرار غیب رسانندۂ اخبار لاریب شمع معراج نبوت و امامت محرم خلوتیان قرب و
کرامت نو باوۂ چمن صدق و صفا و عرس قطب الاقطاب فرد الاحباب غوث الثقلین
قطب الخافقین مختار الفریقین محبوب ربانی معشوق سبحانی مقبول دو جہانی سلطان الحسن دانش
قدس سرہ میشود لہذا از راہ مراحم پادشاہانہ فرط عواطف خسروانہ سمت آلی معہ دیہائے
معاملۂ مذکور در وجہ انعام ابدی و اکرام سرمدی شاہ مشار الیہ سو کل باب مرحمت فرمودہ دہانیدہ
شدہ است بباید کہ سمت معہ دیہائے مذکور داخل محصول نقدیات و جمیع لوازمات و بیت
بیگار و فرمایش وزر الواب دیوانی و پٹی سکۂ ہمایوں و کار عمارت و بعضے بیت مبارکہ متبرکہ
معدن الامن منبع السرور روز پٹیلگی و پٹہائے روزلیۂ و لیسائی و دیس کل کرنی و ماو گنڈہ و پٹیل
و کل کرنی و دوازدہ بلوتیاں کل باب کل وجوہات و سائر قانونات اسمی و رسمی قلمی و قدمی نقدی و جنسی
کلی و جزوی انچہ در دفتر اعلی ثبوت است و بیشتر احداث شود تمامی دنبالہ نمایند بعد مشار الیہ

باولاد و احفاد مشار الیہ جاری سازند عذر فرمان ہر سالہ مجدد نہ نمودہ سال بسال بہ ہمیں فرمان روان دارند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند تا دانند تحریر فی التاریخ بستم ماہ رجب سنہ ۱۰۷۳ھ

نوٹ - یہہ سند عطای جاگیر آناسور کی ہے - یہہ جاگیر مع مواضع نندی ہال - بلبونڈونہ - مرگھٹنال - چیتر نہال بطور مدد معاش جاری ہے - آناسور میں آثار مبارک موے مبارک اور دو پارہ الم وعم نوشتۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بخط کوفی ہیں - جاگیرات کا محاصل اٹھارہ ہزار سالانہ ہے علاوہ اس کے کنبرٹہ تعلقہ انگنی ضلع بیجاپور میں ایک ہزار نقدی اور ایک ہزار کی محاصلی معاش علاقۂ انگریزی میں جاری و بحال ہے نیز تلنگہ ضلع بیدر میں بھی تخمیناً ایک ہزار کی معاش ہے - شاہ نور اللہ قادری اور اُن کے بیٹے شاہ عبد اللطیف دونوں تلنگہ ضلع بیدر سے بیجاپور تشریف لائے - اُن کے صاحبزادہ شاہ حضرت نبیرہ قادری جن کے نام یہہ فرمان ہے آناسور آئے تھے مگر بیجاپور میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہیں آپ کے فرزند سید شاہ سیف اللہ قادری آناسور میں مرے مگر نعش تلنگہ سے جاکر دفن ہوئی - اس کے بعد کا سلسلہ حیدر شہید قادری - سید محمد قادری - سید احمد قادری - شاہ حضرت قادری ہے - حیدر شہید صاحب بھی تلنگہ ہی میں مدفون ہیں باقی تین صاحبوں کے مزار آناسور میں ہیں شاہ - شاہ حضرت قادری کے دو فرزند سید محمد تاج الدین قادری اور سید شاہ حسین قادری - اول الذکر کے فرزند نصیر الدین قادری سجادہ ہیں اور ثانی الذکر کی فرزند سید احمد قادری حصہ دار نصف جاگیر زندہ ہیں - ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۲ھ یوم جمعہ کو راقم بھی آناسور میں زیارت تبرکات کی غرض سے گیا تھا اُسی دن بعد العصر یہہ سند سجادہ صاحب نے مجھے دکھلائی جن کو پہلے شکوہ فالج کا ہوچکا تھا - آٹھ بجے شب کے زیارت تبرکات کی ہوئی - سجادہ صاحب کی حالت بالکل اچھی تھی حسب معمول میرے ساتھ کھانا کھایا باتیں کرتے رہے قریب بارہ بجے کے اندر زنان خانے میں گئے دس منٹ نہ گزرے تھے کہ عورتوں کے رونے کی آواز آئی چو طرف سے لوگ دوڑ پڑے معلوم ہوا کہ سجادہ صاحب استنجے کو گئے تھے وہیں گر پڑے اور روح پرواز ہوگئی - انا للہ و انا الیہ راجعون - عمر شریف (۵۴) سال تھی - ایسی اچانک موت سے کہ جس کا سان و گمان بھی نہ تھا دل ہل گیا - غالباً فالج قلب پر گرا اور گرتے ہی روح پرواز کر گئی - ۱۲ من المصنف -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

مہر نادر علی

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب دیسایان و نارکراں پرگنہ گورگونٹہ وکونوار مشہور
سیدراونکوٹ آنکہ از شہور سنہ سبعین والف چوں لنگ نایک دیسائی قریات لکرہ سمت
بیجال وسر دیسائی پرگنہ مذکور برائے مصاحبت بدرگاہ والا آمدہ بود و ریکہ تازہ میدان سرآمد
بردلان منتخب دولتخواہان زبدۂ رزم آرایان موافق مزاج وہاج شیخ مناح زخمی کرد او میت
شدہ اکنوں ازراہ مراحم بادشاہانہ و فرط عواطف خسروانہ پرگنہ مذکور در وجہہ انعام ابدی
واکرام سرمدی جڑی سوم پا نایک فرزند لنگ نایک شرزہ دیسائی سمت بیجال وقریات
لکرہ وسر دیسائی پرگنہ مذکور مرحمت فرمودہ دہانیدہ شدہ است میباید کہ پرگنہ مذکور داخل
محصول ونقدیات وجمیع لوازمات وبیت وبیگار وفرمائش وزر ابواب دیوانی دی سکہ ہمیوں
وکار عمارت وبعضی ثبت متبرکہ معدن الامن منبع السرور وکلیات وکلو جوہات دنبالہ نمایند
در قبض وتصرف موہی الیہ باز گزارند و عذر فرمان ہر سالہ نہ کنند ونقلش نوشتہ گرفتہ اصل فرمان
باز دہند تا دانند بر حکم فرمان اشرف روند تحریر فی التاریخ ۱۶ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۸۶ھ
پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمیوں اعلیٰ

نوٹ - سکندر عادل آخری بادشاہ خاندان عادل شاہی کا سنہ ۱۰۸۳ھ میں تخت پر بیٹھا یہ سند سمستان گرگنٹہ
ضلع رائچور کی اُسی کے زمانے کی ہے - سمستان میں (۳۴) مواضع محاصلی ساٹھ ہزار کے ہیں - سرکار میں سات
ہزار پچاس روپیہ سالانہ پیش کش ادا کرتے ہیں - رانی گورمّا شرزہ بہادر والیہ سمستان تھیں جن کا انتقال
سنہ ۱۳۲۱ھ میں ہوا اب اُن کا متبنیٰ لڑکا جو نواسہ بھی ہے جڑی سوم پا نایک شرزہ بہادر نابالغ ہونے سے فی الحال
علاقہ زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز ہے - ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

سکندر غازی
سلطان ابن علی
عادل شاہ

نقل

فرمان ہمایون شرف صدور یافت بجانب عاملان حال و استقبال و ناڈگیران و ولیبایان و دیس کلکرنان پرگنہ سندہ ہونور آں کہ از شہور سنہ ثمانین والف دریں ولا شریعت و مشیخت پناہ قاضی شیخ محمد باقر بن قاضی شیخ ملک قاضی پرگنہ مذکور بدرگاہ معلیٰ واضح نمود کہ خود را خدمت قضائی پرگنہ مسطور قدیم الایام از وقت آبا و اجداد مقرر است و بجہتہ خدمت قضاءت وجہ معاش چہار چاور زمین از آں جملہ یک و نیم چاور در سواد قصبہ پرگنہ مذکور و نیم چاور در سواد موضع کناری و نیم چاور در سواد موضع سدا پور و نیم چاور در سواد موضع گومرسی و ربع چاور در سواد موضع بوتل دنی و ربع چاور در سواد موضع ہرٹ نور و ربع چاور در سواد موضع ماڑسردار و ربع چاور در سواد موضع کنگن ہٹی و مبلغ یک صد ہون نقدیات سالیانہ از آں جملہ مبلغ سی و ہفت و نیم ہون در قصبہ پرگنہ مذکور و مبلغ شصت و دو و نیم ہون در دیہات پرگنہ مسطور از آں جملہ مبلغ ہشت و سہ ہون در سمت علم لور و ہشت و دو و نیم ہون در سمت حویلی و دہ ہون در سمت کونٹگی و ہفت ہون در سمت دھڑ سگور بطریق انعام ابدی و اکرام سرمدی مقرر است بدیں موجب خود را زمین و نقدیات جاری و روانست اما حکم اشرف منصب قضا را لازم است نظر عنایت فرمودہ فرمان مرحمت فرمایند تا تقید احکام شرع متین و دین مبین نمودہ بدعاے دوام خلافت ابد پیوند اشتغال وارد بنا براں التماس شریعت پناہ بہ خاطر مبارک آوردہ خدمت قضاے پرگنہ مذکور مع سمتہا شریعت و مشیخت پناہ شیخ محمد باقر بن قاضی شیخ ملک را بدستور سابق مقرر نمودہ وجہ معاش چہار چاور زمین و مبلغ یک صد ہون نقدیات بہ موجب تفصیل مسطور

از سواد قصبہ و دیہات پرگنہ مذکور مطابق سابق وا نمیدہ شدہ است می باید کہ زمین و نقد مذکور را داخل محصول و نقدیات و جمیع لوازمات و فرمائش و رتنہ و لیسائی و ولیس کلکرنی و زر ابواب دیوانی و بعضی کلباب و کل وجوہات و سایر قانونات اسمی و رسمی و قلمی و قدمی و آنچہ در دفاتر اعلی ثبت یافتہ است و بیشتر احداث خواہد شد و نبالہ شریعت پناہ نمایند و امور شریعت غرالعہدہ اش ساختہ ممد و معاون قاضی مشار الیہ ہمہ ابواب بودہ باشند و چہار پیادہ تھانہ حوالہ محکمہ شرع شریف نمایند و ہر سال عذر فرمان مجدد نکردہ سال بسال نقل این فرمان مع اولاد و احفاد او جاری دارند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند تا دانند بر حکم فرمان اشرف روند۔ تحریر فی التاریخ دہم رمضان سنہ ۱۰۹۰ھ

پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس خط نون اعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت ونقابت مرتبت نجابت وشرافت منزلت نقاوہ دودمان ارشادو ہدایت خلاصۂ
خاندان رشادو افاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نوربخش اوج ولایت المختص بعواطف
الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرور باشند بعد ہذا مخفی نماند کہ سابقاً حقیقت
رسیدن مغل بوضع کربراسنگی وتیکوتہ نگارش فرمودہ بمسارعت تمامتر فرزند ولشکر واحشام خاں
عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خاں را بحضور الوز آوردن نگاشتہ شدہ بود اما تا حال
از مکان متمکنہ عدول نکردند واحوال اینجا اینست کہ لشکر مغل درپے تخریب پرگنہ جمکندی و
تیرول وغیرہ ملک معمور شدہ وخان رفیع الشان شرزہ خاں را کہ حکم فرمودہ بودیم معز الیہ
راست بدار الخلافہ امروز کہ تاریخ ششم است بمجرد اطلاع اخبار حادثات رسیدند مغل
درپی مشار الیہ می رسد بیقین تصور نمودہ درحالتے کہ حقیقت مرقومہ بمطالعہ درآید مع فرزند
ولشکر واحشام خاں معز الیہ راہ دار السلطنت پیش گرفتہ بیایند والا
رسیدن بآں سیادت پناہ ممکن ومیسر نخواہد شد مشہور است کہ کار
امروز بفردا مفگن ہاں زنہار چوں شود روز دگر نوبت کاری دگر است
الحال بجز جنگ وجدال وقتل وقتال صورتی دیگر مقصود نیست زیادہ آں سیادت پناہ دانا اند

یا ﷲ محی الدین مدد

نوٹ۔ یہ اصل فرمان مجھ کو سید احمد صاحب نبیرۂ قادری جاگیردار آناہسور سے ملا ہی جو نہایت خوش خط سنہری لکیر دار کاغذ پر لکھا ہوا ہی۔ اس پر کوئی تاریخ نہیں ہی مہر دستی میں صرف مدد یا محی الدین کندہ ہی جو فرمان کے داہنے حاشیہ پر ثبت ہی اور کسی وزیر کی معلوم ہوتی ہی مگر بلحاظ واقعات اواخر زمانۂ سلطنت علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ تا ۱۰۸۳ھ) یا اوائل سلطنت سکندر عادل شاہ کا معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے میں سید الیاس المخاطب بہ شرزہ خاں اور مسعود خاں دونوں موجود تھے اور شرزہ خاں کے نام اورنگ زیب کا فرمان ۱۰۹۳ھ کا اسی کتاب میں نقل کیا گیا ہی جس سے اندازہ اس فرمان کے سنہ کتابت کا لگایا جا سکتا ہی۔ قدیم زمانے میں ایسے فرامین طباق اور کمر بند لگ کر آتے تھے اور کمر بند پر ایک طرف القاب اور دوسری طرف تاریخ تحریر اور درمیانی پر نام مکتوب الیہ اور پشت پر مہر ہوتی تھی یہ طریقہ مراسلت کا میرے دیکھنے تک نواب مختار الملک بہادر سر سالار جنگ اول کی مدار المہامی تک جاری تھا۔ اب انگریزی تہذیب نے ان سب قیود سے آزاد کر دیا۔ ۱۲ من المصنف۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت ونقابت مرتبت نجابت وشرافت منزلت نقاوۂ دودمان ارشاد وہدایت خلاصۂ خاندان رشاد وافاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نوربخش اوج ولایت المختص بعواطف الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرہ ور باشند بعد ہذا مخفی نماند کہ حقیقت فرو گردانیدن نوکری عبدالمحمد بیرون حصار مدکل وگرانی خاطر خان عالیشان رفیع القدر والمکان مسعود خان بسبب تاکید واہداد سند نور ونوشتہ معز الیہ کہ بنام آن سیادت مرتبت رسیدہ بجنس ارسال داشتہ ومقدمات دیگر مفصل و مشروح نوشتہ بودند ہمگی روشن شد اگر بہ پالیکاران وغیرہ تاکید بی اطلاع آن سیادت پناہ کردن بخاطر مبارک داشتیم برائے چہ بآن سیادت مرتبت نگارش میفرمودیم تاحال ہیچ یکے حکم نشدہ . . . . . . خاطر خدا شناس جمعدار زندہ معز الیہ چنانچہ دانند وتوانند نوشتہ فرستادہ دلاسا واستمالت کردہ فرزند معز الیہ را با سواران واحشام حضور لامع النور بیارند وبوقت ردوبدل شتافتہ درباب سند نور بآن سیادت پناہ آنچہ فرمودہ ایم ومکرر البعد ازروانہ شدن چنانچہ نگارش یافتہ معلوم رائے حقیقت شناس خواہد بود معز الیہ بحکم اشرف درامر مصدر قیام واقدام . . . . . . فدویت وحلال نمکی وخیر طلبی بمراحل مستبعد است وبرفدویت ونکو بندگی معز الیہ تیقن تمام است کہ چون حکم فرمائیم سندور . . . باشد زیادہ ازین نثار حکم والا خواہند گردو ما کہ بر سر مہربانی بیائیم صد سند نور را اعطا ومرحمت توانیم کرد اما معز الیہ را ضرور ولازم است کہ بہ ہنوقت حوادث وآشوب اظہار فدویت کردہ در دفع ورفع حادثات سلطنت سعی نمایند ودرپی امور سہل لشکر واحشام را مشغول نگردانند ویقین تصور فرمودہ بودیم کہ آن سیادت پناہ تاحال فکر آوردن معز الیہ . . . مات را مرتفع گردانند عجب از نوشتہ جات واقوال معز الیہ آمدہ کہ ہنوز در تردد وتفکر روانگی فرزند اند وچہار ماہ درنگ وتسویف نمودہ باز شقوق تازہ درمیان می آرند بر عالمیان ظاہر است آنچہ آن سیادت پناہ دلاسا واستمالت ومہربانی نواب ہمیون باظہار کنند زیادہ ازان ازما

مہر: یا الدین محی
مدد

بانجام رسانیدن می توانند و ہر گونہ خیالات و اندیشہا کہ مکنون خاطر عقیدت ماثر معز الیہ شدہ آنرا بزلال التفات و توجہات عالیات مصفا ساختہ و غبار آلودگی را بمہربانیہاے گوناگوں و مراحم روز افزوں رفت روب دادہ سرگرم جادۂ اطاعت و فرماں برداری دارند و انواع تفضلات و نوازشات کہ دربارۂ معز الیہ مرکوز خاطر اشرف اقدس است بعد از آوردن فرزند معز الیہ مع لشکر و احشام بمنصۂ ظہور خواہد رسید زیادہ بجز بشوق قلمی نشد۔
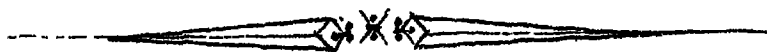
سترھواں ضمیمہ

قندہار

حیدرآباد سے شمال و غرب (۱۴۰) میل اور ناندیڑ مستقر ضلع سے (۲۰) میل ہی یہ مقام سطح سمندر سے ۱۲۴۳ فیٹ بلند ہی خانہ شماری ۱۵۹۴ اور مردم شماری ۷۷۰۹ ہی۔ قندہار راجہ کنھر کا آباد کیا ہوا ہی جو پانڈو راجہ کی اولاد تھا۔ اُس نے اس بستی کا نام کنھار رکھا تھا نندا گری (ناندیڑ) راجہ نندو نے آباد کیا اور اپنا دارالسلطنت قرار دیا جو چلوکیا خاندان سے تھا۔ اس کی وفات کے بعد اُس کے دو بیٹوں میں سے ایک نے قندہار دارالسلطنت مقرر کیا اور دوسرے نے ہنمکنڈہ (ورنگل) قندہار کے راجہ کا نام سوما دیوراج تھا جو چوتھی صدی عیسوی دکن میں حکمران تھا۔ قندہار بعد میں ہنمکنڈہ کے راجہ مادھودھرما کے تحت میں رہا پھر اُس کی بیٹی مسماۃ برم سین اور سلسلہ بہ سلسلہ راجہ گنڈو مہاراج حکمراں ہوا۔ اور ۸۴۳ء میں بیروکا دیو تخت نشین ہوا وہ کم سن ہونے سے اُس کی پھوپی کنھلی دیبی کاروبار چلاتی رہی۔ بیروکا دیو کی شادی دیوگیر کے راجہ کی بیٹی سے ہوئی اُن کا فرزند راجہ بھوانی کا مالا ڈو تخت نشین ہوا۔ پھر اُس کا بیٹا کیشا پوتراج راجہ ہوا جس کے نام سے کاکیسا خاندان چلا اسی نے ۱۰۷۶ء میں ورنگل آباد کیا یہ راجہ اپنے بیٹے سری رور دیو کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔ سری رُوردیو نے ۱۰۹۸ء سے ۱۱۷۶ء تک سلطنت کی۔ ہنمکنڈہ کی قدیم ہزار کھم کی دیول کی پرانی تحریر ۱۱۶۲ء کی اس کے زمانے کی ہی۔ پاکھال کا مشہور تالاب اُسی کا بنایا ہوا ہی۔ کاما سری رردر دیو کے بعد اس کا بڑا لڑکا جانشین ہوا مگر اُس کو اُس کے چچا مہادیو نے مار ڈالا اور اِس کے چھوٹے بھائی گنپتی کو تخت پر بٹھا کر تین سال تک خود نیابتہً کام کرتا رہا۔ تیسرے سال مہادیو راجہ دیوگیر کے مقابلے میں مارا گیا اور گنپتی دیوراج مقتدر ہوا۔ اُسی نے قندہار کے تالاب کی توسیع اور مرمت کی اور نہر پختہ بنائی اور مہادیو کا ایک مستحکم دیول بنایا۔ اُس کی حکومت ۱۱۷۹ء سے ۱۲۲۷ء تک رہی۔ ورنگل کی

سنگین دیوار بھی اسی کے عہد میں بنی ہے۔ گنپتی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس کے بعد رانی رودرماّ دیوی حکمراں تھی جس کا مقابلہ دیوگیر کے راجہ کندارا سے ہوا لیکن آخرکار راجہ دیوگیر کا قبضہ قندہار پر ہوگیا اور اس بستی کا نام کنھار سے کندارا ہوگیا اور پھر مسلمانوں کے عہد میں قندہار سے بدل گیا۔ اس راجہ کی حکومت ۱۲۴۸ء سے ۱۲۶۰ء تک رہی اس کے بعد پھر قندہار پر رودرماّ دیوی کا قبضہ ہوگیا جس نے (۴۰) سال تک سلطنت کی اور اپنے شوہر سے بہتر حکومت کی۔ ورنگل کے قلعے کی پختہ دیوار اسی کے عہد میں ختم ہوئی۔ اس کے بعد پرتاپ رُدردیو تخت نشین ہوا جو بہت کم سن ہونے کی وجہ سے اس کی نانی راجہ گنپتی دیو کی بیٹی بارہ سال تک حکومت کرتی رہی۔ جب راجہ پرتاب رُدر جوان ہوا تو بہت سا ملک فتح کیا۔ ہن جو آسمان سے برسنے کی روایت مشہور ہے یہ واقعہ اسی کی سلطنت میں ہوا تھا۔ اس راجہ نے راجہ دیوگری کو بھی مغلوب کر کے قلعہ ورنگل میں قید کر دیا اور کل ملک دکن میں اس کی حکومت جاری تھی۔ ۵۹۱ھ میں مسلمانوں نے اجمیر کے راجہ کو قتل کیا۔ مسلمانوں کا ستارہ چمک رہا تھا۔ راجۂ دیوگیر کے بھائی نے پرتاب رودر کی شکایت سلطان شہاب الدین غوری سے کی وہاں سے ملک عیسیٰ خاں چڑھ کر آیا مگر شکست پائی دوبارہ بہلول خاں لشکر لے کر آیا اور قصبۂ راجرلہ پر بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں راجہ اور اس کے بہت سے عہدہ داروں کو گرفتار کر کے دہلی لے گیا۔

سلطان سے اطاعت اور خراج دہی کے اقرار پر رہائی ملی۔ پرتاب رُدر دکن میں واپس آیا اور چند سال کے بعد مر گیا اور اس کا بیٹا ویربھدر حاکم ہوا جو بڑا پست ہمت تھا سلطنت کو سنبھال نہ سکا۔ پرتاپ رودر کے زمانے میں خراج نہ دینے سے ۷۰۲ھ میں سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی نے بنگالہ کی راہ سے ورنگل پر چڑھائی کی مگر پسپا ہوا پھر دوبارہ ۷۰۹ھ میں ملک کافور کی سرکردگی سے لشکر بھیجا جو دیوگیر کے راستہ سے ورنگل پہنچا۔ راجہ نے بہت نقصان اٹھایا اور بیس ہاتھی اور سات سو گھوڑے دے کر صلح کر لی۔ جب دہلی کی سلطنت خلجیوں سے نکل کر خاندان تغلق میں آئی تو غیاث الدین تغلق نے ۷۲۲ھ میں ملک فخر الدین کو فوج کثیر کے ساتھ ورنگل روانہ کیا لیکن شکست ہوئی پھر دوبارہ ملک فخر الدین نے

چڑھائی کی اور قلعہ ورنگل فتح کرلیا اور سلطان پور نام رکھا۔ سلطان محمد تغلق نے قندہار کی حکومت پر شہاب سلطان المخاطب بہ نصرت خاں کو مقرر کیا جس کا صدر مقام بیدر تھا۔ اس کے بعد قتلغ کے سپرد ہوا۔ پہلے قندہار کا قلعہ مٹی اور اینٹ کا تھا سلطان محمد تغلق شاہ کے عہد میں پختہ طیار ہوا۔ قلعہ کے مچھلی دروازے کی بائیں جانب محراب میں سب سے پہلا اور قدیم کتبہ ملک سیف الدولہ کی عہد حکومت کا ہے جس پر سنہ ۷۴۶ھ کندہ ہے اور سنہ ۷۲۵ھ سے سنہ ۷۴۶ھ تک ملک دکن سلطان محمد تغلق کے زیر حکومت رہا۔ قلعہ کی پختہ اور سنگین عمارتیں (جن میں قلعہ کے اندرون حصار مچھلی دروازے کے بازو چھوٹی کمان میں ملک سیف الدولہ کے ایک کتبے میں سنہ ۷۴۴ھ کندہ ہے) تالاب کا سنگ بست پشتہ اور عیدگاہ سب ملک سیف الدولہ کے عہد حکومت میں حاجی مصطفیٰ اصفی الدین کے اہتمام سے طیار ہوئی ہیں بعد سلاطین بہمنیہ کا قبضہ قندہار پر رہا پھر بریدیوں کا اور سنہ ۹۵۹ھ میں برہان نظام شاہ کا قبضہ ہونا ہے۔ نو بار دروازے کے بعد مچھلی دروازے قلعہ کے بازو جو کتبہ ہے اُس کی پہلی سطر کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے اور اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ اور وَصِیُّ اللّٰہِ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیادہ سطور بخط طغرا ہیں جو پڑھی نہیں گئیں آخر میں برہان نظام شاہ کا نام ہے سنہ ۱۰۱۰ھ میں ابراہیم عادل شاہ کا قبضہ رہا ہے جیسا کہ اس کتبہ سے جو مسجد پر عربی عبارت کے بعد فارسی میں درج ہے واضح ہوتا ہے۔

اظہار کمالیت یافت مسجد رفیع محمدی صلعم
شہور سنہ ۱۰۱۴ھ

شد بنا بر وقت ابراہیم عادل شاہ	مسجد بہتر کہ از صفش رسیدہ تا بماہ
از برائے خواندن قرآں نماز و ذکر حق	کرد فرمائش با وعبد العزیز نیک خواہ

بعد یہ قلعہ عادل شاہ نے ملک عنبر حبشی بیجاپوری کے سپرد کردیا اُس نے مرتضیٰ نظام شاہ کو قلعہ اوسہ میں قید کر رکھا تھا اور اس وجہ سے قندہار کا تعلق دولت آباد سے ہوگیا ملک عنبر نے قلعہ قندہار کی درست کرائی۔ عادل شاہی عمل داری میں جو عمارات اور برج تیار ہو رہے تھے اُن کی تکمیل کرادی اور مسجد جو زیر تعمیر تھی وہ بھی مکمل ہوئی جیسا کہ بیچ کی محراب

کے بیرونی حصہ کی بلندی پر دونوں جانب کے کتبوں سے واضح ہوتا ہے - اسی نے "ملک ضبط" بہت بڑی توپ کو درست کرا کے آبادی شہر کے جانب بڑے برج پر چڑھوا دیا جب سے یہ توپ بڑی عنبری کہلاتی ہے - ملک عنبر کی دو لڑکیاں حلیمہ بانو اور شہر بانو مدتوں یہیں رہیں اور یہیں انتقال کیا دونوں کی قبریں موجود ہیں اور ان کی آل اولاد بھی اب تک موجود ہے اور موضع ویلوپ تعلقہ نانڈیر تا حال بطور جاگیر بحال ہے - بڑا عاشور خانہ جس میں حسینی علم استادہ ہوتے ہیں ملک عنبر کا بنوایا ہوا ہے - اسی نے ۱۰۲۲ھ میں قاضی محلہ کی مسجد بنوائی مگر کوئی کتبہ نہیں ہے لیکن ایک قدیم بیاض میں یہ بیت لکھی ہوئی ہے ؎

بعہد والی دیں حضرت ملک عنبر　　ہزار و بست و دو بودہ ز ہجر پیغمبر

کپتان برگس نے لکھا ہے کہ ملک عنبر نے انتظام بہت عمدہ کیا تھا اور زمین کی پیمایش کرا کے بٹائی کا طریقہ جاری کیا کہ نصف حصہ پیداوار لیا جاتا تھا - ملک عنبر نے (۸۰) سال کی عمر میں ۲۴ شعبان ۱۰۳۵ھ میں انتقال کیا - گنبد خلد آباد میں حضرت یوسف راجو قتال قدس سرہٗ کے گنبد کے قریب ہے -

ساس بہو کی باؤلی جتنے قلعہ دار قندہار میں ہوئے سب کے قبور نہایت عمدہ سیاہ پتھر کی مالنس پور کے قریب ساس بہو کے باؤلی کے پاس ہیں - (مالنس پور کا نام پنچال نگری بھی ہے بہت پرانی بستی ہے قندہار سے ایک میل مشرق کی طرف) اس باؤلی کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ ساس کی بنوائی ہوئی باؤلی کا پانی ململا ہے اور بہو کی باؤلی کا شیریں یہ باؤلیاں بہت قدیم ہیں مرزا امان بیگ قلعہ دار کے زمانے میں اس کی مرمت ہوئی اور انہوں نے یہاں ایک عمدہ باغ بنوایا -

باغ رشک کشمیر مرزا حمید الدین خاں قلعہ دار الملخا طب بہ خان زاد خاں نے حسب الحکم بادشاہ اورنگ زیب قندہار میں ایک نہایت خوش نما باغ بنوایا تھا جس کا سیاہ پتھر کا یہ کتبہ ہے -

حمید الدین محمد خواجۂ دہر　　کہ باشد خاک راہش عین اکسیر
بحکم شاہ عالمگیر غازی　　بنا فرمود باغ از اوج تصویر
زہے باغے کہ از نظارۂ او　　بگرد سر مہ گردد نور تحریر

پی تاریخ او از پیر دانش | بپرسیدم بگفت از حسن تقریر
بیفزائی چو پنج اندر حسابش | شود تاریخ سالش رشک کشمیر

سنہ ۱۰۹۵ھ

اب نہ وہ باغ باقی ہے نہ مکان بلکہ پتہ تک نہیں کہ یہ باغ کہاں تھا چونکہ یہ کتبہ ایک بہت خوش نما پتھر پر تھا کسی قلعہ دار نے برج ابراہیمی پر نصب کرا دیا ہے۔

رومی خاں قلعہ دار کا مقبرہ قلعہ کے متصل ہے جو غالباً نظام شاہی یا عادل شاہی قلعہ دار تھے خاں روز یہاں ایک قلعہ دار تھے جن کا مزار اُن ہی کا بنایا ہوا ہے۔

شاہ فرید کی مسجد ایک نہایت خوشنما مسجد ہے۔ جو لب تالاب ہے۔ اس مسجد میں کوئی بزرگ شاہ فرید نامی عرصۂ دراز تک رہے ہیں اس وجہ سے اُن ہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

غازی پورہ اورنگ زیب کے عہد میں نواب عمدۃ الملک غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ غرب رویہ دروازہ کے باہر یہ محلہ آباد کیا اب یہاں سوائے آثار یا یہ دیوار کے کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف محلہ کا نام باقی ہے۔

یمنا کی مسجد یہ ایک متمول عورت سدّی عبداللہ کی منکوحہ تھی (جو ملک عنبر کی بیٹی شہر بانو کے داماد تھے) اس نے غازی پورہ میں ایک مسجد بنوائی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک مشہور طوائف تھی۔

گوڈر کا مٹھ غازی پورے میں سلیمان ٹیکڑی کے جانب یہ مٹھ ہے گوڈر کا اصلی نام غریب پوری مہنت تھا اُس نے مکان طیار کر کے یہاں سکونت اختیار کی یہ مٹھ اب تک آباد ہے اور سرکار سے معاش جاری ہے اس مٹھ میں شروع سے اب تک اکیس مہنت ہو چکے ہیں۔

گولی پورہ غازی پورہ کے آگے تالاب کے کنارے کنارے گویوں کی آبادی تھی اب یہاں زراعت ہوتی ہے مکانات کے نشانات زمانے کے ہاتھوں سے مٹ گئے۔

کریم شاہ کی مسجد اس مسجد کو کالی مسجد بھی کہتے ہیں گولی گوڑے کے آگے تالاب کے اوپر بلند مقام پر بنی ہوئی ہے اب بالکل بوسیدہ حال میں ہے یہ مسجد اور تکیہ خواجہ شاہ حسین

صاحب خلیفہ خواجہ سید شاہ پیر باباحسینی صاحب سجادۂ درگاہ حضرت خواجہ امین الدین شیر خدا قدس سرہ بیجاپوری کی بنوائی ہوئی ہے آپ بیجاپور سے بطور سیاحت یہاں تشریف لائے تھے۔

اورنگ پورہ اورنگ زیب کے زمانہ میں اورنگ خاں قلعہ دار نے جو بیدر کے صوبہ دار بھی تھے تالاب کے شمالی جانب جو آبادی حجاموں کے محلے کے نام سے مشہور تھی اس کو بساکر اورنگ پورہ نام رکھ دیا اور یہیں ایک مسجد بھی بنوادی جو اورنگ پورہ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چونڈاسری دیوی اس نام کا مندر یہاں تھا ایک بڑے پتھر دیوی کی منقش مورت اور ہنومان کی مورت بھی موجود ہے۔

میناڑ اور ناگ جھری ندی اس تعلقہ میں دو ندیاں ہیں۔ اول الذکر دھرماپوری تعلقۂ راجورہ کے پہاڑوں سے نکلی ہے اور قندہار پر سے گزرتی ہوئی ضلع نظام آباد میں ماجرا ندی سے مل گئی ہے۔ ناگ جھری قندہاری کے رمنہ کے پہاڑوں سے نکلتی ہے جہاں سے پانی کا جھرا نکلا ہے وہاں سانپ کے منہ کی طرح کا پتھر لگادیا ہے اس لئے اس ندی کا نام ناگ جھری پڑگیا ہے۔ یہ ندی مالنس پور سے ہوتی ہوئی میناڑ میں جاملی ہے۔ طول اس ندی کا صرف (۴) میل ہے۔ بریدشاہی عمل داری میں اس ندی کو روک کر ایک بہت بڑا اور مستحکم تالاب طیار کیا گیا تھا لیکن بعد میں بند ٹوٹ گیا تھا راجہ لعل کبیری سنگھ نے دہانے کی مرمت کرائی۔ ندی زوردار تھی پھر ٹوٹ گیا جب سے اب تک شکستہ ہی ہے۔ اس تالاب کے پاس پہاڑ کے دامن میں بریدآباد اور لعل کبیری سنگھ کا آباد کیا ہوا لعل نگر اور تالاب موجود ہے۔

کورندکا تالاب اور دو انگل کی باؤلی یہ بہت بڑا تالاب ہے اس سے دو نہریں بھی بہتی ہیں جس سے زراعت ہوتی ہے۔ جو نہر آبادی سے ملی ہوئی ہے اوسکا حضرت حاجی سید سرور مخدوم کے روضے کے روبرو پٹاؤ کردیا گیا ہے۔ یہاں ابتدائی سیڑھیوں پر ایک دو انگل کا سوراخ رکھ دیا ہے بچے کوڑی کو تاگا باندھ کر اندر ڈالتے ہیں جو بھیک جاتی ہے۔ اس نہر کا نام یہاں سے مخدوم کالوہ مشہور ہے۔ اس نہر کا پانی بہاؤ پورے کو بھی جاتا ہے۔

پن چکی۔ اورنگ پورہ کے جانب نہر کا پانی نانڈیڑی دروازہ اور لال نگری آبادی سے مل کر مانس پور تک جاتا ہے جس سے زراعت ہوتی ہے اس نہر کے دہانے کو کاسولی کاتم کہتے ہیں اس میں شہر کی پن چکی ہے۔

ہاتھی نالہ یہ نالہ قندہار کے جنوبی غربی پہاڑوں سے بہ کر اس کا پانی تالاب میں جاتا ہے اس کی دلدل میں کسی زمانے میں ایک ہاتھی پھنس گیا تھا اس وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔

لال نگر کا تالاب ایک چھوٹا سا تالاب ہے جو اب شکستہ ہے۔

کنول تالاب اس تالاب کے تحت زراعت ہوتی ہے۔
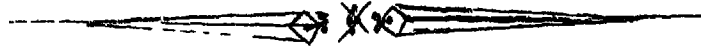
اٹھارواں ضمیمہ

کرنول

رائچور سے براہ ڈورناچلم جنکشن ڈیڑھ سو میل مدراس سدرن مرہٹہ چھوٹی پٹری کی لین کا اسٹیشن ہے یہ بھی ایک تاریخی مقام ہے یہاں بھی قدیم قلعہ تھا جو ٹوٹ پھوٹ کر اب چند برج رہ گئے ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا شہر سے ملا ہوا ہے اُسے عبور کرکے عالم پور کو جاتے ہیں کرنول سے عالم پور مستقر تحصیل (۹) میل کا فاصلہ ہے:- یہاں کی سہ رواقی مسجد پر یہ کتبہ ہے۔

جو در زمان غلام رسول خاں نوّاب — بنائے مسجد مظہر شدہ بہ بسم اللہ
بگفت ہاتف غیبی بنائے تعمیرش — زہے مسجد الطیب بمونہ بیت اللہ

کتبہ بر جامع مسجد

اللہ کافی — اللہ کافی
یا کافی المہمات — یا کافی المہمات
کلمۂ توحید — کلمۂ توحید
اللہ کافی — اللہ کافی
یا کافی المہمات — چار مرتبہ
چراغ و مسجد و محراب و منبر — ابو بکر و عمر عثمان و حیدر
اللہ کافی — اللہ کافی

مسجد کے مقابل کے دروازے پر

یا مفتح الابواب — کلمۂ توحید — یا مفتح الابواب

اسی مسجد میں ایک قبر کے سرہانے اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ یا غفور یا رحیم

مُحَمَّدٌ عَادِلٌ اِنْتِقَالُہٗ فِیْ رَجَبِ عَامٍ — اَنْزَلَہُ بِجَنَّاتِ الْفِرْدَوْسِ مَقَامٍ
اِذَا وَصَلَ مُحَمَّدٌ عَادِلٌ فِیْ رَحْمَتِہٖ — جَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ حُضْرَۃً

اُلْقِيَ بِيَائِي مِنَ الْغَيْبِ بَغْتَةً تَارِيخُهُ عَامًا وَيَدْخُلُ جَنَّةً

منزل عادل پیر سید ہم سروش گفت دایم جنت آمد سوروش

کتبات گنبد حضرت عبدالوہاب صاحب ۱۰۲۸ھ

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ

اَللّٰهُ كَافِي اَللّٰهُمَّ اغْفِرْهُ بِحُرْمَتِ مُحَمَّدٍ

گنبد کے دروازے پر

حامی دین نجبتہ الوزرا رخت چوں بست ازیں خرابہ سرا

۱۰۲۸ھ ۱۰۲۸ھ

بود خادم فقرا

سال تاریخ جستم از گردوں گفت کہ بود خادم فقرا

اندر کی رواق پر

از عطارد خواستم تاریخ آں عنبر سرشت

ہدیہ سلطاں شاکرم بہشت

۱۰۵۳ھ

گفت نظم ہدیہ سلطاں شاکرم بہشت

ایک دوسرے دروازے پر

تاریخ بنائے دروازہ غم زدا

۱۰۵۳ھ

لال مسجد

کلمۂ توحید دوبار - یامفتح الابواب دوبار

کرد مسجد بنا بنام خدا ما اعز اسمہ و ما اعلٰی

آں کہ سید حسین شیخ اجل شد بتائید مومناں اسعیٰ

آں چناں خوش نہاد بنیادش بہ نمود دار جنت الماویٰ

سال تاریخ از خرد جستم گفت خوش مسجدے ذکی و علی

اندرون پنج رواق ہائے مسجد۔ ہر رواق میں ایک شعر

در ایام سابق بنا گشتہ بود	ہمیں خانۂ پاک رب الودود
کہ از جہد موفور سید حسین	ز املاک خود کردہ جائے سجود
ز سن یازدہ صد و پنجاہ و یک	کہ تا ایں زماں کہنہ مسجد نمود
شکستہ زیا باز بستہ لداو	نظر کردہ ہر کس برائے ستود
سنش گفت با خضر ہاتف چناں	ز تعمیر مسجد چہ رونق فزود

سنہ ۱۲۹۰ھ

بیرون رواق ہا

قطعہ تاریخ از جانب ساعی کار خضر خاں خالوزئی جمعدار۔

سری کنکاچل پتی دیوستان کنک گیری[۵۱] کے تاریخی حالات۔

"سری کنکاچل پتی لچھمی نرسہوں سوامی کے قدیم دیول"[۵۲] زمانۂ سلف کے لوگوں کی زبانی اور چند داخلہ یعنی سکندپران (ایک پران کا نام ہی) تنکا مہاتمی کے (۱۰۸) باب میں سوت پرانیک نے سونیک وغیرہ رشی اپنے چیلوں کو نصیحت کی ہی۔ کہ کنکاچل پتی کے (۱۰۸) نام۔ سری سوامی کے قدیم دیول۔ جلیتی۔[۵۳] لپٹپاوتی نامی دو ندیوں کے بیچوں بیچ رہ کر یہاں سنگم ہوا ہی اور آگے چل کر دریائے تنگ بھدرا میں مل گئے ہیں۔[۵۴]

کلجگ شروع ہونے کے چند روز بعد سے جس طرح قدیم سے سری کنکاچل پتی کی از روے شاشتر ویکھانس مہارشیان شوک منی و دیکھانس سے پوجا ہوتا تھا اُسی طرح اب بھی پوجا ہوتا ہی۔

بنائے خاندان نرپتی راج سمستان بیجانگر۔

بہت دنوں کے بعد پانڈو مہاراج کے خاندان میں وجرراے مہاراج ہستناوتی (دہلی) کے تخت پر بیٹھ کر ایک چھترادھی یعنی شاہنشاہ کے لقب سے حکمراں تھا اس کے زمانے میں محمدی (اہل اسلام) لوگوں نے ترکستان سے آکر لڑائی شروع کی۔ متعدد دبار کی لڑائیوں کے بعد نرپتی (آناگنٹہ کے راجاؤں کا خطاب ہی) کو شکست ہوئی۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس وقت مسلمانوں نے

۵۱۔ کنک گیری گنگاوتی ضلع رایچور سے (۱۲) میل سنگاور گنگاوتی کی سڑک پر واقع ہی اور رایچور سے ۹۸ میل ہی۔ ۵۲ تنگ بھدرا کے مقدس حالات ۵۳ کنک گیری کے دو نالوں کے نام ہیں۔

۵۴ موضع ڈنا پور تعلقہ گنگاوتی میں تنگ بھدرا سے مل گئے ہیں۔

ہستنا وتی پر قبضہ کرکے اپنے جھنڈے چڑھا کر دلّی کا نام رکھا اور سنہو ہاسن (تخت) کو ترکستان لے گئے۔ اس کے بعد نرپتی ہک ٹک مہاراج اُس ملک یعنی دہلی کو چھوڑ کر کشکنڈہ (ہمپی) جس کا دوسرا نام وجیانگر میں آکر رہنے لگے۔ یہاں راج تپشی (یعنی بڑی ریاضت کرنے والا) مادھو تیرتھ عرف وِدّیارانیا کے پاس آکر اپنا سارا قصّہ بیان کیا۔ اِن کے عنایات حاصل کرکے مدّیہ راج (ملک کرناٹک) کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ وجے نگر عرف ہمپی کھنڈر کو آباد کرکے رہنے لگا۔ پرسیّا اُرسی نایک مہاورُدی پُرش (بہت بڑا مقبول بارگاہ) قوم گلّر (چرواہا) جس کی پیدائش پراگدیش (مشرقی ملک) تھا۔ کئی گائیں اور بکریوں کے ریوڑ ان کے پاس تھے۔ اُرچلّما کے دیول کے پاس رہتا تھا ہک بک مہاراج کے نہایت ہی ممد و معاون تھا بہت سی مصیبتیں جھیل کر نرپتی کے راج کو قایم کرا دیا۔ لہٰذا اب بھی سمستان ہلی حیدر دالوں کو نرپتی پرتشٹاپن آچاریہ کا خطاب ہے جس کے معنی ہیں کہ نرپتی راج کو قایم کرنے والا آچاری۔

نالوں کی طغیانی سے دیول کا جو مٹّی میں دبا ہوا تھا نکل آنا۔

سالی واہن سکے ۱۲۵۸ نل نام سمچھر میں سری من مہاراجہ دھی راج ویر پرتاپ سری پروڑ دیو مہاراج تھا معلوم ہوتا ہے کہ سری کنکاچل پتی سوامی کا قدیم دیول ندی کے درمیان درختوں سے چھپ گیا تھا اور قدیم منڈپ بھی (یعنی مٹی کے ڈھیر) میں دب گیا تھا۔ اور گائیں چرتے وقت کام دھین نامی ایک گائے روزانہ آکر اس بھٹ میں دودہ دیتی تھی۔ اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ راجہ نے گوپال (چرواہے کا نام ہے) کو مارا۔ دوسرے دن چرواہا گائے کی تاک میں رہا۔ گائے بھٹ میں دودہ دیتے ہوئے دیکھ کر راجہ کو اطلاع دی۔ راجہ چند آدمیوں کے ساتھ بھٹ کھدوانے کے لئے لے کر آیا اور کدالی سے کھدوا رہا تھا۔ کہ وہ لوگ خون کی قی کرکے مر گئے۔ راجہ بے ہوش ہو گیا اور یہ خواب دیکھا کہ "نرپتی میں (جو بالاجی کے نام سے مشہور ہے اور ہندؤں کی مقدس تیرتھ گاہ ہے) دھیڑوں (چماروں) کو درشن نہیں ہوتا میں اُن کے لئے اوتار ہوں۔ دکیوں کہ کنک گیری کے دیول کی جاترا میں تین دن تک نیچ قوم کے لوگ آسکتے ہیں) اُس روز صبح ہونے کے پیشتر نالوں میں طغیانی ہو کر بہہ گیا اور منڈپ نکل آیا۔ یہ خبر راجہ آناگندی کو ہوئی وہ نہایت عقیدت مندی سے سوامی کے درشن کو آیا اور قدیم منڈپ سے

دوسرے دروازے تک جدید تعمیر کرایا اور دیو کی پوجا وغیرہ برابر ہونے کے لئے ۱۲۵۸ء کی
سمھ میں (۱۲) مواضع عطا کئے - جس کا داخلہ سیلا سیاسن (پتھر کے کتبے) میں موجود ہے۔

دیول کی خدمت کے لئے پرسیا اُڑسی نایک سمتان کنک گیری کو عطائے جاگیرات

اُس زمانے میں سمتان کنک گیری والے نرپتی راجہ آناگندی کی امداد کرتے تھے اور نرپتی راجہ بھی ان کو مثل اپنے بچوں کے سمجھتا تھا اور کنک گیری والوں کی معاش میں اضافہ کیا - اپنی ریاست میں ان کی راجدھانی بھی قایم کر دی اور یہ دیول جو دوسرے دروازے تک تھا اِس دیول کو جو (۱۲) گاؤں چار لاکھ ورہا (ہن کے مماثل قدیم طلائی سکہ تھا) کے محاصل کا راج تھا وہ پرسیا اُڑسی نایک کے تفویض سکے ۱۴۰۰ پلونام سمھ میں کئے گئے - نرپتیوں (راجہ آناگندی) میں سیدھے جانب کے نشست کی عزت اور خطابات حاصل کرکے سری سوامی کی پوجا پاٹ نہایت عمدگی سے کرتے ہیں کہ سری سوامی کے ادائی خدمت کے لئے دو جاگیریں یعنی تپنٹ ہال - ملاپور پوجاریوں کے مورث اعلی سری کونڈماچاری سوامی اور اُن کے چار گوتر (فرقوں) میں دیا گیا - جس کی سند موجود ہے۔

نواب اُڑسی نایک کی پیدائش اور اُن کے زمانے کی عمارات

پرسیا اُڑسی نایک کی وفات کے بعد اس کے فرزند نواب اُڑسی نایک کی پیدائش کے وقت صرف گول مضغہ نکلا اس پر رانی کے پاس رہنے والی عورتوں کو شبہ ہوا اور راجہ کو خبر کر دی - راجہ نے حکم دیا کہ اس جنین کو سری سوامی کے پاس ڈال دو حسبہ تعمیل کی گئی - معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ دیوی کا دودھ پی کر (۱۲) سال تک پرورش پاتا رہا - اس کے بعد اُڑسی نایک نے سالیواہن سکے ۱۴۳۲ ایشور نام سمھ میں قصبہ کنک گیری کو آباد کرنے کی [illegible] کو توڑ کر ایک ہی گاؤں آباد کر کے اس کا نام کنک گیری رکھا - گاؤں کے اطراف فصیل ابار کرکے سری سوامی کے مدھیہ رنگ (بیچ صحن) دیول کے چاروں طرف کمپونڈ اور [illegible] کے زمانے میں ہوا - صدر دروازے کے باہر باؤلی کے پاس ایک چھوٹا سا دیول [illegible] اُڑسی نایک کی مورت کالے پتھر پر موجود ہے - اس کے علاوہ اس کے زمانے میں کئی دیول [illegible]

نوئی بھوگا پریس کا دیول۔ یمی گڈھ میں نرسنوں سوامی کا دیول۔ ڈٹل (پہاڑ میں رہنے کے مکان) تالاب بنوائے۔ جہاں جہاں اس نے دیول تعمیر کئے ہیں وہاں راجہ کی پتھر کی مورتیں موجود ہیں نواب اڑسی نایک نے (۴۷) سال تک سلطنت کی۔

کلوڑی اڑسی نایک کے زمانہ کی مذہبی عمارات . .

نواب اڑسی نایک کی وفات کے بعد اس کے فرزند کلوڑی اڑسی نایک نے جو سوامی کے بڑا معتقد تھا۔ سالیواہن سکے ۱۴۵۵ وکاری سمجھ میں اس دیول کے اندرونی و بیرونی صحن اور گوپر یعنی بلند قبہ اور دیوار کے چوطرف کمپونڈ وغیرہ میں گچ کرائی۔ اس کی تصویر گچ کی وسط صحن میں موجود تھی (اب نہیں ہے) دیو کے پوجا پاٹ عمدگی سے ہوتی رہی۔ اس نے دو رکتیں بنوا کر جاترا میں بہت ترقی کی جس کے لئے ہر سال تخمیناً (۶۰) ہزار روپیہ اخراجات کا تعین کر کے نہایت عمدگی سے اپنی ریاست اور سری سوامی کا اچھاؤ کرتا رہا۔

کنکیا اڑسی نایک کے زمانے کی تعمیرات اس کی عورت پچمانا گتی کے خلوت گاہ میں سری سوامی کا راجہ کے لباس میں داخل ہونا . . . . . .

کلوڑی اڑسی نایک کی وفات کے بعد اس کا فرزند کنکیا اڑسی نایک سری سوامی کے بہت ہی عقیدت مند تھا اور اس کے منہ سے جو نکلتا تھا سچ ہوتا تھا۔ سکے (۱۵۰۰) تارن سمجھ میں بازار میں کے تمام دیول اور (۲) حوض وتونڈی تیورپا کے دیول وغیرہ اور اس گاؤں کے اوپر دار دو تالاب تعمیر کرائے۔ اس زمانے میں بھاٹوں کو دیو کی تعریف اسی راجہ نے یہہ سکھلائی تھی " ای دنیا کے پیدا کرنے والے کنک گیری نرسنوں تورحیم ہے۔ تیرے توٹل تیرتھ (چھوٹے تیرتھ) سچے اعتقاد سے روزانہ کرنے والے کو کشٹ (سفید داغ) اور بھگندر وغیرہ امراض خبیثہ اور تکالیف و افلاس کو دور کرنے والا ہے" ایسے بہت دعائیہ فقرے جسکو بھٹنگی کہتے ہیں بنائے تھے۔ اس کی بڑی زوجہ پچمی ناگتی بڑی پارسا تھی۔ ایک دن سری سوامی راجہ کے لباس میں رانیواس (یعنی زنانے محل میں جہاں رہتی تھی) کے خلوت گاہ میں داخل ہوا۔ اتفاقاً راجہ اس وقت اپنی رانی کے پاس گیا تو رانی نے کہا کہ تم ابھی آئے تھے پھر کیوں کر آئے۔ اس پر راجہ خاموش رہا۔ دوسرے روز تاک لگا کر خلوت گاہ میں سری سوامی کو جا پکڑا۔ تو سوامی نے اپنی اصلی علامات سنکہ اور چکر بتلا دئے۔ اس روز سے

[۸۱] دیکھو فرمان عادل شاہی ۱۵۱ صفحہ ضمیمہ آخر - ۱۲

اُس راجہ نے اپنی عورت کی خلوت گاہ میں جانا چھوڑ دیا اور مثل ماں کے سمجھ کر پوجا کرنے لگا۔

ونکٹپا نایک کے زمانہ کی عمارات اور ممٹری اڑسی نایک کے عطیات

کنکیا کے مرنے کے بعد اُس کے بھائی ونکٹپا نایک نے سالیواہن سکے ۱۵۰۵ وردھی نام سمچھر میں اپنا نام ہمیشہ قایم رکھنے کے لئے تخمیناً ایک لاکھ روپیہ کے صرفہ سے ایک بہت بڑی باؤلی طیار کرائی جس کا نام ”ونکھا“ باؤلی ہی اور جو اَب تک درست حالت میں موجود ہی - ہندو لوگ اس کو ونکٹ پتی کی باؤلی راجہ کے نام پر سے کہتے ہیں - کنکیا اُڑسی نایک کے فرزند ممٹری اڑسی نایک نے سالیواہن سکے ۱۵۴۰ اکشی سمچھر میں (۳۲) لاکھ کی ریاست پر حکومت کی - سری سوامی کے روزانہ پوجا پاٹ اور جاترا میں بہت ہی ترقی دی - داخلہ سے ظاہر ہی کہ اُس وقت اس دیول کے اخراجات تخمیناً ایک لاکھ روپیہ تھے اُس نے (۳۰) پالیگاروں[۵۱] کو املیات[۵۲] دیں اور کئی لوگوں کو جاگیریں اور دیس[۵۳] گتیاں اور ناڑ گوڑ گیاں[۵۴] اور متعدد انعامات عطا کئے اور علاوہ اس کے اپنے بزرگوں کے دئے ہوئے عطیات بحال و برقرار رکھے - اس کا نصب کیا ہوا ایک پتھر کا کتبہ سالی واہن سکے ۱۵۹۷ سمچھر کا دیول کے اندر موجود ہی جس میں دشنو سروتم کرکے لکھا ہوا ہی - دیول کے باہر باؤلی کے پاس کالے پتھر کی مورتیں ہیں بیچ میں نواب اُڑسی[۱] نایک کی مورت ہی - داہنی جانب چیتا[۳] جیتما زوجہ پچھمی[۲] ناگتی مال بائیں[۴] جانب کنکیا پسر ممٹری[۵] نایک پوتا - نواب اُڑسی نایک جس کو عرف میں اُڑچیا نایک[۵۵] کہتے ہیں اُس کی تصویر بیچ میں سیاہ پتھر کی ہی سر پر پگڑی دی ہوئی ہی ہاتھ جوڑے ہوئے درباری لباس میں کھڑا ہی - یہ بت ۴ فیٹ ۹ انچہ بلند اور دو فیٹ ۹ انچہ چوڑا ہی اس کے باہر ہی ایک پتھر پر راجہ اڑچیا نایک کی سواری کی تصویرات بتلائی گئی ہیں - اُڑچیا نایک کی عورت ”چنا جما“ سری سوامی کی بڑی معتقد تھی جس نے اپنا نام قایم رہنے کے غرض سے دیول کے اندر سکے ۱۵۹۲ سمچھر میں پتھر کا فرش

---

۵۱ زمانہ قدیم میں فوج کے سر گروہ کو کہتے تھے ۵۲ جن مواضع کی آمدنی میں دو ثلث سرکار لے اور ثلث قابض کو معاف کرے ۱۲ ۵۳ یہ ایک قسم کا وطن ہی جو اس وقت تک رائج ہی سیر پات واملیات وغیرہ ان لوگوں کے لئے زمانہ حال میں سرکار سے جاری رکھی گئی ہیں - ۱۲ ۵۴ ایک قسم کی وطن داری ہی جس میں حقوق انعامی حاصل رہتے ہیں ۵۵ اُڑچیا نایک کے نام کے کئی فرامین عادل شاہی ضمیمہ آخر میں درج ہیں ۱۲ -

بنوایا اور فرش زمین میں گڑ دیول کے شمال جانب ایک پتھر کا کتبہ اُسی فرش میں لگا ہوا ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔ نیز ایک تالاب قصبۂ کنک گیری کے شمالی جانب تعمیر کرایا جس کو چنا دیوی تالاب کہتے ہیں جو اَب بھی موجود ہے۔ دوسری رانی اچمّا نے بغرض بقائے نام خود کنک گیری کے مغربی جانب موضع کنیّرڑو کے راستہ میں ایک باؤلی بنائی جو اَب بھی موجود ہے جس کو اچمّا کی باؤلی کہتے ہیں۔

کنکیا اُڑسی نایک ثانی راجہ سمستان کنک گیری کی کارپا خیر

ممٹری اُڑچپا نایک کے انتقال کے بعد کنکیا اُڑسی نایک ثانی عین عالم شباب میں سکے ۱۶۳۰ وجر سمچھر میں گدّی پر بیٹھا۔ مذہب کا بڑا پابند تھا اور اپنے بزرگوں کے عطیات اور سری سوامی کے پوجا پاٹ وجاترا وغیرہ کے اخراجات حسب معمول بحال وجاری رکھا۔ اس کی ریاست (۳۲) لاکھ کی تھی۔ ازروے داخلہ ظاہر ہے کہ اس دیول کے اخراجات تخمیناً ایک لاکھ روپیہ تک تھے۔ اپنا نام قایم رہنے کی غرض سے ایک باؤلی موضع ہنکاپور کے راستہ میں تعمیر کی جس کو اب کنکیا کی باؤلی کہتے ہیں جو اَب بھی موجود ہے۔ اس نے (۴۲) سال سلطنت کی۔

ہری رنگپا نایک فرزند کنکیا ثانی کے زمانۂ حکومت کی تعمیرات

کنکیا اُڑسی نایک ثانی کے انتقال کے بعد اُس کا فرزند ہری رنگپا نایک سوامی کا بڑا معتقد اور بڑا منصف مزاج تھا اُس نے معاش ہائے قدیم بحال رکھیں اس کے عہد میں سری سوامی کے پوجا وجاترا وغیرہ کے اخراجات تخمیناً ایک لاکھ روپیہ تھے۔

چنّا نند کی کتاب بال لیلا سے معلوم ہوتا ہے کہ مہا تپشی (ولی صفت) چنّا نند اودہوت مہاراج اس زمانے میں یہاں موجود تھے۔ اُنھوں نے راجہ سے خواہش ظاہر کی کہ میری سمادھی (قبر) یہیں بنائی جائے اور میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گاؤں کے چوطرف بلی (صدقہ) ڈال دیں تو تیری ریاست تا بقائے شمس و قمر رہے گی ورنہ تیری تیسری پشت کے بعد تباہ ہوجائے گی۔ راجہ ڈر گیا کہ سنیاسی کا قتل بڑا پاپ ہے ریاست برباد ہوجائے تو مضائقہ نہیں لیکن یہ کام مجھ سے نہ ہوسکے گا۔ اِس سنیاسی کے رہنے کے لیئے راجہ نے اپنی ڈیوڑھی کے پاس ایک منڈپ اور

ایک باؤلی بنائی اور اسی میں سمادھی بھی بنادی - راجہ نے اُس منڈپ کے چوطرف ایک باغیچہ بنایا تھا جو اب ویران ہے -

کنکیا اُڑسی نایک ثالث پر بادشاہ بیجاپور کا چڑہائی کرنا

کنکیا ثانی کے مرنے کے بعد اُس کے فرزند کنکیا اُڑسی نایک ثالث جو نوجوان تھا گدی پر بیٹھا معاش قدیم جاری رکھیں اور سری سوامی کی پوجا وغیرہ میں سالانہ (۶۰) ہزار روپیہ خرچ کرتا تھا - اس زمانے میں بیجاپور کے بادشاہ نے چڑہائی کی - رات کے وقت لڑائی ہوئی - سری سوامی نے خود گھوڑے پر سوار ہوکر تمام لشکر کو بھگادیا - بادشاہ بہت متعجب ہوا اور سمجھا کہ یہہ کوئی ورد پرش (مقبول بارگاہ) ہے - داخلہ سے ظاہر ہے کہ بادشاہ نے اس کو اپنی ریاست میں باج گزار راجہ کے نام سے موسوم کیا -

راجہ کنکیا اُڑسی نایک ثالث کی راجہ ارکاٹ سے لڑائی اور کنکیا کا پیاس سے مرجانا

راجہ کنکیا ثالث کو بیجاپور کے راجہ نے ارکاٹ پر چڑہائی کرنے کا حکم دینے پر جنگ کی طیاری کی (۵) ہزار گھوڑے[۱] (۳) ہزار ہاتھی پانسو اونٹ ایک لاکھ پیدل جمعیت تھی - چنانچہ اس میں صرف تین ہزار گولر تھے - میدان جنگ میں گئے اور لڑائی شروع ہوئی اور کامیابی کے آثار نظر آنے لگے - سوامی کا ارشاد راجہ کی نسبت یہ تھا کہ دیول کے سامنے جو باؤلی ہے اُس باؤلی کا پانی جس روز نہیں پیئے گا اُسی روز مرجائے گا - یہہ بات یہاں کے لوگوں کی سازش سے راجہ ارکاٹ کو معلوم ہوئی وہ بڑا منتفنی تھا پانی لانے کا ذریعہ بند کردیا - راجہ کو لڑائی میں پانی کی پیاس زیادہ لگی - پانی نہ آنے سے ایک تالاب میں گردن برابر پانی میں کھڑا ہوا تاکہ پیاس بجھے لیکن پیاس نہ بجھ سکی آخر کار راجہ نے تالاب کا پانی پی لیا اور فوراً مرگیا راجہ کے مرنے کے بعد لوگ ویسے ہی واپس چلے آئے -

راجہ ہری نایک کا سکے ۱۶۹۸ سمبھ میں جانشین ہونا اور راجہ چندولال وزیر حیدرآباد سے مقابلہ

کنکیا اُڑسی نایک ثالث کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا ہرے[۲] نایک سکے ۱۶۹۰ میں جانشین ہوا - یہ شخص بڑا دور اندیش تھا مگر ذرا سنکا ہوا تھا - آپ

---

[۱] ایک قوم ہے ۱۲ [۲] زبان کنڑی کا لفظ ہے ہرے بمعنی کلاں اور چک بالکسر بمعنی خورد -

بھی سری سوامی کے پوجا اور جاترا حسب دستور جاری رکھا۔ کارہائے خیر کرتا رہا مگر کم سن بچوں کو دیکھتے ہی پکڑ لیتا تھا اور مار ڈالتا تھا۔ رانی واس کے لوگوں کو جنبیہ سے ہلاک کرتا تھا۔ اس زمانے میں انگریز لوگ اس ملک میں تازہ وارد ہوئے۔ تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ انگریزوں نے اپنی حکمت عملی سے باجی راؤ کو گرفتار کرکے ملک مہاراشٹہ[۱] پر قبضہ کرلیا۔ انگریزوں نے ندی کے اُس پار کا تمام ملک اپنے قبضہ میں کرلیا اور ندی کے اس پار کا ملک مغلئی والوں کے قبضہ میں رہا۔ مغلئی راج میر عالم بہادر اور چندو لال دو وزیر سلطنت کا روبار چلاتے تھے۔ راجہ چندو لال تر پتی کی تیرتھ کے واسطے پیدل راستے سے ہمپی[۲] دیکھتے ہوئے کنک گیری آئے۔ کنک گیری کے راجہ نے سمجھا کہ کوئی غنیم چڑھ آیا ہے لڑائی کے لئے طیار ہوگیا تو راجہ چندو لال مع اپنے ہمراہیوں کے بھاگ کر راجہ آناگندی کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ راجہ کنک گیری نے اُن کا تعاقب کیا لیکن راجہ آناگندی کے ایما سے اُن کو مثل اپنے باپ کے خیال کرکے واپس پلٹا۔

راجہ چندو لال اور راجہ ہرے نایک کا مقابلہ اور راجہ ہرے نایک کا ضرب توپ سے ہلاک ہونا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

راجہ چندو لال بہادر نے تر پتی جاترا سے حیدرآباد واپس آکر میر عالم بہادر کی صلاح ومشورے سے کنک گیری کے سیبل بند رقم (پیش کش) وصول کرنے کے لئے تھوڑی فوج بھیجی اس وقت ہرے نایک ہمپی گڈہ کے پہاڑ میں رہتا تھا۔ فوج نے آکر گھیر لیا۔ سمستان کنک گیری کی فوج نے رات کے وقت تمام گھوڑوں کے کان اور دمیں کاٹ ڈالیں صبح ہوتے ہوتے چندو لال کا لشکر پست ہمت ہوکر واپس چلا گیا۔ بعدہ راجہ چندو لال نے سلطان میاں کو سپہ سالار مقرر کرکے بھیجا۔ اُس وقت بھی راجہ ہمپی گڈہ میں رہتا تھا۔ فوج نے آکر گاؤں کو گھیر لیا۔ راجہ نے یہ سن کر لشکر کو طیاری کا حکم دیا۔ راجہ غسل کرکے سوامی کے درشن کے لئے دیول میں گیا۔ روزانہ جو دروازہ کے قفل خود بخود کھل جاتے تھے اُس دن نہیں کھلے۔ جس سے راجہ آزردہ خاطر ہوا وہ سمجھا کہ میرے مالک (یعنی کنکا چلپتی) کا عتاب ہے۔ اب زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔ چندو لال کی فوج سے مقابلہ کیا جس میں راجہ کا

[۱] ملک مرہٹواڑی۔ دکن میں مرہٹواڑی۔ تلنگانہ اور کرناٹک ملک کی تین تقسیمیں ہیں۔ [۲] سلطنت بیجانگر کا اُجڑا ہوا شہر اب ہمپی کے کھنڈر کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲

تمام لشکر تباہ ہوگیا۔ حیدر آباد والوں کا حکم صرف راجہ کو گرفتار کرنے کا تھا مار ڈالنے کا نہ تھا۔ یہ راجہ ورد ی پُرش ہونے سے تلوار اور بندوق کی گولی سے ہلاک نہ ہوسکا۔ آخر کار لڑائی میں چندو لال کو فتح ہوئی۔ راجہ تونڈی تور پا دیول کو جاکر سوامی کی درشن لیا بعد اُس کے دل میں سوچا کہ اب صفحۂ دنیا میں رہنا ٹھیک نہیں اپنی داہنی ران میں جو مجھ بنتر (تعویذ) تھا جمبیہ سے چیر کر نکالا۔ جو کھلتے ہی غائب ہوگیا اُسی وقت لشکر نے آکر راجہ کو گھیر لیا۔ راجہ خود بخود توپ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور توپ خود اُڑا دی۔ توپ کی آواز ہوتے ہی جسم کے تمام اعضاء جولاہی پیٹ کے اوپر وار ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑے لوگوں نے تمام ٹکڑے اکٹھا کر کے جلا دئے اور وہاں ایک چبوترہ اور ایک دیول بنایا گیا جو اَب ہرے نایک کی چبوترے کے نام سے مشہور ہے۔

ٹیپو سلطان اور راجہ ہرپن ہلّی کا راجہ کنک گیری کی ڈیوڑھی کو لوٹنا اور جلانا اور دیول کا تاج لے جانا

ٹیپو سلطان پونا جانے کی غرض سے کبھی اور ہر آنا گندی پر سے ہوتا ہوا کنک گیری میں آیا۔ کنک گیری کے لوگ اُس وقت مہالکشمی کی پوجا کے لئے بڑے کرّوفر سے پچھمی دیوی کے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔ ٹیپو سلطان اپنے لشکر سمیت راجہ کے ڈیوڑھی میں گھس گیا اور لوٹ لیا اور سارے دیوستان کو بھی لوٹ لیا۔ بڑے رتھ کو آگ لگا دی جو پھیلتے پھیلتے دربار تک پونچی اور برابر تین مہینے تک جلتی رہی اور اسی کے ساتھ اسناد و وثائق بھی جل گئے۔ ٹیپو سلطان کے ساتھ ہرپن ہلّی کا راجہ بھی آیا تھا سمستان کے خزانہ میں سری سوامی کے سونے کا تاج تھا جس میں ہیرے و الماس لگے ہوئے تھے وہ لے گیا۔ انگریزوں کی اوائل حکومت میں ہرپن ہلی سمستان برباد ہوگیا۔ اُس وقت والی سمستان ہرپن ہلی نے یہاں سے جو تاج لے گیا تھا ضلع دہارواڑ کے موضع دیو ہیپر گی میں ایک صراف برہمن مسمی رامنّا نایک کے پاس رہن رکھا۔ اس کے پیشتر کسی کو خبر نہ تھی کہ تاج کس کے پاس ہے۔

رامنّا نایک کا سوامی کے درشن کے لئے آنا اور تاج کے دینے سے انکار کرنا اور سیڑھی اُلٹ کر زخمی ہونا

رامنّا نایک صراف برہمن جاتے جاتے کنک گیری میں ٹھہرا اور سری سوامی کے درشن پھل (تبرک) لے کر چلا گیا۔ لیکن کسی کو خبر نہ کی

ے کنک گیری کی مشرقی جانب یہہ دیول ہے ۱۲۔

کہ اُس کے پاس تاج تھا۔ گاؤں کے باہر ما پنیا کے مٹھ کے پاس جانا ہی تھا کہ بنڈی لُٹ گئی۔ رامنّا کے ہاتھ میں سخت چوٹ آئی۔ وہ واپس آکر سری سوامی کے پاس ایک روز رہا برہمنوں کو کھانا کھلایا۔ سری مان ونکٹ سوامی اور ونکٹا چاری کے سامنے رامنّا نایک نے کہا کہ (۷۰) ہزار روپیہ میں تاج رہن ہے۔ اصل رقم میں نصف اور پورا سود چھوڑ دوں گا۔ پوجاریوں نے کہا کہ ہم رقم دینے کے قابل نہیں ہیں مناسب یہہ ہے کہ اپنا نام تاج پر گُھدوا کر دیول کے نام دے دو لیکن رامنّا اس بات پر راضی نہ ہوا اور (۱۶) سال کے بعد مر بھی گیا۔

راجہ رنگنا تھیا کا ہلی حیدر کے (۱۶) مواضعات پر چڑھائی کرنا - - - - - -

راجہ ہرے نایک کے مرنے کے بعد اُس کے (۳) فرزند تھے۔ رنگپا نایک رنگنا تھیا نایک عرف گڈّو دھری ہنمپا نایک۔ ان تینوں میں سے پہلا لڑکا رنگپا نایک شوراپور کو شادی کی غرض سے گیا ہوا تھا اتفاقاً کسی مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ دوسرا فرزند رنگنا تھیا نایک اُس نے سمستان ہلی حیدر جو سرکار میں ضبط تھا لینے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہنے سے ہلی حیدر کے (۱۶) مواضعات پر چڑھائی کی۔ یہ خبر سرکار نظام اور سرکار عظمت مدار تک پونہچی آخر کار برٹش گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہہ (۱۶) مواضعات سرکاری عمل دخل اور دریافت انعام سے مستثنیٰ ہیں جس کے متعلق رزیڈنٹ بہادر کے میمورانڈم سمستان میں موجود ہے۔ رنگنا تھیا اِن (۱۶) مواضعات کو اپنے قبضہ میں لے کر سمستان کی حکومت چلانے لگا کچھ عرصے کے بعد تیسرا فرزند ہنمپا نایک نے رنگنا تھیا سے کہا کہ مجھے بسر اوقات کے لئے علیحدہ معاش مقرر کر دو جس پہ اُس کی گزر اوقات کے لئے ایک موضع گوڑہن ہال دے دیا گیا۔ اُس وقت سے سری سوامی دیول کی تمام معاش ضبط ہو کر صرف (۳) ہزار روپیہ کے اخراجات بحال رکھے گئے۔

سنہ ۱۲۶۲ف میں بالمین صاحب کا سری سوامی کے پوجا کے لئے پٹن ہال ملا پور معافی جاگیر کا پوجاریوں کے نام بحال کرنا - - - - - -

رنگنا تھیا عرف گڈّو دھری نہایت عمدگی سے سوامی کے روزانہ پوجا اور جاترا چلاتا تھا۔ اس دیول کی نگرانی کے لئے مراجنگ کے زمانے سے لے کر ابن حنفا عرب معاملت دار اور اسد علی خاں۔ نواب جان۔

علیسی میاں۔ سلطان میاں۔ داول میاں۔ محمد صاحب میاں۔ بھکو میاں کے زمانہ تک سمستان کے (۱۶) مواضعات تھے اور دیول کے لئے سالانہ (۳) ہزار روپیہ حسب معمول بحال و جاری رہا۔

بالمین صاحب بہادر نے ۱۸۶۲ء میں عمل کمشنری میں سمستان کے (۱۶) مواضع بحال رکھ کر صرف دیول کے لئے (۳) ہزار کی معاش بغرض دریافت ضبط کی۔ علاوہ اس کے سری سوامی کی پوجا کے لیے قدیم سے دو مواضعات پٹن ہال۔ ملّا پور معافی جاگیر تھیں دریافت کے لئے وہ بھی ضبط کیں (۷) سال تک مسلسل کارروائی چل کر ادائی خدمت کی معاش سری من ونکٹ سوامی اور سری من دلنگل ونکٹا چاریہ دونوں کے نام حسب الحکم رزیڈنٹ بہادر بحال ہوئی۔ اماں رقم بھی ملی۔ سرکار انگریزی میں پوجاریوں نے اس دیول کے (۳) ہزار کی معاش کی رقم ملنے کے لئے درخواست دی اُس پر یہ تجویز ہوئی کہ یہ ملک سرکار نظام کے تفویض ہوچکا ہے لہذا نظام سرکار میں کارروائی کی جائے معاش ضبط رہنے سے سری سوامی کے روزمرہ پوجا سمستان کی طرف سے رنگنا تھپا نایک چلاتا رہا اس طرح اس کی اور ونکٹ لچما کی شوہر کی مدد سے چند روز تک جاترا ہوتا رہا۔

رنگپا نایک کا سمستان پر قابض ہونا اور مرتے وقت بڑی زوجہ ونکٹما سے وصیت کرنا۔

رنگنا تھپا کے مرنے کے بعد اس کے (۳) بیٹے تھے رنگپا نایک۔ کنکپا نایک اور دوسری زوجہ کے بطن سے جمّل نایک۔ رنگنا تھپا نایک نے (۱۶) مواضعات پر قبضہ کر کے سمستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ سری سوامی کی روزمرہ پوجا و سالانہ جاترا چلاتا تھا۔ کنکپا نایک فرزند دوم نے رنگپا نایک سے کہا کہ میرے بسر اوقات کے لئے علیحدہ معاش دی جائے تو اُن کے کہنے کے بموجب رنگپا نایک نے موضع سوم ساگر دے دی۔

رنگپا نایک کے دو فرزند تھے (۱) اُرچپا نایک (۲) رنگنا تھپا نایک۔ یہ اپنی اپنی معاش میں گزر اوقات کرتے تھے۔ جمّل نایک کو موضع گنٹ مرو کی معاش دے دی گئی۔ جمل نایک کا بیٹا رنگنا تھپا نایک اب بھی اُس معاش پر قابض ہے۔ رنگپا نایک کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی صرف (۴) لڑکیاں تھیں بچمّا۔ ہریا۔ وندمّا اُس نے مرتے وقت اپنی بڑی زوجہ ونکٹما اور بقیہ تین زوجگان کو بلا کر وصیت کی کہ مجھے کوئی فرزند نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر فتنے پیدا ہو جائیں۔ اپنے بھائی کے فرزند مسمی

اُڑچپاناک کو رسم دت ہوم کی ادائی کے بعد متبنیٰ کیا - رنگناتھپا کنک گیری میں مرا -

دیول کے معاش کے متعلق کارروائیاں

رنگناتھپا کے انتقال کے بعد اُن کی بڑی زوجہ ونکٹما سمستان پر قابض ہوئی - سری سوامی کی پوجا و جاترا و روزمرہ کا کام حسب معمول چلاتی رہی مگر بالمین صاحب کے زمانہ میں جو دو موضع دیول کی پوجا کے لئے جاگیر دئے گئے بالمین صاحب کا زمانہ گزرنے کے دو سال بعد ضبط کر لئے - پٹن ہال معافی جاگیر تھا بزمانۂ میر مومن علی صاحب اول تعلقہ دار دریافت انعام ہو کر بحال ہوا - بعد چند روز کے مکرر دریافت انعامی میں جاگیر کی سند طلب کی گئی بمقام کارٹگی بہ محکمہ دوم تعلقداری سند داخل کی گئی جو صدر میں چلی گئی اور اب تک واپس نہیں ہوئی لیکن تا دریافت تکمل موضع جاگیر ضبط ہو کر سالانہ مالے نقد مقرر ہوئے - راجہ ہلی حیدر اور گرو کے درمیان کچھ جھگڑا ہونے سے گرو اپنے ذاتی صرفہ سے دیول میں خرچ کرتا تھا اُسے بھی رانی نے بند کر دیا - اس اثنا میں گرو کی عورت ونکٹ لچھما نے اپنی بیٹی کی شادی ترسہنوں آچاری سے کر دی جس کے بطن سے کنکما نامی لڑکی پیدا ہوئی - اس لڑکی کی شادی کملا پور یان گری راگھو اچاری سے ہوئی اس کے بطن سے ایک لڑکا مسمی شاما چاری پیدا ہوا ونکٹ لچھما نے اپنے نواسہ شاما چاری کو گرو کے گدّی پر بٹھانے کا ارادہ کیا - راگھو اچاری کا بھائی ونکٹا چاری سمستان ہلی حیدر کے خاندان میں متبنیٰ گیا تھا - سمستان والے راگھو اچاری کے فرزند شاما چاری کو گرو بنا چکے تھے - ونکٹ لچھما کی وفات کے وقت گاؤں والوں نے ونکٹا چاری کو راضی کر لیا اور کملا پور بھیج دیا - پھر چند روز بعد راج باب کا جھگڑا شروع ہوا - آخر کار راجہ نے پوجاری کے نام سری سوامی کے لئے سالانہ (مامے) نقد جب تک نسل باقی رہے اُس وقت تک ادائی کا اقرار کیا اس شرط سے کہ اور کوئی مطالبہ نہ کیا جائے - جس کو سمستان والے اور کنک گیری کی رعایا اور پوجاریوں سب نے تسلیم کیا اور اس مطابق ونکٹا چاری سے بھی ایک اقرار نامہ لکھوا لیا جس پر ۱۳۰۱ف تک عمل رہا -

ادھر پہلے سے دیول کی معاش کے متعلق سرکار میں کارروائی جاری تھی لیکن کوئی داد نہ لگتی تھی - قصبۂ کنک گیری و لبسری ہال کے پٹواری بھیم راؤ اور راگھپا صراف اور گاؤں کے لوگ دیول کی کارروائی کرنے کے لئے حیدر آباد گئے اور اس کارروائی کے لئے چندہ بھی ہوا

پوجاریوں و سمستان والوں نے راگھپا صراف کو مختار نامہ دیا۔ اُنھوں نے زاماچاری صاحب وکیل کے ذریعہ سے ایک درخواست اور دیول کے نقشہ جناب مولوی مشتاق حسین وقارالملک بہادر معتمد مالگزاری کی خدمت میں گزرانی صاحب ممدوح نے نواب مدارالمہام بہادر کی خدمت میں گزارش پیش کی کہ معاش بحال ہونی مناسب ہے۔ نواب مدارالمہام بہادر نے حکم دیا کہ چوں کہ یہ دیول بہت بڑا ہے متعدد لوگوں نے اس دیول کی معاش کے متعلق کارروائی کی ہے سری سوامی کی پوجا وغیرہ اور ثواب ملنے کے لئے (سمار) سکہ حالی کی سالانہ معاش جاری فرمادی اس طرح سنہ ۱۳۰۱ف چھ سو روپیہ نقدی سالانہ معاش جاری ہے۔ دیول کے اخراجات کی فہرست مرتب ہوئی۔ راگھپا صراف کی کارروائی پر دیول کی نگرانی پنچوں کی کمیٹی کے تفویض رہی جس کی ممبر مجلس رانی ونکٹما ہوئیں۔ راج گرو ونکٹاچاری اپنے معاہدہ کے بموجب سنہ ۱۳۰۱ف تک (ماھ) سالانہ دیول کو دیتا رہا۔ سنہ ۱۳۰۱ف سے دونند دیپ (چراغ) لگانے کے اخراجات سالانہ ... خرچ کرتے آئے بموجب معاہدہ رقم کی ادائی نہ ہونے سے سالانہ (ماھ) بقایا ... سنہ ۱۳۱۳ف تک (الـ سمار) بقایا ہے۔ سنہ ۱۳۱۴ف سے دونند دیپ (چراغ) لگانا بھی موقوف ہوا سالم رقم وصول طلب ہے۔ اس درمیان میں رانی ونکٹما نے جاترا میں ڈبہ آمدنی کی رقم دینے کا جھگڑا نکالا۔ راگھپا صراف اور گرو دونوں نے ڈبہ روک دیا۔ رانی صاحبہ نے اپنی عزت کا خیال کرکے اپنی بقایا کی رقم ادائی کا اقرار کرکے قصبہ کنک گیری ہر ہٹگیری ایرپا ساہوکو ضمانت ... اس کی رقم (سماعصر) رانی صاحبہ کے ذمہ باقی نکلی جس کی نسبت کارروائی چلی۔

سہراب جی صاحب دوم تعلقدار نے حوالدار سے (سماعہ) روپیہ وصول کی باقی رقم کی نسبت کارروائی جاری رہی اس سے پہلے اندرونی طور پر کارروائی چل کر رانی ... میر مجلسی سے خارج ہوئی تھیں سوم تعلقدار صاحب کو میر مجلسی دی گئی تھی اس کی ... چل رہی تھی کہ رانی ونکٹما کا انتقال ہوا۔ اُن کے فرزند متبنیٰ اڈجیاناپا سمستان ... ہوگئے بحسب دستور قدیم تمام کام جاری رکھا۔ اُن کے زمانہ میں کنک گیری کی ... خواہش کی کہ سمستان والوں کی عزت قایم رکھنی ضرور ہے۔ اس کے متعلق کارروائی ... سمستان والوں نے بھی زور لگایا دریافت کے لئے مولوی میر شجاعت علی صاحب ... تعلقدار

ضلع لنگسگور تخفقہ کے نام حکم آیا - تعلقہ دار نے موافقتی دریافت کے بعد حسب منظوری سرکار سری منت راجہ اڑچپا نایک بہادر سمستان ہلی حیدر کو کنک گیری کی دیول کی مہر مجلسی دی - راجہ صاحب نے سری سوامی کے دیول کے لئے سرکار سے جو رقم ملتی تھی دیول کے روزانہ پوجا (۱۵) روز کی اچھاؤ مہینے کی اچھاؤ - نہایت عمدگی سے چلائی - سری سوامی کے جاترہ کے جملہ اخراجات اپنی ذاتی صرفہ سے تخمیناً چار پانسو روپیہ کلدار تک سالانہ کرتے رہے - ڈبہ کی آمدنی ہمنت اچھاؤ سے بے کر بدی (۸) شام تک نگرانی کر کے جس کی آمدنی دو سو تک ہوتی ہے خود لے لیتے ہیں - سوامی کے نئے رتھ[ل] کی طیاری انہیں کے زمانہ میں ہوئی راجہ اڑچپا نایک نے ماہ اسفندار ۱۳۱۵ف میں انتقال کیا -

اُن کے انتقال کے بعد ایک صغر سن فرزند رنگپا ناتھ تھا وہ بھی مرجانے سے راجہ صاحب کی زوجہ رانی گورما صاحبہ سمستان ہلی حیدر پر متصرف ہیں - اور وہی دیول کے جملہ انتظام اور سمستان کی کل نگرانی کرتی ہیں -

---

[ل] - یہ نیا چوبی رتھ بارہ ہزار روپیہ کی لاگت سے بنا ہے جس پر بہت عمدہ صناعی نقش و نگار کی گئی ہے اور کئی برس میں بنا ہے -

(سلا سیاسن[۵۲]) یعنی پتھر کا کتبہ سکے ۱۳۵۸ش ۳۷-۱۴۳۶ء)
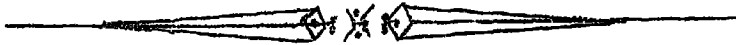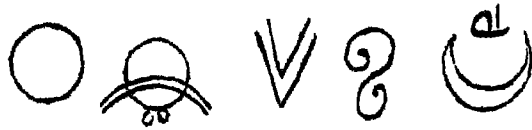
(۱) مبارک ہو - سری کنک گیری دیو کو ہمارا نمسکار - لکشمی نرسنہو کی برکت سے جو سب بزرگوں کا سردار ہی اور جو دنیا کا پرورش کرنے والا اور ہماری مرادوں کا دینے والا ہی تم ساکنان کنکاچل یعنی کنک گیری کا ہمیشہ محافظ و نگہبان رہے۔

(۲) کلوڑی رنگناتھ (جو کنک گیری کے ایک دیو کا نام ہی) تینوں عالم کا مالک و مختار ہی (دنیا اور آخرت کے علاوہ ہنود کے نزدیک عالم جنات بھی تیسری دنیا ہی) اور اُس کے

---

[۵۱] چاند - سنکھ - نام (برہمن جو پیشانی پر ٹیکہ لگاتے ہیں - چکر - سورج -

[۵۲] پتھر کے اُس کتبے کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے کوئی گرانٹ (عطیہ) دیا جاے - ایسے سیاسن بالعموم مندروں کے صحن میں نصب کئے جاتے ہیں جن میں معطی کے خاندانی اوصاف اور شرط عطا وغیرہ کندہ کئے جاتے ہیں - تامڑا سیاسن وہ ہی جو تانبے کے پتھروں پر کندہ ہو جیسا کہ تیسرا کتبہ بیون ہال کے گرانٹ کا ہی - ان تانبے کی تختیوں کے سرے پر سوراخ کرکے اُن میں ایک انگشتری نما حلقہ ڈال دیا جاتا ہی جس پر معطی کی مہر کندہ ہوتی ہی - چنانچہ ہم کو تامڑا سیاسن کی بارہ تختیاں (۷×۱۰) انچ حسن اتفاق سے دستیاب ہوگئیں - کنک گیری کے دیول میں تین سیاسن برابر لگے ہیں - پہلا سیاسن سکے ۱۳۵۸ش کنک گیری کے راجہ صاحب کا ہی جو ۶ فٹ - ۴ انچ - ۲ ہی دوسرا ۲½ × ۱ - ۱۰ - بالکل مٹا ہوا ہی پڑھا نہیں جاتا - تیسرا ۶ف × ۴½ - ۷ف راجہ صاحب آناگندی کا ہی - پہلے اور تیسرے سیاسنوں کا خط واضح ہی یا یں ہمہ کوئی پڑھ نہیں سکتا اسی طرح تانبے کے پتروں کا حل نہ ہو سکا - بڑی دوا دوش سے معلوم ہوا کہ ادٹی کے پہاڑ پر ایک محکمہ آرکی آلوجی کا ہی جہاں قدیم عمارتوں کے کتبات پڑھے جاتے ہیں معدن ہٹی کے مسٹر بشپ نے میر التعارف راؤ بہادر کشنا شاستری بی - اے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آرکیالوجیکل ڈپارٹمنٹ مدراس ایجنسی گرانی سے کرا دیا صاحب موصوف کے پاس ہم نے دونوں پتھر کے سیاسنوں کے چربے بنا[۵۳]

اقدام مبارک مثل کنول کے پھول کے سُرخ ہیں برھمّا اور اندر کی ناصیہ فرسائی کی وجہ سے اُن کے تاجوں میں جو لعل جڑے ہوئے ہیں اُن کی سرخی نے دیونذکور کے پاؤں کو سرخ کر دیا ہو وہ ہمارا حافظ و مددگار رہے۔

سالیواہن سکے سنہ ۱۳۵۸ (۱۴۳۶-۳۷ء) نل نام سمچھر کارتک سدہ (۱۲) امن چین اور فتح و ترقی کا سال ہو۔ اس مبارک موقع پر جب کہ ذی جاہ مہاراجہ دھیراج پرمیشورسری ویر پرتاپ سری پروڈھ دیورای مہاراج جب کہ وہ دنیا پر سلطنت کرتا تھا سری کنک گیری ناتھ دیو کے امرت پڑی (کنک گیری کے دیو کو جو کھانا چڑھایا جاتا ہی وہ امرت پڑی کہلاتا ہی) کا چڑھاوا اور النکار (آراستگی) اور پوجا کے لئے کنک گیری بیٹ گاؤں نذر کر دیا۔

سالیواہن سکے سنہ ۱۴۱۰ (۱۴۸۸-۸۹ء) کیلک نام سمچھر سراون بد (۸) کی نیک ساعت میں بزمانِ سلطنت سری من مہاراجہ دھیراج پرمیشورسری ویر پرتاپ الملقب بہ دھرنی درہا سہور سالوا نرسنگ دیورای مہاراج۔ کنک گیری ناتھ دیو کی امرت پڑی کے لئے نذر پیش کئے۔ (ا) موضع

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۵ ۔ احتیاط سے اُتار کر بھیجے اور تانبے کی اصل تختیاں صاف کرا کے بھیج دیں مسٹر شاستری نے مجھ کو لکھا کہ تانبے کی تختیوں کے پڑھنے میں بہت اشکال ہو اُنھوں نے پھر مصالحہ لگا کر ان کو اچھی طرح صاف کرایا اور ایک خاص طریقے سے مزید روشنی ڈال کر یعنی کتابت کو منجلی کر کے پڑھا اور میرے پاس انگریزی ترجمے سیاسلوں اور تختیوں کے بھیج دئے میں اُن کی اس مہربانی کا تہ دل سے شکرگزار ہوں۔ پہلے تو قدیم زبان کنڑی کا جو سنسکرت سے مخلوط تھی انگریزی ترجمہ کیا گیا پھر اُردو۔ لیکن اہل ہنود کے بے شمار دیوتاؤں اور اُن کے مذہبی رسوم کے واسطے زبان اُردو میں گنجایش نہ تھی لہذا یہ مرحلہ پھر اٹک گیا۔ مسٹر اڑدی راوسا مبرانی بی۔ اے سے مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ یہ تو وہ ہندو مگر فارسی کی عمدہ استعداد رکھتے ہیں اور کنڑی اُن کی مادری زبان ہی اور سنسکرت بھی جانتے ہیں اُنھوں نے اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی نرسنگ راو صاحب نے نہایت کاوش اور تدقیق سے اصل عبارت کنڑی ترجمہ انگریزی کا دوبارہ میلان کر کے مجھ کو سمجھایا اور میں نے تابہ مقدور اُن کا ترجمہ جیسا کچھ کیا ہی ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ۱۲

گوویرہال[۵۱] جو اس کنک گیری کے گوشۂ شمال و مغرب میں واقع ہی مع اُس نالہ کے جو اُس گاؤں سے متعلق ہی (۱) موضع کھیاڑے[۵۲] گاؤں جو گوویرہال کے شمال میں واقع ہی۔

سالیواہن سکے ۱۴۳۴ء انگیرس نام سمچھر آشاڑہ سد (۱۲) نیک ساعت میں سری من مہاراجادھیراج راج پرمیشور سری ویر پرتاپ سری کشن دیورای مہارای کے زمان سلطنت میں کنک گیری ناتھ دیو کے امرت پڑی کے لئے نذر کیا۔ کنک گیری گاؤں کے پیٹھ کے مقامی محصول اور تلاری کا حق اور جنتاپور[۵۳] گاؤں کے مجمع (یعنی بازار اور جاترا) کا محصول سرحد بیرونی میں ارکل[۵۴] کلس گاؤں (۱) نولی کی سرحد میں بھیراپور[۵۵] گاؤں (۱)

۱۵۱۲-۱۳ء

سالیواہن سکے ۱۴۵۵ء وجے نام سمچھر ماگھ سد (۷) نیک ساعت میں سری من مہاراجادھیراج پرمیشور ویر پرتاپ اچیت رای مہاراج کے زمان سلطنت میں سری کنکاچل پتی دیو کو امرت پڑی نیوید پوجا پاٹ دیپا رادھنی (چراغ بتی) النکار۔ رتھ و جاترہ پنچ پروتھی (سال میں پانچ بڑی بڑی عیدوں پر) معمولی و غیر معمولی رسوم حسب معمول بلاناغہ چلنے کے لئے کنشگی[۵۸] کی سرحد میں دیا سو اچیت رای پلاپور[۵۶] گاؤں (۱) سنگن ہال[۵۷] گاؤں (۱) رام پور[۵۸]

۱۵۳۳-۳۴ء

ہم نے ان عطیات اور مواہب کو (پانی[۵۹] اور سونے کے ساتھ) تین مرتبہ اعادہ کیا اور ہمارے ترکرنوں[۶۰] کے ذریعہ سے پاک کیا اور ان مواضع کو بلا کسی قسم کے محصول کے معافی دی

۵۱۔ اب اس نام کا کوئی موضع نہیں ہی۔ البتہ گورو سچنال کنک گیری کے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہی غالباً اسی موضع کا نام اُس زمانے میں گوویرہال ہوگا ۱۲۔

۵۲ اب اس نام کا ہری کھیڑ یعنی بڑا کھیڑا ہی ۵۳و۵۴ اب اس نام کے کوئی موضع نہیں ہی۔

۵۵ موضع نولی تعلقہ گنگاوتی کے پاس واقع ہی۔ ۵۶ موضع نولی کے پاس جانب مغرب یہ موضع واقع ہی جو تعلقہ گنگاوتی میں ہی ۵۷ کنک گیری کے مشرق میں (۳) کوس کے فاصلے پر ہی۔

۵۸۔ تعلقہ کشٹگی میں تاورگیرہ کے متصل گنگاوتی تعلقہ کے سرحد پر واقع ہی۔

۵۹۔ اہل ہنود جب کوئی چیز خیرات کرتے ہیں تو تیمناً تبرکاً اُس پر تھوڑا سا پانی ڈال، دیتے اور سونے کی کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی دان پن کرتے ہیں ۶۰ یعنی انواع سہ گانہ منہ کایا (عمل) واچا (قول) منسا (خیال) ۱۲۔

اور قبض و تصرف کے آٹھوں حقوق عطا کئے مثل معدنیات خزائن مخفی چشمہ ہائے آب
سنگ جو اس وقت موجود ہیں یا آئندہ نکلیں حقیقی یا ممکن الحصول (منافع) اور تمام پیداوار
جو ان مواضع کے حدود اربعہ میں ہو سری کنک گیری ناتھ دیو کو نذر کر دیا ہے - اس عطائے معافی
کے دہرم شاسن کے مضمون کو جو کوئی محو کرے گا تو اپنے ماں اور باپ کو بنارس میں قتل کرنے
کے گناہ کا پاپ لے گا - سری - سری - سری - (مبارک - مبارک - مبارک)
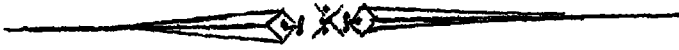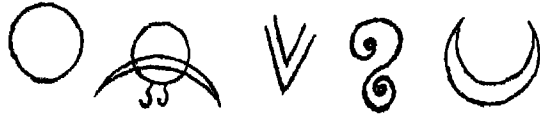
(سلاسیاسن یعنی پتھر کا کتبہ سکے ۱۵۹۶ ہے ۷۵-۱۶۷۴ع)

مبارک ہو۔ (یہہ) فرمان نرسنہوا کا ہی جو ساوان گیری (کنک گیری) کا باشان و شوکت حکمراں ہی جو پانچ صورت کے شہزہ کے تخت پر بیٹھا ہوا ہی۔ اس جین ۱۵۹۶ فتح و ترقی کے شالیواہن شکے کے سال "انند" ہفتہ کے دن چیت سدیکم کو اور متبرک کنکاچل لکشمی نرسنہو سوامی کو جو کہ تمام عالم اور کروڑوں چھوٹے چھوٹے عالموں کا متبرک مالک ہی جس کی توصیف صرف وید اور اُپانی شاد (ویدانت) سے ظاہر ہوئی ہی اور جس کے وصف کا فخر پُران کو بھی حاصل ہی حاضر ناظر جان کر محتشم سردار نایکوں میں سب سے بڑا نایک اور نایکوں کا سرتاج کنک گیری کا لشکمی ناگتی امرڑی اُڑسی نایک نے اپنے گھر کے دیو کنکاچل سری لکشمی نرسنہو سوامی کی القا و توجہ کی بدولت اپنے خدا رسید لوگوں سے اتیہاس (تاریخ) اور پران کو بار بار سن سن کر ہر سہ فرقہ ہائے برہمنان (سمارتھ۔ وشنو۔ سری وشنو کے بڑے بڑے تارک الدنیا کے مذہبی عقائد کی چھان بین کر کے جو لب لباب نکالا ہی وہ یہہ ہی:۔

آغاز کلام یہ ہی کہ تمام باتوں کی جڑ۔ مخلوقات سے جدا۔ سری من ناراین سوامی جو لکشمی کا خاوند مشہور ہی اُس نے تین گن (یعنی ستو (کارحسنات) رجو (حالت متوسط نیکی اور بدی ملی ہوئی) تما (سئیّات) اپنے دست قدرت میں اس غرض سے لئے کہ مخلوقات آدم کو پیدا کرے جلاے اور مارے۔ (نارائن سوامی) رجو گن اختیار کر کے برہما کی شکل میں ظاہر ہوا جو دنیا کا باپ تھا۔ تموگن فنا کے واسطے اختیار کر کے مہیشور کی شکل میں ظاہر ہوا جو جگت گرو ہی۔ ستو گن دنیا کی ثبات کے واسطے اختیار کر کے سری مہا وشنو (جو نارائن کا دوسرا نام ہی) کی شکل میں ظاہر ہوا جو لکشمی کا شوہر ہی اور تمام عالموں کا پروردگار ہی۔ ان تمام امور سے یہہ نتیجہ نکلا کہ سری نارائن سوامی ہی سبب اعظم تخلیق۔ ثبات اور فنائے عالم کا ہی۔ ان اقوال کی سند حسب ذیل بیان کی جا سکتی ہی۔

"برھما مورتی پتٹ پتا مھا" (یہ عبارت ویدکی ہے جس کے معنی برہما کی مورت سب کا باپ ہے)
پرمیشور کا جگت گرو ہونا ہم نے اس قول سے تسلیم کیا ہے۔
"دیان مچھے سدا سوات" (یعنی عقل اگر چاہتے ہو تو سدا سیو سے چاہو) اور متفق علیہ قول
"ہو تارک برمھ واچیے" یعنی رام منتر کو کاشی میں بیٹھ کر (اُن لوگوں کو جو ہجرت کرکے جاتے اور
وہاں مرتے ہیں) وعظ کر رہا ہے۔ نارائن ہی جگت کا سوامی ہے یہ امر ذیل کے اقوال سے
مسلم ہے۔
"موکشم اچھے جنار دنات" (نارائن کا دوسرا نام جنار دن ہے) اگر نجات چاہتے ہو تو
جنار دن سے چاہو۔
"نہ دیی دم کیشوات پرم" کیشو (بھی نارائن کا نام ہے) سے بڑا کوئی دیو نہیں ہے۔
"ناستی نارائنیات پرم" نارائن سے بڑا کوئی نہیں ہے۔
ان تمام اقوال سے سہ مین نارائن ہی عالم کا سوامی ہونے کا ہم نے قول فیصل کر لیا ہے۔ جو شخص
سچے دل سے ان تینوں مورتوں (جگت پترو۔ عالم کا باپ۔ جگت گرو عالم کا گرو جگت
سوامی۔ عالم کا مالک) کی پرستش کرے گا اُس کا انجام نیک ہوگا۔
اچھے لوگوں کو جو ان اقوال پر چلتے ہیں خدا۔ رشی۔ گرو اور والدین کی عقیدت نصیب ہوگی
وہ لوگ جو اس راہ سے بھٹک جاتے ہیں وہ (سیدھے) دوزخ کو جائیں گے اور ہمیشہ (ہمیشہ)
کی تاریکی میں رہیں گے اور وہ خدا۔ رشی۔ گرو اور والدین کی بندگی اور اطاعت سے محروم
رہیں گے۔ ایسے لوگوں سے کسی قسم کا کفارہ قبول نہ ہوگا۔
آخر کے تین سلوک سنسکرت کے سیاسن پر غلط کندہ کئے گئے ہیں جو پوری طرح پڑھے نہیں جاتے
لیکن پہلے سلوک کا مطلب صرف اس قدر نکلتا ہے کہ اٹرچ بھوپال (یعنی اُٹرچپا نایک) نے
بھی ان اقوال کو علماء و فضلاء کی مدد سے اننت رسال کے چیت سدی کم اشوینی نکشتر ہفتہ
کے دن تسلیم کر لیا ہے۔

(عطاے جاگیر ہیون ہال کے متعلق تابنے کی بارہ تختیوں کے مضمون کا اقتباس)

(۱) شروع کی (۸۸) سطروں میں (۴۲) سنسکرت کے شلوک ہیں جن کی مطابقت برٹش موزیم کِننگٹن لندن میں سداسیورایا کے عہد کی جو تختیاں ہیں اُن سے ہوتی ہی اور ان تختیوں کا مضمون کتاب اپی گریفیکا انڈیکا جلد چہارم کے صفحات ۱۲ تا ۱۵ پر چھپ چکا ہی۔

(۲) شلوک نمبر ۴۴ تا ۵۰ میں اس عطیہ کی تاریخ درج ہی سکے کا شمار ملفوظی قاعدے پر بطریق معکوس کیا گیا ہی یعنی گن ۳ (خاصیت تین ہیں۔ حسنات۔ درمیانی حالت۔ سیّآت) گھوڑے (۷) (ہندوؤں کے معتقدات میں ہی کہ سورج کی رتھ میں سات گھوڑے جُتے رہتے ہیں) وید (۴) (وید چار ہیں) اور قمر (۱) (چاند ایک ہی ہی) اِن سب اعداد کو بہ ترتیب معکوس لکھا جاے تو سکے ۱۴۷۳ (مطابق سال عیسوی ۱۵۵۱–۵۲ء) سال موسومہ وِردّوھی کرت[۵۱] بماہ آشاڑہ سدہ ۱۲ (جس کو پرتھم دوادشی یعنی پہلی دوادشی بھی کہتے ہیں) پیر کے روز وِٹھلیشور دیو (جس کا مشہور مندر دریاے تنگ بھدرا کے کنارے واقع ہی) حاضر ناظر جان کر مختلف فرق و سُنن کے اُن برہمنوں کو جو بلحاظ اُن کے علم و فضل کے مشہور خلایق تھے اور جو بالخصوص ویدوں کے عالم متبحر تھے سرسبز و شاداب و خوش گوار موضع ہیون ہلّی[۵۲] بطور جاگیر دیا گیا۔ یہ موضع سلطنت ہستنادتی (بیجانگر کا دوسرا

[۵۱] ملک دکن کے ہنود میں ساٹھ سال کی ایک ششٹی ہوتی ہی ہر سال کا نام جدا ہوتا ہی جو پربھوا سے شروع ہو کر کشئے نامی سال پر ختم ہوتی ہی۔ وردّوھی کرت۔ نل۔ انند۔ یہہ تینوں سمبچھر اسی ساٹھ سال میں سے ہیں۔ ۱۲

[۵۲] حال کے نقشے میں یہہ مواضع اس طرح واقع ہیں:۔

○ روڑکندہ تعلقہ رسندھنور

○ جالی ہلّی حال جالی ہال تعلقہ سندھنور

○ بیناپور تعلقہ گنگاوتی

○ گڈدر تعلقہ گنگاوتی

* جس طرح شمالی ہند میں ہستنادتی دہلی کا نام ہی ویسے ہی جنوبی ہند میں ہستنادتی بیجانگر کا دوسرا نام ہی۔ ۱۲

نام) صوبۂ روڈکندہ پرگنہ کلوڑی میں سوسن ہلّی کے متصل گڈور کے مشرق۔ جالی ہلی کے جنوب کارٹگی کے شمال اور موضع کارٹگی و جالی ہلی کے حدود کے مغرب میں واقع ہی جو (یعنی موضع بیون ہلّی) رام سمدر کے نام سے مشہور ہی مع مزرعہ پنّاپور جو اُس کے مضافات میں سے ہی۔

(۳) بعد کے تین شلوکوں میں معطی لہم کے حقوق و قبضے کی توضیح بہ صراحت درختاں تالاب کنٹے۔ باولیاں۔ باغات و جنگلات وغیرہ کی گئی ہی۔

(۴)۔ ۵۴ سے ۶۳ کے شلوکوں میں دوسرے شاہی خاندان (موسوم بہ راجگان کرناٹک بیجانگر) کا ذکر ہی اس خاندان کا پہلا راجہ آرَوِی بکّا تھا جس کی شادی بال تمبیکا سے ہوئی تھی اور جس کے بیٹے کا نام رام راج تھا جس نے لکھمبیکا سے شادی کی اُن کا بیٹا رنگ راج (جس کو سہواً رام راج لکھا گیا ہی) اور رنگ راج کا بیٹا مشہور رام راج تھا جس کو مسلمان مورخین نے ہیم راج لکھا ہی (راجہ سداسیو برائے نام راجہ تھا ورنہ درحقیقت اُس کے زمانے میں تمام کاروبار سلطنت کا رام راج ہی کرتا تھا اور وہی راجہ سمجھا جاتا تھا) رام راج کو خطابات ذیل حاصل تھے۔

"چندر بنسی خاندان کے تاج کا سب سے نمایاں جوہر" انتمبا ورا گنڈا (غیر بہادروں کا مرد) "حسن فروشوں کا معشوق" شاہان تریخ خطابی کا سردار۔ اور دھرنی دَرَہا [1] (دنیا کا بڑا بہادر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۱۔ ۞ بیون ہلّی حال بیون ہال تعلقہ گنگاوتی ۞ سوسن ہلّی حال سوسن ہال تعلقہ گنگاوتی

۞ کارٹگی تعلقہ گنگاوتی

معلوم ہوتا ہی کہ قدیم زمانے میں جن مواضع کے آخر میں ہلّی تھا اب ہال ہوگیا جیسے بیون ہلّی اور سوسن ہلّی اب بیون ہال اور سوسن ہال کہلاتے ہیں۔ کلوڑی سدرن مرہٹہ ریلوے کے بیجاپور باگلکوٹ سیکشن کے کٹگیری اسٹیشن سے (۵) میل کے فاصلے پر تعلقہ بادامی ضلع بیجاپور ہی۔ اس موضع میں رنگناتھ کا دیول ہی۔ روڈ کنڈہ سندھنور مستقر تحصیل سے چار کوس اور کارٹگی چھ کوس ہی اور یہ دونوں بڑے مقامات ہیں بیون ہال کا نام شاید پہلے رام سمدر رہا ہو۔ بعض بعض مواضع کے دو دو نام بھی ہوتے ہیں لیکن اب رام سمدر کا نام کوئی نہیں جانتا۔ ۱۲۔

[1] دَرہا کے لغوی معنی جنگلی سور کے ہیں جسے انگریزی میں بور کہتے ہیں اور جو بڑا خطرناک جانور ہی اور جس کی

(۵) شلوک ۴۶ تا ۱۷ - شجاع و دلیر سردار عین الملک[۵] پسر امیر الامرا عین الملک نے راجہ رام راج سے دست بستہ عرض کی اور رام راج نے سدا سیو راجہ کے حضور میں معروضہ عین الملک کا گوش گزار کر دیا - سدا سیو راجہ نے بہ مراحم خسروانہ عین الملک کے معروضہ کو شرف قبولیت بخشا اور تمام برہمنوں کو برسر دربار بہ موجودگی ممبران خاندان شاہی و اکابرین و علماء و فضلا موضع مذکور بخوشی جاگیر عطا فرمائی - موضع کی تقسیم (۱۳۵) حصوں میں ہوئی جن میں سے ایک حصہ شیو کو اور دوسرا وشنو دیوتاؤں کے نام نذر دیا گیا -

(۶) اِن حصہ داروں کا نام ۲۷ سے ۴۶ تک کے شلوکوں میں درج ہیں لیکن کتبہ میں صرف پچھتر اشخاص کے ہی نام ہیں جن کو (۱۲۳) حصے ملے اور دو دیوتاؤں کے اس طرح (۱۲۵) حصے ہوئے دس حصوں کی تفصیل اِن پتروں میں نہیں ہے -

(۷) شلوک نمبر ۱۴۷ میں بزبان کنڑی صرف موضع عطا شدہ کے حدود اراضی بتلائے گئے ہیں -

(۸) آگے چل کر ۵۸ سطروں کی عبارت نثر میں پھر معافی جاگیر بیون ہلی معروف بہ رام سمودر مع قریہ پناپور کے حدود اربعہ کا تفصیلی ذکر ہے - سنگ ہائے حدود پر عموماً وامن - لنگ و شیو کی مورتیں بنی ہوئی ہیں -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۲ - دلیری ایسی ہے کہ شیر کو بھی وہ آناً فاناً میں مار ڈالتا ہے چنانچہ حال میں جب ہمارے بادشاہ جارج پنجم کا سکہ چلا تو اُس پر بھی سور کی تصویر بنی ہوئی تھی مسلمانوں کے شور و شغب کرنے پر وہ سکہ واپس لے لیا گیا اور بجائے اُس کے ہاتھی بنا دیا گیا - مسلمانوں میں بھی شرزہ خاں - شیر افگن خاں خطاب ہوتے تھے اور اب بھی ہندستان گرگنڈ کا راجہ شرزہ بہادر اور سرنا پلی کی رانی رائی شیرزن کے خطاب سے ملقب ہیں

[۵] عین الملک ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں ایک بڑا مقتدر رکن سلطنت تھا جس کا مقبرہ عیناپور میں بیجاپور کے قریب موجود ہے - یہ امیر ۱۵۵۶ء کی جنگ میں کام آیا - یہ کتبہ ۱۵۵۱ء کا ہے اور جس عین الملک کا ذکر اس کتبہ میں ہے وہ یقیناً یہی عین الملک تھا جس کا ذکر ہنری کوزنز کی گائیڈ ٹو بیجاپور کے صفحہ (۹۵) میں کیا ہے اور ممکن ہے کہ اُس کے باپ کا خطاب بھی عین الملک ہی رہا ہو جیسے اب بھی بادشاہوں کا طریقہ ہے مثلاً عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہم مدار المہام ریاست حیدر آباد دکن کہ سالار جنگ ثالث ہیں -

(۹) اس کتبہ کے آخری حصے میں چند شلوک ہیں جن میں سبھاپتی کاتب سند شاہی اور ورناچاری کندہ کرنے والے کے نام درج ہیں۔ اور معمولی کلمات دعائیہ و بددعا یعنی جو اس حکم کی تعمیل کرے گا وہ فلاح پائے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا اس پر لعنت اور وہ قہر الٰہی کا مستوجب ہوگا منقوش ہیں۔ بارھویں تختی کے سب سے آخر میں راجہ کے دستخط "سری ویروپاکشن" ہیں جو بیجانگر کے راجاؤں کے گھر کا دیوتھا۔ اس طرح دستخط کرنے کا رواج قدیم سے ہے چنانچہ ٹیپو سلطان بھی فرمانوں میں "دہنی مالک" دستخط کرتا تھا اور ہمارے اعلیٰ حضرت غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں بہادر نور اللہ مرقدہم "یا محبوب" دستخط فرماتے تھے
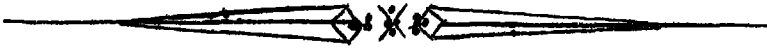
بیسواں ضمیمہ

گبوّر

موضع گبوّر رایچور سے جانب مغرب (۱۵) میل کے فاصلے سے ہے جو تعلقہ دیودرگ ضلع رایچور میں شامل ہے۔ اس موضع کی مردم شماری ۳۲۳۶ نفوس اور خانہ شماری ۹۰۲ ہے۔ یہ جگہ اب تو ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتی ہے مگر کسی زمانے میں شہر ہوگا۔ یہاں کثرت سے دیول ہیں جن میں تین دیول مشہور ہیں۔ (۱) بسونت دیو (۲) مہادیو (۳) ونکٹیشن۔ یہ دیول نہایت خوش نما ہیں جس سے اُس زمانے کے حکمرانوں کی حسن عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک بہت بڑا دیول شمبھو دیوتاؤں کے نام سے مشہور ہے جس کو ہمارتھ نے بنایا ہے جو ایک نامی گرامی شخص تھا اور ان دیوتاؤں سے غایت درجہ حسن عقیدت رکھتا تھا۔ اس دیول کی تعمیر میں یہ صنعت رکھی گئی ہے کہ اس کی ساخت میں چونے کا نام نہیں ہے پتھر پر پتھر وصل کر دئے گئے ہیں جو آج تک جوں کے توں موجود ہیں اور اپنے استحکام کی نظیر نہیں رکھتے۔ ہمارتھ کی نسبت اہل ہنود کا اعتقاد ہے کہ جنات اُس کے تابع فرمان تھے اور بڑے بڑے دیول ایک رات میں بنوا دیتا تھا جس کی فوق العادت کا یہ بھی نمونہ ہے کہ اتنے بڑے پتھروں کو بلا چونے کے جما دیا ہے اور پھر مضبوط کے مضبوط اور گلکاری اور نقاشی جدا۔ ایک دوسرے دیول پر جو ایک دیوار پر بنایا گیا ہے بزبان سنسکرت ناگری حروف میں ایک کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت بدہیشور راجہ خلف پانڈو راجا کے زمانے کی تعمیر کی ہوئی ہے۔ اس موضع میں پہاڑ پر ایک بڑا برج بھی ڈاکو اور چوروں کی خبر گیری کے لئے بنایا گیا ہے۔ اہل ہنود کا اعتقاد ہے کہ یہ گاؤں زمانہ قدیم میں راجہ بیر دھان کا پایہ تخت تھا جس نے بے خبری کی حالت میں اپنے باپ ارجن سے جو قوم پنڈواس سے تھا اور اُس کو شکست دے کر قتل کیا۔ بیر دھان کو خبر نہ تھی کہ جس راجہ کو مارا ہے وہ کون تھا۔ بعد فتح کے تزک و احتشام سے

گبھور میں داخل ہوا اور اپنی ماں سے سارا جنگ کا حال بیان کیا جس سے وہ تاڑ گئی کہ اس نے غلطی سے اپنے باپ کو مار ڈالا کیوں کہ وہ شادی کے تھوڑے دنوں بعد ہی کسی تیرتھ کو چلا گیا تھا اور پھر واپس نہ آیا۔ جب بیر دھان کو یہ افسوس ناک واقعہ معلوم ہوا تو وہ بے حد پشیماں ہوا کہ باپ کو مار ڈالنا کیسا بڑا بھاری پاپ ہی اور اپنی ماں کو منہ نہ دکھا سکتا تھا بہت کچھ تپشیا کرنے لگا۔ خداوند تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول کی اور اپنی قدرت سے ارجن کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اُس زمانے سے جو راجہ اس خاندان میں پیدا ہوئے وہ کنڑاس کہلاتے تھے اور اُنھوں نے عہد کر لیا تھا کہ میدان جنگ میں کبھی منہ نہ موڑیں گے یا مریں گے یا ماریں گے خواہ کسی سے مقابلہ ہو اور گو اپنا باپ ہی خصم کیوں نہ ہو۔ بیر دہان اپنے زمانے کا بڑا راجہ تھا اُس نے کئی دیول بنوائے جن میں سے بعض زمین دوز ہو گئے اور بہت سے بچ رہے جو اب بھی اچھی حالت میں ہیں۔ غرض یہ دیوستان بھی قابل دید ہی۔

ونکٹیش کا دیول جو سات باوٗلی کے پاس ہی۔ یہ باوٗلی بہت بڑی ہی جس کے اندر غالباً سات باوٗلیاں ہوں گی اب تو اُفتادہ پڑی ہی۔ اس دیول میں سیاہ پتھر پر ایک مطول کتبہ سنسکرت میں بخط بالبودھ ہی۔ اس کی عبارت بہت باریک خط میں ہی اس وجہ سے صاف پڑھی نہیں جاتی لیکن مطلب یہ ہی۔ پہلے مہادیو کی تعریف و توصیف ہی کچھ حصہ نظم اور کچھ نثر کا ہی۔ ونکٹیش دیو کی بھی تعریف ہی۔ اس کتبے کا مرتب کرنے والا ایک شخص رام بھٹ نامی ہی جس کا نسل نامہ بھی درج ہی جس نے اپنا گوتر "بھاردواج" بتلایا ہی۔ چوبیس لنگ کی تعریف کی گئی ہی۔ اس کتبے میں شکے یا سمبت کچھ درج نہیں ہی۔ پتھر اس دیول کے تمام تصویروں سے منقش ہیں۔ دیوتاؤں اور ہاتھیوں کی مورتیں جا بجا بنی ہوئی ہیں۔ یہ دیول زمین کے اندر کھود کر بنایا گیا ہی اور پوجا پاٹ برابر ہوتا ہی۔

برہم چکریشور لنگ کا دیول رامنّا پٹواری کے مکان کے پاس ایک کتبہ ہی۔ اس میں اول شلوک ہیں۔ ایشور۔ وشنو۔ سرسوتی کی تعریف ہی اس کے بعد راجہ کی تعریف ہی۔ حروف اچھی طرح نظر نہیں آتے اور جا بجا سے محو ہو گئے ہیں۔ اُس وقت کون راجہ تھا نام وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کے بعد برہم چکریشور کی تعریف ہی ایک جگہہ سری مکھ نام سمبت لیا کہ سدبرتی پدا اور اس کے بعد اخیر میں بھاؤ نام سمبت پھالگن بدی (۱) روز چہار شنبہ لکھا ہوا ہی۔ لیکن صاف مطلب نہیں

نکلتا نہ کوئی ماہر پڑھنے والا ہی مگر اتنا معلوم ہوتا ہی کہ سری لکھ نام سمجھر میں برہم جگر ایشور لنگ کا دیول طیار کیا گیا ہی اور کتبہ بھاؤ نام سمچھر میں لکھا گیا ہی۔ اس میں بھی کوئی شکے نہیں ہی یہ کتبہ مٹی میں دبا ہوا تھا جس کو نکلوا کر پڑھنے کی کوشش کی گئی۔ اس کتبے کی دوسری جانب جو عبارت کھدی ہوئی ہی اس کا مطلب یہ ہی کہ اگر ہار ہری گبور میں نرہرا ننک دیول کے جانب شمال سری پتی کیشو سوامی کا دیول واقع ہی اُس دیو کی پوجا نیسکار۔ عود۔ چراغ۔ نیوید۔ دوامًا جاری رہنے کی غرض سے پوجاری کو بیل اور جاموش کے فی بوجھے پر چار سیر اور گدھے کے بوجھ پر دو سیر غلہ تا قیام چاند سورج دینے کے لئے پتر پر سند دی گئی ہی جو پوجاری کو پرورش کے لئے جاری رہے گا کوئی شخص مسدود نہ کرے۔

مہانند ایشور کا دیول گبور کے جنگل میں مہانند ایشور کے دیول کے سامنے ایک پتھر پر کتبہ ہی جو برابر پڑھا نہیں جاتا صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ کسی کا سماد ہی جس کی تعریف درج ہی اور تاریخ وفات تارن نام سمچھر ویساکھ بدی (۱) روز یکشنبہ لکھا ہوا ہی شکے درج نہیں ہی اس کی آخر کی دو سطریں مٹ گئی ہیں اور بالکل پڑھی نہیں جاتیں۔

بھوگی ناتھ کا دیول ایک بہت بڑا کتبہ دقیق سنسکرت میں ہی۔ نہ پڑھا جاتا ہی نہ مطلب سمجھ میں آتا ہی نہ شکے درج ہی۔ اس کتبے میں بھارت کے شلوک کا کچھ اقتباس درج ہی اور پھر راجہ اور دیول کی تعریف ہی۔

ہنومان دیول یہ کتبہ ہنومان دیول کے چبوترے کے پاس نصب ہی جو بازار میں واقع ہی۔ قصبہ گبور کے معزز لوگوں نے یہ قول نامہ بیگاریوں کو لکھ دیا ہی کہ لوگ بیگاریوں کو اُن کا غلہ جسے بلوتہ کہتے ہیں جو بیگاریوں کا حق الخدمت ہی دیا کریں گے اس کے خلاف کوئی نہ کرے۔ اس میں بھی شکے اور سمچھر نہیں ہی۔ یہ کتبہ بہت پرانا ہی اس وجہ سے پڑھا نہیں جاتا۔ یہ کتبہ سیڑھیوں میں دب گیا تھا نکلوا کر دیکھا گیا لیکن افسوس ہی کہ اُس زمانے کی زبان جاننے والا اب کوئی موجود نہیں ہی اور یہی وجہ ہی کہ کوئی پڑھ نہیں سکتا۔ عربی فارسی کے کتبے تو خیر کچھ نہ کچھ نکل بھی آتے ہیں مگر ہندی سنسکرت کے کتبے یہاں کے لوگ نہیں پڑھ سکتے اور ایک کتبہ اسی مقام پر موجود ہی جو مانگ (چمار) لوگوں کے بلوتے کا قول نامہ ہی اسی دیول میں دیوار جانب غرب پر ایک اور کتبہ ہی جو ایک

مورت پر لکھا ہوا ہی اُس کا ترجمہ یہ ہی :-

"مہادیو کا اطاعت گزار لنگ کی بدولت شہرت حاصل کرتا ہی"

تیسرا کتبہ باؤلی کے پاس پرانی کتابت کا ہی جو غیر مفہوم ہی۔

میل شنکر دیول اس دیول کے صدر دروازے پر دو قد آدم دیوتاؤں کی تصویریں پتھر پیا کھدی ہوئی ہیں دیول آباد ہی پوجا پاٹ ہوتا ہی۔ کتبہ کا خلاصہ یہ ہی کہ سوبھانام سمجھر پھاگن بھولا شکروار کے روز دیو قایم کیا گیا اور شنکر کی تعریف درج ہی باقی عبارت پڑھی نہیں جاتی۔ اس دیول کے سامنے جو باؤلی ہی وہ شنکر باؤلی کے نام سے مشہور ہی اب یہ بھی گر پڑ کر خراب ہو گئی۔

بسوناّ دیول سات باؤلی کے پاس بسونا دیول کے پاس ایک کتبہ ہی جس میں لکھا ہی کہ ملاّ دیو پد (۱۱) وبھو نام سمجھر جیتر ماس اور شنیوار کو دیول کی بنا ڈالی گئی اس میں ملا دیو راجہ کی بہت تعریف کچھ نظم میں اور کچھ نثر میں ہی۔ بہت کچھ مٹ گیا ہی مسلسل پڑھا نہیں جاتا۔

جمب لنگیا دیول اس کتبہ میں مہادیو کی تعریف ہی زیادہ پڑھا نہیں جاتا اکثر حروف مٹ گئے ہیں۔

بسپاّ کی دیول۔ یہاں کا کتبہ مطلق پڑھا نہیں جاتا۔

کتبۂ چاوڑی اس کی تین چار سطریں مٹ گئی ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی پڑھی نہیں جاتیں

ہنمپاّ کی دیول اِس کتبے میں راجہ ملا دیو کی تعریف ہی۔ جس میں کچھ نظم بھی ہی رکتا کشی نام سمجھر بھادر پد پرتی پدا شکر وار درج ہی۔

ہاہیر بنڈی کتبہ بالکل پڑھا نہیں جاتا۔

کرورز باولی کا کتبہ پورا پڑھا نہیں جاتا صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ ملاّ دیو پد (۱۱) وبھو نام سمجھر سراون سدھ سپتمی روز منگلوار۔

اندرانی منٹھ وکارٹیاّ گڑی یہاں دو کتبے تھے جن کو نواب یار جنگ بہادر صوبہ دار نے گلبرگہ منگوا لئے جو محبوب گلشن میں رکھے ہوئے ہیں۔

پھول باؤلی آبادی کے جنوب میں اس نام کی باؤلی ہی جس کا پانی نہایت شیریں ہی اور ساری بستی پیتی ہی۔ میں دو روز گبوّر میں رہا۔ بہت کوشش کی کہ کتبے پڑھے جا سکیں

لیکن ناکامی رہی اول تو سیکڑوں برس پہلے کے کتبے پھر مٹے مٹائے اور قدیم سنسکرت کی عبارت
جونی زمانہ مردہ زبان ہی - کوئی پڑھنے والا نہیں - ممکن ہی کہ صیغہ اپی گرافی کے ماہرین فن پڑھ
سکیں لیکن مشکل یہ ہی کہ یہ پتھر مدراس جا نہیں سکتے اور نہ وہ لوگ یہاں آسکتے ہیں - اگر
فوٹو اتار کر بھیجا جائے تو اول وقت دوسرے یہہ کہ فوٹو میں بھی پوری عبارت اُترنا
اس وجہ سے مشکل ہی کہ جا بجا سے الفاظ محو ہو گئے ہیں لہذا مجبوراً ان کو اسی حالت پر
چھوڑ دیا گیا - گبوّر کی ساری سرزمین دیولوں سے پٹی پڑی ہی - جو ابھی تک موجود تھے اُن کا بیان
میں نے لکھدیا - کچھ زمین میں دب گئے ہیں کچھ ٹوٹ پھوٹ گئے صرف اُن کے کلم اور پتھر
بکھرے پڑے ہیں اور جا بجا اُن کے ڈھیر مٹی اور پتھر کے لگے ہوئے ہیں -

اکیسواں ضمیمہ

گلبرگہ شریف

ہمیں شہر گلبرگہ شد تخت گاہ عمارت برآورد بر اوج ماہ
بنام حسن شہر شد چوں تمام نہادند زاں احسن آباد نام

جی آئی پی ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ رائچور سے (۹۰) میل اور حیدرآباد سے (۱۲۳) میل کا فاصلہ ہے۔ محکمہ صوبہ داری (کمشنری) کا مستقر ہے۔ آبادی پینتیس ہزار ہے۔ یہ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے جو تقریباً اسّی سال تک سلاطین بہمنیہ کا دارالسلطنت رہا ہے۔ اُن کے فلک شکوہ شاہی ایوان سب ایسے منہدم اور مسمار ہوگئے کہ جن کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ گلبرگہ پہلے ہندو رایوں کا راج دہانی (دارالخلافہ) تھا۔ اس کی آبادی کی بنا راجہ "کلی چند" نے ڈالی اور "کل برگی" نام رکھا۔ کنڑی میں "بر" کے معنی جگہ کے ہیں یعنی سرزمین راجہ کلی چند جو رفتہ رفتہ گلبرگہ ہوگیا ہندو اب بھی کل برگی کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کل کنڑی میں پتھر کو کہتے ہیں یعنی پتھریلی زمین چوں کہ اس آبادی کے اطراف پہاڑ اور زمین پتھریلی ہے اس وجہ سے یہ بیان کچھ غلط نہیں معلوم ہوتا۔ تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ تاج داران ایران ہمیشہ فرمار وایان ہند سے خراج لیا کرتے تھے اور ایرانی سپہ سالار ہمیشہ اُن کی مدد کو آیا کرتے تھے اور اکثر گردان ایران دکن پر حملہ آور ہوئے چنانچہ داراب کے زمانے میں اس کے پہلوان دکن پر بھی آئے جن کا سردار بلاقس نامی تھا۔ ان لوگوں نے ملک کرناٹک کو سراسر خارزار اور ویران دیکھا صرف ایک گلبرگہ کی آبادی اس خارستان میں پھول کا پتہ نظر آئی تو ان لوگوں نے اس خطہ کا نام گلبرگہ رکھا جو کثرت استعمال سے گلبرگہ ہوگیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ راجہ کلی چند نے گلبرگہ اور مرج چند سے مرج اور بیجا چند نے بیجانگر کو بسا کر دارالسلطنت مقرر کیا۔ ۷۴۸ھ میں سلطان علاءالدین حسن گانگوی بہمنی نے یہاں کے راے بھیرن کو قتل کر کے اس کو اپنا دارالخلافت قرار دیا اور بیجا سے گلبرگہ کے

حسن آباد نام رکھا ؎

بنام حسن خسروی شد تمام | دکن زیر فرمان او گشت رام
برادرنگ شاهی برآمد پگاه | برآورد بر سر کیانی کلاه
بشمشیر فرماں روائی گرفت | بداد و دہش پادشاہی گرفت
جہاں را از و شد عمارت پدید | بہر مملکت نام نیکش رسید
ہماں شہر گلبرگہ شد تخت گاہ | عمارت برآورد براوج ماہ
بنام حسن شہر چوں شد تمام | نہادند زاں احسن آباد نام

قلعہ کی جو رایان بیجانگر نے بنایا تھا اور ایک مسجد کی جو شکستہ ہو رہی تھی اسی بادشاہ نے ترمیم و تعمیر کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں عمارتیں پہلے سے موجود تھیں۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کے زمانے کا ایک کتبہ ملا ہے جو ترمیم مسجد کے متعلق ہے اور جس سے تحفۃ السلاطین کی اُس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ سلطان علاء الدین کا نام بہمن شاہ تھا اور وہ ایرانی نژاد تھا اور کل شاہان بہمنی اسی کی طرف منسوب تھے چنانچہ کتبۂ مذکور میں علاء الدین بہمن شاہ کندہ ہے جب اسکندر رومی نے فور بادشاہ ہند کو قتل کر ڈالا تو یہ خبر پاکر راجۂ بیدر نے سکندر رومی کے لئے تحائف بھیجے اور اسکندر اُس کی اس حسن عقیدت سے راضی ہو کر تسخیر دکن کے ارادے سے باز رہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شہر گلبرگہ اسکندر رومی کے حملۂ ہند سے قبل آباد ہو چکا تھا اس لئے اب اس کی عمر قریب ڈہائی ہزار سال کے ہو گئی کیوں کہ اسکندر رومی (۳۳۲) سال قبل ولادت مسیح کے پیدا ہوا تھا اور اس نے لامحالہ جوانی میں ہند پر یورش کی ہوگی۔ شاہان بہمنیہ کے تسلط سے پہلے محمد شاہ تغلق کے زمانے میں گلبرگہ کا حاکم حصار کہلاتا تھا۔ علاء الدین کا بسایا ہوا شہر حسن آباد اب مٹ مٹا کر فنا ہو گیا مگر اُس کا ایک دروازہ ایک باؤلی اور چند مسجدیں۔ عیدگاہ اور چند گنبد اور بہت سی پختہ اور سنگین قبریں اور مکانوں کے کھنڈر موجود ہیں حسن آباد کی قدیم رونق اور آبادی ہم کو آنسوؤں کی ندی بہانے کو اب بھی نظر آتی ہے۔ قدیم شہر حسن آباد کے دو محلے بہمنی پورہ اور شاہ بازار اب بھی موجود ہیں۔ مخدوم پورہ اور مومن پورہ بھی مسلمانوں کے محلے ہیں۔ روضۂ شیخ اور روضۂ بزرگ کی آبادی پرانی ہی ہے۔ گلبرگہ کی آبادی نے بہت ترقی کی ہے۔ آبادی

کا سلسلہ مخدوم پورہ اور مومن پورہ سے بڑھ کر مشرق کی طرف روضۂ بزرگ سے اور مغرب میں قلعہ اور شاہ بازار سے قریب قریب جاملا ہی اور ریلوے اسٹیشن تک جو قلعہ سے جنوب میں قریب دو میل کے ہی آبادی ہی آبادی نظر آتی ہی - اسٹیشن کا بازار برابر آباد ہوتا چلا جاتا ہی - محلہ بہمنی پورہ اور اسٹیشن اور مخدوم پورے کے درمیان بازار آصف گنج - گلزار حوض - اکرام سرائے سنٹرل جیل (جس میں بہت بڑا کارخانہ صنعت وحرفت کا ہی اور جہاں عمدہ ڈیرے مثل کانپور اور جبل پور کے بن کر تمام ممالک محروسۂ سرکار عالی کے عہدہ داروں کو سپلائی کئے جاتے ہیں) محلہ جگت - غازی پورہ - کچہری اول تعلقداری - محبوب تالاب - محبوب گلشن - گورنمنٹ ہاؤس (جس میں صوبہ دار رہتے ہیں) بندوبست کا بنگلہ جو اب ایوان شاہی کے نام سے موسوم ہی کیونکہ حضرت پیر و مرشد بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی جب کبھی گلبرگہ رونق افروز ہوتے ہیں - اسی بنگلہ میں جو اعلیٰ درجہ کا فرنش کیا ہوا ہی تشریف فرما ہوتے ہیں - ریلوے اسٹیشن سے ایوان شاہی تک ریلوے سیڈنگ بھی ڈالی گئی ہی جس سے حضوری اسپشل ایوان شاہی کے اندر تک چلی جاتی ہی جہاں ایک وسیع پلیٹ فارم بنا ہوا ہی اور محلات مبارک گوشہ پردے سے ٹرین سے اُتر جاتی ہیں - شارع عام یعنی اسٹیشن روڈ کے دونوں جانب متعدد خوش نما بنگلے بنے ہوئے ہیں جن میں اکثر عہدہ دار رہتے ہیں - ہائی اسکول - کچہری تحصیل - پوسٹ آفس - قاسم طالب سیٹھ کا گودام کچہری صدر عدالت وغیرہ سب عمارتیں لب سڑک ہیں - ویران گلبرگہ کی آبادی کو از سر نو زندہ کرنے کا سہرا نواب یار جنگ بہادر اکرام اللہ خاں صاحب صوبہ دار کے سر ہی جن کے نام نامی سے اکرام سرائے موسوم ہی آپ نے آصف گنج میں چوپڑ کا نہایت خوش نما بازار بنوایا جس کے بیچ میں گلزار حوض نہایت ہی موزوں ہی - حسن آباد کے قدیم مکانات جو ویران پڑے تھے اور جا بجا ناگ پھنی کی حکومت تھی اُن سب کو صاف کروایا اور اُن ہی مکانات کے پتھروں سے یہ جدید بازار اور عمارتیں بنیں - گلبرگہ میں مومنوں کی آبادی بہت زیادہ ہی جو زیادہ تر دین دار اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں - بہمنی پورے میں زیادہ تر برہمن رہتے ہیں اور شاہ بازار میں ہر قوم کے لوگ رہتے ہیں - روضۂ بزرگ میں بڑی آبادی فقراء کی ہی اور روضۂ شیخ میں قدیم لوگ بستے ہیں - گلبرگہ کے کیلے (سوہن موز) سرکا مصالحہ اگربتیاں مشہور ہیں شہر کے

باہر ترتیب (۳۰) میل کے فاصلہ پر موضع ہیرا پور میں محبوب شاہی ملز کپڑا بننے کی گرنی ہے جس کی بلند چمنی گلبرگہ سے شولا پور جاتے ہوئے ریلوے لین کے برابر داہنے ہاتھ پر نظر آتی ہے۔

تاریخی حالات سلاطین بہمنیہ

علاء الدین حسن گانگوہی خاندان بہمنیہ کا بانی اور مسلمانوں کی سلطنت کا سب سے پہلے گلبرگہ میں قایم کرنے والا علاء الدین تھا اس کے ابتدائی حالات مختلف طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ اغلب روایت یہ ہے کہ شاہزادہ محمد تغلق کا مقرب ایک منجم گانگو برہمن تھا جس کا نوکر حسن تھا۔ نہایت تنگ دست ہونے سے ایک دن اُس نے اپنے آقا سے اپنی فلاکت کی شکایت کی۔ برہمن نے اُس کی حالت پر ترس کھا کر دو بیل۔ دو مزدور اور کچھ زمین حوالی دہلی میں اُس کو بغرض زراعت دے دی کہ اس کے ذریعے وہ اپنا پیٹ پال سکے۔ ہل جوتتے جوتتے اتفاقاً ہل زمین میں اٹک گیا مزدور نے حسن کو خبر کی حسن نے آکر کھودنا شروع کیا دیکھا تو ہل کا پھل ایک زنجیر میں اٹکا ہوا تھا حسن نے بغور دیکھا تو زنجیر ایک برتن کے گلے میں لپٹی ہوئی تھی برتن کو نکالا تو وہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ حسن نے اُس برتن کو ایک چادر میں لپیٹ لیا اور رات کے وقت برہمن کے پاس لے جا کر حقیقت حال بیان کی۔ برہمن نے اس غریب آدمی کی دیانت اور امانت پر آفرین کہی اور اس کا تذکرہ شاہزادہ سے کیا شہزادے نے اپنے باپ غیاث الدین سے ذکر کیا۔ بادشاہ بھی حسن کی دیانت داری سے مسرور ہوا اور امیران صدہ میں داخل کر لیا۔ پھر ایک دن برہمن نے حسن کا زائچہ دیکھ کر کہا کہ تو آگے چل کر بادشاہ ہوگا۔ تم وعدہ کرو کہ اگر تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے نام کو اپنے نام کا جزو بنانا تاکہ یہ مری یادگار رہے اور اسی وجہ سے علاؤ الدین نے گانگوہی کا لقب لیا۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت نظام الدین اولیا رقدس سرہ العزیز کی دعوت میں شہزادہ محمد تغلق آیا تھا۔ جب دسترخوان بڑھ گیا اور شاہزادہ چلا گیا تو حسن وہاں پونچا حضرت نے عالم کشف میں احوال دریافت فرما لیا اور ارشاد فرمایا "سلطانے رفت وسلطانے آمد" ابھی حسن کی اطلاع بھی حضرت کی خدمت میں نہیں کی گئی تھی کہ آپ نے خادم کو فرمایا کہ ایک شخص جس کے چہرے سے آثار شرافت و

نجابت ظاہر ہیں دروازے کے باہر کھڑا ہی اُسے بلالاؤ۔ خادم نے باہر جاکر دیکھا تو صرف ایک شخص سادہ لباس میں کھڑا تھا خادم نے سمجھا کہ یہ کوئی اور شخص ہوگا آکر عرض کیا کہ جیسا حضرت نے ارشاد فرمایا ایسا کوئی آدمی باہر نہیں ہی۔ شیخ نے ارشاد فرمایا اچھی طرح دیکھو ضرور ہوگا خادم نے عرض کی کہ ایک مجہول سا شخص بیٹھا ہوا ہی سوا اُس کے اور کوئی نہیں ہی حضرت نے فرمایا کہ اُسے ہی بلالاؤ وہ گو بظاہر حقیر ہی مگر بہ معنی بادشاہ اُس کے حاضر ہونے کے بعد شیخ نے بہت التفات فرمایا اور مستفسر حال رہے۔ دسترخوان تو اُٹھ گیا تھا حضرت نے افطار کے واسطے ایک نان حجرے کے طاقچے میں رکھی تھی اُس کو اپنی اُنگلی کی پور پر رکھکر حسن کو دی اور یہ فرمایا کہ یہ چتر شاہی ہی جو مدت دراز اور محنت دیرپا کے بعد تجھ کو دکن میں نصیب ہوگا۔ جب ہی سے حسن کو دکن جانے کی تلملی لگ گئی تھی اور جب محمد تغلق دکن میں گیا تو حسن نے قتلق خاں حاکم دولت آباد کی رفاقت اختیار کی اور دکن ہی میں رہ پڑا اور امیران صدہ سے گہرا اخلاص ہوگیا۔ جب محمد تغلق نے امراے صدہ کو گجرات میں بُلایا اور اُنھوں نے جانے میں تاخیر کی طرّہ برآں کہ باغیان گجرات کو پناہ دی تو بادشاہ نے اِن سب کے قتل کا حکم دیا۔ جب یہ کیفیت امیران صدہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے باہمی مشورہ کیا کہ بادشاہ ہم سے بدظن ہو جاے گا ہم گئے کہ قتل کرادے گا اس لئے وہ جان بچاکر دولت آباد بھاگ گئے۔ یہاں کی رعایا میں بادشاہ کے ظلم سے تراہ تراہ مچی ہوئی تھی یہ لوگ رعایا کی ہم زبان ہوگئے اور ایسا فتنۂ عظیم برپا کیا کہ جس کا دفعیہ بادشاہ سے ناممکن ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دکن جو برسوں میں فتح ہوا تھا تین مہینے میں محمد تغلق کے قبضے سے نکل گیا اور امیران صدہ نے اپنے ہی میں سے اسمٰعیل مخ کو بادشاہ مقرر کرلیا جس نے اپنا لقب ناصر الدین رکھا اور حسن کو خطاب ظفر خانی کے ساتھ راے باغ۔ مکربی مرج اور کلھرّ جاگیر ملی۔ گلبرگہ کا حاکم بھیرن راے محمد تغلق کا ہوا خواہ تھا اُس کو قتل کرکے حسن مسلّط ہوا۔ اس پر سے ناصر الدین اور محمد تغلق میں جنگ ہوئی جس میں ناصر الدین کو شکست ہونے سے وہ دولت آباد چلا گیا اور حسن بارہ ہزار سوار لے کر قلعۂ گلبرگہ میں پوہنچا اور عساکر سلطانی کو مغلوب کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاہنشاہ دہلی نے عماد الملک کو

حسن کے مقابلے پر بھیجا اور ان دونوں میں قلعہ بیدر کے قریب ایک بہت بھاری لڑائی ہوئی تلنگانہ کے راجہ نے حسن کو مدد دی۔ عماد الملک اس جنگ میں کام آیا۔ اور سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ اس فتح کے بعد حسن دولت آباد گیا۔ سلطان تغلق کی طرف سے جو امرا دولت آباد کا محاصرہ کئے پڑے ہوئے تھے حسن کے خوف سے دہلی اور گجرات بھاگ گئے اور حسن فراغت سے دولت آباد میں داخل ہوا۔ لوگوں کو زیادہ تر حسن کی طرف رجوع پاکر ناصر الدین نے خود بھی تخت سے دست کشی کی اور اس طرح ۷۴۸ھ میں حسن تخت نشین ہوا۔ تاج شاہی زیب سر کیا اور چتر سیاہ جو خلفائے عباسیہ کا بانا تھا تیمناً و تبرکاً لوازمۂ شاہی میں داخل کیا۔ چتر سیاہ کی وجہ سے لوگ حسن کو شیعہ خیال کرتے ہیں۔ حسن نے گلبرگہ اپنا دار السلطنت مقرر کیا اور حسن آباد نام رکھا اور گانگوی برہمن کو دفتر حساب پر مامور کیا اور ۱۰۱۶ھ تک دکن میں یہی طریقہ رہا کہ بادشاہان دکن کی دفترداری اور ولایات کی محرری برہمنوں ہی کو ملتی رہی۔ حسن نے تدبیر اور شمشیر کے زور سے کل ملک دکن جو بادشاہ محمد تغلق کے عہد میں امرار کے تصرف میں تھا فتح کرلیا بعدہٗ ایک مہم کرناٹک کی طرف بھیجی اس میں بھی کامیابی ہوئی۔ اہل گجرات نے بادشاہ کی سختیوں کی تاب نہ لاکر حسن کو بلوایا وہ خود تو نہیں گیا مگر اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو بھیج دیا اور خود بہ سہولت عقب سے روانہ ہوا جب یہ شاہزادہ نوساری پونہچا تو اس خطہ میں شکار کثرت سے دیکھ کر اپنے باپ کو بھی بلوایا یہاں آنے کے چند روز بعد حسن ہیضہ میں مبتلا ہوا اور اسی سلسلہ میں مختلف عوارض میں چھ مہینے تک مبتلا رہ کر ۵ ربیع الاول ۷۵۹ھ (۱۳۵۸ع) گیارہ سال۔ دو ماہ۔ سات روز سلطنت کرنے کے بعد (۶۷) سال کی عمر میں انتقال کیا ؎

چوں حسن رحلت ازیں عالم نمود — وصل شد باحق لفضل ذو المنن
شاہ جنت سال ترحیلش بگو — ہم مقرب محسن عالم حسن

۷۵۹ھ — ۷۵۹ھ

حسن کے انتقال کے وقت اس سلطنت میں ملک مرہٹواڑی۔ تلنگانہ اور کرناٹک کے بھی کچھ حصے شامل تھے جن پر ہندو راجہ حکمراں تھے۔ مشرق میں راجۂ تلنگانہ اور جنوب میں راجۂ بیجانگر کرناٹک پر مسلط تھے اور یہ دونوں بڑے زبردست مد مقابل تھے۔ بہمن نامۂ دکن

وسراج التاریخ میں سلطان حسن کو بہمن دارائے ایران کی نسل میں بتا دیا ہے اور یہی وجہ تسمیہ بہمنی ہونے کی بیان کی ہے - تاریخ فرشتہ میں اس کو ایک برہمن کا نوکر لکھا ہے - اور حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاء کی پیشین گوئی کے مطابق اس کا دکن میں آکر بادشاہ ہونا ظاہر کیا ہے مگر تذکرۃ الملوک وسیر محمودی میں لکھا ہے کہ حسن خاندانی شخص تھا - وہ بہ حالت تباہ اپنے والدہ وہمشیرہ کے ہمراہ موضع کوچی میں آکر حضرت مخدوم شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہ کا مرید ہوا اور ان کی خادمی کرتا تھا آپ کی دعا سے اس کو دکن کی بادشاہت ملی اور گانگوی اسی موضع کوچی کا پٹواری اور جوتشی تھا جس نے اپنی جوتش کے ذریعہ سے دریافت کر کے کہ حسن کو ایک دن بادشاہت ضرور ملے گی اُس کے نام کے ساتھ اپنا نام شریک کرنے اور اپنے بعد اپنی نسل کو ملک کا دفتر محاسبہ تفویض کرنے کی حسن سے درخواست کی تھی - جس کو حسن نے پذیرا کیا اور بعدہ اسی طرح عمل کیا -

سلطان محمد شاہ بہمنی سلطان علاء الدین حسن گانگوی کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا سلطان محمد بہمنی ۷۵۹ھ ۱۳۵۸ء میں تخت نشین ہوا - اس نے ممالک محروسہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا - گلبرگہ - دولت آباد - تلنگانہ - برار اور ہر حصہ پر ایک طرف دار مقرر کیا - اس کے عہد میں طلائی سکہ چلا جس کے ایک رُخ پر کلمۂ طیبہ اور چاروں صحابہ کرام کے اسمائے مبارک اور دوسری جانب پادشاہ کا نام اور سنہ جلوس مسکوک تھا - یہ اپنے باپ کے نقرئی تخت پر جلوس کرتا تھا مگر ایک آبنوسی طلا کار تخت شاہ دہلی کے لئے بنایا ہوا تین گز لمبا اور ایک گز چوڑا تھا وہ رائے تلنگ نے محمد شاہ کو دے دیا تھا جو بعد میں "تخت فیروزہ" کے نام سے دکن میں مشہور ہوا اور تقریباً سو برس تک خاندان بہمنیہ میں رہا اور نقرئی تخت سلطان فیروز شاہ کے عہد میں مدینہ منورہ بھیج کر وہاں توڑ کر سادات میں تقسیم کیا گیا -

ملکہ جہاں (والدہ سلطان محمد شاہ) نے جب حج بیت اللہ کا قصد کیا تو پادشاہ نے چاہا کہ جتنا خزانہ باپ کے وقت کا ہے سب بغرض ایصال ثواب اپنے باپ کے اپنی ماں کے ساتھ بھیج دے لیکن امرائے مخالفت کی کہ اس طرح خزانہ خالی کر دینا کیا معنی - لیکن پادشاہ نے نہ مانا اور دل میں کہا کہ خدا کی راہ میں دینے کی نیت کر کے پھر اُس سے انحراف کرنا نہایت ناپسندیدہ ہے

امرا کو یہ معقول جواب دیا کہ واہب العطایا نے میرے باپ کو بن ہلے جُلے دولت شاہی پردۂ غیب سے عطا کی اُس کے سامنے کون سی بڑی بات ہے اگر وہ چاہے گا تو میرا خزانہ پُر کر دے گا آخر کار اپنی ماں کو کل خزانہ دے کر بھیجا اور ادائے فریضۂ حج سے اپنی ماں کی مع الخیر واپسی پر ایک بڑا بھاری جشن کیا۔

ورنگل پر پہلی لڑائی جن لوگوں کی خلاف مرضی یہ امر ہوا تھا اُنھوں نے رایان بیجانگر و تلنگانہ سے سازش کی۔ چنانچہ رائے بیجانگر نے محمد شاہ سے درخواست کی کہ قلعہ جات رایچور و مدگل اور دیگر علاقہ جات دوآب کرشنا نک ہمیشہ سے ہمارے قبضے میں رہے ہیں ہم کو واپس دیئے جائیں اور اسی طرح راجۂ تلنگ نے کہلا بھیجا کہ میرے بیٹے وِنایک دیو (جسے ناگ دیو بھی کہتے تھے) نے آپ کے والد کو قلعہ کولاس عارضی طور پر دیا تھا وہ واپس کر دیجئے محمد شاہ نے بڑی دانائی کی کہ ڈیڑھ سال تک کچھ جواب ہست و نیست کا نہیں دیا اور ایلچیوں کو بڑی خاطر مدارات سے حاضر دربار رکھا اور اِس اثنا میں سب مخالفین کو بہ تدریج علیحدہ کر کے اپنے بھروسے کے لوگوں کو مامور کیا اور جب ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو ایک دن سر دربار ایلچیوں سے فرمایا کہ رایوں نے ہماری پیشکش نہیں دی ہے فوراً داخل کر دیں۔ جب یہ پیغام رایوں کے پاس پونہچا تو رائے تلنگ نے اپنے بڑے سپہ سالار ناگ دیو اور نانک رام کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ ورنگل سے کولاس بھیج دیا اور اُس کی مدد کو رائے بیجانگر نے بھی بیس ہزار سوار اور پیدل بھیجے۔ بادشاہ کی طرف سے بہادر خاں ولد اسمٰعیل مخ مقابلے کو بھیجا گیا طرفین میں جنگ عظیم برپا ہوئی جس میں مسلمانوں کی فتح ہوئی اور بہادر خاں نے ورنگل تک ان کا تعاقب کیا اور رائے ورنگل سے بہت سے تحائف لے کر گلبرگہ واپس ہوا۔

ورنگل پر دوبارہ چڑہائی اور ناگ دیو کا مارا جانا ۷۶۳ھ میں سلطان محمد شاہ کو خبر ملی کہ اُس کے لئے جو گھوڑے سوداگر لا رہے تھے باوجود اس علم و اطلاع کے ناگ دیو نے چھین لئے۔ بادشاہ غضب ناک ہو کر ایک ہزار سوار لے کر خود ورنگل[۱] پونہچا۔ چوں کہ اچانک پونہچا تھا فوراً قلعہ پر قابض ہو گیا۔ ناگ[۲] دیو کو کانوں کان خبر نہ ہوئی وہ باغ میں رنگ رلیاں

---

[۱] علاقہ ورنگل کے شہر وِلمپٹن پر چڑہائی کرنا لکھا ہے اور برہان مآثر میں اس شہر کا نام فلام پٹن لکھا ہے [۲] مسٹر رائیس

منار ہا تھا بحالت بے خبری گرفتار ہو گیا پادشاہ نے شہر پر قبضہ کرکے باشندگان شہر کو بڑی بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور گڑھی کے سامنے لکڑیوں کا بڑا انبار لگا کر جلوا دیا اور اُس جلتی آگ میں ناگ دیو کو پھینک دیا جو جل کر بھسم ہو گیا بعدہٗ پندرہ روز تک جشن فیروزی منا کر گلبرگہ واپس ہوا جب راجگان تلنگ کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے پادشاہ کا التعاقب کیا بہت کچھ کشت وخون ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر کی بہت تباہی ہوئی صرف پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ پادشاہ گلبرگہ واپس پونہچا اور اسی معرکہ میں پادشاہ کے بازو پر ایک سخت زخم گولی کا لگا مگر بچ گیا۔

ورنگل پر دوبارہ چڑہائی ۷۶۴ھ ۱۳۶۵ء [۵۸] میں راے تلنگ نے متواتر شکستوں اور بیٹے کے مارے جانے سے ملک فیروز باربک بادشاہ دہلی کو لکھا کہ اگر آپ حکام مالوہ و گجرات کو دکن پر چڑہائی کا حکم دیں تو نہ صرف میں آپ کا ساتھ دوں گا بلکہ راے بیجانگر کو بھی اپنے ساتھ لوں گا۔ یہ خبر محمد شاہ کو ملی۔ فیروز شاہ کو اپنے جھگڑوں سے فرصت نہ تھی اُس نے بات کو ٹال دیا مگر محمد شاہ یہ خبر سن کر آگ بگولا ہو گیا اور لشکر جمع کر کے دو حصے کئے کچھ لشکر ورنگل کی طرف بھیجا اور کچھ گولکنڈہ کو۔ اس زمانے میں راے بیجانگر مر چکا تھا اور اُس کا بھتیجا کشن دیو راے جانشین ہوا تھا۔ راے تلنگ کو راے بیجانگر سے کچھ مدد نہ ملی اکیلا کیا مقابلہ کر سکتا تھا شکست پائی اور بہ مشکل معتد بہ خزانہ اور ایک بیش قیمت اور مرصع

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۷ - لکھا ہے کہ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں لکا کے لشکر کے سردار کا نام نرہری گنٹہ ملیناتھ پسر نرہری گنٹہ سانیا تھا - کتبوں میں ۵۶-۱۲۵۵ء و ۵۷-۱۲۵۶ء درج ہیں ۱۲

[۵۸] - ملک فیروز باربک سلطان غیاث الدین تغلق کا بھتیجا تھا - سلطان محمد تغلق نے اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی رحلت کے وقت یہ شعر پڑھا ؎

تو سر سبز باشی بہ شاہنشہی   کہ من کردہ ام سر زبالیں تہی

اس نے نوے برس بلکہ کچھ زیادہ ہی عمر پا کر ۱۳ رمضان ۷۹۰ھ میں قریب قریب چالیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ یہ بادشاہ بڑا فاضل و عادل و کریم و رحیم و حلیم و رعایا و سپاہ پرور تھا " وفات فیروز" تاریخ وفات ہے جس سے ۷۹۰ھ نکلتے ہیں ۱۲-

تخت جس کی قیمت کا اندازہ چالیس لاکھ روپیہ ہوتا ہے نذر کرنے کے علاوہ گولکنڈہ مع مضافات کے بادشاہ کو بطور تاوان جنگ دے کر صلح کر لی آخر کار قلعۂ ورنگل ۱۴۲۴ء میں فتح ہو گیا اور پوری طرح سلطنت بہمنیہ میں شامل کر لیا گیا اور اس طرح مسلمانوں کا قبضہ دریائے کرشنا کے کنارے کنارے سب مقامات پر سوائے ایک تھوڑے حصے کے جو مشرقی کنارے کے قریب تھا ہو گیا۔

بیجانگر کی سب سے پہلی بڑی بھاری لڑائی ۱۳۶۶ء

اوائل ۱۳۶۶ء میں سلطان محمد شاہ بہمنی اور بیجانگر کے فرماں رواؤں میں پہلی باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی نہ تھی کھانے کے بعد ہنسی مذاق میں لڑائی ٹھن گئی اور ہنسی میں پھنسی ہو گئی جس کا انجام ایسا قتل عام ہوا کہ حسب بیان فرشتہ صرف ہندوؤں کی طرف کے پانچ لاکھ آدمی مارے گئے۔ اس لڑائی کا چشم دید حال ملا داؤد بیدری نے جس کے پاس سلطان محمد شاہ کی مہر رہا کرتی تھی حسب ذیل بیان کیا ہے۔

"ایک روز شام کو جب محمد شاہ بادشاہ محفل عیش و نشاط میں مسرور تھا چند قوالوں نے بادشاہ اور جلسۂ رقص و سرود کی تعریف میں دو شعر امیر خسرو کے گائے۔ بادشاہ ان اشعار کو سن کر بے انتہا خوش ہوا اور ملک سیف الدین غوری وزیر کو حکم دیا کہ ان گویوں کے لئے جن کی تعداد تین سو تھی راجۂ بیجانگر کے نام ایک برات انعام دینے کے لئے لکھدی جائے بہ تعمیل حکم بادشاہ وزیر مذکور نے اسی وقت حکم تو لکھدیا لیکن اس خیال سے کہ بادشاہ اپنی حالت میں نہ تھا روانہ نہیں کیا۔ لیکن بادشاہ اس بات کو تاڑ گیا اور دوسرے ہی دن وزیر سے پوچھا کہ "تم نے فرمان روانہ کر دیا؟" وزیر نے عرض کیا کہ "ابھی نہیں" بادشاہ کو اس عدول حکمی پر غصہ آیا اور فرمایا کہ "کیا تو خیال کرتا ہے کہ کوئی مہمل اور لغو حکم بادولت کی زبان سے نکل سکتا ہے؟ ہم نے نشے کی حالت میں حکم نہیں دیا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہے سمجھ بوجھ کر ہی کہا ہے" یہ سنتے ہی وزیر نے فوراً برات پر شاہی مہر ثبت کر دی اور ایک معتبر قاصد کے ہاتھ اسی وقت بیجانگر بھیج دی۔ راے بیجانگر کو اپنی حکومت کا نشہ ایسا چڑھا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا بادشاہ کی اس کے سامنے کیا حقیقت تھی جو قاصد فرمان لے کر پہنچا تھا اس کی بڑی تہتک

اور فضیحت کی اُسے گدھے پر سوار کر کے تمام شہر بیجانگر میں پھرایا اور تشہیر کی - اس کے بعد قاصد
کو نہایت ذلیل کر کے نکلوا دیا اُس کے ساتھ ہی رای بیجانگر نے افواج اور لشکر جمع کرنے کا
حکم دیا اور مملکت بہمنیہ پر چڑھائی کے ارادے سے نکلا اور تیس ہزار سوار اور تین ہزار ہاتھی اور
نو لاکھ پیدل لے کر قلعۂ ادھونی کے قریب پونہچ گیا اور وہاں ٹھیر کر سلطنت بہمنیہ کے ملک
میں لوٹ مار کرنے کے لئے اپنی فوج کو پھیلا دیا" اگرچہ یہ موسم بارش کا تھا تاہم راے بیجانگر
مدگل تک جو رایچور دوآبہ میں ایک بڑا شہر تھا پونہچ گیا - رایچور دوآبہ وہ ملک ہی کہ دریاے
کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقع ہی اور اس علاقے کی بابت ہندو اور مسلمانوں
میں اب سے لے کر آئندہ دوسو برس تک برابر جنگ رہی ہی - راجہ نے مدگل پر چڑھائی کی اور
بے انتہا سعی و کوشش کی کہ جس کا بیان قوت بشری سے خارج ہی - قلعۂ مدگل میں آٹھ سو
جوان جنگی محافظ تھے وہ ہر طور سے مقابلہ کرتے رہے - داروغۂ قلعہ ملک نائب سیف الدین
غوری کا ایک عزیز تھا وہ بڑا سخت گیر تھا جس کی وجہ سے فوج میں اختلاف پڑ گیا تھا اس آپس کی
پھوٹ کی وجہ سے حارسین قلعہ میں دو دلی ہو گئی اور قلعہ فتح ہو گیا - افواج راجہ بیجانگر نے تمامی
باشندگان شہر زن و مرد حتیٰ کہ بچوں تک کو قتل کر ڈالا - صرف ایک مسلمان کسی کونے
میں چھپ گیا تھا رات کو وہ لباس بدل کر راجہ کے پیادوں کے ساتھ قلعے کے باہر نکل آیا اور
اُس نے گلبرگہ پونہچ کر اس کشت و خوں کی خبر کی " محمد شاہ بادشاہ نے جب یہ خبر سنی تو آگ
بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ جو شخص یہ خبر لایا ہی اُسے بھی فوراً تہ تیغ کیا جائے - بادشاہ نے کہا کہ میں
ایسی منحوس اور بزدل صورت دیکھ نہیں سکتا جو تمام بہادروں کو مرتے کٹتے دیکھ کر خود جان
بچا کر نکل بھاگا " اُسی دن بماہ جمادی الاولی ۷۶۷ھ م ۱۳۶۶ع بادشاہ نے قسم کھائی کہ
جب تک میں آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کر لوں گا تب تک تلوار
کو نیام نہ کروں گا نہ کشت و خوں سے ہاتھ روکوں گا اور لڑائی پر نکل کھڑا ہوا - جب رود کرشنا
پر پونہچا تو اُس نے اپنے خالق کی جس نے اُسے رتبہ شاہی پر پونہچایا تھا مغلظہ قسم کھائی کہ
جب تک میں دریا کو عبور کر کے خداوند کریم کی مدد سے لشکر کفار کو نیست و نابود نہ کر لوں اور
جب تک مسلمانان مدگل کے خون کا بدلہ قاتلوں سے لے کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کر لوں مجھے

آب و خور اور نیند حرام ہی۔ اُسی وقت بادشاہ نے اپنے بیٹے مجاہد شاہ کو اپنا جانشین اور
ملک سیف الدین کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ بادشاہ نے صرف بیس ہاتھی خاصہ
کے رکھ لئے باقی مجاہد شاہ کو دے دئے اور وصیت کر کے اُسے فوراً گلبرگہ روانہ کر دیا۔ اور ادھر
خود نو ہزار منتخب اور جرار سوار ساتھ لیکر فوراً کرشنا کے پار اُتر آیا۔ یہ دیکھ کر رائے بیجانگر کے
ہوش باختہ ہوگئے اور ایسا گھبرایا کہ اُس نے اپنا تمام خزانہ اور مال و اسباب اور ہاتھیوں کو
بیجانگر روانہ کر دیا اور دل میں ٹھان لی کہ کل صبح تک یا تو لڑائی شروع ہوجائے گی یا میں بھاگ
نکلوں گا۔ جیسا موقع و وقت ہوگا کروں گا۔ رات بھر طوفان رہا اور سخت بارش تھی رستے
میں ہاتھی اور دوسرے مواشی باربرداری کے کیچڑ میں پھنس گئے اور رات بھر میں مشکل سے
چار میل چل سکے۔ محمد شاہ کو غنیم کے آنے کی خبر لگ گئی کہ راتوں رات چلا آرہا ہی اسی وقت
بادشاہ لشکر کو ویسا ہی چھوڑ چھاڑ گھوڑے پر سوار ہوکر مختصر سی فوج لے چل کھڑا ہوا اور صبح نہیں ہونے
پائی تھی کہ رائے بیجانگر کے لشکر میں جا دھمکا۔ اس کے پونہچتے ہی ایسی اودھم مچی کہ ہندوؤں
کی ساری فوج اپنا کل سامان و اسباب چھوڑ چھاڑ قلعۂ ادھونی کی طرف بھاگی۔ تاہم جو لوگ بچ
رہے تھے اُن کا قتل عام کیا گیا اور ستر ہزار زن و مرد اور بچے مارے گئے۔ تحفۃ الصالحین
میں لکھا ہی کہ دو ہزار ہاتھی اور تین ہزار توپیں دیناد لق سات سو عربی گھوڑے اور ایک عدد
سنگاسن (پالکی) مرصّع مال غنیمت داخل سرکار ہوا۔ باقی لوٹ امرا اور لشکریوں کو ملی محمد شاہ
نے ساری گرمیاں اور کچھ دن موسم برسات کے مدگل ہی میں بسر کئے اور جب خاں محمد خاں
فوج کی مدد دارالسلطنت سے لے کر پونہچ گیا تو بادشاہ قلعۂ ادھونی کی طرف روانہ ہوا۔ رائے
بیجانگر اپنے علاقہ میں دریائے تنگ بھدرا پار ہوکر قلعۂ ادھونی کے باہر مقیم تھا اور قلعے کی
سپہ سالاری اپنے بھانجے کو دے کر اپنے علاقے میں واپس آکر خود یہاں ٹھیر کر بہت بڑی فوج
جمع کرلی اور بیجانگر سے ہاتھی اور تمام سامان و لوازم شاہی منگوائے۔ بادشاہ نے محمد خاں
کی صلاح سے تسخیر قلعہ کا ارادہ چندے ملتوی کیا اور اپنے تمام قلعوں اور ممالک محروسہ
میں فرامین بھیج کر توپیں اور بندوقیں منگوالیں اور ایک کارخانہ آتش بازی کا کہ جس کا رواج
اس سے پیشتر دکن میں جاری نہ تھا طیار کرا کے مقرب خاں سیستانی کو جو امرائے معتمد

سے تھا تفویض کیا اور تمام رومیوں اور فرنگیوں کو جو ملازم بادشاہی تھے اُس کی ماتحتی میں دے دیا اور اس طرح ایک عظیم الشان توپ خانہ طیار کیا گیا۔ بادشاہ تھوڑے عرصے میں دریائے تنگ بھدرا کے پار ہو کر سلطنت بیجانگر میں داخل ہو گیا یہ پہلا موقع تھا کہ ریاست بیجانگر پر ایک مسلمان بادشاہ نے بالذات چڑھائی کی تھی۔ فرشتہ کا یہ قول اس وجہ سے صحیح ہے کہ بادشاہ دہلی نے جب آناگندی پر حملہ کیا تو وہ دریائے تنگ بھدرا کے اسی پار تھا۔ تاریخ فرشتہ میں راجہ بیجانگر کا نام کشن رائے لکھا ہے لیکن اس کا اصلی نام لکّا تھا چونکہ تاریخ فرشتہ ان واقعات کے دو سو برس کے بعد لکھی گئی ہے اکثر جگہ ہندو راجاوں کے ناموں میں مغالطہ ہو گیا ہے۔ محمد شاہ نے یہاں سے ادھونی کی راہ لی جو دریائے تنگ بھدرا سے تخمیناً پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور قصبہ سرگپہ[۵۱] کے قریب کسی مقام سے دریا پار ہوا۔ کیوں کہ اس مقام پر دریا کی سطح پہاڑی ہے اور ہر موسم میں پانی کم رہتا ہے۔ رای بیجانگر اپنی فوج لے کر رستے میں حائل ہوا اور یہ مقام پاکل کوتال ایک وسیع میدان میں جنگ شروع ہوئی۔ مورخ فرشتہ نے اس جنگ کا حال یوں لکھا ہے کہ رائے کشن رائے (لکّا) کو جب یہ خبر پہنچی کہ محمد شاہ دریا کے پار اُتر آیا ہے تو اُس نے اپنے دربار کے تمام امرا کو جمع کر کے صلاح و مشورہ کیا کہ لشکر اسلام کو روکنے کی سب سے بہتر تدبیر کیا ہے۔ سب نے متفق ہو کر یہ صلاح دی کہ بھوج مل جو رائے بیجانگر کا رشتہ دار تھا اس جنگ کا سپہ سالار مقرر کیا جائے۔ بھوج مل اس غیر معمولی عزت و افتخار سے پھول گیا اور بڑے گھمنڈ سے عرض کی کہ "مہاراج کا کیا حکم ہوتا ہے آیا بادشاہ کو زندہ قید کر کے حاضر کروں یا اُس کا سر کاٹ کر نیزے پر لگا کر لاؤں" کشن دیو رای نے جواب دیا کہ "زندہ دشمن تو ہر حال میں خطرناک ہے بہتر تو یہ ہے کہ جب تم اُس کو پکڑ لو اُسی وقت مار ڈالو" یہ سنتے ہی بھوج مل چالیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل لے کر محمد شاہ کے مقابلے کو چلا۔ بھوج مل نے برہمنوں کو تاکید کر دی تھی کہ وہ روزانہ لشکر میں مسلمانوں کے مظالم کا بیان کریں جو وہ ہنود کے ساتھ آئے دن کرتے رہتے ہیں تاکہ اُن کے دلوں میں جوش مذہبی موج زن ہو۔ اتنا اشارہ پانا تھا کہ برہمنوں نے اس قسم کے وعظ

[۵۱] ضلع بلھاری کا ایک قصبہ ہے۔ ۱۲

شروع کئے کہ "دیکھو بھائیو یہ مسلمان ہماری مقدس گئو ماتا کو کس بے رحمی اور سفاکی سے ذبح کرتے اور اُس کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہمارے مذہبی متبرک عبادت خانوں کو جب موقع ملتا ہے جڑ بنیاد سے ڈہا دیتے ہیں۔ ہمارے متبرک دیوتاؤں کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کرتے اور طرح طرح کی بے ادبی کرتے ہیں اور اُن کی تذلیل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ غرض مسلمان ہمارے جانی دشمن ہیں اُن کا مار ڈالنا ہمارے واسطے دنیا اور دین دونوں کی بہبودی اور نجات ابدی کا باعث ہے جہاں تک ممکن ہو ان کا تخم باقی نہ چھوڑیں" ایسے وعظوں سے لامحالہ ہندوؤں کے دلوں میں تازہ جوش پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ محمد شاہ کو جب خبر ملی کہ غنیم کی فوج پندرہ کوس کے فاصلے پر آن پونہچی ہے تو اُس نے اپنے سپہ سالار خان محمد کو افواج جمع کرنے کا حکم دیا جن کی تعداد پندرہ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل تھی۔ دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل اور توپ خانے لے کر خان محمد آگے بڑھا۔ ۱۴ ذی قعدہ ۷۶۷ھ یوم پنجشنبہ مطابق ۲۳ جولائی ۱۳۶۶ء کو اسلام اور ہنود کے لشکر کا مقابلہ ہوا۔ صبح سویرے سے دن ڈھلے تک دونوں فوجیں آپس میں گتھی رہیں گویا سمندر کی دو بڑی مہیب موجیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور جانبین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ موسیٰ خاں اور عیسیٰ خاں جو میمنہ اور میسرہ کی کمان پر تھے دونوں ضرب بندوق سے شہید ہوئے اور اُن کی فوجیں منتشر ہو گئیں اور قریب تھا کہ شاہی لشکر میں اس صدمے سے بھاگڑ پڑ جائے کہ عین ایسے وقت پر بادشاہ خود تین ہزار تازہ دم سوار لے کر میدان جنگ میں پونہچ گیا۔ بادشاہ کو دیکھ کر خان محمد کی ہمت بندھی اور منتشر شدہ فوج میں جان آ گئی پھر سب نے سمٹ کر حملہ کیا۔ مقرب خاں توپ خانہ لے کر بڑی بہادری سے آگے بڑھا اور دشمنوں کے سوار اور پیدلوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ خان محمد نے اپنے ہاں کے چیدہ بہادروں کو اُس کی مدد کے لئے دیا۔ اس لشکر نے ایسی سرعت سے دھاوا کیا کہ ہندوؤں کی فوج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ اپنی توپوں سے کام لے سکتے بلکہ دست بدست تلوار خنجروں سے لڑائی ہونے لگی ؎

چکا چاک خنجر ز میدان کیں ہفتم فلک شد زرد روئے زمیں

اس معرکے میں خان محمد خاں کا ہاتھی جس کا نام شیر شکار تھا بگڑ گیا اور مہاوت کے حکم میں نہ رہا

بلکہ ایک دم دشمنوں کے لشکر کے قلب میں گھس گیا۔ بھوج مل کے ہاتھیوں نے اس کو روکا اور مہاوت مارا گیا۔ خان محمد خاں نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھی بدل گیا ہے تو وہ پانچ ہزار سوار لے کر دشمنوں پر جا پڑا۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ "شیر شکار" ہاتھی فیل بان کے مارے جانے سے خالی رہ گیا لیکن جوں ہی اُس نے خان محمد خاں کو دیکھا دشمن کی فوج کی طرف سیدھا ہو لیا اور دشمنوں کی صفوں کو برہم کر دیا۔ غرض ہندوؤں کے لشکر میں ایک ہل چل پڑ گئی۔ بھوج مل کو ایک کاری زخم لگا اور وہ بھاگا اُس کے ساتھ ہی ساری فوج میں بھاگڑ پڑ گئی اور جب ہندوؤں کی فوج نے دیکھا کہ اُن کا سردار بھاگ گیا اور قلب لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے تو باقی ماندہ فوج تتر بتر ہو گئی۔ ابھی مسلمانوں کی تلواریں نیام نہیں کی گئی تھیں اور قتل عام ہو ہی رہا تھا کہ چتر شاہی نظر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہاں کفار کے قتل میں ڈھیل نہ ہو۔ پھر کیا دیکھنا تھا ایسا کشت وخوں ہوا کہ الامان الامان حاملہ عورتیں اور دودھ پیتے بچے بھی تلوار سے نہ بچ سکے۔ محمد شاہ میدان جنگ میں ایک ہفتہ مقیم رہا اور اس فتح کی خبر دار السلطنت کو روانہ کی۔ بادشاہ کا غصہ ابھی فرو نہ ہوا تھا جو اُس نے قسم کھائی تھی اُس کے پورا کرنے کے لئے پھر وہ کشن رائے کی فوج کی طرف بڑھا۔ کشن رائے بادشاہ کے حملے کی خبر سن کر باوجودے کہ اب بھی اُس کے پاس بہت سا لشکر تھا گھبرا کر بھاگا اور پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپا لیکن بادشاہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور جہاں جہاں وہ گیا بادشاہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اسی طرح برابر تین مہینے تک آگے آگے راجہ اور پیچھے پیچھے بادشاہ رہا اور جس مقام پر سے گزرا وہیں قتل عام کرتا چلا گیا۔ بالآخر راجہ کو دبایا ہوا شہر بیجانگر کے قریب تک پہنچ گیا۔ بادشاہ ایک مہینے تک شہر بیجانگر کا محاصرہ کئے پڑا رہا مگر کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی البتہ شب میں ہنود کے گروہ کے گروہ لشکر میں آ کر چھیڑ چھاڑ کرتے گالیاں دیتے اور چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ اس وقت بادشاہ ایک چال چلا کہ بستر بیماری پر پڑ گیا اور اطراف واکناف میں بادشاہ کی بیماری کی شہرت ہو گئی لیکن اصلی حال سے سوائے خان محمد اور مقرب خاں کے کوئی واقف نہ تھا۔ بادشاہ نے حکم واپسی کا دے دیا۔ رائے بیجانگر نے جب یہ خبر سنی تو بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگے۔ راجہ تھوڑی فوج

لے کر بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ ہر مقام پر روز چھوٹی موٹی جھڑپ ہوجاتی تھی۔ ہندو کہتے تھے کہ بادشاہ تو نیم مردہ ہی ہمارے برہمنوں کی دعا قبول ہوگئی ہم تم میں سے ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے کہ تم اپنے وطن کو واپس جاسکو۔ کوچ کے وقت بادشاہ سنگاسن میں سوار ہوکر اوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتا تھا۔ لشکر کے لوگ بہت پریشان تھے کہ خدا جانے بادشاہ زندہ بھی ہے یا نہیں مگر خان محمد اور مقرب خان تشفی اور دلاسا دیتے دلاتے منزل بہ منزل کوچ مقام کرتے ہوئے آخر دریائے تنگ بھدرا کے پار ہو کر ایک کھلے میدان میں بادشاہ کا لشکر اترا وہاں سے قریب تین چار کوس ہٹ کر راجہ بیجانگر نے بھی اپنے ڈیرے ڈال دئے راجہ بیجانگر نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ بھاگم بھاگ واپس چلے جارہے ہیں مگر بادشاہ کی چال دوسری ہی تھی غنیم کو اس دھوکے سے کھینچ بلایا راجہ بیجانگر دھوکے میں آن کر بلا طیاری جنگ آن پونہچا۔ منتر خوب چل گیا بادشاہ نے دیکھا کہ اب اچھا موقع ہی ایک دن اپنے لشکر کے اطمینان خاطر کے لئے بوقت عصر دربار عام کیا تھوڑی دیر کے لئے برآمد ہوا اور ضعف کا عذر کرکے دربار برخاست کردیا۔ شب میں سب امرا کو خلوت میں طلب کیا اور حکم دیا کہ سپاہ کو مسلح اور مستعد جنگ کریں اور فلاں مقام پر جاکر اکٹھا کریں اور میرے آنے کے منتظر رہیں ادھر لشکر میں طیاریاں ہونے لگیں اُدھر بادشاہ لباس جنگ زیب تن کرکے برابر نصف شب کو سوار ہو کر اُسی جگہ پونہچا جہاں کہ لشکر منتظر قدوم میمنت لزوم کھڑا تھا۔ لشکر کو جابجا مناسب مقامات پر تقسیم کرکے اسیے وقت یکایک شب خون مارا کہ ہندوؤں کے لشکر میں اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ہندو خواب خرگوش میں تھے وہ اس خیال میں مگن تھے کہ اب مسلمانوں میں دم ہی کیا رہا ہی۔ رائے بیجانگر وارکان دولت بالکل بے خبر تھے لہو ولعب اور شراب کے نشے میں چور۔ رقص وسرود کی محفل کے مزے لے رہے تھے اُن کو اُس وقت تک کانوں کان خبر نہ ہوئی جب تک مسلمان سر پر نہیں چڑھ آئے اور پکڑ دھکڑ اور قتل عام کا بازار گرم نہ ہوا اور لشکر میں واویلا اور شور وغل بپا نہ ہوا۔

محمد شاہ کا قتل عام رائے بیجانگر تو اپنی جان بچا کر بھاگا لیکن اُس کی فوج کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ تب بھی بادشاہ کی آتش غضب فرو نہیں ہوئی اور بیجانگر کے

اطراف میں چالیس کوس تک تمام بستیوں میں قتل عام کیا گیا۔ معتبرین و عمائدین شہر بیجانگر نے کشن راے کی شوریدہ سری پر ملامت اور سرزنش کی اور کہا کہ تیری حکومت رانی تو ہمارے لئے بڑی منحوس ہوئی مال و ناموس دونوں برباد ہوئے اور دس ہزار برہمن قتل ہو گئے رعایا کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ کشن راے نے کہا کہ میں نے کوئی کام تم لوگوں کے بغیر صلاح و مشورہ نہیں کیا ہاں مقدر سے ناچار ہوں یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا خدا کے ہاتھ ہی فتح و ظفر وے اے میر

اب آئندہ جو تم سب کی صلاح ہو میں حاضر ہوں۔ امرا نے کہا کہ جس طرح تمہارے باپ نے مسلمانوں کی جنگ سے دست کشی کر کے علاءالدین سے صلح کر لی تھی تم کو بھی چاہیئے کہ اُن سے مصالحت کرو۔ کشن راے نے اس بات کو قبول کیا اور اُسی وقت محمد شاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے اور اپنے کئے پر بہت ندامت و پشیمانی کا اظہار کر کے خواہان عفو تقصیر ہوا مگر بادشاہ نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ کی خدمت میں جو امرا اُس وقت حاضر تھے اُن میں سے ایک شخص کو بادشاہ کے مزاج میں بہت درخور تھا اُس نے عرض کی کہ حضرت نے قسم کھائی تھی کہ آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل کروں گا وہ تو بہ اقبال خداوندی پوری ہو چکی جہاں پناہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ روئے زمین پر کسی ہندو کا تخم باقی نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا کہ ہاں تمہارا کہنا سچ ہے ایک لاکھ کیا کئی لاکھ ہندوؤں کا قتل ہو چکا لیکن میں اپنی اُسی بات پر اڑا ہوا ہوں جب تک راے بیجانگر ہمارے حکم کے مطابق قوالوں کو رقم نہ دے دے گا میں کبھی اُس کی خطا سے درگزر نہ کروں گا نہ اُس کی رعایا کے قتل سے ہاتھ کھینچوں گا۔ اس بات پر بیجانگر کے ایلچی جو راے کی طرف سے پورے مختار و مجاز تھے بخوبی رضامند ہو گئے اور اُسی وقت قوالوں کا روپیہ ادا کر دیا۔ تب محمد شاہ نے کہا "میں نہیں چاہتا کہ میری زبان سے کوئی ایسا لغو و حشو حکم نکلے کہ جس کی تعمیل نہ ہو سکے اور آگے چل کر میری سبکی ہو اور ہنسی اُڑے الحمد للہ کہ میرا قول پورا ہوا اور میرے حکم کی تعمیل ہوئی" اس میں شک نہیں کہ سخن پروری کی ایسی مثال بادشاہان سابق و لاحق میں دیکھی کیا سُنی بھی نہیں گئی اور ناظرین پر مخفی نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے قول کا کیسا دھنی تھا۔ جان جائے مگر آن بان نہ جائے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بن گیا اور کچھ کا

کچھ ہو گیا سہ

امثال ایں غرائب وزیں غریب تر ۔۔۔۔ بسیار کرد دولت ایں شاہ دادگر

ایلچیوں نے بادشاہ کو خوش وقت پاکر عرض کی کہ جہاں پناہ نے ہم غلاموں پر بڑی سرفرازی فرمائی اور عزت و آبرو رکھ لی اگر جان بخشی ہو اور حکم عالی ہو تو دو کلمۂ اخلاص عرض کریں۔ بادشاہ نے کہا اچھا کہو۔ ایلچیوں نے عرض کی کہ کسی مذہب و ملت میں روا نہیں ہے کہ گناہ گار کے عوض کسی بے گناہ کو قتل کیا جائے خصوصًا عورتوں اور بچوں کو اس میں شک نہیں ہے کہ کشن رائے نے مسلمانان قلعۂ مدگل سے بے جا سلوک کیا جو جیسا کرے ویسا بھرے گا لیکن اس میں ان غریبوں کا کیا قصور ہے؟ - بادشاہ نے فرمایا حکم قضا و قدر یوں ہی تھا اس میں میرا کچھ اختیار نہ تھا۔ ایلچیوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ ملک دکن بنایا ہے اور آپ کے قرب وجوار میں ملک کرناٹک واقع ہے ہم بھی آپ ہی کے زیر سایہ ہیں ہمارا آپ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اگر خدا نے چاہا تو جہاں پناہ اور حضرت کی اولاد و احفاد سالہا سال مدت دراز تک حکم راں رہیں گے اور ہم بھی آپ کے دامن دولت سے وابستہ ہیں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے اب کچھ ایسی صورت ہو کہ طرفین میں امن چین ہو جائے خیر اندیشی و صلاح حال یہی ہے کہ اب کشت وخون موقوف ہو جائے۔ محمد شاہ اس واجبی گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور کہا کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ آیندہ کبھی فتح کے بعد کسی کو قتل نہ کروں گا اور میرے جانشین بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طریقے پر چلیں گے اور اس کے بعد چند سال تک البتہ ایسا ہوا بھی کہ لڑائی کے بعد جو زندہ گرفتار ہوئے وہ قتل نہیں کئے گئے اور بے سبب قتل عام رعایا اور ضعفاء کا موقوف رہا مگر پھر دوسرے بادشاہوں نے ہموں آتش در کاسہ قتل عام شروع کر دیا اس کے بعد بادشاہ گلبرگہ واپس چلا آیا اور اس جنگ عظیم الشان کا یوں خاتمہ ہوا اور پھر چند سال تک ان دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی - فرشتہ نے لکھا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں پانچ لاکھ ہندو مارے گئے اور ملک کرناٹک ایسا تباہ اور ایسا برباد ہوا کہ مدتوں تک سنبھل نہ سکا اور نہ اس کی آبادی پہنچی۔

جب بیجاپور سے بادشاہ کے مرنے کی افواہ اڑ گئی تو جا بجا فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہوا بہرام خاں

ماڑندرانی جس کو سلطان علاؤ الدین نے بیٹا بنایا تھا کونبھ دیو مرہٹہ سردار کے اُبھارنے سے دولت آباد پر قابض ہو کر خود سر ہو گیا اور بادشاہ سے لڑنے کو طیار ہوا۔ بادشاہ اس کی سزا دہی کے لئے پٹن پونہچا تو بغیر جنگ کئے کونبھ دیو اور بہرام خاں دونوں قلعہ بند ہو گئے اور رات کو لباس بدل کر حضرت شیخ زین الدین کے پاس گئے آپ نے اُن کو بال بچوں سمیت گجرات چلے جانے کی رائے دی لیکن بادشاہ نے خبر پاتے ہی اُن کا تعاقب کیا مگر وہ دور نکل گئے تھے۔ بادشاہ دولت آباد واپس آیا۔ اِس اثناء میں دکن کے کل مشائخین نے بادشاہ سے بیعت کی مگر شیخ زین الدین قدس سرہ نے بوجہ شراب خواری بیعت سے صاف انکار کیا۔ بادشاہ کا عتاب ہوا اور آپ کو شہر بدر کیا گیا لیکن آگے چل کر بادشاہ اپنی اس ناشایستہ حرکت پر بہت نادم ہو کر معذرت خواہ ہوا اور ایک تحریر بھیجی جس میں یہ مصرعہ لکھا تھا ع

"من زآن تو ام تو زآن من باش"

شیخ نے لکھا اگر تو سلطان محمد شاہ غازی شریعت محمدی کا تابع رہے اور شراب خانے برخاست کر دے اور خود مے نوشی ترک کرے اور آبائی طریقے پر چلے تو یہ فقیر تیرا دلی دوست ہے۔ بادشاہ اِس نصیحت آمیز تحریر سے مسرور ہوا اور اُسی دن سے اپنے نام کے ساتھ غازی کا لفظ مستزاد کیا اور جب دولت آباد سے گلبرگہ آیا تو شریعت کی ترویج میں بڑی کوشش کی۔ شراب کی دکانیں تمام ملک میں بند کرا دیں۔ ۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء کو (۱۷) سال (۹) ماہ۔ (۵) دن سلطنت کر کے دنیا سے رخصت ہوا ؎

چوں محمد شہ زمین و زماں	جست زیں دار دوں بجنت راہ
شاہ ملت بگو بسال شس تیز	اہل دیں مرد دیں محمد شاہ
۷۷۶ھ	۷۷۶ھ

یہ بادشاہ عقیل و شجیع اور اولوالعزم تھا۔ رعایا اور سپاہ کے ساتھ بہت ہی خلق و مروت سے پیش آتا تھا مگر جہاں یہ سب کچھ تھا دشمنوں اور موذیوں کے لئے سخت گیر بھی تھا۔ اس کا عام حکم تھا کہ ٹھگ اور ڈاکوؤں کا سر کاٹ کر گلبرگہ بھیج دیا جائے کہتے ہیں کہ سات مہینے میں آٹھ ہزار سر کاٹے گئے۔ اس کے زمانے میں خزانہ ایسا معمور تھا کہ دوسرے بادشاہوں کے پاس اس

آدھی دولت بھی نہ تھی۔

مجاہد شاہ بہمنی اپنے باپ کے انتقال کے بعد مجاہد شاہ[۵] تخت پر بیٹھا۔ یہ ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا اور اُنیس سال کی عمر تھی۔ چند روز بعد مجاہد شاہ نے بکّا رائے راجہ بیجانگر کو لکھا کہ ملک دوآبہ ایک عرصہ سے فیمابین ہمارے اور تمھارے معرض

۵ یہ بادشاہ قوی ہیکل۔ تنومند اور بڑا بہادر تھا۔ اس کو شاہ بلوند بہمنی بھی کہتے ہیں۔ زبان ترکی خوب جانتا تھا۔ اُس کو صحبت ہمیشہ ترکی اور فارسی زبان دانوں کی رہی شمشیر و نیزہ و خنجر و تیر و کمان کا بے انتہا شوق تھا۔ بہمن نامے میں لکھا ہے ؎

ز گہوارہ چوں پائے بیروں نہاد　　بہ تیر و کماں دست و بازو کشاد
بسے تند و گردن کش و پیل زور　　کہ نشنید گفتن کسے وقت شور
چناں بر سر کنگرہ مے دوید　　کہ انگشت حیرت فلک می گزید

مجاہد شاہ نے بچپنے میں باپ کا خزانہ توڑ کر چند بدرے روپیہ اشرفیوں کے لے جا کر اپنے ہم عمر دوستوں کو بانٹ دئے تھے خزانچی کو جب خبر ہوئی تو اُس نے سلطان محمد شاہ سے عرض کی۔ بادشاہ اس جسارت اور بیباکی سے بہت برآشفتہ ہوا اور مبارک تنبول دار خاصے کو بھجوا کر شاہزادے کو بلوایا شاہزادے نے دیکھا تو بادشاہ غصے میں بھرا بیٹھا تھا شاہزادے نے سوائے اعتراف قصور کے چارہ کار نہ دیکھا۔ بادشاہ نے اُسے خوب چابک مارے اور لوتھڑے ڈال دئے۔ مجاہد شاہ نے اپنی ماں سے تنبول دار کی شکایت کی اور کہا کہ اگر وہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں آپ سے سفارش کراتا اور غصہ فرو ہونے کے بعد بادشاہ کے حضور میں جاتا ماں نے کہا اُس بیچارے کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ نے جو تم کو تنبیہ کی وہ بالکل درست اور واجب تھی۔ مجاہد شاہ اُس وقت تو چپ ہو گیا بات گئی گزری ہوئی۔ مبارک سے بھی یہ ظاہر صاف ہو گیا بلکہ اُس سے میل جول بڑھا لیا۔ ایک ہفتے کے بعد انجان ہو کر ایک جلسے میں مبارک سے پوچھا کہ میں سنتا ہوں کہ تم بڑے پہلوان ہو اور کشتی خوب لڑتے ہو اور بڑے بڑے پہلوانوں کو تم نے پچھاڑ دیا ہے۔ بھلا ہماری تمھاری کشتی ہو جب جانے مبارک کو خبر نہ تھی کہ شاہزادے کے دل میں کینہ ہے دل میں سمجھا کہ میرا اس کا کیا جوڑ ہے یہ چودہ برس کا لڑکا اور میں تیس سال کا جوان پٹھا غرض کشتی بدلی۔ شاہزادے نے اُٹھا کر ایسا پٹکا کہ اُس بیچارے کی گردن ہی ٹوٹ گئی اور تھوڑی دیر میں رخصت ہوا۔ ۱۲

بحث میں ہی لہذا دریائے تنگ بھدرا کو تم اپنی حد مقرر کرو اور دریائے کشنا کے شرفا اور غربا جس قدر ملک ہی ہم کو چھوڑ دو۔ راجہ نے اُلٹا مطالبہ کیا کہ رایچور اور مدگل ہمیشہ سے ہمارے مقبوضات میں رہا ہی لہذا آپ اس طرف کے کل ملک سے دست بردار ہوجائیں اور رود کشنا کو حد فاصل قرار دیں۔ مجاہد شاہ یہ جواب پاکر نہایت خشمناک ہوا اور اپنے نانا ملک سیف الدین غوری کو دارالسلطنت میں چھوڑ کر خود جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا۔ گلبرگہ میں جب لشکر دولت آباد۔ بیدر اور برار کا جمع ہوگیا تو پانسو ہاتھی کو وہ بیکر اور وافر خزانہ لے کر بیجانگر کی طرف چل کھڑا ہوا راستے میں معلوم ہوا کہ راے بیجانگر بہ مقام گنگاوتی[۹۱] لب دریائے تنگ بھدرا مقیم ہی اُدھر کا رخ کیا اور صفدر خاں سیستانی کو قلعۂ ادھونی کے محاصرے کے لئے بھیج دیا۔ راجہ نے پہلے تو مقابلہ کی طیاریاں کیں لیکن بعد خدا جانے کیا خیال[۹۲] پیدا ہوا کہ اُس کا جی چھوٹ گیا اور سنڈور کے جنگلوں میں جاکر چھپ گیا۔ بادشاہ چھ مہینے تک اس کے پیچھے لگا پھرا مگر کبھی وہ رخ برنہ آیا۔ جنگل کی ردی آب وہوا سے راجہ کے ہمراہی سب بیمار ہوگئے ناچار راجہ چور راستہ سے چھپتا چھپاتا بیجانگر پہنچ گیا۔ بادشاہ بھی اُس کی پیٹھ پر پہنچا اور آتے ہی سری سرنگ دیول کو جو ہنود کا بڑا متبرک مقام تھا لوٹ لیا۔ تمام ہنود بدل گئے اور راجہ کو مقابلہ کرنا پڑا اور ایک سخت لڑائی ۱۳۷۵ء

---

۹۱ گنگاوتی دریائے تنگ بھدرا سے (۵) میل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ مستقر تحصیل ہی ۱۲۔

۹۲۔ بکا کی ہمت چھوٹ جانے کے متعلق تاریخ فرشتہ میں ذیل کا واقعہ لکھا ہی۔

مجاہد شاہ لشکر کے ساتھ کوچ مقام کرتا ہوا چلا آرہا تھا اُس کو ایک آدم خوار شیر کی خبر ملی جس نے اطراف واکناف میں ہل چل ڈال دی تھی۔ مجاہد شاہ صرف سات پیادے ساتھ لے کر پہنچا اور تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ جو ٹھیک اُس کے دل میں جاکر گڑ گیا۔ یہ خبر سُن کر ہندوؤں نے بدشگونی سمجھی اور ڈر گئے ادھونی اور بیجانگر کے درمیان اِس زمانے میں شیر تو نہیں ہیں البتہ بور بچے کثرت سے ہیں لیکن ممکن ہی کہ اُس زمانے میں جنگل بھی ہو اور شیر بھی ہوں۔ سیول صاحب نے فرشتہ کی اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہی کہ اتنی سی بات بکا کی پست ہمتی کے لئے کافی نہ تھی لیکن ہمارے خیال میں یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہی۔ اکثر لوگ شگون لینے کے خوگر ہوتے ہیں خصوصًا اہل ہنود جو فال شگون اور مہورت کو بہت مانتے ہیں اور ایک ذرا سی بات اگر ہوجائے تو اُس کا بہت بڑا خیال کرتے ہیں۔ ۱۲

میں ہوئی جس میں ہندو مغلوب ہو گئے۔ اِس فتح کے بعد ابھی سدھرے نہ تھے کہ راے بیجانگر کا بھائی مُدپانا ایک آٹھ ہزار سوار اور چھ لاکھ پیدل لے کر پونہچ گیا اور دوبارہ لڑائی شروع ہو گئی اور طرفین کے بے شمار آدمی مارے گئے مقرب خان سیستانی اسی میں کام آیا مجاہد شاہ کو اس قدر جوش تھا کہ وہ ہندوؤں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتا تھا بادشاہ کا چچا داؤد خاں جو دہنہ سودرہ[۵۷] پر مامور تھا اس جنگ کی خبر پاکر سات ہزار سوار لے کر یلغار آن پونہچا اور خوب لڑا لیکن بادشاہ اس بات سے ناراض ہوا کہ درے کو خالی کیسے چھوڑ کر آگیا اور بہت سخت سست کہا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہندوؤں نے درے کو خالی پاکر قبضہ کر لیا۔ مجاہد شاہ نے اُسی دن چالیس ہزار سوار اور پیدل ہنود کے قتل کئے تھے اور مسلمانوں کے بھی بے شمار آدمی مارے گئے تھے مگر پھر بھی فوراً درے پر پونہچا۔ بادشاہ کے آنے کی خبر سنتے ہی ہندو بھاگ گئے۔ مجاہد شاہ کو تجربہ ہو گیا کہ بیجانگر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے پھر ادھونی کا محاصرہ کئے دو مہینے تک پڑا رہا۔ امید تھی کہ گرمیوں کی تاب نہ لاکر قلعہ سر ہو جائے گا مگر بارش ہو جانے سے امید سرد پڑ گئی اور لشکر میں بیماری پھوٹ پڑی ناچار بادشاہ کو واپس آنا پڑا اور منزل بہ منزل کوچ مقام کرتا ہوا کشنا کے کنارے مقیم تھا کہ شب میں داؤد خاں نے اُسی خصومت سے جو بادشاہ کی سخت کلامی سے اُس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی ۱۷ ذیحجہ ۷۷۹ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء کو قتل کیا۔

---

[۵۷] سیول صاحب نے لکھا ہے کہ دہنہ سودرہ غالباً ایک جھیل یا تالاب ہے جو بیجانگر کے مشرقی میدان کے پہاڑوں کے آخر میں اُس بلند پہاڑ کے متصل واقع ہے کہ جو گورنمنٹ کی پیمایش اراضی بذریعۂ مثلث کے نقشے میں دمان سندرم کے نام سے بتایا گیا ہے جو غالباً دھرماسمدرم ہوگا۔ اس پہاڑ پر ایک ستون پیمایش کا بنا ہوا ہے۔ یہ پہاڑ پانسو فیٹ بلند ہے اور حدود موضع کنوی تماپور میں واقع ہے۔ یہ مقام شہر بیجانگر سے جو فوج نکلے اُس کو رستے میں پڑتا ہے اور اُس کے دامن میں سے چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہے پہاڑ کی آڑ پکڑ کر اگر اس رستے کو روک دیا جاے تو پھر غنیم کو نکلنے کا کوئی رستہ باقی نہیں رہتا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس رستے کو اپنے قبضے میں رکھنا کتنا ضروری تھا۔ فرشتہ نے اس مقام کو ایک بہت بڑی گھاٹی لکھا ہے ۱۲

مجاہد شہ آں والی تخت و تاج　　چو از دار دنیا بہ جنت رسید
ز سرور بتاریخ او شد ندا　　کہ اہل العطا پادشاہ شہید

سنہ ۷۷۹ھ

پادشاہ لاولد شہید ہوا اور داؤد شاہ تخت نشین ہوا۔

داؤد شاہ بہمنی بن سلطان علاء الدین حسن گانگوی۔

مجاہد شاہ کے مارے جانے سے ملک میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا۔ بعض چاہتے تھے کہ سلطان علاء الدین حسن گانگوی کا چھوٹا بیٹا محمود پادشاہ ہو لبعض داؤد شاہ کے طرف دار تھے۔ آخرکار امراء و اراکین دولت کو داؤد شاہ ہی کو تخت پر بیٹھایا مگر کُچھ دن کے واسطے۔ مجاہد شاہ کی بہن روح پرور آغا اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی اُس کے ایما سے باکہ نامی جوان کے ذریعہ سے یکم محرم الحرام سنہ ۷۸۰ھ کو جامع مسجد میں عین سجدہ میں قتل کروا دیا۔ مدت سلطنت صرف ایک مہینے پانچ دن تھی۔

سلطان محمود بہمنی بن سلطان علاء الدین حسن گانگوی۔

علاء الدین کا چھوٹا بیٹا محمود شاہ[۵۱] اول داؤد شاہ کا جانشین ہوا۔ روح پرور آغا نے پہلے ہی سے داؤد شاہ کے بڑے بیٹے محمد سنجر کو جس کی عمر (۸) سال کی تھی مکحول کرا دیا تھا بدیں وجہ سب کی رضامندی سے محمود شاہ تخت نشین ہوا حتی کہ راے بیجانگر نے بھی اپنا محاصرہ قلعہ رائچور پر سے اٹھا لیا اور جو خراج محمد شاہ کے زمانے میں دیا کرتا تھا اُس کے دینے کا اقرار کیا۔ یہ پادشاہ نہایت سلیم الطبع۔ خوش خلق۔ عادل اور پابند شرع شریف تھا۔ یہی ایک بادشاہ تھا جس نے ایک بیوی کے سوا دوسری نہ کی۔ خواجہ حافظ کو شیراز سے اسی نے بلوایا تھا وہ آنے کو آمادہ بھی ہوئے لیکن جب کشتی پر سوار ہوئے تو باد مخالف اُٹھی کشتی ڈگمگانے لگی وہیں اُتر پڑے اور نہ آئے اور ایک غزل جس کا پہلا شعر یہ ہے لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجی ؎

[۵۱] تاریخ فرشتہ میں اس بادشاہ کا نام محمود لکھا ہے لیکن ڈاکٹر ڈاڈرنگٹن جو سکہ شناسی کے ماہر ہیں لکھتے ہیں کہ سکوں پر اس بادشاہ کا نام محمد تھا نہ کہ محمود اور برہان مآثر میں بھی یہی لکھا ہے اور میجر کنگ نے بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے تاریخ فرشتہ پر ہی عمل کیا ہے ۱۲

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد بہ می بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

بادشاہ غزل سن کر بہت محظوظ ہوا اور ایک ہزار اشرفی خواجہ کو بھیج دی۔ اگرچہ اس نے ۱۹ سال نو مہینے بیس دن سلطنت کی مگر ایسا صلح کل تھا کہ امن چین سے گزری کسی سے لڑائی بھڑائی کی نوبت نہ آئی اور ۲۱ رجب ۷۹۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۳۹۷ء کو بہ عارضۂ تپ محرقہ دنیا سے رخصت ہوا ؎

چو در اقلیم جنت یافت شاہی جناب شاہ حق آگاہ محمود
رقم شد خاص حق تاریخ سالش دگر مہر معلّیٰ شاہ محمود
۷۹۹ھ ۷۹۹ھ

سلطان غیاث الدین بہمنی سلطان محمود کے بعد اُس کا بیٹا غیاث الدین تخت نشین ہوا یہ نوجوان تھا۔ اس کا ایک ترکی غلام تغلچین نام چاہتا تھا کہ خود کو منصب وکالت ملے۔ جب بادشاہ نے غلام کو خلق اللہ پر جن میں سید بھی ہوتے ہیں حاکم بنانا پسند نہیں کیا۔ اور اس کی درخواست نامنظور کی تو اُس نے ایک دن بادشاہ کو عیاری سے دعوت میں بلا کر اور تنہائی میں لیجا کر اُس کی آنکھیں نکال دیں اور اُس کے چوبیس مقربوں کو قتل کر کے اس کے چھوٹے بھائی شمس الدین کو بادشاہ بنایا اور اس اندھے بادشاہ کو قلعۂ ساغر (سگر) میں بھیج دیا۔ غیاث الدین نے صرف ایک ماہ بیس روز سلطنت کی تھی کہ ۱۷ رمضان ۷۹۹ھ مطابق ۱۴ جون ۱۳۹۷ء میں یہ واقعہ ہوا۔

سلطان شمس الدین بہمنی سلطان غیاث الدین کے مقید ہونے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی شمس الدین تخت شاہی پر بیٹھا۔ تغلچین مذکور کو ملک نائب کا خطاب اور امیر جملگی کا منصب دیا۔ سب امراء نے اس کی اطاعت قبول کی۔ فیروز خاں اور احمد خاں یہ دونوں حقیقی بھائی سلطان داؤد شاہ مقتول کے بیٹے تھے۔ باپ کے قتل کے وقت وہ صغیر سن تھے ان کے چچا سلطان محمود بہمنی نے اُن کی تربیت کی اور اپنی دو بیٹیاں انھیں بیاہ دیں اور مرتے وقت انھیں وصیت کی تھی کہ غیاث الدین جس کو اُس نے اپنا ولی عہد کیا تھا اس کی اطاعت کریں جب تغلچین نے سلطان غیاث الدین کو نابینا کیا تو یہ دونوں بھائی اس کا بدلا لینے کے درپے

ہوئے۔ جب ان کا یہ ارادہ تغلچین نے بھانپ لیا تو بادشاہ کی والدہ سے جو تغلچین کی بے حد مشکور اور مداح تھی سازش کر کے ان دونوں بھائیوں کے قتل پر بادشاہ کو آمادہ کرایا۔ فیروز خاں اور احمد خاں اطلاع پا کر ساغر (سگر) کی طرف بھاگ گئے۔ وہاں کا حکمران جس کا نام سدؔو تھا اُن کی مدد کو مستعد ہو گیا۔ یہ دونوں بھائی لشکر کے ساتھ عازم گلبرگہ ہوئے۔ بادشاہ کو تغلچین نے اُکسا کر اُن کا مقابلہ کرایا۔ دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی۔ آخر اُنھوں نے اپنے کئے پر پشیمان ہو کر بادشاہ کی والدہ کی وساطت سے امان چاہی اور گلبرگہ میں رہنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے ان کی تقصیر معاف کر دی۔ یہ دونوں بھائی گلبرگہ میں آ گئے ایک روز کسی حکمت عملی سے فیروز خاں نے محل کے اندر گھس کر سلطان شمس الدین و تغلچین کو پا بہ زنجیر کیا اور باہر آ کر باتفاق ارکان دولت فیروز خاں تخت فیروزہ پر جلوہ افروز ہوا سلطان شمس الدین کی آنکھیں نکلوا کر اُس کو قلعۂ بیدر میں بھیج دیا اور تغلچین کو سلطان غیاث الدین کے حوالہ کیا۔ جس نے کہتے ہیں کہ گو وہ نابینا تھا مگر خود اپنے خنجر سے اُسے ہلاک کیا۔ سلطان فیروز سے اجازت لے کر شمس الدین مکہ معظمہ چلا گیا۔ اور مدینہ منورہ میں ۸۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب تک وہ زندہ رہا سلطان فیروز اس کے اخراجات کے لئے تحائف اور زر نقد بھیجا کرتا تھا سلطان شمس الدین نے کل ستاون روز سلطنت کی ٥

رفت شمس الدین چو با عز و وقار	مثل خور بر اوج چرخ چارمیں
سال وصلش نیّر روشن بخواں	نیز شمس الدین انیس اہل دیں
۸۱۶ھ	۸۱۶ھ

فیروز شاہ بہمنی سلطان فیروز نہایت شرع پرست اور کریم النفس تھا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند اور روزانہ قرآن شریف کا پاؤ پارہ نقل کر کے وجہ معاش پیدا کرتا تھا۔ عدل و انصاف میں بھی اس نے نام پایا۔ اگرچہ کہ وہ رقص و سرود کا دلدادہ اور شراب خوار و عیاش بھی تھا مگر ان افعال سے وہ خود نادم رہتا تھا۔ حسین عورتوں کی اُسے بہت چاہ تھی ایک شہر فیروز آباد اپنے نام پر دریائے بھیما کے کنارے آباد کیا اور جس میں محلات و عمارات شاہی تعمیر کر کے ہر ایک حرم کو ایک ایک محل عطا کیا۔ حرم سرائے سلطانی میں عربی۔ ترکی۔ روسی۔ گرجی۔

افغانی - راجپوتن - گجراتی - بنگالی - تلنگن - مرہٹی - کرناٹکی بیشتر اقوام اور اکثر مقامات کی پری پیکر عورتیں موجود تھیں یہ بادشاہ ہر ایک کی زبان سے واقف تھا - ہر روز ایک محل میں رہتا اور وہاں کی خواص سے اسی کی زبان میں بات چیت کرتا - وہ بڑا عالم و فاضل بھی تھا - ارباب علم و اہل ہنر کو دور دراز ممالک سے طلب کر کے اپنے ملک میں انہیں بساتا اور توقع سے زیادہ ان کی قدر اور اُن سے سلوک کرتا تھا - جب فیروز شاہ نے خطبہ و سکہ اپنے نام سے جاری کیا تو اپنے بھائی احمد خاں کو خانخاناں کا خطاب دیا اور امیر الامرا مقرر کیا -

سنہ ۸۰۱ھ میں رائے بیجانگر دیورائے مدگل و رائچور کے قلعے مسلمانوں سے چھین لینے کے قصد سے بلاد بہمنیہ کی طرف روانہ ہوا اور دوسری طرف دیورائے کے اشارے سے نرسنگ رائے نے ملک برار پر یورش کر کے اس کو ویران کر دیا - جب بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے دولت آباد اور برار کا تمام لشکر نرسنگ رائے کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور آپ دیورائے سے مقابلہ کرنے کے لئے سنہ ۸۰۱ھ م ۱۳۹۹ع میں کوچ کیا - دیورائے دریائے کرشنا کے اس طرف خیمہ زن تھا - دریائے کرشنا طغیانی پر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو عبور و مرور دشوار رہا - بادشاہ کو کوئی تدبیر مناسب نہیں سوجھی - قاضی سراج نے جو نامور امیر تھا کہا کہ حضور بالفعل ٹھہر جائیں میں خود کسی تدبیر سے آج رات دریا کے اُس پار جا کر کسی صورت سے دیورائے یا اُس کے بیٹے کو خیمے میں گھس کر ہلاک کرتا ہوں جب دشمن کے لشکر میں شور و غل مچے تو فوراً افواج شاہی (دریا جو اُس وقت تک گذرنے کے قابل ہو جائیگا) عبور کر کے ہندوؤں کا قلع قمع کر دیں - چنانچہ قاضی سراج نے ایسا ہی کیا کہ چند جری سپاہی ساتھ لے کر فقیروں کے بھیس میں دریا پار ہوا اور دیورائے کے لشکر کے ایک شراب خانہ میں پہنچ کر وہاں ایک کسبی سے اتگا وٹ کر لی - جب وہ وہاں سے جانے لگی تو قاضی جی نے اپنی بے قراری ظاہر کی اور اُس سے پوچھا کہ تو کہاں چلی ؟ میں تجھ بن کیسے کل پاؤں گا ؟ اُس نے کہا کہ آج راج کنور نے بڑا جشن کیا ہے اور میرے مجرے کا حکم دیا ہے وہاں مجھے جانا ہے - قاضی نے اس کی مفارقت سے بیتابی ظاہر کر کے اس کے ہمراہ چلنے پر اصرار کیا - چوں کہ شراب خانہ میں پہنچ کر قاضی اور اُس کے ساتھی

کچھ گاتے بجاتے بھی تھے۔ کسبی نے دیکھا تھا کہ قاضی کو ناچنا اچھا آتا ہے اس لئے وہ قاضی کو ساتھ لے چلنے پر راضی ہوئی جب قاضی اس طوائف کے ہمراہ زنانہ لباس میں داخل مجلس ہوا تو ایک نقال عورت کے ساتھ دونوں ہاتھ میں کٹاریں لے کر بازی کرتا ہوا اور مثل مسخرے کے سب کو ہنساتا ہوا راج کنور کے قریب پہنچا اور پہنچتے ہی ان کٹاروں سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ اس کے پانچ چھ ساتھی جو باہر کھڑے تھے وہ بھی گھس پڑے۔ ہندو شراب کے نشہ میں چور تھے اس لئے اُن کو بھی زخمی کرتے ہوئے خیمہ پھاڑ کر باہر نکل آئے۔ لشکر میں چیخ پکار مچی۔ مسلمانوں نے جب یہ سنا تو فوراً دریا کے پار اُتر کر کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ دیورائے اپنے بیٹے کے مارے جانے اور لشکر کے متفرق ہونے سے نہایت پریشان ہوا اور اپنے بیٹے کا لاشہ لے کر نکل بھاگا۔ لشکر اسلام نے ہندوؤں کا تعاقب کیا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دیورائے قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ نے جنوبی حصہ اس کے ملک کا تاراج کرنے کے لئے فوج بھیج دی جو بڑی کامیابی کے بعد واپس ہوئی۔ اس محاربہ میں دو ہزار سے زیادہ لڑکیاں برہمنوں کی اسیر سلطانی ہو چکی تھیں۔ برہمنوں نے اتفاق کر کے دیورائے سے عرض کی کہ جس قدر نقد و جنس کی ضرورت ہو اُس کے دینے میں دریغ اور تامل نہ کیا جائے اور مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ دیورائے نے زر فدیہ دس لاکھ ہن خزانہ عامرہ سلطانی میں داخل کیا جب کہیں وہ لڑکیاں چھوٹیں۔ اس کے بعد بادشاہ گلبرگہ واپس آیا پھر بکارائے کی گوشمالی کے قصد سے سنہ ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں روانہ ہوا۔ ایک قیامت خیز جنگ ہوئی جس میں پہلے تو مسلمانوں کا لشکر پریشان ہوا مگر بعد میں کامل فتح حاصل ہوئی بکارائے نے بالآخر صلح کی درخواست کی اور امان چاہی۔ سلطان نے اس کی بیٹی سے عقد کیا اور تحائف لے کر گلبرگہ واپس ہوا۔

سنہ ۸۰۱ھ میں سنا گیا کہ امیر تیمور کا ارادہ ہے کہ دہلی کا تخت اپنی اولاد میں سے کسی کو دے کر چلا جائے۔ فیروز شاہ نے یہ خبر سن کر نذر و تحائف اپنے ایلچیوں کے ہاتھ امیر تیمور کی خدمت میں بھیجے۔ امیر بہت خوش ہوا اور ایک فرمان لکھ بھیجا کہ ہم نے دکن و گجرات و مالوہ کا ملک قلمرو بہمنیہ میں شامل کر دیا۔ یہ کیفیت سن کر اور فیروز شاہ کی چالاکی سے اندیشہ کر کے والیان گجرات و مالوہ و خاندیس ظاہر میں تو فیروز شاہ کے دوست بن گئے مگر در پردہ دیورائے راجۂ وجیانگر کو ہموار کر کے

اس کو جنگ کرنے کی ترغیب دی اور خود اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا - اس پر سے راے ویجانگر نے فیروزشاہ کے احکام کی تعمیل میں ڈھیل ڈالی چنانچہ سنہ ۸۰۰ھ میں تین چار سال کا خراج بھی چڑھ گیا تھا - فیروزشاہ موقع کا منتظر تھا - اس کو ایک موقع اس طرح ہاتھ آیا کہ مدگل میں ایک مفلس سنار کے گھر ایک لڑکی مسماۃ پرتھال نہایت حسین تھی - اور اس کو کسی برہمن نے عمدہ تعلیم دی تھی - یہ برہمن ویجانگر کا رہنے والا تھا - جب یہ ویجانگر پونہچا تو راے ویجانگر سے اس کے حُسن داد کی ایسی تعریف کی کہ دیوراے نے ایک برہمن اُس کے لانے کے لئے مدگل بھیجا - لڑکی نے وہاں جانے سے انکار کیا - اس پر سے دیوراے نے سنہ ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ع - میں اپنی فوج کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا - پرتھال یہ خبر سن کر فوج کے داخل ہونے سے ایک روز پہلے ہی کہیں بھاگ گئی فوج کے ہاتھ نہ آئی دیوراے کی اس فوج نے سلطان فیروز کے علاقہ جات پر دست درازی شروع کی - مگر اس علاقہ کے ضابطہ نے ان کی قرار واقعی گوشمالی کی تاہم جب یہ خبر فیروزشاہ کو معلوم ہوئی تو فوج ظفر موج کے ساتھ سنہ ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ع میں ویجانگر پر حملہ کیا - مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کل آٹھ لڑائیاں ہوئیں جن میں فیروز ہی کو فتح و فیروزی رہی اور ویجانگر کے ممالک محروسہ کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا - دیوراے کو گجرات وغیرہ سے مدد پونہچنے کی امید تھی مگر اس کی درخواست کے بعد بھی نہ پونہچی تو ناچار صلح پر جھکا - صلح بڑی سخت شرائط پر ٹھہری - یعنی چونکہ ''علاوہ زر و جواہر ہاتھی وغیرہ کے دیوراے اپنی بیٹی سلطان کو بیاہ دے'' جو کہ آج تک رایان کرناٹک نے کبھی اپنی لڑکی مسلمانوں کو نہیں بیاہی تھی ان کو یہ شرط نہایت شاق گزری مگر بامر مجبوری بیاہ دیا اور جہیز میں حسب شرائط قلعہ بنکاپور بھی دے دیا - لیکن اس قدر قرابت قریبہ ہونے کے بعد بھی ان دونوں میں صفائی نہیں ہوئی وہی خون خرابے ہوتے رہے بالآخر فیروزشاہ اس مہم سے فارغ ہو کر مدگل آیا اور پرتھال کو اس کے ماں باپ کے ساتھ طلب کیا - لڑکی کو جملہ خوبیوں سے آراستہ دیکھ کر خود چونکہ کثیر الازدواج و مسن تھا اس لئے پرتھال کی جوانی کی قدر کر کے اُس کی شادی اپنے نوجوان فرزند حسن خاں سے کرا دی - اور پرتھال کے والدین کو بہت سا روپیہ و جاگیر وغیرہ عطا کر کے فیروزآباد کو روانہ ہوا -

فیروزآباد پونہچنے کے بعد سنہ ۸۱۸ھ / ۱۴۱۵ع میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ دہلی کی جانب سے ایک

عالی مقام حضرت سید محمد گیسو دراز نام (قدس سرہ) اس کے حدود ملک میں وارد ہوئے ہیں بڑے اشتیاق سے اُن حضرت کو طلب کر کے گلبرگہ میں سکونت گزین کیا۔ ایک عرصہ تک حضرت سے حسن عقیدت اور جوش ارادت رکھتا رہا مگر اپنے حسن کی ولی عہدی کے واسطے دعا نہ کرنے سے حضرت رح اور فیروز شاہ میں رنجش ہوگئی لیکن بادشاہ کے بھائی احمد خان نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گوشۂ خاطر میں جگہ پائی ۱۴۱۹ء میں جو جنگ فیروز شاہ بادشاہ گلبرگہ اور راجہ بیجانگر سے ہوئی تھی وہ راجہ دیورائے دوم ہی تھا۔ قلعۂ ورنگل و پانگل کے حملوں میں بادشاہ کی ناکامیابی کی وجہ سے بیجانگری افواج کو جرأت ہوگئی اور اُن کے سوار پیدل اور ہاتھی بادشاہ پر بڑھے۔

فیروز شاہ نے اگرچہ راجہ کی فوج کو بہ مقابلہ اپنے لشکر کے کم پایا تاہم ارادہ جنگ کا چھوڑ دیا۔ تاریخ فرشتہ میں اس لڑائی کا حال حسب تفصیل ذیل لکھا ہے مگر کہیں یہ نہیں بتلایا کہ یہ لڑائی کس مقام پر ہوئی۔

دیورائے دوم اور فیروز شاہ کی لڑائی ۸۲۲ھ م ۱۴۱۹ء

میر فضل اللہ جو اس لشکر کا کمانڈر نگ تھا اُس نے بڑی جوانمردی اور بہادری سے ہنود پر حملہ کیا اور قلب لشکر کو تاراج کر کے پھر میمنہ پر جا پڑا اور قریب تھا کہ فتح ہو جائے لیکن سوء اتفاق سے خود ان ہی کی طرف سے ایک کنڑی سردار نے جو میر فضل اللہ کا قدیم نمک خوار تھا مگر در پردہ راجہ سے مل گیا تھا دغا دی۔ دیورائے نے اُسے بڑا ہوے چڑھاوے دے کر اُدھر سے توڑ لیا تھا اُس نے میر فضل اللہ کے سر پر ایک ایسی کاری تلوار ماری کہ فوراً ہی ملک عدم کو راہی ہوا میر فضل اللہ کا مارا جانا تھا کہ لڑائی کی حالت بدل گئی اور اس کے علاوہ اور بہت سے امراء بھی مارے گئے۔ آخر کار بجائے فتح کے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور نہایت مشکل اور بڑی حکمت عملی سے بادشاہ جان بچا کر بھاگا۔ پھر تو ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور میدان جنگ میں مسلمان مقتولین کے سروں کا ایک چبوترہ بنایا۔ ہندوؤں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے لشکر کا تعاقب خود اُن کے ملک میں کرتے ہوئے چلے گئے اور جہاں پہنچے برابر خون ریزی کرتے اور بستیوں کو آگ لگاتے گئے اور بہت سے

مقامات پر قبضہ کر لیا بہت سی مسجدوں اور متبرک مقامات کو مسمار کر دیا۔ مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا جس سے یہ معلوم دیتا تھا کہ مدتوں کی دبی ہوئی آتش دشمنی اب نکالی جارہی ہے۔ سلطان فیروز شاہ نے بحالت مجبوری بادشاہ گجرات سے امداد چاہی لیکن وہ بے چارہ نیا نیا تخت پر بیٹھا تھا کچھ مدد نہ کر سکا۔ آخر کب تک مسلمانوں کی باری بھی آئی اور کئی معرکوں کے بعد بادشاہ کے بھائی خان خاناں نے خدا خدا کر کے ہنود کو اپنے ملک سے بدر تو کیا لیکن اس شکست کا صدمہ ضعیف العمر بادشاہ کے دل پر ایسا ہوا کہ اُس کا دل ٹوٹ گیا اور ہمت ہار دی۔ اسی رنج و ملال سے بادشاہ زیادہ بیمار رہنے لگا اُس نے سلطنت کا کل کاروبار ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک دو معتمد غلاموں کے سپرد کر دیا اور خود امور مملکت میں دل چسپی لینی چھوڑ دی۔ رفتہ رفتہ یہ دونوں غلام قوت پکڑ گئے لیکن ان لوگوں نے بھانپ لیا کہ خان خاناں بہت کچھ دخیل کار ہوتا جاتا ہے اور آگے چل کر ضرور سلطنت کو دبا بیٹھے گا۔ فیروز شاہ نے تلنگنڈہ کا محاصرہ کیا مگر اس کی فوج میں ہیضہ پھوٹنے سے ہندوؤں کی بن آئی۔ دیو راے نے اطراف سے بہت سی فوج جمع کر کے دھاوا کیا۔ بادشاہ نے اس کو اندھا کر دینے کا ارادہ کیا۔ احمد خاں مع اپنے بیٹے کے بموجب ارشاد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے فرار ہوا اور فوج جمع کر کے بادشاہ کے لشکر سے جو اس کے تعاقب میں تھا مقابلہ کر کے شکست دی۔ بادشاہ خود بھی لڑنے کے لئے آیا مگر پسپا ہو کر آخر کار بیمار اور قلعہ بند ہو گیا۔ اس اثناء میں چوں کہ فیروز شاہ نے اپنے امراے دولت دست راست اشخاص کو احمد شاہ سے در پردہ گرویدہ و موافق دیکھا تو اُس نے سوچا کہ سپاہ و رعیت اور امرا و وزرا کی موافقت کے بغیر بادشاہی میں کیا لطف ہے پس سلطان فیروز نے اپنے ولی عہد بیٹے حسن خاں کو طلب کر کے اور قلعہ کا دروازہ کھول دینے کا حکم فرما کر احمد خاں کو اپنے بستر کے قریب بلایا احمد خان نے بھائی کو بستر مرگ پر دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ زار و قطار روتا جاتا تھا اور یہ دو بیتیں پڑھتا جاتا تھا ؎

ازیں سرنوشتہ زسود و زیاں		فلک را بہانہ منم درمیاں
ازینش ستاند بآنش دھد		کند ہر چہ خواہد بہانہ نہد

فیروز شاہ بھائی کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہا کہ "الحمد للہ کہ میں نے اپنی زندگی میں تمھیں بادشاہ دیکھ لیا اور فی الواقع بہ لحاظ قابلیت اور استحقاق تم ہی اس کے شایاں ہو۔ لیکن شفقت پدری سے مجبور تھا کہ حسن کو ولی عہد مقرر کیا۔ اب تمھیں خدا کے سپرد کیا اور حسن کو تمھارے حوالے کیا۔ اُٹھو جاؤ اور امور سلطنت کو انجام دو۔ میں اور چند دن کا مہمان ہوں میرے حال سے غافل نہ ہونا"

پس مشیت ایزدی اور حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ کی متواتر بشارت صادقہ کے موافق محمد خان خانخاناں ۵ شوال الکرام ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ع میں تخت فیروزہ پر بیٹھا۔ اور سلطان احمد شاہ بہمنی سے ملقب ہوا۔ دس روز کے بعد ۱۵ ماہ مذکور مطابق ۲۴ ستمبر ۱۴۲۲ع دوشنبہ کے دن سلطان فیروز شاہ اس سلاطین خانہ مای وطین سے راہی فردوس بریں ہوا۔ اور گنبد کلاں ہفت گنبد سلاطین بہمنیہ میں دفن ہوا مدت سلطنت (۲۵) سال (۷) مہینے (۱۵) دن تھی ۵

نہ فیروز ماند و نہ فیروز یش | اجل کرد در خاک بہ روز یش
خنک در لحد خفت با بخت خود | نہ آما جگہہ بردی تخت خود
ہمینست نقش و طراز جہاں | یقین ست کل من علیہا فاں

رفت چوں فیروز شاہ اندر بہشت | دل ببال وصل آں عالی لقا
گفت "جنت آشیانی" کن رقم | بار دیگر "بادشاہ اتقیا"
۸۲۵ھ | ۸۲۵ھ

دیگر

چو در زیر او عرش والا مقام | زروے زمیں شاہ فیروز مند
ندا شد ز دل سال تاریخ او | کہ محبوب دیں شاہ فیروز مند
۸۲۵ھ

فرشتہ نے حسن خاں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مخنی اور آوارہ منش شخص تھا۔ گو وہ وارث تخت و تاج تھا۔ لیکن احمد خاں خان خاناں نے اپنی ہمت اور قابلیت سے اُس کو کاروبار

سلطنت سے بالکل بیدخل کر رکھا تھا - ولی عہد چپ چاپ فیروز آباد میں بالکل لہو و لعب اور آرام طلبی میں رہا کرتا تھا جب اُس کے چچا احمد شاہ اول نے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تب اُس نے حسن خاں کے ساتھ اتنا سلوک البتہ کیا کہ فیروز آباد میں اُس کو رہنے کی اجازت دی اور بہت سی جاگیریں دے دیں اور یہ بھی اجازت دی کہ اپنے محل سے آٹھ میل کے اندر ہی اندر جہاں چاہے سیر و شکار کرے اور کسی قسم کی پابندی وقت وغیرہ کی نہ تھی حسن نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور عیاشی میں مزے اُڑاتا رہا سلطنت کی اُسے کچھ پروانہ تھی وہ اپنے اسی حال میں مگن تھا جب تک حسن خاں کا چچا زندہ رہا اس کی آرام و آسایش میں بسر ہوتی رہی اور چچا بھتیجے میں کبھی سوء مزاجی نہیں ہوئی اُس کے بعد تو پھر اس بیچارے کی آنکھیں نکلوا ڈالی گئیں اور محل فیروز آباد میں قید کر دیا گیا یہ واقعہ ۱۴۲۳ء کے بعد ہونا پایا جاتا ہے -

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی سلطان احمد نے تخت پر بیٹھ کر خلف حسن بصری کو وکیل سلطنت مقرر کیا اور ملک التجار کا خطاب دیا - حسن خاں کو فیروز آباد میں رکھا - وہ بڑا عیاش چالاک تھا - اُس نے وہیں رہ کر ایام زندگی عیش و عشرت میں گزار دئے -

احمد شاہ نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ۱۴۲۳ء میں دیو راے سے مسلمانوں کے کشت و خون کا بدلا لینے کے لئے ایک بھاری لشکر فراہم کر کے کرناٹک کی طرف روانہ ہوا اور ملک ویجانگر میں گھس پڑا اور نہایت بے رحمی سے قتل و خونریزی شروع کر دی یہاں تک کہ جب بیس ہزار ہندو قتل ہو جاتے تو تین روز مقام کر کے جشن کرتا اور وہاں سے آگے کو روانہ ہوتا - ایک دن بہت کم سواروں کے ساتھ شکار کو نکلا تھا - ہندوؤں نے جو موقع تاک رہے تھے اُس کا پیچھا کیا اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے - اس کے بہت سے ساتھی کام آئے مگر اس اثناء میں اس کو کمک آپہنچی اور وہ بال بال بچا - پھر تو احمد شاہ نے ویجانگر کی تسخیر کا مصمم ارادہ کیا - محصورین بلبلا اٹھے دیو راے کو یہی مصلحت سوجھی کہ اُس نے فوراً چند سالہ خراج ہاتھیوں پر لاد کر بھیج دیا اور بہت ہی عجز و انکسار کے ساتھ صلح کی درخواست کی - دونوں میں صلح ہوگئی اور احمد شاہ گلبرگہ واپس آیا - واپسی کے بعد ۸۲۸ھ ۱۴۲۴ء میں تلنگانہ پر ترکتازی کی - راے ورنگل نے بڑی فوج سے اس کا مقابلہ کیا - آخر مارا گیا - سلطان نے ورنگل میں داخل ہو کر خزائن و دفاین پر قبضہ کر لیا - اور

جب ہر طرح سے ملک تلنگ پورا پورا مسلمانوں کے تصرف و اقتدار میں آگیا اس وقت احمد شاہ گلبرگہ واپس ہوا۔

احمد شاہ کے عہد سلطنت تک تاجداران بہمنیہ کا پایہ تخت بلکہ ان کی رہائش گاہ بھی شہر حسن آباد گلبرگہ رہا۔ کتاب تذکرۃ الملوک میں لکھا ہے کہ ایک روز احمد شاہ بتقریب شکار سواد بیدر میں داخل ہوا۔ یہاں کی ہوا اُسے اچھی معلوم ہوئی اور پر فضا مقام ہونے سے بہت خوش ہوا شکار کے لئے کتّے کو خرگوش پر چھوڑا۔ خرگوش گھبرا کر کتّے پر جھپٹا اور رلے ڈالا۔ بادشاہ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ اس سرزمین کی آب و ہوا میں شجاعت و شہامت کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ خرگوش کتّے پر غالب آیا اس مقام کو ضرور پایۂ تخت بنانا چاہیے۔ یہاں جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ضرور شجاع و با ہمّت ہوں گے۔ پس نیک ساعت دیکھ کر شہر کی بنا ڈالی اور اس کو آباد کرکے احمد آباد بیدر نام رکھا (جو اب محمد آباد بیدر کہلاتا ہے) اور ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اپنی بقیہ عمر عیش و آرام سے وہیں گزاری۔ اس لئے کل بارہ سال ۹ ماہ چوبیس یوم سلطنت کی اور ۸۳۸ھ میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوا۔ احمد شاہ کو لوگوں نے ولی مان لیا تھا کیوں کہ ایک سال جبکہ سلطان مہم و بیجانگر سے فارغ ہو کر گلبرگہ واپس ہوا تھا بہت بڑا قحط پڑا۔ لوگوں کی درخواست پر بادشاہ استسقاء کی نماز کو گیا تو بڑی شدت سے مینہ برسا لوگوں نے اس کی کرامت تصور کی۔ احمد شاہ نے ۲۸ رجب ۸۳۸ھ مطابق ۷ فروری ۱۴۳۵ء کو اتوار کے دن انتقال کیا۔ مدتِ سلطنت بارہ برس دو مہینے ہے اور متصل بیدر موضع اشٹور میں ایک نہایت شان دار اور بلند مقبرے میں مدفون ہے جہاں چوبدار وغیرہ خدام اب تک مامور ہیں اور سالانہ عرس شریف ہوتا ہے ؎

چو در بزم احمد شد از دار دوں ۔۔۔ شہ احمد آں پادشاہ ولی

وصالش یکے خواجۂ اکبر است ۔۔۔ دوبارہ شہ ملت احمدی

۸۳۸ھ ۔۔۔ ۸۳۸ھ

اس گنبد پر تمام چینی کا میناری کام اندر اور باہر ہے اور اندر بہت سے آیات کلام الٰہی منقوش ہیں جو امتداد زمانہ سے جھڑ کر خراب ہو گئے۔

سلطان علاء الدین ثانی بن سلطان احمد شاہ بہمنی

احمد شاہ کے بعد سلطان علاء الدین ثانی بہمنی احمد آباد بیدر کے تخت پر متمکن ہوا۔ راے ویجانگر نے پانچ سال سے خراج ادا نہیں کیا تھا اس لئے سلطان نے اپنے بھائی شہزادہ محمد کو فوج کے ہمراہ وصولی کے لئے بھیجا۔ محمد خاں نے راے ویجانگر سے خراج وصول کیا مگر بعض مشیروں کے اغوا سے خود آدھے ملک کو اپنے تصرف میں لانا چاہا اور فوج فراہم کرکے بادشاہ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا۔ سلطان علاء الدین نے خود اُس کا مقابلہ کرکے اُس کو شکست دی اور پھر اُس کا قصور معاف کرکے اپنے پاس بلالیا اور رایچور و مدگل اُس کو دے دئیے۔ اسی طور پر چندے اور خانہ جنگیاں رہیں۔ ایسے میں دیوراے نے اپنی فوج کو کافی تقویت و ترقی دی اور اس دفعہ بیشتر مسلمان فوج میں بھرتی کئے۔ جب سب طرح کا اطمینان اسے حاصل ہوا تو ۸۴۷ھ میں دیار بہمنیہ کی تسخیر کے لئے دریاے تنگ بھدرا عبور کرکے قلعہ مدگل سر کرنے کے بعد اطراف کا بہت سا ملک نیست و نابود کردیا۔ سلطان اپنا لشکر لے کر مقابلے کے لئے آیا۔ مدگل کے قریب پیاپے تین لڑائیاں ۸۴۷ھ ۱۴۴۳ع میں ہوئیں اول ہندوؤں کو بعد میں مسلمانوں کو کامیابی رہی۔ بالآخر اس طرح صلح ہوگئی کہ سلطان آیندہ کرناٹک پر فوج کشی نہ کرے اور دیوراے خراج برابر ادا کرتا رہے۔

۸۵۰ھ ۱۴۴۶ع میں ملک کوکن کی تسخیر کے لئے علاء الدین نے حسن بصری کو فوج دے کر روانہ کیا اُس نے بہت سے راجاؤں کو زیر کیا مگر ایک راجہ حسن بصری کو فریب دے کر اس کے چند ہمراہیوں کے ساتھ اس کو جنگل میں لے گیا اور اُن سب کا کام تمام کیا۔

سلطان علاء الدین کے عہد سلطنت میں مشیر الملک سپہ سالار افواج دیسی کی جعل سازی سے ڈھائی ہزار پردیسی سپاہ سلطانی جن میں بارہ سو سادات اور اکثر شیعہ تھے بغاوت کی تہمت لگا کر قتل کئے گئے۔ مگر جب بادشاہ کو معلوم ہوگیا کہ مشیر الملک کا یہ محض تعصب و اتہام تھا تو اُس نے مشیر الملک اور اُس کے تمام سازشیوں کو جو اس خون ناحق کے شریک اور موجب تھے ایک ایک کو قرار واقعی سزائیں دیں اور اُن کی جیسی کہ چاہیئے ویسی ہی ذلت و خواری کی۔

دکن میں پانچ جداگانہ سلطنتوں کی بنیاد

سلطنت گلبرگہ اندرونی بغاوتوں اور بدنظمیوں میں ایسی پھنسی ہوئی تھی اور اندرونی جھگڑے اور لڑائیاں ملک دکن میں ایسی پھیلی ہوئی تھیں اور ملک کے حصے بخرے ہو گئے تھے کہ اُس کو بیرونی جنگ کی مہلت نہ ملی خاندان بہمنی تباہ ہو کر بجائے ایک سلطنت کے پھوٹ پھٹا کر مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں ہو گئیں ۸۵۷ھ میں بادشاہ کی پنڈلی زخمی ہو گئی اور (۲۳) سال (۹) ماہ ۲۰ روز داد جہانبانی دے کر ۸۶۲ھ میں مطابق ۱۳ فروری ۱۴۵۸ء اُسی زخم کے اسباب سے اس خراب آباد پر رنج و محن کو چھوڑ کر گور گزیں ہوا۔

چوں علاء الدین پیشہ والا ہمم عالی مکان	قدر اعلیٰ یافت از دنیا بملک جاوداں
سال تاریخش علاؤ الدین خداداں گفتہ ام	ہم علاؤ الدین والا منزلت اہل جناں
۸۶۲ھ	۸۶۲ھ

اس کے عہد میں ایک بڑا شفاخانہ بہ مقام بیدر تعمیر کرایا گیا تھا جس میں ہندو مسلمانوں کو برابر دوا ملتی تھی۔ جوا اور شراب فروشی اُس کے زمانہ میں بالکل ممنوع و محدود تھی۔

سلطنت ہمایوں شاہ ظالم ولد سلطان علاء الدین ثانی بہمنی۔

سلطان علاء الدین نے امراء و وزرا کی توقع کے خلاف اپنے بیٹے ہمایوں شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس لئے اراکین سلطنت نے علاء الدین کی وفات کو مخفی رکھ کر اس کے چھوٹے بیٹے حسن شاہ کو تخت نشین کیا اور ہمایوں شاہ کا گھر لوٹنے اور اُس کو مار ڈالنے کی فکر کی۔ ہمایوں شاہ نے اس سے آگاہ ہو کر فوراً اپنے بھائی کو قید کیا۔ اور ان امرا کو قتل کر کے آپ اٹھارہ سال کی عمر میں ۸۶۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ بڑا بدمزاج اور خونریز تھا چنانچہ شاہ ظالم کے نام سے مشہور رہی۔

جلال خاں طرفدار تلنگندہ کا بیٹا سکندر خاں جو ایام شاہزادگی میں سلطان حال کا مصاحب تھا سپہ سالاری تلنگ کے نہ ملنے سے دلگیر ہو کر باپ کے پاس چلا گیا اور باپ سے مل کر علم بغاوت بلند کیا۔ بادشاہ نے اس پر فوج کشی کی مگر نقصان اُٹھایا۔ اتنے میں بادشاہ کو کمک پہنچی۔ سکندر خاں مارا گیا۔ اور جلال خاں قید کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس جھگڑے سے

فارغ ہوکر قلعۂ دیورکنڈہ کی تسخیر کا ارادہ کیا اور روانہ ہوا رستہ میں سنا کہ شہزادہ حسن خاں نے قید سے رہا ہوکر قصبۂ بیڑ پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی وہ اپنے دارالخلافہ کو لوٹا اور آتے ہی ایک ہزار آدمیوں کو جن کی تفویض شہر کی حفاظت سپرد تھی قتل کرڈالا۔ کہ کیوں انھوں نے شہزادہ کو قید خانے سے بھاگ جانے دیا اور کوتوال شہر کو قفس آہنی میں بند کرکے ہرروز ایک ایک عضو اُس کا کٹواتا اور اُس کو کھلواتا تھا۔ اس طرح پر وہ اسی قفس میں فوت ہوا بھائی کی گرفتاری کے لیے بھی اُس نے بہت سی فوج بھیجی مگر شہزادہ حسن خاں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس سے ہمایوں شاہ اور بھی جھنجلایا مکرر ایک دستہ فوج کا اس کی طرف روانہ کیا۔ اس دفعہ حسن خاں نے شکست پائی۔ اور وہ چند سواروں کے ساتھ خستہ و خوار حوالی بیجانگر میں پونہچا۔ یہاں کے تھانہ دار خواجہ معظم خاں نے اس کو مکر و فریب سے گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ ہمایوں شاہ نے غضب ڈھایا۔ حسن خاں کی شیر سے تکہ بوٹی کرادی۔ اور پھر شہزادہ کے سات سو متعلقین کو انواع مظالم اور پوری سفاکی سے ایک ایک کرکے مروا ڈالا کسی کو پھانسی دی گئی۔ کسی کی گردن اُڑادی گئی۔ کوئی کھولتے پانی میں اُبلا۔ کوئی جلتے تیل میں جھونکا گیا۔ کسی کو مست ہاتھی سے کچلوایا۔ کوئی شیر کی خوراک بنا۔ اور بادشاہ خود برآمدے سے دیکھا کیا۔

محاصرۂ قلعہ دیورکنڈہ[1] بعہد ہمایوں شاہ

ہمایوں نے تخت نشین ہونے کے دوسرے ہی برس ملک تلنگانہ پر چڑھائی کرکے قلعہ دیورکنڈہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن لوگوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور بادشاہ کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی معرکہ اس کے عہد میں سلطنت بیجانگر سے نہیں ہوا۔

سلطان ہمایوں بہت بدگمان واقع ہوا تھا۔ اس لئے وہ اس قدر جبر و تعدی بھی کرتا تھا۔ ارکان دولت جب اس کے حضور میں جاتے تو زن و فرزند کو ضروری وصیت کرکے اُن سے رخصت ہوکر جاتے تھے کسی کو واپسی کی امید نہیں رہتی تھی۔ آخرکار ایک رات شراب کے نشہ میں سویا ہوا تھا۔ ایک حبشن نے اُس کے سر پر لٹھ مار کر اُس کے ظلم و ستم سے خلائق کو نجات دلوائی۔ لعض تواریخ میں لکھا ہے کہ وہ بیمار ہوکر ۲۸ ذی قعدہ ۸۶۵ھ

[1] ضلع نلگنڈہ کی ایک تحصیل ہے۔ ۱۲

مطابق ۵ ستمبر ۱۳۲۱ء کو فوت ہوا - ہمایوں نے کل تین سال چھ ماہ چھ روز سلطنت کی نظیری شاعر نے جس کو ہمایوں نے قید کیا تھا ذیل کے اشعار اُس کی تاریخ وفات میں کہے ہیں ؎

ہمایوں شاہ مرد و رُست عالم
تعالی اللہ زہے مرگ ہمایوں

جہاں پر ذوق شد" تاریخ مرگش
ہم از "ذوق جہاں" آرید بیروں

۸۶۴ھ ۸۶۴ھ

ای ظالم از آہ دل شب خیز بترس
وز نفس بد شوم شر انگیز بترس

مژگان دم آلودۂ مظلوم بیں
وز خنجر آبدار خوں ریز بترس

دوسرے شعرا نے تاریخ وفات یہ کہی ہے ؎

ہمایوں ستم گار و اہل ستم
چونکہ جواں مرگ رفت از جہاں

وفاتش ہمایون بد مذہب است
دوبارہ ہمایون کج خلق داں

۸۶۵ھ ۸۶۵ھ

چوں کہ ہمایوں شہ اہل ستم
آں کہ بکس داد تظلم نہ داد

گشت جواں مرگ دلم سال او
گفت بلا اہل ستم نامراد

۸۶۵ھ

نظام شاہ بہمنی بن ہمایوں شاہ ہمایوں شاہ کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا جو صرف (۸) سال کی عمر کا تھا ۸۶۵ھ ۱۴۶۱ء میں تخت نشین ہوا یہ بہت نیک فراج اور رعایا پر مہربان تھا - بادشاہ کے صغر سنی کے زمانے میں کاروبار سلطنت اُس کی نہایت عقلمند ماں "مخدومۂ جہاں" خواجہ جہاں ترک اور محمد گاوان کرتے تھے ان لوگوں نے حسن انتظام سے ہمایوں کے ناگفتہ بہ مظالم کی حتی الامکان تلافی کی نظام شاہ کی والدہ نے اس کی شادی اپنے قرابت داروں کی لڑکی سے ٹھہرائی تھی بادشاہ کی بیویوں کو "ملکۂ جہاں" کا خطاب

ملتا تھا۔ شہر میں بڑی بھاری طیاری شادی کے جشن کی ہوئی۔ لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ عین شادی کے دن جب بادشاہ اپنی دلہن کو وداع کر کے اپنے محل میں آدھی رات کے وقت لایا اسی دن ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ کو دو سال ایک مہینے سلطنت کرنے کے بعد دفعتہً انتقال کیا ؎

گلے ناشگفتہ از کیانی درخت | یکایک فرو ریختہ از باد سخت
خط حسن بر گل نا بینگیختہ | اجل خاک بروے فرو ریختہ
رفت چو سلطان نظام از زمیں | سال وصالش بہ صد آہ و فغاں
گلشنِ زینت ز دلم شد رقم | نیز جواں رفت جواں از جہاں
۸۶۷ھ | ۸۶۷ھ

اس بادشاہ کی کم عمری کی وجہ سے چاروں طرف بلوے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے راے مملکت اُڑیسہ نے لشکر کشی کی اور مسلمانوں سے سلطنت چھین لینی چاہی۔ والدۂ نظام شاہ و خواجہ جہاں ترک و ملک التجار کاوان نے فوج فراہم و مرتب کر کے راے مذکور کو شکست دی اور بہت سی رقم راے اُڑیسہ نے بادشاہ کو دے کر صلح کر لی۔ نظام شاہ مظفر و منصور احمد آباد و بیدر آیا۔ دفعتہً سلطان محمود کے دیار دکن میں یلغار آنے کی خبر گوش زد ہوئی امرائے دکن نظام شاہ کو ساتھ لے کر اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے سلطان محمود گجراتی بھی بادشاہ کی مدد کے لیے اپنی فوج لے کر حاضر ہوا۔ جب یہ خبر سلطان محمود خلجی کو ملی تو وہ گونڈوانہ کی راہ سے فرار ہو گیا۔ نظام شاہ نے محمود شاہ گجراتی کا شکریہ ادا کیا اور بیدر کو مراجعت کی۔

سلطان شمس الدین محمد شاہ ثانی لشکری بن ہمایوں شاہ

نظام شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی محمد شاہ نو سال کی عمر میں ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۴۶۳ء کو صاحب تاج و باج ہوا۔ بڑا ہونہار نکلا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں لائق لوگوں کو عالی مراتب دئے۔ سلطان ہمایوں شاہ اور نظام شاہ کے عہد میں جو فتنہ و فساد برپا تھے اس نے اپنے حسن تدبیر سے ان کو دور کیا۔ خواجہ جہاں نے جو خزانہ میں تغلب و

تصرف کیا تھا۔ قتل کیا گیا۔ سنہ ۸۷۶ھ میں محمود گاوان کو کوکن کے قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ کیا
یہاں کے راے بڑے مفسد و سرکش تھے۔ مسلمانوں سے سخت عناد رکھتے تھے جب
محمود گاواں کے آنے کی خبر سنی تو مسلمانوں کو قتل کرنے کا عہد کر لیا اور راستوں کی سخت ناکہ بندی
کر دی۔ محمود گاوان نے بڑی حکمت عملی سے مورچوں اور ناکوں پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور ملک میں
گھس کر تین سال تک یکے بعد دیگرے قلعے سر کرتا اور اپنا عمل بٹھاتا چلا گیا۔ آخر بڑی فتح و نصرت
کے ساتھ احمد آباد واپس آیا۔ محمد شاہ اُس کے اِن کارہاے نمایاں سے بے حد خوش ہوا۔ اعظم
ہمایوں خواجہ جہاں کا خطاب دیا۔ سنہ ۸۷۶ھ میں راے اوریا مر گیا۔ اُس کا چچا زاد بھائی
ہمیر تخت نشین ہوا مگر راے اوریا کے بالک منگل راے نے اُس کو تخت سے اُتار دیا۔ ہمیر
نے سلطان محمد شاہ کی خدمت میں مدد دہی کی درخواست کی۔ اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ
کیا۔ بادشاہ نے ملک حسن بحری کو نظام الملک کا خطاب دے کر ہمیر کی مدد کے لئے مع
فوج روانہ کی۔ نظام الملک نے ہمیر کے ساتھ مل کر منگل راے کو شکست دی۔ ہمیر کو اوریا
کا تخت و تاج دلا دیا اور قلعہ دیراکھیڑا بھی فتح کر لیا۔ بعدہ محمد شاہ خود قلعہ برکتینہ کی تسخیر کے
لئے روانہ ہوا۔ جنگ عظیم کے بعد راے برکتینہ نے محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان
چاہی۔ اس کے قصور سے درگزر کر کے بادشاہ نے اُس کا قلعہ اُسی کو پھیر دیا۔ اور اپنے ملک
کو واپس ہو کر بیجاپور میں مقام کیا۔ برسات کا موسم یہیں بسر کرنا چاہتا تھا مگر اتفاق سے
بارش اس برس بہت کم ہوئی ذرائع آبنوشی تمام خشک ہو گئے۔ ناچار بیدر چلا آیا۔ دوسرے
سال بھی امساک باراں رہا۔ قحط کی وجہ سے اس ملک کا بہت بڑا حصہ اُجڑ گیا۔ اس موقع کو
غنیمت جان کر راے اوڑیسہ تلنگ کے رؤسا کی مدد سے مملکت بہمنیہ پر حملہ آور ہوا۔ مگر بادشاہ
نے اُس کو شکست فاش دی۔ دیول ڈہائے اور مساجد تعمیر کرائیں اور چند برہمنوں کو اپنے
ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اُتارا اور غازی کا مذہبی خطاب اختیار کیا۔ خاندان بہمنیہ میں یہی
بادشاہ پہلا تھا جس نے برہمنوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس مہم کے بعد اُس نے فرنگ
کے ملک کی تسخیر کی یہ ملک تلنگ و کرناٹک کے درمیان واقع تھا۔ ان فتوحات کے
سبب اس سلطان کے زمانہ میں سلطنت بہمنیہ کا رقبہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ اُس نے

بجائے چار قسمتوں کے اپنے قلمرو کی آٹھ قسمتیں قرار دیں۔ (۱) دولت آباد (۲) جنیر (۳) بیجاپور (۴) حسن آباد گلبرگہ (۵) مالور (۶) کاویل (۷) ورنگل (۸) راجمندری۔ اور ہر ایک قسمت یعنی (صوبہ) پر ایک ایک طرف دار (یعنی صوبہ دار یا چیف کمشنر مقرر کیا۔ انتظام مملکت بھی بہ آئین بہیں رکھا تھا۔ بہت سے قوانین میں ترمیمات بھی کیں۔ اخیر زمانہ سلطنت میں لوگوں کے فریب میں آکر اعظم ہمایوں نے خواجہ جہاں کو قتل کرا دیا۔ جس کی وجہ سے لعد میں وہ نہایت متاسف و مغموم رہتا تھا۔ خواجہ جہاں کا مارا جانا کیا تھا گویا خاندان بہمنیہ پر زوال آنا تھا۔ سدورائے حاکم وبیجانگر نے پھر لشکر کشی کی۔ یوسف عادل خاں مقابلے کے لئے بھیجا گیا۔ ادھر بادشاہ کا انتقال بوجہ کثرت شراب خواری غرۂ صفر ۸۸۷ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۴۸۲ء میں ہوگیا۔

شہنشاہ جہاں شاہ محمد | کہ در بحر فنا ناگہ فرو شد
دکن چوں شد خراب از رفتن او | خرابی دکن تاریخ او شد

۸۸۷ھ

پرتو افگن گشت در خلد بریں | چوں محمد شاہ شاہ اہل وجاہ
گشت روشن سال تاریخش ز دل | شمس یزدانی محمد بادشاہ

۸۸۷ھ

گلبرگہ کا حال ایک روسی سیاح کی زبانی

"اقوام ہنود تمام ننگے اور برہنہ پا رہتے ہیں ان کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار رہتی ہے بعض ملازمین تیر و کمان سے مسلح رہتے ہیں۔ جنگ میں اکثر ہاتھیوں سے کام لیا جاتا ہے ہاتھیوں کی سونڈوں اور دانتوں میں بڑی بڑی درانتیاں باندھ دیتے ہیں اور ہاتھیوں پر خوش نما بڑی بڑی فولادی ڈھالیں لگاتے ہیں۔ ہاتھیوں پر انباری ہوتی ہے جس میں بارہ مسلح آدمی بندوقیں اور تیر لے کر بیٹھتے ہیں۔ ملک میں آبادی کثرت سے ہے لیکن عام دیہاتی لوگ

بہت تباہ حال ہیں اُن کے برخلاف امرا بہت مال دار اور عیش و آرام میں بسر کرتے ہیں جو چاندی کی پالکیوں میں نکلتے ہیں اُن کے آگے بیس گھوڑے سنہری ساز و سامان سے سجے سجائے رہتے ہیں اور پیچھے تین سو سوار اور پانسو پیدل سینگ نواز دس مشعلچی اور دس گویّے ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے جلوس میں ہزار گھوڑے طلائی ساز و سامان سے آراستہ تسو اونٹ جن پر لوگ مشعلیں لے کر بیٹھتے ہیں۔ تین سو بجنتری اور تین سو ناچنے گانے والے رہتے ہیں۔ بادشاہ طلائی زین پر سوار رہتا ہے اُس کے لباس پر جواہرات ٹکے رہتے ہیں اور سرپیچ میں ایک بڑا ہیرا لگا رہتا ہے وہ سنہری زرہ جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں زیب تن کرتا ہے اور تین تلواریں جن کے قبضے سنہری ہوتے ہیں لگاتا ہے۔ بادشاہ کا بھائی طلائی پالکی میں (جس کے اوپر مخمل کا شامیانہ جس میں جواہرات ٹکے ہوئے رہتے ہیں لگا رہتا ہے) نکلتا ہے۔ سلطان محمود بھی سونے کی پالکی میں برآمد ہوتا ہے اُس پر بھی ریشمی سنہری شامیانہ رہتا ہے جس کو چار گھوڑے سنہری ساز کے کھینچتے ہیں۔ بادشاہ کے اطراف میں جم غفیر آدمیوں کا رہتا ہے اور آگے گانے والوں اور ناچنے والوں کی تعداد کثیر جمع رہتی ہے۔ ملک التجار نے دو قصبوں کو فتح کرلیا جن کے جہاز سمندر میں چلا کرتے تھے اور سات شہزادوں کو بھی مع خزانہ گرفتار کرلیا۔ ان شہروں[ا] کا محاصرہ دو لاکھ فوج سو ہاتھی تین سو اونٹوں سے دو برس تک کیا گیا۔ مرزا ملک بیغ خاں اور فرحت خاں نے بھی تین شہر فتح کئے اور بے انتہا دولت و جواہرات لوٹ کر ملک التجار کے پاس بہ مقام بیدر تخت نشینی کے روز لائے۔ بادشاہ کا بھائی جب جنگ میں جاتا تھا تو اُس کے ساتھ اُس کی والدہ اور ہمشیرہ سنہری پالکیوں میں اور دو ہزار عورتیں گھوڑوں پر سوار رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ جلوس میں تین سو سوار جن کے ساز و سامان طلائی ہوتے تھے رہتے تھے ملک التجار بیدر سے پچاس ہزار فوج لے کر نکلا اور پچاس ہزار فوج بادشاہ نے بھیجی۔ یہ فوج لے کر وہ بیجانگر کو روانہ ہوا۔ راجہ بیجانگر کے پاس تین سو ہاتھی ایک لاکھ فوج اور پچاس ہزار سوار تھے۔"

روسی مسافر نے سلطان محمد شاہ کے جملہ افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ

[ا] اِن شہروں سے غالباً ایک بندر گوا تھا جس کو ۱۴۶۹ء میں فتح کیا ۱۲۔

نوے ہزار سوار پانسو چھتر ہاتھی لکھے ہیں۔ بادشاہ گلبرگہ ملک التجار پر لشکر لے کر روانہ ہوا لیکن اس لڑائی میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہزاروں آدمی اور مال و اسباب کا نقصان ہوا جب کہیں صرف ایک قلعہ بلگاؤں کا فتح ہوا۔

محمد شاہ ثانی بہمنی بن محمود شاہ محمد شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ ثانی ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا خاندان بہمنیہ کا یہ چھٹا بادشاہ تھا اس نے نظام الملک بحری کو صدر اعظم مقرر کیا۔ یوسف عادل شاہ حاضر دربار ہوا مگر جب اُس نے یہ سن پایا کہ اس کے قتل کے سامان ہو رہے ہیں تو وہ بیجاپور چلا گیا۔ محمود شاہ جب مہم تلنگانہ پر گیا تو نظام الملک اس کا وزیر وہاں کام آیا۔ اس کا بیٹا ملک احمد جنیر کا الیف ہو گیا۔ عماد الملک نے برار میں سرکشی کی۔ قطب الملک حاکم تلنگانہ نے گولکنڈہ میں اپنے کو مطلق العنان کیا۔ بیجاپور اور برار کی افواج سے سلطانی عساکر کے ساتھ متعدد محاربے ہوئے غرض اس کی تمام مدت سلطنت میں جھگڑے ہی جھگڑے ہوتے رہے اور سلطنت کا زوال ہو گیا تمام امراء باغی ہو گئے اور ہر شخص نے سرکشی شروع کی اپنی اپنی جگہ سب خود مختار بن گئے سلطنت کے کیل پرزے ڈھیلے ہو گئے اور ہر جگہ طوائف الملوکی ہو گئی۔ آخر ۴ ذیحجہ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۵۱۸ء کو کثرت شراب خواری اور عیاشی کی وجہ سے سلطان محمود نے رحلت کی۔

چوں شہ محمود سلطان جہاں　　از جہان بے بقا رحلت نمود
سال تاریخش دلم با حال او　　گفت کج ناعاقبت اندیش بود
۹۲۴ھ

اس کی سلطنت کا زمانہ ۳۷ سال اور ۲۰ روز رہا۔ یہ بادشاہ قاسم برید[۵] کے بیٹے ملک برید طرفدار قسمت بیدر کی بات بہت سنتا تھا۔ شعر و سخن کا بھی مذاق رکھتا تھا چنانچہ[۵]

در بحر غم فتادہ ام و امواج بے عدد　　تا چند دست و پا بزنم یا علی مدد

اس کا یہ شعر جس قدر بلیغ اور بانکا ہے اُسی قدر اس کے اندوہ و یاس کی بعینہ تصویر اور دلگداز و سرچشمۂ رقت و تازیانۂ عبرت ہے۔

احمد شاہ ثانی بن محمود شاہ

ملک برید نے محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ کو ۹۲۴ھ میں تخت سلطنت پر بٹھایا۔ یہ بادشاہ شراب بہت پیتا تھا۔ ملک برید نے اس کے شراب پینے کا عمدہ سامان فراہم کر دیا تھا اور کسی کو بادشاہ کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ جس قدر اخراجات کہ وہ دیتا تھا بادشاہ کے لئے مکتفی نہ تھے لہذا بادشاہ نے آخر تاج بہمنیہ کے جو چار لاکھ ہن کا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیچ کھایا۔ العظمۃ للّٰہ الواحد القہار ؎

عجب نادان ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی ۔۔۔ فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

احمد شاہ اسی افلاس و بے بسی میں دو سال ایک ماہ سلطنت کے دن کاٹ کر مسموم یا بہ قضائے الٰہی ۹۲۷ھ ہجری میں اپنی حسرت بکام و بال جان زندگی سے در گزرا۔

چوں شہ تخت و تاج احمد شاہ ۔۔۔ در عدم گشت ناگہاں معدوم

ہست برگشتہ سال تاریخش ۔۔۔ ہمہ گر "رفت بندۂ مسموم"

۹۲۷ھ ۔۔۔ ۹۲۷ھ

علاء الدین ثالث بن سلطان احمد ثانی

سلطان احمد شاہ دوم کے چل بسنے کے بعد امیر برید نے اس کے بیٹے علاء الدین سوم کو ۹۲۷ھ میں تخت نشین کیا۔ یہ بادشاہ شراب نہیں پیتا تھا اور اس کی خرابی کو سمجھتا تھا کہ ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اور ملک برید کی کارستانیوں سے بھی انجان نہ تھا۔ آخر ملک برید کے مروا ڈالنے کا قصد کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو سال تین ماہ سلطنت کرنے کے بعد معزول و مقید ہوا اور اسی قید میں ۹۲۹ھ میں ملک برید نے قتل کروا ڈالا ؎

بشمشیر قضائے و تیغ تقدیر ۔۔۔ چو شد بسمل علاء الدین مقتول

ندا شد بہر سال قتل آں شاہ ۔۔۔ ز سرور شاہ والا جاہ مقتول

۹۲۹ھ

شاہ دکن چو رفت زدنیا بدار باقی | باحال زار وصورت حیراں ستم رسیدہ
یعنی کہ گشت قتل زدست نمک حرامے | گفتم بسال قتلش سلطان ستم رسیدہ

۹۲۹ھ

اس کے بعد امیر برید نے شاہ ولی اللہ کو بادشاہ کیا مگر اس کو وظیفہ خوار اور نظر بند کر رکھا تھا۔ بالآخر بادشاہ کو سنہ ۹۳۲ھ میں قتل کر کے اس کی منکوحہ کو امیر برید اپنے تصرف میں لایا۔

شاہ کلیم اللہ بہمنی سنہ ۹۳۲ھ میں کلیم اللہ بہمنی اس خاندان کا اخیر بادشاہ ہوا۔ یہ بے چارہ صرف نام کا بادشاہ تھا۔ سب طرفدار (یعنی صوبہ دار) خود مختار ہو چکے تھے۔ دو ہی سال اس نے سلطنت کی اور سنہ ۹۳۴ھ مطابق سنہ ۱۵۲۷ء میں اجل طبعی یا زہر خورانی سے احمد نگر میں انتقال کیا جہاں سے تابوت بیدر میں لا کر دفن کیا گیا ؎

بہست ونیست مرنجاں ضمیر و دل خوش دار | کہ نیستی ست سرانجام ہر کمال کہ ہست
ازیں رباط دو در چوں ضرورت است رحیل | رواق طاق معیشت چہ سر بلند وچہ پست

اس کے بعد پھر کوئی خاندان بہمنیہ میں برائے نام بھی بادشاہ نہیں ہوا اور خاندان بہمنیہ کا خاتمہ ہوا اور دکن میں سلطنت بہمنیہ کے حصہ بخرے ہو کر اس کی یہ پانچ شاخیں بمنزلہ پانچ سلطنتوں کے جداگانہ قایم ہو گئیں۔

سلطنت بہمنیہ کی شاخیں (۱) عادل شاہی۔ یوسف عادل خاں نے سنہ ۸۹۵ھ میں قایم کی۔ اس کا دارالسلطنت بیجاپور تھا اور سلاطین بیجاپور کا لقب عادل شاہیہ تھا۔

(۲) نظام شاہی۔ نظام الملک کے بیٹے ملک احمد نے احمد نگر میں اس سلطنت کی بنا ڈالی۔ یہ خاندان نظام شاہی کہلاتا ہے۔

(۳) قطب شاہیہ۔ سنہ ۹۰۷ھ میں قطب الملک اس مملکت کا بانی ہوا۔ اس کا مستقر حکومت گولکنڈہ تھا اور اس کے سب بادشاہوں کے نام کے بعد قطب شاہ کا لفظ ہوا کرتا تھا۔

(۴) عماد شاہی۔ جس کو عماد الملک کے بیٹے فتح اللہ خان نے ۸۹۴ھ میں ملک برار پر قابض و خود مختار ہو کر ایجاد کیا۔ یہاں کے بادشاہوں کا لقب عماد شاہیہ تھا۔ یہ سلطنت بعد چندے احمد نگر میں شامل ہو گئی۔

(۵) امیر برید کا خاندان بیدر میں سلطنت کرتا تھا۔ اور وہاں کے سب بادشاہ بریدشاہیہ کہلاتے تھے۔

شجرۂ سلطنت بہمنیہ

نام بادشاہ	تاریخ وسنہ جلوس	تاریخ وفات	عمر	مدت سلطنت	مدفن
۱	۲	۳	۴	۵	۶
علاء الدین حسن گنگوئی بہمنی	۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ	یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ	۶۸ برس	۱۱ سال دو ماہ (۷) دن	گلبرگہ
محمد شاہ اول -	۴ ربیع الاول ۷۵۹ھ	۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ	۴۸ برس	۱۷ سال	"
مجاہد شاہ -	۱۱ ذی قعدہ ۷۷۶ھ	۱۷ ذیحجہ ۷۷۹ھ مقتول	۲۲ برس	۳ سال	"
داؤد شاہ -	۱۷ ذیحجہ ۷۷۹ھ	۲ محرم ۷۸۰ھ مقتول	۵۲ برس	۱۷ دن	"
محمود شاہ اول -	۱۴ محرم ۷۸۰ھ	یکم رجب ۷۹۹ھ	۵۰ برس	۱۹ سال ۶ ماہ	"
غیاث الدین -	۴ رجب ۷۹۹ھ	۷ رمضان ۷۹۹ھ نابینا کرکے تخت سے اتارا گیا۔	۱۸ برس	۲ ماہ (۳) دن	"
۔	۔		۔	۔	۔
شمس الدین -	۷ رمضان ۷۹۹ھ	ربیع الاول ۸۰۰ھ نابینا کرکے مکہ بھیجا گیا ۸۱۰ھ مدینہ میں فوت ہوا -	۲۶ برس	چند روز	مدینہ منورہ
فیروز شاہ - -	۳۰ صفر ۸۰۰ھ	۵ شوال ۸۲۵ھ سلطنت سے علیحدہ ہو کے ۱۵ شوال کو فوت ہوا -	۵۵ برس	۲۵ سال چند ماہ	"
احمد شاہ اول -	۵ شوال ۸۲۵ھ	۸ رجب ۸۳۸ھ	۶۳ سال	۱۲ سال چند روز	بیدر
علاء الدین ثانی -	۱۱ رجب ۸۳۸ھ	۸۶۲ھ	۴۶ سال	۲۴ سال	"
ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ	۵ شوال ۸۶۵ھ	۴۴ سال	۴ سال	"
نظام شاہ	۸۶۵ھ	۸۶۷ھ	۹ سال	۲ سال	"
محمد شاہ ثانی شاگرد صدر جہاں	۸۶۷ھ	یکم صفر ۸۸۷ھ	۲۹ سال	۲ سال	"

نام بادشاہ	تاریخ وسنہ جلوس	تاریخ وفات	عمر	مدت سلطنت	مدفن
شوسری افضل العلماء	•	•	•	•	•
محمود شاہ ثانی -	سنہ ۸۸۷ھ	۴ ذیحجہ سنہ ۹۲۴ھ	•	۳۷ سال	بیدر
احمد شاہ ثانی -	برائے نام تھا سنہ ۹۲۴ھ	سنہ ۹۲۷ھ	•	۲ سال	//
علاء الدین ثالث -	سنہ ۹۲۷ھ مقتول امیر برید کے ہاتھ سے	سنہ ۹۲۹ھ	-	۲ سال	//
ولی اللہ	سنہ ۹۲۹ھ	سنہ ۹۳۲ھ مقتول	•	۳ سال	//
کلیم اللہ	سنہ ۹۳۲ھ	سنہ ۹۳۴ھ احمد نگر میں زہر یا موت سے فوت ہوا نعش بیدر بھیجی گئی	•	۲ سال	//

قلعۂ گلبرگہ بلحاظ واقعات تاریخی اور عظمت وشان گلبرگہ کا قلعہ سنگین تمام عمارات شہر میں نہایت باوقعت اور ممتاز یادگار ہے - قلعہ کی تعمیر بروے واقعات تاریخی سنہ مسیحی سے چار سو سال پیشتر کی پائی جاتی ہے جس کو اب سوا دو ہزار برس ہونے آئے اس قلعہ کو سب سے پہلے قدیم ہندو فرمانروا کرناٹک راجہ کلی چند نے اپنے نام پر بنایا تھا - اس کی تعمیر کے چند سال بعد اسکندر رومی نے ہند پر تاخت کی تھی لیکن یقین ایسا ہوتا ہے کہ قلعۂ موجودہ کی عمارت کا بہت بڑا حصہ سلاطین بہمنیہ اور عادل شاہیہ کا بنایا ہوا ہے اور راجہ کلی چند کا بنایا ہوا حصہ محض ایک معمولی گڑھی کی حیثیت سے زیادہ نہ تھا ۔موجودہ قلعہ سلطان علاء الدین حسن گانگوی کا بنایا ہوا ہے - تاریخ بہمن نامہ اور تحفۃ السلاطین میں بھی یہی لکھا ہوا ہے - حسن گانگوی اور شاہنشاہ محمد تغلق کا باہمی مقابلہ ہونا اور اس میں حسن کا سربر ہونا - بدون کسی بڑے بھاری قلعہ کی آڑ کے ناممکن تھا راجہ کلی چند اور اس کے جانشین راجہ بھیرن کی بنائی ہوئی معمولی گڑھی سے یہ عظیم الشان مہم کیوں کر سر ہو سکتی تھی پس

لامحالہ حسن نے پادشاہ ہونے پر سب سے پہلا کام ایک مستحکم قلعہ کا بنانا کیا ہوگا تاکہ سلاطین ہم عصر خاندان تغلق کی مدافعت کرسکے۔ اِس لیئے اس نتیجہ پر ہم پونچتے ہیں کہ قلعہ کی موجودہ عمارت برج اور خندق اور فصیل وغیرہ سب حسن نے ۷۴۸ھ میں بنائے ہیں ۹۳۴ھ میں خاندان بہمنیہ کا خاتمہ ہوا اور مملکت بہمنیہ کے پانچ ٹکڑے بیدر۔ برار۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ۔ احمدنگر ہوگئے اور قلعۂ گلبرگہ سلاطین عادل شاہیہ کے قبضے میں آیا اور علی عادل شاہ و ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں اس قلعہ کے مستحکم بروج بناکر ان پر توپیں چڑہا دی گئیں جیسا کہ مختلف کتبوں سے ظاہر ہی۔ اس قلعہ کے پندرہ برج فلک شکوہ اب تک موجود ہیں۔ قلعہ کی شکل نہ مدور ہی نہ مربع نہ مستطیل بلکہ قریب قریب بیضوی کے مشابہ ہی۔ شمالی دیوار شرقاً غرباً بالکل سیدھی ہی اور جنوبی گولائی لیئے ہوئے گھومتی چلی گئی ہی اور مغربی دیوار بھی اسی کے مماثل ہی البتہ شرقی فصیل پھر سیدھی ہی۔ فصیل کے گرداگرد پچاس گز عریض اور پچیس گز عمیق خندق ہی۔ فصیل کا دور قریب قریب ایک میل کے ہی۔ مشرق رویہ اور غرب رویہ دو دروازے ہیں۔ مشرقی دروازہ ایک ہی ہی اور شکستہ حالت میں ہی مگر مغربی دروازے کے اندر تین چکّردار کمانیں مع ایک پھاٹک کے موجود ہیں اور اسی کی دونوں جانب چند مرتفع برج ہیں جن پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔

دولت برج آرن منڈل۔ بالاحصار اور فتح برج

مشرقی دروازے کے اندر نہایت عظیم الشان مستطیل برج ہی جس کے دولت برج رن منڈل بالاحصار اور فتح برج تین نام ہیں۔ اس کا طول شرقاً غرباً (۸۰) گز اور عرض شمالاً جنوباً (۵۰) گز اور بلندی بھی اسی قدر ہی۔ برج کے چاروں گوشوں پر مدوّر حلقے بناکر اس کی مضبوطی اور خوب صورتی کے حسن کو دوبالا کردیا ہی۔ یہ برج اس قلعہ میں سب سے بڑا برج ہی جس پر تین[1] توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک چارگزی ہی اور اُس پر چار منی عادل شاہی کھدا ہوا ہی۔ اس برج کو سلطان ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں محمد حیدر نے تعمیر کرایا ہی۔ کتبۂ ذیل بخط نسخ بالاحصار کی ایک دیوار پر بلندی پر لگا ہوا ہی۔ اس میں سنہ درج نہیں ہی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ

[1] دو توپیں چودہ چودہ فیٹ لمبی اور سوا فٹ کا قطر ہی اور تیسری جس پر چار منی عادل شاہی کندہ ہی

در عہد سلطنت بادشاہ عالیجاہ عالم پناہ مہر سپہر سرفرازی تاج الدنیا والدین
ابوالمظفر ابراہیم عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین
برّہٖ و احسانہٗ بندۂ درگاہ محمد حیدر ایں برج دولت تمام نمود"

هنمنت برج — یہ برج غربی دروازے کے شمال میں ہی کالے پہاڑ پر واقع ہی اور ہنمنت برج کے نام سے مشہور ہی۔ کتبہ بخط نسخ سنگ سیاہ پر کندہ ہی اور ایک دیوار میں نصب ہی۔ اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ جس وقت یہ برج طیار ہوا اُسی زمانے میں دوسرے برج بھی بنے اور فصیل قلعہ کو از سر نو مستحکم کیا اور گلبرگہ جب سلطان علاء الدین حسن کے زیر نگین آیا تو اس کا نام حسن آباد رکھا گیا اور حسن آباد ہی اکثر شاہی اسناد و کتبات وغیرہ میں پایا جاتا ہی ؎

بامر محمد شہ بحر و بر	کز و یافت ملک دکن زیب و فر
سخن سنج نور اللہ سر خیل ملک	کہ ہست او ز اولاد خیر البشر
دگر احسن آباد را داد زیب	بتعمیر ہر برج و دیوار و در
چوں تعمیر شد گشت تاریخ و سال	شدہ حصن گلبرگہ محکم دگر

۱۰۶۶ھ م ۱۶۵۶ء

اس برج پر ایک نہایت خوش نما پیچ رسی توپ ہی جو نواب نظام علی خاں کی ہی جو اُن کے دیوان و وزیر رکن الدولہ میر موسیٰ خاں احتشام جنگ کی بنائی ہوئی ہی۔ اس توپ پر یہ کندہ ہی:-
"رفیق سادات برحق نواب رکن الدولہ بہادر ظفر الدولہ بہادر ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) یہ توپ منقش ہی علاوہ گل کاری کے دو مچھلیاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ طول (۷) فیٹ۔ قطر سوا چار انچ ہی۔

کھڑ کیا کچی برج — دروازۂ غربی کے جانب شمال واقع ہی۔ کتبۂ ذیل سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ ہی جس کے حروف جا بجا سے مٹ گئے ہیں اس لئے بہ مشکل پڑھا گیا ہی۔ یہ کتبہ برج کی ایک دیوار میں بلند مقام پر لگا ہوا ہی ع کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۷۔ طول میں سولہ فیٹ اور قطر نو انچ ہی۔ ۱۲

ہذا القصر نظر کردۂ پیر دستگیر اولاد حسین و حسن پشت و پناہ اہل دکن بندہ نواز مخدوم دین و دنیا سید محمد حسینی گیسو دراز فی عہد السلطان ابو المظفر سلطان محمد عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً و بانیہ کمترین غلامان درگاہ علی رضا بن محمد آقا سنۃ ثمان و خمسین و الف و بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ۔
۱۰۵۸ھ م ۱۶۴۸ء

پتلی برج یہہ برج فصیل غربی کی دیوار کے مقابل ہے۔
کتابہ ذیل برج کی ایک دیوار میں اندر کی طرف لگا ہوا ہے جس کی پشت پر خندق واقع ہے اور عبارت ذیل بخط النسخ سنگ سیاہ پر نہایت خوش خط اور واضح کندہ ہے۔ الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین — بعہد سلطنت شہنشاہ جہاں پناہ ظل الہ مہر سپہر سرافرازی ابو المظفر شاہ علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ کمترین بندگان درگاہ عزت خاں ایں برج دولت عمارت نمود ۹۷۵ھ ہجری مطابق ۱۵۶۷ء عیسوی)

نورس برج یہہ برج دروازۂ غرب رویہ کے اندر جنوبی رخ پر واقع ہے۔ اس پر ایک بارہ گزی توپ ہے۔ جس کا طول اٹھارہ ہاتھ ہے۔ اس برج پر چار کتبے سنگ سرخ پر کندہ کر کے برابر برابر لگائے گئے ہیں۔

(۱) این برج توپ دوازدہ گزی در عہد ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ ابداً عمارت کرد۔ بندۂ ملک ملک صندل ۱۰۳۴ھ (مطابق ۱۶۲۵ء)

(۲) یا بدوح (۳) یا بدوح (۴) ہو الجلیل برج نورس

فیل برج و سکندر برج یہ برج فیل برج اور سکندر برج دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ قلعہ کے غربی دروازے کے جنوب میں ایک بہت بڑا اور فلک شکوہ برج ہے۔ اس کے نیچے دو حجرے ہیں۔ جن پر ایک توپ چڑھی ہوئی ہے۔ جس کے دونوں بازوں پر دو کنگرے بھی ہیں اور عبارت ذیل بخط النستعلیق سنگ سیاہ پر نہایت خوش خط اور واضح کندہ ہے اور اس کی پیشانی پر دونوں گوشوں میں یا حافظ بخط نسخ اور بوستان سعدی کا ایک شعر بھی

سلہ۔ کتبہ میں بجائے نذر کے نظر ہی لکھا ہے ۱۲

کندہ ہے جس کا ہر ایک مصرع حسب ذیل کتابہ کے دونوں عرضی جانب میں کندہ ہے اور تحتانی سطر بخط ثلث گنجان لکھی ہوئی ہے اور بہت دقت سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ برج سب سے آخری زمانہ سکندر عادل شاہ خاتم خاندان عادل شاہیہ کے دور حکومت میں ۱۰۸۴ھ ۱۶۷۳ء میں بنایا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا حافظ　　　الملک للہ　　　یا حافظ

[illegible]

دراوایل جلوس سلطان سکندر عادل شاہ قادری الغازی

بن علی عادل شاہ بحکم آصف زمان خواص خاں وزیر حکومت

در سنہ ثلاث سبعین الف بندہ کمترین درگاہ سیدی

سنبل ملک عنبر صوبہ دار و حوالہ دار عمارت ایں برج فلک

شکوہ کہ مسمی بسکندر برجست نمود ۱۰۸۴ ہجری

ازبنیاد برج داخل کنگرہ ونشستگاہ توپ و دولاونی ویکبجرہ مستعد کردہ شد

[illegible]

علاوہ مذکورہ بالا برجوں کے اور نو برج ایسے ہیں جن پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں لیکن ان برجوں پر کوئی کتبے نہیں ہیں۔ کل برج اس قلعے کے پندرہ ہیں جن پر کل چھبیس توپیں اب موجود ہیں۔

کتبۂ زنجیری دروازہ کتابۂ ذیل بہ خط نسخ قلعہ گلبرگہ کے مغربی دروازہ پر (جس کو زنجیری دروازہ کہتے ہیں) لگا ہوا ہے اور نہایت بلندی پر واقع ہونے سے بدقت تمام پڑھا گیا۔ علاوہ اس کے دروازے پر جو گولے برسائے گئے ہیں اُن کی زد سے یہ کتبہ بھی خراب ہو گیا ہے۔

کتبہ کے اطراف حاشیہ میں چند اشعار مرقوم ہیں لیکن بالکل مٹ گئے ہیں صرف ایک ہی شعر بدقت پڑھا گیا۔ کتبہ میں بنیادی سنہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس نے اس دروازے کو بنایا ہاں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بزمانۂ سلطنت بہمنیہ بعد ترمیم قلعہ یہ کتابہ بطور یادگار کے لگایا گیا ہے۔

عجب قلعہ دیدم کہ مثلش نبود　　　چنیں کہ دراقلاع عالم بہ بست

تحصنت بذی الملک والملکوت واعتصمت بذی العزۃ والعظمۃ والھیبۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت دخلہ فی حرز اللہ وفی حفظ اللہ وفی امان اللہ من شرور الفتن اجمعین بحق کھیعص بحق حمعسق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ترجمہ

یہ قلعہ محفوظ و مستحکم بنایا گیا ہے بفضل اُس پروردگار عالم کے جو مالک و ملک و ملکوت صاحب عزت و عظمت ہے قہار و قدیر ہے۔ اور بزرگی و برتری والا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی پناہ و حفاظت اور امان میں بچا رہے سارے فتنہ و فساد کی بُرائیوں سے بطفیل (مقطعات قرآنی کھیعص اور حمعسق) اور نہیں ہے قوت (بدی سے بچنے کی) اور قدرت (نیکی کرنے کی) بغیر تائید خدائے بزرگ و برتر کے۔

کتبات متصل بالا حصار ذیل کے دو کتبے قلعہ میں بالا حصار کے قریب پولیس کے تھانے کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ کتبے سنگ سیاہ پر خط ثلث میں بہت باریک اور گنجان کندہ ہیں اور جا بجا مٹ جانے سے اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ دوسرے کتبے میں یا سنہ لکھا ہی نہیں گیا یا مٹ گیا۔

(۱) بنا نمود این عمارت در عہد شاہ علی عادل شاہ[۵۱] سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد۔ العبد ضابط خاں سنہ ۹۸۱ ہجری (۱۵۷۳ء)

(۲) بنیاد این عمارت برج در عہد شاہ علی عادل شاہ سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد۔ بابا جی المخاطب ضابط خاں نایب[۵۲] غیبت شہر حسناباد۔

---

۵۱ ابو المظفر علی عادل شاہ بن ابراہیم عادل شاہ ۹۶۵ھ م ۱۵۵۷ء میں تخت نشین ہوا اور اپنے باپ کا سنی مذہب چھوڑ کر شیعہ ہوگیا اور دادا کے طریقے کے موافق خطبۂ اثنا عشری پڑھوایا اور ۹۸۸ھ م ۱۵۸۰ء میں ایک رات خواجہ سرا کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کا مقبرہ بیجاپور میں علی روضہ کے نام سے مشہور ہے۔

۵۲ مملکت کے ہر ایک طرف دار کے خطاب جداگانہ ہوتے تھے۔ دولت آباد کا طرف دار۔ مسند عالی۔

ہاڑ باؤلی وغیرہ مکانات فصیل قلعہ کے اندر سلاح دروازے (جو قلعہ کے مشرق میں ہی) اور ایک برج کے درمیان ایک بہت بڑی باؤلی ہی جو ہاڑ باؤلی کے نام سے مشہور ہی۔ اس باؤلی کے ساتھ دو برج اور ایک نشیمن سلطان علی عادل شاہ کا بھی ہی۔ جس کو ۸۸۶ھ میں باباجی نایب غیبت شہر احسن آباد نے تعمیر کرایا ہی۔

کتبۂ ذیل باؤلی کی ایک کمان کی بائیں جانب دیوار میں لگا ہوا ہی جس کے حروف بالکل مٹ گئے ہیں اور مسلسل پڑھے نہیں جاتے۔ جو کچھ پڑھا جاسکا وہ یہ ہی۔

بعہد سلطنت عالی جاہ عالم پناہ مہر سپہر فرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ۔

بنا کردہ چاہ داخل . . . و دو قطعہ برج ویک نشستگاہ بدیں خندق نزدیک . . . در کار کرد باباجی ضابطخان نائب غیبت شہر احسناباد خان اعظم حمید خان بہمنی سنہ ست وثمانین وثمانمایہ جمادی الاوّل ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء)

کتبۂ ذیل اسی مکان کے متعلق ہی جو اس اُفتادہ باؤلی کے کنارہ بنا ہوا ہی اور ہاڑ باؤلی کے کتبہ کے محاذی ذرا بلند مقام پر ایک دیوار میں لگا ہوا ہی اور بیچ کی کمان میں لگا ہوا ہی جس میں سے اس باؤلی میں داخل ہوتے ہیں اور جو خندق رویہ کمان کے بالکل مقابل ہی اور اسی کمان کے متصل ایک چھوٹا سا قطعہ باؤلی کے کنارے بنا ہوا ہی جو بالکل گرا پڑا ہی۔
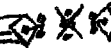
کتبۂ ذیل بخط نسخ سنگ سیاہ پر کندہ ہی مگر سنہ مٹ گیا ہی۔ غالباً یہ بھی ہاڑ باؤلی کے ساتھ ۸۸۶ھ میں طیار ہوا ہوگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۱۔ برار کا مجلس عالی حسن آباد گلبرگہ اور بیجاپور کے طرف دار کو جو منصب وکالت رکھتا ملک نائب کا خطاب عطا ہوا تھا۔ ۱۲

"بعہد سلطنت شاہ عالیجاہ عالم پناہ مہر سپہر سرافرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بندۂ درگاہ حاجی عماد خاں ایں عمارت نمودہ سنہ ۔"

اس برآمدے کے محاذی دو کمانیں اور بھی ہیں جو بالکل چونے اور پتھر سے اٹ گئی ہیں اندر جانے کا راستہ بند ہوگیا ہے۔ عجب نہیں کہ ان کمانوں کے اندر کچھ مکانات ہوں یا خندق میں اُتر جانے کا چور راستہ ہو۔

ہاشم باؤلی و خواجہ باؤلی مجگوری محلے میں "ہاشم باؤلی" مشہور ہے جس کی سیڑھیوں کے پاس کتبۂ ذیل ہے۔ یہ باؤلی سید ہاشم دستگیر بیجاپوری کی بنائی ہوئی ہے ۔

چشمۂ ہاشم باؤلی از فضلِ رحماں ۔۔۔ بنا کرد محمد امان اللہ خاں
سنِ تاسیسش تامل چوں کردم بدل ۔۔۔ بگفتا بلفظ عذیر است عیاں

اسی محلے میں خواجہ باؤلی بھی ہے جس کی سیڑھیوں کے مقابل کمان کی سیدھی طرف یہ کتبہ ہے:-

"بنائے چاہ مسمی خواجہ باؤلی از محمد صاحب ولد فضیلت مآب حاکم صاحب مرحوم متوطن صوبۂ دارالظفر بیجاپور در شہر ذیحجہ ۱۳۰۳ ہجری مقدسہ حسن انصرام یافت عاقبت بخیر باد"

میر محمد شفیع کی باؤلی فرمان تالاب کے پیچھے میر محمد شفیع کی بنائی ہوئی ایک باؤلی تھی جو اب اَٹ گئی یہ کتبہ تالاب کی گل برآری کے وقت برآمد ہوا:-

"در عصر بادشاہ عالمگیر غازی بندہ میر محمد شفیع ولد خواجہ میر بتاریخ بیست و ہفتم شہر شعبان سنہ سی و ہشت مطابق سنہ یکہزار و یکصد و پنج ہجری فی سبیل اللہ تیار نمود" (۱۶۹۴ء)

گلبرگہ کی مساجد

مسجد و دیر توئی کعبہ و بت خانہ یکے است　　　ہر کجا گوش نہادم ہمہ غوغائے تو بود

قلعہ کی مسجد کلاں[۱] اس عمارت کی نسبت مسلمانوں کا خیال ہی کہ شاہان بہمنیہ کے زمانہ کی بنی ہوئی ہی جو شہر قرطبہ واقع اندلس (اسپین) کی مشہور مسجد کے نمونے پر بنائی گئی ہی مگر دراصل یہ بات نہیں ہی بلکہ یہہ مقام راجگان گلبرگہ کا دربار ہال تھا اور زیادہ تر قرین قیاس یہہ ہی کہ یہہ جینیوں کا ایک بہت بڑا دیول تھا جس کا کچھ حصہ بطور تہ خانہ زیر زمین بھی تھا - بالائی عمارت کو مسلمانوں نے توڑ کر مسجد بنائی چنانچہ چند سال پیشتر نواب عماد جنگ بہادر مرحوم صوبہ دار نے جب اس مسجد کی ۱۳۱۴ھ میں بصرف چونتیس ہزار روپیہ از سر نو ترمیم کرائی تو بعض بعض جگہ جہاں پلاستر گر گیا تھا اُس کے اندر دیواروں پر دیوتاؤں کی تصویریں موجود تھیں جو ایک دلیل بیّن اس امر کی ہی کہ دیول توڑ کر علاءالدین نے مسجد بنوائی - اس مسجد کا بہت بلند برج غرب رویہ کہا جاتا ہی کہ جینی دیول کا ہی لیکن اس برج کی ساخت صاف بتلا رہی ہی کہ مسلمانوں کا بنایا ہوا ہی ہاں یہہ ممکن ہی کہ دیول کے پتھر اس میں لگائے گئے ہوں کیوں کہ کچھ پتھر ایسے ہیں کہ جن پر تصویریں ہیں - اس مسجد کا بڑا برج جس کے نیچے محراب و منبر ہی (۷۵) فیٹ بلند ہی - اس برج کے محاذی اور دونوں جانب داہنے اور بائیں مسجد کا اندرونی حصہ ہی جس پر ایک سو گیارہ چھوٹے چھوٹے گنبد اور نہایت خوب صورت محرابیں ہیں - یہہ ساری مسجد لداؤ کی ہی لکڑی کا

---

[۱] - بعض لوگ عمارت کی طرز سے یہہ رائے رکھتے ہیں کہ یہہ مقام مسجد نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا دربار ہال تھا کیوں کہ اس کو شملہ نہیں ہی جو مسجد کے لئے ہونا ضرور ہی - علاوہ اس کے اس مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازے ایسے مقام پر بنے ہوئے ہیں کہ نمازیوں کو صفیں چیر کر آنا پڑتا ہی - اتنی بڑی مسجد کے متعلق کوئی حوض بھی نہیں اور سب سے بڑی بات یہہ ہی کہ مسجد کا نہ کوئی خطیب ہی - نہ پیش امام نہ موذن نہ کسی کے پاس ان خدمات کی سند ہی ورنہ چھوٹی چھوٹی مسجدوں کے اہل خدمت مامور ہیں - ان تمام وجوہ سے یہی رائے قایم ہوتی ہی کہ ہندوؤں کے قدیم مندر کو توڑ کر دربار ہال بنایا گیا جو آگے چل کر مسجد کے کام میں لایا گیا - ۱۲

نام نہیں ہے۔ تمام عمارت اقلیدسی اصول پر بنائی گئی ہے مسقف حصہ کا طول شرقاً غرباً (۲۲۵) فیٹ اور عرض شمالاً جنوباً (۱۶۸) فیٹ ہے۔ اس مسجد میں شمال اور جنوب رخ دو دروازے ہیں۔ مشرق کی طرف کوئی دروازہ نہیں ہے بلکہ صحن کے پائیں میں ایک چھوٹی سی خوشنما مکان کے اندر تین نہایت خوش نما قبور ہیں جن میں سے ایک مزار پر ایک خوش نما سی چودری بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد کی وسعت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں چھ ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کے اوپر جانے کا زینہ بھی ہے جس پر چڑھنے کے بعد مسجد کے بے شمار گنبدوں اور برجیوں کو دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے اور دور دور تک کا خوش نما منظر پیش نظر رہتا ہے۔ اس مسجد میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے اور مسجد نہایت عمدہ حالت میں ہے۔ نواب عماد جنگ بہادر ہی کی بدولت مسجد کی اس عمدگی سے ترمیم ہوئی کہ مسجد دلہن بن گئی۔ مولوی محمد علی صاحب مددگار صوبہ دار حال زائد معتمد مالگزاری نے کار حسنات سمجھ کر ایسی لگاتار نگرانی کی کہ جو کام لاکھوں روپیوں میں ہوتا وہ کوڑیوں میں کروایا اور اس عمدگی سے اس کام کو انجام دیا کہ نواب صاحب مرحوم کے لئے دعائے خیر نکلتی ہے اور مولوی محمد علی صاحب کی نسبت یہ کہنا پڑتا ہے کہ گلبرگہ کی مسجد نہیں بنوائی جنت میں اپنا مکان بنوایا۔

جو کتبہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں وہ مسجد کے شمالی دروازہ کے پاس ایک سنگ سیاہ پر بہ خط ثلث کندہ شدہ رکھا ہے مگر یہ کتبہ غالباً اُس مسجد کا ہے جو اس قلعہ کے دروازہ کے جنوبی پہلو میں بنی ہوئی ہے جس کو محمد شاہ نے بنوایا تھا۔ علی عادل شاہ نے اُکھاڑ کر پھینکوا دیا اور اپنے نام کا کتبہ دروازہ مسجد پر نصب کرا دیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ الْاٰیہ۔
وَقَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لِلّٰہِ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ فَبِمُوْجِبِ سِیَاقِ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ الْفُرْقَانِیْ وَالْحَدِیْثِ النَّبَوِیِّ اَخْرَجَ عِبَادَ اللّٰہِ اِلٰی رَحْمَۃٍ وَمَغْفِرَۃٍ وَبِاِلْھَامِہِ اللَّطِیْفِ وَتَوْفِیْقِہِ الشَّرِیْفِ رَفِیْعُ بْنُ شَمْسِ مَنْصُوْرِ الْقَزْوِیْنِیْ فِیْ عَھْدِ السُّلْطَانِ الْمُعَظَّمِ وَالْقَھْرَمَانِ الْمُکَرَّمِ اَبِی الْمُظَفَّرِ

مُحَمَّدُ شَاہُ السُّلْطَانِ ابْنِ السُّلْطَانِ شَیَّدَ اللّٰہُ اَرْکَانَ دَوْلَتِہٖ دَاعِیًا مِنْہُ التَّجَنُّبَ عَنِ السُّمْعَةِ وَالرِّیَا دَاجِیًا مِنْہُ الْقُبُوْلَ بِالرَّحْمَةِ وَالرِّضَا فِی الرَّابِعِ مِنْ شَہْرِ الْاَوَّلِ سنہ تِسْعٍ وَسِتِّیْنَ وَسَبْعَمِائَةٍ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔[51]

ترجمہ۔ بنام خداوند بخشندۂ مہربان فرمایا خدائے بزرگ و برتر نے کہ وہی لوگ مسجدیں بنایا کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں (آخر آیۃ تک) اور فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ جس نے خالصاً للہ کوئی مسجد بنائی تو خدائے تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ پس حسب فحوائے آیۃ قرآنی و حدیث نبوی نکالا گیا خدا کے بندوں کو اُس کی رحمت اور مغفرت کی طرف اپنے الہام لطیف اور توفیق شریف سے رفیع بن شمر بن منصور ساکن قزوین بزمانۂ سلطان معظم و بادشاہ مکرم ابوالمظفر محمد شاہ ابن السلطان مضبوط کرے اللہ تعالیٰ ارکان اُس کی دولت کے وہ بادشاہ دکھاوے اور نمائش سے پرہیز کرتا تھا۔ خدا سے اُس کی مراد حصول درجۂ قبول اور مہربانی اور رضامندی تھی۔ بتاریخ چوتھی ماہ محرم ۷۶۹ھ ۱۳۶۷ع اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

عزت خاں کی مسجد یہ مسجد کے مغربی دروازے کے اندر جنوبی رخ پر بنی ہوئی ہے جو نہایت خوب صورت پنج دری اور شاندار ہے۔ وسط صحن میں ایک حوض ہے۔ مسجد کی جنوبی دیوار کے نیچے ایک بڑی باؤلی نہایت پختہ بنی ہوئی ہے۔ اس باؤلی کے مشرق میں کسی بزرگ للہ صاحب کا مزار ہے اور اس کے مشرق ایک بہت بڑا عاشور خانہ عادل شاہیوں کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ مسجد کے صحن کے سامنے ایک چھوٹا گورستان ہے جس کی اکثر قبور سنگین اور پختہ کی ہیں۔ غالباً یہ قبریں امرائے عادل شاہی کی ہیں۔ یہ وہی مسجد ہے جو سلطان محمد شاہ بہمنی کی بنوائی ہوئی ہے اور پچھلا کتبہ اسی پر نصب تھا جسے علی عادل شاہ نے نکلوا کر اپنے

[51] یہ سلطان محمد شاہ بہمنی سلطان علاء الدین حسن شاہ گانگوی بہمنی کا بیٹا ہے جو ۷۵۹ھ مطابق ۱۳۵۸ع میں بجائے باپ کے تخت نشین ہوا اور ۱۷ سال ۹ مہینے ۵ دن حکمرانی کرنے کے بعد ۲۱ مارچ ۱۳۷۵ع میں رحلت فرمائی۔ یہ بادشاہ فرزانہ اور شجاع تھا۔ غفر اللہ لہ۔ ۱۲

نام کا کتبۂ ذیل لگوا دیا جو بہ خط نسخ نہایت خوش خط اور واضح لکھا ہوا ہے:-

ترجمہ

یہ مسجد بزمانہ سلطان علی عادل شاہ بنائی گئی ہمیشہ باقی رکھے اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو اس کا بنانے والا عزت خاں ہے خدا اس کو قبول فرمائے۔ پکارو علی (علیہ السلام) کو جن سے عجائبات کا ظہور ہوتا ہے۔ ہر مصیبت میں مدد کرنا ہے اُن کا کام ہے ہر ایک رنج و غم آپ کی ولایت کی برکت سے آناً فاناً رفع دفع ہو جائے گا یا علی یا علی یا علی۔

جس طرح عادل شاہیوں نے سلطان محمد شاہ بہمنی کا کتبہ اُکھاڑ کر اپنے نام کا کتبہ اس مسجد میں لگا دیا کم و بیش یہی حالت عادل شاہیوں کے دوسرے کتبوں کی بھی ہے کہ جن عمارات پر سلاطین بہمنیہ کے کتبے لگے ہوئے تھے اُن سب کو نکلوا کر اپنے کتبے لگا دیئے کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ پہلے کی کوئی عمارتیں نہ ہوں اور تمام قدیمی برج اور عمارتیں عادل شاہیوں ہی کی بنوائی ہوئی ہوں اس لئے کہ برجوں اور فصیل کی ساخت صاف بتلا رہی ہے کہ جس زمانے میں وہ بنے عادل شاہیوں کا پتہ بھی نہ تھا۔

زنانی مسجد ایک بہت چھوٹی مگر قدیم مسجد شمالی ہند کی چھوٹے چھوٹے تین برجوں کی بنی ہوئی ہے جو زنانی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یا تو کسی معزز بیگم کی بنائی ہوئی ہوگی یا بیگمات اس میں نماز پڑھتی ہوں گی۔ اس کی عمارت پر سرخی کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے پہلے شاید رنگین ہوگی۔

ملک سیف الدین غوری کی مسجد متصل فرمان تالاب ۷۵۴ھ

قلعہ کے غربی دروازے کے آگے تین پیچ دار دروازے ہیں۔ سب سے آخری دروازہ قلعہ سے باہر جانے کے لئے برلب خندق شمال رویہ ہی اسی دروازے کے غربی پہلو کے مقابل ایک مسجد فرمان تالاب کے مشرقی کنٹہ پر نہایت خستہ حالت میں ہی۔ اس مسجد میں پانچ محرابیں سنگین ستونوں پر استادہ ہیں اور تین دالان یکے بعد دیگرے ہیں۔ طول و عرض ۳۶×۴۲ فیٹ اور چھت کی بلندی (۹) فیٹ ہی۔ شہر گلبرگہ کی ساری مسجدوں سے یہی پہلے بنی ہی۔ ۷۵۴ھ میں سلطان علاؤالدین کے عہد میں ملک سیف الدین غوری نے بنوائی تھی۔ اس مسجد کا کتبہ بھی افسوس ہی کہ اپنی جگہ پہ نہ رہ سکا۔ مسجد سے سو گز کے فاصلے پر کسی مزار کے سرہانے سر ٹپکتے ٹپکتے چار ٹکڑے ہو گیا ہی۔ طول ۱½ گز عرض نصف گز سے کچھ زیادہ ہی۔ کتبہ بخط نسخ نہایت جلی قلم سے واضح طور پر کندہ ہی مگر پارہ پارہ ہونے سے بہ مشکل پڑھا جاتا ہی۔ اس کی حالت تباہ دیکھ کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں کاش ایسے پتھر مٹ مٹا کر بھی اپنے اپنے مقامات پر ہوتے تو غنیمت سمجھتے اور اُن سے کچھ پتہ چلتا مگر نہیں پراگندگی اِن کی قسمت میں لکھی تھی خاک میں ان کو ملنا تھا نوشتہ تقدیر کیسے مٹتا ع

ہوتا ہی وہی خدا جو چاہے

معتبر تواریخ سے یہ ثابت ہی کہ اس سلطان نے اپنے زمانہ میں گلبرگہ کے قلعہ و مسجد کی جو شکستہ ہو رہی تھی از سر نو تعمیر کرائی اور یہ وہی سلطان علاء الدین حسن گانگوئی بہمنی ہی جس نے سلطنت بہمنیہ کی بنیاد ڈالی اور یہی اِس خاندان کا مورث اعلیٰ ہی۔

تحفۃ السلاطین کے مؤلف نے حسن کو ایرانی النسل قرار دیا ہی اور اِس کا نام سلطان بہمن شاہ بتلایا ہی اور شاہان بہمنیہ کے یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہی۔ غرض کہ ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۴۷ء میں تاج شاہی اِس کے سر پر رکھا گیا اور ۵ ربیع الاول ۷۵۹ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۳۵۸ء کو ۶۷ سال کی عمر میں ۱۱ سال دو ماہ سات روز سلطنت کر کے رحلت کی۔

این مسجد مبارک اللہ تعالیٰ و تبارک بعہد بانی مبانی خیرات و قبلہ اقبال سعادات خدا اگان سلاطین علاء الدنیا والدین ابو المظفر بہمن شاہ عمر اللہ دولتہ پناہ امیدوار حضرت کبریا

سیف دولہ شہ ذکریا در شہور سنہ اربع و خمسین وسبعمائیۃ عمارت کرد - ابدالآباد آباد و باد
سنہ ۷۵۴ھ
بحق عامر بیت المعمور و کعبۂ مشہور

اس کتبہ نے محمد قاسم فرشتہ کے قول کو غلط اور ملّا داؤد بیدری کے قول کو صحیح ثابت کر دیا کہ حقیقت میں سلطان حسن گانگوی کا نام بہمن خاں تھا اور وہ ایرانی النسل اولاد بہرام گور اور بہمن نژاد تھا اور وہ ہرگز حسب روایت فرشتہ مفلوک الحال پٹھان نہ تھا بلکہ وہ جلیل القدر امرائے سلاطین تغلقیہ سے تھا جس کا ماموں ظفر خاں علائی سلطان علاء الدین خلجی جیسے نامور بادشاہ کا سپہ سالار اور بخشی الممالک تھا۔

عیدگاہ قدیم احسن آباد کی اُجڑی ہوئی بستی کے شمال میں یہ عیدگاہ خراب و خستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے مگر شان عمارت بانگ پکارے کہہ رہی ہے کہ کبھی یہ مقام بھی مورد حسنات و برکات تھا۔

جامع مسجد شاہ بازار اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں ہے غالباً جنوبی دروازے پر کوئی کتبہ ہوگا جو دست برد زمانہ سے مٹ گیا۔ صحن مسجد کا طول شمالاً جنوباً (۱۵۰) فیٹ اور عرض شرقاً غرباً (۶۰) فیٹ ہے۔ اس مسجد کی پندرہ محرابیں نہایت خوب صورت اور مضبوط ہیں اور اُن کے پیچھے بھی اسی طرح سلسلہ کمانوں کا ہے یہ سلسلہ اسی طرح منبر تک گیا ہے جو چھ کمانوں پر ختم ہوا ہے۔ مسجد کی عمارت نہایت بارونق اور شان دار ہے - احاطے کی دیوار بہت بلند اور سنگین ہے اور نہایت خوش نما وسیع صحن دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ مشرق میں ایک دروازہ ایک برج کے نیچے بنا کر ایک بہت بڑا پھاٹک لگایا گیا ہے۔ خطیب و پیش امام و موذن عہد بہمنیہ سے مقرر ہیں جن کی قبریں بھی مسجد کے سامنے والے چبوترے پر پکّی بنی ہوئی ہیں۔ ایک دروازہ اس مسجد کا سمت جنوب میں بھی ہے مگر وہ شکستہ ہے۔ مسجد کی باؤلی بھی یہیں ہے - یہ مسجد ایسی معلوم ہوتی ہے کہ آج کی بنی ہوئی ہے لیکن اس کا بانی سلطان علاء الدین حسن گانگوی تھا۔ مسجد کی تعمیر کو ساڑھے پانسو برس سے زیادہ کا زمانہ ہوا۔ اس مسجد کے ہوتے ہوئے پھر اندرون قلعہ کسی اور مسجد کے بنانے کی ضرورت نہ تھی یہ بھی دلیل ہے کہ قلعہ کی اندرونی کلاں مسجد مسجد نہ تھی بلکہ دربار ہال تھا - اس مسجد میں ممبر کی پشت پر بہ خط نسخ سنگ سیاہ پر نہایت جلی خط میں "اللہ اکبر" کندہ ہے۔

ویران مسجد مسجد شاہ بازار کے پاس ہی ایک خانہ کی مسجد ویران پڑی ہے اس کے شمالی چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک صدر الشریف سمرقندی کی اور دوسری مولینا سید احمد غزنوی مفتی ممالک بہمنیہ کی ہے۔ یہ ہر دو جید علماء سلاطین علاء الدین کے دربار کے رکن اعظم تھے اور دونوں صدارت اور مفتی گری پر مامور تھے۔

مسجد بخشی صاحب بیجاپوری سر راہ روضۂ بزرگ و مومن پورہ یہ مسجد ہے۔ اس کے احاطے میں ایک مقبرہ ہے جس میں بہت سی پکی قبریں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مسجد کی درمیانی محراب کی دونوں طرف یہ دو کتبے بخط ثلث نہایت خوش خط لگے ہوئے ہیں۔ مگر دوسرا کتبہ کسی دوسرے مقام کا معلوم دیتا ہے جو تعمیر مسجد سے (۲۲۲) برس پہلے کا ہے اور ایک فٹ مربع ہے۔

(۱) "بنائے مسجد و مقبرہ براہ عبداللہ محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن دارالظفر بیجاپور در شہر ذی حجہ ۱۲۰۲ھ ہجری مقدس حسن الصرام یافت۔ عاقبت بخیر باد۔"

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللھم صل علی سید الکونین محمد ن المصطفی وصل علی امام علی ن المرتضی وصل علی امام حسن الرضا وصل علی امام حسین الشہید بکربلا وصل علی امام علی زین العابدین وصل علی امام محمد ن الباقر وصل علی امام جعفر ن الصادق وصل علی امام موسی کاظم وصل علی امام علی بن موسی الرضا وصل علی امام محمد ن التقی وصل علی امام علی ن النقی وصل علی امام حسن العسکری وصل علی امام محمد ن المہدی صاحب الزمان صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سنہ ۹۸۰ھ   سنہ ۱۵۷۳ع

(۳) کتبۂ ذیل بخط نسخ نہایت خوش خط سنگ سیاہ پر کندہ ہے۔ طول و عرض ۳ × ۱ فیٹ ہے۔ یہ کتبہ ایک مزار کے سرہانے رکھا ہوا ہے۔ یہ قبر صحن مسجد مذکور کے کنارے حوض کے مقابل سیدھی جانب ہے اور پختہ بنی ہوئی ہے:-

ھو الغفور

" مولوی محمد عبداللہ صدارت خاں ابن قاضی الملک مدراسی از مکۂ معظمہ دریں جا رسیدہ

بتاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ ہجری برحمت حق پیوستند“

مسجد کلاں مومن پورہ یہ مسجد بھی قدیم ہی۔ اس کے دروازہ پر کتبہ تو ہی مگر چونے کی کئی تہ چڑھی ہوئی ہیں صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ بخط ثلث عربی کتبہ ہی لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ غالباً نواب فرامرز جنگ بہادر کو خبر نہ ہوئی ہوگی ورنہ اس کا صاف کرا دینا کچھ بڑی بات نہ تھی میں نے رائچور کے متعدد کتبے صاف کرا دیئے۔ اغلب ہی کہ یہ مسجد بھی سلاطین بہمنیہ کے عہد کی ہی اور نہایت خوش وضع اور خوب صورت اور آباد ہی۔
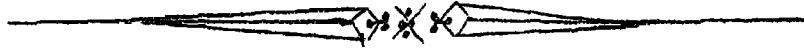
شہر گلبرگہ کے گنبد

جہاں اب دن دہاڑے رات کا چھایا ہی سناٹا — وہاں اک شور و غل تھا ایک میلہ تھا تماشہ تھا
یہ میداں جس میں دو اک پیڑ سوکھے دیکھتے ہو تم — یہی کچھ دن ہوے اک باغ جنت کا نمونہ تھا
نہ وہ حالت رہی باقی نہ اُس حالت کو دیکھو گے — مگر اتنا کہ گویا خواب سا اک ہم نے دیکھا تھا
وہ اندھے ہیں جو سب سے پوچھتے ہیں آگے کیا ہوگا — مبصّر دیکھتے ہیں آج کیا ہی اور کل کیا تھا

قلعہ اور اُس کی متعلقہ عمارات کے بعد سب سے زیادہ قابل دید اور مہتم بالشان عمارات اُن گنبدوں کی ہیں جو سلاطین بہمنیہ اور علماء و فضلاء دربار بہمنیہ کے ہیں جن کے ذکر علی سبیل الاختصار ذیل میں کیے جاتے ہیں۔

ہفت گنبد یہ گنبد بلحاظ رفعت و عظمت دکن کی منتخب عمارات میں ہیں۔ ایک ہی سلسلہ میں سات گنبد شہر گلبرگہ کے مشرق میں قلعہ سے ایک میل کے فاصلے پر ایک بہت وسیع اور مرتفع چبوترے پر سر بفلک کھڑے ہیں۔ یہ گنبد حضرت خواجہ بندہ نواز کے تالاب کے مغربی کنٹے پر ہیں۔ کچھ دنوں پیشتر اس چبوترے کو توڑ کر بیچ میں سے ایک چوڑا راستہ شرقاً اور غرباً نکال دیا ہی جس سے اس چبوترے کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ اب دو جوڑواں گنبد شمالی چبوترے پر ہیں اور پانچ جنوبی پر۔ جنوبی چبوترے کا طول شرقاً غرباً (۶۰۰) فیٹ اور عرض شمالاً جنوباً (۱۲۷) فیٹ ہی۔ چبوترہ تالاب کی طرف (۲۵) اور غرب میں (۵) فیٹ بلند ہی۔

گنبد نمبر ۱ جنوبی چبوترے کے غرب میں لبتی سے ملا ہوا ہی۔ مربع چار دیواری پر بنا ہوا ہی۔ اس کی ہر طرف کی دیوار کا طول (۶۰) فیٹ ہی اور دور (۲۴۰) فیٹ ہی۔ چبوترے سے کلس تک (۶۰) فٹ کی بلندی ہی۔ اس گنبد میں پانچ قبریں ہیں جو سب کی سب خراب و خستہ پڑی ہیں۔ گنبد میں تین طرف دروازے ہیں صرف مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہی۔ کتبہ کوئی نہیں ہی البتہ چھت میں بہت بلندی پر کچھ سورتیں کلام اللہ کی بے شمار نقش و نگار میں لکھی ہوئی ہیں جہاں نگاہ کام نہیں کرتی۔ قحط کے زمانے میں سارے قحط زدہ ان گنبدوں میں تھے اُن کے کھانے

کھانے پکانے کے دھوئیں سے دیواریں کالی ہوگئی ہیں اور نقش و نگار سب غارت ہوگئے۔ ۱۳۱۷ھ میں اعلیٰ حضرت غفراں مکاں کی رونق افروزی کے وقت آہک پاشی کی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ گنبد اپنا نورانی چہرہ دور سے لوگوں کو دکھلا کر آنکھوں کو روشنی بخشتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مجاہد شاہ کو داؤد خاں نے بیجانگر سے گلبرگہ آتے ہوئے قتل کر ڈالا تو اُس کی نعش کو قدیم ہڑواڑ میں نہ لے جا کر اُسی مقام پر دفن کر دیا۔ مجاہد شاہ کی بہن روح پرور آغا نے بعد میں یہ عالی شان گنبد اپنے بھائی کی قبر پر بنوایا اور خود بھی مع اپنی بھاوج کے اسی میں آسودہ ہیں ؎

اگر نکلے تو یہ اپنے رفیقانِ عدم نکلے
گئے ہیں ہیچ و غم اے داغ بعدِ مرگ ساتھ اپنے

گنبد نمبر ۲ عرض و طول اور بلندی میں بالکل گنبد نمبر (۱) کے برابر ہے اور پہلے گنبد کے مشرق میں ہے۔ دروازے بھی تین طرف ہیں مغرب کی طرف ندارد۔ اندر بیچوں بیچ میں اب صرف ایک قبر باقی ہے۔ جو محمد سنجر بن داؤد شاہ کی ہے جس کو تیرہ سال کی عمر میں نکھول کر کے قتل کر دیا گیا تھا ؎

فروغِ چشمِ اخوت اب انجمن میں نہیں
نشانِ اہلِ وفا نام کو وطن میں نہیں
اڑا کے بادِ خزاں لے گئی کہاں ہیہات
کہ گل تو کیا کوئی کانٹا بھی اب چمن میں نہیں

گنبد نمبر ۳ نمبر ۲ کی مشرقی سمت سے ملا ہوا ہے اور عرض و طول وہی ہے جو ہم اوپر لکھ آئے۔ گویا ایک ہی کینڈے کے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد نمبر ۲ کا مشرقی دروازہ اس گنبد سے ملا ہوا ہے۔ چار قبریں موجود ہیں۔ ایک مٹ رہی ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں جن میں سے مغربی دروازہ گنبد نمبر ۲ سے ملحق ہے۔ اس میں داؤد شاہ بن حسن گانگوی مع اپنی بیویوں کے میٹھی نیند سو رہا ہے ؎

قصرِ عالی شان بنواؤ مگر اے منعمو
گوشۂ تاریک مرقد کو نہ بھولو اک ذرا

گنبد نمبر ۴ و ۵ دونوں جوڑواں ہیں اور اسی چبوترے پر گنبد نمبر ۳ سے (۱۴۲۳) فیٹ کے فصل سے مشرق کی طرف واقع ہیں۔ ان دونوں گنبدوں کی آن بان کا اور کوئی گنبد نہیں ہے۔ یہ دونوں گنبد بہترین نمونہ انسانی حرفت و صنعت کا ہیں۔ ان کا عرض و طول چھپتر چھپتر فیٹ ہے اور بلندی بھی اسی قدر ہے۔ ان گنبدوں کی بیرونی دیواروں پر پانچ پانچ عظیم الشان خوب صورت محرابیں بنی ہوئی ہیں جن میں سے شمالی اور جنوبی رُخ پر بیچ کی محرابوں میں دروازے ہیں۔ دروازوں پر ایک گز عریض سائباں تھا جو گر گیا۔ ان پانچوں محرابوں کے اوپر چو طرف اور پانچ پانچ محرابیں

رکھی گئی ہیں جن سے رفعت اور بلندی دو بالا ہوگئی ہے۔ ان بالائی محرابوں پر نہایت خوب صورت ایک گز بلند جنگلا بنایا گیا ہے اور چھوٹی چھوٹی برجیاں نکالی گئی ہیں۔ گنبد نمبر ۴ میں اب صرف ایک قبر باقی ہے لیکن قرینہ دال ہے کہ اور قبریں بھی تھیں جو لوگوں کے ہاتھ سے نیست و نابود ہوگئیں گنبد نمبر ۵ میں تو ایک قبر بھی نہ چھوڑی صفایا کر دیا۔ ہائے افسوس کہ ان گنبدوں میں وہ لوگ مدفون ہیں جن کے سروں پر چتر شاہی سایہ فگن تھا اور جن کے زیر نگیں ملک دکن تھا۔ آج ان کی قبروں کا نشان تک بھی باقی نہیں اور بالیقین نہیں کہہ سکتے کہ یہاں کون آسودہ ہیں قیاس چاہتا ہے کہ فیروز شاہ بہمنی کے خاندان کے لوگ ہوں گے۔

حاجت نہیں ہے گور غریباں کو سایہ کی　　　بہتر ہے آسمان سے بھی شامیانہ کیا

گنبد نمبر ۴ سادہ ہے جس کی سادگی پر لاکھ بناؤ قربان۔ گنبد نمبر ۵ البتہ نقش و نگار سے مرصع ہے۔ اس کے اندر چاروں طرف تین تین محرابیں نہایت نفیس بنی ہوئی ہیں اور ایسی ایسی جالیاں پتھروں میں کاٹی ہیں کہ پتھر کو موم کر دیا ہے۔ ان محرابوں کے اوپر ایک فٹ چوڑی بیل پتھر میں کھود دی گئی ہے جو گنبد کے چاروں طرف دوڑ گئی ہے۔ اس بیل میں قرآن پاک کی سورتیں مثل آیۃ الکرسی۔ چاروں قل۔ سورۂ اخلاص۔ فاتحہ وغیرہ منقوش ہیں اور اسی طرح اوپر تک سلسلہ چلا گیا ہے۔ غرض اس گنبد کی عمارت اُن تمام بے نظیر اسلامی عمارتوں میں کی ایک ہے جو اسلام کی جبروت اور اُس کے بانیوں کی عظمت اور سطوت کا دائمی ثبوت ہے۔ اس گنبد کو خاص طور پر آراستہ کرنے سے ظن غالب ہے کہ فیروز شاہ بہمنی اسی گنبد میں مدفون ہوگا جس کی سلطنت سنہ ۸۰۰ھ سے ۸۲۵ھ تک تھی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کے بے شمار محل تھے چنانچہ اس بادشاہ نے حسب ایماے میر فضل اللہ انجو تلمیذ حضرت ملا سعد الدین تفتازانی ایک شب میں آٹھ سو عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ حسن گانگوی کی اولاد میں سوائے فیروز شاہ کے اور کوئی مسئلہ متعہ کا قائل نہ تھا۔ ان دونوں گنبدوں میں زمانۂ دراز تک ضلع اور صوبہ داری کی کچہریاں تھیں۔ نواب یار جنگ بہادر ہی ایسے باحمیت مسلمان تھے کہ اُنھوں نے جداگانہ کچہریاں بنوا کر ان مقامات متبرک کو اس بے حرمتی سے نجات دلائی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

گنبد نمبر ۶ شمالی چبوترے پر ہے سات فیٹ مربع ہے۔ تین دروازے ہیں۔ سات فیٹ بلند ہے اندر تین قبریں ہیں وہ بھی خستہ۔ باوجودیکہ لاکھوں روپیہ کی طیاری کی عمارت ہے مگر زمانے کی حالت

دیکھئے کہ آج باوجود کوشش کے بھی ہم پتہ نہ لگا سکے کہ کس کا گنبد ہے ؂

گلشن جنت کو مرغ جاں روانہ ہوگیا اُڑ گیا بلبل تو ویراں آشیانہ ہوگیا

گنبد نمبر ۷ گنبد نمبر ۶ کے مغرب میں صرف اٹھارہ فیٹ کے فصل سے واقع ہے۔ عرض و طول مثل گنبد نمبر ۶ کے ہے۔ اندر صرف ایک قبر ہے۔ گنبد نمبر ۷ میں سلطان غیاث الدین (مکحول) بن محمود شاہ بہمنی اور اُس کے متعلقین کی قبریں ہیں۔ اس گنبد کا طول و عرض ۱۶۳×۸۱ فیٹ ہے۔

ان سات گنبدوں کے علاوہ اور دو گنبد بھی ہیں۔ جن میں سے ایک گنبد نمبر (۵) کے جنوبی دروازے کے محاذی ہے۔ یہہ (۴۸) فیٹ مربع اور (۴۸) فیٹ اونچا ہے۔ اس کے بھی تین دروازے ہیں مگر قبر ندارد۔ دوسرا گنبد جنوبی چبوترے کے نیچے تالاب کے کنارے گنبد نمبر ۵ کے مشرقی جانب پچاس فٹ کے فاصلے سے ہے۔ ۴۸ فٹ مربع اور تین دروازے ہیں اور دو قبریں جن پر ایک کاشتکار صاحب مسلّط ہیں ؂

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ پردہ پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

چور گنبد پرانی عیدگاہ کے شمال و مغرب کے کونے پر ایک ٹیکری پر یہہ عالی شان گنبد بنا ہوا ہے۔ جس کے گرداگرد سنگین فرش دور تک پھیلا ہوا ہے جس کے چاروں طرف ایک مربع چار دیواری ہونے کی علامت ہے۔ یہ گنبد دور سے نظر آتا ہے اور قابل دید عمارت ہے۔ وجہ تسمیہ یہہ کہی جاتی ہے کہ بستی سے دور جنگل بیابان میں واقع ہے اس میں چور پناہ گزیں تھے دوسری وجہ یہہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی بالائی سیڑھیوں پر اندھیر گھپ ہے۔ اور مختلف چور راستے ہونے سے انسان راستہ بھول جاتا ہے اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ قلعہ سے اس گنبد تک چور راستہ ہے چنانچہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جب فیروز خاں اور احمد خاں دونوں بھائی یکایک قلعہ کے اندر گھس آئے تو شمس الدین بادشاہ اسی چور راستے سے بھاگنے کے لئے تہ خانے میں گھسنا چاہتا تھا کہ اُسے پکڑ کر مکحول کر دیا۔ اس گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے۔ نواب فرامرز جنگ بہادر اول تعلقہ دار نے اس کو تفرج گاہ بنانا چاہا تھا مگر کھودنے میں کچھ قبریں نکلیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دفن تھے لہذا اس ارادے سے باز رہے۔ اُس زمانے میں بڑے بڑے تجار گنبد بنا کر طیار رکھتے تھے جب کوئی امیر مرتا تھا تو

بنے بنائے گنبد کو خرید لیا جاتا تھا۔ بعض گنبد جو قبروں سے خالی رہ گئے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ کام نہ آئے۔

سدّی عنبر کا گنبد دروازۂ پائیں روضۂ بزرگ کے قریب سدّی عنبر کا بنایا ہوا ایک خوش نما گنبد ہے۔ یہ وہی سدّی عنبر ہے جو دولت نظام شاہیہ احمد نگر کا رکن اعظم ہو گزرا ہے۔ اس نے سلطنت نظام شاہیہ سیاہ مغل کے آسیب سے محفوظ رکھا اور یہ حبشی نژاد قطب شاہی اور عادل شاہی کے اکثر مقبوضات پر قابض تھا اور ملک صندل خواجہ سرا کا ہم عصر بھی تھا۔ اس سے اور نظام شاہ سے کئی لڑائیاں ہوئیں مگر ۱۰۱۶ھ میں عادل شاہ کے کہنے سے فی مابین صفائی ہو گئی۔ غرض کہ مرتضیٰ نظام شاہ کے زمانے میں بھی عنبر حبشی سارے امور سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ اس گنبد میں سدّی عنبر کی قبر نہیں ہے[۱]۔ گنبد کے دروازے کی پیشانی پر کتبۂ ذیل سنگ سیاہ پر بہ خط نسخ نہایت جلی حرفوں میں کندہ ہے۔ پتھر کا طول ۴ ½ اور عرض دو فیٹ ہے۔ ع چہ خوش دید گنبد بنا کرد عنبر

۱۰۰۸ھ

اس پتھر کا حاشیہ نہایت خوش نما بیل بوٹوں سے آراستہ ہے اور بیچ میں مصرعہ بالا لکھا ہوا ہے حقیقت میں گلبرگہ بھر میں کوئی کتبہ اس سے بہتر نہیں ہے ؂

وہی نشو و نمائے سبزہ ہے گور غریباں پر ہوائے چرخ زنگاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

زنانہ مقبرہ روضۂ خورد اور کالے گنبد کے عقب میں ایک وسیع مقبرہ ہے جس میں سو سوا سو زنانی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر کی سیدھی جانب مشرق رویہ دیوار پر یہ کتبہ ہے۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وفات مرحومہ مغفورہ بتاریخ غرۂ ربیع الاول ۱۰۸۰ھ اولا د ندیم بارگاہ جناب خواجہ عبد اللہ انصاری نور اللہ مرقدہا ؂

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

---

[۱] - گنبد اور قبر سدی عنبر کی خلد آباد میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلبرگہ میں بھی احتیاطاً اپنے نام کا ایک گنبد بنوا لیا تھا مگر مٹی خلد آباد کی تھی وہیں پیوند خاک ہوا ؂

دو چیز آدمی را کشد زور زور یکے آب و دانہ دوم خاک گور

کتبۂ چوکھنڈی حضرت جہاں گیر صاحب قادری سنہ ۸۱۴ھ	سنگ سیاہ پر بخط ثلث نہایت خوش خط اور واضح ہے۔ اب جامع مسجد قلعہ کے محاذی حضرت جہاں گیر صاحب قادری کی درگاہ کی چوکھنڈی کے باہر زمین پر رکھا ہوا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ هٰذَا قَبْرُ مُبَارَكٍ فِي الْمَغْفُوْرِ الْمَرْحُوْمِ حَاجِي

مَحْمُوْد بِن حَاجِي حُسَيْن لَاهِيجَانِي سَنَه اَرْبَع عَشَر وَثَمَانمَائَة

۸۱۴ھ (مطابق سنہ ۱۴۱۱ء)

ملک سیف الدین غوری کا مزار فرمان تالاب کے پاس ملک سیف الدین غوری کی مسجد کے پیچھے اسمٰعیل مخ اور اُس کی بیوی کی دو قبریں سنگ سیاہ کی بالکل خستہ حالت میں ہیں جن کی حسرت ناک حالت دیکھ کر وہ زمانہ یاد آتا ہے کہ جب اسمٰعیل نے تاج شاہی پہنا تھا اور تمام ملک دکن گجرات اور خاندیس کے امرا اس کی طرف سے محمد تغلق جیسے زبردست شہنشاہ سے لڑے تھے۔ آہ افسوس کہ آج اُس کی نہایت خوب صورت اور پختہ قبر حوادث زمانہ سے پامال ہے۔

اسمٰعیل مخ کا مزار اسمٰعیل مخ کی قبر سے مغرب کی طرف فرمان تالاب کا کھنڈر رہ گیا اور اسی تالاب کے مغربی جانب ایک بلند چبوترے پر سلاطین علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کا مزار ہے جس پر ایک نہایت خوش نما گنبد بنا ہوا ہے۔ جو مربع ہے اور عرض و طول ۳۰ ½ فیٹ اور کلس تک بلندی بھی اسی قدر ہے۔ اس کے تین دروازے ہیں صرف مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ گنبد کی چھت میں چینی کا کام ہے جس میں بہت بڑی نقاشی اور صنعت دکھلائی گئی ہے انواع و اقسام کے بیل بوٹے اور گل کاری دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ قبہ کے اندر سب سے بلند مقام پر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس گنبد میں تین قبریں ہیں۔ بادشاہ کی قبر سنگ سیاہ کی نہایت ہی خوش وضع اور خوب صورت بنائی گئی ہے جو فرش زمین سے چار فیٹ بلند ہے۔ اس کے

پہلو میں اس کی پیاری بی بی ملکہ جہاں آسودہ ہے - تیسری قبر جو بالکل شکستہ ہے خبر نہیں کہ کس کی ہے قیاس چاہتا ہے کہ کسی عزیز قریب کی ہوگی - حسن کا مقبرہ اُس کے بیٹے محمد شاہ بہمنی نے بنوایا اور دوسو حافظ تلاوت کلام مجید کیا کرتے تھے آج کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں ؎

فاتحہ مرقدِ ویراں پہ بھی پڑھتے جانا اُن سے کہہ دو جو ہیں اس در سے گزرنے والے

سلطان علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کا گنبد حسن کے گنبد کے مشرقی دروازے کے محاذی ایک چبوترے پر صدر اعظم ملک نایب سیف الدین غوری کی پختہ قبر ہے مگر اب مرمت طلب ہے - اس چبوترے پر اور بھی کچھ قبریں ہیں جن کے نام آج کون بتلا سکتا ہے -

سلطان محمد شاہ بہمنی کا گنبد حسن کے گنبد کے مغرب میں کوئی سوگز کے فاصلہ سے اُسی وضع کا ایک دوسرا عالی شان گنبد حسن کے بیٹے سلطان محمد شاہ بہمنی کا ہے - گنبد مربع ہے جس کا عرض و طول اور بلندی چالیس فیٹ ہے جو ایک خوش نما چبوترے پر بنا ہوا ہے - تین طرف دروازے ہیں مغرب کی طرف بند ہے - اس کی چھت میں بھی رنگ آمیزی اور گلکاری بیل بوٹوں کی بے نظیر صنعت ہے - اس میں دو قبریں تھیں - ظالموں نے مردوں کو بھی ستایا اور ان کے تعویذ اُکھیڑ کر ایک کونے میں ڈال دئے - افسوس یہہ اُس شہنشاہ عجم جاہ کی قبر ہے جس کا نام سلطان المعظم قہرمان المکرم ابی المظفر سلطان محمد شاہ بہمنی بن سلطان حسن گانگوی سکوں میں کھودا جاتا اور خطبوں میں پڑھا جاتا تھا آج اُس کی اور اُس کی زوجہ مکرمہ ملکہ جہاں بادشاہ بیگم (جو صدر اعظم ملک سیف الدین غوری کی دختر نیک اختر تھی) کی قبریں بھی صحیح سلامت نہ رہیں مگر اب بھی کچھ نہیں گیا تمام پتھر گنبد میں موجود ہیں اگر حکام مقامی ذرا توجہ فرمائیں تو پھر صدہا سال کے لئے یہہ اسلامی یادگار مستحکم ہو جاتی ہے - اور سیاحوں کو اپنا پر حسرت اور عبرت خیز منظر دکھلانے کے لئے قایم رہ سکتی ہے ؎

رہنے والے ہیں یہہ نادان کہ جانے والے خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

اس گنبد کی مغربی دیوار کے سامنے ایک دیوار باقی ہے جس میں محرابیں ہونے سے مسجد کی معلوم دیتی ہے - اس کے صحن میں قبرستان تھا جو اب قریب قریب معدوم ہو گیا ہے اور ٹوٹی پھوٹی چند قبریں اب بھی دکھلائی دیتی ہیں غالباً یہہ ساری قبریں محمد شاہ کے خاندان اور امرا کی ہوں گی جو گنبد کے باہر

دفن کئے گئے۔

ہیرا پور یہ قریہ گویا شہر گلبرگہ کا ایک محلّہ ہے جو گلبرگہ سے دو میل ہے اب اس موضع میں یارچہ بافی کی ''محبوب شاہی مل'' ہے جو گلبرگہ سے شولاپور جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر ریل کی سڑک پر سے صاف نظر آتا ہے حصار نواب باقی نہیں صرف ایک دروازہ کھڑا ہے۔ ایک چھوٹی سی ایک دری مسجد ہے باقی سکرنی کی عمارات ہیں۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی جب ۹۸۹ھ میں مع اپنی والدہ چاند سلطانہ کے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی زیارت کے لئے آیا تھا تو چاند بی بی نے ایک باغ اور باؤلی تعمیر کرائی تھی۔

باغ اور باؤلی کا کتبہ ۹۹۴ھ کتابہ ذیل ہیرا پور تعلقہ گلبرگہ کی بڑی باؤلی اور اس کے ایک باغ کے متعلق ہے جو حضرت خواجہ بندہ نواز حسینی قدس سرہ کی خدمت میں بطور نذر پیشکش کیا گیا تھا اور سیڑھیوں کے پاس بجانب جپ ایک دیوار میں ذرا بلندی پر لگا ہوا ہے۔ جس کا طول سوا گز اور عرض نصف گز ہے۔ اس کی عبارت بخط النسخ سنگِ سیاہ پر کندہ ہے جو نہ زیادہ جلی ہے اور نہ بہت خفی۔ خط معمولی ہے اکثر الفاظ بغیر غور و فکر کے پڑھے نہیں جا سکتے مزید برآں کہیں کہیں پر فرسودگی نے حک و محو کا قلم بھی پھیر دیا ہے اس کی تحتانی سطر نہایت ہی گنجان ہے اور کنگی جا بجا سے اس کو چاٹ گئی ہے۔ واضح ہو کہ یہ کتابہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے زمانہ کا ہے۔ چوں کہ سلطان علی عادل شاہ کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے اُس نے اپنے بھائی طہماسپ کے بیٹے ابراہیم عادل شاہ ثانی کو ۹۸۷ھ م ۱۵۷۹ء میں اپنا ولی عہد بنایا۔ جب یہ پادشاہ علی عادل شاہ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا ہے تو اُس وقت اُس کی عمر نو برس کچھ مہینوں سے زیادہ نہ تھی۔ چاند بی بی زوجۂ علی عادل شاہ اور کامل خاں کو امور سلطنت میں کامل اقتدارات حاصل تھے۔

کتبہ

حضرت نواب کامیاب گردوں اقتدار ہمایوں ارفع اقدس اعلی ابراہیم عادل شاہ خلّد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ توجہ بزیارت حضرت قطب الاقطاب شہباز سرافراز مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہ فرمودہ من ثالث شہر محرم الحرام ۹۸۹ھ مع عساکرہ مظفر و منصور

دریں بقعہ منزل فرمودند و حضرت علیا زماں مخدومہ جہاں والدۂ نواب فلک اقتدار وسعت شعار وہدایت آثار نظر فرمودند چشمۂ آب وباغ باشجار اثمار بنا فرمودند فی التاریخ از شہر محرم الحرام شہور سنہ ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) مِنْ ہِجْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یارب ایں آثار درگاہ را الیٰ یوم القیام بحرمۃ النبی علیہ السلام نگاہ دار ادبمنّہٖ وکرمہٖ آمین۔

پائیں باغ کا کتبہ سنہ ۹۹۴ھ کتابہ ذیل ہیراپور میں ایک شکستہ دیوار پر رکھا ہوا ہے اور عادل آباد کے ایک مکان واقع پائیں باغ کے متعلق ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہی باغ ہے جس کا ذکر کتابہ مافوق میں ہو چکا ہے اور شاید اس مقام کو پہلے عادل آباد کہتے تھے اور سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اس کو بسایا تھا چنانچہ دونوں کتابوں کا ایک ہی سنہ ہے۔ یہ کتابہ اگرچہ سنگ سیاہ کا ہے مگر اس وقت گردش زمانہ نے اس کا وہ رنگ و روپ باقی نہیں رکھا اس کی عبارت بخط نسخ بہت باریک اور نہایت گنجان کندہ ہے اور بدقت پڑھی جاتی ہے۔

"بنا نمودن بیت عادل آباد دیگخانہ داخل باغ در پائین در عہد سلطان عادل شاہ غازی بموجب امر خدمت گاری نمود باباجی المخاطب ضابطخاں نائب غلیبت شہر احسنا آباد شہور سنہ اربع وتسعین وتسعمائۃ ہجریہ۔

سنہ ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء)

کتبہ بر قبر متصل لنگر خانہ کتابہ ذیل سنگ سیاہ پر بخط ثلث کندہ ہو کر ایک مزار کے سرہانے نصب کیا گیا ہے یہ پتھر طول میں تین فیٹ اور عرض میں دو فیٹ ہے۔ اس پتھر کے دو نو رُخ کندہ ہیں۔ باہر کی طرف ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے اسماء مبارک مرقوم ہیں جن کو سر بالیں کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس پتھر پر کوئی سنہ نہیں ہے اور نہ اس کے دیکھنے سے صاحب قبر کا کچھ پتہ چلتا ہے یہ قبر عقب لنگر خانہ روضۂ بزرگ و جانب دروازہ بائیں رخ واقع ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلِیِّ نِ الْمُرْتَضٰی وَالْحَسَنِ الْمُجْتَبٰی وَالْحُسَیْنِ الشَّہِیْدِ بِکَرْبَلَا وَعَلِیِّ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ وَمُحَمَّدِنِ الْبَاقِرِ وَجَعْفَرِ نِ الصَّادِقِ وَمُوْسَی الْکَاظِمِ وَعَلِیِّ ابْنِ مُوْسَی الرِّضَا وَمُحَمَّدِ نِ التَّقِیِّ وَعَلِیِّ نِ النَّقِیِّ وَالْحَسَنِ الْعَسْکَرِیِّ وَالْخَلِیْفَۃِ الْمَھْدِیِّ مُحَمَّدِ صَاحِبِ الزَّمَانِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

اِس پتھر کے دوسرے رُخ پر اندر کی طرف ایک شعر بہ خط ثلث کندہ ہی جو بغیر بائیں قبر کھڑے ہونے کے نہیں پڑھا جاسکتا اس کے حروف کہیں کہیں سے مٹ بھی گئے ہیں اس میں بھی کوئی سنہ یا صاحب مرقد کا کچھ پتہ نہیں ملتا ہی۔ اس مزار کے بازو ایک اور قبر ہی جس کا تعویذ بالکل سنگ سیاہ کا بنا ہوا ہی۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہی کہ یہ کوئی صاحب مقام سید صحیح النسب ہیں ؎

مقصود رخ نتافت زدرگاہ اہل بیت　　معلوم شد کہ قبلۂ مقصود ایں دراست
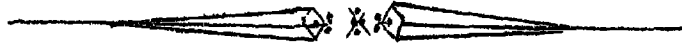
تذکرہ اولیاے کرام و بزرگان عظام گلبرگہ شریف

خاصان خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جدا نباشند

سید شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ سنہ ۶۸۰ھ قلعہ کی مشرقی خندق اور صدر محبس کے درمیان جگت کے تالاب کے شمالی کنٹے پر آپ کا مزار ہے۔ آپ دکن کے اولیاے متقدمین میں سے ہیں۔ آپ حضرت خوندمیر حسینی دہلوی کے فرزند ہیں۔ آپ کا نسب حضرت امام محمد تقی پر منتہی ہوتا ہے۔ اپنے والد ماجد کے خلیفہ تھے اُن کی رحلت کے بعد آپ دکن میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ صرف آپ کے ہمشیرہ زادے تھے جن کا مزار فرمان تالاب کے متصل ہے جس وقت حضرت گلبرگہ تشریف لائے راجہ کشن راج کا دورہ ختم ہوکر راجہ ہوناگندی مسلّط تھا۔ آپ ہمیشہ جذبے میں رہتے تھے اور دونوں کندھوں پر دو برہنہ تلواریں لٹکی رہتی تھیں۔ آپ بڑے کامل ولی تھے۔ آپ کا وصال ۲۷ ربیع الاول سنہ ۶۸۰ھ میں ہوا۔ مادۂ تاریخ وفات "خلد ولی" ہے۔

حضرت شیخ سعد زنجانی سنہ ۷۲۹ھ پُرانی عیدگاہ کے شمال میں ایک چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ نصیر الدین اودھی چراغ دہلوی کے پیر بھائی ہیں۔ اپنے مرشد کے وصال کے بعد سنہ ۷۲۵ھ میں دہلی سے روانہ ہوکر گجرات اور دیگر مقامات میں ٹھیرتے ہوئے سنہ ۷۲۹ھ میں گلبرگہ تشریف لائے۔ اِن دونوں حضرات میں بہت میل ملاپ تھا۔ آپ کا وصال سنہ ۷۴۷ھ میں ہوا۔ حضرت بندہ نواز مدّۃ العمر ہر جمعرات کو آپ کے مزار پر فاتحہ خوانی کو جایا کرتے تھے۔ حضرت کی اولاد موضع کنتن پلی تعلقہ سیڑم[1] میں موجود ہے اور یہ موضع سلاطین دکن نے بطور جاگیر دیا تھا جو اَب تک بحال ہے۔

حضرت شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری سنہ ۷۳۳ھ بازار آصف گنج میں ہومن آباد کے دروازہ کی جانب راست رنگین مسجد کے قریب آپ کا مزار ہے۔ آپ کے مقبرے کے

[1] نظام سٹیٹ ریلوے کا واڑی جنکشن سے دوسرا اسٹیشن ہے ۱۲۔

قریب ایک مسجد اور شیریں پانی کی باؤلی ہے۔ آپ حضرت سید خوند میر علاء الدین جوہری دولت آبادی کے خلیفہ ہیں۔ آپ میں اور شیخ الدین گنج العلوم سے بہت خلوص و محبت تھی۔ آپ ۳۰ھ میں گلبرگہ تشریف لائے جب ہندوؤں کی حکومت تھی۔ آپ کا وصال ۲۱ شوال ۷۵۵ھ میں بعہد سلطان علاء الدین گانگوی میں ہوا۔ آپ کے مزار پر شیر آیا کرتا تھا اس سبب سے آپ کو حضرت شیخ کلّے رواں بھی کہتے ہیں۔

شیخ ضیاء الدین قتال شہید ۷۳۹ھ

آپ حضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ آپ اپنے پیر حضرت سید خوند میر علاء الدین جوہری کی خدمت میں شب و روز حاضر باش رہتے تھے۔ ایک دن کسی فقیر نے آپ کو دھوکے سے گانجہ پلا دیا جس سے سر چکرانے لگا اور قے ہوگئی جس کی چھینٹیں حضرت پیر و مرشد کی نعلین پر پڑیں۔ جب حضرت نے جوتیوں کو قے میں لتھڑا ہوا دیکھا تو بہت خفا ہو کر کہا کہ کیوں ایسی بات کی ایسا ہی ہو تو پیٹ میں پتھر بھر لینا تھا۔ شیخ صاحب کا کیف جاتا رہا اور اپنے مرشد کی خفگی سے پشیمان ہو کر ملک دکن کی راہ لی اور گلبرگہ تشریف لائے۔ ملک دکن ایک کفرستان تھا راجہ بھیرن کی حکومت تھی۔ شہر کے دروازے سے ملا ہوا ایک بڑا بت خانہ تھا جس کی پوجا بڑے اہتمام سے ہوتی تھی روزانہ ایک آدمی کی گردن دیو کے سامنے بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ آپ اسی بت خانہ کے قریب مع اپنے ہمراہیوں کے ٹھہرے۔ آپ نے دیو کو طلب کیا اور اُس سے ضروری سامان لکڑی وغیرہ منگوائی جب اُس نے سب چیزیں لادیں تو آپ نے کھانا وغیرہ پکایا اور دیو کو چھوڑ دیا۔ بت نے راجہ کے خواب میں جا کر مسلمانوں کی شکایت کی راجہ نے فوراً فقراء کو بلوا بھیجا۔ صبح کا وقت تھا آپ نماز صبح سے فارغ ہو چکے تھے اور راجہ کی طلبی کا حال آپ پر منکشف ہو چکا تھا خود بھی مع ہمراہیوں کے تشریف لے گئے۔ راجہ نے شکایت کی کہ کل شب کو تم نے ہمارے دیو کو جیسا ستایا ویسی اب سزا بھگتو۔ یہ کہتے ہی اپنے ہمراہیوں کو اشارہ کیا انھوں نے پتھر۔ لکڑی۔ تلوار۔ تفنگ سے سارے فقراء کو مار ڈالا حضرت شیخ بھی اس معرکہ میں سخت زخمی ہوئے لیکن زندہ تھے آپ نے فرمایا کہ میرا پیٹ چاک کر کے پتھر بھرو جب جان نکلے گی (یعنی مرشد کا قول پورا ہونا چاہیے) چنانچہ کفار نے ایسا ہی کیا اور آپ

کی روح پُرفتوح واصل بحق ہوئی - یہ واقعہ سنہ ۷۳۹ھ کا ہے - آپ کا مزار شریف قلعہ کے اس طرف عیدگاہ کے راستے میں فرمان تالاب کے متصل ہے - آپ کی قبر ایک چبوترے پر ہے - آپ کی سیدھی طرف آپ کی والدہ ماجدہ اور بائیں جانب آپ کے بھائی کا مزار ہے -

حضرت شیخ سراج الدین جنیدی سنہ ۷۸۱ھ

محلہ شاہ بازار کے غربی جانب قطب الانام غوث اسلام رکن الحق والدین بندگی مخدوم حضرت شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہٗ کا روضۂ مبارک ہے - آپ کا گنبد اور عالی شان دروازہ اور اُس کے دونوں جانب کے دو بلند منیارے یوسف عادل شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں - گنبد کے دروازے پر یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

مرجع اہل اسلام صاحب نگین و تاج　　　قطب دوراں ابن محمد سراج

کل مصرع سے تاریخ وفات سنہ ۷۸۱ھ نکلتی ہے اور لفظ قطب سے سن شریف (۱۱۱) اور دوران ابن محمد سراج سے سنہ ۶۷۰ھ سال ولادت نکلتا ہے -

آپ جناب سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ کی اولاد سے ہیں جن کا نسب گرامی حضرت سلم بن عبدالمناف جدّ آں حضرت صلعم تک پونچتا ہے - آپ کی والدہ ماجدہ بی بی مسطورہ بنت سلطان عبداللہ قنشوری (پشاوری) تھیں - آپ کے والد ماجد ابو المظفر محمد سراج الدین بغداد سے قنشور پونچے تو عبداللہ بادشاہ قنشور کے فرزند نے آپ سے ملاقات کی اور اپنی بہن سے نکاح کر دیا - جن سے چار فرزند ہوئے - آپ کا اصلی نام شیخ محمد رکن الدین ہے لیکن آپ اپنے باپ کے ہی نام سے مشہور ہوئے - آپ کی ولادت سنہ ۶۷۰ھ میں ہوئی - آپ بہت کم سن تھے جب باپ کا سایہ اُٹھ گیا - آپ کو آپ کے ماموں سلطان قنشور نے پرورش کی - جب آپ سن شعور کو پونچے تو تلاش مرشد میں سنہ ۷۰۰ھ دولت آباد تشریف لائے اور حضرت سید السادات مدار العلوم بندگی مخدوم سید خوند میر علاء الدین جوہری سے بیعت کی اور خلافت لے کر دہلی گئے آپ کے مرشد ولی اور قطب تھے - حضرت قوام الدین محمود رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے - طریقہ میں مجتہد الوقت تھے - دکن میں آپ کے تین خلیفہ آئے تھے اُن میں ایک آپ تھے آپ کا وصال یوم جمعہ ۲۸ شعبان سنہ ۷۴۳ھ میں ہوا اور دولت آباد میں مدفون ہیں اور ایک روایت

یہ ہے کہ آپ کا تابوت آپ کے فرزند دہلی لے گئے۔ دہلی میں سلطان غیاث الدین تغلق آپ کا بہت معتقد ہو گیا اور ہر بات میں آپ کی رائے پر کار بند ہوتا تھا۔ امرار و ارکان دولت کو یہ امر ناگوار ہوا اور کسی طرح آپ کو ٹالنا چاہتے تھے۔ ورنگل کے راجہ پرتاب ردر نے شاہی فوج کو شکست دی تھی۔ اس لئے ایک دوسری مہم بسرکردگی شہزادہ الغ خاں اُس کی سرکوبی کو بھیجے جا رہے تھے آپ کو بھی اس خیال سے ساتھ کر دیا کہ آپ کے قدموں کی برکت سے لشکر اسلام کی فتح ہو گی آپ تشریف لے گئے اور خدا کی شان کہ لشکر اسلام کی پوری فتح ہوئی۔ اس کامیابی کا الٹا اثر بادشاہ پر ہوا وہ ڈرا کہ جب ان میں اس قدر قدرت ہے کہ راجہ ورنگل کو شکست دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میری سلطنت بھی کسی دن چھین لیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام خلایق آپ کی گرویدہ تھی ممکن نہ تھا کہ آپ کو کھلے خزانے نکال دیتے تب وزیر نے یہ چال چلی کہ آپ سے کہا کہ آپ جب دربار میں آئیں تو منہ پر نقاب ڈال کر آیا کریں کہ حرم شاہی مدنظر ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب ایسا ہے تو میں نہ آؤں گا اور آپ دولت آباد کے قصد سے نکلے۔ راستے میں آپ کے بڑے بھائی سالار عثمان نے ۱۷ رمضان ۷۲۳ھ کو لکھنؤ میں انتقال کیا اور آپ کے منجھلے بھائی شیخ احمد صلاح الدین ملک بنگالہ کو ترویج اسلام کے لئے چلے گئے اور بعد چھ سال کے ۹ رجب ۷۲۹ھ کو وہیں قضا کی اور آپ کے سنجھلے بھائی شیخ تاج الدین آپ کے ہمراہ رہے۔ چند سال دولت آباد میں رہنے کے بعد آپ کو دکن جانے کی بشارت ہوئی اور آپ دریا کے کنارے موضع کوڑچی میں تشریف لائے آپ چلتے چلتے بیجاپور پونہچے وہاں آپ کی والدہ ماجدہ نے ۱۲ شعبان ۷۳۰ھ انتقال فرمایا اور آپ کو ابوالحسن وزیر کے مکان میں دفن کیا اور آپ لب دریائے کشنا موضع کوڑچی آئے۔ اس موضع سے دو ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک گھنا املی بن ہے وہیں حضرت ٹھیرے گئے۔ کوڑچی برہمنوں کی بستی ہے جہاں ہندوؤں کا ایک بڑا دیول ہے یہاں اور دیگر مواضع متصلہ راجہ پور۔ جکوری اور کوتلی وغیرہ میں آپ کی کشف و کرامات کی بدولت اسلام نے بے انتہا ترقی کی اور بت پرستی نیست و نابود ہو گئی۔ آپ تین گھنٹے رات رہے بیدار ہوتے تھے اور غسل فرما کر نماز تہجد ادا کرتے تھے اور بعد ورد و وظائف و ذکر و اشغال نماز صبح سے فارغ ہو کر مراقبہ و مکاشفہ میں مستغرق رہتے تھے۔ ان ہی دنوں میں سلطان

علاوالدین حسن گانگوی کی والدہ اشرف جہاں جن کو لوگ ماں صاحب کہا کرتے تھے کچھ گھر کے جھگڑوں سے تنگ آکر وطن چھوڑ کر موضع سرگور میں جو کوڑچی کے پاس ہی آن رہی تھیں۔ انھوں نے جو شہرہ حضرت کا سنا اپنے بیٹے علاءالدین اور دونوں بیٹیوں اور بہو کو لے کر کوڑچی چلی آئیں اور سب کے سب حضرت کے مرید ہو گئے۔ حضرت کے خدام میں مولانا قاصان اور محمد لاغری دونوں بھائی شہر قشور سے آپ کے ساتھ آئے تھے آپ ان دونوں کو بہت چاہتے تھے آپ نے ان کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی لیکن یہ لوگ بہت خستہ حال تھے سر چھپانے کے لیئے مکان تک نہ تھا۔ ایک دن موضع کوڑچی کا پٹواری گانگو پنڈت مع سرآوردگان موضع حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ نجوم سے معلوم ہوا کہ اس سال بالکل بارش نہ ہوگی آپ دعا کیجیے کہ قحط کی مصیبت دفع ہو۔ آپ نے فرمایا کہ قاصان کے رہنے کے لیئے تو کوئی مکان ہی نہیں ہے اگر بارش ہو تو وہ کہاں جائیں گے۔ تم لوگ پہلے اُن کا ٹھکانا کرو اور ایک مسجد بنا دو تو بفضل خدا بارش ہو جاوے گی حضرت کا اتنا ارشاد ہوتے ہی ساری بستی ٹوٹ پڑی اور گانگوجی نے مکان اور مسجد بنانا شروع کر دیا۔

تذکرۃ الملوک میں لکھا ہے کہ حضرت نے گانگوجی سے کہا کہ اجی مسجد تو تم بنوا رہے ہو مگر ہندو مسجد کا بنانا کیا جانیں کیوں نہیں تم علاءالدین کو اس کام پر لگاتے وہ بہت غریب آدمی ہے تم کو بہت مدد دے گا۔ گانگوجی نے فوراً علاءالدین کو نوکر رکھ لیا دو وقتہ روٹی اپنے گھر سے مقرر کر دی اور کچھ تنخواہ بھی ٹھہرا دی۔ پہلے مکان بن گیا اور مولانا قاصان کے اس میں جاتے ہی خاطر خواہ بارش ہو گئی قحط ٹل گیا۔ علاءالدین مسجد کی تعمیر میں سرگرم تھا اور خود کھڑے رہ کر مزدوروں سے کام لیتا تھا اور جان توڑ کر محنت کرتا تھا۔ ایک دن ٹھیک دوپہر کو حضرت مسجد کا کام ملاحظہ فرمانے آئے۔ دوپہر کا وقت تھا مزدور سب روٹی کھانے چلے گئے تھے مگر علاءالدین بے چارے کو ڈیڑھ دو بجے کے اول ٹکڑا نہ ملتا تھا وہ وہیں ایک درخت کے تلے پڑ رہا اور بے خبر سو گیا۔ آپ نے مسجد ملاحظہ فرما کر علاءالدین کو دیکھا کہ گرد آلود ہاتھ پاؤں گارے کیچڑ میں لت پت پڑا سو رہا ہے فرمایا کہ "بادشاہ دکن کیا بے خبر سو رہا ہے۔ یہ چتر اس کے سر پر کیسا زیب دے رہا ہے" یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے گئے اور علاءالدین کو خبر بھی نہ ہوئی۔ حضرت کے جانے کے بعد ایک ناگ سانپ علاءالدین کے چہرے پر پھن سے سایہ کیئے ہوئے تھا۔ لڑکے جو کھیلتے کھیلتے ادھر آن نکلے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور چیختے چلاتے پٹواری

مہاراج کے پاس گئے کہ علاء الدین کو سانپ سونگھ گیا۔ پٹواری گھبرایا ہوا آیا دیکھا تو واقعی سانپ جھوم رہا ہی اس کو دیکھ کر بل میں گھس گیا۔ ہندو سانپ کو بھی دیوتا مانتے ہیں بہت متعجب ہوا۔ علاء الدین کو جگا کر اپنے گھر لے گیا اور کھانا کھلایا۔ بعد علاء الدین کا زایچہ جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک دن دکن کا بادشاہ ہونے والا ہی۔ پٹواری علاء الدین کے پاس دست بستہ حاضر ہوا۔ علاء الدین گھبرایا کہ یہہ کیا معاملہ ہی۔ مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا جو میرا آقا یوں کھڑا ہی۔ برہمن نے کہا کہ تو عنقریب بادشاہ ہونے والا ہی بتا کہ مجھے کیا دے گا۔ علاء الدین بے چارے کے خواب وخیال میں بھی یہہ بات نہ تھی سمجھا کہ مجھ پر طنز کرتا ہی لیکن جب برہمن کو مصر پایا تو کہا کہ اچھا خیر اگر ایسا ہو تو پادشاہت تم کرنا میں تمھارا اسی طرح تابع دار رہوں گا جیسا کہ اب ہوں۔ برہمن نے کہا کہ اجی میری ایسی تقدیر کہاں وہ تو جس کے نصیب میں لکھ گیا بس لکھ گیا۔ تب علاء الدین نے کہا کہ میں تجھے آدھی یا پاؤ سلطنت دے دوں گا۔ پنڈت نے کہا کہ میں سلطنت لے کر کیا کروں گا ؎

میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت نازکی زیبدم بہ طاعت زشت

علاء الدین نے کہا کہ اچھا جو آپ کہیں وہی مجھے منظور ہی۔ فرمائیے۔ پنڈت جی نے کہا کہ میری دو باتیں قبول کرو۔ اول تو یہہ کہ مہر سلطانی میں اپنا اور میرا نام بطور یادگار شریک رکھنا دوسرے یہ کہ شاہی دفتر میرے اور میری اولاد کے سپرد رہے۔ علاء الدین نے خوشی سے دونوں باتیں منظور کیں۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ علاء الدین ایک برہمن کے پاس نوکر تھا جو شاہزادہ محمد تغلق کے پاس ملازم تھا حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے تفضلات سے اُسے بادشاہت ملی لیکن تذکرۃ الملوک نے دوسرے طور پر اس واقعہ کو نقل کیا ہی۔ نہیں معلوم کون سی بات صحیح ہی مگر اتنا یقینی ہی کہ علاء الدین کی ماں اشرف جہاں حضرت کی مرید تھیں اور آپ کے ہی در دولت پر پڑی تھیں اور موضع کورچی ہی میں انتقال کیا جہاں آپ کا روضہ موجود ہی۔ نقل ہی کہ ایک دن حضرت وضو فرما رہی تھے مسح کے لئے اپنا عمامہ اُتار کر علاء الدین کو دیا علاء الدین سمجھا کہ مجھے عطا ہوا ہی جھٹ سر پر رکھ حضرت کے قدم بوس ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ ”گھبراہٹ کیا ہو جلدی نہ کرو۔ وہ دن بہت قریب ہی کہ تو بادشاہ ہو جائے گا“

نقل ہے کہ علاء الدین نے ایک دن حضرت سے اپنی عسرت کا دکھڑا عرض کیا آپ نے فرمایا کہ اچھا کہ تو نرگنڈ کے جنگل میں جا اور فلاں درخت کے نیچے دفینہ ہے نکال لا اور اُس سے فوج جمع کر۔ علاء الدین نے جب فوج بھرتی کرلی تو حکم ہوا کہ پہلے مرج کا قلعہ فتح کر۔ ہولی کے دن تھے مرج کا راجہ درگا تینا عیش و نشاط میں سرشار تھا۔ علاء الدین بلا روک ٹوک قلعہ میں پہنچ گیا اور راجہ کو قتل کر کے قلعہ فتح کرلیا اور حضرت کو اطلاع دی آپ نے جواب میں "مبارک باد" لکھ بھیجا۔ اسی پر سے علاء الدین نے مرج کا نام "مبارک آباد" رکھ دیا۔ وہاں سے پنالا گڈھ کا قلعہ فتح کیا جہاں کا راجہ کالھ چند تھا اور اسی طرح اور چند قلعے اُسی نواح کے فتح کر کے علاء الدین حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ اب قلعہ گلبرگہ فتح کرو۔ اس زمانہ میں گلبرگہ پر راجہ بھیرن مسلّط تھا جو سلطان محمد تغلق کا باج گزار تھا۔ گلبرگہ سے آٹھ میل ادھر موضع شاہ ونگی[۱۵] میں ایک بڑی دیوی کا دیول تھا۔ راجہ بدھ کے دن اُس کے درشن کو گیا ہوا تھا علاء الدین کی تقدیر سیدھی تھی بلا غل و غش قلعہ پر قابض ہوگیا۔ راجہ یہ خبر سن کر یلغار واپس آیا اور ایک بڑی بھاری لڑائی کے بعد مارا گیا اور اُس کا سر قلعہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس طرح ۷۴۸ھ میں علاء الدین تخت نشین ہوا اور گلبرگہ کا نام حسن آباد رکھا اور حسب وعدہ اپنی مہر میں "حضرت سبحانی علاء الدین حسن گانگوی بہمنی" کندہ کرایا۔ سلطان علاء الدین حسن جب تک زندہ رہا ہر سال کوڑچی جاتا تھا اور آپ کی قدم بوسی کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد محمد شاہ نے بھی یہی طریقہ مرعی رکھا۔ کوڑچی گلبرگہ سے سات منزل ہے۔ ایک دفعہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے آنے سے غریب رعایا کو تکلیف ہوتی ہے (کیوں کہ بادشاہ کا کوچ مقام مع حشم و خدم کے کچھ آسان بات نہ تھی اور پھر اُس زمانے کے بادشاہ جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بادشاہان ہند بادشاہی نمی کنند بلکہ خدائی می کنند) اگر تمھیں مجھ سے ملنے کا ایسا ہی شوق ہے تو چلو میں ہی خود گلبرگہ چلتا ہوں میرے ایک نفس کے لئے ہزاروں بندگان خدا کو یہ تکلیف کیوں۔ بادشاہ یہ مژدہ جاں بخش سن کر جامے میں نہ سمایا اور فوراً کوڑچی سے گلبرگہ تک جتنے گاؤں راستے میں پڑتے تھے سب کی سند لکھ کر نذر گزرانی اور عرض کی کہ حضرت

۱۵ گلبرگہ سے شولاپور کی طرف ریلوے کا دوسرا اسٹیشن ہے۔

کاگز جس طرف سے ہو گا اُس راہ کے قصبات کو اپنے قبضے میں رکھنا سراسر سوادبی سمجھتا ہوں۔
"حضرت نے فرمایا کہ" اگر میں ان تمام دیہات کو لے لوں تو میں بھی تیری طرح امیر ہو جاؤں گا پھر مجھے فقیر کون کہے گا۔ میری اولاد میں طمع دنیا پیدا ہو جائے گی۔ بادشاہ نے حضرت کی مرضی نہ پاکر دوبارہ وہ مواضع دینے چاہے جہاں آپ کا مقام ہونے والا تھا۔ لیکن پھر بھی حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ بادشاہ اس سے ملول ہوا تب آپ نے کہا "اچھا میری بات سُن۔ بس یہی ایک موضع کوڑچی مجھے دے دے"۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور سات مواضع متصلہ کو توڑ کر کوڑچی میں ملا کر نذر پیش کی اور سند میں لکھ دیا کہ "یہہ تمام ملک حضرت قطب الاقطاب بندگی مخدوم رکن الدین جنیدی قدس سرہ الشریف کا تھا حضرت نے سارا ملک مجھے عنایت فرمایا فقط ایک موضع کنجی (کوڑچی) آپ رکھ لیا ہے" چنانچہ یہہ سند اب تک موضع کوڑچی کے مخدوم زادوں کے پاس موجود ہے۔
حضرت کوڑچی میں اپنے بڑے صاحب زادے شیخ المشائخ شیخ علاء الدین کو جانشین فرما کر اپنے چھوٹے فرزند رشید حضرت قطب الدین کو ہمراہ لے کر سنہ ھ میں گلبرگہ تشریف لائے۔ موضع کوڑچی میں دریا کے کنارے جہاں حضرت کی نشست گاہ تھی بستی سے کوس بھر املی بن میں آپ کا گنبد طیار کیا گیا ہے اور محمد سراج کے نام سے آپ مشہور ہیں سالانہ عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ گلبرگہ کی رونق افروزی کے بعد بادشاہ نے پوچھا کہ آپ قلعہ میں رہیں گے یا باہر۔ آپ نے کہا کہ ٹھیرو میں خود جگہ تلاش کرتا ہوں اور خود جا کر یہی جگہ منتخب کی جہاں اب روضۂ مبارک ہے۔ یہاں اُس وقت ببول بن تھا آپ نے فرمایا کہ مجھے اس مقام سے بغداد شریف کی بو آتی ہے بس یہیں رہوں گا۔ فوراً ببول بن کٹوا دیا گیا اور حضرت کی اقامت کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بنوا دیا گیا جہاں بادشاہ ہر روز علی الصباح حاضر ہوا کرتا تھا۔ محمد شاہ اول کے انتقال کے بعد مجاہد شاہ بادشاہ ہوا اور تخت پر بیٹھنے کے اول حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک کھادی (گاڑھا) منگا کر ایک پیرہن ایک کمربند اور ایک دستار پہنائی اور اُس کے حق میں دعائے خیر کی وہاں سے مجاہد شاہ محل میں آیا اور لباس فاخرہ پہن کر تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اِس کے بعد سے یہی طریقہ مرعی رہا کہ جو بادشاہ ہوتا وہ پہلے حضرت شیخ صاحب یا آپ کی اولاد موجودہ

کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی فقیری لباس تین کپڑے کھادی کے پہن کر اپنے مقام پر جاتا اور لباس بدل کر تخت پر بیٹھتا چنانچہ اب تک یہی رواج ہی کہ جب اعلیٰ حضرت پیر و مرشد قوی شوکت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی حضور نظام گلبرگہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو آپ کو ایک دستار اور کمربند مرحمت ہوتا ہی۔

نقل ہی کہ ایک دن مجاہد شاہ نے حضرت سے قلعۂ ادھونی پر لشکر کشی کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ "بسم اللہ جا ان شاء اللہ فتح ہوگی" اس کے بعد بادشاہ نے حضرت شیخ زین الدین اور شیخ برہان الدین دولت آبادی کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر اجازت چاہی۔ یہ خبر حضرت کو پونہچی آپ نے بادشاہ کو رقعہ لکھا کہ "اگر تو میری اجازت سے اس مہم پر جاتا ہی تو جا لیکن اگر تو کسی اور کے بھروسے پر جاتا ہی تو پھر میری اجازت کی ضرورت نہیں" بادشاہ کو حضرت کی یہہ تحریر شاق گزری اور کہا کہ اچھا معلوم ہوا۔ میں تو بہت بڑی فوج بھیج چکا ہوں اور خود بھی جاتا ہوں بھلا دیکھوں تو کہ یہہ مہم کیسے سر نہیں ہوتی۔ مجاہد شاہ کئی مہینے تک قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ رسد ختم ہونے آئی۔ گرمی کی شدت قلعہ میں پانی کی تراہ تراہ پڑ گئی قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے مگر خدا کے فضل اور شیخ صاحب کے فیضان کا یہہ اثر ہوا کہ ایسا موسلا دہار مینہ برسا کہ جل تھل ہو گیا۔ مردوں میں جان پڑ گئی۔ قلعہ والوں نے اچانک باہر نکل کر وہ ستھراؤ کیا کہ مجاہد شاہ کو پسپا ہونا پڑا۔ بادشاہ سمجھا کہ فقیر کی بددعا لگی غصے میں کہا کہ گلبرگہ پونہچتے ہی پہلے شیخ کو قتل کروں گا جب قلعہ میں پاؤں دھروں گا۔ حضرت کو بھی یہہ خبر پونہچی۔ آپ نے جذبہ میں فرمایا کہ وہ گلبرگہ پونہچنے ہی نہ پائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ ادھونی سے پلٹ کر جا رہا تھا کہ شہر میں داخل ہو کہ ناگاہ گھوڑے کا پیر رپٹا اور بادشاہ گھوڑے پر سے گرا اور سر پاش پاش ہو گیا۔ تذکرۃ الملوک نے مجاہد شاہ کی نسبت کہا ہی کہ جب وہ گلبرگہ پونہچا تو اُسے ایک حبشی غلام نے ۷۹۹ھ میں قتل کر دیا۔ چند دنوں بعد آپ نے خدام کو عمدہ چانول اور دال لانے کو فرمایا اور آپ نے کھچڑی پکائی اور دو سینیاں چوٹی دار بھر کر گیارہ فلوس اور ایک اعلیٰ قسم کی تسبیح اُس پر رکھ خواجہ[۵۱] ابوالفضل اپنے جانشین اور پوتے کو دے کر فرمایا کہ

[۵۱] حضرت کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شیخ قطب الدین شب پنجشنبہ ۸ ذی قعدہ ۸۳۲ھ میں بمقام ہراول تولد ہوئے تھے۔ آپ نے (۴۱) سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الاول ۸۷۳ھ کو رحلت فرمائی اور حضرت

میری رحلت کے دن قریب آپونچے ہیں۔ میرے بعد تقریباً بائیس سال گزرنے پر میرے ایک دوست سید محمد حسینی دہلی سے تشریف لائیں گے یہہ اُن کی امانت ہے۔ اُن کو دے دینا اور کہہ دینا کہ جب کوئی دوست اپنے دوست کے پاس آئے تو چار چیزیں مہیا کرنا ضرور ہے۔ اول تو کھانا کھلانا سو یہہ کھچڑی حاضر ہے۔ دوم اُس کی عبادت کا انتظام کرنا چنانچہ تسبیح موجود ہے۔ تیسرے کچھ خرچ بھی کو چاہیے اُس لئے گیارہ پیسے میں نے رکھ دئے۔ چوتھے اُترنے کا ٹھکانا کرنا تو کہہ دینا کہ میں شہر کے مغرب میں ہوں آپ مشرق میں تشریف رکھیں یہہ وصیت فرما کر ایک حجرے میں سب چیزیں رکھ کر مقفل کر دیا اور کہا کہ سید محمد حسینی سے کہہ دینا کہ بسم اللہ کر کے قفل کو ہاتھ لگائے خود بخود کھل جائیگا بہت سے لوگوں نے جن کا نام سید محمد تھا قفل کو ہاتھ لگایا مگر نہ کھلا جب وہی آئے تو کھل گیا۔ حضرت جب سے گلبرگہ تشریف لائے بہت سے اولیاء غوث قطب ابدال وغیرہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور اپنی اقامت کی اجازت چاہتے۔ بعض کو نہیں رہنے کا حکم ہوتا بعض کو دوسرے مقامات پر۔ شیخ المشایخ شیخ علاء الدین انصاری عرف لاڈلے مشایخ آپ سے ملنے آئے مگر دوبار ملاقات نہ ہو سکی تیسری دفعہ جمعہ کے دن شیرینی لے کر آستانہ پر حاضر ہوئے اور خادم کے ہاتھ شیرینی بھجوائی آپ نے فرمایا کہ دنیا کے فائدے کی ملاقات چاہتے ہو یا عقبیٰ کے مراتب کی۔ دنیا چند روزہ ہے یہاں کی ملاقات کی ضرورت نہیں۔ بدھ کے دن میرے سفر آخرت کا سامان مہیا کر کے آؤ اور تم ٹھیرنا چاہتے ہو تو یہاں سے دس کوس قصبۂ النند ہے وہاں ٹھیرو۔ آپ النند میں رہ پڑے اور بدھ کے دن اونٹ پر سوار ہو کر ایک مشک پانی اور کفن وغیرہ سامان لے کر دس نہیں بجے تھے کہ گلبرگہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت معمولاً دس بجے اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر اپنے حجرے سے برآمد ہوتے تھے۔ دروازہ حجرے کا بند تھا لوگ منتظر تھے کہ اب برآمد ہونگے مگر وقت ٹل گیا تب حضرت لاڈلے صاحب نے کہا کہ شیخ صاحب یوں فرماتے تھے۔ حجرہ کھول کر دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ خادمان اور حضرت خواجہ ابو الفضل نے اُسی حجرے میں غسل دیا اور نماز جنازہ بھی وہیں پڑھی اور وہیں دفن کیا۔ اس وقت سلطان محمود بادشاہ تھا جو خلاف مجاہد شاہ کے شیخ صاحب کا بہت معتقد تھا اور اکثر جایا کرتا تھا۔ جب آپ کا وصال ۷۸۱ھ میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۰ شیخ کے گنبد میں مشرق کی طرف اپنی والدہ ماجدہ کی بائیں جانب مدفون ہیں۔ ۱۲

ہو چکا تو بروز سوم بہت کچھ خیرات بادشاہ نے کی۔ یوسف عادل شاہ نے آپ کو چودہ مواضع جاگیر دیئے تھے۔ عالمگیر نے دو چھوڑ کر باقی ضبط کر لئے تیسرا موضع نواب نظام علی خاں بہادر نے دیا۔ اس طرح اب تین موضع جاگیر ہیں ؎

محمد ابو الفتح گیسو دراز   بہ تیغ نبی گشتہ او سرفراز
انیس نبی ہم جلیس علی   لباس سہ پتہاں از و شد جلی

درگاہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز سنہ ۸۰۴ھ تا ۸۲۵ھ - - گلبرگہ میں بہت بڑی اور متبرک اور مشہور درگاہ حضرت میر سید محمد محمد الحسینی عرف حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی ہی ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت بندہ نواز دہلی کی طرف سے سنہ ۸۰۴ھ (۱۴۰۱ع) میں بعہد سلطان فیروز شاہ بہمنی تشریف لائے تھے آپ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ بادشاہ فیروز آباد میں تھا (جو گلبرگہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہی اور فیروز شاہ ہی کا آباد کیا ہوا ہی یہ کسی زمانے میں بڑا شہر ہوگا اب ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا ہی البتہ ایک عظیم الشان قلعہ اور ایک عالی شان مسجد موجود ہی۔ قلعے کے اندر کے مکانات ٹوٹ پھوٹ گئے مگر حصار اور مسجد باقی ہی) کہ اُس نے حوالی گلبرگہ میں حضرت کی تشریف آوری کی خبر سنی ؎

چراغے زشمع نبی تافتہ   کہ خورشید و مہ نور از و یافتہ

بادشاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا متلاشی رہتا تھا اس بشارت سے بہت خوش ہوا اور فیروز آباد سے گلبرگہ آیا تمام امراء و ارکان دولت کو آپ کے استقبال کے لئے بھجوایا اور بہت اعزاز و احترام سے شہر گلبرگہ میں لایا اور حضرت کی خانقاہ بہمنی پور میں چلّہ باؤلی کے متصل بنا دی جو آج تک موجود ہی لیکن بعد میں سنہ ۸۱۰ھ میں بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے حسن خاں کی ولی عہدی کے لئے حضرت سے دعا چاہی آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف میں دعا نہیں کر سکتا اس پر بادشاہ ناراض ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ آپ شہر کے باہر چلے جایئے کہ لوگوں کے اژدحام سے

ہم کو تکلیف ہوتی ہے چنانچہ آپ شہر کے باہر چلے گئے اور جس جگہ اب درگاہ شریف ہے وہاں ٹھہر گئے آپ کا عرس شریف ۱۵ سے ۱۷ ذی قعدہ تک ہر سال بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اور سرکار نظام کی طرف سے ایک رقم معتدبہ منظور ہوتی ہے اور تخمیناً پچاس ہزار آدمی اطراف و اکناف اور دور دراز مقامات کے جمع ہوتے ہیں۔ آپ کی ولادت دہلی میں ۴ رجب ۷۲۰ھ کو ہوئی اور وصال روز دوشنبہ ۱۷ ذی قعدہ ۸۲۵ھ میں ہوا اس حساب سے آپ کا سن شریف ۱۰۵ برس چار ماہ بارہ دن کا ہوتا ہے۔ آپ کی وفات "مخدوم دنیا ودیں" سے نکلتی ہے۔ اس شعر سے عمر ولادت اور وفات کی تینوں تاریخیں نکلتی ہیں ؎

(۸۲۵ھ)

سنش عادل تولدش وارث جود ‌ ‌ ‌ ‌ وفاتش داں کہ "تاج المرسلیں" بود

(۱۰۵) ‌ (سنہ ۷۲۰ھ) ‌ ‌ ‌ ‌ (سنہ ۸۲۵ھ)

محمد را فرو آری چو در گور ‌ ‌ ‌ ‌ زہے روح ذرہے راحت سرائے

آپ کی رحلت فرمانے کے دو سال بعد گنبد کی طیاری احمد شاہ بہمنی نے آغاز کی جو سلطان علاء الدین فرزند سلطان احمد شاہ کے زمانے میں ختم ہوئی (۷) سال میں گنبد کے اندرونی حصے کی استرکاری ہوئی ابراہیم قطب شاہ نے بیرونی استرکاری کرائی۔ سلطان محمود عادل شاہ بیجاپور نے ۱۰۵۵ھ میں قدیم کلس نکال کر آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا کر نیا کلس آپ کے گنبد پر لگایا۔ افضل خاں سپہ سالار بیجاپور نے دروازہ پائیں کی بڑی کمان اور مسجد بیروں از سر نو تعمیر کرائی۔ عالمگیر بادشاہ نے مسجد اندرون درگاہ۔ سماع خانہ حجرے حوض۔ تعمیر کرایا۔ اس حوض کو سید شاہ ید اللہ حسینی نے بند کرا کے موجودہ حوض دس ہزار روپیہ کے صرفہ سے بنوایا۔ درگاہ مبارک کا بہت بڑا عالی شان اور قابل دید گنبد ہے جو محلہ روضۂ بزرگ میں ہے۔ اس احاطہ میں اور بھی گنبد ہیں جن میں بڑا اور بہت دور سے نظر آنے والا گنبد حضرت موصوف کے پوتے شاہ قبول اللہ حسینی قدس سرہٗ کا ہے۔ یہ دونوں گنبد دس بارہ میل کے فاصلے سے نظر آتے ہیں۔ روضۂ بزرگ حضرت خواجہ بندہ نواز کی طلائی جالی کی پیشانی پر یہ اشعار کندہ ہیں ؎

نقرہ ایں باب و جالی لطغرائے طلا ‌ ‌ ‌ ‌ شد بنا از شہ ید اللہ حسینی با نیاز

فیض ہم تاریخ باب آں ولی اللہ نوشت | باب جنت ہست باب درگہ بندہ نواز
۱۲۸۲ھ

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو دراز | بادشاہ دیں و دنیا تا ابد بندہ نواز

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْقَلِبُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰی دَارِ الْبَقَاءِ وَمِنْ جَوَارِ الشَّیْطَانِ اِلٰی جَوَارِ الرَّحْمٰنِ وَمِنْ جَوَارِ الْغُرُوْرِ اِلٰی دَارِ السُّرُوْرِ ۔

چاندی کے کٹگھر پر کندہ ہے:- وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۔

درگاہ شریف کے دروازے پر:- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ فاطمہ حسن حسین

چوکھٹ پر نیچے جانب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَہٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ۔

حضرت بندہ نواز کا سب سے بڑا گنبد ہے حضرت کے داہنے جانب آپ کے فرزند خورد سید شاہ اصغر محمد محمد الحسینی عرف شاہ لہڑ کی قبر ہے جنھوں نے ۲۱ محرم ۸۲۹ھ میں انتقال کیا۔ اور بائیں جانب حضرت شاہ صفی اللہ محمد محمد الحسینی کی ہے جو فرزند کلاں سید محمد اکبر حسینی کی ہے یعنی آپ کے پوتے کی۔

حضرت کے گنبد کے محاذی ایک گنبد میں آپ کے بڑے صاحبزادے سید شاہ محمد اکبر حسینی اور اُن کی بیوی مدفون ہیں۔ اسی کے پاس ایک جوڑ گنبد ہے جس میں قبر سید شاہ حسین محمد محمد الحسینی مستان عالم کی ہے یہ بھی آپ کے پوتے فرزند کلاں کی اولاد سے ہیں۔ دوسرے گنبد میں آپ کے دوسرے پوتے سید شاہ اصغر محمد محمد الحسینی کی قبر ہے جو سید شاہ عسکر اللہ حسینی کے فرزند ہیں۔ مسجد کے متصل ایک گنبد سید شاہ صفیل اللہ حسینی کا ہے جو آپ کے عزیز ہیں۔ چھوٹی درگاہ کا گنبد حضرت شاہ قبول اللہ حسینی کا ہے جو آپ کے پوتے سید اصغر حسینی کے فرزند ہیں۔ دوسرا نام آپ کا شاہ ید اللہ حسینی بھی ہے۔

اس درگاہ کے چاندی کے کٹگھر پر نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ و بہ غریب نواز ۱۲۸۴ھ کندہ ہے۔

نیچے اس کے ؎

عجب بارگاہِ مشین مطہر — بلا ریب ایں قصر جنت مقرر
کہ تاریخ گفت شاہ راجو حسینی — دوازدہ درے است نور منور

سنہ ۱۲۸۴ھ

دروازہ پر یہ خط نسخ کندہ ہے :- ؎

مولود شاہ ید اللہ الحسینی — سوم مصرعۂ تاریخ دانی
شاہ ید اللہ طبل بر فلک زد — مورخ وفات ای شہنشاہ یقینی

سنہ ۸۵۲ھ

حضرت شاہ رکن الدین تولہ سنہ ۸۳۰ھ

آپ بڑے صاحب جلال وکمال تھے۔ آپ کے گلبرگہ آنے کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کا مزار ایک پہاڑی پر گلبرگہ سے بجانب مغرب ہے۔ آپ گلبرگہ سے چار میل دور پہاڑوں میں رہا کرتے تھے حضرت بندہ نواز نے گلبرگہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ سے ملاقات کی اُس وقت لوگوں نے جانا کہ ہاں اِن پہاڑوں میں بھی کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ حضرت بندہ نواز جب آپ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ مدتوں سے چار زانو بیٹھے ہوئے تھے اور یادِ آلٰہی میں ایسے سرشار تھے کہ آپ کی ٹانگیں جڑ گئی تھیں۔ حضرت بندہ نواز کو دیکھ کر بمصداق ولی را ولی می شناسد آپ سروقد کھڑے ہوگئے آپ کی ٹانگوں کا پوست پھٹ کر خوں بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا "سالک کو مجذوب سے کیا کام۔ جب سالک مجذوب کے پاس آتا ہے تو سوائے ایذا رسانی کے کوئی کام یادِ آلٰہی کا تو ہوتا نہیں" حضرت بندہ نواز نے دو جیتل[۱] آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے فرمایا "تولا" یعنی دے اسی وجہ سے آپ کا لقب تولا ہوا جو رفتہ رفتہ تولہ مشہور ہوگیا۔ حضرت بندہ نواز فرماتے تھے کہ جہاں تک میرا گنبد نظر پڑے گا۔ وہاں تک دوسرا ولی نہ ہوگا یہ کیفیت آپ نے بھی سنی فرمایا کہ سچ کہتا ہے لیکن جہاں میں ہوں وہاں سے آپ کا گنبد نظر نہ آئے گا چنانچہ ایسا ہی ہے حضرت

[۱] ڈبل پیسے کا نام ہے جو وزن میں سوا دو تولے ہوتا تھا۔ چاندی اور سونے کا بھی جیتل ہوتا تھا جو دو ماشہ کا ہوتا تھا۔ ۱۲۔

بندہ نواز کا گنبد دس دس بارہ میل سے نظر آتا ہے مگر عجب کمال ہے کہ آپ کے مزار سے نہیں دکھلائی دیتا آپ فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں موجود تھے آپ کا وصال ۱۴ شعبان سنہ ۸۳۰ھ میں ہوا۔

شاہ بہاء الدین لنگوٹ بند آپ بہت بڑے مجذوب تھے۔ آپ کے پاس صرف ایک مٹی کی ہنڈیا رہتی تھی اُسی میں آپ کچھ مانگ لایا کرتے تھے اور جو کچھ ملتا اپنی ٹانگوں کا چولھا بنا کر پکا لیتے۔ ایک روز حضرت بندہ نواز نماز جمعہ کے لئے شاہ بازار کی مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے۔ شاہ صاحب کی حالت دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ کیا ہو رہا ہے آپ نے کہا کہ ہم اپنی حالت میں مگن ہیں۔ مجھے مت چھیڑو اپنا راستہ لو۔ آپ کا گنبد کوتوال تالاب کے قریب پانچ گنبد پچپیس کلس کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مولینا حافظ حضرت شیخ ضیاء الدین قتال شہید کے چبوترے کے نیچے جانب مغرب بالکل ملا ہوا چار نہایت ہی خوش نما سنگین ستونوں پر ایک حجرہ بنا ہوا ہے کہتے ہیں کہ پہلے اس پر گنبد تھا جو گر گیا اب یہ حجرہ بھی مخدوش حالت میں ہے۔ اس میں بجانب جنوب صرف ایک دروازہ ہے۔ حجرے میں ایک قبر ہے جس کے بارہ پتھروں پر آیات قرآنی جلی قلم سے بخط ثلث منبت ہیں اور یہی آڑے ٹیڑھے پتھر اس مزار کا وجود ہے۔ آپ بڑے بزرگ تھے۔ یہ سات بھائی تھے سب دکن میں آئے۔ چار بھائی گلبرگہ میں رہے ایک بھائی حضرت حافظ معز الدین نے اودگیر ضلع بیدر میں رحلت فرمائی دوسرے بھائی مولانا موج نے کوہیر میں وفات پائی جو اُسی ضلع میں ہے۔ تیسرے بھائی کسی طرف نکل گئے۔ چوتھے صاحب خود حضرت ہی ہیں۔ گنبد بہت مستحکم ہے جس میں چار منار بنے ہوئے ہیں۔ اکثر لوگ کند ذہن بچوں کو لے جا کر آیات کلام الٰہی کو جو کندہ ہیں کشادگی ذہن کے واسطے گھی شکر لگا کر چٹواتے ہیں۔ اس کے احاطہ میں ایک باؤلی بھی ہے جسے اگھڑ باؤلی کہتے ہیں۔

مولینا قدر آپ مولینا رحمۃ اللہ کے بھائی ہیں۔ حضرت علاء الدین الندی معروف بہ لاڈلے صاحب مشائخ انصاری کے آپ اُستاد تھے۔ گنبد آپ کا گلبرگہ سے دو میل کے فاصلے پر بہ جانب شمال موضع سلطان پور کے دروازے کے باہر واقع ہے۔ عرس شریف آپ کا جمادی الاخری کے اخیر جمعہ کو ہوتا ہے۔

مولینا اختیار الدین آپ بھی مولینا حافظ رحمۃ اللہ کے بھائی ہیں - آپ ولی کامل تھے محلہ شاہ بازار میں چوکھنڈی کے پیچھے قصابوں کے متصل آپ کا مزار ہے - ماہ جمادی الثانی میں عرس ہوتا ہے - خدام کے رہنے کا بلند و مستحکم مکان غالباً حضرت ہی کے زمانے کا بنا ہوا ہے -

مولینا کمال گریاں آپ چشتیہ خانوادے کے ہیں ہمیشہ گریہ وزاری کرتے رہتے ہیں اسی سبب سے "گریاں" کا لقب پڑگیا - آپ کی چوکھنڈی سلطان پور کے متصل ہے - احاطہ اور درگاہ ترمیم طلب ہے -

بی بی خونزہ سلطانہ گلبرگہ سے دو میل شمال کی طرف حیدرآباد کی سڑک پر آپ کی خوش نما چوکھنڈی سایہ دار درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بنی ہوئی ہے - آپ سلطان محمود بہمنی کی صاحبزادی تھیں - آپ کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت تھی - امیری میں فقیری آپ کا ظرف تھا - بڑی عابدہ صالحہ اور صاحب کشف و کرامات تھیں - چند سال کا عرصہ ہوا ایک گھوڑے سوار آپ کی زیارت کو گیا - گھوڑا درخت سے باندہ اندر گیا - بجلی اور کڑک اور بارش شدت سے ہونے لگی گھوڑا توڑا کر نکل گیا - خادم نے سوار صاحب کو خبر دی - آدمی خوش عقیدہ تھے کہا کہ خیر جانے دو - میں تو سوار آیا تھا اگر بی بی صاحب پیدل بھجیں گی تو خیر کیا مضائقہ ہے چلا جاؤں گا - جب بارش تھمی سوار صاحب باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے کوئی راستہ چلنے والا خود بخود گھوڑے کو پکڑ لایا ہے - آپ کے شوہر کا نام حضرت شمس العشاق عرف میراں حسینی تھا - آپ دکن کے مشہور مشائخین میں سے تھے - موضع سدلگہ تعلقہ ہوکری میں آپ کا ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے - آپ کے بطن سے ایک مرد صالح صاحب کشف و کرامت حضرت شمس الدین عرف خواجہ شمنا میراں پیدا ہوئے جو حضرت زین الحق والدین شیرازی کے خلیفہ تھے - آپ نے بہت سے کفار سے جنگیں کی ہیں - آپ کا وصال روز پنجشنبہ ۱۲ رجب ۱۱۵۲ھ میں ہوا اور مرتضیٰ آباد مرج میں آپ کا ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے -

حضرت پیر بنگڑی صاحب آپ کا نام معلوم نہیں آپ سدا سہاگ فقیر تھے - آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے - ایک برس گلبرگہ میں پانی نہ برسا لوگ پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں عرض حال کے لئے گئے - آپ کی دعا سے موسلادھار پانی برسا - آپ کا مزار چھپر بازار

ہیں قلعہ کی سڑک پر واقع ہے۔

چمن شاہ صاحب آپ کا نام سید شاہ صدرالدین تھا۔ ایک دن حضرت بندہ نواز بزرگان دین کی زیارتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے اثنائے راہ میں آپ نے چمن شاہ کو دیکھا کہ آپ بالکل برہنہ بیٹھے ہوئے ہیں صرف ایک لنگوٹ لگا ہوا ہے۔ دو حسین اور نوجوان لڑکیاں آپ کے ہاتھ پیر دبا رہی ہیں۔ حضرت بندہ نواز کے دل میں خطرہ گزرا۔ چمن شاہ فوراً تاڑ گئے اور سامنے جو انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں آگ دہک رہی تھی آپ نے ایک کٹورا اُس پر رکھ دیا اور مسکہ کا گولا ڈال دیا اور ویسے ہی حضرت بندہ نواز کے پاس بھیج دیا۔ اور اپنا سلام کہلا بھیجا۔ حضرت بندہ نواز نے دیکھا تو مسکہ بالکل پگھلا نہ تھا جس سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے دل بھی اسی طرح ہیں کہ اُن کی نیت ڈانوا ڈول نہیں ہوتی۔ آپ کا مزار حضرت گنج ریحاں کے مزار سے کوئی چالیس قدم فاصلے پر ٹونکے کے درخت کے پاس ہے۔

گلبرگہ شریف میں اور بہت سے اولیائے کرام ہیں لیکن اُن کے حالات مل نہ سکے لہذا اسی پر اکتفا کیا گیا۔

بائیسواں ضمیمہ

گولکنڈہ

زمانۂ سلف میں گولکنڈہ ایک چھوٹا سا قلعہ تابع راجگان ہنود تھا۔ مگر بعد میں راجگان ورنگل کا اس پر تسلط ہو گیا پھر ۱۳۶۴ء سے ۱۵۱۲ء تک سلاطین بہمنیہ گلبرگہ کی حکومت رہی آخر میں تمام حکومت سلاطین قطب شاہیہ کے ہاتھ آئی۔ ۱۳۶۴ء کے پیشتر کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر قلعہ کے آثار خبر دیتے ہیں کہ باعتبار قدامت گولکنڈہ قلعۂ ورنگل سے کم نہیں ہے۔ بعض مستند اہل الرائے کا تو دعویٰ ہے کہ اس کی عمر دو ہزار سال سے بھی زائد ہے۔ خاندان بہمنیہ کے نشو و نما کا سال عموماً ۱۳۴۷ء بتلایا جاتا ہے۔ جن کا دور حکومت (۱۷۸) سال یعنی ۱۵۲۵ء تک رہا۔ گلبرگہ اور بیدر بہمنیوں کی دارالسلطنت رہے ہیں جو اب بھی سرکار نظام کے مشہور مقامات ہیں۔ شاہانِ دہلی سے جدال و قتال کے زمانہ میں ان اقطاع کے فرماں رواجنوبی ہند کی مشہور ہندو سلطنت بیجانگر اور ورنگل سے مدد حاصل کرتے تھے ۱۴۳۷ء میں بعہد سلطان علاء الدین ثانی خاندان بہمنیہ معراج کمال پہ پہنچا ۱۵۲۷ء میں سلطنت بہمنیہ ٹوٹ کر دکن میں پانچ خود مختار سلطنتیں قایم ہو گئیں جن کے منجملہ قطب شاہی سلطنت بھی ہے جو ۱۶۸۸ء تک گولکنڈہ میں قایم رہی۔

سلطان قلی قطب شاہ

۹۰۶ - ۹۵۰ھ - ۱۵۰۰ - ۱۵۴۳ء

سلطنۂ قطب شاہیہ کی بنا ۱۵۱۲ء میں محض بخت و اتفاق سے ایک نجیب الخاندان شخص نے ڈالی جس کا نام سلطان قلی ہے۔ یہ مرد سعد آباد علاقۂ ہمدان ملک ایران میں پیدا ہوا تھا بیس سال کی عمر میں دشمنوں کے خوف سے اپنے چچا امیر اللہ قلی بیگ کے ساتھ عراقی گھوڑے لے کر بہ غرض تجارت بیدر آیا۔ اس وقت سلطان محمود شاہ بہمنی بادشاہ تھا۔ ارکان دولت کی

ف - بریدشاہی بیدر۔ عادل[۲] شاہی بیجاپور۔ عماد[۳] شاہی۔ براڑ۔ نظام[۴] شاہی احمدنگر۔ قطب[۵] شاہی۔ گولکنڈہ - ۱۲

وساطت سے دربار سلطانی میں باریاب ہوا۔ چند ہی دنوں میں بڑی عزت حاصل کی اور بالآخر وصول پیش کش قلعۂ گولکنڈہ کا کام اس کے تفویض ہوا۔ اس نے سنہ ۸۹۰ھ ۱۴۸۴ء میں ایک لشکر جرار کے ساتھ قلعۂ گولکنڈہ پر (جو ایک کچی گڑھی تھی) قبضہ کرکے تمامی مضافات قلعۂ مذکور کو تسخیر کرلیا اور سلطنت بیدر میں شامل کرکے یہاں کا خاطر خواہ انتظام رکھا جس کے صلہ میں قطب الملک کا خطاب دربار بہمنیہ سے پایا اور (۱۶) سال تک اطاعت وجاں نثاری کا دم بھرتا رہا۔ جب کہ بادشاہ مرگیا اور اس کے صوبہ داران بیجاپور واحمدنگر اور برار سلطنت بیدر سے منحرف ہوکر خودمختار بن گئے اور ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ سلطنت قایم کرلی تو اس وقت سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء میں سلطان قلی بھی گولکنڈہ کا خودمختار بادشاہ بن گیا اور قلعۂ گولکنڈہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ سلطان قلی قطب شاہ نے اپنے جلوس کا پہلا سال اپنی قوت کے استحکام اور دائرہ حکومت کی توسیع میں صرف کیا۔ گولکنڈہ میں کئی عمارتیں بنائیں اور قلعہ کو مضبوط ومستحکم کیا۔ اس کی حکومت کا بڑا زمانہ اطراف کے ہمسایہ راجگان کے ساتھ جنگ وجدال میں صرف ہوا اور تلنگانہ کے راجگان ہنود جن کو اس نے نیم مسخر کیا تھا بار بار بغاوت کرتے تھے جن کی سرکوبی میں بادشاہ اور اس کے عساکر کا بہت سارا وقت صرف ہوتا تھا۔ اپنی مدت سلطنت میں ہندوؤں سے لڑکے ستر قلعے اپنی قلمرو میں شامل کرلئے اور سلطنت کے حدود کو جانب مشرق تا دریائے شور وسعت دی۔ باوجود ان آئے دن کی لڑائیوں کے اس سے پہلے قطب شاہی بادشاہ کی سی سالہ عہد حکومت ملک کے لئے مبارک ومسعود ثابت ہوئی۔ ستمبر سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء میں جب کہ بادشاہ جامع گولکنڈہ میں نماز میں سربسجود تھا اپنے محبوس بیٹے جمشید قلی کے اشارہ سے ایک ترکی غلام میر محمود کے ہاتھ سے نوے برس کی عمر میں شہید ہوا۔ فیاض ہند ۹۵۰ھ تاریخ وفات ہے۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے دکن میں مذہب امامیہ کو شایع کیا اور خطبۂ اثنا عشریہ پڑھوایا۔ زمان سلطنت (۴۳) سال ہے ۹

قطب شاہ جہاں چو از تقدیر　　از جہاں جست سوے جنت راہ
گو ابوالفضل سال وصلش نیز　　معدن جود قطب شاہنشاہ
سنہ ۹۵۰ھ　　سنہ ۹۵۰ھ

جمشید قلی قطب شاہ سنہ ۹۵۰ھ – ۹۵۷ھ ۱۵۴۳ – ۱۵۵۰ء　|　باپ کے مرنے کے بعد جمشید قلی تخت نشین ہوا

اعیان دولت وخوانین وامرا، وسپاہ نے طوعاً وکرہاً اس سے بیعت کی۔ اس بادشاہ کا تمام وقت اطراف وجوانب کے بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ ومحاربہ میں صرف ہوا۔ ملک برید بادشاہ بیدر کو جو ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کے پاس مقید تھا جنگ کر کے قید سے چھوڑایا اور اس کو دوبارہ بیدر کے تخت پر بٹھلایا۔ چنانچہ اس نوازش وزحمت کے صلہ میں ملک برید نے قلعہ[۵] میدک وحسن آباد وناراین کھیڑہ بادشاہ کو پیش کش دیا اور بیش قیمت جواہر شاہان بہمنیہ کے نذر دئے ان دنوں برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ میں نزاع واقع ہوئی برہان نظام شاہ نے جمشید قلی سے مدد طلب کی وہ فوج لے کر مدد کے لئے روانہ ہوا راہ میں بعض قلعے بھی تسخیر کئے اسی اثنا میں ابراہیم عادل شاہ اور نظام شاہ میں صلح ہوگئی۔ نظام شاہ بعد صلح بلا اطلاع

---

[۵] میدک حیدرآباد سے (۴۰) کوس اور حیدرآباد گوداوری دیلی ریلوے اسٹیشن مرزاپلی سے پانچ کوس ہے۔ یہاں ایک قدیم قلعہ نہایت بلند پہاڑ پر بنا ہوا ہے جس پر سے دور دور کا منظر دکھلائی دیتا ہے۔ یہاں کے دو کتبے میرے پاس ہیں:-

کتبہ بر مسجد قلعہ ۱۰۵۱ھ

درآں وقتیکہ مسجد ساخت مسعود	زہجرت یک الف پنجاہ ویک بود
کہ نامی سید یعنی عرب خاں	کز اسلام تیغش دین بیفزود
زبیخ افگند بتخانہ بجایش	بنا فرمود مسجد را خودش زود
بگفت آفریں بر جان پاکش	حدیث جرأت او ہر کہ بشنود
بگفت ایں قطعہ مظہر ہرہر	بہ تکلیف عرب خاں مرد محمود

کاتب العبد

ملا ابراہیم

کتبہ بر بالا حصار جانب برج شرقی بہ خط طغریٰ۔

بنا کرد احمد بتاریخ ماہ ربیع الاول درایام سلطان محمد قلی قطب شاہ ہجرۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ: نہ بیخ برج سندر تمام شد۔ حسن آباد اور ناراین کھیڑہ دونوں مقام ضلع بیدر کے متصل اور علاقہ پایگاہ کے تعلقات کا مستقر ہیں۔ ۱۲

قطب شاہ کے احمد نگر واپس ہو گیا - ابراہیم عادل شاہ نے اسد خاں لاری کو قطب شاہ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا - اثنائے معرکہ آرائی میں اسد خاں نے قطب شاہ کے چہرہ پر تلوار ماری جس سے ناک اور ایک طرف کا کلہ گوشہ لب تک کٹ گیا جسکی وجہ سے بقیۃ العمر کھانے پینے کی تکلیف رہی اور اسی زخم نے خصوصیت سرطان کی اختیار کی اور سنہ ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء میں سات سال کی مختصر حکومت کے بعد انتقال کیا ۵

شہ جمشید جم دولت شہ دہر | ز دنیا بر درخت خود بہ جنت
وصال پاک او میر بہشت است | دگر قطب الحسن میر ولایت
سنہ ۹۵۷ھ | سنہ ۹۵۷ھ

سبحان قلی قطب شاہ سنہ ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء

ارکان دولت نے جمشید قلی قطب شاہ کے ہفت سالہ بچہ سبحان قلی کو تخت نشین کیا - مگر جگدیو راؤ نایک واڑی نے معہ دیگر نایک واڑیاں اس کی مخالفت کی اور بھونگیر جا کر وہاں دولت قلی کو جو سلطان قلی قطب شاہ کا چھوٹا بیٹا تھا اور باپ کے حکم سے قلعہ بھونگیر میں رہا کرتا تھا تخت نشین کر دیا - سبحان قلی کی والدہ نے سیف خاں عین الملک کو جو جمشید قلی سے ناراض ہو کے احمد نگر چلا گیا تھا طلب کر کے دیوان اور کاروبار سلطنت کا مختار بنا لیا - اس نے دیوان ہوتے ہی جگدیو راؤ کو گرفتار کرنے کی تجویز کی دونوں میں لڑائی ہوئی سیف خاں نے جگدیو راؤ کو شکست دی اور دولت قلی کو مکرر قلعہ بھونگیر میں مقید کیا - سیف خاں عین الملک چاہتا تھا کہ امرائے قدیم کو معزول کر کے اپنے اعیان کو مناصب جلیلہ پر پونچائے امراء و خوانین اس سے ناراض ہوئے - سبحان قلی قطب شاہ کو قید کیا اور ابراہیم قلی کو جو جمشید قلی کا بھائی تھا اور رای بیجانگر کے یہاں اپنے بھائی کے خوف سے پناہ گزیں تھا عرائض متواتر بھیج کر بیجانگر سے طلب کیا - ابراہیم ایک لشکر جرار کے ساتھ متوجہ گولکنڈہ ہوا - بروز دوشنبہ ۱۲ / رجب سنہ ۹۵۷ھ م ۲۷ جولائی سنہ ۱۵۵۰ء گولکنڈہ میں ابراہیم قلی کے تاج پوشی کی

۵ حیدر آباد سے بجواڑہ سکشن نظام سٹیٹ ریلوے پر بہ فاصلہ (۳۴) میل ضلع نلکنڈہ میں ہے - یہاں ایک بہت بڑے پہاڑ پر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جس میں سوائے ایک شکستہ بارہ دری کے اور کوئی عمارت باقی نہیں ہے - بارہ دری کا صرف ایک ہال باقی ہے باقی گر گئی ہے دیواروں پر نہایت نفیس نقش و نگار بنے ہوئے ہیں - ۱۲ -

رسم ادا ہوئی اور اس نے اپنے باپ کے سر پر سلطنت کو زیب و زینت بخشا۔

ابراہیم قلی قطب شاہ ۹۵۷-۹۸۸ھ / ۱۵۵۰ تا ۱۵۸۱ء یہ بادشاہ قلعہ گلبرگہ کے محاصرہ میں حسین نظام شاہ کا شریک رہا۔ رام راج اور علی عادل شاہ جب احمد نگر پر حملہ آور ہوئے تو حسب درخواست ان کے یہ بھی چند روز ان کے شرکت میں رہ کر گولکنڈہ واپس ہوا۔ ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء میں قلعہ راج مندری[۵] فتح کیا۔ اس کے سوا اور بہت سے قلعے مفتوح ہو کر سلطنت گولکنڈہ میں شریک ہوئے اس نے خان اعظم سید مصطفیٰ خاں کو پیشوائے دولت بنایا اور علی عادل شاہ بیجاپور و حسین نظام شاہ احمد نگر و عماد شاہ برار کے اتفاق سے تالیکوٹہ مقام پر جو دریائے کشنا کے قریب واقع ہے رام راج والی بیجانگر سے ۱۵۶۴ء میں سخت لڑائی ہوئی۔ رزمگاہ سے بیجانگر تک کہ دس کوس کا فاصلہ ہے تین لاکھ آدمی مع رام راج قتل کئے گئے جو جو قلعہ اور علاقہ جات عادل شاہی و قطب شاہی رام راج کے تصرف میں آگئے تھے سلاطین کے حیطۂ اقتدار میں آگئے۔ یہ بادشاہ نہایت دانا مدبر اور بیدار مغز تھا۔ ولایت دکن جو چوروں اور رہزنوں سے پُر تھی اس کی اس طور سے نگہبانی کی کہ سوداگر اور مال دار لوگ بے قافلہ اور رفیق کے روز و شب آتے جاتے تھے ہمیشہ امور جزوی و کلی سلطنت کی طرف بذات خود متوجہ رہتا تھا اور تمامی ممالک متفرقہ کے دریافت اخبار میں اس قدر سرگرم تھا کہ اگر کوئی شخص راستہ یا مکان میں کوئی بات کہے تو فوراً بادشاہ تک پہونچ جاتی تھی۔ سفر و حضر میں اہل فضل و کمال ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتے۔ اور علماء و فضلاء و حکماء و شعرا ہمیشہ بادشاہ کے ہم جلیس تھے۔ قلعۂ گولکنڈہ جو اہل ہنود کا خام بنا ہوا تھا اسی بادشاہ نے اس کو پختہ بنوایا۔ موسیٰ ندی کا پرانا پل بھی اسی بادشاہ کے عہد میں طیار ہوا جو شہر حیدر آباد کی آبادی کے چودہ سال

---

[۵] دریائے گوداوری کے شمالی کنارے پر واقع ہے اور قدیم شہر ہے مگر یہاں کا کوئی خاص تاریخی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ بہت سے بڑے بڑے مکانات پرانے قلعے کی فصیل پر لب دریا بنے ہوئے ہیں دریائے گوداوری (۹۰۰) میل لمبا ہے اور وسط ہند سے گزرتا ہے۔ ضلع ناسک بمبئی پریزیڈنسی میں موضع ترمبک سے نکل کر ملک دکن اور سلطنت سرکار عالی نظام میں گزرتا ہے۔ ریل کے پل میں (۵۶) کمانیں (۱۲۰) فیٹ چوڑی ہیں پونے دو میل پل کی لمبان ہے۔ ہندوستان میں یہ دوم نمبر کا پل ہے اس سے بڑا پل سون کا ہے جو ایسٹ انڈین ریلوے کے اسٹیشن ڈیہری پر واقع ہے ۱۲

پیشتر طیار ہوا۔ اس پل کی طیاری کا سبب یہ ہوا کہ شہزادہ محمد قلی مسماۃ بھاگ متی طوائف پر عاشق تھا اور وہ موضع چچلم میں جہاں اب آبادی شہر حیدر آباد ہی رہتی تھی۔ شہزادہ حسب عادت ایک رات قلعۂ گولکنڈہ سے موسیٰ ندی پر آیا اُس وقت ندی طغیانی پر تھی اس کو جذبۂ عشق نے بے چین کر دیا اسی حالت طغیانی میں ندی میں گھوڑا ڈالا اور پار ہو گیا خفیہ نویسوں نے جب اس کی اطلاع بادشاہ کو دی تو بہت متفکر ہوا اور سجدۂ شکر بجالا کے حکم دیا کہ موسم بارش سے پیشتر اس ندی پر پُل طیار کیا جاے۔ اس پُل کا طول (۴۰۰) گز اور عرض (۱۲) گز اور ارتفاع (۱۴) گز ہی۔ کسی نے پل کی تاریخ (صراط المستقیم ۹۸۱ھ) لکھی اور انعام سے سرفراز ہوا کسی اور نے پل کی تکمیل کی تاریخ ذیل کے شعر میں لکھ کر پیش کی اور پانچسو اشرفی صلہ پایا ؎

زتحت او گزرد مارو ما بر او گذریم　　از یں سبب شدہ تاریخ او گذرگہ ما
۹۸۶ھ

اس بادشاہ کے عہد میں ملک سرسبز و ترقی پذیر رہا۔ رفاہ عام کے بہت سے کام کئے گئے تالاب حسین ساگر جس کا ایک نمونہ ہی۔ سیکڑوں مساجد و مدارس طیار ہوئے اور گولکنڈہ کی پہاڑیوں پر حصار اور مورچے بنائے گئے اسی عہد میں قصبۂ ابراہیم پٹن آباد ہوا اور تالاب ابراہیم پٹن جو مشہور و معروف ہی طیار ہوا[۱]۔ علم النعل صاحب بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ لایا گیا۔ اس علم کی نسبت

---

[۱] ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ کا ایک کتبہ قصبہ پٹن چرو کے گنبد پر میری نظر پڑا وہ ذیل میں درج ہی۔ پٹن چرو حیدرآباد سے دس کوس اور لنگم پلی ریلوے اسٹیشن سے (۵) میل ہی اور مستقر محکمہ صوبہ داری صوبہ گلشن آباد میدک ہی۔

وما توفیقی الا باللہ العلی القادر

تیاری گنبد ایں گردوں مثال و اساس ایں عمارت عالی مقدار در زمان بادشاہ عالی جاہ سلطنت پناہ خلافت دستگاہ گردوں احتباہ ظل اللہ خادم اہل بیت ہمایوں ابراہیم قطب شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ و عدلہ بتوفیق اللہ تعالیٰ و استمداد روح پر فتوح حضرت سلطان الاولیاء امام العشاق والعرفا قطب الارض والسماء رئیس المحبوبین و سید المعشوقین شاہ محی الدین ابو محمد سید عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ استعانت یافت فقیر حقیر مسمی بہ عبد القادر المخاطب بہ امین خاں قریشی القادری مرید حضرت

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہی صلعم کا خود مبارک جو معرکۂ کربلا میں جناب سید الشہدا حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک پر تھا اُس کی بینی کا ٹکڑا جو کارزار میں گر پڑا تھا دست بدست بامتداد زمانہ یوسف عادل شاہ بیجاپوری کے ہاتھ لگا بادشاہ اس پر صندل لگا کر عشرۂ محرم میں استاد کر کے آداب عزاداری ادا کرتا تھا جب سلطنت بیجاپور تباہ ہو گئی تو قلعہ محمد نگر گولکنڈہ کو وہ علم ابراہیم قلی قطب شاہ کے عہد میں لایا گیا - بادشاہ اس علم کو قلعہ میں عشرۂ محرم میں استاد کرتا تھا - من بعد اس کے فرزند سلطان محمد قلی کے زمانہ میں شہر حیدرآباد آباد ہوا تو یہ علم قلعہ سے شہر میں لایا گیا حسب شد آمد قدیم غرۂ محرم کو یہ علم استاد ہوتا ہے اور شب دہم کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ لعل صاحب کی سواری اُٹھتی ہے لاکھوں چراغ اور ہزاروں مشعلیں سواری کے ساتھ رہتی ہیں - خلقت کا اس قدر ازدہام ہوتا ہے کہ پناہ بخدا - اسی بادشاہ کے عہد میں پٹیال اور گھن آنکور میں الماس کی کان برآمد ہوئیں - مورخ فرشتہ سلطان ابراہیم کا حال یوں لکھتا ہے -

”سلطان ابراہیم کے ابتداء عہد حکومت میں تلنگانہ مصر کی طرح دنیا کی بڑی منڈی بن گیا - ترکستان عرب اور ایران سے تجار آتے تھے اور اُن کی اس طرح دل افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۴ - قطب الانام شاہ محمد قادری الملتانی خلیفہ حضرت مرشد الانام شیخ ابراہیم مخدوم برخی المشتہر شاہ محمد قادری قدس سرہما در تاریخ ۹۷۶ھ تسعمائۃ ست وسبعین من الہجرۃ المصطفویہ افضل الصلوٰۃ والسلام واکمل التحیات بکمال باتمام و اختتام رسانید امید واثق و رجاء صادق چنانست کہ حق سبحانہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ و اعظم شانہ این گنبد عالی اساس را از حوادث روزگار در حفظ و امان خود نگہ دارد بمنہ و کرمہ وجودہ و کرمہ آمین یا رب العالمین بعنایۃ اللہ تعالیٰ و مدد و استعانۃ حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ وارحاہم در زمین انعام گنبد مذکور مسجد و جماعت خانہ و چہار دیواری گرداگرد مسجد مذکور بسنگ سنگین بستہ شد و این عمارت مذکور در تاریخ و ماہ جمادی الاول ۹۸۴ھ شہور تسعمائۃ و اربع ثمانین ہجریہ مصطفویہ علیہ افضح السلام ذلک کتبہ الحقیر القصیر عبد القادر المخاطب بہ امین خاں المشتہر بہ شیخ میاں بن شیخ بڑے بن شیخ ہمایوں بن قاضی جیون ابن متقی العلماء قاضی محمد افتخار ابن قطب العلماء قاضی بابا قریشی القادری اولادہم و اجدادہم و اسمہم حفاظ خاں و عبید العلی و فاضل خاں و عبد الکریم و شیخ ابراہیم فقط ۱۲

ہوتی تھی کہ وہ اس ملک کے کئی چکر لگاتے تھے ممالک غیر کی بہترین نعمتیں ہر روز بادشاہ کے وسیع دسترخوان پر بافراط رکھی جاتی تھیں۔"

بتاریخ یکم رجب ۹۸۹ھ م ۲ جون ۱۵۸۱ء اپنی جلوس کے بتیسویں سال (۵۱) برس کی عمر میں سلطان ابراہیم نے سفر آخرت اختیار کیا ۵۷

چو ز دنیا سوے عقبی رخت بست	شاہ ابراہیم شاہ اہل جاہ
سال وصل او ست فیاض زماں	نیز "زیبا تاج ابراہیم شاہ"
۹۸۹ھ	۹۸۹ھ

کتبہ بر گنبد سلطان ابراہیم قطب شاہ ۹۸۸ھ بخط طغری شہد اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ سنہ ۹۸۸

بخط طغری - قَدْ اِنْتَقَلَ سَاکِنُ هٰذِہِ الْحَضِیْرَۃِ الْعَلِیَّۃِ الْعَالِیَۃِ وَهُوَ السُّلْطَانُ الْمَغْفُوْرُ الْخَاقَانُ الْمَرْحُوْمُ وَالْمَبْرُوْرُ الْمَلْکُوْتِیُّ اَنَارَ اللّٰہُ بُرْهَانَہٗ وَاَسْکَنَہٗ مَعَ اَوْلِیَآئِہٖ جَنَّتَہٗ جَوَارَ رَحْمَۃِ اللّٰہِ یَوْمَ الْخَمِیْسِ الْحَادِیْ وَالْعِشْرِیْنَ مِنْ شَهْرِ رَبِیْعِ الثَّانِیْ سَنَۃَ ثَمَانٍ وَّثَمَانِیْنَ وَتِسْعَ مِائَۃٍ مِّنَ الْهِجْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ اَحَلَّ رِضْوَانَ الْمَلِکِ الْاِلٰہِ السُّلْطَانَ اِبْرَاهِیْمَ قُطْبْشَاہ

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ وعلی ولی اللّٰہ حقا حقا

کتبہ گنبد سلطان میرزا محمد ابن سلطان ابراہیم قطب شاہ ۱۰۰۰ھ

بخط کوفی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وسورۃ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔

بخط طغری قَدِ اتَّفَقَ ارْتِحَالُ الْمَغْفُوْرِ الْمَبْرُوْرِ ذِی الْمَنَاقِبِ الْعَلِیَّۃِ وَالْمَفَاخِرِ السُّلْطَانِیَّۃِ میرزا محمد امیر ابن السلطان قطب شاہ ابراہیم انشاء اللّٰہ یُحَلِّلُ الْمَغْفِرَۃَ وَالرِّضْوَانَ فِیْ یَوْمِ الْاَحَدِ الْخَامِسِ وَالْعِشْرِیْنَ مِنْ شَهْرِ شَعْبَانَ الْمُعَظَّمِ سنہ ۱۰۰۰ شَهِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

---

۵۷ - اس تاریخ اور مہینے اور سنہ میں اُس کتبہ سے تھوڑا سا اختلاف ہے جو بادشاہ کے گنبد پر ہے لیکن جب کہ پتھر
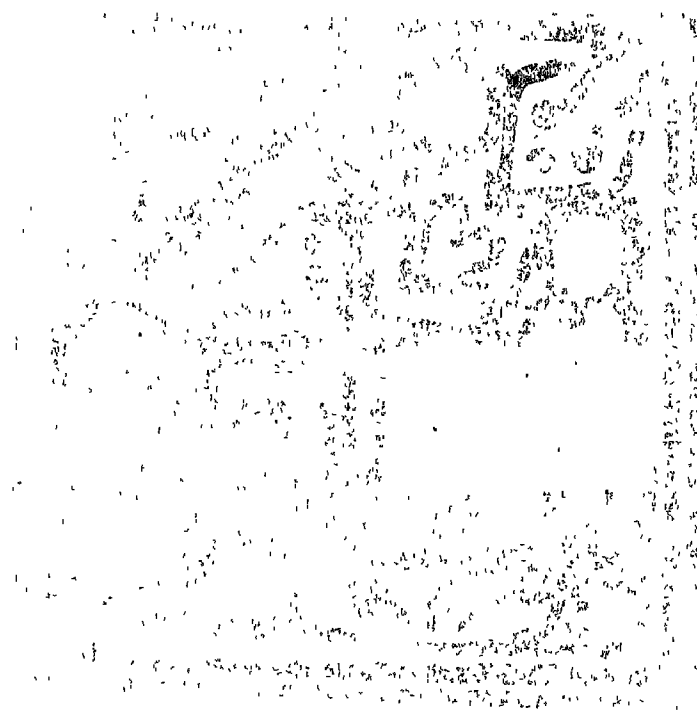
(۱) کتبه بر مقبرهٔ میرزا محمد امین فرزند سلطان ابراهیم قلی قطب شاه

(۲) کتبه بر قبر بیرون قلعه گولکنده جانب غرب واقع لود هاوازی اندرون رمنه

U. Ray & Sons, Calcutta.
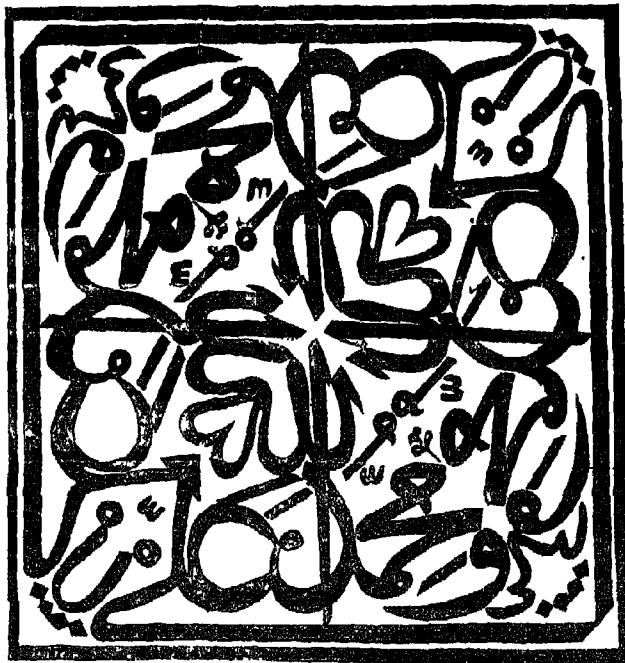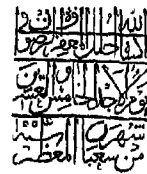
محمد قلی قطب شاہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء تا ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء

بادشاہ کا بیٹا عبدالقادر صاحب سیف و قلم تھا بادشاہ کو اُس کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے معزول کر کے خود بادشاہ نہ بن بیٹھے اس لئے زہر دے کر مروا دیا اور ایک دوسرا لڑکا باپ کی زندگی ہی میں مر گیا اس لئے فرزند سوم ابوالفتح سلطان محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا۔

بادشاہ نے ارکان دولت و اعیان حضرت و علماء و فضلاء شریعت کو انواع عنایات شاہانہ و الطاف خسروانہ سے معزز و ممتاز فرمایا۔ اس کی شفقت و احسان سے جمیع رعایا و برایا مرفہ الحال و فارغ البال رہی۔ اس کے زمانہ میں عدل و انصاف کے قواعد ایسے مشیّد و مستحکم ہوئے کہ ظلم و ستم کی بنیاد جڑ سے اُکھڑ گئی بادشاہ نے امیر شاہ میر کو جو سر حلقہ امیران دولت تھا مع دیگر امرا و خوانین قلعہ نلدرگ کی تسخیر کے لئے مامور کیا۔ بوقت روانگی ایسے گھوڑے دیئے کہ جن کی زین زر و نقرہ کی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری نے بکمال الحاح مکتوب اتحاد اسلوب عدم تسخیر قلعہ کے باب میں روانہ کیا۔ تو بادشاہ نے اس قلعہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور دیگر ولایات کے فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ جب سلطان نے دارالسلطنت محمد نگر گولکنڈہ کو اپنی جاہ و منزلت کے موافق نہ پایا اور اُس کے حصار میں امرا و سپاہ کی سکونت کے لئے کافی گنجایش نہ پائی تو اُس میدان میں جدید شہر کی بنا کا حکم دیا جہاں اب حیدرآباد واقع ہے تھوڑے زمانہ میں شہر کے علاوہ عمارات دولت خانہ شاہی و دروازۂ عالی و دارالشفا و باغات پاکیزہ و جلوخانہ و نقارخانہ و مکان ہائے کارخانہ جات و قصر ہائے اہل خدمات و حمام خانہ و تنبول خانہ و اسلحہ خانہ و مطبخ و مسجد جامع و عاشور خانۂ عالی سب تعمیر ہو گئے۔ حسب الحکم شاہی چار کمان کی کمان غربی دولت خانۂ عالی کا دروازہ اور کمان شرقی نقارخانہ شاہی قرار پائی۔ زربفت کا پردہ در دولت پر ہمیشہ پڑا رہتا تھا اور دوسرے محل مثل چندن محل اور گگن محل وغیرہ جاگیرداران بارگیران سلحداران و امرا و خوانین کے لئے طیار کئے گئے۔ دس ہزار بارگیر و سلحدار جو نشست پر رہتے تھے اُن کے کھانے اور ناشتہ کا انتظام مطبخ شاہی سے ہوتا تھا۔ دادمحل داد فرمائی خلائق کے لئے و دارالشفا معالجہ بیماران کے لئے طیار کئے گئے۔ ہر قسم کی دوا و غذا کا انتظام سرکار سے تھا اور موسیٰ ندی پر ندی محل طیار کیا گیا اور آخری چہارشنبہ کے جلسہ کے لئے بنی باغ بنایا گیا اور عمارات

کوہ طور و محمدی محل و حیدری محل و حسنی و حسینی محل و جعفری و حیدر محل جس کو حیدر سنڈوا بھی کہتے تھے یہ سب مع باغوں کے سیر و تماشہ کے لئے بنائے گئے تھے ۔ سلطان کو منظور تھا کہ بلدۂ حیدرآباد کی آبادی مشہد مقدس کی طرح کی ہو ۔ لہٰذا بجائے روضۂ منورہ جناب امام علی ابن موسیٰ رضی علیہ الصلوٰۃ والسلام چار مینار کی عمارت جس کا ارتفاع (۶۲) گز ہے اور جس پر مسجد اور حوض آب مصفا ہے تین لاکھ روپیہ کے صرفہ سے بنائی گئی ۔ تاریخ بنا رچار مینار و بلدۂ حیدرآباد یا حافظ ہے یہ بادشاہ نہایت سخی رحم دل ہمدرد بنی نوع انسان تھا تعمیرات عامہ و خیرات مبرات میں اپنے جیب خاص سے بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا حرمین شریفین و مقامات مقدسہ کے لئے لاکھوں روپیہ کا معمول مقرر تھا عشرۂ محرم میں عزاداری میں لاکھوں روپیہ صرف کرتا تھا ۔ علماء فضلاء سادات مسافرین کی خدمت غریبوں کی شادی اور ختنہ کے لئے بھی بڑے بڑے مدات مقرر تھے ۔ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے خرچ لنگر کے لئے ساٹھ ہزار ہن مقرر تھے اور بعد ماہ محرم کے بارہ ہزار ہن غربا و مستحقین میں تقسیم ہوتے تھے اس مد کا نام زر عاشوری تھا جب ہلال ماہ محرم نظر آتا تھا بادشاہ لباس ماتمی پہن لیتا غریبوں کے لئے کسوت سیاہ و سبز سرکار سے تقسیم ہوتے ۔ ۱۰۲۲ھ میں بجہت ازدیاد محبت ابو المظفر شاہ عباس صفوی دارائے ایران کی جانب سے اعزلو سلطان ہدایائے لائقہ کے ساتھ وارد حیدرآباد ہوا منجملہ ہدایا تاج مرصع جس پر آب دار جواہر اور موتی جڑے ہوئے تھے اور کمر بند و خنجر مرصع مکلل بہ جواہر نفیسہ و چالیس اسپ عربی نژاد با زین و لگام مرصع و عباسی ہائے زر نگار مرصع اور پانسو تھان مخمل و اطلس فرنگ و زربفت اعلیٰ و بارہ جفت قالین کرمانی وغیرہ تھے ۔ چوں کہ اُسی زمانہ میں مغلوں نے دکن پر یورش کی تھی اس لئے سفیر ایران چھ سال گولکنڈہ میں اقامت گزیں رہا ۔ بوقت معاودت وہ ایسے تحائف اپنے ساتھ ہندوستان سے لے گیا جو شایان شان شاہ ایران تھے ۔ اس بادشاہ کے دربار کا یہ طریقہ تھا کہ ہر صبح امراء و خوانین جو مجرے کے لئے حاضر ہوتے تھے تمام اسباب سفر مع خیمہ و خرگاہ اپنے ہمراہ لاتے اور جلو خانہ شاہی میں حاضر رہتے جس کسی امیر کے نام کسی سمت میں جانے کے لئے حکم شرف صدور لاتا اُسی وقت اسی مقام سے جہاں وہ کھڑے ہوتے روانہ ہو جاتے ۔ تہیۂ سفر و طیاری

س شہریار

ج کیا۔

شاہ

لف

اللہ

یہ وآلہ

برادرزادہ

لثانی

کو

ند کو

سیادت

ہ کی

محمد کو

روف

باضابطہ مشاہرۂ قدیم راضی وخوش دل کیا۔
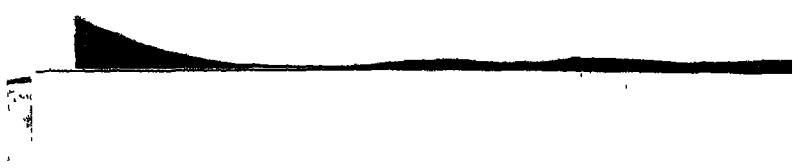
سامان کی ہرگز نوبت نہ آتی تھی - بتاریخ ۷ ارذیقعدہ سنہ ۱۰۲۱ھ م ۱۶ دسمبر سنہ ۱۶۱۱ء کو اس شہریار دریانوال نے اکتیس ۳۱ سال زیبندۂ تاج وتخت رہ کر (۴۹) سال کی عمر میں جہانِ فانی سے کوچ کیا -

محمد رفت چوں از دار فانی — وصال آن شہ دریں سال فیاض
ز قطب فضل وفضل عام جستم — دگر بارہ زعالی جاہ فیاض

سنہ ۱۰۲۱ھ — سنہ ۱۰۲۱ھ

بادشاہ کے گنبد میں یہہ کتبے ہیں:-

بہ خط نسخ - آیۃ الکرسی تا آخر رکوع اندرون گنبد -

بہ خط طغریٰ - اعلی الحضرت جنت مکانی عرش آشیانی محمد قلی قطب شاہ بن ابراہیم قطب شاہ انار اللہ برہانہما بتاریخ روز شنبہ ہفتدہم ماہ ذالی - (ذی) القعدۃ الحرام سنہ ۱۰۲۰ھ عشرین والف ہجری برحمت حق واصل شد - سن شریفین چہل ونہ سال ومدت سلطنتش سی ویکسال رحمہ اللہ تعالی رحمتہ کاملتہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا -

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ حقاً حقاً

سنہ ۱۰۲۲ھ

سلطان محمد قطب شاہ
سنہ ۱۰۲۱ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ
۱۶۱۱ء — ۱۶۲۵ء

محمد قلی قطب شاہ لاولد فوت ہوا اس سبب سے اس کا برادر زادہ اور داماد محمد قطب شاہ جانشین ہوا - یہہ بادشاہ ۳ ربیع الثانی سنہ ۱۰۰۱ھ چہارشنبہ کے دن پیدا ہوا - اس بچہ کے تولد ہوتے ہی سلطان محمد قلی نے اس کو اپنے سایہ عاطفت میں لے کر اپنی فرزندی میں لیا اس کو نہایت عمدہ تعلیم دلائی اور جب رشد کو پونہچا تو اپنی لڑکی سے شادی کردی - جب سلطان محمد قلی کا مزاج منہج اعتدال سے باہر ہوا سیادت ونقاہت مرتبت میر محمد مومن استرآبادی کو جو پیشوائے دولت ووکیل مطلق تھا اس شہزادہ کی جانشینی کی تاکید کی - اسی مطابق میر موصوف نے سلطان کے دفن سے پہلے سلطان محمد کو تخت پر بٹھایا اور تمام امرا وسپاہ سے بیعت لے کر شاہ مرحوم کی تجہیز وتکفین کی طرف مصروف ہوئے - سلطان محمد نے بعد جلوس ملازمان درگاہ کو باضافہ مشاہرۂ قدیم راضی وخوش دل کیا -

جب اس کے جلوس کی خبر شاہان اطراف وجوانب کو پونہچی تو ابراہیم عادل شاہ کی طرف سے
شاہ سیادت پناہ میر محمد تقی اور مرتضی نظام شاہ کی جانب سے میر ابوالفتح رسم تعزیت وتہنیت
ادا کرنے کی غرض سے مکاتیب محبت اسلوب وتحف وہدایائے لائقہ کے ساتھ پونہچے - یہ ایلچی
الطاف وعنایات وخلعت فاخرہ واسپ وفیل ونقود سے سرفراز ہوئے اور جوابات اتحاد آمود
حاصل کرکے شادکام واپس ہوئے - ربیع الاول سنہ ۱۰۱ھ میں میر محمد امین میر جملہ کو زیارت حرمین
شریفین کی اجازت دی اور دس ہزار ہن خرچ راہ کے لئے مرحمت کئے - اسی سنہ میں سید کمال الدین
مازندرانی کو راجۂ ولایت بستر کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا - سلطان مرحوم کی رحلت کی خبر جب
شاہ عباس صفوی شاہ ایران کو پونہچی تو اُس محبت کی بنا پر جو اُس کو خاندان قطب شاہی سے
تھی ایالت پناہ حسین بیگ قبچاقی کو جو مقربان بادشاہی سے تھا بجہت تہنیت تحائف
بیش بہا کے ساتھ دکن بھیجا - اس کی اطلاع جب بادشاہ کو پونہچی تو میر زین العابدین مازندرانی
کو فضل وخرد سے متصف تھا بندر دابل کو روانہ کیا اور ہر ہر منزل پر مراسم ضیافت ادا ہوئیں جب
سفیر سرحد پر پونہچا تو عمدۃ الخوانین انبیا رقلی خاں کو مع چند مقربین کے استقبال کے لئے روانہ کیا -
سفیر دارالسلطنت کے متصل بمقام کالا چبوترہ بتاریخ ۱۰ رجب سنہ ۱۰۲۰ھ بساط بوسی سے سرفراز ہوا
اور مکتوب شاہی کو مع تاج مرصع وکمربند وشمشیر وخنجر مرصع اور پچاس اسپ بادیہ پیمائے معہ زین
ولگام مرصع وعنان ہائے زرکش وتین سو تھان زربفت وغیرہ نذرانوں سے گزرانا اور مع اپنے
اسّی رفقاء کے الطاف خسروانہ سے بہرہ اندوز ہوا - ایک عالی شان محل ان کی اقامت کے
لئے منتخب ہوا - دو سال چار مہینہ سفر اقامت گزیں رہا - بعدہ ایالت پناہ شیخ محمد خاتون کو جو
مقربان درگاہ سلطانی سے تھے نہایت بیش قیمت تحف وہدایا دے کر سفیر ایران کے ساتھ
روانہ کیا - اور چودہ ہزار ہن خرچ راہ کے لئے سفیر ایران کو دے کر براہ برہان پور جانب ایران
روانہ کیا - شاہ ایران کا خط جو سلطان دکن کے نام آیا تھا اُس کی نقل درج ذیل ہے -

نقل مکتوب :- اعلیٰ حضرت سلطنت ومعدلت پناہ شوکت وعظمت دستگاہ ابہت
وجلالت انتباہ ممہد ومبانی الدولۃ والاقبال مشید ارکان النصفۃ والاجلال جالس سریر
سلطنت وکامگاری شائستہ مسند سروری وجہانداری المخصوص بعنایات الملک الاعلیٰ نظام السلطنۃ

والایالت والشوکت والعظمت والابہت والنصفت والاجلال سلطان محمد قطب شاہ را تسلیمات عطوفت محبت انجام ودعوت ملاطفہ بنیان موہوب فرجام ابلاغ وارسال داشتہ ہمگی توجہ خاطر مہرگزیں وتعلق ضمیر منیر موہوب آئیں ہمایوں مابانتظام اسباب سلطنت ودستکامی واعتدال لوائے نصفت وبلند نامی آں اعلیٰ حضرت باقصیٰ مراتب بکمال درستی مدارج عز واجلال متعلق ومقرون است ومطالب ومآرب دوجہانی بتوفیقات آسمانی مقدر بعد ہذا آنہائے راے صداقت آرائے می گرداند درحینیکہ خبر ملالت اثر واقعۂ ہائلہ مرحمت پناہ عم غفراں دستگاہ آن عالیجاہ سلطنت واقبال پناہ بدیں دیار رسید کہ از نشۂ فانیہ غدار بے اعتبار جدائی اختیار نمودہ بہ آرام گاہ بقا پیوستند بمقتضاے عطوفت واشفاق جبلی وعلاقۂ اتحاد ویکدلی کہ فیما بین مسلوک بود غبار کلفت وملال بر آئینہ ضمیر منیر محبت تاثیر نشستہ کمال اندوہ و ملالت دست دادہ ومتعاقب آں خبر بہجت اثر قایم مقامی ودارائے آن جالس سریر سروری وجہانداری بمسامع اجلال رسیدہ زنگ ملال از آئینۂ خاطر زدود وجود دنیائے فانی ناپائدار محل حوادث ومکارہ وبحکم قاطع کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ بقائے نوع انسانی از مقولہ ممتنعات وراہ عدم بیمائی قرار یافتہ کافہ مخلوقات است نقوش قدسیہ انبیائے عظام واولیائے کرام کہ محرمان اسرار غیبی ومقربان درگاہ ایزدی اند بہ مدلول آیۃ کریمہ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً از دل وجان ایں اشارت قدسی بشارت را پذیرفتہ وداغ عمر ناپائدار حیات دوروزہ مستعار نمودہ اند آنست کہ آں بادشاہ عالی جاہ درحدوث ایں قضیۂ ہائلہ برہنمونی گوہر شب تاب عقل بعروۃ الوثقیٰ صبر وشکیبائی تمسک جستہ بدیں عطیۂ عظمیٰ شاکر ومسرور باشند بحمد اللہ والمنہ بعون عنایات الٰہی سریر بادشاہی آں خانوادۂ علیہ بوجود شریف آں سلطنت نشان آرایش یافتہ چراغ آں سلسلہ افروختگی دارد رجائے واثق است کہ تا عم غفراں پناہ مذکور مستغرق رحمت حی لایموت بودہ باشند بقائے عمر آں سلطنت وشوکت دستگاہ بودہ از عمر ودولت تمتع وبرخورداری یابند چوں حسن اعتقاد ایشاں بخاندان طیبین وطاہرین برعالمیان اظہر من الشمس ومصادقت فیما بین از قدیم الایام سمت ظہور دارد لازم نمود کہ از مخلصان حریم عزت را بجہت پرسش حال تعزیت ومبارک بادی سلطنت

دوادوہی آن اعلیٰ حضرت فرستادہ شود لہذا رفعت پناہ مقرب العلیہ عالیہ حسین بیگ قبچاقی را
کہ از خدمتگاران بساط قرب و منزلت و محل اعتماد شاہانہ است روانہ حضور نمودیم و ایں
نامۂ دوستی آئین از روے کمال شوق مصحوب او ارسال ساختیم۔ الحمد للہ والمنۃ مجاری
حالات اینجاے بہمین عاطفت ربّانی برحسب دل خواہ احبا بخیر و خوبی گزرانست و دریں اوقات
فیما بین نواب ہمایوں ما و اعلیٰ حضرت بادشاہ ذی جاہ فرماں رواے ممالک روم بوساطت
مصلحاں خیر اندیش مصالح واقع شدہ و ما نیز جہت ترفہ احوال خلایق و عباد اللہ رضا بآں دادیم
و از جانبیں معاہدہ و پیماں تاکید یافتہ ایلچیاں معتبر آمد و شد نمودند و از ہیچ طرف امرے کہ
مکروہ خاطر انور بودہ باشد واقع نیست وظیفہ ایں کہ آن سلطنت و معدلت دستگاہ بیشتر کہ
شیوۂ فرخندہ اتحاد و حسن موافقت و ودادمرعی و سلوک داشتہ پیوستہ ریاض اخلاص را
بزلال مکاتیب صداقت عنواں و صحائف مودت نشاں شاداب گردانند و چوں داعیہ
ضمیر انور ہمایوں آنست کہ ہمیشہ از احوال ایشاں خبردار باشیم و ایلچیاں کہ میفرستیم دیر تر روانہ
می نمایند باعث ایں میشود کہ ازیں طرف نیز دیر روانہ شوند بعد ازیں برخلاف گزشتہ عمل نمودہ
رفعت پناہ مشار الیہ را زود تر روانہ گردانند۔ و بجہت آن مردم ما و ایشاں از راہ خشکی بفراغت
بیک دیگر تردد توانند کرد و پیوستہ از چگونگی حالات یک دیگر خبردار توانم بود چمچے از عساکر منصورہ
را بالفتح و تسخیر ولایت کیچ مکراں مامور فرمودیم و بتوفیقات آسمانی باندک توجہے مفتوح گشتہ
و سن بعد تردد باسانی میسر است بعضے از حکایات عم غفراں پناہ آں عالی جاہ زبانی سعادت
و عزت آثار بہ حاجی قنبر گفتہ بودند کہ بعرض اشرف رساند مشار الیہ معروض داشت بعد الیوم
ہر گونہ مطلبے کہ منظور و مرکوز خاطر انور بودہ باشد بے شائبۂ تکلف و غایلہ حجاب از روے
یگانگی اعلام نمایند کہ توجہ بحصول آں موصول گردد چوں غرض تجدید مراسم الفت بود زیادہ اطناب
نرفت ایام سلطنت و اقبال بماناد۔"

روز دوشنبہ بتاریخ ۲۸ شوال ۱۰۲۳ھ بادشاہ کے مشکوے معلی میں فرزند دلبند تولد
ہوا۔ نومولود کا نام سلطان محمد عبد اللہ میرزا رکھا گیا اور ۱۰۲۵ھ میں ایک اور شاہزادہ
تولد ہوا۔

سلطان محمد قطب شاہ نے سنہ ۱۰۲۲ھ ۱۶۱۳ء میں ارادہ کیا کہ ایک عالی شان مسجد متصل چار مینار تیار کی جائے - جب مسجد کا پایہ طیار ہوگیا تو شہر میں منادی کی گئی تھی کہ جس شخص کی نماز عمر بھر قضا نہ ہوئی ہو وہ آکر اس مسجد کا بنیادی پتھر رکھے مگر تمام شہر میں کوئی شخص ایسا نہ نکلا - دو شخصوں نے صرف ایک ایک وقت کی نماز قضا ہونا بیان کیا - یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ بارہ سال کی عمر سے اس وقت تک میری نماز تہجد تک کبھی قضا نہیں ہوئی اور پتھر سر پر اٹھا کر پایہ میں رکھ دیا - اس بادشاہ کے عہد میں تقریباً بیس ہزار ہن اس مسجد کی تعمیر میں صرف ہوئے سلطان عبداللہ قطب شاہ اور سلطان ابوالحسن تانا شاہ کے عہد میں بھی اس کی تعمیر جاری رہی شہنشاہ عالمگیر نے صحن اور حوض اور اطراف کی دیواریں اور دروازہ طیار کرا کے اور میناروں پر طلائی کلس چڑھا کے مسجد کو مکمل کیا اس مسجد کا نام بیت العتیق رکھا گیا تھا مگر عالمگیر نے سنہ ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ء میں مکہ مسجد کے نام سے موسوم کیا - اس مسجد کی طیاری سنہ ۱۱۰۴ھ میں اختتام کو پہنچی - چنانچہ یہی سنہ دروازہ کلاں پر کندہ ہے - طول اس مسجد کا (۷۰) گز عرض (۴۳) گز اور بلندی کا مع کلس (۴۹) گز ہے یہ مسجد زیر نگرانی مرزا فیض اللہ بیگ و رنگیا چودھری المخاطب بہ سرمند خان طیار ہوئی -

جب بادشاہ تپ محرقہ سے بیمار ہوا اور حالت بہت سقیم ہوگئی تو اپنے فرزند عبداللہ مرزا کو جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی طلب کر کے کہا کہ تم میرے روبرو دو رکعت نماز حاجت پڑھ کے بارگاہ اقدس الٰہی میں میری صحت کے لئے دعا کرو کہ تمھاری دعا درجۂ اجابت کو پہنچے گی - شہزادہ نے سجدہ میں جا کر اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے دیر تک بکمال خضوع و خشوع دعا کی اور بعد ختم نماز باپ سے کہا کہ درگاہ احدیت میں نہایت عجز و زاری والحاح سے میں نے آپ کی صحت کے لئے دعا کی انشاء اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ نصیب ہوگی - بادشاہ نے دیر تک بیٹے کی صورت دیکھی اور فرمایا کہ ای فرزند تو نے درگاہ ایزدی میں اپنی سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے دعا کی اور وہ مقرون بہ اجابت ہوئی - خوب ہوا - یہ ایک ضروری بات تھی ہم کو بھی اس سے دلجمعی ہوئی - چند ہی روز میں سنہ ۱۰۳۵ھ میں بیالیس سال کی عمر میں بادشاہ کا انتقال ہوا - اس بادشاہ نے بیس سال سلطنت کی -

کتبہ بخط طغریٰ

وفات اعلیٰ حضرت جنت مکانی سلطان محمد قطب شاہ ابن مرزا محمد قطب شاہ ابن ابراہیم قطب شاہ فی تاریخ یوم الاربعا سیزدہم ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۵ھ ولادت باسعادتش بہ ماہ رجب سنہ ۱۰۰۱ھ جلوس ہمایونش فی ہفتدہم ماہ ذی القعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ مدت سلطنتش چہاردہ سال وشش ماہ عمر عزیزش سی وچہار سال و دو ماہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ
۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ - ۱۶۲۵ء تا ۱۶۷۲ء

سلطان محمد قطب شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سلطان عبداللہ قطب شاہ جس کی عمر بارہ سال کی تھی تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کو تعمیر عمارات کا بہت شوق تھا۔ گوشہ محل کی عمارت اسی بادشاہ کے زمانہ میں طیار ہوئی۔ اس عمارت کی عظمت اس کے حوض سے ظاہر ہے جب حوض اس قدر بڑا ہے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اصل عمارت کس قدر بڑی اور وسیع ہوگی۔ صاحب تاریخ گلزار آصفیہ تحریر کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے کہ اس عمارت کو بچشم خود دیکھا اور اس کی سیر کی ہے ازاں جملہ میاں محمد امان اور حیات خاں ہیں جن کی عمر علی الترتیب سو اور نوے برس تھی ان دونوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ عمارت اس قدر مرتفع تھی کہ جوان زبردست قوی بازو بلند قامت اگر اپنی پوری قوت سے لیموں اوپر پھینکے تو عمارت کی سقف تک نہیں پونچ سکتا تھا۔ اس محل میں ایک ہزار حجرے تھے۔ تماشائی اندر داخل ہوں تو باہر نکلنا محال تھا۔ لوگ راستہ بھول جاتے تھے راہ نمائی کے لئے چند لوگ مقرر تھے۔ جن کی گزران اسی پر تھی۔ اب یہ عمارت منہدم ہوگئی ہے مگر حوض موجود ہے۔ تخت نشینی کے دو سال بعد جب کہ شاہ جہاں بادشاہ دہلی برہان پور آیا تو اس کا ایلچی عبداللہ قطب شاہ کے پاس آیا اور یہاں سے بہت سے تحائف بھیج کر بادشاہ سے اتحاد پیدا کیا۔ انھیں ایام میں خیرات خاں کی معرفت بادشاہ کے پاس بھی تحائف و مکتوب بھیجے گئے۔ خیرات خاں نہایت کامیابی کے ساتھ واپس ہوا۔ سنہ ۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۴ء میں سخت قحط پڑا۔ سلطان نے کافی انتظام غربا کی پرورش کا فرمایا ۱۰۴۲ھ / ۱۶۳۲ء میں اپنی ہمشیرہ کو سلطان محمد عادل شاہ کے عقد میں دیا۔ یہ بادشاہ عادل سخی شجیع وقدر شناس تھا۔ اہل ہنر کی بڑی قدر کرتا تھا۔ میر سعید میر جملہ نے جو منجملہ امراے شاہی کے تھا بادشاہ

سے منحرف ہو کر شاہ جہاں بادشاہ دہلی کی ملازمت اختیار کی اُس کی ترغیب سے سلطان محمد فرزند اکبر عالمگیر بادشاہ نے سنہ ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۵ع میں حیدرآباد پر فوج کشی کی اور غالب آیا مگر عبداللہ قطب شاہ نے سنوات ماضیہ کا پیشکش اور اپنی لڑکی دس لاکھ روپیہ کے جہیز سمیت حبالۂ نکاح میں شہزادہ کے دے کر صلح کر لی سنہ ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ع میں میر جملہ کو اس کے صلہ میں شہریار ہندوستان نے معظم خاں کا خطاب دیا اور بعد چند روز کے خطاب خانخاں عطا ہوا - میر جملہ کا تالاب مشرق میں انھیں کا بنوایا ہوا ہی - سلطان عبداللہ قطب شاہ کی والدہ حضرت حیات بخشی بیگم صاحبہ کی منت پر لنگر کی رسم حیدرآباد میں جاری ہوئی - اس بادشاہ کا کوئی فرزند نہ تھا صرف تین بیٹیاں تھیں لہذا ایک داماد تاناشاہ جو سلطان کی ماں کی طرف سے قرابت رکھتا تھا بعد رحلت سلطان عبداللہ کے جو ۳ محرم سنہ ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ع میں واقع ہوئی تخت نشین ہوا۔

لنگر نقل ہی کہ سنہ ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ع میں عبداللہ قطب شاہ (۲۷) ذی حجہ کو من مورت نام ہاتھی پر سوار تھا کہ دفعتہً وہ ہاتھی مست ہو گیا اور جنگل کی راہ لی - یہہ حال سن کر حیات بخشی بیگم صاحبہ سخت پریشان ہوئیں اُنھوں نے جناب باری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا واسطہ دے کر منت کی کہ اگر لڑکا صحیح و سالم آجائے تو ایک لنگر (زنجیر) سونے کا ہاتھی کے لنگر کے ہم وزن بنوا کر حسینی علم پر چڑھاؤں گی اور وہ فقرا کو تقسیم کر دوں گی - اتفاقاً ہاتھی گرفتار ہوا اور سلخ ذی حجہ میں عبداللہ قطب شاہ خیر و خوبی سے داخل محل ہوا - بیگم صاحبہ نے راتوں رات سونے کا لنگر تیار کرا کر شہزادہ کی کمر سے باندھ کر بجلوس تمام حسینی علم کو روانہ کیا - بیں اسی سال سے شہر میں لنگر کی رسم جاری ہی -

حسینی علم ایک شخص آغا علی نامی کو ایک تلوار جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب تھی مدینۂ منورہ میں ہاتھ آئی - اُس نے ایک آہنی علم بنوا کر سیف مذکور کو قبضہ سے الگ کر کے علم کے بیچ میں نصب کیا اور زمانۂ قطب شاہیوں میں وارد حیدرآباد ہوا - بادشاہ وقت استقبال کر کے بڑی تعظیم و تکریم سے اس علم کو لایا اور اب جس مکان میں موجود ہی اُس میں رکھا اور اس کو علی الدوام عشرۂ شریف میں وہیں استادہ کرنے کا حکم دیا - اس بادشاہ کے عہد تک دکن میں خطبۂ اثنا عشریہ شاہان صفویہ ایران کے نام سے پڑھواتے تھے

جب سلطان عبداللہ اور شاہجہاں بادشاہ ہندوستان کے فیما بین صلح ہوئی تو خطبہ بطریق مذہب اہل سنت والجماعت بنام صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی جاری ہوا۔ اس بادشاہ نے سنہ ۱۰۷۲ع میں انتقال کیا۔

کتبہ بخط طغریٰ تاریخ وفات بادشاہ جنت درگاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ بن سلطان محمد قطب شاہ یوم الاحد سیوم ماہ محرم سنہ ۱۰۸۳ھ و ولادت سعادتش بست و ہشتم شہر شوال سنہ ۱۰۲۳ھ جلوس ہمایونش یوم الاربعا چہاردہم ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۶ھ مدت سلطنتش چہل و ہشت سال سن شریفش شصت سال۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ حقا حقا

کتبہ موسیٰ برج سنہ ۱۰۰۰ھ در زمان دولت بادشاہ والاجاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ بندۂ دولت خیرات خاں بنائے ایں ملگیہا دو چاہ آب و باغ نمود فی شہر رجب سنہ ۱۰۰۰ھ۔

بخط نستعلیق بر بالا حصار سنہ ۱۰۵۲ھ در عہد دولت پادشاہ جمجاہ ملائک سپاہ سید عبداللہ قطب شاہ بسعی بندۂ درگاہ خیرات خاں ایں انبارخانہ باتمام رسید بتاریخ شہر رجب المرجب سنہ ۱۰۵۲ھ۔

کتبہ مسجد انبارخانہ بخط نسخ سنہ ۱۰۷۸ھ ایک ہی سطر میں نہایت خوش خط اور واضح لکھا ہے جس کا طول پندرہ فیٹ آٹھ انچ اور عرض ایک فٹ پانچ انچ ہے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى أُولٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ كتبہ محمد تقی الدین بن صالح البحرانی[51] سنہ ۱۰۷۸ھ

کتبہ لوح نیکنام خاں وزیر سلطان ابراہیم قطب شاہ سنہ ۱۰۸۳ھ فرمان جہاں پناہ عنایت عنوان بحکم آفتاب شعاع مرحمت بنیان از دیوان ہمیوں (ہمایوں) خلافت

۵۱۔ دیکھو فوٹو محاذی صفحہ ۵۴۹۔ ۱۲

مشحون چناں مشرف صدور یافت کہ بہ مقدماں و کلکرنیاں و رعایاے موضع منگلوارم من اعمال سمط (سمت) خیول عرف حسن آباد بالطاف شاہانہ امیدوار بودہ بدانند کہ از راہ عنایات خسروانہ شامل حال کافۂ فدویانست از ابتداے شہور سنۃ اربع و سبعین و الف حاصل موضع مذکور را وقف لنگر و روشنائی و حفاظ و خادمان مزار مغفرت پناہ جنت مکان نیکنام خاں نمودہ ایم کہ تا زمان ظہور حضرت صاحب الزماں صلوات اللہ علیہ من الملک المنان مقرر و جاری بودہ باشد باید کہ عہدہ داران و کارکنان و دیسائیان و تھلکرنیاں و مقدمان و کلکرنیان سمط (سمت) مزبور موضع مذکور را جہت اخراجات لنگر و روشنائی و خادمان و حفاظ مزار غفراں پناہ (پناہ) موصی الیہ مقرر و معین دانستہ بلا عذر جاری دارند و دریں باب تاکید تمام و قدغن مالا کلام شناسند و اگر کسی از مضمون فرمان قضا جریان تخلف ورزد بلعنت خدا و نفرین رسول اللہ گرفتار خواہد شد فَمَنْ بَدَّلَہٗ بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلَی (علی) الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ تحریر دوازدہم شہر جمادی الثانی ۱۰۸۲ھ وفات غفراں پناہ نیکنام خاں دہم ذیحجہ ۱۰۸۳ھ کتبہ کلب علی بن محمد صادق غفرہ ذنوبہ۔

کتبہ بر قبر حیات بخش بیگم عرف ماں صاحبہ والدۂ سلطان عبداللہ (بخط طغریٰ)

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ و علی ولی اللہ حقاً حقاً

علیا حضرت خدیجہ مرتبت مریم مکانی بلقیس زمانی صالحہ عفیفہ رابعہ راکعہ ساجدہ صائمہ خانم۔

سلطان ابوالحسن تاناشاہ
۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ
۱۶۷۲ع تا ۱۶۸۷ع

سلطان ابوالحسن تاناشاہ سید مرتضیٰ وزیر یا دناا ورا کنا (جو سید موصوف کے پیشکار تھے) ان تینوں کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ جب کہ وزیر نے بادشاہ کو مطیع کر کے دبا رکھنا چاہا تو اُسے معزول کر کے مادنا کو قلمدان وزارت دے دیا ۱۰۸۶ھ ۱۶۷۷ع میں سیواجی مرہٹہ نے حیدرآباد پر حملہ کیا اور اپنے حسب دلخواہ تاناشاہ سے عہدنامہ لکھوا لیا۔ بیجاپور کی فوج نے بھی یہ دیکھ کر حیدرآباد

پر چڑھائی کی مگر بیجاپوریوں کو شکست ہوئی کہتے ہیں کہ تاناشاہ بڑا عیاش تھا - مادنا سخت متعصب تھا اس نے بادشاہ کو کاروبار سلطنت میں غیر متوجہ پاکر اسلام کو ضعیف کردیا۔ شہر کے باہر بت خانے بنائے اور شرفائے اہل اسلام کی علانیہ توہین کرتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس سے بددل تھے اسی وجہ سے ابراہیم بیگ سپہ سالار فوج اس برہمن کا سخت دشمن تھا اور یہی وجہ اس سلطنت کے زوال کی ہوئی - عالمگیر بادشاہ ہندوستان سنہ ۱۰۹۳ھ ۱۶۸۲ء بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کی تسخیر کے لئے اپنی فوج کے ساتھ ملک دکن کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی فوج جب کہ فتح بیجاپور میں سنہ ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۶ء میں مصروف تھی تو اس حالت میں خان جہاں بہادر اور دیگر سرداروں کو حیدرآباد کے متعلقہ قلعوں کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ جب تاناشاہ کو خبر ہوئی کہ خان جہاں مالکھیڑ میں پہنچا تو اس نے خلیل خاں عرف ابراہیم بیگ کو لڑانے کے لئے بھیجا ان دونوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں جب خان جہاں کی سپاہ لڑتے لڑتے کم ہوگئی تو بادشاہ نے شہزادۂ معظم کو اس کی مدد کے لئے بھیجا۔ دکنیوں اور مغلوں میں کئی معرکے ہوئے بالآخر لشکر عالمگیری کی فتح رہی - جب زیادہ عرصہ اس لڑائی میں لگ گیا تو عالمگیر نے بیٹے پر شبہ کرکے عتاب فرمایا۔ شہزادہ نے تاناشاہ کے سپہ سالار کو لکھا کہ توقف جنگ کے سبب میں بادشاہی عتاب میں معتوب ہوں - اس لئے بہتر ہے کہ اب تک جو ملک بادشاہی تصرف میں آگیا ہے اس سے آپ ہمیشہ کے لئے دست بردار ہوجیئے تو عفو تقصیرات کے لئے بادشاہ سے عرض کیا جائے۔ تاناشاہ اس بات پر راضی ہوگیا تھا مگر امراء نے نہ مانا اور کہا کہ جو ملک ہماری سلطنت میں شامل ہے وہ ہمارے دم شمشیر اور نوک سناں سے وابستہ ہے - آخر شہزادے نے دکنیوں پر حملہ کیا طرفین سے خوب بہادرانہ مقابلے ہوئے ایسے میں مادنا دیوان نے موقع پاکر تاناشاہ کو سمجھایا کہ ابراہیم شہزادے سے ملا ہوا ہے اس پر بادشاہ ابراہیم بیگ کے قتل پر آمادہ ہوگیا مگر ابراہیم کو خبر ہوگئی وہ فوراً شہزادۂ معظم سے سنہ ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۶ء میں جاملا - تاناشاہ اس خبر کے سنتے ہی اوسان باختہ ہوکر حیدرآباد سے قلعۂ گولکنڈہ میں چلا گیا - اس وقت کی ہلچل نہ پوچھو کہ کیا تھی - ہزاروں اشراف اپنی بیبیوں کا ہاتھ پکڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور بے خانماں ہوکر جدھر منہ اٹھا نکل گئے اور شہزادۂ معظم کا حیدرآباد پر تسلط ہوگیا - پانچ چھ کرور روپیہ لوٹ کا ہاتھ

آیا۔ تاناشاہ نے اپنے ایلچی شہزادے کے پاس بھیجے اور اپنی عجز و نیاز کا اظہار کیا اور اپنے قصورات کی معافی چاہی اُس وقت شہزادہ نے غارت گروں کا انتظام کر کے کچھ فتنہ و فساد فرو کیا اور تاناشاہ پر رحم کر کے یہ شرائط صلح کی باپ کے پاس منظوری کے لئے پیش کیں کہ "ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ علاوہ نذرانہ معمولی کے تاناشاہ ادا کرے اور مادنّا اور اس کے بھائی اکنّا کو وزارت اور امارت کے عہدوں سے معزول کرے اور قلعۂ سیڑم و ملکھیڑ بادشاہ کے نذر گزرانے تو بادشاہ تاناشاہ کے جرموں کو معاف کرے" مادنّا کے اختیارات کم کرنے میں گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ چند اُمرا نے ان دونوں بھائیوں کو قتل کر کے اُن کے سر شہزادہ کے پاس بھیج دیئے۔ یہ صلح تو شہزادہ نے اپنی رحم دلی سے کی تھی مگر بادشاہ عالمگیر کو ناگوار گزرا جب شہزادہ کی عرضی اور مادنّا اور اس کے بھائی کے سر سامنے آئے تو بادشاہ نے بظاہر تو صلح منظور کر لی اور سعادت خاں کو جو خان جہاں کی دیوانی پر مامور تھا نذرانہ کے وصول کرنے کے لئے متعین کر دیا مگر در پردہ شہزادہ اور خان جہاں دونوں معتوب ہوئے بالآخر شرائط صلح کی عدم تکمیل کی وجہ سے عالمگیر نے ۱۰۹۸ھ میں گولکنڈہ پر پھر فوج کشی کی ابوالحسن تاناشاہ نے آٹھ مہینے تک افواج شہنشاہی کا خوب مقابلہ کیا اور قلعہ کی حفاظت کی مگر امراء اور افسران فوج عالمگیر سے جا ملے تھے اس لئے بالآخر عالمگیر کو فتح نصیب ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اثنائے محاصرہ میں اتنی توپیں سر ہوتی تھیں کہ دھوئیں کی وجہ سے دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ افواج کے گزرنے کے لئے مٹی سے بھر کر تھیلے جو خندق میں ڈالے گئے تھے اِن میں سے پہلے پچاس ہزار تھیلیوں کے منہ خود بادشاہ عالمگیر نے دست خاص سے سیئے تھے۔ بعض بعض مقامات میں سرنگیں بھی اُڑائی گئیں لیکن ان میں سے کوئی تدبیر بھی چنداں کارگر نہ ہوئی قلعہ محض سازش سے فتح ہوا۔ عبدالرزاق لاری مع اپنے لڑکوں کے اخیر تک وفادار رہا اور اخیر دم تک دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ جب قلعہ میں افواج مغلیہ داخل ہوئیں تو ابوالحسن تاناشاہ محلات سے رخصت ہو کر پالکی میں سوار ہو کر شہزادۂ معظم کے روبرو گیا اور آداب بجا لایا۔ شہزادہ نے بہ کمال تعظیم اپنے سر تک ہاتھ لے جا کے اسلام لیا۔ سلطان ابوالحسن نے نزدیک پہنچ کے

زمرد کی تسبیح جو ہاتھ میں تھی شہزادہ کو نذر دی اور کہا کہ ع

برگ سبز است تحفۂ درویش

شہزادہ اور سلطان ابوالحسن بالکل قریب ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ نسقچی نے ابوالحسن کی طرف دیکھ کر آواز دی کہ (بادب و بہ تفاوت باشید) شہزادہ نے غصہ سے نسقچی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ یہ سلطان ہیں۔ کچھ مکالمہ کے بعد سلطان ابوالحسن کے داروغہ مطبخ نے اطلاع دی کہ خاصہ طیار ہے بادشاہ شہزادے سے اجازت لے کر رخصت ہوا۔ امانت خاں و دیانت خاں امرائے شاہی شاہ کے ساتھ ہو لئے۔ ایک نے بادشاہ سے عرض کی کہ جہاں پناہ یہ پر آشوب وقت ہے آپ کو خاصہ کی طرف کیوں کر رغبت ہوئی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ چودہ برس بفرمان رب میں شہریار رہا۔ اب امر جلیل القدر یہ ہوا ہے کہ یہاں کی حکومت ایک خلیفۂ عادل کے تحویل ہو تو عذر او رناراضی کا کیا محل ہے۔ غم والم کرنا داخل سفلگی اور گناہ گاری ہے۔ بعد فراغت طعام گھوڑے پر سوار ہو کے مع شہزادۂ معظم بارگاہ شہنشاہی میں داخل ہوا۔ عالمگیر نے بہ کمال تلطف و احترام سلطان ابوالحسن سے ملاقات کی اور اُس کی شجاعت اور بہادری کی داد دی اس طرح ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۷ء میں دولت قطب شاہیہ خاندان تیموریہ میں ضم ہو گئی۔ اس کے بعد سلطان ابوالحسن دولت آباد بھیج دیا گیا جہاں وہ چودہ برس رہ کر اسہال کبدی سے سنہ ۱۱۱۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوا۔

ممالک مفتوحہ مشتمل تھے اکیس سرکار پر جو تین سو چھپن پرگنہ پر منقسم تھے۔ ان کا محاصل ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ روپیہ تھا۔ قلعۂ گولکنڈہ کی فتح کی تاریخ میر عبدالکریم نے (المخاطب بہ ملتفت خاں جو آگے چل کر امیر خاں کے نام سے مشہور ہوا) کیا اچھی کہی ہے۔

"فتح قلعۂ گلکنڈہ مبارک باد"

کتبات متفرق برقبور قلعۂ گولکنڈہ بخط طغرائے بے نظیر۔ برقبر بیرون قلعہ جانب غرب واقع لودہا دا اڑی اندرون رمنہ - اللہ محمد علی ولی اللہ۔[1]

بخط طغری - بناے فاطمہ سلطان بنت سلطان محمد امین۔

بخط النسخ - انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت سیادت پناہی مرحومی مغفوری امیر حسین سید مصطفی خاں بتاریخ یازدھم ماہ شوال بجوار رحمت حق تعالی واصل شدند۔

بخط النسخ - علیا حضرت مریم مکانی خدیجہ مرتبت زہرا لی۔

بخط طغریٰ - وانت اکرم منزول قادیہ

بخط طغریٰ - بنور وجھك اعتقنی من النّار - الیك اسلمنی من کان یعضد نی تاقری اجعل بفضلك مغفرۃ منک - انجوالیك خسرھا یا غفاد

بخط طغریٰ - یا قاھر ابا المنا یا کل جبار

بخط النسخ - وَمَنْ اهادی وَاَصْحَابِی وَاَنْصَارَ - فِی قَعْرِ مُطَلِنَةٍ هُوَحَسِيبَةٌ تَسْفَراء مَنْ ذَا غَرِيْبًا وَحِيْداً تَحْتَ اَحْجَار - اَمْسَيْتُ ضَيْفَكَ نَادِ مَاذَا الْجُوْدِ مُنَاجِرَ

قطعۂ تاریخ بنائے پل رود موسیٰ حیدرآباد نوشتۂ فیض حیدرآبادی۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

بعہد افضل الدولہ بہادر	نظام الملک آصفجاہ دوراں
الٰہی تا بود تاباں سہ و خور	بود خورشید اقبالش درخشاں
نکو دیوان او مختار ملک است	کہ نیکی را بود ہر حال خواہاں
بود کرنیل ڈیوڈسن بہادر	سفیر نیک دل ذی شوکت و شاں
زحسن رائے مسٹر مارٹ ایں پل	بنا شد ہمچو طاق ہفت ایواں

پانچ میل کے فاصلہ پر گوشہ محل تک گیا ہوا ہے۔ اس شاہی محل کی مغرب میں ایک پتھر کا زینہ کوٹھے پر جانے کے لئے بنا ہوا ہے اور اس کے جنوب میں دو بڑے بڑے دالان ہیں۔ ان میں سے ایک دالان کی دیوار میں ایک چھوٹا سا زینہ ہے جو قلعہ کی چوٹی پر جاتا ہے اس چوٹی پر ایک پتھر کا اونچا سا تخت ہے جس کی دس سیڑھیاں ہیں اس سے بڑھ کر اس قلعہ میں کوئی اونچی جگہ نہیں۔ قلعہ کے نیچے بہت سی قطب شاہی عمارات کے کھنڈر ہیں قلعہ کے استحکام نے اورنگ زیب کو آٹھ مہینے تک قریب آنے نہیں دیا۔ اور اگر سازش نہ ہوتی تو عالمگیر کبھی اس میں داخل ہونے نہ پاتا۔

گولکنڈہ کے مقابر گولکنڈہ کے گزشتہ بادشاہوں کی یہ یادگاریں نہایت دلچسپ و قابل دید ہیں۔ ان کی عظمت۔ ان کا جاہ و جلال ان کی تعمیرات کی عمارگی ان کے بانیوں کی قبریں۔ ان کی مضبوط لوحیں اور کتبے اور ان کی گولکنڈہ کی عظیم الشان قلعہ سے نزدیکی دیکھنے والوں کے دلوں پر چھا جاتی ہے وہ کیسے ہی سخت دل کیوں نہ ہوں اثر کئے بغیر نہیں رہتی اور شائقین آثار قدیمہ کے لئے تو وہ ایک نہایت بے بہا ذخیرہ ہیں۔ یہ مقبرے با یک دیگر قریب ہیں اور بلند چبوتروں پر واقع ہیں۔ ان کے اطراف جو باغات ہیں ان میں انواع و اقسام کے خود رو درخت اُگے ہوئے ہیں۔ یہ مقبرے شمال و مغرب میں قلعہ کی دیوار کے باہر واقع ہیں۔ بارش کے موسم میں یہ سبزہ زار میدان نہایت دلکش نظر آتا ہے۔ امتداد زمانہ نے قدرتی طور پر ان مقبروں کی صورت میں تبدیلی پیدا کر دی ہے اور علاوہ اس کے سنگ دل لوگوں نے بھی ان کو کچھ کم نقصان نہیں پہونچایا اگر ان کی عمارتیں بے حد مضبوط نہ ہوتیں تو وہ کب کے منہدم ہو گئے ہوتے۔ یہ مقبرے سہ پہر کی دھوپ میں سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا شہر نظر آتا ہے۔ یہ مربع مقبرے ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اور جدا جدا مربع چبوتروں پر واقع ہیں جن کے چاروں طرف کمان دار دیواریں اور دیواروں سے لگی ہوئی سیڑھیاں ہیں ان کے سطح چھت کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں مقبرے تمام خاکستری رنگ کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں لیکن ان میں کہیں کہیں چونے کی استرکاری بھی ہے اور کہیں کہیں انواع و اقسام کی رنگین لوحیں یہ رنگ اب تک ویسے ہی ہیں جیسے ابتدا میں تھے۔ ان لوحوں پر کلام مجید کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ابتدا میں

بخط النسخ - انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت سیادت پناہی مرحومی مغفوری امیر حسین سید مصطفیٰ خاں بتاریخ یازدھم ماہ شوال بجوار رحمت حق تعالیٰ واصل شدند ـــــہ۔

بخط النسخ - علیا حضرت مریم مکانی خدیجہ مرتبت زہرا لی۔

بخط طغریٰ - وانت اکرم منزول قادیہ

بخط طغریٰ - بنور وجہك اعتقنی من النّار - الیك اسلمنی من كان یعضد فی قاقری اجعل بفضلك مغفرۃ منك - انجوا الیك خمسہا یا غفاد

بخط طغریٰ - یا قاھر ابالمنا یا کل جیاد

بخط النسخ - وَمِنُ اھادیٰ دَاَصْحَابِیُ وَاَنصَارٌ - فِیُ قَعَرٍ مُطلِبَۃٍ ھُوَحَسبِیۃٍ قَسفراء مَنٌ ذٰ اغَرِیُباً وَحِیداً تَحتَ اَحجَار - اَمُسَیِتُ ضَیفَكَ نَادٍ مَاذَا الجُوُدِ مَنَاجر

قطعۂ تاریخ بنائے پل رود موسیٰ حیدر آباد نوشتۂ فیض حیدر آبادی۔

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ

بعہد افضل الدولہ بہادر	نظام الملک آصفجاہ دوراں
الٰہی تا بود تاباں سہ و خور	بود خورشید اقبالش درخشاں
نکو دیوان او مختار ملک است	کہ نیکی را بود ہر حال خواہاں
بود کرنیل ڈیوڈسن بہادر	سفیر نیک دل ذی شوکت و شاں
ز حسن رائے مسٹر مارٹ ایں پل	بنا شد ہمچو طاق ہفت ایواں

پانچ میل کے فاصلہ پر گوشہ محل تک گیا ہوا ہے۔ اس شاہی محل کی مغرب میں ایک پتھر کا زینہ کوٹھے پر جانے کے لیئے بنا ہوا ہے اور اس کے جنوب میں دو بڑے بڑے دالان ہیں۔ ان میں سے ایک دالان کی دیوار میں ایک چھوٹا سا زینہ ہے جو قلعہ کی چوٹی پر جاتا ہے اس چوٹی پر ایک پتھر کا اونچا سا تخت ہے جس کی دس سیڑھیاں ہیں اس سے بڑھ کر اس قلعہ میں کوئی اونچی جگہ نہیں۔ قلعہ کے نیچے بہت سی قطب شاہی عمارات کے کھنڈر ہیں قلعہ کے استحکام نے اورنگ زیب کو آٹھ مہینے تک قریب آنے نہیں دیا۔ اور اگر سازش نہ ہوتی تو عالمگیر کبھی اس میں داخل ہونے نہ پاتا۔

گولکنڈہ کے مقابر گولکنڈہ کے گزشتہ بادشاہوں کی یہہ یادگاریں نہایت دلچسپ و قابل دید ہیں۔ ان کی عظمت۔ اِن کا جاہ و جلال ان کی تعمیرات کی عمدگی اِن کے بانیوں کی قبریں۔ ان کی مضبوط لوحیں اور کتبے اور ان کی گولکنڈہ کی عظیم الشان قلعہ سے نزدیکی دیکھنے والوں کے دلوں پر جیا ہے وہ کیسے ہی سخت دل کیوں نہ ہوں اثر کئے بغیر نہیں رہتی اور شائقین آثار قدیمہ کے لئے تو وہ ایک نہایت بے بہا ذخیرہ ہیں۔ یہ مقبرے بایک دیگر قریب ہیں اور بلند چبوتروں پر واقع ہیں۔ ان کے اطراف جو باغات ہیں ان میں انواع و اقسام کے خودرو درخت اُگے ہوئے ہیں۔ یہ مقبرے شمال و مغرب میں قلعہ کی دیوار کے باہر واقع ہیں۔ بارش کے موسم میں یہہ سبزہ زار میدان نہایت دل کش نظر آتا ہے۔ امتداد زمانہ نے قدرتی طور پر ان مقبروں کی صورت میں تبدیلی پیدا کردی ہے اور علاوہ اس کے سنگ دل لوگوں نے بھی ان کو کچھ کم نقصان نہیں پونہچایا اگر ان کی عمارتیں بے حد مضبوط نہ ہوتیں تو وہ کب کے منہدم ہو گئے ہوتے۔ یہہ مقبرے سہ پہر کی دھوپ میں سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا شہر نظر آتا ہے۔ یہہ مربع مقبرے ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اور جدا جدا مربع چبوتروں پر واقع ہیں جن کے چاروں طرف کماندار دیواریں اور دیواروں سے لگی ہوئی سیڑھیاں ہیں ان کے سطح چھت کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں مقبرے تمام خاکستری رنگ کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں لیکن ان میں کہیں کہیں چونے کی استرکاری بھی ہے اور کہیں کہیں انواع و اقسام کی رنگین لوحیں یہ رنگ اب تک ویسے ہی ہیں جیسے ابتدا میں تھے۔ ان لوحوں پر کلام مجید کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ابتدا میں

ان مقبروں کی ساتھ ایک ایک مسجد بھی تھی جس کے اوقاف کی آمدنی سے خدام اور غربا کی پرورش بھی ہوتی تھی - عالمگیر نے جب گولکنڈہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو افسران مغلیہ مقبروں میں ٹھیرے تھے - گولہ باری کی وجہ سے مقبروں کی عمارات کو نقصان پونہچا ہی علاوہ بریں بے رحم ہاتھ جتنی عمدہ چیزیں تھیں چن چن کر نکال لے گئے جس کا معاوضہ نہ ہوسکا - شمال کے جانب ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا مقبرہ ہی - جس میں ایک سیاہ پتھر کی قبر ہی اور اس قبر پر پانچ لوحیں معہ آیات قرآنی کے ہیں - جن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ بادشاہ موصوف ۲۶ رشوال سنہ ۱۰۲۳ھ کو تولد - ۱۴ رجمادی الاول سنہ ۱۰۳۴ھ کو تخت نشین اور ۴ رمحرم سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء کو فوت ہوا - اس کے مربع چبوتروں کے ہر ایک کونے پر ایک ایک مینار ہی اور مینار کے کنگھر نہایت خوش نما تراشے ہوئے ہیں - مقبرہ کے شمال و مغرب بائیں میں ایک چھوٹی سی مسجد ہی جو احاطہ کے گرد ہی اس کے دروازے کے قریب راستہ کے بائیں طرف ایک ناتمام مقبرہ ہی جس کا بالائی نصف گنبد گر گیا - یہہ مقبرہ سلطان ابوالحسن مشہور تاناشاہ نے بنوایا تھا کہ آپ اس میں دفن ہو لیکن سنہ ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب کے ہاتھ گرفتار اور دولت آباد میں قید ہو کر سنہ ۱۷۰۱ء میں وہیں انتقال کر گیا - اس کی قبر دولت آباد کے قریب روضہ میں ہی - احاطہ کی دیوار بارہ فیٹ اونچی ہی - دیوار کے اندر بائیں طرف ایک گنبددار مقبرہ ہی کوئی (۶۰) فیٹ بلند اور اس سے آگے بڑھ کے کسی قدر بائیں طرف کو فاطمہ سلطانہ کا مقبرہ ہی - جو سلطان محمد امین کی بیٹی تھی - اس مقبرہ کی داہنی طرف دوسرا ایک مقبرہ ہی جس پر کندہ ہی کہ "محمد فرزند قطب الدین احمد سنہ ۱۰۲۱ھ ۱۶۱۲ء" ان تین مقبروں کو چھوڑ کے جب بڑے راستہ کو واپس آتے ہیں تو گولکنڈہ کے چھٹے بادشاہ سلطان محمد قطب شاہ کی اہلیہ اور ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ کی ماں کا مقبرہ ملتا ہی جن کا نام حیات بخش بیگم تھا - آصف نگر کا تالاب موسومہ تالاب[1] ماں صاحبہ اور حیات نگر اسی خاتون کی یادگار ہیں - سلطان عبداللہ کی قبر احاطہ کے باہر قلعہ کی جانب ہی - بیگم کے مقبرہ کی چھٹی سیڑھی پر جنوب کی طرف لکھا ہوا ہی کہ "حیات بخش بیگم کا انتقال ۲۸ رشب شعبان سنہ ۱۰۷۸ھ ۱۶۶۷ء کو ہوا" اس مقبرہ کی خوب صورت سفید عمارت ہی جس کے سامنے ایک پتھر کا حوض تقریباً ۳۰×۱۵ فیٹ کا ہی جس کے بیچ میں ایک

سلہ۱ - اس تالاب کے کتبہ کے لئے ضمیمہ آخر ملاحظہ ہو - ۱۲

قریب ہی پہلے بادشاہ سلطان قلی قطب کا مقبرہ ہی جو اس خاندان کا بانی تھا۔ یہ مقبرہ سیاہ پتھر کا ہی جس میں سات کتبے ہیں قبر کی لوح پر کوئی کتبہ نہیں۔ لیکن چوتھے کتبہ میں صل علی المصطفیٰ لکھا ہوا ہی۔ اور پانچویں کتبہ میں آیات قرآنی۔ ان مقبروں میں صرف یہی ایک مقبرہ ہی کہ جس کے تمام کتبے ایک ایرانی خوش نویس کے ہاتھ سے خط نسخ میں لکھے ہوئے ہیں۔ ورنہ دوسرے مقبروں کی لوحیں سوائے آیات قرآنی کے فارسی خط میں ہندوستانیوں کے ہاتھ کی ہیں۔ اس قبر کی لوح پر کندہ ہی کہ سلطان قلی شہید جو ملقب بہ قطب شاہ تھا ۲۳ جمادی الثانی سنہ ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) کو فوت ہوا۔ فرانسیسی سیاح موسیو تھیونو جو ۱۶۶۰ء میں ساتویں بادشاہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سلطنت میں گولکنڈہ آیا تھا ان کی نسبت یوں بیان کرتا ہی کہ جس بادشاہ نے گولکنڈہ بنایا تھا وہ اور اُس کے بعد اس کی اولاد میں جو دوسرے پانچ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ وہ قلعہ سے کوئی دو گولی کے ٹپ پر مدفون ہیں۔ ان کے مقبروں کی زمین بہت وسیع ہی اور اُن کے اطراف وسیع باغات ہیں۔ وہاں جانے کا راستہ قلعہ کے مغربی پھاٹک سے ہی جس میں سے نہ صرف بادشاہوں اور شہزادوں کی میتیں جاتی ہیں بلکہ جو کوئی قلعہ میں فوت ہوتا ہی اسی دروازے سے اُس کا جنازہ باہر لے جاتے ہیں۔ اگر ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے تو دوسرے کسی دروازے سے میت باہر نہیں جا سکتی۔ ان چھ بادشاہوں کے مقبروں میں ان کے ساتھ اقربا ان کی بیگمیں اور ان کے خواجہ سرا اور سردار بھی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی کرسی کے ساتھ پانچ یا چھ پتھر کی سیڑھیاں ہیں اور اطراف میں کمان دار دیواریں۔ یہ مقبرے مربع ہیں اور چھ یا سات قیدم (چھ فیٹ کا ایک قیدم ہوتا ہی) اونچے ہیں۔ ان میں اقسام کے خوش نما نقش و نگار ہیں اور ہر ایک پر ایک ایک گنبد اور چاروں کونوں پر چار برج ہیں۔ چوں کہ یہ مقبرے متبرک خیال کئے جاتے ہیں اس لئے بہت کم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملتی ہی۔ ان میں محرر مقرر ہیں جو لوگوں کے داخلہ کا رجسٹر رکھا کرتے ہیں۔ اگر میں نے یہ نہ کہا ہوتا کہ میں اجنبی نہیں ہوں تو مجھے کبھی اندر جانے کی اجازت نہ ملتی۔ ان مقبروں میں قالین کا فرش ہی قبر کے اوپر بوٹے دار اطلس کا غلاف ہی اور اوپر ایک شامیانہ بھی اطلس کا ہی یہاں فانوس کی روشنی ہوتی ہی۔ ان

ان مقبروں کی ساتھ ایک ایک مسجد بھی تھی جس کے اوقاف کی آمدنی سے خدام اور غربا کی پرورش بھی ہوتی تھی ۔ عالمگیر نے جب گولکنڈہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو افسران مغلیہ مقبروں میں ٹھیرے تھے ۔ گولہ باری کی وجہ سے مقبروں کی عمارات کو نقصان پونہچا ہی علاوہ بریں بے رحم ہاتھ جتنی عمدہ چیزیں تھیں چن چن کر نکال لے گئے جس کا معاوضہ نہ ہوسکا ۔ شمال کے جانب ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا مقبرہ ہی ۔ جس میں ایک سیاہ پتھر کی قبر ہی اور اس قبر پر پانچ لوحیں معہ آیات قرآنی کے ہیں ۔ جن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ بادشاہ موصوف ۲۶ رشوال ۱۰۲۳ھ کو تولد ۔ ۴ ارجمادی الاول ۱۰۳۵ھ کو تخت نشین اور ۴ ارمحرم ۱۰۸۳ھ کو فوت ہوا ۔ اس کے مربع چبوتروں کے ہر ایک کونے پر ایک ایک مینا رہی اور مینار کے کنگھر نہایت خوش نما تراشے ہوئے ہیں ۔ مقبرہ کے شمال و مغرب بائیں میں ایک چھوٹی سی مسجد ہی جو احاطہ کے گرد ہی اس کے دروازے کے قریب راستہ کے بائیں طرف ایک ناتمام مقبرہ ہی جس کا بالائی نصف گنبد گر گیا ۔ یہ مقبرہ سلطان ابوالحسن مشہور تاناشاہ نے بنوایا تھا کہ آپ اس میں دفن ہو لیکن ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب کے ہاتھ گرفتار اور دولت آباد میں قید ہو کر ۱۷۰۴ء میں وہیں انتقال کر گیا ۔ اس کی قبر دولت آباد کے قریب روضہ میں ہی ۔ احاطہ کی دیوار بارہ فیٹ اونچی ہی ۔ دیوار کے اندر بائیں طرف ایک گنبددار مقبرہ ہی کوئی (۶۰) فیٹ بلند اور اس سے آگے بڑھ کے کسی قدر بائیں طرف کو فاطمہ سلطانہ کا مقبرہ ہی ۔ جو سلطان محمد امین کی بیٹی تھی ۔ اس مقبرہ کی داہنی طرف دوسرا ایک مقبرہ ہی جس پر کندہ ہی کہ "محمد فرزند قطب الدین احمد ۱۰۲۱ھ" ان تین مقبروں کو چھوڑ کے جب بڑے راستہ کو واپس آتے ہیں تو گولکنڈہ کے چھٹے بادشاہ سلطان محمد قطب شاہ کی اہلیہ اور ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ کی ماں کا مقبرہ ملتا ہی جن کا نام حیات بخش بیگم تھا ۔ آصف نگر کا تالاب موسومہ تالاب[1] ماں صاحبہ اور حیات نگر اسی خاتون کی یادگاریں ہیں ۔ سلطان عبداللہ کی قبر احاطہ کے باہر قلعہ کی جانب ہی ۔ بیگم کے مقبرہ کی چوتھی سیڑھی پر جنوب کی طرف لکھا ہوا ہی کہ "حیات بخش بیگم کا انتقال ۲۸ رشب شعبان ۱۰۷۸ھ کو ہوا" اس مقبرہ کی خوب صورت سفید عمارت ہی جس کے سامنے ایک پتھر کا حوض تقریباً ۷۰×۱۵ فیٹ کا ہی جس کے بیچ میں ایک

[1] ۔ اس تالاب کے کتبہ کے لئے ضمیمہ آخر ملاحظہ ہو ۔ ۱۲

قریب ہی پہلے بادشاہ سلطان قلی قطب کا مقبرہ ہے جو اس خاندان کا بانی تھا۔ یہ مقبرہ سیاہ پتھر کا ہے جس میں سات کتبے ہیں قبر کی لوح پر کوئی کتبہ نہیں۔ لیکن چوتھے کتبہ میں صل علیٰ المصطفیٰ لکھا ہوا ہے۔ اور پانچویں کتبہ میں آیات قرآنی۔ ان مقبروں میں صرف یہی ایک مقبرہ ہے کہ جس کے تمام کتبے ایک ایرانی خوش نویس کے ہاتھ سے خط نسخ میں لکھے ہوئے ہیں۔ ورنہ دوسرے مقبروں کی لوحیں سوائے آیات قرآنی کے فارسی خط میں ہندوستانیوں کے ہاتھ کی ہیں۔ اس قبر کی لوح پر کندہ ہے کہ سلطان قلی شہید جو ملقب بہ قطب شاہ تھا ۲ جمادی الثانی سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ع کو فوت ہوا۔ فرانسیسی سیاح موسیو تھیونو جو سنہ ۱۶۶۵ع میں ساتویں بادشاہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سلطنت میں گولکنڈہ آیا تھا ان کی نسبت یوں بیان کرتا ہے کہ جس بادشاہ نے گولکنڈہ بنایا تھا وہ اور اُس کے بعد اس کی اولاد میں جو دوسرے پانچ بادشاہ تخت نشیں ہوئے۔ وہ قلعہ سے کوئی دو گولی کے ٹپ پر مدفون ہیں۔ ان کے مقبروں کی زمین بہت وسیع ہے اور اُن کے اطراف وسیع باغات ہیں۔ وہاں جانے کا راستہ قلعہ کے مغربی پھاٹک سے ہے جس میں سے نہ صرف بادشاہوں اور شہزادوں کی میتیں جاتی ہیں بلکہ جو کوئی قلعہ میں فوت ہوتا ہے اسی دروازے سے اُس کا جنازہ باہر لے جاتے ہیں۔ اگر ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے تو دوسرے کسی دروازے سے میت باہر نہیں جا سکتی۔ ان چھ بادشاہوں کے مقبروں میں ان کے ساتھ اقربا ان کی بیگمیں اور ان کے خواجہ سرا اور سردار بھی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی کرسی کے ساتھ پانچ یا چھ پتھر کی سیڑھیاں ہیں اور اطراف میں کمان دار دیواریں۔ یہ مقبرے مربع ہیں اور چھ یا سات فیدم (چھ فیٹ کا ایک فیدم ہوتا ہے) اونچے ہیں۔ ان میں اقسام کے خوش نما نقش و نگار ہیں اور ہر ایک پر ایک گنبد اور چاروں کونوں پر چار برج ہیں۔ چونکہ یہ مقبرے متبرک خیال کئے جاتے ہیں اس لئے بہت کم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملتی ہے۔ ان میں محرر مقرر ہیں جو لوگوں کے داخلہ کا رجسٹر رکھا کرتے ہیں۔ اگر میں نے یہ نہ کہا ہوتا کہ میں اجنبی نہیں ہوں تو مجھے کبھی اندر جانے کی اجازت نہ ملتی۔ ان مقبروں میں قالین کا فرش ہے قبر کے اوپر لوٹے دار اطلس کا غلاف ہے اور اوپر ایک شامیانہ بھی اطلس کا ہے یہاں فانوس کی روشنی ہوتی ہے۔ ان

بادشاہوں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی قبریں ان کی ایک جانب میں ہیں اور دوسری جانب کتابیں الماریوں میں چنی ہوئی ہیں جن میں زیادہ تعداد قرآن و تفاسیر اور دوسری اسلامی مذہبی کتابوں کی ہے۔ تمام بادشاہوں کے مقبرے یکساں ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ بعض اندر باہر مربع ہیں اور بعض باہر مربع اور اندر صلیبی شکل کے ہیں۔ بعض سادے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ بعض سرخ و سفید پتھر کے۔ لیکن سب صفا اور جلا میں سنگ مرمر کے سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان مقبروں میں اخیر بادشاہ کا مقبرہ سبھوں سے بہتر ہے اور اس کا گنبد سبز رنگ کا ہے۔ شہزادوں ان کے بھائی بندوں اور بعض قرابت داروں کے مقبرے بھی ویسے ہی ہیں جیسے خود بادشاہوں کے ہیں۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ بادشاہوں کے مقبروں کے گنبد پر ہلال ہیں اور ان کے مقبروں پر نہیں۔

خواجہ سراؤں کے افسر کے مقبرے پست اور مسطح سقف کے ہیں۔ ان پر کوئی گنبد نہیں ہے لیکن سبھوں کے اطراف باغات ہیں اور تمام مقبرے متبرک سمجھے جاتے ہیں جب کوئی مجرم ان میں داخل ہوتا ہے تو خواہ اس نے کیسا ہی سخت جرم کیوں نہ کیا ہو وہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ یہاں ہر وقت گھڑیال بجتی رہتی ہے جیسے قلعہ میں۔ یہاں کے افسر تمام امور نہایت انتظام کے ساتھ کرتے ہیں۔"

جب ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اور یہ مقبرے سپاہیوں کے مسکن بنائے گئے تھے تو تمام پر فضا باغات اجڑ گئے۔ کیوں کہ ان میں گھوڑے باندھے گئے تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان عظیم الشان مقبروں پر توپیں چڑھائی گئی تھیں۔ جہاں سے قلعہ پر گولہ باری کی گئی تھی۔

نوٹ ۔ قلعۂ گولکنڈہ کے حالات کا ماخذ مولوی محمد محبوب صاحب انجینیر محلات و مہتمم صفائی قلعۂ محمد نگر و گنبد ہائے قطب شاہی کا مختصر رسالہ۔ انگریزی گائیڈ جو نواب سر افسر الملک بہادر کے ایما سے چھپی ہے تاریخ رشید الدین خانی اور تاریخ مرقع دکن ہے اس ضمیمہ کی ترتیب میری فرمائش پر مولوی محمد عبد الرب صاحب تحصیلدار تعلقہ رانوی ضلع رائچور نے کی ہے۔ رہے کتبے وہ سب کے سب مولوی شرف الحق صاحب خان بہادر

فہرست سلاطین قطب شاہیہ سنہ ۸۶۰ھ تا ۱۰۹۸ھ
۱۴۵۵ء ۱۶۸۷ء

سلسلہ نمبر	نام پادشاہ	سنہ پیدائش	سنہ جلوس	سنہ وفات	مدت سلطنت
۱	سلطان قلی قطب شاہ قطب الملک	سنہ ۸۶۰ھ ۱۴۵۵ء	سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء	سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	۴۴ سال
۲	جمشید قلی قطب شاہ	+	سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	۷ سال
۳	سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	اُسی سال تخت سے اُتار دیا گیا
۴	ابراہیم قلی قطب شاہ	+	دوشنبہ ۱۶ رجب سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	پنجشنبہ ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۱ء	۳۰ سال ۹ ماہ
۵	محمد قلی قطب شاہ	×	یکم رجب سنہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۱ء	شب شنبہ وقت صبح ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء	۳۱ سال

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۶۹ - (مرحوم) مہتمم حِسابات و معاوضہ ریلوے کے اُتارے ہوئے ہیں جن کو آثار قدیمہ کا بہت شوق تھا - اُن کا انتقال حال میں ہوا ہے میں ان کتبوں کو دیکھ چکا تھا - لیکن اب کہ اُن کی جائداد اُن کی اولاد میں تقسیم ہوگئی اس کتاب کا پتہ لگنا ایک دشوار امر تھا غرض بہت تلاش کے بعد میرے عزیز بھانجے ڈاکٹر محمد مشرف الحق پی - ایچ - ڈی - پروفیسر ڈاکہ کالج نے جو خان بہادر مرحوم کے خلف الرشید ہیں ان کتبات کو میرے پاس بھیج دیا جو جابجا نفس کتاب میں درج ہیں - پس گولکنڈہ کی مختصر ہسٹری کے لئے میں مولوی عبد الرب صاحب کا بہت ممنون ہوں اور کتبوں کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - ۱۲ من المصنف -

نشان سلسلہ	نام بادشاہ	سنہ پیدائش	سنہ جلوس	سنہ وفات	مدت سلطنت
۶	سلطان محمد قطب شاہ	رجب سنہ ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ع	۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ع	چہار شنبہ ۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ع	۱۴ سال ۶ ماہ
۷	سلطان عبداللہ قطب شاہ	دوشنبہ ۲۸ شوال سنہ ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۲ع	۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ع	شنبہ ۳ محرم سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ع	۴۹ سال بروئے کتبہ (۴۸) سال
۸	سلطان ابوالحسن تاناشاہ	×	سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ع	سنہ ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ع	(۱۵) سال۔ چودہ سال دولت آباد میں قید رہ کر ۱۱۱۱ھ ۱۷۰۰ع میں انتقال کیا

تیئسواں ضمیمہ

مدگل

مدگل رائچور سے ازبالائے لنگسگور (۶۷) میل ہی - اب اس کی حیثیت شہر کی نہیں رہی صرف قصبہ رہ گیا ہی جس کی خانہ شماری (۱۶۰۸) اور مردم شماری (۷۱۸۵) ہیں - سکندر آباد رائچور گدگ ریلوے جو اب بن رہی ہی اُس کا یہ اسٹیشن ہوگا - پہلے یہاں تحصیل کچہری تھی جس کی وجہ سے کچھ رونق تھی اب وہ بھی لنگسگور چلی گئی اور یہ بستی اب معمولی قریہ کی حیثیت رکھتی ہی قلعہ یہاں کا بڑا مستحکم ہی مگر اب جابجا شکستہ ہوگیا ہی - فصیل اور برج اب بھی درست حالت میں ہیں - قلعہ کی فصیل کا دور (۱۹۷۹) فیٹ ہی فصیل ۲۴ فیٹ بلند ہی جس میں ۱۶ بڑے بڑے برج (۴۰) فیٹ بلند اور (۱۶۲) فیٹ چوڑے اور سولھا برج چھوٹے (۳۳) فیٹ بلند اور (۴۰) فیٹ عریض جملہ (۳۲) برج ہیں - ہر برج (۳۷۴) فیٹ کے فاصلے پر واقع ہی - قلعہ کے اطراف وسیع اور عمیق خندق ہی - قلعہ کے اندر بہت سی آبادی اور مکانات ہیں - قدیم مکانات میں درگاہ حسینی علم بارود کوٹھہ - مسجد - چاوڑی - اور دھکرانی باؤلی ہی - قلعہ کے اندر ایک بڑا پہاڑ ہی جس کو پہلے "وتا سن بٹا" یعنی گھنٹے کا پہاڑ کہتے تھے اُس زمانے میں اس پر گھنٹہ بجتا ہوگا اور اب بالاحصار کہلاتا ہی وہاں بھی ایک برج ہی جس کی بلندی سب برجوں کے برابر ہی عرض البتہ (۱۹۲) فیٹ ہی لیکن چوں کہ پہاڑ پر واقع ہی سب سے بلند ہی اور دور دور کے مقامات نظر آتے ہیں اس کو گھنٹہ برج کہتے ہیں - محمد عادل شاہ نے اس پہاڑ پر ۱۰۵۳ھ میں گگن محل بنوایا تھا جو گر پڑ گیا اب خالی دیواریں کھڑی ہیں - قلعہ کے صرف دو دروازے ہیں ایک کاٹی دروازہ جس کے پٹوں پر بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی ہیں اور دوسرا فتح دروازہ - قلعہ کے باہر دواخانہ اور رومن کیتھلک لوگوں کا قدیم گرجا ہی - ابراہیم پور پٹ جسے اوپر پیٹ بھی کہتے ہیں اور پرانی
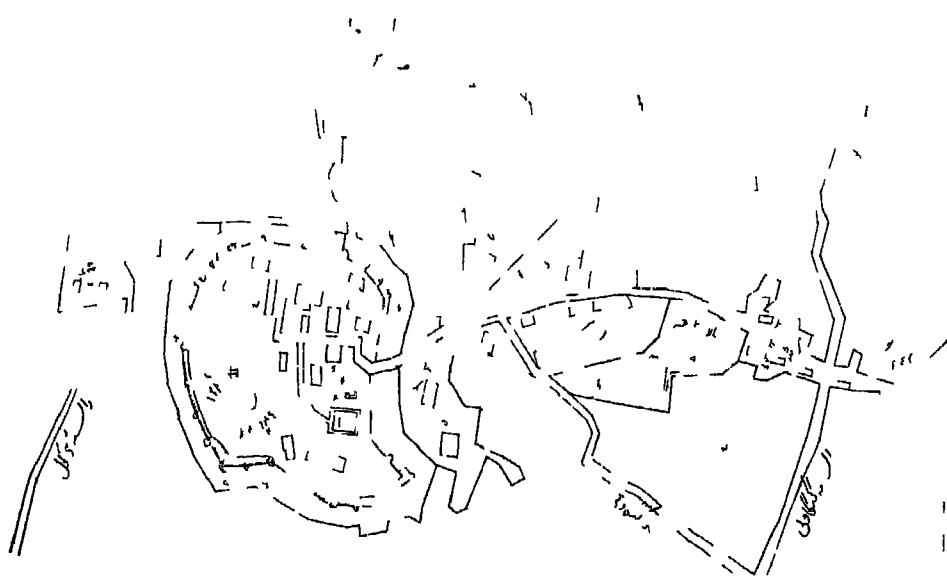
پیٹ جسے شاہ پور پیٹ بھی کہتے ہیں اور سوسوار پیٹ تین پیٹ ہیں - پُرانی پیٹ اور سوسوار پیٹ میں دو بڑے بڑے تالاب بھی ہیں - قلعۂ مدگل کی تعمیر مدّپا ریڈی نے کی تھی جو سرکار مدگل کا زمیندار تھا - یہ تعمیر یادھوراؤ راجہ کے چھٹے سال جلوس میں ہوئی ہے جو سکے سالیواہن ۱۰۵۳ کے مطابق ہوتا ہے اور جسے اب آٹھ سو برس ہونے آئے - اس کے بعد قلعہ کی درستی اور توسیع راجگان بیجانگر نے کی ابھی کام اتمام کو نہ پونہچا تھا کہ سلاطین خاندان عادل شاہیہ بیجاپور نے قلعہ پر قبضہ کر لیا - اُنھوں نے کچھ تھوڑی بہت ترمیم و تعمیر کی تھی کہ اورنگ زیب قابض ہو گیا - اورنگ زیب نے اس قلعہ کے برجوں کی تعمیر اپنے متفرق امراء کے تفویض کی اور ہر برج کو اُس کے بانیوں کے نام سے موسوم کیا - راجگان بیجانگر کے زمانے میں قلعۂ مدگل کا زمیندار لبیّانایک تھا جس کے پاس نو ہزار سوار دس ہزار پیدل اور پچاس ہاتھی رہتے تھے اور راجگان بیجانگر کو ڈیڑھ لاکھ ہیگوڈا[ف] خراج دیتا تھا - سنہ ۱۲۴۹ء میں مدگل دیوگیری کے یادھو راجگان کے صوبے کا مستقر تھا - ان کے بعد راجگان ورنگل نے قبضہ کیا - چودھویں عیسوی صدی کی ابتدا میں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلطان محمد تغلق کے صوبہ دار نے ملک دکن کو لوٹ کر اپنی سلطنت قایم کی تھی - اس زمانے میں یہ عالی شان قلعہ سلطنت بہمنیہ کا ایک سرحدی قلعہ تھا اور یہاں بہت سی فوج رہتی تھی - پھر عادل شاہیوں کا قبضہ رہا - سنہ ۱۶۶۱ء کے قریب ایک صدی تک مدگل میر کلاں خاں نواب کلیانی کی جاگیر رہا - بعد ازاں اُن کو ایک فرزند امتیاز الدولہ پیدا ہونے سے پرگنہ مسکی دودھ دہی کھانے کے لئے جاگیر دیا گیا اور مدگل بھی جاگیر ملا - سنہ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے سلطنت بیجاپور پر قبضہ کیا - سنہ ۱۷۰۶ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا - من ابتداء سنہ ۱۷۰۷ء لغایت سنہ ۱۷۲۳ء ملک دکن بہادر شاہ - جہاں دار شاہ - فرخ سیر - محمد شاہ کے قبضہ میں رہا - محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بتاریخ ۱۳ / اکتوبر سنہ ۱۷۲۳ء نظام الملک آصف جاہ صوبہ داری دکن پر والیس ہوئے - جب سے آج تک بہ فضل خدا سلطنت نظام عالی مقام قائم ہے - بروئے عہد نامہ ۱۲ / مئی سنہ ۱۸۵۳ء فیما بین آنریبل دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک

ف - ایک ہیگوڈا ہیرے کا ہوتا ہے ۱۲ سنہ ۵۲ مدگل سے قریب (۱۲) میل کے ہے جہاں اب اسوکا کا کتبہ نکلا ہے ۱۲

آصف جاہ بہادر ملک دوآبہ رائچور بہ ادائے تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ کرنل لو صاحب بہادر رزیڈنٹ برٹش گورمنٹ کے سپرد ہوا جس میں مدگل بھی شامل تھا۔ بروئے ضمیمہ نامہ فی مابین ہر میجسٹی ملکہ وکٹوریہ و ہز ہائینس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر مورخہ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء بزمانہ کرنل ڈیوڈسن بہادر رزیڈنٹ ملک دوآبہ گورمنٹ نظام کو مسترد ہوا اور ادائے تنخواہ کنٹنجنٹ میں ملک برار لے لیا گیا۔

مسجد دین دار خاں یہ مسجد کاٹی دروازے کے اندر ایک دوسرے دروازے سے نکلتے ہی ملتی ہے۔ دین دار خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس مسجد میں چندے وہ علم رکھے گئے تھے جو علی عادل شاہ کی فوج کے ساتھ آئے تھے اس کے بعد جدا گانہ عاشور خانہ بنا کر وہاں منتقل کیے گئے اس مسجد کی بیرونی دیوار پر یہ کتبہ سر راہ لگا ہوا ہے جو ناموزوں ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں ہے عادل شاہیوں کے زمانے کے اکثر کتبے اسی طرح ناموزوں ہیں ؎

غازی آں سلطاں مراتاج و نگیں ثۂ — کفار سرنگوں شد قوت گرفت دیں

در عہد ابوالمظفر علی عادل شاہ — بنا کرد ایں مسجد دیں دار خاں کمتر درگاہ

جامع مسجد بیرون فتح دروازہ علی عادل شاہ کی بنوائی ہوئی ہے مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چاوڑی بیرون فتح دروازہ۔ پختہ و سنگین عمارت ہے جو اب تک درست حالت میں ہے۔ اس میں تین سو عرب مع ایک چاوش کے رہا کرتے تھے۔ یہ جمعیت قلعہ کی حفاظت پر مامور تھی۔

فتح دروازہ سنہ ۹۸۰ھ۔ اس دروازے کا نام "چھپن اگسی" تھا۔ علی عادل شاہ چھ مہینے تک قلعہ مدگل پر پڑا مگر اندر داخل نہ ہو سکا۔ آخر کار رتمنا پٹواری کے پوتے سرتیپا نے اپنے زنانے کو قلعہ دکھلانے کی اجازت حاصل کی اور اس بہانے سے پچاس میانوں میں دو دو پٹھانوں کو چھپا کر اس دروازے سے قلعہ میں لے آیا۔ پٹھانوں نے سات مشاہیر کو قتل کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور علی عادل شاہ ۱۲ ذی قعدہ سنہ ۹۸۰ھ کو اسی دروازے سے قلعے میں داخل ہوا اور اس کا نام فتح دروازہ رکھا۔

علی برج ۹۸۲ھ اس برج کا پہلے کیا نام تھا معلوم نہیں - علی عادل شاہ نے ۹۸۰ھ میں فتح کر کے یہ نام رکھا - اس پر کتبہ جو ہی اُس کے اشعار بالکل ناموزوں ہیں - اسی برج کے پاس پہلے "چار محل" تھا اب سپاٹ میدان ہی اور زراعت ہوتی ہی - صرف ایک باؤلی باقی رہ گئی ہی جو چار محل کی باؤلی کہلاتی ہی ۵

درایا میکہ سلطان جہاں دار　　سمیّ شیر یزداں شیر کردار
باقبال و ظفر از ضرب شمشیر　　گرفت او کوٹ بنکاپور کفار
زہجرت نہ صد و ہشتاد و دو بود　　کمینہ کردم ایں جا تیشہ در کار

۹۸۲ھ

چو از اقبال سلطاں شد مرتب　　الٰہی تا ابد پایندہ اش دار

یہ کار کرد حکیم ......

فتح برج ۹۹۰ھ فتح دروازے کے پاس جو برج ہی اُس پر توپیں تھیں قلعہ میں داخل ہوتے ہی بادشاہ نے قبضہ کر لیا اس لیے اِس برج کا نام فتح برج رکھا - پہلا کیا نام تھا معلوم نہیں اور یہ کتبہ نصب کیا -

"بنائے برج فتح جنگ در زمان السلطان العادل الکامل السلطنۃ محمد ابوالمظفر شاہ عالی جاہ عالم پناہ علی عادل شاہ شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برّہ و احسانہ درکار کرد کتبہ الفقیر الحقیر دیانت خاں ناغمیت قلعہ مدگل بتاریخ عشر شہر رجب المرجب سنہ تسعین و تسعمائۃ المصطفویہ".

۹۹۰ھ

درگاہ حسینی علم علی عادل شاہ کی فوج کے آگے وہ علم جو کربلائے معلّی سے لائے گئے تھے بجائے نشان کے رہتے تھے - جب قلعہ فتح ہو گیا تو بارود کا کوٹھے میں چند روز وہ علم رکھے رہے بعد وہ دین دار خاں کی مسجد میں رکھے گئے اور بالآخر مدرنگ دیول اور گرام دیول کو مسمار کر کے یہ عاشور خانہ بنایا گیا جس کا نام "حسینی علم کی درگاہ" مشہور ہی اب اس عاشور خانے کی مرمت سرکار سے ہو گئی ہی - ماہ محرم میں بہت دھوم دھام ہوتی ہی اور بڑا ہجوم

خلائق کا ہوتا ہے بہت سی نذر و نیاز چڑھتی ہے - آمد و خرچ کا حساب رکھنے کے لئے سرکار کی طرف سے ایک کمیٹی مقرر ہے -

آثار شریف شاہان بیجاپور نے علم تو مدگل میں رکھوا دیئے تھے بعدہ موئے مبارک وغیرہ تبرکات بھی یہاں بھیج دئے جو اب تک محفوظ ہیں - جس عمارت میں یہ تبرکات رکھے گئے ہیں وہ ایک سنگیں اور پختہ عاشور خانہ ہے اور آثار شریف کے نام سے مشہور ہے - ۱۲/ ربیع الاول کو زیارت کے لئے ایک مجمع کثیر ہوتا ہے -

باروت کوٹھا علی عادل شاہ ثانی کے وقت کا بنا ہوا ہے - سنہ ۹۸۰ھ میں جب علی عادل شاہ مدگل آیا تو موجودہ باروت کوٹھے کے عمارت میں ترمیم کرکے حسینی علم جو اس کے ساتھ آئے تھے پہلے یہاں رکھے گئے تھے - یہ مکان لداؤ کا محراب دار نہایت مرتفع اور مستحکم ہے - اب اس میں سرکاری مدرسہ ہے -

دھکرائی یہ ایک بہت بڑی اور وسیع اور عمیق باؤلی ہے جو تالاب معلوم دیتا ہے مستطیل ہے اور چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں - یہ باؤلی بھی قلعہ کے ساتھ ہی ہے - اس کا طول (۲۶۴) فیٹ - عرض (۱۱۳) فیٹ عمق (۲۴) فیٹ ہے - کبھی خشک نہیں ہوتی لیکن ۱۴-۱۹۱۳ء میں بوجہ کئی سال کی مسلسل بارش کی کشمش کے اور اٹ جانے سے خشک ہوگئی -

کتبہ متصل برج دھکرائی اس باؤلی کے متصل جو برج ہے اس پر یہ کتبہ ہے ؎

بعہد سلطنت شاہ عادل ابراہیم	کہ باد سلطنتش متصل بر ستاخیز
بدور آصف صاحبقران دلاور خاں	کہ در حکومت او شد زمانہ بے ستیز
ز نسل شاہ ولایت بلند مرتبۂ	سمی احمد مرسل شہ سپاہ انگیز
بوقت سعد ہمایوں بہ طالع مسعود	کہ خور بہ برج شرف بود و مشتری ہم تیز

(یہ مصرع پتھر پر کندہ نہیں ہے) مصرع کہ مثل آں نہ بود در عراق و در تبریز

نشستہ بودم و از بہر فکر تاریخش	ز غیب ہاتفے آواز داد گفت کہ خیز

بالا حصار اس کا نام "تاسن بٹا"، یعنی گھنٹے کا پہاڑ تھا - کسی زمانے میں اس پر

گھنٹہ بجایا جاتا تھا۔ علی عادل شاہ نے بعد فتح قلعہ کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہاں ایک فصیل سکے ۱۵۶۵ اچیز بھالو نام پتھر کی بنی ہوئی موجود تھی اور ایک بُرج بھی ایسا بلند زیر طیاری تھا جس پر سے کشنا ندی صاف دکھلائی دے (سولھا میل کا فاصلہ ہے) یہ بُرج بنتے بنتے ادھورا رہ گیا تھا۔ محمد عادل شاہ نے بالا حصار پر گگن محل بنوایا تھا جس کی اب صرف دیواریں اور کمانیں کھڑی ہیں۔ اس پر جو کتبہ تھا وہ اب خاں صاحب کے باغ میں راقم نے اٹھوا کر کلب کے بنگلہ میں رکھوا دیا ہے اس بنگلہ کو مولوی محمد منہاج الدین صاحب کا کورزوی تحصیل دار نے چندے سے بنوایا اور ایک بڑی بھاری پرانی باؤلی کو بھی بہ صرف کثیر درست کرا کے ایک نہایت نفیس باغ لگوایا تھا جس کے بیچ میں ایک نہایت خوب صورت اور خوش نما حوض ہے۔ افسوس کہ پانی کی قلت اور عدم نگرانی سے اب باغ اُجڑ گیا۔ تحصیل جب تک یہاں تھی باغ بھی تھا اب دیکھنے والا کون ہے۔ کتبہ کی شاعری قابل ملاحظہ ہے کہ کسی طرح کل درست نہیں بیٹھتی ہے

الله - محمد - علی

درزمان پادشاہ عادل روے زمیں	خسرو آفاق سلطان محمد شاہ دیں
بنا کرد محل گگن بالاے کوہ	کہ در حسن و خوبی نباشد خوباں ازو
محل منور کہ از سنگ مرمر بستہ	نمایاں ز مشرق بہ مغرب چو ماہ خجستہ
کوہے کہ ہمچو کوہ قاف نیست	بلند و نکو تر در آفاق نیست
مرتب شد بتوفیق خداے حی معبود	ز ہجرت یک ہزار و پنجاہ و سہ بود

سنہ ۱۰۵۳ھ

الٰہی پائیدار ایں صفین باصفا	بحرمت سید کونین مصطفیٰ ؐ
کمینہ بندۂ درگاہ راگو سدّو	کہ در مردانگی از شمشیر برتر است او

ہنومان دیول "مل اگسی" دروازے کے اندر ہے۔ یہ وہی دروازہ ہے جو کاٹی دروازے کے نام سے مشہور ہے اور لنگسگور کے راستے پر واقع ہے۔ دیول کے عقب میں ایک دیوار پر ایک کنڑی کتبہ ہے جس کو میں نے بہت مشکل سے پڑھوایا۔ اُس کا ترجمہ یہ ہے۔

"خدا سلامت رکھے - مبارک اور عروج کرنے والے سالیواہن سکے ۱۴۸۲ روری سیجھ بیسالکھ سد بندرھویں (لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آتے) راجہ مجمع الاوصاف راجہ راجگان سب راجوں کا شیر الیا رام کشکیندا کمار کشن راج یا دھو مہاراج مبارک قدم خدا کا فرماں بردار خدا کے نافرمانوں کا سرکوبی کرنے والا - فوج جمع کرنے والا - مرد میدان ونگلیا نایک کا طیار کرایا ہوا دروازہ سلامت رہے"

مل اگسی دروازہ یہ پہلا دروازہ ہے جو بنگسگور کی طرف ہے - بڑا بھاری دروازہ ہے ہاتھی مع انباری جا سکتا ہے - پٹ اس کے نہایت مستحکم اور اُس پر تمام لوہے کے موٹے موٹے پتر جڑے ہوئے بڑی ڈبل کیلیں اُبھری ہوئی لگی ہوئیں - زنجیریں ایسی موٹی اور بھاری ہیں کہ کم ہوں گی - وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کنڑی میں مل خار کو کہتے ہیں اور اگسی دروازہ کلاں نوک دار کیلیں اس غرض سے لگاتے تھے کہ ہاتھی ٹکر نہ مار سکے - اس دروازہ کے بائیں کے پٹ پر کھدا ہوا کنڑی کا جو کتبہ ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے -

"خدا سلامت رکھے سالیواہن سکے رودری سیجھ بیسالکھ سد میں ونگلیا نایک کا بنایا ہوا دروازہ" اسی دروازے کے مقابل کے پٹ پر لوہے کی تختی پر کندہ کر کے کیلوں سے جڑا ہوا یہ کتبہ ہے -

در کار کرد غلام مرتضیٰ شاہ یا ربیگ بن شاہ سلیمان ؎

غرض نقشیست کز ما یاد ماند کہ ہستی را نمی بینم بقائے

رومن کیتھولک گرجا یہ فرقہ سینٹ زیویر کا بہت قدیم گرجا ہے جو سنہ ۱۴۷۱ء میں بنا ہے جس کو علی عادل شاہ نے سنہ ۱۵۵۵ء میں گرانٹ دیا تھا اور اب بھی سرکار عالی نظام کی مدلوکل فنڈ سے ۵ روپے ماہانہ گرانٹ ملتا ہے - یہاں رومن کیتھولک یوروپین پادری رہتا ہے بہت سے چوڑھے چمار عیسائی ہو گئے ہیں جن کا مدرسہ بھی ہے - کرنل میڈو ٹیلر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان میں سب سے قدیم گرجا یہی ہے -

کالی مسجد بیرون قلعہ ابراہیم پور پیٹھ میں ہے یہ مسجد نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہے دروازے کے اندر رُخ پر یہ کتبہ ہے ؎

ساخت این مسجد از برائے ثواب　　که بہ آساں وہر سوال وجواب
شہر سیران نظام سرخابی　　کہ دہر حیدرش ز کوثر آب

سنہ ۹۹۱ھ

باؤلی پُرانی پیٹ اس باؤلی میں علموں کو عشرہ محرم کے دن ٹھنڈا کرتے ہیں - یہ باؤلی ونگلپا نایک نے سکے ۱۴۹۲ مطابق سنہ ۹۷۸ھ میں بنائی تھی -

شاہ پور پیٹ جسے پُرانی پیٹ بھی کہتے ہیں یہ پیٹ یوگلپا نے (جو ریاست آناگندی کا ایک سردار تھا) بنوانا شروع کیا تھا - کہ کسی سبب سے ملتوی ہوگیا - بعدہ ابراہیم علی عادل شاہ نے اس پیٹ کو بنوایا اور شاہ پور پیٹ نام رکھا - ابراہیم پور پیٹ بھی اسی بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے جسے اور پیٹ بھی کہتے ہیں -

اتنا بڑا قلعہ اور اس میں توپیں نہ ہوں کیا معنی - لوگ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں مدگل تحت حکومت سرکار انگریزی تھا بڑی بڑی توپیں تو انگریز لے گئے کچھ حیدر آباد اور رایچور میں منگالی گئیں اب بہت تلاش سے سات توپوں کا پتہ لگا ہے -

طول	دور دہانہ	کہاں ہے
(۱) - ۹ فیٹ - ۹ ½ انچہ	۳ فیٹ ۵ ½ انچہ	آثار شریف میں رکھی ہے -
(۲) ۳ فیٹ - ۹ انچہ	۴ فیٹ ۷ ½ انچہ	کوٹھا برج متصل مدرسہ چار محل برج
(۳) ۱۲ فیٹ - ۹ انچہ	۵ فیٹ	ناگ پھنی میں چھپ گئی ہے بمشکل کٹوا کر نکلوائی گئی -
(۴) ۱۲ فیٹ - ۷ انچہ	۴ فیٹ - ۱۰ انچہ	فتح دروازہ -

(۵) امین الدین صاحب قاضی مدگل کی زبانی معلوم ہوا کہ دھکرانی باؤلی کی خندق میں ایک توپ تھی جو اُنھوں نے اپنے بچپنے میں دیکھی تھی اب کثرت سے ناگ پھنی پھیل جانے سے اُس میں چھپ گئی ہے جس کا طول (۸) فیٹ اور دور (۳) فیٹ تھا -

طول	دور دہانہ	کہاں ہے
(۶) ۴ فیٹ	۴ فیٹ - ۷ ½ انچہ	ہر برج گھڑیال گھنٹہ

(۷) نینا ڈڈی برج پر ایک توپ تھی وہ برج پر سے خندق میں جا پڑی ہے - اب ناگ پھنی اس کثرت سے چھا گئی ہے کہ دکھلائی نہیں دیتی - دیکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ اندازہ (۴) فیٹ لمبی تھی -

نمبر ۱ تا ۴ سہ توپیں پتر جوڑ کر بنائی گئی ہیں - باقی ڈھلی ہوئی ہیں - کسی توپ پر کوئی سند یا عبارت کندہ نہیں ہے -
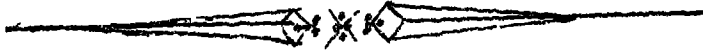
چوبیسواں ضمیمہ

قلعۂ ملکھیڑ

نظام سٹیٹ ریلوے کا فلیگ اسٹیشن حیدرآباد سے (۲۲۳) میل اور واڑی جنکشن سے (۱۶) میل ہے اس چوکی سے قصبۂ ملکھیڑ تعلقہ سیڑم ضلع گلبرگہ شریف تین میل ہے - یہہ موضع نواب وزیر بیگ خاں قلعہ دار کی جاگیر ہے - مردم شماری (۳۴۲۹) نفر ہے - ملکھیڑ ایک قدیم بستی بودھ مذہب کے لوگوں کی آباد کی ہوئی ہے - اُس زمانے میں بہت آباد اور زرخیز خطہ تھا - عرصہ تخمیناً تین سو برس کا ہوا کہ منظفر خاں رُہیلے نے اسے لوٹا - سلاطین عادل شاہیہ کو جب خبر ملی تو منظفر خاں کو قتل کر کے خود قابض ہو گئے - اہل ہنود کے مکانات دامن کوہ میں تھے جس کا نام ملیّا چل پربت ہے - منظفر خاں سے بادشاہان بیجاپور کو بے شمار دولت اور خزائن ملے - منظفر خاں نے کہا کہ میری سعی و کوشش سے جب بے شمار ملی ہے تو میری یادگار قایم رہنی چاہیئے چنانچہ اسی رقم سے سلاطین عادل شاہی نے یہہ قلعہ تعمیر کر کے منظفر نگر عرف مال کھیڑ نام رکھا جو رفتہ رفتہ ملکھیڑ ہو گیا - اس قلعہ کی فصیل اور دروازے اب تک درست و مستحکم ہیں قلعہ کے (۵۶) برج اور تین دروازے شمال مشرق اور مغرب میں ہیں - آخری دروازہ بند ہے - سب سے بڑا برج اوپری برج کے نام سے مشہور ہے اس پر ایک کتبہ بھی ہے جس کے حروف مٹ مٹا گئے اور پڑھا نہیں جاتا - اس قلعہ میں کل دس توپیں ہیں - چھہ برجوں پر چڑھی ہوئی ہیں - اور چار مختلف مقامات پر ہیں - مغربی گوشہ میں جو برج ہے وہ دروازے سے ملا ہوا ہے اُس میں ایک کمان میں ہنومان کی مورت ہے جو اُسی زمانہ کی ہے جب کہ قلعہ بنا تھا - بادشاہ عالمگیر نے عرصہ دو سو سال کا ہوا کہ یہ قلعہ جاگیر دار حال کے مورث اعلیٰ جان نثار بیگ خاں کو جاگیر دیا تھا - جان نثار بیگ خاں نے عالمگیر کو بڑی بھاری مدد قلعۂ بیدر کی فتح کے وقت دی تھی کہ اپنی چھاتی کے زور سے دروازہ قلعہ کا کھول دیا اسی کارگزاری کے صلہ میں یہ قلعہ جاگیر ملا - اس قلعہ پر بارہا جنگ ہوئی ہے

پہلی مرتبہ قلعہ دار حال کے دادا سے اور سدی قاسم سے لڑائی ہوئی جس میں سدی قاسم مارا گیا دوسری مرتبہ قادر بیگ سے جنگ ہوئی اس میں بھی قلعہ دار کی فتح ہوئی - تیسری مرتبہ بروقت انتظام ضلع بندی ضلع دار مع جمعیت کے انتظام کو آئے تھے تو یہاں کے عرب نے اُن کو گولی سے مار دیا - شرط عطائے جاگیر یہ ہی کہ آمدنی سے جمعیت احشام رکھیں اب نہ جمعیت ہی نہ قلعہ کی وہ حالت ہی مگر جاگیر چل رہی ہی اب صرف اتنا ہوا ہی کہ تا حیات دعوی دار حال بحال رہے گی بعد ضبط ہو جائے گی - قلعہ کے اندر دو مسجدیں ہیں ایک صدر دروازے کے قریب اور دوسری اوپری برج کے پاس - ایک درگاہ سید جعفر حسین صاحب کی ہی جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے ماموں یا بھانجے مشہور ہیں - درگاہ پر نوبت جھڑتی ہی - قلعہ کے اندر قدیم دیوان خانے اور مکانات ہیں جس میں جاگیر دار رہتے ہیں اوپری برج کے قریب اکشوبھے تیرتھ سوامی کا مٹھ بھی ہی اور وہیں بارود خانہ ہی - یہاں اہل ہنود کا ایک متبرک مقام جو تیرتھ سوامی ہی جن کا سمادیاں ہی - ان کا زمانہ چھ سو سال کا بیان کیا جاتا ہی کاگنا ندی کے کنارے سمادہی - یہ ندی بستی سے ملی ہوئی ہی جو وقار آباد کے پہاڑوں سے نکل کر ملکھیڑ سے ہوتی ہوئی (۸۰) میل طے کر کے شاہ آباد ریلوے اسٹیشن کے پاس ہونگنٹھ مقام پر بھیما ندی میں جا ملی ہی - اساڑھ بدپنچمی کو جو تیرتھ سوامی کی جاترا اور رتھ کشی بڑی دھوم سے ہوتی ہی ہزارہا برہمن جمع ہوتے ہیں - یومیہ بطور معاش مقرر ہی -

نوٹ - اس نوٹ کے لئے میں مسٹر راگھوبیندر راؤ وکیل سیڑم کا ممنون ہوں - اگرچہ ملکھیڑ امیرا دیکھا ہوا مقام ہی مگر افسوس ہی کہ اُس وقت میں نے کوئی نوٹ نہیں لیا نہ مجھے خبر تھی کہ آئندہ چل کر ضرورت پڑے گی - ۱۲ من المصنف -

پچیسواں ضمیمہ

ملیا باد

تخمیناً آٹھ سو برس کے قبل ایک شخص مسمی بوس رڈی (جس کے متعلق مزید حالات نہیں معلوم ہوتے) ملیا آباد کے قلعہ کی تعمیر کر رہا تھا جو رایچور سے (۳) میل سمت جنوب میں واقع ہی۔ کہ اثنائے تعمیر میں وہ بغرض شکار نکلا اور اپنے کتے کو خرگوش پر چھوڑا۔ تھوڑی دور جاکر خرگوش کتے پر پلٹ پڑا اور کتے کو زخمی کیا کتا مرگیا جو ہیں کہیں رایچور کی نواح میں دفن ہی۔ بوس رڈی نے جب دیکھا کہ اس سرزمین میں ایسی غیر معمولی جرأت ہی تو ملیا آباد میں قلعہ بناتے بناتے چھوڑ دیا اور رایچور میں قلعہ کی تعمیر شروع کی۔ ملیا آباد کا ناتمام قلعہ قدرتی پہاڑوں میں گھرا ہوا ہی اور اُس کا موقع ایسا عمدہ ہی کہ کسی مزید حصار بندی کی ضرورت نہیں ہی۔ اس قلعہ کی دُہری فصیل ہی بیرونی فصیل پہاڑوں پر سے لائی گئی ہی جو ناتراشیدہ پتھروں کی ہی اور اندرونی فصیل گھڑے ہوئے پتھروں کی ہی اور اس میں بڑے بڑے سڈول پتھر لگائے گئے ہیں اور اگرچہ یہ فصیل پونے پندرہ فیٹ بلند ہی تاہم اکثر جگہ پانچ پتھروں سے اور بعض جگہ چار پتھروں سے مکمل ہوگئی ہی۔ اندرونی فصیل کے دس برج ہیں اور بیرونی کے بنیل قلعہ کے تین دروازے مغرب اور شمال اور مشرق میں ہیں۔ بیرونی فصیل کا دور (۵) میل کا ہی اور اندرونی کا ڈہائی۔ بیرونی فصیل کی بلندی پہاڑ کے ارتفاع کے لحاظ سے مختلف طور پر ۳ فیٹ سے لے کر چھ فیٹ تک ہی دونوں فصیلوں میں شمال کی طرف سو گز کا فصل ہی اور مشرق کی طرف دو سو گز کا چوں کہ بیرونی فصیل پہاڑ پر ہی اس واسطے اندرونی فصیل سے بلند ہی اور بیرونی فصیل کے چاروں جانب چار دروازے منہدمہ موجود ہیں۔ قلعہ کے اندر بعض بعض پتھروں پر کتبے اب بھی نظر آتے ہیں مگر سب مٹے مٹائے ہیں اور کسی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ قلعے میں ہل پھر گیا ہی اور زراعت ہوتی ہی اب صرف ٹوٹے پھوٹے برج موجود رہ گئے ہیں۔ قلعہ کے اندرونی حصار کے اندر ہل چل جاتے

سے کوئی عمارت باقی نہیں رہی لیکن قریب دو تین بیگھے کے جو رقبہ ہی اُس میں چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جابجا پتھر پڑے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ پہلے مکانات تھے اُنھیں کے یہ پتھر ہیں اس کھیت کا نام "آنی ہلا" مشہور ہی یعنی ہاتھی کا کھیت - نام پڑنے کی یہ وجہ ہی کہ کھیت میں ایک پتھر کے تراشے ہوئے دو ہاتھی[۱] آگے پیچھے چھ فیٹ بلند پتھر کی چٹان پر کھڑے ہیں - یہ ہاتھی سرخی مائل پتھر کے ہیں جن پر جھولیں پڑی ہوئی ہیں اور دونوں طرف دو دو گھنٹے معہ زنجیر کے لٹک رہے ہیں اور تین تین ہیکلیں گلے میں پڑی ہوئی ہیں - سر پر چھوٹی مرصع ڈہال ہی - دانتوں پر دو دو کٹ چڑھے ہوئے ہیں - سونڈیں لٹکی ہوئی ہیں - سونڈوں میں ہاتھی کوئی زیور مثل زنجیر کے پکڑے ہوئے ہیں - چاروں پاؤں میں توڑے ہیں جس کی ایک ایک کڑی علیحدہ علیحدہ گنی جاسکتی ہی - دونوں ہاتھیوں کی تراش خراش ایک ہی وضع کی ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ سواری کے واسطے کسے کسائے طیار ہیں - اگلا ہاتھی کھڑا ہوا ہی اور اگلا بایاں پاؤں اُٹھائے ہوئے ہی پچھلا ہاتھی اپنی ٹانگوں پر بیٹھ رہا ہی اور داہنا اگلا پیر جھکا ہوا ہی - اِن دونوں ہاتھیوں میں صرف ساڑھے پانچ فیٹ کا فصل ہی - اگلے ہاتھی کی دُم بل کھا کر بائیں پٹھے پر پڑی ہوئی ہی - اور پچھلے ہاتھی کی دم داہنے پٹھے پر جس طرح ہاتھی چلنے میں دم کو اِدھر اُدھر جنبش دیتا ہی وہ اصلی حالت بتلاتی ہی - دونوں ہاتھی ایک ہی لین میں نہیں ہیں بلکہ اگلے ہاتھی سے پچھلا ہاتھی بائیں طرف ہٹا ہوا ہی یعنی اگلے ہاتھی کے پچھلے بائیں پیر کے مقابل پچھلے ہاتھی کا داہنا پیر ہی - یہ ہاتھی ایک دیول کے متعلق تھے - دیول تو بالکل نیست و نابود ہوگیا جس کا ایک ٹیلہ سا بن گیا ہی اور اُس پر چند کھم اور سلیں پڑی ہوئی ہیں اور اس کھنڈر کے سامنے ہی یہ دونوں ہاتھی ہیں - اب دیول کے نام تک کا پتہ نہیں چلتا - پچھلے عہدہ داروں نے کوشش کی تھی کہ ان ہاتھیوں کو یہاں سے نکال کر کسی اچھے مقام پر رکھا جائے - کچھ کچھ ان کو کھدوایا بھی مگر اتنے بڑے ہاتھیوں کا منتقل کرنا آسان نہ تھا ممکن ہی کہ ضائع ہو جاتے لہذا وہیں کے وہیں چھوڑ دئے - اسی کھیت میں اس منہدمہ دیول سے تھوڑی دور ۱۰۰ قدم کے فاصلے پر نرسیا کا دیول ہی وہ بھی زمین کے برابر ہو گیا صرف دو کھم کھڑے ہوئے ہیں - موضع کے جنوب رُخ پہاڑ پر ایک دیول ہی جس کو

[۱] ملاحظہ ہو فوٹو صحافی صفحہ ۳۳۶ - ۱۲

رام لنگ کا دیول کہتے ہیں اور دیول کے سامنے ایک قدرتی چشمہ آب شیریں کا ہی جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ یہ چشمہ اندر اندر پہاڑ میں چلا گیا ہی خود بخود پانی جھرتا ہی۔ پانی سب شفاف اور شیریں ہی۔ ملیا آباد میں ایک قدیم تالاب بھی ہی جس سے اب زراعت ہوتی ہی۔ آب شیریں کی کئی باؤلیاں ہیں۔ اب فصیل کے اندر مطلق آبادی نہیں ہی جب قلعہ اُجڑ گیا تو رہے سہے لوگ باہر نکل کر آباد ہو گئے اب اس کی خانہ شماری (۲۰۸) اور مردم شماری (۹۷۵) نفوس ہی۔ اس قصبہ کا اصلی نام ملاّ باد تھا۔ ملاّ کنڑی میں خرگوش کو کہتے ہیں اور دھنگروں کا نام بھی ہوتا ہی ممکن ہی کہ کسی دھنگر نے اس کو آباد کیا ہو۔ سنگین قول نامے میں جو ۲ فیٹ (۵) انچہ طول اور دو فیٹ پونے دو انچہ عریض پتھر پر بخط عربی کندہ ہی۔ اور اب جامع مسجد ملیا آباد کے صحن میں لا کر رکھا گیا ہی۔ اس آبادی کا نام ملیاباد کندہ ہی۔ بعد مسلمانوں نے ملیح آباد کر لیا۔ اس قولنامہ میں (۲۱) سطریں ہیں شروع کی چھ سطریں اور آخر کی ایک سطر بہ مشکل پڑھی گئی۔ اس کے حروف اُبھرے ہوئے ہیں اور امتداد زمانے سے مٹ گئے ہیں اور اس طرح پیچیدہ لکھا ہی کہ کسی طرح باوجود کوشش کے پورا پڑھا نہیں جاتا۔ سیاق عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ قولنامہ مسجد کی اجراے خدمت کے متعلق ہی جس میں شرط اداے خدمت اور اخراجات مسجد چراغ و بانگ کی سبیل بتلائی ہی یہ مسجد معمولی حیثیت کی تین چشموں کی لداؤ کی ہی۔ اس کتبہ میں سنہ ۹۱۸ھ درج ہی جو عبارت پڑھی گئی ہی وہ یہ ہی:-

قول نامہ از حضرت ملك الشرف ملك عنبر خان كالمنبت فے الحجر فقاہ الی بقاء الله وابك ابدمن ادعان وتقالان وجميع محترفه۔

. . . . وجمیع سکنۂ قصبہ ملیاباد

سنہ ۹۱۸ھ

چھبیسواں ضمیمہ

نلدرگ

تاریخ بیجاپور کے پڑھنے والوں سے مخفی نہیں کہ نلدرگ کا قلعہ اور بستی سلاطین عادل شاہی کے عہد میں کیسے معرکہ کا مقام رہا ہی۔ ضرور یہ قلعہ بہت بڑا بھاری تھا اور نلدرگ ایک شہر ہوگا اس کے بعد عملداری انگریزی میں کرنل میڈوز ٹیلر کمشنر کا سالہا سال مستقر رہا پھر مستقر ضلع رہا اور جب دیار آصفیہ میں ضلع کی کچہریاں اٹھ گئیں جب بھی ضلع نلدرگ کے نام سے موسوم تھا اب وہ نام بھی ضلع عثمان آباد سے مبدل ہوگیا۔ لیکن اب تو قلعہ کس مپرسی کی حالت میں ہی اور بستی بھی ایک چھوٹا سا قریہ رہ گیا ہی جس کی آبادی چار ہزار کی ہی پہلے تحصیل تھی اب وہ بھی نہیں رہی۔ رہی سہی آبادی اس وجہ سے گھٹ رہی ہی کہ شولاپور پاس ہی جہاں بہت سے پتلی گھر ہیں اور لوگ معقول مزدوری ملنے سے کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ اب ڈویژن افسر اور منصفی کا مستقر ہی اور ایک سرکاری ڈاکٹر خانہ بھی ہی۔ اس مقام کی تقدیر اب ایسی پھوٹی ہی کہ تحصیل تلجاپور میں شامل کیا گیا ہی اور ضلع عثمان آباد کا ایک موضع ہی۔ شولاپور سے (۲۹) میل کے فاصلے پر واقع ہی جس میں (۱۶) میل سرحد انگریزی ہی اور باقی تیرہ میل علاقہ سرکار عالی نظام۔ اس سڑک کے دسویں اور پندرھویں میل پر دو سرائیں بورامنی اور تاندل واڑی مواضع میں ہیں۔ سرکار عالی کے علاقہ کے تیسرے میل پر موضع الکل میں اور پھر خاص نلدرگ میں علاقہ تعمیرات کا ایک ایک انسپکشن بنگلہ ہی۔ نلدرگ کی وجہ تسمیہ یہ ہی کہ دراصل یہ قلعہ راجہ نل کا بنایا ہوا ہی۔ دوسری وجہ یہ ہی کہ نلا تلنگی زبان میں سیاہ کو کہتے ہیں اور درگ کے معنی قلعہ۔ چوں کہ یہ قلعہ سیاہ پتھر کا ہی لہذا نلدرگ کے نام سے موسوم ہوا جو کثرت استعمال سے نلدرگ ہوگیا۔ سلاطین عادل شاہیہ کا جب تسلط ہوا تو اس کا نام شاہ درگ رکھدیا گیا جو اُن کی سلطنت کے خاتمہ پر ختم ہوگیا اور اصلی نام نلدرگ ہی زبان زد خاص و عام رہا۔ اس قلعہ کے تین حصے ہیں۔ رام درگ یا شاہ درگ اصلی قلعہ رن منڈل

چھوٹا حصہ قلعہ کا عادل شاہیوں کا بنایا ہوا ہی اور دونوں کے درمیان "پانی محل" واقع ہی جس نے دونوں قلعوں کو جوڑ دیا ہی - قلعہ کے سات دروازے ہیں - ہُرمک دروازہ جو سب سے بڑا دروازہ ہی جس کے سامنے گردش کی دیوار بھی ہی جس پر اب بھی ایک درجن چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور بہت سے پتھر کے گولے بھی جمع ہیں - اس پھاٹک کے دروازے کے پٹ نہایت مستحکم ہیں جن پر بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی ہیں جیسا کہ اکثر قلعہ کے دروازوں پر ہوتی ہیں کہ ہاتھی ٹکر مار کر توڑ نہ سکے - اس صدر دروازے پر اب بھی جمعیت احشام کا پہرہ ہی - قلعہ دار کو عـ۵ اور نو نفر جوان ہیں جن کی تنخواہ چار سے لیکر پانچ روپیہ تک ہی - یہ لوگ اس دروازے سے لگے ہوئے بارگوں میں رہتے ہیں - کالی[۱] دروازہ - ہزار شیری[۲] دروازہ - پانی محل[۳] دروازہ - رمنہ[۴] دروازہ - ہاتھی[۵] دروازہ - پن گھٹ[۶] دروازہ -

برج قلعہ کے شمال میں ایک بہت بڑا برج "اُپلی[۱] برج" کے نام سے مشہور ہی قلعہ بھر میں یہ سب سے بلند مقام ہی جہاں سے کوسوں تک کا منظر نظر آتا ہی - اس برج پر دو توپیں تانبے کی ہیں جو تین سو برس کی پرانی بنی ہوئی ہیں - اِس کے علاوہ فصیل میں ایک اور چھوٹا برج ہی جس پر ایک سیاہ دھات کی توپ ہی - مغربی رُخ پر ایک برج ہی جس کا نام پرینڈہ بُرج ہی - جس پر سے کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں قلعہ پرینڈہ سے بذریعہ جھنڈیوں کے باتیں کرتے تھے - جسے اس زمانہ میں ہلیوگریف کہتے ہیں - ناگن برج - سنگرام برج جس پر ایک پیچ رسی توپ بہ شکل ہاتھی کے رکھی ہوئی ہی - بندہ نواز برج - ان راو برج - پینا برج - نوبن برج - چوں کہ اس برج پر نو برجیاں ہیں لہذا اس نام سے مشہور ہی - چار برج اور ہیں جن کے کوئی خاص نام نہیں ہیں - اِن برجوں پر بارہ بڑی بڑی توپیں اور (۳۲) ریکلے یعنی چھوٹی توپیں ہیں - ہاتھی توپ کے سوائے ایک مگر توپ بھی ہی جو مگر کی شکل کی ہی اور اِن دونوں توپوں ہاتھی توپ اور مگر توپ پر کندہ ہی باقی کسی توپ پر کوئی عبارت کندہ نہیں ہی -

مسجدیں ہُرمک دروازہ سے تھوڑی دور آگے ایک چھوٹی سی مسجد ہی مگر اب ویران ہی - جامع مسجد بنا کردہ سلاطین عادل شاہیہ البتہ درست حالت میں ہی -

بارود کوٹھ محاذی ہرمک دروازہ -

ڈنجین یعنی تہ خانے کے قید خانے ہر گنگ دروازے کی دائیں جانب وہ زمین دوز قید خانے ہیں جو بالکل تاریک ہیں۔ جن کی چھت میں صرف ایک ہی سوراخ ہے جس میں سے قیدیوں کو غذا دی جاتی تھی۔

بارہ دری قدیم مکان ہے۔ اسی مکان میں کرنل میڈوز ٹیلر رہتے تھے یہ دو منزلہ قدیم عمارت ہے۔ لیکن اب بالکل خستہ حالت میں ہے۔ کرنل میڈوز ٹیلر نے کئی کتابیں سیتا۔ تارا۔ وغیرہ یہاں کے حالات میں بطور قصہ لکھی ہیں جن میں اس نواح کے بہت سے حالات ہیں۔ یہ صاحب مدتوں دکن میں رہے اور لباس بھی ہندوستانی پہنتے تھے۔ ہندوستانیوں سے بالکل یگانگت برتتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں اُنھوں نے اپنی بیتی لکھی ہیں کہ ایک برہمنی عورت اُنھوں نے ڈال لی تھی۔ ٹیلر صاحب کا نام زبان زد خاص وعام ہے عورتیں اب تک چکیوں پر ان کے گیت گاتی ہیں۔

انبار خانہ قدیم عمارت تھی اب مرمت کر کے کچہری منصفی اس میں رکھی گئی ہے۔

مکانات نواب امیر نواز خاں نواب صاحب کے دو مکانات تھے جو دونوں خستہ ہیں۔

چھپلی تالاب بارہ دری کے پاس ایک قدیم حوض چھپلی تالاب کے نام سے موسوم ہے جو زمانۂ قدیم کا تھا۔ قلعہ میں پانی کی قلت ہونے سے ٹیلر صاحب نے اسے بنوایا تھا۔ اب یہ بھی منہدم ہے۔

رنگین محل اس کی کچھ ترمیم سررشتہ تعمیرات سے کی گئی ہے۔ اور منصف صاحب رہتے ہیں۔

جیل نلدرگ جب مستقر کمشنری تھا تو یہاں ایک بڑا جیل تھا اب وہ بھی گر پڑا گیا۔ صرف چار دیواری کھڑی ہے۔

رن منڈل اور ہاتھی دروازہ چھوٹے حصۂ قلعہ کا نام رن منڈل ہے اس میں کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ نہ کوئی خاص بات قابل ذکر ہے۔ یہ صرف خزانہ رکھنے کی جگہ تھی۔ اس قلعہ کے صدر دروازے کا نام "ہاتھی دروازہ" ہے اس قلعہ کی طرز عمارت سے

معلوم ہوتا ہی کہ یہ اہل ہنود کا بنوایا ہوا تھا۔

بوری ندی قلعہ رن منڈل کے اطراف بوری ندی ہی اور اصلی قلعہ نلدرگ کے تین طرف یہی ندی گھیرے ہوئے ہی۔ چوتھی جانب ایک عمیق خندق ہی۔ فصیل قلعہ کی نہایت مستحکم اور بلند ہی۔ فصیل کو یہاں "پرکوٹہ" کہتے ہیں۔

پانی محل ۱۰۲۲ھ پانی محل کی عمارت قابل دید ہی بوری ندی کو روک کر ایک بہت بھاری بند ڈالا ہی اور بند کے اندر کئی کمرے بنا دئے ہیں جن کے نام لکڑی محل۔ گندک محل دونوں جانب اور بیچ میں پانی محل ہی جن کے اوپر سے ندّی بہتی ہی اور دوسری طرف جا کر بلندی پر سے نیچے گرتی ہی کمرے نہایت وسیع اور پختہ ہوا دار اور مرتفع ہیں۔ جب چادر گرتی ہی تو اندر بھینی بھینی پھوار کا آنا عجب لطف دیتا ہی۔ عمارت ایسی پختہ ہی کہ تین سو برس سے اوپر اس کو بن کر ہوئے اور باوجود آج تک مرمت نہ ہونے کے ایک قطرہ پانی کا ٹپکنا تو کجا کہیں پانی مرتا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ ایک ندرت یہ بھی رکھی ہی کہ نیچے بھی دو موریاں رکھ دی ہیں جو پتّال موری کے نام سے مشہور ہیں۔ جب پانی زیادہ ہوا یہ موریاں کھول دیں تو آناً فاناً میں سارا پانی نیچے نیچے نکل گیا اس محل پر یہ کتبہ ہی:۔

از حضرت شاہ دین پناہ منصور	شد میر محمد عماد الدین مامور
در بستن این بہ توفیق آلہ	سدّے شدہ چوں سدّ سکندر مشہور
از دیدن این چشم محباں روشن	می گردد چشم دشمناں گرد کور
از ہاتف کرد سوال تاریخش گفت	کیں سد بلطف شاہ ماند معمور

۱۰۲۲ھ

در عمل ابوالمنصور والمظفر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی پادشاہ والی بیجاپور تعمیر یافت۔

انگریزوں کا قبرستان قبریں بہت سی ہیں۔ لوگ سنگ مرمر کے کتبے اکھاڑ کر لے گئے۔ قبریں بھی بے مرمت ہونے سے ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ اب سنا ہی کہ لنگسگور کے یوروپین سیٹمری (قبرستان) کی طرح اس کی بھی دیکھ ریکھ کی جائے گی۔

عمارات بیرون قلعہ یہ ہیں۔

جامع مسجد بیرون قلعہ کے لوگوں کے لئے قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہی۔

مسجد سہیل خاں تیرھویں میل پر واقع ہے۔ یہ مسجد سہیل خاں سپہ سالار عادل شاہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس میں ایک نفیس باؤلی بھی ہے مگر اب قبرستان ہو جانے سے پانی استعمال نہیں کیا جاتا۔

مقبرۂ نواب امیر نواز خاں ڈاک بنگلے کے قریب ہیں۔ یہ مقبرہ نواب امیر نواز خاں اور اُن کے خاندان کے لوگوں کا ہے۔

ٹیلر نگر نلدرگ سے (۹) میل کے فاصلے پر اس نام کا موضع ہے جو اپنے آباد کرنے والے کے نام سے موسوم ہے۔

ستائیسواں ضمیمہ

قلعۂ ورنگل

بڑی اور نہایت قدیم بستی ہی جو حیدرآباد کے جنوب و مشرق ہیں بہ فاصلۂ (۹۳) میل واقع ہی اور
حیدرآباد بجواڑہ سکشن نظام اسٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہی۔ یہ نہایت قدیم بستی ہی۔ پہلے زمانے میں بڑا
شہر ہوگا اب تو ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہی۔ اس کی آبادی چھ میل لمبی چلی گئی ہی۔ بیچ میں جابجا فصل ہوگیا
ہی۔ ایک طرف ورنگل اسٹیشن ہی اور دوسرے سرے پر قاضی پیٹھ اسٹیشن درمیان میں مٹھواڑہ اور ہمکنڈہ ہی۔
نواب فرامرز جنگ بہادر اول تعلقہ دار حال صوبہ دار نے (جو پہلے پارسی نواب حیدرآباد میں ہوے)
جن کو تعمیر امکنہ اور آراستگی شہر و توفیر و ترقی آبادی میں ایک خداداد دلچسپی ہی بڑی جاں فشانی ترغیب و
تحریص سے اس اجڑی ہوئی بستی کو از سر نو آباد کیا۔ متعدد خوش نما بنگلے بنوائے۔ سڑکیں نکالیں۔ بازار بسائے
اور اس طرح اب ایک چھوٹا سا پر رونق شہر ہو گیا ہی۔ ورنگل بیوپار کی بڑی منڈی ہی۔ فرامرز جنگ بہادر کا
ارادہ تھا کہ چھ میل کا فصل جو دونوں اسٹیشنوں میں ہی اس لمبان میں مسلسل آبادی کر دی جائے اور اسی
حساب سے اُنھوں نے بنگلوں کی بنیاد ڈالی لیکن اُن کے تبادلے کے بعد بس جہاں کا تہاں
یہ معاملہ رہ گیا اور اسی وجہ سے تین ٹکڑے آبادی کے ہوگئے اور بیچ میں جگہ چھوٹ گئی۔ اب یہاں محکمۂ
صوبہ داری (کمشنری) اور دیگر محکمہ جات کا مستقر ہی۔ ایوان صوبہ داری اور اُس کے پاس ایک خوش نما مسجد
(جو نواب معین الدولہ بشیر نواز جنگ بہادر سابق صوبہ دار نے دہلی کے مستری سے بنوائی تھی) اور سنٹرل جیل جال
کی خوش نما اور وسیع عمارات ہیں یہاں کا جیل بہت بڑا ہی جس کو مسٹر ہنکن۔ سی۔ اس آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ڈائرکٹر
جنرل پولیس و جیل نے صنعت و حرفت کی ترویج سے بہت رونق دی ہی۔ جیل میں ہر قسم کا سامان پارچہ۔
فرنیچر۔ دریاں۔ قالین۔ طیار ہوتے ہیں اور ایک بہت بڑا چھاپے خانہ بھی ہی۔ یہاں کے قالین ہمیشہ سے مشہور

ہیں اب بھی جیسا قالین یہاں بنتا ہی شاید اور کہیں بنتا ہو چنانچہ پیرس کی نمایش گاہ میں مڈل (تمغہ) بھی ملا ہی۔
ہنمکنڈہ میں حضرت عبدالنبی شاہ صاحب کی درگاہ حال میں طیار ہوئی ہی حضرت موصوف بڑے بزرگ تھے آپ کا
وصال چند سال قبل ہوا ہی۔ سالانہ عرس شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہی۔ زمانۂ قدیم میں ورنگل قدیم
ہندو راجگان خاندان کاکتیا کا دارالسلطنت تھا روایات اور تاریخ کی رو سے یہہ شہر بہت قدیم پایا جاتا ہی۔ اور
صدہا سال تک جنوبی حصۂ ہند میں ہندوؤں کا ایک بڑا مضبوط قلعہ و پناہ گاہ رہا ہی جس پر سلاطین اسلام شمالی
حصۂ ہند کے بڑے بڑے معرکے متواتر رہے ہیں ۶۴۳ء؁ کے قریب ملک دکن میں راجگان خاندان چلوکیا
حکمراں تھے۔ ساتویں صدی کے وسط میں سیاح ہیوان تھسانگ ملک ہند میں آیا تھا اُس نے لکھا ہی کہ اُس
زمانے میں جنوبی حصۂ ہند نو بڑی بڑی سلطنتوں پر منقسم تھا ملک تلنگانہ میں تین سلطنتیں تھیں۔ اندھرا۔ کاکتیا۔
کلنگہ۔ اس میں سے اوّل الذکر سلطنت کا پایہ تخت شہر ورنگل تھا۔ قدیم مسلمان مورخ بدایونی نے لکھا ہی کہ
سلطان محمد بن تغلق نے قلعۂ ورنگل کو ۱۳۲۱ء؁ میں فتح کیا اس سے پہلے تلنگانہ خاندان کاکتیا ورنگل میں
سات سو سال تک حکمراں رہ چکا تھا۔ ہندوؤں کی روایت یہہ ہی کہ چلوکیا خاندان کا راجہ جونند گیری ملک دکن
میں حکمراں تھا اُس نے اپنی مملکت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی جن میں ایک لڑکا قندہار (ضلع ناندیڑ)
پر حکمراں تھا اور دوسرا بادشاہ کٹک سے لڑائی میں مارا گیا جن کے بعد اُس کی بیوہ رانی بھاگ کر ہنمکنڈہ
آئی اور اسی مقام پر اُس کے ہاں ایک لڑکا (باپ کے مرنے کے بعد) پیدا ہوا اور اسی لڑکے سے خاندان
کاکتیا کی بنا پڑی۔ اِس خاندان کے تاریخی حالات زیادہ تر اُس سنسکرت کے کتبے سے معلوم ہوتے ہیں جو
ہنمکنڈہ کے مشہور ہزار کھم کے دیول میں موجود ہی۔ یہہ کتبہ ۱۱۶۲ و ۶۳ء؁ کا ہی اور اس میں پہلے راجہ کا نام تربھون ملّا بیتیا راجہ
لکھا ہی۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا پرولو راجہ جانشین ہوا جو بڑا طاقتور و جنگ جو تھا اِس کے بعد پرتاب رُدر دیو (اوّل)
تخت نشین ہوا جس نے ہنمکنڈہ کا مشہور اور عظیم الشان دیول بنوایا ہی۔ یہہ بھی بڑا بہادر لڑنے مرنے والا راجہ تھا
اور اس کے دور میں جدید فتوحات کے ذریعے سے چاروں طرف سلطنت کی توسیع ہوئی۔ اس کے بعد
مادھو حکمراں ہوا پھر اس کا بیٹا گنپتی ۱۲۶۳ء؁ میں راجہ ہوا اسی نے شہر ورنگل کی اندرونی سنگ بست فصیل
بنوائی۔ یہ لاولد تھا اس لئے اس کے بعد اس کی بیوی رام رُدرما دیوی حکمراں ہوئی اِس نے قلعے کے
اطراف میں پتّھر کی فصیل بنوائی اور تیر شہر کوٹی کی ایک دوسری فصیل سے بھی محاط کیا جس کا دور (۱۲۵۴۶)
گز تھا جو اَب نیست و نابود ہو گئی ہی تاہم جابجا کچھ کچھ نشان اب بھی باقی ہیں۔

فہرست گنپتی راجگان ورنگل۔

(۱) تربھون ملّا

(۲) پرولایا پرولی راجہ جس نے مپّما دیوی سے شادی کی تھی۔

(۳) پرتاب رُدّر اول۔

(۴) گنپتی دیو۔

(۵) رانی رُدّر ماز وجہ نمبر ۴ جس نے ۱۲۵۷ء سے ۱۲۹۵ء تک (۳۸) سال سلطنت کی۔ رانی کی ایک لڑکی بھی تھی۔

(۶) پرتاب رُدّر ثانی ۱۲۹۵ تا ۱۳۲۳ء

کرشنا

ونایک عرف ناگ دیو

(۱) تربھون ملّا کا کچھ حال سوائے اِس کے معلوم نہیں ہے کہ ہنمکنڈہ کے ایک کتبے میں اُس کو پرولا راجہ کا باپ بتلایا ہے۔

(۲) عام روایت ہے کہ پرولا راجہ سے پہلے آٹھ راجہ حکمراں رہ چکے تھے لیکن شہر ورنگل اسی راجہ نے بسایا۔ پرولا راجہ بحالت نابالغی راجہ ہوا۔ اِس نے گجپتی راجۂ اڑیسہ کو شکست دی۔ نجومیوں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا اور ویسا ہی ہوا کہ یہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا۔ ہنمکنڈہ کے کتبۂ مذکورۂ بالا میں لکھا ہے کہ پرولا راجہ نے تیلپّا دیو کو ماخوذ کر لیا تھا (مسٹر فلیٹ اِس کو تیلپّا سوم خاندان مغربی چلوکیان کا قرار دیتے ہیں جس کا زمانہ ۱۱۵۰ تا ۱۱۶۲ء تھا) اسی راجہ کے عہد میں ہنمکنڈہ کا محاصرہ جگدیو نیسور کے سانتارا خاندان کے راجہ نے کیا تھا جس میں اُن کو پس پا ہونا پڑا۔

(۳) ردرا یا پرتاپ ردر اول ایک بڑا زبردست راجہ تھا۔ مذکورۂ بالا کتبہ میں اِس کی سلطنت کا زمانہ ۱۱۶۲ء ہے اس میں تیلپّا سوم کی وفات اور گنپتی راجاؤں کی بعض فتوحات اور علی الخصوص ایک شخص بھیما نامی پر فتح یابی کا ذکر ہے اور شہر چوڑو دیا کے شہر کے فتح کرنے کا بھی مذکور ہے جو غالباً

چولا خاندان کا راجہ یا ویسرائے تھا جسے چولا اودایار کہتے ہیں۔

(۴) ڈاکٹر برنل نے جو سال ملک کلنگا چولا خاندان میں چلے جانے کا یعنی ۱۲۲۸ء اپنی کتاب سوتھ انڈین فلی آگر فی صفحہ (۴۰) نوٹ (۴) میں لکھا ہے وہ غالباً گنپتی دیو کا زمانہ تھا۔ کلنگا دیس کے متعدد کتبے ہیں ظن غالب ہے کہ راجگان گنپتی کا عروج اس نواح میں پہلے سے چلا آتا تھا۔

(۵) رانی رودرّما ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ شوہر لاولد مرنے سے اس نے خود سلطنت سنبھال لی۔ اس کی طویل اڑتیس سالہ سلطنت بہ اعتبار حسن انتظام کے اپنا جواب نہ رکھتی تھی جیسا کہ مارکو پولو سیاح نے لکھا ہے کہ ،، یہ ملک پہلے ایک راجہ کے تحت تھا اور اُس کی وفات کے بعد سے تقریباً چالیس سال سے ایک ایسی رانی حکمراں ہے جو نہایت فرلیس ہے اور جس نے اپنے شوہر کی سچی وفاداری میں کبھی عقد ثانی نہیں کیا اور میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چالیس برس تک اس سلطنت کو اُسی طرح چلاتی رہی جیسے کہ اُس کے شوہر کے عمل میں تھا بلکہ سچ پوچھئے تو اُس سے بھی بہتر کیونکہ یہ بڑی منصف اور عادلہ صلح کل اور حق پسند تھی۔ اس کی رعایا اس سے اس لئے ایسی خوش اور اس کی ایسی گرویدہ تھی کہ کسی رانی یا راجہ کو یہ درجہ عام مقبولیت کا حاصل نہیں ہوا ،، (کرنل یول کی کتاب مارکو پولو جلد دوم صفحہ ۲۹۵ ڈاکٹر گسیٹو اپرٹ مدراس جرنل ۱۸۸۱ء میں بحوالہ چند کتبات اور دفتری داخلہ سے لکھتے ہیں کہ اس رانی کے زمانے میں ایک شخص گوری گنگیا ریڈی ایک بڑا بھاری جنرل تھا ۱۲۹۵ء میں رودرّما اپنے نواسے رودر دیو دوم کے سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد خود بوجہ کہولت سن زمام سلطنت سے دست کش ہو گئی۔

(۶) یہ زمانہ مشہور پرتاب رُدّر دوم کا ہے (۱۲۹۵-۱۳۲۳ء) جو اپنے زمانے کا سب سے زیادہ زبردست اور طاقت ور راجہ تھا لیکن افسوس ہے کہ اس خاندان کا یہی آخری حکمراں تھا۔ ۱۲۹۵ء میں علاء الدین گورنر اودھ جو جلال الدین خلجی بادشاہ دہلی کا بھتیجا تھا دکن میں آیا اور دیوگیری (دولت آباد) کو لوٹ ڈالا جو ورنگل کے ہم سرحد تھا۔ ۱۳۰۶ء میں علاء الدین نے جو اپنے چچا کو مار کر خود بادشاہ ہو گیا تھا دوبارہ ملک کافور کی سرکردگی میں لشکر بھیجا کہ دیوگیری کے راجہ نے کئی سال سے خراج نہیں دیا تھا۔ راجہ کو بھی پکڑ کر دہلی لے گئے۔ ۱۳۰۹ء میں مسلمانوں نے ورنگل کا رُخ کیا لیکن اس مرتبہ ناکامیاب رہے لیکن دوسرے حملہ میں رودر دیو کو شکست فاش ہوئی اور

مسلمانوں نے ورنگل فتح کرکے راجہ کو اپنا باج گزار بنالیا۔ ۱۳۱۰ء میں پھر ملک دکن میں دوار سمدر کے راجگان ہوئیسالا بلّالا پر چڑھ آیا اور پوری طرح فتح یاب ہوکر ساحل ملیبار تک جا پہنچا جہاں اُس نے بطور یادگار ایک مسجد بھی بنادی اور دارالسلطنت کو فتح کرکے ہلّی بیڑو کے مشہور مندر کو لوٹ لاٹ کر مظفر و منصور دہلی واپس گیا۔ ۱۳۱۲ء میں ملک کافور نے دیوگیری پر پھر قبضہ کرلیا اور راجہ کو بھی مار ڈالا۔ چھ سال بعد دہلی کا مبارک خلجی پھر آیا اور دیوگیری پر قبضہ کرکے راجہ رام دیو کے داماد ہری پال دیو کی زندہ کھال کھنچوالی۔ ۱۳۱۸ء میں ملک خسرو نے ورنگل پر چڑھائی کی جس کا ذکر امیر خسرو نے اپنی کتاب نو سپہر میں لکھا ہے اس میں راجہ کو بالکلیہ شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے ملک دکن کو اپنا آماجگاہ بنالیا تھا اور ان کے آئے دن کے حملوں نے دکن کے راجاؤں کو بالکل پریشان اور سراسیمہ کر دیا تھا اس لیئے سب راجاؤں نے ایکا کرلیا اور راجۂ دیوگیری کو بھی اپنے ساتھ شامل کرکے ۱۳۲۰ء کے لگ بھگ بادشاہ دہلی سے منحرف ہوگئے ان راجاؤں کی اتنی جرأت غالباً اِس وجہ سے ہوئی کہ دہلی میں خود گڑبڑ مچی ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا ۱۳۲۱ء میں خاندان خلجی مٹ کر تغلق کا خاندان قایم ہوا لیکن بااین ہمہ دکن کے راجاؤں کا اُٹھ کھڑا ہونا نہایت بے موقع تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے بادشاہ نے پہلا کام یہی کیا کہ ۱۳۲۲ء میں اپنے بڑے بیٹے الغ خاں کی سرکردگی میں باغی راجہ کی سرکوبی کے لیئے لشکر روانہ کیا۔ افواج سلطانی نے خام اور پختہ دونوں قلعوں کو گھیر لیا لیکن دوران محاصرہ میں ایسی سخت وبا پھیلی کہ لوگ گھبرا گئے اور اُن کے قدم اکھڑ گئے اُدھر محصورین نے مار دھاڑ شروع کی اور ایسی جان توڑ کر ان پر پلے کہ بجز محاصرہ اُٹھانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا لیکن ۱۳۲۳ء میں دہلی سے پھر تازہ دم لشکر آیا اور اس مرتبہ ورنگل کو مسلمانوں نے فتح کرکے راجہ کو قید کرلیا اور دہلی روانہ کر دیا۔ راجہ کا جانشین اُس کا بیٹا کرشنا ہوا لیکن بہت سا ملک اُس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا ۱۳۴۴ء میں اس نے سب ہندو راجاوں کو ہموار کرکے بغاوت کی اور دکن میں جس قدر مسلمان تھے اُن کو چن چن کر نکالا۔ اِس مرتبہ بادشاہ دہلی نے پھر کچھ مزاحمت راجگان دکن سے نہ کی بلکہ ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ بہمنی نے یورش کی اور ورنگل پر چڑھ آیا لیکن تاوان جنگ لے کر واپس ہوا۔ مسلمان مورخین ونایک دیو عرف ناگدیو کو راجہ کا بیٹا بتلاتے ہیں لیکن اس زمانہ میں خود کرشنا نایک ہی مسند آرا تھا

سنہ ۱۳۷۱ء میں پھر راجۂ ورنگل اور بہمنیوں کے جنگ چھڑ گئی جس میں راجہ کو سخت شکست ہوئی قلعۂ ولم پٹن پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا اور راجہ کے بیٹے ناگدیو کو مار ڈالا لیکن ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خوب خبر لی اور ایسا تعاقب کیا کہ گلبرگہ پونہچتے پونہچتے صرف ایک تہائی لشکر بچ رہا تھا اس موقع پر راجہ نے سلطان دہلی سے امداد کی درخواست کی لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا۔ سنہ ۱۴۲۱ء میں پھر بہمنیوں نے ورنگل پر چڑہائی کی۔ پرتاب رودر دوم نے زر خطیر دے کر اطاعت قبول کرلی اور ایک صلح نامہ بھی ہوگیا جس کی رو سے دونوں سلطنتوں کی حد بندی ہوگئی۔

پرتاب رودر دوم نے ایک شان دار مرصع و مکلل تخت بادشاہ دہلی کے واسطے بنوایا تھا جو آگے چل کر "تخت فیروزہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تخت آبنوس کا تین گز لمبا اور ڈہائی گز چوڑا تھا جس پر سونے کا پترہ منڈھا ہوا تھا اور بے انتہا جواہرات جڑے ہوے تھے۔ یہ تخت اس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کو صندوقوں میں بھر لیتے تھے جس سے حمل و نقل میں آسانی ہوتی تھی۔

پرتاب رودر دوم کا بیٹا کرشنا مسلمان ہوگیا تھا لیکن آگے چل کر وہ اسلام سے منحرف ہوگیا اور اس نے سلاطین اسلام کے دباؤ سے نکل جانا چاہا۔ سنہ ۱۳۶۴ء میں راجۂ ورنگل کو مسلمانوں نے تنگ پکڑا اور بہت دنوں تک لڑائی کے بعد صلح ہوگئی اور راجہ کے ایلچیوں نے بہاں اور بہت سے تحفے تحایف محمد شاہ کو دئے اُس کے ساتھ ہی یہ بیش بہا تخت بھی نذر دیا۔ اس تخت کے بے نظیر تحفے ہی کے خیال سے بادشاہ نے اپنی سرحد گول کنڈہ کو قرار دیا اور وعدہ کرلیا کہ جبتک تمھاری طرف سے پہل نہ ہو ادھر سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی۔ خاندان بہمنیہ کے بادشاہوں نے اس تخت پر وقتاً فوقتاً اور جواہرات کا اضافہ کیا اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے زمانے میں اس کی قیمت ساٹھ لاکھ روپیہ تک پونہچ گئی تھی۔ سنہ ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ ولی البہمنی نے آخر مرتبہ ورنگل پر چڑہائی کی اور راجہ کو بھی مار ڈالا اس راجہ کا صحیح پتہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس کا نام کیا تھا اور وہ پرتاب رُدر سے کیا قرابت رکھتا تھا۔ اس مختصر ضمیمہ میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ راجگان ورنگل اور سلاطین اسلام کی لڑائیوں کا ہم پورا حال لکھ سکیں جن میں شکست اور فتح کبھی ادھر ہوتی تھی کبھی اُدھر بہت سی لڑائیوں اور انقلاب کے بعد ورنگل سلطنت قطب شاہیوں میں شامل ہوگیا اور آخر کار اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۸۷ء میں سلطنت مغلیہ میں ملالیا۔ ورنگل کے حالات بالکل نامکمل رہ جائیں اگر ہم مشہور لڑیرے پیراکلال کا ذکر نہ کریں جو لورپ کے رابن ھڈ

ROBIN HOOD کے شہرہ آفاق تھا اور جس نے ملک دکن میں ایک اودھم ڈال دی تھی لوگوں کا اس کی کھُلّم کھُلّا لوٹ مار سے ناک میں دم آگیا تھا اُنھوں نے مجبور ہو کر اورنگ زیب سے درخواست کی کہ کسی طرح آپ ہی ہم کو اس ظالم کے پنجے سے نجات دلائیں۔ بڑھتے بڑھتے یہ قلعۂ شاہ پور میں بہت سی فوج لے جا کر بیٹھا اور چاروں طرف لوٹ مار کرنے لگا۔ ماہ محرّم (اپریل ۱۷۰۸ء) میں پیرا نے ایک بہت بڑا لشکر سواروں اور پیدلوں کا لے کر ورنگل پر چڑھائی کی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اور بہت کچھ قیمتی سامان لوٹا جس میں ورنگل کے مشہور قالینوں کا بھی ایک کافی ذخیرہ تھا اور جاتے جاتے بارہ ہزار قیدی پکڑ کر لے گیا۔ اتنی بڑی فتح کے بعد پیرا کا حوصلہ اور جرأت اور بڑھ گئی اور دن دہاڑے خوب لوٹ کھسوٹ کرنے لگا آخر کار بادشاہ نے اپنے ایک نہایت معتمد اور بہادر سردار یوسف خاں زربہانی کو لشکر دے کر بھجوایا اُس نے آتے ہی قلعۂ شاہ پور سے پیرا کو نکال باہر کیا اور اپنا قبضہ کر لیا۔ اسی سردار نے پیرا کو گرفتار بھی کر لیا اور چند روز زندہ رکھ کر اُس سے اُس کے جمع کئے ہوئے خزانوں کا پتہ لگانے کے بعد اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیے اور اُس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ ۱۷۶۶ء میں کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرنل پیچ کی کمانڈ میں ایک لشکر ورنگل پر بھیج دیا۔ جس کا مقصود حیدرآباد پر دباؤ ڈالنا تھا چنانچہ نواب نظام علی خاں بہادر نے حیدر علی بادشاہ میسور سے قطع تعلق کر لیا ۱۷۶۸ء میں صلح نامہ ہو گیا جب سے اب تک اس مقام پر اور کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ اب بھی ورنگل میں دیکھنے کے لئے بہت سے دلچسپ مقامات قلعہ۔ مندر۔ محلوں کے کھنڈر۔ فصیلیں وغیرہ موجود ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مندر کے چار عالی شان پھاٹک اب تک سر بہ فلک کھڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مندر جب کبھی ہو گا تو ہنمکنڈے کے مشہور ہزار کھم والے مندر سے کہیں بڑھا چڑھا ہو گا کیوں کہ ہزارہا گھڑے گھڑائے نقش و نگار کے پتھر اب بھی جا بجا مکانوں اور فصیلوں میں کثرت سے لگے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہی کہ بڑے بڑے مندروں کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے مسمار کر دیا ہی اور ان ہی کے ساتھ تمام کتبے جو ان مقامات پر تھے اور جن سے قدیم خاندان کاکاتیا کے حالات معلوم ہو سکتے تھے تباہ اور برباد ہو گئے۔

VELLORE FORT قلعہ ویلور
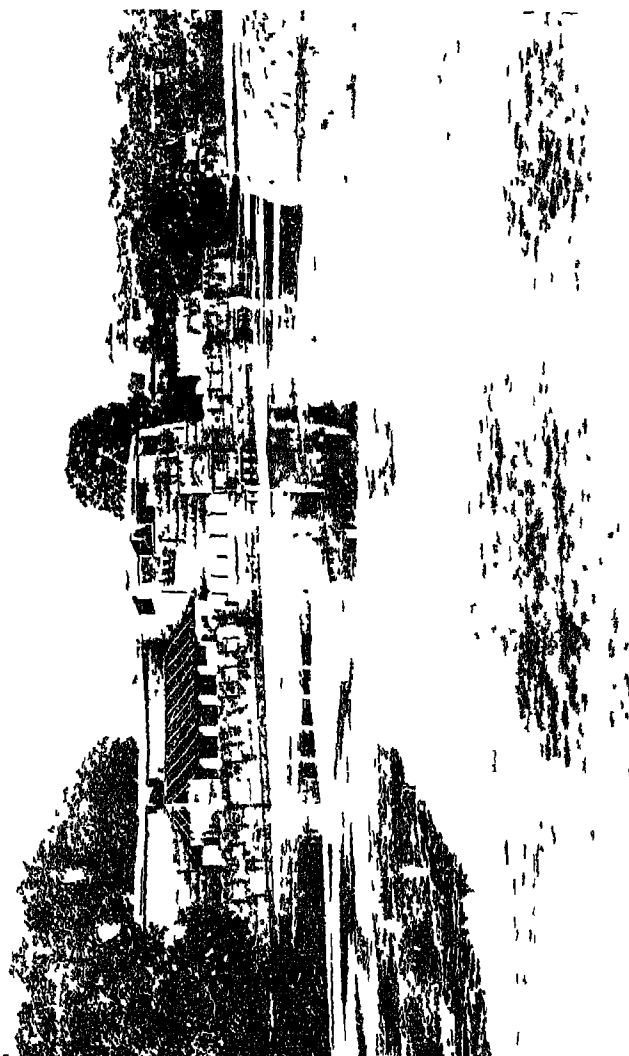
By Permission of the G T M S I Ry, Trichy
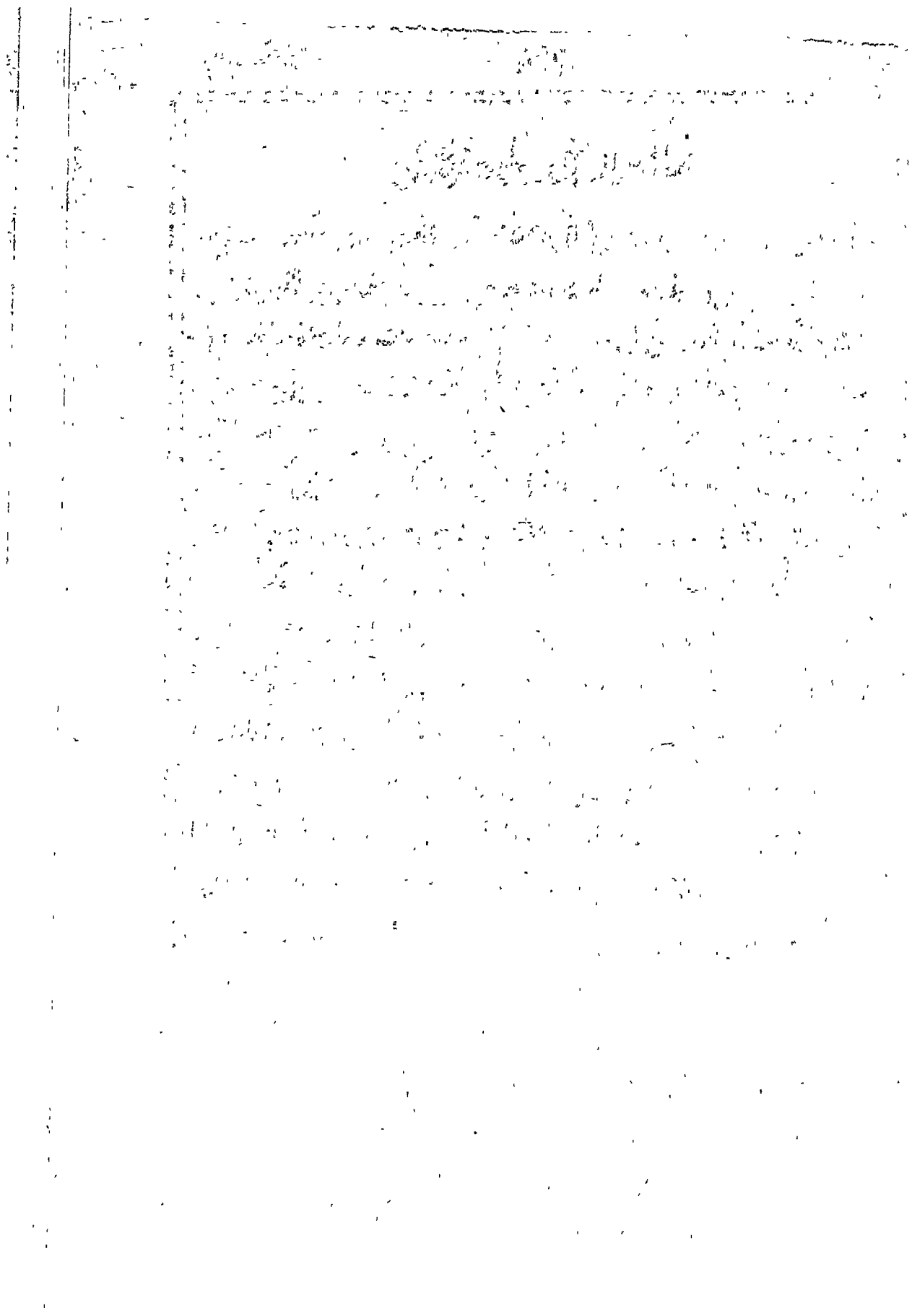
اٹھائیسواں ضمیمہ ویلور و سرنگاپٹن

ویلور کی آبادی ۴۳۷۹۴۶ نفوس ہی جو ضلع شمالی آرکاٹ کا مشہور مقام ہی۔ مدراس (دالگمور) سے ۱۹۲ ۳/۴ میل ہی کاٹ پڈی جنکشن (سوتھ انڈین ریلوے) سے چھ میل۔ ربع آبادی مسلمان فوجی لوگوں کی ہی جو سلاطین بیجاپور اور گولکنڈہ کی افواج کی نسل سے ہیں۔ یہہ مقام سطح سمندر سے سات سو فٹ بلند اور پالار ندی سے بجانب جنوب ایک میل ہٹ کر ہی۔ قدیم لبستی ولاّ پاڑی میں تھی جو اب مضافات ویلور میں ہی۔ جس جگہ ولاّ پاڑی ہی یہاں کثرت سے ببول بن تھا۔ اروی میں ولا ببول کو کہتے ہیں اسی وجہ سے یہہ نام پڑا۔ شہر ویلور کو رائے ویلور یا اُپّے ویلور ضلع گوداوری سے رفع التباس کے لیئے کہتے ہیں۔ ویلور میں ایک ایسا مستحکم اور مشین اور باقاعدہ قلعہ بنا ہوا ہی کہ جس کی نظیر اس خطۂ جنوبی ہند میں نہیں ہی۔ یہاں پہلے چھاؤنی بھی تھی مگر اب اُٹھ گئی۔ لیکن اب بھی ایک اسٹیشن اسٹاف افسر اُن فوجی لوگوں کی پنشن تقسیم کرنے کو رہتا ہی جو مختلف مقامات پر رہتے ہیں۔ شہر کی مشرقی جانب ایک پہاڑوں کا ایسا سلسلہ ہی جو شہر پر چھایا ہوا ہی جس کی تین بلند چوٹیاں مرتضی گڑھ۔ گجراؤ گڑھ اور سجّاراؤ گڑھ ہیں۔ یہہ بھی پہلے محصور تھیں۔ مرتضی گڑھ سب سے شمالی کونے والی گڑھی آخری مسلمان گورنر ویلور کی بنائی ہوئی ہی اور بقیہ دو گڑھیاں جس میں سجّاراؤ گڑھ آخری جنوبی سمت پر ہی مرہٹوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ شہر ویلور ان پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہی جس کے اطراف شہر پناہ تھی جس کا سلسلہ پہاڑی قلعوں سے جا ملتا تھا اور وہاں سے پالار ندی تک دوسرا حصار تھا۔ آب ہوا یہاں کی بہت صحت بخش ہی لیکن چوں کہ پہاڑوں بھر تپتے رہتے ہیں راتیں قیامت کی ہوتی ہیں اور ایسی لپٹیں گرم ہوا کی آتی ہیں کہ توبہ قبول نہیں ہوتی بیان کیا جاتا ہی کہ بھدراچلم (جو دریائے کرشنا پر واقع ہی) کا رہنا والا ایک شخص بومی ریڈی یا بوّمی نائڈو باجازت ایک راجہ کے جو چولا خاندان کا تھا ۱۲۹۵ء میں پہلے پہل ویلور میں آکر رہا اور اُس کے بیٹے نے یہاں کے قلعہ کی بنیاد ڈالی لیکن بلحاظ طرز عمارت اور خصوصاً اینٹ کی منڈیر اور اُس کے جھروکوں کو دیکھ کر ہم کو ہزار حصے صناعی اٹلین انجنیروں کی معلوم دیتی ہی اور بہ ظن غالب یہہ کام کسی یورپین انجنیر کا ہی اور یہہ تو یقینی بات ہی کہ قلعہ کی تعمیر کے بہت عرصے بعد یہہ اضافہ ہوا ہی۔ تعلقہ گوڈیاٹم میں جو مندر کی دیوار پر ایک کتبہ ہی اُس سے معلوم ہوتا ہی کہ چودھویں صدی کے وسط تک نہ قلعہ بنا تھا نہ اُس کے اندر کا مندر بلکہ یہاں کے لوگوں نے قلعہ کی قدامت کے بیان میں محض مبالغہ

کیا ہی سنہ ۱۵۰۰ء کے قریب ویلور پر نرسنگ راے راجۂ بیجانگر ہوگیا لیکن سترہویں صدی کے درمیان بادشاہ بیجاپور نے اُن سے چھین لیا اور مسلمانوں کی حکومت ویلور میں عرصہ تک رہی آخرکار سنکوجی راؤ مرہٹہ نے اُن کو بے دخل کیا اور سنہ ۱۶۷۷ء میں عبداللہ خاں قلعہ دار نے قلعہ مرہٹوں کے حوالے کردیا۔

سترہویں صدی کے اختتام پر اورنگ زیب کے مشہور جنرل ذوالفقار خاں نے قلعہ کا محاصرہ برابر دو سال تک رکھا لیکن آخرکار سنکوجی قلعہ دار سے ڈیڑھ لاکھ پگوڑا[1] لے کر محاصرہ اُٹھالیا سنہ ۱۷۰۸ء میں مغلوں کے جنرل داؤد خاں اور نواب کرناٹک نے ساڑھے چار مہینے کے محاصرہ کے بعد مرہٹوں کو اِس قلعہ سے بے دخل کردیا دو سال بعد داؤد خاں کے جانشین سعادت اللہ خاں نے ویلور اور اُس کا ملحقہ ملک اپنے بھائی غلام علی خاں کو جاگیر دیدیا جس کا پوتا مرتضی علی خاں عرصۂ دراز تک قلعہ پر قابض رہا آخرکار سنہ ۱۷۶۳ء میں انگریزوں اور نواب محمد علی کے مشترکہ لشکر نے تین مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح کرلیا سنہ ۱۷۷۹ء میں حیدر علی نے ویلور کے دس دس میل چاروں طرف کے سارے گاؤں اور زراعت کو جلاکر خاک سیاہ کردیا (یہ واقعہ میسور کی دوسری لڑائی کے نام سے مشہور ہی) دو برس بعد حیدر علی خاں نے باقاعدہ طور پر قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا لیکن وانڈی واش کے قلعہ کی تسخیر میں ناکامیابی کی وجہ سے اس ارادے سے تو باز رہا مگر چاروں طرف ناکہ بندی کرکے تمام راستے بند کردئے۔ ویلور کے قلعہ میں جو انگریزی فوج زیر کمان کرنل راس لینگ کے تھی بھوکی مرنے لگی آخرکار بمشکل تمام ۳ نومبر سنہ ۱۷۸۱ء کو سرآیر کوٹ نے تھوڑی سی رسد بھجوادی لیکن اِس عارضی امداد سے کیا ہوسکتا تھا کہ اسی اثنا میں انگریزوں کو شولن گڑھ کے قریب پالوپیٹ پر ناکامیابی کی خبر ملی اور برسات بھی شروع ہوگئی تھی مجبوراً انگریزی فوج کو مدراس چلا جانا پڑا اور حیدر علی کے لیئے میدان خالی ہوگیا اُس نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ ۲ جنوری سنہ ۱۷۸۲ء کو انگریزی فوج پھر میدان جنگ میں آئی اور گیارہویں تاریخ کو ایک دستہ فوج کا جو تین مہینے کی رسد لایا تھا قلعہ میں جاگھسا جہاں کی باقی ماندہ فوج قلت رسد سے جاں بلب تھی سنہ ۱۷۹۰ء میں جب میسور کی تیسری جنگ ہوئی

---

[1] یہ ایک طلائی سکہ ہی جو انگریزی میں پیگوڈا لکھا جاتا ہی مگر صحیح لفظ پگوڑا ہی۔ یہ سکہ پہلے پہل راجہ کنٹھی راے نے سنہ ۱۶۳۸-۵۸ء میں چلایا۔ اِس کی اصلی قیمت ۳ روپیہ کلدار ہی۔ ہندو اِس کو وَرَہا کہتے ہیں جس کے معنی جنگلی سور کے ہیں جو وشنو کا اوتار ہی جو میسور کے راجاؤں کا نشانِ سلطنت تھا۔ پگوڑے کی اصطلاح پرتگالیوں کی گھڑی ہوئی ہی اور غالباً فارسی بُت کدہ کا بگاڑا ہوا ہی کیوں کہ اکثر پگوڑوں کی ایک طرف دیول کی شکل بنی ہوئی تھی ۱۲

تو انگریزوں کی فوج ویلور میں جمع تھی۔ ویلور کے لئے باستثنا اُس بلوے کے جو ۱۸۰۶ء میں ہوا در حقیقت یہ لڑائی بالکل آخری جنگ تھی ۱۸۰۰ء کے معرکے میں اس قلعہ اور یہاں کے توپ خانے نے ایسا کام دیا کہ فرانسیسی جو چڑھ آئے تھے اُن کے دانت کھٹّے کر دئے تب جا کر معلوم ہوا کہ یہ قلعہ کیسا مضبوط ہی اور اس کا فتح کرنا کس قدر دقت طلب تھا۔ سجارا گڑھ پیر (جو اب سیئرز ہل کے نام سے مشہور ہی) کئی کئی حملے زور شور سے کئے گئے لیکن لفٹنٹ پار کمانڈنگ کی دلیرانہ مقاومت کے سبب سے بار بار فرانسیسیوں کو لپس پا ہونا پڑا۔ ۱۰ر جولائی سنہ ۱۸۰۶ء کو ڈہائی بجے شب کے ہندوؤں کی ہندوستانی فوج یورپینوں پر بدل گئی جو دو کمپنیاں (۶۹) رجمنٹ کی تھیں (جو ولش رجمنٹ کی دوسری بلٹن کے نام سے مشہور ہی) دس افسر اور (۱۱۵) آدمی علاوہ زخمیوں کے مارے گئے۔ غدر کا سبب ایک نئی پگڑی تھی جو فوج کی ڈریس میں دی گئی تھی اور جدید صلیب نما پیچ کش تھا جو ہندوستانی فوج کو دیا گیا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ اِس بہانے سے اُن کا مذہب بٹال کر اُن کو عیسائی بنانا مقصود ہی۔ یہ ساری آگ ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی بھڑکائی ہوئی تھی جو ویلور میں بطور خود رہتے تھے۔ قلعہ میں ہندوستانی فوج پہلی رجمنٹ کی پہلی بلٹن کی چھ کمپنیاں تھیں اور تیئیسویں رجمنٹ کی دوسری بلٹن سب ملا کر پندرہ سو سے کچھ زیادہ تھی۔ ۹ر جولائی کی شب میں جو پہرے چڑھے ہوے تھے وہ سوے اتفاق سے پہلی رجمنٹ کے سپاہی تھے اور یہی رجمنٹ جزو اعظم سازش کا تھی۔ صبح سویرے ہی چند اشرار خفیہ طور پر یورپین گارڈ پر اچانک جا چڑھے اور اِن کے ساتھ پہرے پر چڑھے ہوے سپاہی بھی مل گئے اور تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے نکل کر بلوائیوں کی ایک پارٹی پریڈ کے میدان میں پونچی جہاں تیئیسویں رجمنٹ قواعد کو کھڑی تھی اور اُن کو اپنے ساتھ شریک ہونے کی ترغیب دینے لگی او ننگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ یہ سب ناعاقبت اندیش بھی اُن کے پیچھے ہولئے اور ایک جم غفیر نے یورپین بارکوں کو گھیر لیا اور گولیوں کا مینہ بے خبر سوے ہوے یورپینوں پر برسانے لگے اور گھروں میں گھس گھس کر ایک ایک کو بلا امتیاز عورت اور بچوں کے جو ملا تہ تیغ کرنے لگے۔ جو لوگ جان بچا کر بھاگ نکلے اُنھوں نے نہایت دلیری اور شجاعت سے اِن بلوائیوں کا مقابلہ کیا اور قلعہ کے دروازہ پر ڈٹ گئے جس کی وجہ سے بلوائی قفلی دام پُل کو نہ کھول سکے۔ اِدھر تو یہ کشت و خون ہو رہا تھا اُدھر بلوے کے سرغنوں نے ٹیپو سلطان کے بیٹے فتح حیدر کی بادشاہت کا اعلان کر کے قلعہ میں جھنڈا بھی بلند کر دیا۔ یورپین فوج یہ دیکھ کر فوراً

نکل بڑی اور اٹھترویں رجمنٹ کے ایک سولجر نے جرأت کر کے کھم پر چڑھ جھنڈے کو اُتار لیا۔ اس غدر کی کیفیت رانی بیٹ میں کرنل گلپسی کمانڈنگ اُنیسویں ڈریگون کو پونچی اور نو بجے دن کے وہ ساتویں نیٹو انفنٹری کے ایک دستے کو لے کر بلغار پونچے۔ اس کمک کے آتے ہی یہاں کا رنگ ہی بدل گیا بلوائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور تھوڑی دیر میں بلوہ بالکل فرو ہوگیا۔ ساڑھے تین سو سپاہیوں کے قریب اس بلوے میں مارے گئے اور ان کے سرغنہ توپ کے منہ سے باندھ کر اُڑا دئے گئے اور پہلی اور تیئیسویں دونوں نیٹو رجمنٹیں ایک دم توڑ دی گئیں۔ قلعہ کی عمارت قریب قریب مربع شکل کی ہے جس میں متعدد مرتفع اور مستحکم برج اور مورچے اور ایک وسیع خندق ہے۔ قلعہ کا صدر دروازہ بڑا عالی شان ہے۔ جس کے پٹ بہت بھاری مضبوط اور مستحکم ہیں۔ دروازے تک ایک چکر دار سڑک ہے اور خندق پر ایک قفلی دار پل ہے جسے جب چاہو گھسیٹ لو اور جب چاہو کھول دو۔ خندق میں زمین کے اندر ہی اندر سوریا گنڈ تالاب سے پانی آتا ہے۔ فصیل میں گھڑے گھڑائے سڈول بڑے بڑے پتھر ہیں جو گچ سے جمے ہوے ہیں۔ صرف اوپر کی منڈیر اینٹوں کی ہے۔ جس میں بندوقیں مارنے کے جھروکے رکھے گئے ہیں۔ قلعہ کے اندر شمالی و مشرقی کونے میں ایک نہایت قدیم اور عمدہ مندر ہے جو مدتوں بطور سلاح خانے کے استعمال کیا جاتا تھا۔ دو صدی گزریں کہ اس مندر میں ایک قتل ہوا تھا جس کے سبب سے وہ ناپاک ہوگیا اور جب سے اس میں پوجا پاٹ بند ہوگیا۔ مندر کا گوپرم (قبہ) سات منزل بلند ہے جس کی بلندی سو فیٹ ہے۔ اس میں سر سے پاؤں تک بے نظیر دست کاری اور صناعی کی گئی ہے۔ تصویروں اور مورتوں سے لپا ہوا ہے اور دروازہ بھی بڑا عالی شان ہے۔ یہ سیو کا مندر ہے جس کا نام "جل کنٹیسور" ہے یعنی سیو جی پانی میں رہتا ہے۔ مندر کے دروازے کی دونوں طرف "دو دوار پال" یعنی دربان بہت بڑے اور ایک ہی پتھر کے تراشے ہوے کھڑے ہیں اور گوپرم کے اندر وار جدھر دیکھو پتلے اور بت ہی بت ہیں اس میں بانی قلعہ بومتی ریڈی کا بت بھی ہے مندر کے احاطہ کے اندر بائیں ہاتھ کو "کلیاں منڈپ" ہے جس میں پہلے ہر سال دلو کی شادی کے وقت دیو کو لا کر بٹھلاتے تھے۔ اس کے ستونوں پر بے نظیر نقش و نگار اور تصاویر ہیں۔ منڈپ کی دوسری جانب سیڑھیوں کے پاس بہت سے پتھر کے ستون کھڑے ہیں جن پر انواع و اقسام کی بے شمار تصویریں جانوروں اور دیوتاؤں کی بنی ہوئی ہیں جن کے دیکھنے کے بعد انسان محو حیرت رہ جاتا ہے کہ کس محنت اور کتنے صرفے اور کس قدر مدت میں یہ کام ہوا ہوگا۔

اور وہ کاریگر کیسے ہوں گے۔ آج بھی ہم اس کہنے پر مجبور ہیں کہ اب یہ فن ہی ہندوستان سے مٹ گیا جب اِس کی ضرورت نہ رہی تو ایسی عمارتوں کے بنانے والے بھی مٹ گئے۔ ایک شرزہ منہ پھاڑے کھڑا ہی اُس کے منہ کے اندر ایک گولہ ہی جیسے ہاتھ ڈال کر جتنا چاہو پھراؤ مگر گولا نکل نہیں سکتا (اسی صنعت کے دو شیر گنگ گیری کی لکھا باؤلی پر بھی ہیں حقیقت میں پتھر کو موم بنا دینا ان ہی لوگوں کا حصہ تھا چھت کو دیکھئے تو نظر اوپر گڑی کی گڑی رہ جائے نظر ہٹانے کو دل نہ چاہے۔ خیر اور نقش ونگار اور تصویریں جو ہیں وہ تو ہیں مگر تین حلقے طوطوں کے بنائے ہیں جو سر کے بل لٹک رہے ہیں اور چونچ اور پنجوں میں کنول کے پھول کی پنکھڑیاں پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طوطا الگ الگ پتھر میں تراشا ہوا ہی۔ جس کی خوبصورتی کا بیان قلم سے ناممکن ہی ہاں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی۔ صرف جان ڈالنا باقی ہی۔ تمام ہال متعدد ستونوں پر ٹکا ہوا ہی اور کوئی ستون ایسا نہیں جس میں دیدہ ریزی کا کام نہ کیا گیا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مندر کا کوئی پتھر ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ صنعت نہ رکھی گئی ہو اور اس قابل ہی کہ اُن کاریگروں کے ہاتھ چوم لیئے جائیں اور ان پتھروں کو سونے میں تول دیا جائے۔ مندروں کے چاروں طرف لمبے لمبے برآمدے دور تک چلے گئے ہیں جن میں صدہا ستون ہیں اور کوئی ستون بھی تصاویر سے خالی نہیں اور پھر معمولی تصویریں نہیں وہ تصویریں کہ جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ اب بولیں کہ بولیں۔ احاطہ کے چاروں طرف چار منڈپ بنے ہوئے ہیں وہ بھی تصاویر سے آراستہ ہیں۔ شمال و مغرب کے کونے میں جو منڈپ ہی اُس کے سامنے ایک قابل دید باؤلی ہی کہ اُس میں سطح آب سے ملی ہوئی ایک کھڑکی رکھی گئی ہی جس کے اندر جانے سے معلوم ہوتا ہی کہ بالائی عمارات کے علاوہ تہ خانے میں بھی ایک کشادہ مندر ہی۔ اس میں بھی متعدد کھم ہیں اور یہاں سے پالا رندی تک سرنگ تمام راستہ بنا ہوا ہی کہتے ہیں کہ مندر کا خزانہ یہیں ہی جس پر جنات قابض ہیں اور کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ باؤلی کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا اس وجہ سے اُس کا خالی کرنا بہت مشکل ہی اور جب تک باؤلی خالی نہ ہو اِس تہ خانے والے مندر کو کون چھان سکتا ہی ۱۸۷۷ء میں پانی بہت اُتر گیا تھا تب اسٹیشن سٹاف افسر کے ایک بابو نے آکر مندر کو دیکھا تھا ورنہ کون جاتا ہی اور ہتھیلی پر اپنی جان لیکر کون جا سکتا ہی۔ قلعہ کے اندر ٹیپو سلطان کے رہنے کے محلات بھی ہیں جنوب و مشرق میں یورپین لوگوں کا قبرستان ہی جس میں بیشتر ۶۹ رجمنٹ کے افسر اور سولجروں کی قبریں ہیں جو ۱۸۰۶ء کے غدر میں مارے گئے تھے۔ قلعہ سے (۲۵۰) گز مغرب کی طرف حضرت مقام کی درگاہ ہی۔ قلعہ کے

مغرب میں پون میل قریب ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی قبور ہیں جن میں دس قبریں بڑے بڑے امراء کی ہیں اور چار سو معمولی۔ اس قبرستان کا ایک معمولی سا احاطہ کھچا ہوا ہی آج کل عمارتوں ہی کی سنبھال مشکل ہی قبرستان کو کون پوچھتا ہی گورنمنٹ نے ۶ ایکڑ زمین قبرستان کے لیئے چھوڑ دی ہی جس میں سے تین ایکڑ میں تو قبریں ہیں باقی زمین میں زراعت ہوتی ہی۔ اگرچہ یہ زمین اسی واسطے چھوڑی گئی ہی کہ اس کے محاصل سے قبرستان کی نگہداشت ہو لیکن جو کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ کے آگے مُردوں کی کیا پروا کرتے ہیں۔ قلعہ سے ڈیڑھ میل پر ایک مسلمان طوائف کی قبر ہی جسے ایک مسلمان قلعہ دار نے اِس مندر میں جو یہاں ہی سترھویں صدی کے آخر میں مار ڈالا تھا۔ اُسی تاریخ سے مندر کا پوجا پاٹ موقوف ہو گیا اور جو خزانہ تھا وہ بھی لُٹ لٹا گیا۔

موضع ولا پاڑی میں ایک بہت پُرانا گرا پڑا مندر ہی جو قلعہ ویلور کی تعمیر سے پہلے کا ہی مشہور ہی کہ خاندان چولا کا راجہ اُس زمانہ میں جب کہ بومّی ریڈی آیا اِسی موضع میں رہتا تھا۔

ہمارے اِس ضمیمہ میں حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان کا ذکر آ گیا ہی اِن دونوں کے حالات کے لیئے ایک جُداگانہ کتاب کی ضرورت ہی چنانچہ اِس وقت ہمارے سامنے بٹورنگ صاحب کی انگریزی کتاب "حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان" ہی لیکن جگہ کی قلت مانع ہی بریں ہم بہت مختصر طور پر عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ خاکسار میسور اور سرنگا پٹن ابھی حال میں گیا تھا اور میری لوحِ دل پر ابھی وہاں کے حالات کا نقش تازہ ہی۔

نواب حیدر علی خاں اور اُس کا بیٹا ٹیپو سلطان دونوں غیر معمولی فراست و کیاست اور ملٹری سپرٹ کے لوگ تھے۔ ملک ہند میں انگریزوں کو اِن سے زیادہ دلیر جوان مرد اور بہادر بادشاہوں سے کبھی مقابلہ نہیں پڑا۔ اِن دونوں کی سلطنت اگرچہ صرف (۳۸) برس ہی رہی مگر اِن کے کارنامے صفحۂ دنیا پر ہزاروں سال رہیں گے اِن کا مورث اعلیٰ حسن بغداد شریف سے اجمیر میں اپنے بیٹے ولی محمد سے ملنے آیا تھا جو اپنے چچا سے ناراض ہو کر گلبرگہ چلا گیا تھا۔ ولی محمد کا بیٹا علی محمد تھا جس نے میسور کے مشرقی علاقہ کولار میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۶۷۸ء میں وفات پائی۔ اِس کے چار فرزند تھے جن میں سب سے چھوٹا فتح محمد تھا جو محاصرۂ قلعۂ جنجی میں نمایاں کام کرنے کی بدولت صوبہ دار سیرا کی نظروں میں چڑھ گیا اور نایک کی خدمت پر ممتاز ہوا لیکن وہ صوبہ دار جو اس کا مربّی تھا جب بدل گیا تو فتح محمد نے اپنی تقدیر آزمائی پہلے آرکاٹ میں پھر چتّور میں کی لیکن وہاں بھی جمنے نہ پایا اور پھر میسور واپس آکر فوجدار یعنی فوجی کمانڈر مقرر رہا اور موضع بڑی کوٹہ جاگیر ملا۔ فتح محمد نے پہلے ایک سیدانی سے

شادی کی جس سے تین لڑکے ہوئے اُس کی وفات کے بعد اپنی سالی کو عقد میں لایا۔ فتح محمد کا خسر اہل نوائط مدراس میں سے تھا۔ چھوٹی بیوی سے دو لڑکے ہوئے شہباز (بعض اس کا نام اسمعیل تبلاتے ہیں) اور حیدر (حیدر علی کی ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں دیتی بعض مورخین ۱۷۲۲ء تبلاتے ہیں اور بعض ۱۷۱۷ء) حیدر علی خان نے راجگان میسور سے ملک چھین لیا اور خود پادشاہ ہوگیا اور جو جو کام اس نے کئے اور لڑائیاں لڑا اور جیسے کچھ جوہر مردانگی اور شجاعت کے دکھلائے اُن سب کو ہم ترک کرتے ہیں۔ حیدر کی لڑائی انگریزوں اور فرانسیسیوں سے ہو رہی تھی۔ برسات کا موسم سر پر آجانے سے انگریز مدراس چلے گئے اور فرانسیسی کڈلور کو اور حیدر ارکاٹ سے تیرہ میل پرے اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا ہوا تھا حیدر کی پیٹھ میں عرصہ سے ایک ناسور تھا جس میں لڑائیوں کی دوا دوش سے اور اشتداد ہوگیا تھا اسی میں کیمپ نرسنگ رائنا پیٹ میں جو چتور کے قریب ہے ۷ دسمبر ۱۷۸۲ء ۱۱۹۵ھ کو انتقال کیا۔ تاریخ وفات "حیدر علی خاں بہادر" ۱۱۹۵ھ ہے اور مقبرہ پر جو گنجام مضافات سرنگاپٹن میں ہے بجانب مغرب یہ قطعہ کندہ ہے ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم	اللہ محمد ابوبکر عثمان علی
زہے گنبدے کز شکوہ بنا	فلک زیر دستش بود در علو
تو خواہی مہ و خواہ خورشید خوان	فلک داغ گردید از رشک او
بود شمسہ اش نور چشم فلک	قمر یافتہ ضو ز تعلیم او
تراوش کنان بحر رحمت ز خاک	گروہے ز کرّو بیاں گرد او
سحر گہ پی کسب فیض و شرف	گذشتم ازیں خواب گاہ نکو
چو آں منقبح تازہ آمد بچشم	نمودم چو روحانیاں جست جو
کہ ایں شاہ آسودہ را چیست نام	چہ تاریخ رحلت نمود است او
یکے از میاں گفت تاریخ و نام	کہ "حیدر علی خاں بہادر" بگو

حیدر علی خاں کی وفات کے بعد اُن کا فرزند ٹیپو سلطان تخت نشین ہوا ٹیپو سلطان ۱۷۵۳ء ۱۱۶۵ھ میں بمقام دیوّن ہلّی پیدا ہوا آپ کا نام ارکاٹ کے بسانیز رگ ٹیپو مستان اولیا پر رکھا گیا جن کا مقبرہ نواب سعادت اللہ خاں نے تعمیر کرایا جنھوں نے ۱۷۳۲ء میں وفات پائی۔ مقبرہ پر ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء کندہ ہے ٹیپو سلطان کی والدہ ماجدہ کا نام نامی فخر النساء بیگم تھا جو میر معین الدین علی خاں گورنر کڑپا کی دختر نیک اختر تھیں۔ لوگوں کا یہ بیان کہ ٹیپو

کنڑی زبان میں شیر کو کتے ہیں غلط ہی بلکہ کنڑی میں شیر کو "ہلی" کہتے ہیں۔ چنانچہ ضلع رائچور تعلقہ گنگاوتی میں ہلی حیدر ایک سمستان ہی جہاں ایک رانی حکمراں ہی اصلی وجہ اس خیال کے شہرت کی یہ ہی کہ ٹیپو سلطان کا بانا شیر تھا اُس کا مقولہ تھا کہ "صرف دو دن کی شیر کی طرح کی مردانہ وار زندگی بھیڑ کی دو سو برس کی زندگی سے بہتر ہی" فوج کے لباسوں میں شیر کے پٹے تھے اور جس جگہ دیکھو یہی شاہی نشان تھا چنانچہ آپ کے گنبد کی چھت پر زرد اور سیاہ پٹیاں شیر کی کھال کی طرح کی بنی ہوئی ہیں ٹیپو کے محل کے سامنے کئی کئی شیر غراں پنجروں میں بند ہمیشہ رہا کرتے تھے۔ ٹیپو سلطان ہمیشہ اپنے القاب کے ساتھ "اسد اللہ الغالب" لکھا کرتا تھا۔ تخت پر بھی ایک پورا سر شیر کا سونے سے منڈھا ہوا تھا جو تکیہ گاہ تھا۔ تخت پر چڑھنے کے لیئے چاندی کی سیڑھیاں تھیں اور تخت کے منبت سنہری کام پر جابجا شیر بنے ہوے تھے۔ تخت پر ہما سایہ کئے ہوے تھا جس کے پروں میں جواہرات جڑے ہوے تھے۔ چنانچہ اب تک ونڈ کیسل میں ٹیپو سلطان کا تخت جس پر جواہرات جڑے ہوے ہیں اور یہی ہما ہی موجود ہی۔ اِس کے علاوہ خیموں اور سراپردوں کے چاندی کے کھم۔ ہاتھی دانت کی کوچ کرسیاں۔ ہاتھیوں کی مغرق جھولیں۔ گھوڑوں کے زین پوش اور گہنے۔ پالکی۔ وو نہایت نفیس کام کی بندوقیں ڈھال اور تلوار جو وقت شہادت سلطان کے جسم پر تھیں موجود ہیں۔ قلعۂ ونڈسر کی لیبریری میں ایک قرآن شریف اورنگ زیب کے وقت کا بے نظیر خط نسخ میں لکھا ہوا مطلّا و مذہب بھی موجود ہی جس کا ہدیہ نو ہزار روپیہ تھا۔ شکل و شمائل میں ٹیپو سلطان کو خدا نے ایک خاص رعب وداب دیا تھا۔ ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے نازک اور خوبصورت۔ نوکدار بلند بینی۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں گردن بھاری اور ڈیل دُہرا تھا۔ باپ کی طرح داڑھی آپ نہ رکھتے تھے مگر چھوٹی چھوٹی چڑھی ہوئی موچھیں تھیں۔ آپ کو شرم و حیا اِس قدر تھی کہ سوائے آپ کے ہاتھ پیر کے کسی شخص نے آپ کا ستر نہیں دیکھا۔ ستر ڈھانکنے کا یہاں تک اہتمام تھا کہ آپ غسل کے وقت بھی سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹے رہتے تھے کیا مجال کہ بدن کا کوئی حصہ کھُل جاے۔ لباس آپ کا ازحد سادہ رہتا تھا اور ایک پکّے اور کٹّے مسلمان کو جس طرح رہنا چاہیئے وہ آپ تھے۔ جب آپ سفر میں تشریف لے جاتے تو ایک کمخواب کا کوٹ زیب تن کرتے تھے جس پر شیر کی پٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ پگڑی مرہٹوں کی سی باندھتے تھے جس پر کلغی اور طرّہ لگا رہتا تھا۔ اکثر اوقات سفید رومال پگڑی پر سے گلے میں لپیٹ لیتے تھے۔ آخری زمانے میں آپ سبز پگڑی باندھنے لگے تھے۔ انگریز آپ کو "ٹیگر آف میسور" کہا کرتے تھے۔ بہادری۔ ہمت۔ جرأت۔ استقلال۔ مہارت فن سپہ گری میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اور درحقیقت وہ شیر کا سا دل

اور بہادری رکھتا تھا۔ کسی حالت میں ایک قدم پیچھے ہٹنے والا نہ تھا۔ ۲۲ر فروری ۱۷۹۹ء کو انگریزوں نے آخری مرتبہ سرنگاپٹن کا محاصرہ کرلیا۔ ٹیپو سلطان کے تینتیس ہزار پیدل اور پندرہ ہزار سوار علاوہ توپ خانے کے تھے اور انگریزوں کی فوج جو ویلور سے ۱۱ر فروری کو روانہ ہوئی پندرہ ہزار پیدل۔ دو ہزار چھ سو سوار۔ چھ سو یورپین سُولجر توپ خانے کے۔ ڈہائی ہزار توپ خانے کے آدمی اور سو توپیں تھیں اس کے علاوہ ۵۰۰،۶ فوج سرکار نظام کی اور ۳۰۰،۶ فرانسیسی فوج اور ۶۰۰۰ باقاعدہ اور بے قاعدہ سوار تھے اِس طرح طرفین کی مجموعی تعداد سینتیس ہزار تھی۔ اِس کے علاوہ بمبئی سے جنرل سٹوراٹ کی کمان میں ۴۰۰،۶ کی فوج اور آن پونہچی۔ ۷ر مارچ ۱۷۹۹ء میں جنگ شروع ہوئی اور ۲ر مئی کو قلعہ کی مغربی فصیل ساٹھ گز لمبی توپوں کی ضربات سے گر گئی اور ۴ر مارچ کو ایک بجے دن کے انگریزی فوج نے گوداوری ندی پار اُتر کر ایک سخت حملہ کیا۔ ٹیپو سلطان بہ نفس نفیس اِس جنگ میں موجود تھا آپ کا لباس ایک ہلکے رنگ کا انگرکھا تھا اور عمدہ چھینٹ کا پائجامہ۔ سرخ ریشمین پٹکہ۔ مغرق دستار اور ایک مرصع بگلوس اور داہنے بازو پر ایک تعویذ۔ ۴ر مارچ کو سویرے سے ہی ٹیپو سلطان قلعہ وڈی (کھڑکی)[۱] پر پونہچے۔ تھوڑی دیر بعد خبر ملی کہ سید غفور جو بڑا معتمد جنرل تھا توپ کے گولے سے مارا گیا۔

---

[۱] اِس مقام پر ایک پست دروازہ بنا ہوا ہی جو گوداوری سے پانی لانے کا گھاٹ کہا جا سکتا ہی اِس دروازہ کے باہر ایک پُرانا درخت بڑ کا ہی یہیں ٹیپو کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا آپ خاصہ رکھا رہے تھے کہ کسی نے آن کر خبر دی کہ غفور خاں کو توپ کا گولہ لگا اور ختم ہوگئے ٹیپو اُس کو بہت چاہتا تھا فوراً کھانے پر سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ گھوڑا لاؤ اور ویسے ہی سوار ہوکر خود فوج کی کمان کو نکلا۔ انگریزوں نے اسی کھڑکی پر تختی لگادی ہی کہ ٹیپو سلطان یہیں مارا گیا جو عقلاً اور روایۃً دونوں طرح غلط محض ہی۔ چنانچہ ریورنڈ طامس نے اپنی کتاب "لاسٹ سیج آف سرنگاپٹم" کے صفحہ (۸) پر اس خیال کی تردید کی ہی اور ہم کو جو جگہ مولوی عبدالخالق صاحب نے بتلائی جو خود عمر رسیدہ اور اِس واقعہ کو دیکھے ہوئے لوگوں سے سن چکے ہیں وہ البتہ قرین قیاس ہی۔ اور وہی مقام پادری صاحب نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہی۔ امر مسلم یہ ہی کہ غفور خاں کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان خود فصیل پر چڑھ کر گولیاں چلا رہا تھا۔ جو قلعہ کی حالت اب ہی اُس زمانہ میں نہ تھی محلوں میں سے ایک باقی نہیں تو پھر دروازوں کا کیا پوچھنا ٹیپو بیرونی فصیل سے خندق اُتر کر اندرونی فصیل کے دروازے سے قلعہ کے اندر آنا چاہتا تھا اُس وقت یہاں دروازہ تھا جو اَب نہیں ہی یہ دروازہ بند پایا اور اسی لمبی گلی میں آپ نے شہادت پائی یہ جگہ اُس مقام سی بالکل ملحق ہی جہاں کہ فصیل میں شگاف پڑا تھا اور ضرور بادشاہ یہیں جاں بحق ہوا۔ نہ کہ اُس وڈی میں جہاں تختی لگادی ہی۔ دروازہ بند کرنے والے حضرت میر محمد صادق تھے جو ٹیپو کے بڑے مصاحب تھے (جن کی قبر قلعہ کے بیرونی میسور دروازے کے کونے میں کس مپرسی کی حالت میں ہی بلکہ لوگ بول و براز کرتے ہیں، ع کس نیاموخت علم تیر از من کہ م

انگریزوں کی فوج کی کمان پر وہی جنرل بیرڈ تھا جو ۱۷۸۰ء میں پرمباکم مقام پربیلی کی شکست کے بعد ٹیپو کی قید میں اکر تین برس تک سرنگاپٹن کے تہ خانہ میں قید رہا تھا۔ یہ پہلے ہی سے ٹیپو کا بڑا دشمن جانی تھا قید خانے کی صعوبت اور کالیت کا گہرا اثر اس کے دل پر تھا۔ شمشیر برہنہ لے کر فصیل پر چڑھا اس کا چڑھنا تھا کہ ایک دم ساری فوج ٹوٹ پڑی دریائے گوداوری کو آناً فاناً چھ منٹ میں طے کر لیا اور سلطانی فوج کی بندوقوں کی مار اور بانوں نے کچھ بھی روک نہ کی۔ معدودے چند فوج سلطانی جو اس مقام پر تھی انگریزوں نے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بات کی بات میں انگریزوں کا جھنڈا قلعہ کی فصیل پر لہرانے لگا۔ ٹیپو سلطان فوراً فصیل کے شگاف کی طرف مثل برق صاعقہ کے جھپٹا اور اپنی فوج میں روح تازہ ڈال دی۔ ٹیپو سلطان خود فیر کرنے لگا لیکن دو وجہ سے اُس کو لیسپا ہونا پڑا ایک انگریزی فوج کا دفعتہً ٹوٹ پڑنا دوسرے اپنی فوج کی بھاگڑ۔ ٹیپو سلطان گھوڑے پر سوار ہوا اور نکل جانا چاہا لیکن دیکھا تو دروازہ قلعہ کا بند تھا۔ ٹیپو سلطان دشمنوں میں گھر گیا اور کسی نے تاک کر سینہ پر گولی ماری مگر پھر بھی ہمت نہ ہاری اور چاہتا تھا کہ نکل جائے کہ بارھویں رجمنٹ نے باڑھ ماری۔ داہنی جانب دوسری گولی لگی۔ ران تلے جو گھوڑا تھا گر گیا۔ ناچار پالکی میں سوار ہوا۔ حالی موالی نے دست بستہ عرض کی کہ حضور اس وقت اپنے آپ کو ظاہر فرما دیں تو بہتر ہے اور یقین ہے کہ حضرت کی ذات اقدس کو کوئی گزند نہ پھونچے گا بلکہ انگریزوں کو آپ کے حفظ مراتب کا خیال ہوگا لیکن اس غیور اور من چلے بادشاہ نے اِس عار کو گوارا نہ کیا اور جام شہادت کا مشتاق رہا۔ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است　　رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت

اُسی وقت ایک ٹکڑی سولجروں کی اور آئی۔ اُن میں سے ایک کی نگاہ پالکی پر پڑی ٹیپو کا جگمگاتا ہوا جگلوس دیکھ کر اُس کے منہ میں پانی بھر آیا چاہا کہ کھسوٹ لے مگر مرا ہاتھی بھی سوا من کا ہوتا ہے۔ ٹیپو گو کہ سسک رہا تھا مگر مرتے مرتے بھی اپنا ہاتھ دکھا گیا اور ایک ضرب تلوار کی سولجر کے ایسی ماری کہ اُس کا گھٹنا زخمی ہوا اور وہ اُلٹ کر اوندھے منہ گرا۔ وہ سمجھا تھا کہ اب اس میں کیا دم رہا ہے۔ مار از پیں گیاہ ضعیف ایں گماں نبود۔ لیکن تلوار کا زخم کھا کر وہ غصّے سے پلٹا اور ایسی جوڑ کر گولی ماری کہ سر میں لگی گولی کا لگنا تھا کہ روح پرواز کر گئی ؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ تاریخ شہادت ۲۸ ذیلعقدہ روز شنبہ (امادس)

ؔ۵ اس مقام پر انگریزوں نے بطور یادگار ایک مینار بنا دیا ہے اور پتھر کی تختیوں پر تاریخ و وقت فتح اور مقتولین کے نام بھی کندہ کئے ہیں ۱۲۔

وقت (۱۲)[۵] بجے دن کے۔ لیکن انگریزی فوج کو ٹیپو کی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ سوپہنے مارتے تو مار دیا مگر وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کس کے خون میں اُس نے اپنے ہاتھ رنگے۔ ٹیپو کی دار و گیر کے لیئے قلعہ کا چپا چپا چھان ڈالا مگر اُس کا کہیں پتہ نہ لگا مجبور ہو کر جنرل بیرڈ نے سلطان کی تلاش کا حکم دیا۔ میجر ایلن ڈپٹی کوارٹر ماسٹر جنرل التوائے جنگ کا جھنڈا لے کر محل شاہی پر پہنچے اور یہ سمجھ کر کہ بادشاہ محل میں ہوگا بادشاہ کی حوالگی کا پیغام دیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ بادشاہ دڈی میں زخمی ہو کر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت اندھیرا ہو گیا تھا۔ بہت کچھ تلاش کے بعد ٹیپو سلطان کی نعش مُردوں کے انبار میں ملی۔ نعش ابھی گرم تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ چہرہ بالکل اپنی اصلی حالت پر تھا باوجودیکہ تین زخم گولیوں کے سینے پر تھے اور چوتھا کنپٹی پر مگر چہرہ ذرا بھی بگڑا نہ تھا۔ پگڑی کفچہ اور گلوبس تینوں چیزیں غایب تھیں لیکن بازو کا تعویذ جوں کا توں بندھا ہوا تھا۔ نعش کو پالکی میں ڈال کر جنرل کے حکم سے رات بھر محل میں ہی رکھّا۔ دوسرے دن ۵ مئی کو ساڑھے چار بجے دن کے جنازہ روانہ ہوا۔ چار کمپنیاں یورپین سولجروں کی جنازے کے ساتھ تھیں۔ جنازہ ٹیپو سلطان کے گھر والے اُٹھائے ہوئے تھے جس کے پیچھے شاہزادہ عبدالخالق اور تمامی امرا و ملازمین اور عامۂ خلائق کا بے انتہا ازدحام تھا۔ جس راستے سے جنازہ گزرتا تھا لوگ زار و قطار روتے اور واویلا کرتے تھے۔ لال باغ کے مقبرے کے دروازے پر پہنچ کر فوج نے سلامی دی۔ قاضی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں جہاں ماں اور باپ دونوں پہلے سے آسودہ تھے دفن ہوا۔ ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ گورنمنٹ کی طرف سے بارہ ہزار کی خیرات اُسی وقت فقیر فقرا میں کی گئی۔ وہ رات قیامت کی رات تھی شام سے سخت طوفان شروع ہوا۔ موسلا دھار مینہ

---

[۵] صحیح وقت ٹیپو کی شہادت کا مولوی عبدالخالق صاحب اور خدام لال باغ ٹھیک بارہ بجے دن کے بتلاتے ہیں اور انگریز وقائع نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرا ہو گیا تھا مشعل لگا کر نعش کو ڈھونڈ کر مردوں کے ڈھیر میں سے نکالا۔ اُس وقت بھی آپ کا جسم گرم تھا دوپہر کے مرے ہوئے آدمی کا جسم سات آٹھ بجے شام تک گرم رہنا قرین قیاس نہیں اور انگریزوں نے خود ایک بجے دن کے دھاوا کیا اور اُن کے مقابلے پر ٹیپو سلطان خود موجود تھا تو (۱۲) بجے دن کی شہادت یقیناً غلط ہو جاتی ہے۔ ان واقعات کے لحاظ سے عجب نہیں کہ غروب آفتاب سے کچھ پہلے یہ سانحۂ ہوش ربا ہوا ہو۔ اس جنگ میں ٹیپو سلطان کی طرف کے آٹھ ہزار آدمی مارے گئے اور ۲۹۰ سولجر اور (۶۵) افسر اور ۶۳۹ نیٹو سپاہی انگریزوں کے۔ انگریزوں کی یورپین فوج سات ہزار تھی اور نیٹو فوج بہ استثنائے نظام کنٹنجنٹ کے بیس ہزار ۱۲ منہ

پڑنے لگا۔ چمک اور گرج کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ بمبئی کیمپ کے دو افسر اور چند سپاہی بجلی کے صدمے سے ہلاک ہوے اور کئی سخت مجروح ہوے۔

حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کا مقبرہ یہہ مقبرہ ٹیپو سلطان نے اپنے باپ حیدر علی خان کے واسطے بنوایا تھا جو ریلوے اسٹیشن سے تین میل اور قلعہ سے قریب دو میل کے ہی۔ یہاں کی آبادی کو گنجام کہتے ہیں۔ اور لال باغ کے نام سے مشہور ہی۔ یہہ مقبرہ ایک باغ کے بیچ میں واقع ہی اور مربع ہی جس پر بڑا بھاری گنبد اور منارے ہیں جس میں آواز گونجتی ہی اور چاروں طرف برآمدہ ہی جس کے (۳۶) ستون آٹھ آٹھ فٹ بلند چاروں طرف سنگ سیاہ کے ہیں۔ دروازوں پر ہاتھی دانت کا کام ہی جو لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کا عطیہ ہیں۔ مقبرہ سے ملی ہوئی ایک نہایت نفیس اور ہر طرح آراستہ مسجد ہی۔ نوبت برابر جھڑتی ہی۔ متعدد مالی۔ داروغہ اور ناظم مقرر ہیں جن کا ماہانہ خرچ [illegible] (ہنوں کے حساب سے) اب تک گورنمنٹ کی طرف سے جاری ہی۔ مولوی عبد الخالق صاحب عرف امیر یہاں کے ناظم ہیں۔ مغرب کی طرف یہہ کتبہ ہی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — رَبِّ ارْحَمْ السُّلْطَانِ الْکَرِیْم

ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ — خون خود ریخت فی سبیل اللہ

بعد ذیقعدہ بست و ہشتم آں — شدہ در روز شنبہ حشر عیاں

میر سالش بہ نیم آہ بگفت — نور اسلام و دین ز دنیا رفت

تاریخ کشتہ گشتن سلطان حیدری — ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

چو آں مرد میداں نہاں شد ز دنیا — یکے گفت تاریخ "شمشیر گم شد"

ٹیپو سلطان بملکت چو رسید — داخل مجلس پیمبر شد

روح قدسی بعرش گفت کہ آہ — نسل حیدر شہید اکبر شد

[illegible]

إِنْ أُخِذَتْ مِصْرٌ كَمَا قَدْ ذَكَرُوْا — وَسِرَّ نَجْ فَلَئِنْ أُخِذَتْ وَكَرْبُهَا

مُصِيبَةٌ مَا مِثْلُهَا أَدْرَكْتُهَا — ذَهَبَ عِزُّ الرُّوْمِ وَالْهِنْدِ كُلُّهَا

سال و تاریخ او شہید بگفت — حامی دین شہ زمانہ برفت

مِنْ كَلَامِ السَّيِّدِ الشَّيْخِ الْجَعْفَرِيْ قَدْ صَنَّفَهُ الْحَقِيْرُ مِيْر حسين على حَرَّرَهُ سيد عبد القادر بِالْخَطِّ الْجَلِيِّ لِسَنَةِ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ۔

مغربی جانب　آں سید شہداے عرب سبط نبی　　لخت جگر فاطمہ و جان علی
ازفاطمہ و حیدر دکنی ٹیپو　　سلطان شہید آں شدہ از شوق ولی

شمالی جانب　كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے　　بدیں جانباز سلطانے کہ آمد شد چو مہمانے

مشرقی جانب　ازفاطمہ زوجہ علی شیر خدا　　شد سبط نبی سید شہدا پیدا
ابن فاطمہ زاد از علی حیدر　　ٹیپو سلطان کہ گشت شاہ شہدا

سمت جنوب　در ملک حجاز از علی حیدر　　مفتوح شدہ ہفت قلاع خیبر
زیں حیدر دکنی دول کرناٹک　　گشتند مطیع یک خدیو کشور

ٹیپو سلطان کی مسجد

قلعہ کے اندر ٹیپو سلطان کی بنائی ہوئی مسجد کے اندر یہہ کتبات ہیں۔

کہ حضرت سلیمان اندر زمان ماضی　　تعمیر مسجدی کرد نامش نہاد اقصلی
در ایں آوان فرخ سلطان دیں بنا کرد　　آں مسجدے کہ مسجد آمش گذاشت اعلی
طاق است چوں مہ نو طاقش بحسن و خوبی　　رو جش چو روح باشد لحبیب و فیض پیرا
دارد نشان زمرہ واں صفحۂ صفاخیز　　محراب دلکش او آئینہ وار لطحا
مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ　　طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا
۱۲۱۵

ٹیپو سلطان کی طبیعت عجب جدت پسند تھی اُس نے حسابی ہندسوں کے لکھنے کا طرز بدل دیا تھا ہم سب بائیں طرف سے شروع کرتے ہیں اور دائیں پر ختم لیکن ٹیپو سلطان نے ایک جدید اختراع کی اور اس پرانے طرز ہندسہ نگاری کو بدل دیا سنہ ۱۲۱۵ سنہ در اصل سنہ ۱۲۱۰ ھ ہے۔ قدیم کتابت میں پانچ کا ہندسہ یوں لکھا جاتا تھا (۵) اور صفر اس طرح (٥)۔

مسجد کے پیش دالان میں داہنی اور بائیں جانب یہہ دو طول طویل کتبے اور ہیں۔

داہنی طرف۔ قَوْلُهُ تَعَالَى وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ

ط کتبہ کی جہاں سطر ختم ہوئی ہے چلیپہ کر دیا گیا ہے ۱۲

وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا + بعد از فرار کفار حکم شد که بحرب بنی قریظه
روند که عهد شکسته مددگاری احزاب نموده بودند لشکر اسلام ایشان را پانزده شبانه روز محاصره کردند۔ و کار بر ایشان
تنگ شد و بر حکم سعد ابن معاذ فرود آمدند + و سعد حکم کرد که مردان ایشان را بکشند و کودکان ایشان را برده گیرند
و اموال ایشان را مسلمانان قسمت کنند حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم فرمود که ای سعد معاذ حکم کردی که خدا تعالی
بر بالای هفت + آسمان حکم کرده و حق سبحانه ازیں واقعه خبر میدهد و فرود آورد خدای آنان را که یاری داده اند
احزاب را و هم پشت ایشان گشتند از اهل توریت یعنی یهود قریظه را فرود آورد از قلعهای ایشان و افگند
در دلهای ایشان + ترس از پیغمبر و لشکر او گروهے را که کشتند ے نه صد تن بکشتند یا هفتصد تن و برده
میگیرید گروهی را یعنی فرزندان و زنان ایشان را و میراث داد شما را زمین ایشان یعنی مزارع و حدائق و سراهای
ایشان یعنی + حصون و قلاع و مال های ایشان از نقود و امتعه و مواشی و بشما داد زمین را که نرفته آن یا مالک
آن نبودید و مراد خیبر است یا دیار روم یا ممالک فارس و گفته آید هر زمین که بحوزۂ اسلام در آید تا قیامت دریں
داخل است و هست خدای بر همه خیر قادر و توانا +

بائیں طرف۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِيْ
هٰذَا الشَّاْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِّمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِّكَافِرِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ روایت ست
از ابی هریره که تحقیق نبی صلی الله علیه وسلم فرمود جمیع مردم تابع قریش را در ایں شان + مسلمانان تابع اند مسلمانان
قریش را و کافران تابع اند کافران ایشان را متفق علیه وَنَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ كَمَا نَصَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الطَّائِفِ وَحَرَّقُوْا اَنَّهُ عَلَيْهِ الصلوة والسلام احرق البويرة قال
وارسلو + علیهم الماء و قطعوا اشجارهم وَاَفْسَدُوْا زُرُوْعَهُمْ لِاَنَّ فِيْ ذٰلِكَ كَسْرَ شَوْكَتِهِمْ
وَتَفَرُّقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا۔ و بابر دارید بر مشرکان و نیز تفنگ و درخشن چنانکه بر پا داشته بود برسول الله
صلی الله علیه وسلم بر طائفه و بسوزید آنها زیرا که علیه الصلوٰة والسلام بسوخت بویره را و ارسال نمایند بر آن کافران
آب را و ببرید درخت های ایشان را و تباه سازید کشت و کار ایشان را زیرا که تحقیق + در آں شکست شوکت
آنها است و پراگندگی جمعیت ایشان پس در شرع ایں همه امور روا است من احب اخاه فلیعلم اياه یعنی شخصیکه
دوست دارد برادر مومن خود را پس آگاه نماید او را + کسیکه اعانت جنگ کفار بکند در حرب بنفسه یعنی خود شریک
شود با مال یا با سلحه جنگ پس اگر معلوم شود از و میل و رغبت۔ بطرف دین کفار پس او ولد کفار است اگر معلوم نشود

رغبت پس قید کردہ می شود تعبیری شود۔

دریاے دولت باغ کاوری کی بائیں شاخ پر بجانب جنوب لال باغ اور قلعہ کے درمیان دولت باغ کی بے نظیر عمارت ہی جس میں مہینوں انگریزوں کا سب سے بڑا اور نامور فوجی جنرل ڈیوک آف ولنگٹن رہا ہی۔ یہ مقام ٹیپو سلطان کا موسم گرما کا تفریح گاہ تھا۔ یہ محل دو منزلہ ہی اس میں بڑے بڑے ہال کمرے اور کشادہ کمرے ہیں جن کی اندرونی دیواریں تمام نقش و نگار سے آراستہ ہیں اور باہر کی دیواروں پر افواج کی اُس لڑائی کی تصویریں ہو بہو ہیں جس میں ٹیپو نے انگریزوں پر فتح پائی تھی۔ سب سے زیادہ قابل دید وہ مرقع ہی جس میں بمقام پر مبالکم بیلی کو شکست ہوئی جس میں جنرل کو بحالت مجبوری پالکی میں بٹھلا دیا ہی اور خود ٹیپو سلطان اسپ صبا رفتار پر سوار پھول سونگھتا ہوا اپنی فوج کو بڑھا رہا ہی۔ درباری امرا رجا بجا اپنے طریقے سے بیٹھے ہیں کوئی کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہی کوئی نماز پڑھ رہا ہی۔ کہیں محفل رقص و سرود ہی تو کہیں حقّے اُڑ رہے ہیں۔ غرض جنگ کے علاوہ پورے دربار کی بھی نقل ہی۔ محاصرۂ سرنگاپٹن کے پہلے ہی ٹیپو سلطان نے ان تصاویر کو مٹوا دیا تھا۔ لیکن ڈیوک آف ولنگٹن نے اپنے زمانہ قیام میں اِن کو اُجلوا دیا لیکن پھر امتداد زمانہ سے مدھم پڑ گئیں۔ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل جب ۱۸۵۴ء میں میسور تشریف لائے تو اُن کے خاص حکم سے آخری مرتبہ ایک مقامی مصور سے ان سب تصویروں کو از سر نو رنگایا گیا۔

سیمٹری یعنی قبرستان دریا دولت باغ سے ملا ہوا جنوبی سمت میں ایک بلند ٹیلے پر ایک یادگار اُن تمام مقتولین کی بنائی گئی ہی جو اس جنگ میں مارے گئے تھے اور وہ سب اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

قلعہ سرنگاپٹن میسور سے آٹھ میل ریل اور پیدل دونوں راستوں سے ہی۔ سرنگاپٹن کاویری ندی کا جزیرہ ہی جو ٹیپو سلطان کے زمانے میں میسور کا دار الخلافہ تھا۔ اِس قلعہ کا محاصرہ دو مرتبہ ۱۷۹۲ء و ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے کیا۔ قلعہ کی فصیل اور برج اور دروازے اب تک بحالہ قایم ہیں گو صدہا برس اس کی تعمیر کو گزر چکے لیکن دست برد زمانہ سے محفوظ ہی۔ بڑے بڑے اُنیسویں صدی کے مستند ملیٹری لوگوں کی یہ رائے ہی کہ یہ قلعہ تمامی ہندوستان میں ہر لحاظ سے تمام ملک ہند کے قلعہ جات میں دوسرے درجے پر ہی۔ اس کی نہایت مستحکم فصیل اور عمیق خندق سب پہاڑ میں کاٹی گئی ہیں۔ علاوہ اِس کے شمالی اور مغربی جانب دریاے کاوری سے گھرا ہوا ہی۔ اور اس پر حملہ کرنا کچھ آسان بات نہ تھی۔ ریل کی سڑک دریاے کاوری پر سے جزیرۂ سرنگاپٹن سے گزرتی ہی اور قلعہ کے آخری مغربی حصہ کو قطع کرتی ہی۔ ریل کا اسٹیشن قلعہ کی حدود ہی میں واقع ہی۔ ریل کی سڑک پر سے فصیل اور دروازے جا بجا اچھی طرح دکھلائی دیتے ہیں۔ شمال و مغربی کونے میں دریا کی دو شاخیں

ہوگئی ہیں اور ندی بالکل فصیل سے لگ کر بہتی ہے یہاں کی آب وہوا اب بہت خراب ہے جہاں ہزارہا آدمی رہتے
تھے اب وہاں چٹیل میدان ہے اور جا بجا زراعت ہوتی ہے چند چھوٹے موٹے کچے مکان اب باقی رہ گئے ہیں۔
شہر جا کر اب گاؤں کی حیثیت بھی نہ رہی۔ سرنگا پٹن اُجڑ کر میسور نے بے انتہا ترقی کی۔ قلعہ میں محلات شاہی
کا اب پتہ نہیں صفحۂ دنیا سے اُن کے نشانات بھی مٹا دئیے گئے لیکن لوگ بتاتے ہیں کہ یہاں فلاں محل اور وہاں فلاں
مکان تھا اب قلعہ میں دیکھنے کی چیزیں جو بچ رہی ہیں صرف یہ ہیں۔ قلعہ کی شمالی فصیل سے ملے ہوئے ڈنجین (وہ
تہ خانے جہاں قیدی رکھے جاتے تھے) ہیں جس میں یورپین قیدی محبوس تھے۔ یہ مکانات زمین کھود کر بنائے گئے
ہیں لیکن چشم انصاف میں تبلا سکتی ہے کہ یہ ہرگز ڈنجین نہ تھے اور کسی طرح ان پر تعریف ڈنجین کی صادق نہیں آتی
بلکہ سپاہیوں کی نشست گاہیں تھیں چنانچہ جمعیت کی درلیس اور ہتیار رکھنے کے مچان اب تک موجود ہیں۔ تاریخی
ان میں نام کو نہیں۔ ہوا کا گزر برابر ہے پھر خدا جانے ان کو ڈنجین کیوں کہا جاتا ہے۔

سری رنگ ناتھ سوامی کا دیول جزیرۂ سرنگا پٹنم ایک بہت قدیم مقام ہے جس کی پُرانی ہسٹری تاریکی میں
ہے سب سے پہلا حال جو معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ گنگا خاندان کے راجگان اس مقام پر قابض تھے۔
بارہویں صدی میں ہوئیسالہ راجہ دوار سمدرا (ہالی بیڑ) نے دریائے کاوری کے دونوں کناروں پر کچھ زمین
مشہور سری وشنو کے چیلے رامنو جا چاریا کو دی تھی اور ان ہی لوگوں کا بنایا ہوا سری رنگناتھ سوامی کا بڑا
بھاری اور بہت قدیم دیول یہاں موجود ہے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں یہاں کا راجہ راجگان
بیجانگر کا تابع ہوگیا اور سترھویں صدی کے شروع میں راجگان میسور یہاں کے حکمراں ہوئے اور یہی
دار السلطنت تھا۔

ڈی ہویلینڈ کی کمان اس نام کا انجنیر تھا جس نے میسور گورنمنٹ کے لئے بطور نمونے کے یہ محراب
اپنے بنگلہ کے کمپونڈ میں ۱۸۰۸ء میں اس غرض سے بنائی تھی کہ (۱۱۲) فیٹ عریض محراب بھی بن سکتی ہے۔ یہ نہایت
وسیع کمان صرف اینٹ اور چونے کی ہے اُس پر پلاستر بھی نہیں ہے کوئی دو فیٹ چوڑی ہے اور اسی قدر ادنچی ہے بالکل
اُدھر ہی اور اپنے فن کا کمال یہ دکھلایا ہے کہ اس کے وسط میں لوہے کر ڈاٹ پہ آہستہ سے بھی کو دو تو کمان اچھی
خاص طرح لچک جاتی ہے اور اُس کی حرکت صاف معلوم دیتی ہے۔

سکاٹ صاحب کا بنگلہ بجانب مغرب دریا کے کنارے سکاٹ صاحب کا بنگلہ ہی جو توپ خانے کا ایک افسر تھا۔ یہہ بنگلہ میسور کے راجہ نے بنوا دیا تھا۔ سنہ ۱۸۱۱ع میں ہیضہ کا اِس قدر اشتداد ہوا کہ بیچارے کے بیوی بچے سب مر گئے سکاٹ صاحب بنگلہ چھوڑ کر چلے گئے جب سے یہہ بنگلہ مع سامان و فرنیچر جوں کا توں اُسی حالت میں اب تک موجود ہی گو سامان بوسیدہ ہو گیا ہی لیکن پھر بھی یہہ افسوس ناک یادگار اپنی حالت پر قایم ہی۔

مال غنیمت محلات شاہی پر جب انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو نامعلوم خزانہ میں ایک چور راستہ تھا جس میں سے بہت سی نقدیات اور جواہرات پہلے ہی پار ہو گئے لیکن پھر بھی جو بچ رہا اور انگریزوں کے ہاتھ لگا وہ بھی ایک بیش بہا ذخیرہ تھا۔

ایک بیش بہا تخت۔ ایک نہایت مرصع ہودا۔ عجیب و غریب مرصع بندوقیں اور تلواریں۔ سونے چاندی کے بے شمار ظروف۔ ایرانی قالین اور شطرنجیاں۔ چینی کے ظروف۔ کثیر التعداد جواہرات۔ ایک نہایت قابل قدر کتب خانہ۔ لوٹ کھسوٹ کے بعد صرف نقدی جو ہاتھ لگی سولہ لاکھ پگوڑا تھے جس کے چار لاکھ اسی ہزار پونڈ۔ بہتر لاکھ روپیئے ہوے اور نو لاکھ کے جواہرات دستیاب ہوے۔ ۹۲۹ چھوٹی بڑی توپیں جس میں (۱۷۶) بارہ پونڈ بارود دیتی تھیں۔ کتب خانے میں اکثر بے نظیر قلمی کتابیں تھیں جن کی تفصیل یہہ ہی۔ قرآن شریف [۴۴]۔ تفاسیر [۴۱]۔ کتب اوراد و وظیفہ [۳۵]۔ احادیث [۴۶]۔ الہیات [۴۶]۔ تصوف [۱۱۵]۔ اخلاق و فرائض [۲۴]۔ فقہ [۹۵]۔ سائنس [۱۹]۔ فلسفہ [۵۴]۔ علم ہیئت و ہندسہ۔ طب۔ صرف و نحو [۴۵]۔ لغت [۲۹]۔ تاریخ [۱۱۸]۔ انشاء [۵۳]۔ دیوان [۱۹۰]۔ ہندی و دکنی نظم [۲۳]۔ ہندی و دکنی نثر [۴]۔ ترکی نثر [۲]۔ قصص [۱۸]۔ اِن میں کی بعض کتب شاہان بیجاپور اور گولکنڈہ کے کتب خانوں کی بھی تھیں لیکن اکثر۔ چتور۔ ساوا نور۔ اور کڑپے کی لوٹ کی تھیں۔ اِس میں سے صرف ایک قرآن شریف جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں وہ تو ونڈسر کیسل کو بھیجا گیا باقی سارا کتب خانہ کلکتہ کے کالج میں منتقل کر دیا گیا۔

ٹیپو سلطان کے ملک کی تقسیم بروے عہد نامہ مورخہ ۲ جون سنہ ۱۷۹۹ع اور بعد کے حالات جب قلعۂ سرنگاپٹن کو انگریزوں نے سر کر لیا تو لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل نے نہایت دانش مندی سے اِس سلطنت کی تقسیم کی اور ۲۲ جون سنہ ۱۷۹۹ع کو فیمابین ایسٹ انڈیا کمپنی و نواب نظام الدولہ آصف جاہ بہادر و پیشوا راؤ پنڈت پردہان بہادر ایک عہد نامہ ہوا۔ اتنی بڑی جنگ کے بعد یہہ تو ممکن نہ تھا کہ ٹیپو سلطان کی اولاد کو کچھ حصہ ملک کا دے کر پھر بھی حکمراں رکھا جائے کہ افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن کار خردمندان نیست

اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ اُن کو بالکل محروم کرکے سارے کا سارا ملک خود لے لیں اس لئے تقسیم کے وقت برٹش گورنمنٹ نے سرکار نظام اور مرہٹوں کے حقوق کا پورا لحاظ رکھ کر حسب ذیل ملک کی تقسیم کر لی (تفصیل کیلئے دیکھو حصہ آخر ضمیمہ) باقی حصہ ٹیپو کی مملکت کا جو اس تقسیم سے بچ رہا اور جس کی تخمینی آمدنی تیرہ لاکھ چوہتر ہزار ایک سو پگوڈا تھی اور جو میسور کے اُس حصہ ملک سے زیادہ تھا جو حیدر علی خاں بہادر نے سنہ ۱۷۶۱ء میں غصب کر لیا تھا وہ مہاراجہ میسور کے صغر سن بچے کشن راج وڈیر کو جس کا باپ چام راج سنہ ۱۷۹۶ء میں مر گیا تھا بطور معافی اس شرط پر دیا گیا کہ سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا کا برٹش گورنمنٹ کو دیا کریں اور عام نگرانی اسٹیٹ کی بذریعہ رزیڈنٹ کرائی جائے گی اور جزیرہ سرنگاپٹن براہ راست برٹش گورنمنٹ کے قبضہ میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ برٹش گورنمنٹ کے اس فیاضانہ عطیہ کو بیوگان چکا کرشن راج اور چام راج نے تحریر ذیل مندرجہ ۲۴ / جون سنہ ۱۷۹۹ء میں بہ طیب خاطر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

"آپ نے ہمارے بچے پر حکومت میسور نگر کی مع متعلقات بحال کر دی ہے اور پرنیا کو دیوان مقرر کیا ہے اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے۔ ہماری حکومت جا کر چالیس برس ہو گئے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا اور پرنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہم جب تک مہ و خورشید تاباں ہیں کبھی آپ کی گورنمنٹ سے خلاف نہ کریں گے۔ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے۔ آپ نے ہمارا نام قایم کیا یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تازہ یادگار رہے گی۔ ہماری اولاد اصلاً آپ کی گورنمنٹ سے اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کرے گی جس کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہے۔

شرح دستخط لچھمی امنی
دیواجی امنی

گورنر جنرل بہادر کے احکام کی تعمیل کے لئے جو کمشنر مقرر ہوئے تھے اُنھوں نے نہایت فیاضی اور سیر چشمی سے امرائے دربار اور ٹیپو سلطان کی پس ماندوں کی پنشنیں مقرر کیں جو اب تک جاری ہیں۔ چنانچہ پرنس بختیار شاہ سی۔ آئی۔ ای شرف آف کلکتہ کو جو ٹیپو سلطان کے پڑپوتے تھے معقول پنشن ملتی رہی اُن کی وفات کے بعد سلسلہ پنشن کا اس خاندان میں ختم ہو گیا اب اس خاندان میں پرنس بختیار شاہ کے بھائی پرنس غلام محمد ہیں جو کلکتہ میں رہتے ہیں ٹیپو سلطان کا خاندان جو کلکتہ میں تھا اُس کے علاوہ میسور میں بھی اس کی ایک شاخ ہے نواب میر قمر الدین علی خاں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں اُن کو علاوہ دو لاکھ دس ہزار روپیہ کی ذاتی جاگیر کے جو گرم کنڈ کے نام سے موسوم تھی اب بھی پولیٹکل پنشن

برٹش گورنمنٹ سے ملتی ہی۔ میر قمرالدین علی خاں کے مورث اعلیٰ میر معین الدین علی خان بہادر نقش بندی القادری تھے اُن کے فرزند نواب میر رضا علی خان تھے جن کی بہن فخر النساء بیگم حیدر علی خان کی زوجہ اور ٹیپو سلطان کی والدہ تھیں۔ اِن کے بعد کا سلسلہ حسب ذیل ہی۔
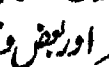
نواب میر رضا علی خان کے دو فرزند۔ بڑے صاحب زادے نواب میر قمرالدین علی خان جن کا ذکر عہدنامہ میں ہی اُن کی وفات کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی نواب میر محمود علی خان پولٹیکل پنشنر تھے جو اُن کے صاحب زادے نواب سید محمد ٹیپو سلطان علی خان اور پوتے میر کمال الدین علی خاں کے نام اب تک جاری ہی جو اس معزز خاندان کی باقیات الصالحات ہیں۔ صاحب موصوف نہایت روشن خیال اور محب قوم ہیں۔ آپ علاوہ گورمنٹ پنشنر کے مہاراجہ میسور کے مصاحب بھی ہیں۔ یہ اعزاز بھی اِن کے خاندان میں تین پشت سے ہے۔ نواب میر محمود علی خاں برٹش گورمنٹ اور میسور سرکار کے درمیان معزز خدمت وکالت پر مامور تھے بعد میں یہ خدمت مصاحبت سے بدل گئی۔ نواب میر کمال الدین خان نے اپنے دو بڑے لڑکوں کو علی گڈہ کالج میں تعلیم دلائی۔ میسور کے یہ پہلے مسلمان تھے جنھوں نے جرأت کرکے قدیم تعصب کی قید کو توڑا اور اپنے جگر گوشوں نہ صرف انگریزی کی تعلیم دلائی بلکہ ولایت بھی بھیجا۔ بڑے صاحب زادے میر اقبال علی خان بی اے تک تعلیم پاکر انجنیرنگ کے لیئے ولایت گئے ہوے ہیں اور چھوٹے فرزند میر باسط علی خاں ۱۹۱۳ء میں ولایت سے فخر خاندان و قوم ہوکر ڈبل بی۔اے کی ڈگری لے کر آئے۔ یعنی ڈبلن یونیورسٹی کے علاوہ کیمبرج کی مشہور اور مستند گریجوایٹ بھی ہیں جو ایسی آنر ہی کہ بہت کم ہندوستانیوں کو نصیب ہوتی ہی اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اِس حداثت سن میں تیرسے آپ بیرسٹر بھی ہیں اور اپنے واجب التعظیم خاندان کے نیر درخشاں ہیں۔

۱۲ مئی ۱۹۱۴ء میں اپنے عزیز دوست مسٹر آر سی۔ اینگار۔ بی۔ اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع رایچور کی ہمشیرہ کی شادی کی تقریب میں شرکت کی غرض سے گیا تھا جو ایک نامور اور لائق باپ راؤ بہادر ایم۔ سی۔ رنگا اینگار۔ اڈوکیٹ کے فرزند رشید ہیں اور وہیں میر باسط علی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی وہ فرط محبت سے مجھے اپنے دولت خانے پر کھینچ لے گئے۔ میں نے صاحب موصوف کو ہمہ صفت موصوف پایا۔ یہ صاحب تعلیم اور پابندی مذہب دونوں اعتبار سے لاجواب ہیں اور ایسے ہی جوانانِ صالح سے مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت کی درستی کی امید ہی۔
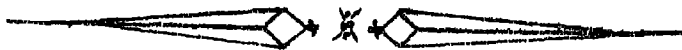
ٹیپو سلطان کی مراسلت کا ڈھنگ اور ایک فرمان کی نقل ٭ ٭ ٭ ٭

نواب حیدر علی خاں تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے ایک دن کسی فرمان پر اپنا نشان بنا رہے تھے وزیر سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔ اور محو حیرت تھا ؎

به ناداں آنچناں روزی رساند   که دانا اندراں حیراں بماند

حیدر علی خاں بہادر تاڑ گئے کہا کہ دستخط کو کیا دیکھتا ہی پیشانی کو بتلایا کہ یہاں دیکھ۔ یعنی میرے طالع کو دیکھ ٹیپو سلطان البتہ ذی علم تھا جیسا کہ اُس کے کتب خانے سے ظاہر ہی۔ جس وقت ہم سرنگاپٹن گئے وہاں کے ناظم مولوی محمد عبد الخالق صاحب سے ملاقات ہوئی اُنھوں نے ہم کو ایک اصلی بیاض دکھلائی۔ جو ٹیپو سلطان کے فرامین کا مسودہ تھا جس پر بادشاہ کے دستخط تھے۔ ٹیپو سلطان نے ایک جدّت یہ کی تھی کہ سنہ ہجری نہیں لکھتا تھا بلکہ سنہ ولادت نبوی اور ہر سال کا ایک ایک نام خاص رکھ دیا تھا۔ میں نے ایک فرمان دیکھا ہی جس میں تاریخ حسب ذیل درج ہی ۲ ربہاری سال شاداب سنہ ۱۲۲۶ مولود دستخط اکثر بنی مالک اس طرح کرتا تھا [signature] اور بعض وقت ٹیپو سلطان بھی اس طرح لکھتا تھا۔ [signature] ۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ٹیپو کو فتح علی خاں کا خطاب بھی دیا تھا مگر وہ کبھی استعمال نہ کرتا تھا۔ اپنے آپ کو سرکار خداداد لکھا کرتا تھا۔ طبیعت جدّت پسند بہت واقع ہوئی تھی نہ سیاہی سے لکھتا تھا نہ سرخی سے بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا۔ طرز تحریر بہت سخت تھا۔ لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل نے ۸ ر نومبر سنہ ۱۷۹۸ء میں ایک نہایت نرم تحریر بہ شکایت اِس امر کے لکھی کہ آپ باوجود بارہا اطمینان دلانے کے بھی فرانسیسیوں سے تعلقات بڑھاتے جاتے ہیں اور میجر ڈوٹین کے ساتھ یہ شقہ اس غرض سے بھیجا کہ گورنر جنرل بہادر کے منشاء کو زبانی بھی بیان کریں گے لیکن ٹیپو نے اس تحریر کا کچھ جواب نہ دیا۔ اِس طرح گورنر جنرل بہادر کی بہت سی تحریرات کو پس پشت ڈال دیتا تھا بلکہ بعض پر "جواب ندارد" لکھ کر پھینک دیتا تھا۔ ۱۳ ر فروری کو ٹیپو سلطان نے گورنر جنرل بہادر کی خدمت میں لکھا ہی "چونکہ ما بدولت اکثر سیر و شکار کو جاتے رہتے ہیں۔ اب بہتر ہی کہ میجر ڈوٹین کو جن کی نسبت آپ نے قبل ازیں مجھکو لکھا تھا اکیلا بھیج دیں" اصل فارسی کے لفظ یہ تھے "جریدہ روانہ یاد کردہ اند"

جس بیاض کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اُس میں ایک فرمان ہماری نظر سے گزرا جس کی نقل ہو بہو ہم ذیل میں کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ مسلمانوں پر ترویج غلامی کا الزام دیتے ہیں وہ کس حد تک بجا ہی۔

درشہر گنجام برادران وخویشان مردم نوکرپیشہ وغیرہ کہ بیروزگارہ ہستند آنہارا گرفتہ درپیادہ ہاے علاقۂ ایشاں نوشتہ نوملازم کنانند وغلاماں را در سرکار خداداد یک قلم آزاد فرمودہ شدہ است ایشاں نیز تقید وخبرگیری این معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند غلاماں برضاورغبت خود پیش ہرکس کہ بطور نوکراں نوکری نمایند مختار اند۔ نوزدہم ماہ دے سال حراست سنہ یک ہزار و دوصد وہشت وچہار مولود محمد

ٹیپو سلطان کی اولاد

۲۲ر اپریل ۱۷۹۹ء کے اُس خط میں جو لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل ہند نے ٹیپو سلطان کو لکھا تھا آپ کے چار صاحبزادوں کے نام یہ درج ہیں۔ سلطان پادشاہ۔ فتح حیدر۔ معزالدین۔ عبدالخالق۔

نوٹ۔ برٹش گورنمنٹ نے [illegible] کانتھی یاری ہیگوڈا کے محاصل کا علاقہ لیا چہ کانتھی یاری ہیگوڈا پانچ معمولی ہیگوڈا کے برابر ہوتے ہیں) جس میں مغربی ساحل کے تمام تعلقات شامل تھے لیکن اس میں سے خاندان حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کے ممبروں کے لئے ایک علاقہ محاصلی دو لاکھ سٹار ہیگوڈا کا محفوظ کیا جو مساوی ہے دو لاکھ چالیس ہزار کانتھی یاری ہیگوڈا کے [illegible] کانتھی یاری ہیگوڈا کا علاقہ خود لیا اور [illegible] کا علاقہ سرکار عالی نظام کو دیا جس میں سے میر قمرالدین خاں کی ذاتی جاگیر کی بابت دو لاکھ دس ہزار روپیہ یا ستر ہزار کانتھی یاری ہیگوڈا وضع جاکر تتمہ [illegible] کا علاقہ سرکار نظام کو ملا۔ اور پیشوا کو چھبیس لاکھ چار ہزار کے محاصل کا علاقہ دیا۔ اس طرح برٹش گورنمنٹ نے ٹیپو سلطان کے خاندان کی کفالت کی اور سرکار نظام نے میر قمرالدین علی خان کی اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرط نوازش سے علاوہ پیش قرار جاگیرات کے تنخواہ جاگیر بھی مقرر فرمائی۔

اُنتیسواں ضمیمہ

ہٹّی

ہٹّی کا معدن طلا رائچور سے (۵۰) میل اور لنگسگور سے (۹) میل ہی ریلوے لین جو حیدرآباد گدگ ریلوے کے نام سے موسوم ہی وہ حیدرآباد سے محبوب نگر۔ گدوال۔ رائچور۔ ہٹّی۔ لنگسگور کشٹگی۔ ہوتی ہوئی گدگ پر سدرن مرہٹہ ریلوے سے جا ملی ہی۔ یہ لین اب تک طیار ہو یوروپ کے سبب سے کام میں ڈھیل پڑ گئی ہی۔ سونا نکالنے کا کام ایک انگریزی کمپنی جس کا نام دکن مینِنگ کمپنی تھا ساڑھے بارہ برس سے کر رہی ہی سونا اور دیگر معدنیات کی تلاش مختلف مقامات پر کی گئی خصوصاً گنبد کی معدن طلا کا کام مواضع وندلی۔ تو پل ڈڈّی۔ بُدنّی۔ اڈُّو وغیرہ مقدمات پر امتحاناً آغاز کیا گیا لیکن سوائے وندلی کے اور کسی مقام پر کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ وندلی سے ساٹھ ہزار پونڈ کا سونا برآمد کیا گیا۔ لیکن آخرکار یہ کمپنی دیوالیہ ہو گئی۔ سونا عموماً ہلکی نیلی رنگ کی چٹانوں میں جس میں دھاریاں پڑی ہوئی ہوں پایا جاتا ہی اور ایسے پہاڑ دھار دار شیسٹا (چٹان) میں پائے جاتے ہیں۔ معدن ہٹّی حیدرآباد دکن مینِنگ کمپنی کی ملکیت تھی بارہ برس ہوے کہ موجودہ ہٹّی نظام گولڈ مین کمپنی نے اس کو خرید لیا۔ ہٹّی اور اطراف کی گولیوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ زمانۂ قدیم میں بعض بعض مقامات پر (۶۱۰) فیٹ گہرا کھود کر سونا نکال لیا گیا ہی۔ معدن ہٹّی تمام دنیا کی طلائی معدنوں میں سب سے زیادہ عمیق ہی افسوس ہی کہ کوئی تاریخی واقعہ اس بات کا نہیں ملتا کہ کس زمانے میں یہاں برآمد طلاو کا کام ہوا تھا۔ قدیم مالکان اراضی کہتے ہیں کہ یہ کویاں اُس زمانے میں کھودی گئیں ہیں کہ جب امرلیشور کے دیول کے واسطے پتھر کی ضرورت تھی (یہ دیول متصل پرڈونہ مواضع رامپور و دیو رھوپور کے سرحدیں ہی) دیول کے قریب وجوار میں عمارت کے لائق پتھر نہ ہونے سے ہٹّی کی سرحدیں سرنگیں کھودنی پڑیں۔ بلحاظ عمارت دیول یہ قیاس کیا جا سکتا ہی کہ حالیہ کمپنی کی

معدن طلا - ھٹی ضلع رائچور

معدن طلا - ہٹی ضلع رائچور

U Ray & Sons, Calcutta

کندیدگی سے کم سے کم اٹھ یا نوسو برس پیشتر اس مقام سے سونا نکالا گیا ہی چنانچہ معدن کے اندر ایک پرانے زمانے کی لکڑی کی ناٹ اور کچھ پتھر کے کونڈے بھی نکلے یہ معدن اب دو ہزار چار سو فیٹ کی گھرائی تک کھودی جا چکی ہی اور شمال و جنوب میں (۸۷) اور (۳۴۰) فیٹ ادھر اُدھر کھدائی ہوئی ہی - آغاز کا سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوا ہی اُس وقت سے اب تک ایک لاکھ چالیس ہزار اونس سونا برآمد ہوا ہی جس کی تخمینی قیمت چھ لاکھ پونڈ ہوتی ہی اور کمپنی ۱/۲ ۷ اروپیہ فیصدی منافع بانٹتی ہی - ہٹی انگریزوں کی ایک چھوٹی سی چھاؤنی ہو گئی ہی جہاں ہزارہا مزدور شبانہ روز کام کرتے ہیں - اس مقام پر انواع و اقسام کے انجن اور کلیں ہیں جو چٹانوں میں برما کرتی ہیں اور ڈینامیٹ سے اُڑائی جاتی ہیں جس کے بعد ایک انجن کے ذریعہ سے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پیسے جاتے ہیں - سونا نکالنے کا موجودہ طریقہ یہ ہی کہ چٹانوں میں بذریعۂ اک ڈرل کے برما کیا جاتا ہی اور ان میں ڈینامیٹ بھر کر اُڑا دیا جاتا ہی جس سے پتھر بڑے بڑے ٹکڑوں میں پھوٹ جاتا ہی - بڑے بڑے ٹوکروں میں بذریعۂ اسٹیم انجن ان پتھروں کو اوپر لاتے ہیں - اوپر لا کر ایک بڑی چھلنی پر جو گرزلی کھلاتی ہی اور جس میں ایک ایک انچ کے فاصلہ سے لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں پتھر کے ٹکڑوں کو پھیلا دیتے ہیں اس جالی میں سے چھوٹے چھوٹے پتھر نیچے گر جاتے ہیں اور بڑے بڑے رہ جاتے ہیں چھوٹے پتھر پھر بذریعہ کرشنگ انجن کے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑا جاتا ہی جو کوارٹنز کہلاتے ہیں اور پھر ملز کو بھیج دیا جاتا ہی - ملز ایک سلسلہ بڑے بڑے اور بھاری عمودی موسلوں کا ہی جو اسی طرح اُٹھتے اور گرتے ہیں جیسے کہ دو عورتیں اوکھلی میں دھان کوٹتی ہیں - بجائے اوکھلی کے اس مقام پر آہنی صندوق ہیں جن کے سامنے ایک جالی کی ٹٹی لگی ہوئی ہی - ملز کے پچھلے حصے میں پتھر کے ٹکڑے بھرے رہتے ہیں اور وہ جیسے جیسے جگہ خالی ہوتی جاتی ہی خود بخود پھسل کر موسلوں کے نیچے آتے جاتے ہیں اور اُس وقت تک برابر کچلے جاتے ہیں کہ بالکل باریک ریت جیسے ہو جائیں - ٹٹیوں کے سامنے تانبے کے اُتھلے مستطیل حوض بنے ہوئے ہیں جن پر پارہ کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں - باریک ریت پر پانی مثل آبشار کے گرتا ہی اور اس ریت کو بہا کر تانبے اور پارے کی سلوں پر پھیلاتا ہی - چوں کہ سونا ریت سے وزنی ہوتا ہی وہ خود بخود نیچے بیٹھ جاتا ہی اور پارے میں جو کشش کا مادہ ہی اُس سے پارے کی سلوں پر چمٹ جاتا ہی اور اس کو املگم یعنی طلاء مخلوط کہتے ہیں کیونکہ اس میں علاوہ سونے کے ایک جز پارہ کا بھی ملا رہتا ہی - یہ املگم تختیوں پر سے کھرچ کر بھٹی میں ڈالا جاتا ہی - بھٹی ایک طرح کا بند آہنی صندوق ہوتا ہی جو دہکتی آگ میں بند کا بند ڈال دیا جاتا ہی اس صندوق میں ایک پمپ کے ذریعے سے ٹھنڈا پانی دوڑتا رہتا ہی نتیجہ یہ کہ بھاپ کی گرمی سے اُڑنے والا پارہ بوجہ برودت کے

پھر پارہ کی شکل میں منجمد ہو جاتا ہی اِس سونے کو اسپنج گولڈ کہتے ہیں یعنی اسفنج کی شکل کا سوراخ دار۔ جیسے شہد کی مکھی کا چھتہ یا چھانواں۔ اس کے بعد اس کو دوبارہ بھٹی میں ڈال کر بڑی بڑی موسوں میں گلاتے ہیں اور دو دو اونس کی سلاخیں بنا لیتے ہیں اگرچہ اس ترکیب سے سونا ریت سے جدا کر لیا جاتا ہی لیکن پھر بھی ریت میں کچھ ذرّے سونے کے باقی رہ جاتے ہیں جو پارہ کی تختیوں پر سے پھسل جاتے ہیں اِس میں سے سونا نکالنے کا یہ طریقہ ہی کہ اس باقی ماندہ ریت کو دوبارہ پانی میں ملا کر کلاسفیایر (ایک قسم کا تانبے کا بڑا حوض ہی) میں پمپ کرتے ہیں جو موٹی اور باریک ریت کو الگ الگ کر دیتا ہی۔ پھر ریت بڑے بڑے آہنی حوضوں میں جمع کی جاتی ہی۔ حوضوں میں ایک مرکب سولیوشن (عرق) سائی نائیڈ آف سوڈا[ا] (ایک قسم کا کھاری زہر) کا بھرا رہتا ہی۔ اِس سولیوشن کی یہ خاصیت ہی کہ تھوڑا بہت سونا جو ریت میں چپٹا رہ جاتا ہی اس کو بھی الگ کر دیتا ہی۔ کلاسیفایر سے پانی کے ساتھ ریت ایک بڑے حوض میں بہ کر جاتی ہی جس میں گاد نیچے بیٹھ جاتی ہی اور اندر ہی اندر ایک نل سے جو اس حوض کی تہ میں لگایا ہوا ہی وہ ایک دوسرے حوض میں جو (۳۰) فیٹ اونچا ہی پمپ کر دی جاتی ہی۔ اس دوسرے حوض میں یہ گاد یا باریک ریت سائی نائیڈ سولیوشن میں چند گھنٹے بھیگی رہتی ہی اور اس کو بذریعہ کمپرسڈ ہوائی انجن کے خوب کھنگال دیا جاتا ہی اس کے بعد اس گدلی ریت کو جو عرق مرکب سے ملی ہوئی ہوتی ہی ایک فلٹر میں پونہچایا جاتا ہی۔ اس فلٹر کی صورت یہ ہی کہ چند لکڑی کے چوکھٹے ہوتے ہیں جن پر ڈرل (ڈبل زین) منڈھی ہوئی ہوتی ہی جن کو ایک قسم کا چھپکا کھ سکتے ہیں۔ ان کو بذریعہ ویکیوم انجن کے ہوا سے خالی کر دیا جاتا ہی جس کی وجہ سے سولیوشن ایک دم کھنچ جاتا ہی اور صرف باریک ریت کی گاد اس کپڑے پر چمٹی ہوئی رہ جاتی ہی۔ اس ریت میں سے سونا نکالنے کی یہ ترکیب ہی کہ اِس کو زنک شیونگ (جست کی اس قسم کی کترنیں جیسے کہ لکڑی پر رندہ مارنے سے نکلتی ہی) میں ڈال دیتے ہیں۔ زنک اور سائی نائیڈ سولیوشن کی آمیزش سے زنک سونے کو سولیوشن سے بالکل پاک کر دیتا ہی اور سونا ایک نہایت باریک سفوف کی حالت میں رہ جاتا ہی جس کی بارز (بٹیاں) گلا کر بنا دی جاتی ہیں۔ اگرچہ اب بھی سیکڑوں ہنڈیوں پر کوئلہ اور دوسرا سامان کمپنی کا رائچور سے ہٹی آتا ہی اور ٹریکشن انجن رائچور آتا جاتا ہی جس میں ریل کی طرح کی گاڑیاں لگی رہتی ہیں لیکن اگر ریلوے جلد جاری ہو جائے تو یقیناً اس معدن کو بہت ترقی ہوگی یہ تمام دقتیں دور ہو جائیں گی اور جو کام ریل نہ ہونے سے رکے پڑے ہیں وہ سب جاری ہو جائیں گے

[ا] سائی نائیڈ کا دوسرا نام پروسک ایسڈ ہی جس کے ساتھ سوڈا ملانے سے ایک سم قاتل ہو جاتا ہی ایسا کہ اگر اس کو گائے بھینس سونگھ بھی لیں تو مر جائیں۔ ۱۲

اور بہت سی اور نئی گویان کھودی جائیں گی میں اسی معدن کا تین سال تک مجسٹریٹ رہا ہوں اور بارہا اندر اُتر کر بھی دیکھا ہی - اندر پنجرے میں بیٹھ کر جاتے ہیں جہاں بہت سخت گرمی ہی - ہوا بذریعہ پمپ کے پونہچائی جاتی ہی اور روشنی کے لیئے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک موم بتی رہتی ہی وہاں نہ دن معلوم ہوتا ہی نہ رات - مسلسل کام جاری رہتا ہی شبانہ روز میں (۳) مرتبہ مزدور بدلتے ہیں - انواع و اقسام کی حیرت خیز کلیں اور انجن ہیں خدا کی قدرت نظر آتی ہی - پتھر سے سونا نکالنے کے آخری عمل تک میں نے بغور دیکھا ہی - معدن کے مینجر مسٹر جے - ڈگلس ایک نہایت شریف اور نیک دل ذی خاندان عالی مرتبت عہدہ دار ہیں جن کی مہربانی اور اخلاق کا میں نہ صرف ممنوں ہوں بلکہ گرویدہ ہوں - اسی طرح دوسرے صاحبان انگریز مسرز ٹارس - لبشپ - وٹیس - ڈابنز - ڈاکٹر سپیچلی پن - مجھ پر تو سب ہی مہربان ہیں جس جس صیغہ میں گیا سب نے مجھے بخوشی تمام و کمال طریقہ بر آمدی طلا کا بتلایا اور یہ ضمیمہ انھیں صاحبوں کی مہربانی کا نتیجہ ہی - جس پتھر میں سے سونا نکلتا ہی وہ خاص قسم کا چمک دار پتھر ہوتا ہی جو بھورا تھوڑی نیلاہٹ مارتا ہوا ہوتا ہی جس میں لمبی لمبی دھاریاں پڑی رہتی ہیں اور خالی دیکھنے سے بھی سونے کے ذرّے چمکتے ہوئے معلوم دیتے ہیں کلام مجید میں جو زمین میں خزاین ارض بتلائے ہیں وہ یہی قیمتی دہاتیں ہیں ورنہ کہیں روپیہ پیسہ تھوڑی گڑا ہوا ہی -

تیسواں ضمیمہ

ہندوستان کے عام تاریخی حالات

ہندوستان کی سلطنت کے متعلق جو سب سے قدیم حالات اب تک معلوم ہوسکے ہیں اُن کی روسے عیسیٰ مسیح کے پیشتر چوتھی صدی میں "ماریا" خاندان شمالی ہند پر قابض تھا اور جنوبی حصۂ ہند کی تقسیم بلحاظ مقبوضات کے حسب ذیل پائی جاتی ہے:-

انتہائی جنوبی حصہ	مڈیورے کے پانڈین
شمالی اور مشرقی حصہ	چولا خاندان
شمالی و مغربی حصہ	چیرا خاندان (کرالا)

"ماریا" خاندان کا وجود ۳۲۵ - ۱۸۰ سال قبل مسیح میں اور پانڈین کا مگیستھنیز کے زمانے میں (۳۰۲ سنہ قبل مسیح) متحقق ہے لیکن چولا اور کرالا (چیرا خاندانوں کا ذکر اسوکا کے ۲۵۰ سنہ قبل مسیح کے کتبوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان اِن دونوں سے بھی پیشتر کے ہیں۔ لیکن روایت یہ کہ سوائے پانڈیا۔ چولا اور چیرا کے جو جنوبی ہند میں تھے اور کوئی خاندان اِن سے پیشتر کا معلوم نہ ہوا اور یہ تینوں ہم عصر بھی تھے۔ چونکہ ہم کو پانڈیا کے خاندان کا زمانہ ۳۰۲ سنہ ق۔م یقینی طور پر معلوم ہے تو ہم چولا اور چیرا خاندانوں کو بھی اسی قدر پیچھے ہٹا سکتے ہیں۔ کریلا خاندان کی حکومت میں تمام ملک مغربی گھاٹوں کا تھا۔ مشرقی گھاٹوں کا حصہ بھی ساری لمبی پٹی آباد تھی لیکن اُس زمانے میں کسی اور حکومت کے وجود کا پتہ نہیں چلتا اور قیاس اس امر کا مقتضی ہے کہ اِس کا کل حصہ بالکل جنگل جھاڑی اور غیر آباد تھا اگر آباد بھی رہا ہوگا تو چند جنگلی قومیں اپنے اپنے سرداروں کے تحت میں ہوں گی جیسا پرانوں میں مذکور ہے۔ راماین میں دریائے تنگ بھدرا کے جنوب میں اُس زمانے میں جو قومیں رہتی تھیں اُن کے نام یہ لکھے ہیں میکھلا۔ اُتکلا۔ سارنا۔ دوربھا۔ مہیاکا۔ ماٹسایا۔ کلنگہ۔ کاسیکا۔ اندھرا۔ چولا۔ پانڈیا۔ کرالا۔ مخفی مباد کہ پچھلے زمانہ میں بہت بڑا حصہ ملک کا

غیر آباد۔ جنگل پہاڑ تھا خصوصاً ملک دکن تو بالکل ویران تھا جو آبادی اب نظر آتی ہی یہ زمانۂ مابعد کی ہی۔ بودھ کی روایتوں میں بھی اُس زمانے میں کلنگ کی سلطنت کا وجود پایا جاتا ہی۔

اسوکا کے بعد کسی زمانے میں جزیرہ نما ہندوستان کے مشرقی ساحل پر مہاوالی کولا کے خاندان کی حکومت رہی ہی چنانچہ مہاوالی پورم نامی بستی جو "سات مندروں" کے لیئے مشہور ہی اب بھی موجود ہی۔ اس کے بعد پلّاوا خاندان کا عروج ہوا جنھوں نے بہت ترقی کی اور مقبوضات میں اس قدر وسعت دی اور تجارت کو پھیلایا کہ اپنے ہمسایہ خاندان چولا اور دوسرے خاندانوں کو ان سے خدشہ پیدا ہوگیا اس وقت ہم کو کوئی داخلہ نہیں مل سکتا کہ خاندان پلاوا نے کب اس قدر عروج پایا لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہی کہ جب چلوکیا خاندان کے لوگ شمالی ہند سے پانچویں صدی عیسوی میں دکن میں آئے تو پلاوا خاندان کا ستارہ جنوبی ہند میں چمک رہا تھا۔

شمالی حصہ کے ماریا خاندان کی جگہ ۱۸۴-۷۶ء ق۔م میں سنگا خاندان قایم ہوا اور اس کے بعد ۷۶-۲۱ء ق م میں کنوا خاندان کی بنا پڑی۔ کنوا خاندان کے آخری راجہ کے قتل کے بعد اندھرایا اندھرابرت خاندان قایم ہوا جنھوں نے ۲۱ء ق۔م سے ۲۳۶ء تک حکومت کی یہ لوگ بودھ مذہب کے تھے اور انھوں ہی نے امراؤتی میں سنگ مرمر کا شاندار منار بنایا ہی۔ پانچویں صدی میں قریب زمانے میں مغربی حصۂ دکن میں چلوکیا خاندان کا عروج ہوا۔ قدیم چلوکیا خاندان کے سلسلہ میں ہم اور قوموں کے بھی نام سنتے ہیں جو یہاں آباد تھیں۔ نالا (جو مغربی ساحل پر آباد تھے) ماریا (جو غالباً قدیم ماریا خاندان کی نسل میں تھے) ملک کوکن میں رہتے تھے۔ سندراکا۔ ماتنگا۔ (غالباً یہ وحشی قومیں ہوں گی جو پہلے ہندوستان کے اصلی باشندے تھے) کالا چوریا (میسور کے گنگا) الوپا یا الووا (یہ قوم حال کی بمبئی پریزیڈنسی کے جنوب اور جنوب و مغرب میں رہتی تھی) خاندان چلوکیان کے قدیم عطیات میں اور بہت سی اقوام کے نام درج ہیں مثلاً لاٹرا یا لاٹردیسا (جو بمبئی کے شمال میں رہتے تھے) مالوا۔ گرجرا (گجرات کے)

ساتویں صدی کے شروع میں چلوکیا خاندان کی دو شاخیں ہوگئیں۔ مشرقی شاخ نے ملک ونگی کے پلّاوا خاندان کے راجہ کو فتح کرلیا۔ جو دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی حصۂ ملک پر حکمراں تھے۔ اور چلوکیا خاندان یہیں رہ پڑا اور ۱۰۲۳ء تک حکومت کرتے رہے۔ اور مغربی شاخ بدستور مغربی حصۂ ملک دکن پر قابض رہی۔ چینی سیاح ہیون سانگ (Hiwen-Thsang) نے جو ۶۲۹ء سے ۶۴۵ء تک ہندوستان میں رہا

بہت تفصیلی حالات اُس زمانے کے بیان کئے ہیں۔ اب کدمبا خاندان نے زور پکڑا اور کانچی کے پلّاوا خاندان کے لوگوں سے خوب لڑے اور اُن کو شکست دی۔ یہ لوگ چلوکیوں کے ہمسایہ خاندانوں سے ہمیشہ لڑتے رہے جو جنوب و مغرب حصۂ دکن اور شمالی حصۂ میسور میں تھے۔ اسی زمانہ میں دوسری طرف راشٹرکوٹاس خاندان نے چلوکیوں کو دق کیا۔ ابھی تک یہ امر تحقیق نہیں ہوا ہے کہ راشٹراکوٹاس آرین نسل کے چھتری یا راجپوت تھے جو چلوکیوں کی طرح شمالی حصۂ ہندوستان سے دکن میں آگئے تھے یا دراوڑین خاندان کے تھے جن آرینوں نے بعد فتح ملک دکن اپنے میں ملایا تھا۔ مغربی چلوکیا خاندان اور راشٹراکوٹاس کے متواتر لڑائیوں کی وجہ سے دو صدیوں تک بالکل تباہ رہا اور برخلاف اِس کے راشٹراکوٹاس کا خاندان چمک گیا۔ لیکن بریں ہمہ اِن لوگوں نے کچھ فتوحات نہیں کیں۔ ۹۷۳ء میں مغربی چلوکیا نے پھر کروٹ لی اور راشٹراکوٹاس کا تختہ اُلٹ کر دوبارہ زندہ ہوگئے۔ دو کی لڑائی میں تیسرے کا فائدہ ایک نیا خاندان رٹّا مہامنڈ لیسور کا قایم ہوگیا جو ۱۲۵۳ء تک حکمراں رہے۔ اسی زمانے میں اور دو نئے خاندان سلہاروں اور سنڈوں کے قایم ہوئے جو کئی صدی تک باقی رہے۔ سلہاروں کو ۱۲۲۰ء میں دیوگیری کے یادو خاندان نے بٹھا دیا اور سنڈوں کا نام ۱۱۸۷ و ۸۳ء کے بعد پھر نہیں سنا گیا۔ گیارھویں صدی میں چولا خاندان کا ڈنکا بجنے لگا لیکن اس سے دو تین صدی پیشتر کا کچھ حال نہیں کھلتا کہ جنوبی ہند پر کون حکمراں تھا۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں مشرقی چلوکیا خاندان تمام مشرقی ساحل ہند پر اڑلیسہ کی حدود سے ملک پلّاوا کے انتہائی جنوبی حد تک قابض تھے۔ پلّاوا خاندان کی ایک زبردست حکومت تھی جن کا قبضہ چلوکیا کے خاندان کی آخری حد سے چولا خاندان کی شمالی علاقہ تک ٹھیک کانچی کے جنوب تک تھا۔ مگر چولا اور پانڈیا اپنے اپنے مقام پر بدستور رہے۔ راجگان خاندان کانگو جو قدیم ملک چیرا پر خود مختارانہ حکمراں تھے یعنی ملک ملایالم کے مشرقی جانب ساحل ہند کے برابر برابر ہی مگر ہوئیسلا بلّالا کے عروج سے یہ بھی متاثر ضرور ہوئے تھے لیکن آگے چل کر ان دونوں خاندانوں میں شادی بیاہ ہو جانے سے چولا خاندان کے راجہ راجندر کلوٹنگا نے مشرقی چلوکیا کا کل ملک (۱۰۶۴-۱۱۱۳ء) دبا لیا اور نیز پلّاوا خاندان کے مقبوضات کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ راجندر نے پانڈیوں کو بھی فتح کر لیا اور ایک نیا خاندان مشترکہ چولا پانڈیا راجگان مدیورا کا قایم کیا۔ تھوڑے دنوں بعد خاندان ہوئیسلا بلّالا نے کانگو خاندان کے راجاؤں کو مغلوب کر کے اُن کا علاقہ چھین لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جنوبی حصۂ ہند میں ایک تلاطم جنگ و جدال کا پڑ گیا تھا جس میں عارضی طور پر چولا خاندان کو خوب عروج ہوا مگر خاندان

ہوئیسالا بلّالا سے میسور کے گھاٹوں پر برابر لڑائی ہوتی رہی۔ ہوئیسالا بلّالا کے خاندان نے بھی خوب فتوحات کیں اور اوائل تیرھویں صدی میں کدمبا اور کالاچوریا دونوں خاندانوں کو جو مشرقی حصہ میں حکمراں تھے فتح کرلیا اور نیز مغربی چلوکیاں سے اور کدمبا سے ۱۱۸۴ء میں متواتر لڑائیاں ہوئیں وہ کٹ مرے میدان خالی ہوگیا اور ایک بلّالا خاندان ہی سربرآوردہ رہ گیا۔ آگے چل کر چولا کے خاندان سے شمالی مقبوضات نکل گئے اور ان پر گنپتی راجگان ورنگل قابض ہوگئے۔ اب ہم تیرھویں صدی میں آن پونچے ہیں اس زمانے میں چھوٹے موٹے خاندان مٹ مٹا کر صرف تین بڑے خاندان باقی رہ گئے تھے چولا اور پانڈیا جن کی حالت انحطاط پر تھی اور ہوئیسالا بلّالا جن کا نیر اقبال چمک رہا تھا۔ اگر یہی لیل و نہار رہتا تو ضرور بلّالا خاندان جو صفایا کرتا چلا آتا تھا بہت کچھ بڑھتا لیکن اسی زمانے میں مسلمانوں کا قدم ملک ہند میں آگیا جو آگے چل کر سارے ہندوستان پر حکمراں ہوئے۔

۱۱۹۳ء میں سلطان غیاث الدین غوری غزنوی نے دہلی فتح کرکے ایک نیا خاندان غلامان کا قایم کیا۔ جو ۱۲۸۸ء تک قایم رہا۔ اس کے بعد ۱۲۸۸-۱۳۲۱ء تک خلجی رہے اور علاءالدین خلجی نے ۱۳۰۶ء میں ہندوستان پر پہلا حملہ کیا۔ چار ہی برس بعد مسلمانوں کی فوج ملک کافور کی سرکردگی میں تمام جزیرہ نما ہند پر ایک سیلاب عظیم کی طرح پھیل گئی۔ مسلمانوں نے خاندان دیوگری اور ورنگل دونوں کو اپنا مطیع کرلیا ہوئیسالا بلّالا خاندان کے دارالسلطنت کو لوٹ لٹا کر قبضہ کرلیا۔ چولا اور پانڈوؤں دونوں خاندانوں کا جڑ پیڑ سے قلع قمع کردیا لیکن تمام حصۂ جنوبی ہند میں طوائف الملوکی اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ جتنے گورنر تھے اکثر اُن میں کے شاہی خاندان کے امرا تھے اور بعض مقامی سردار ہر شخص خود مختار ہونا چاہتا تھا اور آپس میں کٹے مرتے تھے یہی حالت جدال و قتال کی برسوں تک رہی۔ ہندو خاندان مٹ مٹا گئے تھے اور مسلمانوں کا عروج یوماً فیوماً بڑھتا چلا جاتا تھا کہ ہندو راجہ پھر سمٹ آئے اور گنپتی راجہ کی سرکردگی میں ان لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایک بہت بڑے لشکر کو شکست دی اور اسی اثنا میں ۱۳۴۷ء میں دکھنی مسلمانوں نے مسلمان بادشاہ سے بغاوت کی اور ملک دکن میں سلطنت بہمنی قایم کی۔ اس طرح چاروں طرف سے مسلمانوں کے نرغے میں ہندو گھر گئے اور ان کی قوت بالکل سلب ہوگئی۔ ہندوستان میں پہلا دور ۱۰۷۰-۱۲۳۰ء تک رہا جب کہ چولا خاندان تمام جنوبی ہند میں حکمراں تھا اور دوسرا دور اب ۱۳۱۰ء میں مسلمانوں کا تھا۔ ادھر مسلمان سلطنت بہمنیہ کے استحکام میں جان توڑ کر کوشش کر رہے تھے اُدھر دریائے کرشنا کے جنوب میں راجگان بیجانگر کی ایک نئی طاقت اُبھر رہی تھی۔ دکن میں ہندوؤں کے سارے خاندان تباہ ہوکر یہ نیا خاندان از سر نو نمودار ہوا اور اس نے

ایسی قوت پکڑی کہ اس سے پیشتر کسی ہندو خاندان کو آج تک یہ عروج نصیب نہ ہوا تھا۔ راجگان بیجانگر پوری دو صدی تک مسلمانوں کے مدِمقابل رہے۔ اس طرح جنوبی حصۂ ملک میں ۱۳۳۶ء سے لے کر ۱۵۶۴ء تک صرف دو ہی عظیم الشان قوتیں کرشنا کے شمال میں مسلمان اور کرشنا کے جنوب میں راجگان بیجانگر دکھلائی دیتی تھیں۔ پندرھویں صدی کے اختتام پر خاندان بہمنیہ کا خاتمہ ہو کر مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں ہوگئیں۔ ان کی آپس کی آئے دن کی لڑائیوں نے سلطنت بیجانگر کو بے انتہا تقویت دی۔ ۱۴۸۰ء میں نرسنھ وا راجہ بیجانگر نے پانڈوؤں کا سارا ملک فتح کر لیا۔ چولا خاندان پہلے ہی مٹ چکا تھا اب لے دے کر پندرھویں صدی کے آخر میں ایک سلطنت بیجانگر ہی جنوبی ہند میں ہندوؤں کی بڑی بھاری طاقت رہ گئی تھی۔ چند اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں مثل میسور۔ کرشنا کے جنوب میں کنڈہ وِیڑ کے ریڈی دجن کی حکومت ۱۳۲۰-۱۴۲۷ء تک رہی ٹراونکور کی ہمیشہ سے خود مختار ریاست کے اب بھی باقی تھیں مگر ان سب میں بھی بیجانگر ہی کا نمبر بڑھا ہوا تھا۔ سولھویں صدی کے اوائل میں کشن دیورای راجۂ بیجانگر نے اپنے مقبوضات کو اور بڑھایا اور چھوٹے موٹے کئی راجاؤں کو مطیع کر کے اپنے خاندان کو انتہائی عروج پر پونچا دیا تھا۔ پھر ادور ۱۵۶۴ء میں شروع ہوا اور ہندوؤں کا سارا ڈھونڈا تتر بتر ہوگیا۔ ساری مسلمان سلطنتیں یک دل ہوگئیں اور سب نے مل کر بیجاپور کی سلطنت کا قلع قمع کر دیا۔ رام راج جیسے بڑے بھاری پولیٹیشن کو جس نے سلطنت بیجانگر کو اس درجۂ کمال پر پونچایا تھا قتل کر کے بیجانگر جیسے عظیم الشان شہر کو لوٹ ڈالا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اسی تاریخ سے جنوبی ہند میں ہندوؤں کی سلطنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ خاندان بیجانگر بھی اس معرکۂ عظیم جنگ تالیکوٹہ کے بعد ایسا ٹکڑے ٹکڑے ہوا کہ ان کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اور یہ دوسرا وہلہ تھا کہ تمام جنوبی ہند میں ایک گڑبڑ مچ گئی۔ چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے سر اٹھایا جن کے وہ تابع تھے اُن سے بغاوت کی اور جدھر دیکھو ملک دکن میں چھوٹے چھوٹے پالیگار اور سردار حشرات الارض کی طرح پھوٹ پڑے۔ یہ سب ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور ان کی آئے دن کی لڑائی نے برابر ڈھائی صدی تک جنوبی ہند میں ایک طوفانِ بے تمیزی برپا رکھا۔ اس زمانہ میں صرف مدرے کے نایک واڑیوں نے جو راجگان بیجانگر کے وایسرائے تھے کچھ عروج پایا اور انھوں نے پانڈوؤں کی تمام سلطنت اور تانجور کے نایک واڑیوں کو جو چولا دیس پر حکمراں تھے مطیع کر لیا۔ راجگان میسور بھی خود مختار ہوگئے اور اُنھوں نے اپنی ایک چھوٹی سی جداگانہ سلطنت قایم کر لی۔ مسلمان آہستہ آہستہ پھیلتے گئے اور دریائے تنگ بھدرا کے جنوبی جانب کے ملک پر

اِن کا قبضہ ہوگیا اور مشرق میں ساحل سمندر تک اِن ہی کا راج پاٹ تھا اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے ملک تلنگانہ کے جنوبی حصہ پر بھی سترھویں صدی کے وسط میں قابض ہوگئے اور اٹھارویں صدی کے شروع میں تو سارے دکن پر ان کی حکومت تھی۔ ۱۶۷۴ء میں مرہٹوں نے تانجور میں حکومت قایم کی جو انگریزوں کے عروج تک قایم رہی۔ ۱۶۳۶ء میں مسلمانوں نے مدرسے پر قبضہ کرلیا۔ ۱۶۳۹ء سے انگریز مدراس میں مقیم تھے وہ بہ تدریج اپنے مقبوضات میں وسعت دیتے گئے اور روز بروز اِن کی طاقت بڑھتی گئی اور اسی صدی میں تمامی جنوبی ہند کو انھوں نے فتح کرلیا اور آخر کار ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو شکست دینے کے بعد تو سارے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

بادشاہان ملک دکن بادشاہان ملک دکن کے مختصر حالات بیان کرنے کے قبل ہم اُن سلاطین دہلی کا تھوڑا سا حال لکھنا چاہتے ہیں جن کا تسلط اِس ملک میں رہا ہے۔

بادشاہان دہلی کا سب سے پہلا حملہ دکن پر ۱۳۰۶ء میں ہوا جب کہ سلطان علاء الدین نے ملک کافور (اپنے ایک غلام کو جو آگے چل کر زمرۂ امرا میں داخل ہوگیا تھا) کو راجۂ دیوگیری کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا جس نے تین سال سے خراج ادا نہیں کیا تھا۔ راجہ میں مقاومت کی تاب نہ تھی مارچ ۱۳۰۷ء میں شکست کھا کر وہ خود دہلی چلا گیا۔ جہاں دربار شاہی میں اُس کی تعظیم و تکریم کی گئی۔

۱۳۰۹ء میں پھر ملک کافور نے گنپتی راجۂ ورنگل پر چڑھائی کی جس کا اصلی نام رُدّر دیو تھا مگر پرتاب رُدر دوم کے نام سے مشہور تھا۔ اِس مہم میں مسلمانوں کی فتح ہوئی شہر پر قبضہ ہوگیا اور راجہ نے صلح کرلی۔[۱]

دوسرے سال پھر دھر ماسدرم کے راجہ ہوئیسالا بلّالا پر ملک کافور نے چڑھائی کی۔ ملک کافور بہت سرعت سے ملک میں گھستا گیا۔ دیوگیری سے بڑھ کر ساحل ملیبار تک پہنچ گیا جہاں اس مہم کی یادگار میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملک کافور نے شہر دیواسدرم کو تباہ کردیا اور ملابڑی کے مشہور مندر کو لوٹ لاٹ کر دہلی کو واپس ہوا۔

۱۳۱۲ء میں شنکر دیو پسر رام راجۂ دیوگیری (خاندان یادو) نے پھر سر اُٹھایا اور ملک کافور کو

---

[۱] اس لڑائی کا تفصیلی حال امیر خسرو نے تاریخ علائی میں لکھا ہے (دیکھو تاریخ ہند مصنفہ سر ہنری ایلیٹ جلد سوم صفحہ ۸۰) اور تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین برنی میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ۱۲

پھر اُس کو زیر کرنے کو آنا پڑا۔ اس مرتبہ بھی مسلمانوں کی پوری فتح ہوئی اور راجہ جان سے مارا گیا۔ چار سال کے بعد سلطان علاءالدین نے وفات پائی اور اُس کے مرتے ہی ملک کافور قتل کیا گیا۔

۱۳۱۷ء میں مبارک خلجی دہلی کا بادشاہ ہوا اور تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلا کام دیوگیری پر جنگ کی یہ مسلمانوں کی تیسری لڑائی تھی۔ بادشاہ نے راجہ ہری پال دیو کو (جو راما کا داماد تھا) پکڑ کر اُس کی کھال کھنچوالی۔ اسی بادشاہ کے زمانے میں راجۂ ورنگل سے بھی لڑائی ہوئی جس کا تفصیلی حال خسرو خاں ملک خسرو نے اپنی کتاب نو سپہر میں لکھا ہے۔ یہ خود اس جنگ پر گیا تھا۔ اس لڑائی میں مسلمان کامیاب رہے اور بہت کچھ مال و متاع لے کر دہلی واپس گئے۔ مبارک خلجی کو مع دیگر ممبران خاندان شاہی کے ملک خسرو نے ۱۳۲۱ء میں قتل کیا اور غازی بیگ تغلق والیسرائے لاہور نے ملک خسرو کو قتل کر کے خود غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

۱۳۲۱ء میں سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے الغ خان کو پھر ورنگل پر بھیجا۔ ورنگل کا محاصرہ کر لیا گیا قریب تھا کہ قلعہ سر ہو جائے لیکن یکایک بادشاہ کی وفات کی خبر ایسی اُڑی کہ سب معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ بہت سے سردار چل دئے۔ لشکر سارا تتر بتر ہو گیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ محصورین نے نکل کر اس زور کا مقابلہ کیا کہ رہے سہے لوگوں کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے اور مجبوراً محاصرین کو واپس ہونا پڑا لیکن ۱۳۲۳ء میں پھر سلطان نے پرتاب رُدر پر چڑھائی کی اور اس دفعہ پوری کامیابی ہوئی ورنگل پر قبضہ کرنے کے علاوہ راجہ کو بھی قید کر کے دہلی لے گئے ۱۳۲۵ء میں غیاث الدین نے وفات پائی اور محمد تخت نشین ہوا

۱۳۲۷ء میں صوبہ دار دکن نے بغاوت کی اور بادشاہ نے اُس کے مقابلے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ صوبہ دار نے بھاگ کر کمپلی میں پناہ لی جو بیجانگر کے پاس ہے۔ اُس زمانہ میں راجہ بیجانگر بڑا زبردست حکمراں تھا بادشاہ کی فوج ناکام واپس ہوئی۔ اس کے بعد باغی صوبہ دار میسور علاقہ میں تالور کے راجہ کے پاس پناہ لینے کو گیا جو ہوئیسالہ بلّالا خاندان کا تھا لیکن راجہ بیچارے نے اس میں اپنی خیر نہ دیکھی اور فوراً بادشاہ کے حوالہ کر دیا جس نے اُس کی کھال کھنچوالی۔

۱۳۳۸ء یا ۱۳۳۹ء میں سلطان محمد نے قلعہ دیوگیری کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور نام بھی بدل کر دولت آباد رکھا۔

۱۳۴۱ء میں ملیبار میں بغاوت ہوئی سلطان محمد فوراً اُس کے فرو کرنے کو روانہ ہوا لیکن راستے

ہی میں ایسا بیمار پڑ گیا کہ واپس آنا پڑا۔ اسی زمانہ میں ورنگل میں بغاوت ہوئی لیکن پادشاہ مجبور تھا کچھ نہ کر سکا۔

تین سال بعد ۱۳۴۴ء میں ہندوؤں نے ملک دکن میں ایکا کر لیا۔ راجۂ ورنگل کے بیٹے رُودر دیو کا بیٹا۔ کشن نایک راے بیجانگر۔ بالادیو دیو سمدرم کا راجہ۔ تینوں نے مل کر ایک بڑی بھاری فوج جمع کی اور مسلمانوں کو ورنگل سے بے دخل کر کے پھر خود قابض و مختار ہو گئے۔ ادھر تو مسلمانوں کو یہ زک ہوئی اور اس کے تین سال کے بعد خود مسلمان گورنروں نے بغاوت کی۔ گورنر دولت آباد نے خود مختاری کا اعلان کیا اور شاہی فوج کو شکست دی اور یہی گورنر پہلا بہمنی بادشاہ ہوا۔

حسن جو گورنر تھا اب بادشاہ ہو گیا۔ یہ ایک غریب آدمی تھا جو گانگو نامی ایک برہمن کی مدد سے بادشاہ ہو گیا اور اسی اظہار امتنان میں جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنا نام حسن گانگوی بہمنی رکھا اس نے اپنا دارالسلطنت گلبرگہ کو قرار دیا اور نام بھی احسن آباد رکھا۔ بہمنیوں کی سلطنت قریب ڈھائی صدی کے رہی۔ جس کے پھوٹ کر پانچ ٹکڑے بیدر۔ بیجاپور گولکنڈہ۔ برار اور احمد نگر ہو گئے۔

پرنسپ صاحب نے خاندان بہمنیہ کی فہرست حسب ذیل دی ہے۔

۱	علاء الدین حسن گانگوی بہمنی	۱۳۴۷	۱۳۵۸
۲	محمد شاہ (۱)	۱۳۵۸	۱۳۷۵
۳	مجاہد شاہ	۱۳۷۵	۱۳۷۸
۴	داؤد شاہ	۱۳۷۸	+
۵	محمود شاہ (۱)	۱۳۷۸	۱۳۹۷
۶	غیاث الدین شاہ	۱۳۹۷	+
۷	شمس الدین شاہ	۱۳۹۷	+
۸	فیروز شاہ	۱۳۹۷	۱۴۲۲
۹	احمد شاہ ولی (خان خاناں)	۱۴۲۲	۱۴۳۵
۱۰	علاء الدین شاہ (۲)	۱۴۳۵	۱۴۵۷

۱۱	ہمایوں شاہ ظالم	۱۴۵۷	۱۴۶۱
۱۲	نظام شاہ	۱۴۶۱	۱۴۶۳
۱۳	محمد شاہ (۲)	۱۴۶۳	۱۴۸۲
۱۴	محمود شاہ (۲)	۱۴۸۲	۱۵۱۸
۱۵	احمد شاہ (۲)	۱۵۱۸	۱۵۲۰
۱۶	علاءالدین شاہ (۳)	۱۵۲۰	۱۵۲۲
۱۷	ولی اللہ شاہ	۱۵۲۲	۱۵۲۵
۱۸	کلیم اللہ شاہ	۱۵۲۵	۱۵۲۷
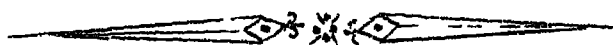
۱ علاء الدین کی سلطنت میں کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا۔ تاریخ وفات ۱۰ فروری ۱۳۵۸ء۔

۲ محمد شاہ نے گنپتیوں کے ملک کو ورنگل تک لوٹ ڈالا آخر کار صلح کر لی۔ دوبارہ پھر ورنگل پر چڑھائی کر کے

کرکے راجہ کے بیٹے ونایک عرف ناگدیو کو مار ڈالا اور گولکنڈہ و دیگر علاقہ جات کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد راجۂ بیجانگر سے ۱۳۶۵-۶۶ء میں جنگ کرکے قتل عام کیا اور آخرکار مسلمانوں کی فتح ہوئی اور راجہ بیجانگر نے مجبور ہوکر صلح کرلی۔ تاریخ وفات ۲۱ر مارچ ۱۳۷۵ء۔

(۳)۔ مجاہد شاہ نے بھی بیجانگر پر چڑھائی کی اور کئی دفعہ شہر کو مسمار کیا۔ ایک دفعہ تو دوسری فصیل تک پونہچ گیا لیکن پسپا ہونا پڑا اور واپسی میں اپنے چچا داؤد شاہ کے ہاتھ سے ۱۴ر اپریل ۱۳۷۸ء کو مارا گیا۔

(۴)۔ مجاہد شاہ کی بہن نے اپنے بھائی کی جان کا بدلا لیا اور سازش کرکے ۱۹ر مئی ۱۳۷۸ء کو داؤد شاہ کو قتل کروادیا اور علاء الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے محمود کو تخت پر بٹھادیا۔

(۵) محمود شاہ نے (۱۹) برس بلاکسی قسم کی جنگ وجدل کے امن وامان سے سلطنت کی اور ۲۰ر اپریل ۱۳۹۷ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔

(۶) محمود شاہ کے بیٹے غیاث الدین کو تغلچین غلام نے ۹ر جون ۱۳۹۷ء کو اندھا کرکے قید کرلیا

(۷) شمس الدین کو تخت پر بٹھادیا لیکن داؤد شاہ کے بیٹوں نے اُس پر چڑھائی کی اور ۱۵ر نومبر ۱۳۹۷ء کو اُسے معزول کردیا۔

(۸) داؤد شاہ کا دوسرا بیٹا فیروز شاہ تخت پر بیٹھا اور اُس نے (۲۵) برس سلطنت کی ۱۳۹۸ء میں دیو راے بیجانگر نے سلطنت بہمنیہ پر چڑھائی کی لیکن بعد جنگ راجہ کے بیٹے کو دھوکا دے کر مار ڈالنے کی وجہ سے یکایک رُک گئی راجہ کو پریشان ہوکر بھاگنا پڑا اور میدان ہر طرح فیروز شاہ کے ہاتھ رہا۔ ۱۴۰۱ء میں ایک اور لڑائی سنار کی لڑکی پرتھال کی بدولت ہوئی جس کے حسن وجمال پہ راجہ بیجانگر عاشق ہوگیا تھا اور اُس کو لے جانے کے لیئے اُس نے مدگل پر چڑھائی کردی تھی۔ فیروز شاہ نے بیجانگر پر چڑھائی کردی شہر کا محاصرہ کرلیا۔ راجہ نے کوئی صورت فلاح کی نہ دیکھی اور جو کچھ فیروز شاہ نے کہا ماننا پڑا یہاں تک کہ راے نے اپنی ایک لڑکی بھی فیروز شاہ کو بیاہ دی۔ ۱۴۱۷ء میں پھر فیروز شاہ نے بیجانگر پر چڑھائی کی لیکن شکست پائی فیروز شاہ نے ۱۵ ستمبر ۱۴۲۲ء میں انتقال کیا۔ بادشاہ کا لڑکا حسن موجود تھا لیکن اُس کو تخت نہ ملا۔

(۹) احمد شاہ (خانخاناں جو حسن کا چچا تھا) نے تخت پر بیٹھتے ہی بیجانگر پر چڑھائی کی اور بے انتہا لوٹ مار اور سختی کی۔ راجہ کو شکست ہوئی اور چڑھا ہوا اخراج بھی وصول کیا گیا۔ ورنگل پر بھی جنگ ہوئی جس میں راجہ مارا گیا اور ہمیشہ ہمیشہ کو اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ احمد شاہ نے گلبرگہ سے بیدر کو پایۂ تخت مقرر کیا اور وہاں

۱۹ر فروری ۱۴۳۵ء میں انتقال کیا۔

(۱۰) احمد شاہ کا بیٹا علاء الدین ثانی تخت پر بیٹھتے ہی اُس کے بھائی محمد شاہ نے راجہ بیجانگر کی مدد سے بغاوت کی لیکن شکست پاکر آکر مل گیا۔ اسی کے زمانے میں گلبرگہ سے قطعی طور پر دارالسلطنت بیدر میں منتقل ہوگئی۔ ۱۴۴۳ء میں پھر راجۂ بیجانگر نے لڑائی شروع کی اور کئی بڑی بھاری جنگوں کے بعد صلح ہوئی جو کئی برس تک قایم بھی رہی۔ اِس بادشاہ نے ۱۴۵۷ء میں انتقال کیا۔

(۱۱) اِس کا جانشین اِس کا بیٹا ہمایوں ہوا جو بڑا ظالم اور قاہر تھا جس نے صرف چار برس سلطنت کی۔ آخر کار لوگ اِس کے مظالم سے تنگ آگئے اور ۳ر ستمبر ۱۴۶۱ء کو قتل کیا گیا۔

(۱۲) ہمایوں کا بیٹا نظام شاہ آٹھ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن اُس کی ماں جو ایک بے نظیر اور قابل عورت تھی بڑی بیدار مغزی سے امور سلطنت محمود گاوان وزیر کی مشورت سے انجام دیتی تھی۔ ۱۴۶۱ء میں اڑیسہ اور تلنگانہ کے راجاؤں نے یورش کی مگر پسپا ہوے۔ مالوہ کے مسلمان بادشاہ نے بیدر پر چڑہائی کی اور ملکہ اور بادشاہ کے بھاگ جانے سے قبضہ بھی کرلیا۔ لیکن خود مالوہ پر گجرات کی طرف سے چڑہائی ہونے کی وجہ سے اِن کو واپس جانا پڑا۔ ۱۴۶۲ء میں بادشاہ بیدر واپس آگیا ۲۹ر جولائی ۱۴۶۳ء میں بادشاہ نے اچانک انتقال کیا۔

(۱۳) نظام شاہ کا بھائی محمد شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ ۱۴۶۸ء میں بادشاہ کی عمر (۱۸) سال کی تھی جب اُس نے محمد گاوان کو وزیر اعظم بنایا۔ ۱۴۶۹ء میں ملک کوکن راجۂ بیجانگر کے قبضہ سے لے کر فتح کیا۔ ۱۴۷۱ء راجۂ اڑیسہ کے ایک عزیز نے جو تخت سے بے دخل کیا گیا تھا محمد شاہ سے مدد چاہی محمد شاہ نے مدد دی اور ساتھ ہی ملک تلنگانہ پر بھی چڑہائی کی اور کنڈہ پلی اور راجمندری فتح کرلیا اور خود تین سال تک راجمندری میں رہا ۱۴۷۸ء میں دوبارہ اُڑیسہ پر چڑہائی کی اور بادشاہ ساحل سمندر پر مچھلی پٹن تک چلا گیا اور اسی سلسلہ میں سمندر کے کنارے کنارے کنجیورم کو لوٹا اور بہت سی دولت ساتھ لایا۔ ۱۴۸۱ء میں بادشاہ نے نظام الملک بحری کی سازش سے اپنے قدیم وزیر اعظم محمود گاوان کو قتل کروایا جس کی وجہ سے سلطنت میں زوال آگیا بڑے بڑے امرا سب بگڑ کر اپنی اپنی جگہ جمعیت سمیت بیٹھ گئے۔ یوسف عادل خاں جو محمود گاوان کا متبنّی تھا چند دنوں بعد بندر گوا کو راجۂ بیجانگر کی زد سے بچانے کے لیے بھیجا گیا۔ اِسی زمانہ میں ۲۴ر مارچ ۱۴۸۲ء میں بادشاہ نے انتقال کیا۔

(۱۴) محمد شاہ ثانی کا بیٹا محمود شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کا وزیر نظام الملک بحری تھا۔ یوسف عادل خاں مہم گوا سے واپس آیا لیکن اُس کی جان لینے کی فکریں ہونے لگیں اس واسطے وہ بیجاپور چلا گیا۔ محمود شاہ تلنگانہ کی مہم پر گیا وہیں نظام الملک مارا گیا۔ نظام الملک کے مرتے ہی اُس کے بیٹے ملک احمد نے جنیر میں بغاوت کی۔ عماد الملک گورنر برار نے بھی سرکشی اختیار کی۔ بیدر میں قاسم برید گرجی غلام وزیر تھا۔ بادشاہ نے ۱۴۹۰ء میں اپنی بیٹی یوسف عادل شاہ سے منسوب کی۔ قاسم برید نے ۱۵۰۴ء میں انتقال کیا اور اُس کے بیٹے امیر برید نے بادشاہ کو قید کر لیا۔ ۱۵۱۲ء میں قطب الملک گورنر تلنگانہ نے گولکنڈہ میں بغاوت کی۔ اس کے بعد بیجاپور اور برار کی افواج میں جنگ ہوئی۔ محمود شاہ کا انتقال ۸ اکتوبر ۱۵۱۸ء میں ہوا۔

(۱۵) مرحوم بادشاہ کے لڑکے احمد شاہ ثانی کو امیر برید نے برائے نام تخت پر بٹھا دیا جو بیچارہ ۱۵۲۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔

(۱۶) احمد شاہ ثانی کا بھائی علاء الدین شاہ سوم بادشاہ ہوا۔ اس نے چاہا کہ کسی طرح امیر برید کے پنجے سے نجات ملے مگر امیر برید کو خبر لگ گئی اُس نے فوراً بادشاہ کو پہلے تو ۱۲۵۵ء میں معزول کیا اور پھر قتل کر دیا۔

(۱۷) علاء الدین سوم کا چھوٹا بھائی ولی اللہ شاہ تخت پر بیٹھا اور دو برس برائے نام سلطنت کی بعدہٗ زہر دے کر اس کا کام امیر برید نے ۱۵۲۴ء میں تمام کر دیا اور بادشاہ کی بیوہ ملکہ سے عقد بھی کر لیا۔

(۱۸) اس کے بعد کلیم اللہ شاہ پسر احمد شاہ تخت پر بٹھلایا گیا۔ وہ امیر برید کی سختیوں سے تنگ آ کر ۱۵۲۷ء میں احمد نگر بھاگ گیا اور وہیں انتقال کیا اور خاندان بہمنیہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ دنیا سے مٹ گیا اور امیر برید جو اسم بادشاہت کا مدت سے منتظر تھا فوراً تخت پر بیٹھ گیا اور ایک نئے خاندان بریدیہ کی بنیاد ڈالی۔ بہمنیہ خاندان کی سلطنت کے پانچ ٹکڑے ہو گئے۔

(۱) بریدشاہی۔ بیدر (۲) عادل شاہی۔ بیجاپور۔ (۳) عماد شاہی برار۔ (۴) نظام شاہی احمد نگر (۵) قطب شاہی۔ گولکنڈہ ان پانچوں سلطنتوں کے حالات ہم علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔

خاندان بریدشاہی بیدر

۱	قاسم برید (اول) گرجی غلام	۱۴۹۲	۱۵۰۴
۲	امیر برید (پسر نمبر ۱)	۱۵۰۴	۱۵۴۹
۳	علی بریدشاہ (پسر نمبر ۲) جس نے بادشاہ لقب لیا	۱۵۴۹	۱۵۶۲
۴	ابراہیم بریدشاہ (ثانی) پسر نمبر ۳	۱۵۶۲	۱۵۶۹
۵	قاسم بریدشاہ ثانی (برادر نمبر ۴)	۱۵۶۹	۱۵۷۲
۶	مرزا علی بریدشاہ (معزول) پسر نمبر ۵	۱۵۷۲	۱۶۰۹
۷	امیر بریدشاہ ثانی	۱۶۰۹	+

قاسم برید محمود بہمنی کا وزیر تھا۔ ۱۵۰۴ء میں اُس کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا امیر برید وزیر ہوا۔ اِس نے کم عمر بہمنی بادشاہ کو نظر بند رکھا اور یکے بعد دیگرے چار بادشاہوں کو تخت بیدر پر برائے نام بٹھلایا اور آخری بادشاہ کلیم اللہ کے احمد نگر چلے جانے کے بعد ۱۵۲۷ء میں خود مختار ہو گیا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد اسمٰعیل عادل شاہ نے بیدر پر قبضہ کر لیا لیکن آخر کار امیر برید کو بالکل تابع فرمان کر کے بیدر واپس دے دیا۔ امیر برید کے بیٹے علی برید نے سب سے پہلے "شاہ" کا خطاب اختیار کیا۔ برہان نظام شاہ (احمد نگر) سے جو جنگ ہوئی تھی اُس میں اس کے سارے مقبوضات نکل گئے۔ اس خاندان کی تاریخوں میں بڑی گڑبڑ ہے۔ مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ علی برید نے (۴۵) برس سلطنت کی حالانکہ حساب سے صرف (۱۳) برس ہوتے ہیں۔

خاندان عادل شاہی بیجاپور

۱	ابوالمظفر یوسف عادل شاہ پسر آغا مراد ملک زادۂ روم	۱۴۸۹	۱۵۱۱
۲	اسمٰعیل عادل شاہ	۱۵۱۱	۱۵۳۴
۳	ملّو عادل شاہ	۱۵۳۴	۱۵۳۵

۴	ابراہیم عادل شاہ اول	۱۵۳۵	۱۵۵۷
۵	علی عادل شاہ	۱۵۵۷	۱۵۷۹
۶	ابراہیم عادل شاہ ثانی	۱۵۷۹	۱۶۲۶
۷	محمد عادل شاہ	۱۶۲۶	۱۶۵۶
۸	علی عادل شاہ ثانی	۱۶۵۶	۱۶۵۹
۹	سلطان سکندر عادل شاہ (جو وقت تخت نشینی صغر سن تھا)	۱۶۵۹	۱۶۸۶

(۱) ۱۴۹۳ء میں یوسف عادل شاہ نے راجۂ بیجانگر کو شکست دی اور بے شمار دولت اور دو سو ہاتھی لے کر پلٹا۔ اس بادشاہ نے شہر بیجاپور کا حصار بنوایا۔ ۱۵۱۰ء میں پرتگالیوں نے بندر گوآ پر قبضہ کر لیا تھا اسی سال میں یوسف نے پھر چھین لیا۔ اسی سال پھر البوکرک گورنر نے گوآ مسلمانوں سے ہمیشہ کے لیئے لے لیا (۲) ۱۵۱۹ء میں اسمٰعیل عادل شاہ کے عہد میں بیجانگر سے اور ایک لڑائی ہوئی مگر رائے کشن دیو کو فتح ہوئی (۵) علی عادل شاہ نے رام راج راجۂ بیجانگر سے مل کر بادشاہ احمد نگر کو شکست دی لیکن ۱۵۶۵ء کی مشہور جنگ تالیکوٹہ میں سب مسلمان بادشاہوں نے مل کر رام راج کو قتل کیا اور اس طرح راجگان بیجانگر کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے مندروں کو لوٹ ڈالا اور شہر کو بالکل ویران کر دیا۔ جنگ تالیکوٹہ سے دس برس پیشتر ۱۵۵۵ء میں علی عادل شاہ نے بندر گوآ کو پرتگالیوں کے قبضے سے چھوڑانے کی کوشش کی تھی مگر ناکامیاب رہا۔ پھر دوبارہ ۱۵۶۸ء یا ۱۵۷۰ء میں علی عادل شاہ نے گوآ پر چڑھائی کی مگر پسپا ہونا پڑا۔ ۱۵۷۷ء میں رام راج کے بھائی ترمل راج کے قبضہ سے قلعۂ ادھونی فتح کیا اور ترمل راج نے بھاگ کر چندر گیری میں پناہ لی۔ (۷) محمد عادل شاہ کی سلطنت میں مرہٹوں نے سر اٹھایا اور بڑی شورش مچائی۔ سیواجی نے ۱۶۴۸ء میں بغاوت کی اور سارا ملک کوکن کلیاں سے گوآ تک چھین لیا۔ اس زمانے سے ۱۶۸۰ء تک سیواجی سے بادشاہان بیجاپور سے مسلسل لڑائی رہی۔ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے قبضہ کر لیا اور آخر کار یہ ملک بھی ۱۶۸۸ء میں سلطنت مغلیہ میں مل گیا۔

شجرۂ خاندان عادل شاہی
(۱) ابوالمظفر یوسف عادل شاہ
۱۵۱۱-۱۴۸۹
مریم
جس کی شادی برہان شاہ احمد نگر سے ہوئی تھی
دختر
جس کی شادی احمد شاہ بھمنی سے ہوئی تھی
(۲) اسمٰعیل عادل شاہ
۱۵۳۴-۱۵۱۱
دختر
جس کی شادی علاء الدین عماد شاہ برار سے ہوئی
(۴) ابراہیم عادل شاہ اول
۱۵۵۷-۱۵۳۵
(۳) ملّو عادل شاہ
۱۵۳۵-۱۵۳۴
طہماسپ
(۵) علی عادل شاہ
۱۵۷۹-۱۵۵۷
اسمٰعیل
(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی
۱۶۲۶-۱۵۷۹
(۷) محمد عادل شاہ
۱۶۵۶-۱۶۲۶
(۸) علی عادل شاہ ثانی
۱۶۵۹-۱۶۵۶
(۹) سکندر عادل شاہ
۱۶۸۶-۱۶۵۹

خاندان عمادشاہی برار جن کا دار السلطنت ایلچپور تھا

۱	فتح اللہ عمادشاہی بہمنی	۱۴۸۴	۱۵۰۴
۲	علاء الدین عمادشاہ	۱۵۰۴	۱۵۲۸
۳	دریا عمادشاہ	۱۵۲۸	۱۵۶۰
۴	برہان عمادشاہ	۱۵۶۰	۱۵۶۸
۵	طفیل خان	۱۵۶۸	۱۵۷۲

شجرہ

(۱) فتح اللہ عمادشاہ بہمنی

۱۴۸۴-۱۵۰۴

بیجانگر کا ایک ہندو لڑکا تھا جو مسلمان ہو کر سلاطین بہمنیہ کے عہد میں عروج پر پونہچا اور بالآخر خود مختار بادشاہ ہو گیا۔

(۲) علاء الدین عمادشاہ

۱۵۰۴-۱۵۲۸

اس کے عہد میں ہمیشہ جنگ رہی۔ اس سے اسمٰعیل عادل شاہ بیجاپور کی لڑکی منسوب تھی

دریا عمادشاہ

۱۵۲۸-۱۵۶۰ (امن امان سے گزرا)

بی بی دولت جن کی شادی حسین نظام شاہ بادشاہ احمدنگر سے ہوئی۔

برہان عمادشاہ

۱۵۶۰-۱۵۶۸

اس بادشاہ کو طفیل خاں نے معزول کرکے قید کر دیا لیکن طفیل خاں بھی بادشاہ احمدنگر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور یہ سلطنت احمدنگر میں ضم ہو گئی۔

خاندان نظام شاہی احمد نگر

۱	احمد نظام شاہ	۱۴۹۰	۱۵۰۸
۲	برہان نظام شاہ اول	۱۵۰۸	۱۵۵۳
۳	حسین نظام شاہ	۱۵۵۳	۱۵۶۵
۴	مرتضی نظام شاہ اول	۱۵۶۵	۱۵۸۷
۵	میراں حسین نظام شاہ	۱۵۸۷	۱۵۸۹
۶	اسمعیل نظام شاہ	۱۵۸۹	۱۵۹۰
۷	برہان نظام شاہ ثانی	۱۵۹۰	۱۵۹۴
۸	ابراہیم نظام شاہ	۱۵۹۴	+
۹	احمد بن شاہ طاہر	۱۵۹۴	۱۵۹۵
۱۰	بہادر نظام شاہ	۱۵۹۵	۱۵۹۸
۱۱	مرتضی نظام شاہ ثانی	۱۵۹۸	۱۶۰۷
۱۲	ملک عنبر	۱۶۰۷	۱۶۲۶

(۱) احمد نظام شاہ نظام الملک بحری وزیر سلطنت بہمنیہ کا فرزند تھا۔ سنہ ۱۴۹۰ء میں اُس نے اپنی خودمختارانہ بادشاہت کا اعلان کیا اور شہر احمد نگر آباد کیا۔ اس نے سنہ ۱۴۹۹ء میں قلعہ دیوگیری (دولت آباد) فتح کرلیا۔ اس نے سنہ ۱۵۰۸ء میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کا ہفت سالہ لڑکا برہان تخت نشین ہوا۔

(۲) سنہ ۱۵۲۳ء میں برہان نظام شاہ اول کی شادی مریم بیگم دختر یوسف عادل شاہ بادشاہ بیجاپور سے ہوئی۔ سنہ ۱۵۳۱ء میں برہان نظام شاہ اُس کے برادر نسبتی اسمعیل عادل شاہ نے بڑی بھاری شکست دی۔ اس کے بعد سے برابر خاندان نظام شاہیہ اور عادل شاہیہ میں جنگ رہی۔ سنہ ۱۵۴۵ء میں برہان نظام شاہ نے راجۂ بیجانگر سے بوساطت اُس کے وزیر کے دوستی گانٹھ لی اور سنہ ۱۵۴۹ء میں ان دونوں میں سلطنت بیجاپور کو آپس میں تقسیم کرلینے کی صلاح ٹھہر گئی۔ اس بادشاہ نے سنہ ۱۵۵۳ء میں انتقال کیا۔

(۳) حسین نظام شاہ جب تخت پر بیٹھا تو اُس کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی۔ اُس نے سب سے پہلے اپنے بھائی عبداللہ کی بغاوت کو فرو کیا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد بیجاپور اور رام راج (بیجانگر) کے ایک بہت بھاری لشکر نے احمد نگر کا محاصرہ کر لیا لیکن آخر کار بہت کچھ سخت شرائط کے بعد صلح ہو گئی۔ سنہ ۱۵۶۲ء میں دوبارہ ان ہی دونوں نے کلیان کو جو قدیم پایۂ تخت خاندان چلوکیا کا تھا اور بعد میں سلطنت بیجاپور میں شامل ہو گیا تھا واپس لینے کی غرض سے چڑھائی کی۔ شہر پر قبضہ کر لیا لیکن کچھ ایسا شدید طوفان آیا کہ محاصرین کے ہزارہا آدمی بہ گئے مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ سنہ ۱۵۶۵ء میں حسین نظام شاہ جنگ تالیکوٹہ میں شریک ہوا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ حسین نظام شاہ نے اسی سال ۷ رجون کو انتقال کیا۔

(۴) حسین نظام شاہ کا لڑکا مرتضیٰ نظام شاہ تخت نشین ہوتے ہی بیجاپور سے جنگ چھڑ گئی لیکن اِس بات پر صلح ہو گئی کہ احمد نگر کا لشکر برار پر چڑھائی کرے اور بیجاپور والے بیجانگر کی خبر لیں۔ شاہنشاہ اکبر نے مرتضیٰ نظام شاہ کو برار کے ملک میں مداخلت کرنے سے روکا لیکن اُس نے نہ سنا اور سنہ ۱۵۷۲ء میں اِس ملک کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ سنہ ۱۵۸۸ء میں مرتضیٰ نظام شاہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(۵) میراں حسین نظام شاہ بڑا لااُبالی شخص تھا اُس نے خاندان شاہی کے تمام لوگوں کو مروا ڈالا وزیر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور اُس نے میراں کے بھتیجے اسمٰعیل کو جو صرف بارہ برس کا لڑکا تھا میراں کو معزول کر کے تخت پر بٹھانے کی غرض سے بلوا بھیجا۔ فوج نے بغاوت کی۔ وزیر نے بادشاہ کا سر کٹوا لیا مگر وہ خود بھی مارا گیا۔

(۶) اسمٰعیل نظام شاہ تخت پر بیٹھا اور برائے نام دو سال سلطنت کرنے کے بعد اُس کے باپ برہان نظام شاہ نے معزول کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔

(۷) برہان نظام شاہ نے سنہ ۱۵۹۲ء میں گوا پر فوج کشی کی مگر وہاں بساط اُلٹ گئی اِن کا سپہ سالار پکڑا گیا اور زبردستی عیسائی بنایا گیا۔ بادشاہ نے سنہ ۱۵۹۴ء میں انتقال کیا۔

(۸) برہان نظام شاہ کی وفات پر بڑے لڑکے اسمٰعیل کو محروم کر کے چھوٹے لڑکے ابراہیم نظام شاہ کو تخت پر بٹھلایا گیا۔ ابراہیم نے فوراً بیجاپور سے لڑائی چھیڑ دی لیکن پہلی ہی لڑائی میں تخت پر بیٹھنے کے چوتھے مہینے مارا گیا۔

(۹) ابراہیم کے انتقال کے بعد ایک گڑبڑ مچ گئی۔ ابراہیم کا لڑکا تو بالکل شیر خوار بچہ تھا۔

افواج کی رائے سے ایک لڑکا احمد ابن شاہ طاہر (جس کو غلطی سے شاہی خاندان کا سمجھ لیا تھا) کو بادشاہ مقرر کیا۔ اس معاملہ میں وزیر اور سپہ سالار فوج کی اَن بن ہوگئی۔ وزیر نے مغلوں سے مدد طلب کی اور شہنشاہ اکبر نے اپنے بیٹے مراد کو بہت بڑے لشکر کے ساتھ احمد نگر بھیج دیا۔ شاہزادہ مراد نے آتے ہی شہر کا محاصرہ کرلیا لیکن جری اور بہادر چاند بی بی نے خوب مقابلہ کیا پھر بھی شاہزادہ مراد ملک برار لے کر ٹلا۔ وزیر کو آخر کار اپنی اس حرکت پر پچھتاوا بھی آیا۔ مغلوں کے ہٹنے کے بعد کہیں ابراہیم کے کم سن بچے بہادر نظام شاہ کو بادشاہت ملی اور ایک نیا وزیر مقرر کیا گیا لیکن اس وزیر نے بھی درپردہ شہنشاہ اکبر سے سازش کرلی۔ اکبر نے احمد نگر پر لشکر کشی کی۔ بڑی بھاری لڑائی کے بعد اکبر نے احمد نگر فتح کرلیا اور اور بے چاری چاند بی بی کو دغابازی سے مار ڈالا۔ کم سن بادشاہ کو قید کرکے گوالیار بھیج دیا اور مرتضیٰ جو برہان اول کا پوتا تھا بادشاہ ہوا۔ اس نے اچھی طرح سلطنت کی لیکن سنہ ۱۶۱۰ء میں حبشی سردار نے اسے معزول کردیا۔ اِس وقت سے سلطنت نظام شاہی عملی طور پر سلطنت مغلیہ کا جزو ہوگئی لیکن ملک عنبر برائے نام سنہ ۱۶۲۶ء تاریخ وفات تک حکمراں رہا اور اُس کے مرتے ہی پوری طرح بادشاہ دہلی اس پر قابض ہوگیا اور اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔
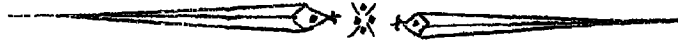
شجرہ

(۱) احمد نظام شاہ
۱۴۹۰ | ۱۵۰۸

(۲) برہان نظام شاہ اول
۱۵۰۸ | ۱۵۵۳

مریم بیگم کے بطن سے: ایک لڑکا — شاہ علی
(۱۱) مرتضیٰ نظام شاہ ثانی ۱۵۹۹ - ۱۶۰۷

امینہ بیگم کے بطن سے: عبدالقادر عرف عبداللہ — (۳) حسین نظام شاہ ۱۵۵۳ | ۱۵۵۶

(۴) مرتضیٰ نظام شاہ اول ۱۵۶۵ | ۱۵۸۷
(۵) میران نظام شاہ ۱۵۸۷ - ۱۵۸۹

(۷) برہان نظام شاہ ثانی ۱۵۹۰ | ۱۵۹۴

(۶) اسمٰعیل نظام شاہ ۱۵۸۹ - ۱۵۹۰

(۸) ابراہیم نظام شاہ ۱۵۹۴

(۱۰) بہادر نظام شاہ
۱۵۹۵ | ۱۵۹۹

احمد بن شاہ طاہر کے چند مہینے غاصبانہ قبضہ کے بعد تخت نشین ہوا۔

(۹) احمد بن شاہ طاہر
۱۵۹۴ | ۱۵۹۵

خاندان قطب شاہی گولکنڈہ

نمبر	نام		
۱	سلطان قلی قطب شاہ	۱۵۱۲	۱۵۴۳
۲	جمشید قلی قطب شاہ	۱۵۴۳	۱۵۵۰
۳	ابراہیم قطب شاہ	۱۵۵۰	۱۵۸۱

۴	محمد قلی قطب شاہ	۱۵۸۱	۱۶۱۱
۵	عبداللہ قطب شاہ	۱۶۱۱	۱۶۷۲
۶	ابوالحسن تانا شاہ	۱۶۷۲	۱۶۸۸

(۱) قلی قطب شاہ محمد شاہ بہمنی کی طرف سے ملک تلنگانہ کا گورنر تھا جو محمد گاوان وزیر کے قتل کے بعد کنارہ کش ہو کر گولکنڈہ چلا آیا اور قاسم برید کے زمانے تک بادشاہ کا مطیع و منقاد رہا اس کے بعد ۱۵۱۲ء میں خود مختار بادشاہ ہو گیا اور اپنے مقبوضات کو وسعت دی۔ کشن دیورائے راجہ بیجانگر نے ۱۵۱۶ء میں گھاٹوں کے مشرقی حصہ ملک کو فتح کر لیا تھا لیکن اس بادشاہ نے کنڈاپلی مقام پر ہندوؤں کو شکست دی اور تمام ملک مابین دریائے کشنا اور گوداوری کو فتح کر لیا۔ راجمندری پر اس زمانے میں گجپتی خاندان کے لوگ من جانب راجہ بیجانگر قابض تھے بادشاہ نے چڑھائی تو کی مگر ناکامیاب رہا البتہ ورنگل پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ کنڈاپلی میں اس بادشاہ کی فتح کے متعلق ایک کتبہ موجود ہے۔ جمشید پسر دوم کی سازش سے بادشاہ قتل کیا گیا۔

(۲) جمشید اپنے بڑے بھائی کو مکحول کر کے خود تخت پر بیٹھا اور ۱۵۵۰ء میں اس کی وفات تک کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

(۳) جمشید کے بعد اس کے بیٹے سبحان نظام شاہ کو جس کی عمر سات سال کی تھی تخت پر بٹھایا لیکن امرا نے سخت مخالفت کر کے فوراً اُتار دیا اور جمشید کے بھائی ابراہیم کو مالک تخت و تاج قرار دیا۔ ابراہیم اس زمانے تک بیجانگر میں رام راج کی پناہ میں رہتا تھا مگر ۱۵۶۵ء کی مشہور جنگ تالیکوٹہ میں یہ بھی شریک تھا۔ راجمندری پر پہلے ۱۵۶۴ء میں چڑھائی کی گئی تھی لیکن ہندوؤں نے اس کثرت سے لشکر جمع کیا۔ مسلمانوں کی کچھ نہ چلی اور واپس ہونا پڑا۔ اب ابراہیم جنگ تالیکوٹہ سے واپس آتے ہی راجمندری پر (جو گجپتی خاندان اُڑیسہ کی قبضہ میں تھی) دوبارہ چڑھائی کرنے کی طیاریاں کرنے لگا اور ۱۵۶۷ء میں نہ صرف راجمندری پر قبضہ کر لیا بلکہ چیکاکول تک سارا ملک لے لیا۔ علاوہ اس کے دریائے کشنا کے جنوب میں بہت سے راجاؤں کو مغلوب کیا۔ اس بادشاہ نے ۱۵۸۱ء میں یکایک انتقال کیا۔ بادشاہ نے خود اپنے بیٹے عبدالقادر کو زہر دے کر مار ڈالا تھا اور ایک دوسرا لڑکا باپ کی زندگی ہی میں مر گیا تھا اس لئے فرزند سوم محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا۔

(۴) محمد قلی قطب شاہ سے اور راجگان بیجانگر سے جو اب پین کنڈے میں رہتے تھے اور کنڈاویڑ

پر بر قبت قابض تھے جسے اب گنتور کہتے ہیں) اسی بادشاہ نے ۱۵۸۹ء میں شہر حیدر آباد کی بنا ڈالی جو اُس زمانے میں بھاگ نگر کہلاتا تھا۔ اس بادشاہ نے گندی کوٹہ۔ کٹر پا اور دریائے پنار کے جنوبی طرف کا تمام ملک فتح کر لیا تھا۔

(۵) محمد قلی قطب شاہ لاولد فوت ہوا اس سبب سے اس کا بھائی محمد قلی قطب شاہ۔ جانشین ہوا اس کے بعد عبداللہ قطب شاہ بادشاہ ہوا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ محمد قلی قطب شاہ سے اور عبداللہ سے کیا قرابت تھی۔ شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں اورنگ زیب نے چڑہائی کر کے عبداللہ کو شکست دی اور بالکل اپنا مطیع کر لیا۔ ۱۶۶۷ء میں سیواجی نے گولکنڈہ پر چڑہائی کی اور بہت کچھ خراج لے کر واپس ہوا۔ عبداللہ نے ۱۶۷۲ء میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا داماد ابوالحسن تاناشاہ بادشاہ ہوا۔ ابوالحسن نے ۱۶۷۶ء میں مرہٹوں سے سازش کر لی لیکن ۱۶۷۸ء میں مغلوں نے پھر چڑہائی کی۔ پھر دوبارہ ۱۶۸۵ء میں اورنگ زیب نے خود لشکر کشی کی اور ابوالحسن کو قید کر کے قلعہ دولت آباد میں بھیج دیا اور ۱۶۸۸ء میں یہ سارا ملک سلطنت مغلیہ میں شامل ہو کر اس خاندان کا قلع قمع ہو گیا۔

شجرہ

(۱) سلطان قلی قطب شاہ
۱۵۱۲ | ۱۵۴۳

- (۳) ابراہیم قلی قطب شاہ — ۱۵۵۰ | ۱۵۸۱
  - (۴) محمد قلی قطب شاہ — ۱۵۸۱ | ۱۶۱۱
  - لڑکا — جو باپ کی حیات میں مر گیا
  - عبدالقادر — جس کو باپ نے زہر دیا
- حیدر قلی قطب شاہ — لاولد فوت ہوا
- (۲) جمشید قلی قطب شاہ — ۱۵۴۳ | ۱۵۵۰
  - سبحان قلی قطب شاہ
- قطب الدین — جس کو جمشید نے مکحول کر دیا

مسلمان بادشاہان و شہنشاہان دہلی

۱۱۹۳ء میں ہندو راجاؤں سے سلطان محمد شہاب الدین برادر سلطان غیاث الدین غوری غزنوی نے دہلی پر قبضہ کرکے اپنا دار السلطنت مقرر کیا۔ شہاب الدین ۱۲۰۵ء میں مارا گیا۔ اُس کی جگہ غیاث الدین کا بیٹا سلطان محمود تخت پر بیٹھا اور ۱۲۰۶ء میں پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ شمالی ہند کے مقبوضات پر قطب الدین کو (جو پہلے تو غلام تھا مگر بعد امرا میں شامل ہو گیا) بادشاہ مقرر کیا اور اسی سے خاندانِ غلامان کی بنا پڑی۔

خاندان غلامان دہلی،

قطب الدین ایبک
۱۲۰۶ | ۱۲۱۰

ایک بہن جس کی شادی شمس الدین التمش سے ہوئی تھی — ۱۲۱۰ | ۱۲۳۶
آرام (معزول کیا گیا)

معز الدین بہرام (مقتول) — ۱۲۳۹ | ۱۲۴۲
سلطان رضیہ بیگم (مقتولہ) — ۱۲۳۶ - ۱۲۳۹
رکن الدین فیروز (معزول) — ۱۲۳۶
نصیر الدین محمود پہلے ہی مر گیا

نصیر الدین محمود — ۱۲۴۶ - ۱۲۶۶
علاء الدین مسعود (مقتول) — ۱۲۴۲ - ۱۲۴۶

اس کی وفات کے بعد اس کے وزیر غیاث الدین بلبن نے غاصبانہ قبضہ کرلیا۔

غیاث الدین بلبن
۱۲۶۶ | ۱۲۸۶

بغرا خان (اپنے بیٹے کے لئے جگہ خالی کردی)
محمد (اپنے باپ کی حیات میں ایک جنگ میں مارا گیا)

کیقباد (خلجیوں نے معزول کردیا)
کیخسرو (جسے کیقباد نے قتل کیا)
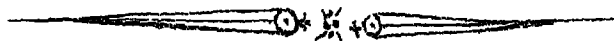
خاندان خلجیہ

جلال الدین فیروز خلجی (علاء الدین نے قتل کیا)
۱۲۸۸ ۔ ۱۲۹۵

علاء الدین
۱۲۹۶ ۔ ۱۳۱۶

اولاد جلال الدین:

قادر خاں
ارقلی خان (مقتول)
خانخاناں (مقتول)
۱۲۹۵-۱۲۹۶ باپ کے مارے جانے کے بعد دوسرے بھائی غیر حاضر ہونے سے ماں نے تخت پر بٹھایا مگر خود بخود فرار ہوگیا)

اولاد علاء الدین:

شہاب الدین (مکحول)
مبارک قطب الدین
۱۳۱۶-۱۳۲۱
جس کو ملک خسرو نے قتل کیا ۔ غیاث الدین تغلق ایک غلام نے جو امرا ہیں سے تھا تخت چھین کر خاندان تغلق کی بنا ڈالی ۔
شادی خاں (مکحول)
خضر خاں (مکحول)

خاندان تغلق
غیاث الدین تغلق
۱۳۲۱ | ۱۳۲۵
محمد خاں الغ خاں
۱۳۲۵-۱۳۵۳
سپہ سالار رجب
فیروز تغلق
۱۳۵۳-۱۳۸۸
فتح خاں
شاہ غیاث الدین تغلق
۱۳۸۸-۱۳۸۹
تخت پر غاصبانہ قابض ہوا مگر ساتھ ہی معزول بھی کیا گیا
ظفر خاں
ابو بکر
۱۳۸۹-۱۳۹۰
نصیر الدین نے معزول کرکے قید کر دیا
محمد تغلق نصیر الدین
۱۳۹۰-۱۳۹۴
محمود
۱۳۹۴/۱۴۱۲ (اسی کے زمانہ میں تیمور مغل) نے دلی کو لوٹا۔ محمود بھاگ گیا اور تیمور کی طرف سے جانشین مقرر ہوا۔
ہمایوں
۱۳۹۴
لاولد فوت ہوا

خاندان سادات

سید خضر خاں ۱۴۱۴-۱۴۲۱
تیمور نے تخت پر بٹھایا۔ یہ شخص لاہور کا گورنر تھا

سید مبارک (مقتول) ۱۴۲۱-۱۴۳۵

سید محمد- (۱۴۳۵-۱۴۴۵)

سید علاء الدین (۱۴۴۵-۱۴۵۰) اس نے دار السلطنت دہلی سے اٹھا دی اور ساتھ ہی ساتھ بہلول لودی گورنر پنجاب نے قبضہ کر لیا۔

خاندان لودی

بہلول لودی

۱۴۵۰-۱۴۸۸

سکندر لودی نظام خاں

۱۴۸۸-۱۵۰۶

ابراہیم لودی

۱۵۰۶-۱۵۲۶

ابراہیم قتل کیا گیا اور بابر مغل نے دہلی فتح کر لی

مرزا عسکری گورنر میوا

حکیم گورنر کابل

دانیال
باپ کی حیات میں فو

(۵) شہاب ا
۶۲۷

اکتیسواں ضمیمہ

قلعۂ یادگیر

یہ مقام رائچور سے ۴۳ میل جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے پر دریائے بھیما کے متصل بمبئی کی طرف واقع ہے یہاں کا قلعہ مشہور ہے۔ اس قصبے کی آبادی قریب دس ہزار نفوس کے ہے۔ وجہ تسمیہ اس کے مختلف ہیں (۱) بعض کہتے ہیں کہ پہلے اس کا نام "بیات گیر" تھا۔ زمان سابق میں کوئی راجہ "بیات" نامی ہو گزرا ہے وہی اس کا بانی تھا اور زبان سنسکرت میں "گیر" پہاڑ کو کہتے ہیں۔

(۲) اس کا اصلی نام "یتوگری" تھا۔ کنڑی زبان میں "یتو" بیل کو کہتے ہیں جس پہاڑ پر قلعہ واقع ہے اُس کی شکل دور سے بالکل بیٹھے ہوئے بیل کی سی دکھلائی دیتی ہے اسی وجہ سے یہ نام رکھا گیا جو بگڑ بگڑا کر یادگیر ہو گیا یہ پہاڑ ریلوے اسٹیشن سے بخوبی نظر آتا ہے۔ اب یہ قلعہ بالکل ویران ہے۔ پہلے یہاں عرب کی جمعیت رہا کرتی تھی۔ یادگیر مستقر تحصیل ہے جو اب ضلع گلبرگہ میں شامل ہے۔ اسٹیشن کے متصل دو گھرنیاں ہوئے نکالنے کی ہیں اور دو کاٹن پریس ہیں یہاں سے پینتیس ۳۵ میل کے فاصلہ پر بیدڑ شوراپور ہے جہاں کے برنجی برتن مشہور ہیں اور جو بلحاظ راجگان بیڈر ایک مشہور تاریخی مقام ہے جس کی تاریخ بزبان انگریزی نواب فرامرز جنگ بہادر نے لکھی ہے اور کرنل میڈوز ٹیلر جو مدتوں یہاں کے کمشنر رہے ہیں اونہوں نے اپنے مفصل حالات اپنی کتاب ہسٹری آف مائی لائف میں لکھے ہیں۔ قلعۂ شاہ پور یادگیر سے (۲۰) میل کے فاصلے پر ہے جس کا ذکر علیحدہ آئے گا۔

(۳) "یادی" اُس قسم کی بیل کو کہتے ہیں جو اِس قلعہ کو گھیرے ہوئی تھی جس پر سے یادگیر نام پڑا۔

(۴) مسلمان اس کی وجہ تسمیہ اپنے ڈھنگ پر یہ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں کسی بادشاہ اسلام کا اس مقام پر بغرض شکار گزر ہوا۔ بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی کی تلاش میں اس پہاڑ پر چڑھ گیا کیوں کہ کئی شیریں چشمے یہاں ہیں بادشاہ کا پیر پھسل گیا اور چشمے میں گر کر غوطے کھانے لگا اور ہمراہیوں سے کہا "یدگر" یعنی ہاتھ پکڑو۔ اس وجہ سے یادگیر نام پڑا۔

(۵) فیروز شاہ بہمنی نے اِس کا نام فیروز گڑھ رکھا تھا۔ کتبہ موجودہ قلعہ واضح ہی کہ یہ قلعہ بہ عہد ابراہیم عادل شاہ بہ اہتمام ملک ریحان ۹۵۳ھ میں بنایا گیا وہ کتبہ یہ ہی۔

"اَللّٰہُ وَلِیُّ التَّوفِیقُ درایام خلافت ابراہیم عادل شاہ بکار کردگی مرزا نجابت علی بیگ بہ تاریخ غرۂ رجب المرجب سنہ ثلثہ و خمسین و تسعمائتہ"

اِس کتبے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بانی اِس قلعہ کا ابراہیم عادل شاہ تھا بلکہ یہ بات عام طور پر مسلم ہی کہ دریاے نربدا سے اُس پار ساحل کارومنڈل تک ملک دکن کے اکثر قلعے راجگان ہنود بالخصوص راجگان بیجانگر کے بنائے ہوے ہیں چنانچہ بہمن نامہ شیخ آذری اصفہانی اور تاریخ فرشتہ اور تاریخ نصراللہ خانی سے بخوبی ظاہر ہی کہ سلاطین بہمنیہ و عادل شاہیہ و قطب شاہیہ و بریدیہ و عماد شاہیہ سے اکثر راجگان بیجانگر کے بڑی بڑی لڑائیاں مدتوں رہی ہیں اور بہت سے قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے جیسے کہ قلعۂ رائچور و مدگل وادھونی و شاہ پور وغیرہ کہ یہ بھی راجاؤں ہی کے بنائے ہوے ہیں۔ اسی طرح یادگیر کا قلعہ بھی راجگان ہنود کا بنایا ہوا اُس کی طرز عمارت سے معلوم دیتا ہی جو ابراہیم عادل شاہ کے قبضے میں آگیا۔ اِس قلعے میں ایک برج موسوم "بہ نظام برج ہی" جس کی بنا کا واقعہ تاریخ رشید الدین خانی دفتر دوم ذکر حکام دکن میں بہ ضمن سفر ہشتم نواب نظام علی خان بہادر نظام الملک نظام الدولہ آصف جاہ ثانی یہ لکھا ہی کہ نواب غفراں مآب نے اواخر محرم الحرام سنہ ۱۲۰۱ھ میں بہ غرض امداد بالاجی راؤ مرہٹہ بمقابلہ ٹیپو سلطان لشکر کشی کی اثناے راہ میں شہریار الدولہ قلعہ دار یادگیر بمقام پرینڈہ باریاب ہوے اور یادگیر کی خوش آب و ہوا کی بہت تعریف کی یہ سن کر آپ یادگیر تشریف لاے اور اپنی تشریف آوری کی یادگار میں یہ برج تعمیر کروایا۔ آخر قلعہ دار یادگیر نواب نصیر الدین علی خاں بہادر تھے جن کے بعد بھی اِن کے بیٹے میر وزارت علی خاں قلعہ دار کہلاتے رہے۔ بعد خالصہ ہونے کے سنہ ۱۲۶۳ھ میں عبود عبداللہ بن علی جمعدار عروب کی زیر نگرانی رہا۔ عبود کی حکومت میں رہ اہل سے لڑائی ہوئی رُہیلوں نے عروب کی سرکوبی کی اور بڑی خوں ریزی کے بعد قبضہ حاصل کیا۔ سنہ ۱۲۷۷ فصلی میں ضلع بندی ہوئی اور یہ مقام شریک علاقۂ دیوانی ہوگیا۔ قلعہ پر سابق کے قلعہ داروں کے شکستہ مکانات اور کچھ عمارتیں ٹوٹی پھوٹی اب بھی موجود ہیں اور پندرہ بیس چھوٹی موٹی توپیں بھی ہیں ایک چھوٹا سا تالاب اور دو تین چشمے اور باؤلیاں بھی ہیں جن میں باوجود اس قدر بلند پہاڑ ہونے کے ہمیشہ پانی رہتا ہی۔ قصبۂ یادگیر میں حضرت سید یعقوب شاہ صاحب بخاری اور حضرت شاہ جیون صاحب دو بزرگوں کی درگاہیں موجود ہیں۔

بتیسواں ضمیمہ آخری

کتاب کی تسوید کے بعد اور چند فرامین۔ تاریخی حالات اور کتبے دستیاب ہوگئے گو ضخامت کتاب مانع تھی مگر دل نے گوارا نہ کیا کہ ایسے بے بہا جواہر کو نظرانداز کروں جس طرح پیٹ بھر جانے کے بعد چٹنی کا چٹخارا زبان کو بھلا معلوم دیتا ہی اُسی طرح یہ ضمیمہ بھی ناظرین کی توسیع معلومات اور تفریح طبع کا باعث ہوگا۔

دولت جاوید یافت ہر کہ نکو نام زیست ۔ کز عقبش ذکر خیر زندہ کند نام را

فرامین شاہی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ شانہ

سند محمد معظم شاہ سنہ ۱۱۲۱ھ

معظم محمد شاہ ابوالنصر سید قطب الدین عالم بہادر بادشاہ غازی

صاحب قرآن بن امیر تیمور ۔ بادشاہ بن عالمگیر ۔ جہان بادشاہ بن شاہ ۔ بادشاہ بن جہانگیر ۔ بادشاہ بن اکبر

محمد سید قطب الدین بہادر شاہ عالم ۔ فرمان ابوالنصر بادشاہ غازی

دریں وقت میمنت اقتران فرمان والاشان لازم الاذعان صادر شد کہ خدمت سر دیسمکہ و سر دیسمکی پرگنہ حویلی فیروز نگر وغیرہ عرف رائچور صوبہ دارالظفر بیجاپور و مظفر نگر مارندپور بارسوم و انعام دیہات درلبست و

ولوازم حسب الضمن بنام باسدیونایک زمیندار کہ بلوازم دمراسم آنخدمات کماینبغی پرداختہ دقیقہ از دقایق نیکوخدماتی نامرعی نگزارد و آباددا شتہ پیرامون اخذابواب ممنوعہ نگردد وزیادہ بر رسوم وانعام ولوازم کہ مقرر شدہ باید کہ حکام ومتصدیان مہمات ومشرفان وجاگیرداران وکڑوریان حال واستقبال اوسردیسمکھ وسرسردیسمکی محالات مسطور مستقل دانستہ رسوم وانعام ولوازم بازدارند وجمیع لوجوہ عوارض سلطانی وتکالیف دیوانی معاف درینباب ہرسال سند مجدد نطلبند اندریں باب قدغن بلیغ دانند سال سوم از جلوس مبارک تحریر یافت۔

(برپشت سند مذکور)

شرح یادداشت واقعہ بتاریخ روز دوشنبہ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۳ جلوس مبارک موافق سنہ ۱۱۲۱ ہجری مطابق ۱۹ خورداد ماہ ہرسالہ امارت وایالت پناہ وشہامت دستگاہ عمدۂ فدویان عقیدت نہاد زبدۂ مخلصان باعتقاد منظور نظر بادشاہی مورد الطاف نامتناہی مہبط اعطاف بیکراں خانہ زاد شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سر سردار نایب اعتقاد خلافت وفرمان روائی اعتماد سلطنت وکشور کشائی مہد قواعد معدلت منتظم امور خلافت عقدہ کشاے معاقدین ودولت سپہ آراے معارک فتح ونصرت گنجور اسرار بادشاہی داناے ضمیر طلب انجمن سراے محفل خلیفہ منتجب منسخہ دانش وبینائی صاحب راے عالم زراے دستور وزراے ممالک مدار برہان وکلاے ذوی الاقتدار صاحب الشوکت والعظمت والاحتشام واجب العز والشرف والاحترام قدوۂ خوانین بلند مکان عمدۂ امراے اعظم الشان رکن السلطنۃ العلیۃ معتمد السلطانیہ عمدۂ فدویان شجاعت نشان زبدۂ یومیان رفیع الشان ناظم ومنازم ملک مال ناہج مناہج دولت واقبال اسوۂ اعاظم وزراحبہ الملک مدار المہام معظم خانخانان بہادر ظفر جنگ وفادار نوبت واقعہ نگاری خانہ زاد درگاہ آسمانجاہ محمد میر قلی میگردد فرد از دفتر تقسیم رسید کہ بعرض مقدس رسید کہ باسدیونایک زمیندار چندن کیرا وغیرہ با جمعیت شایستہ بافواج بادشاہی در جنگ مقاہیر ومفسدان پرگنات سرکار فیروزنگر وغیرہ لقا در زمینداری بافوجداران وزمیندار مذکور ہمیشہ

جنگ وجدل مینمایند و اُستاد عادل خان بدست دارد امید وار است سر دیسکھی
و سر سر دیسکھی محالات در بست سرکار فیروز نگر عرف رایچور من صوبۂ دار الظفر بیجاپور
و مظفر نگر عرف ہلی کھیر صوبۂ محمد آباد بدار سوم و انعام و بہات و لوازم آن مومی الیہ
سرفراز گردد تا بہ جمیعت خاطر مفسدان را تنبیہ واقعی نمودہ بندوبست آنجا از قرار
واقعی نماید حکم والا صادر شد کہ بدستور عہد حضرت ہر کہ دیدہ و دانستہ حکم آن صادر
شود سند فرمان والا دیہہ والا سند دیوانی کافی است مومی الیہ مدتے خدمات
جانفشانی نمودہ از دست مقاہیر و مفسدان آن ضلع بندوبست و آباد داشتہ
و مصدر خدمات نمودہ درباب عظام فرمان والا صادر شدہ اول حکم جہان مطاع
آفتاب شعاع شرف اصدار یافت کہ دیدہ و دانستہ باو فرمان والا عطا نماید کہ باو
ممنون بر الطاف شاہی بخاطر جمع بندوبست محالات بواقعی نماید واقع ۱۲ صفر
سنہ ۳ جلوس

بموجب یادداشت قلمی شد شرح خط واقعہ نویس آنکہ مطابق واقعی است
شرح خط امارت و ایالت پناہ بسالت و شہامت دستگاہ عمدۂ فدویان عقیدت
نہاد زبدۂ مخلصان با اعتقاد منظور نظر بادشاہی مورد الطاف نامتناہی مہبط
اعطاف بیکران خانہ زاد شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک
امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سر سردار نایب اعتقاد خلافت و فرمان روائے
اعتقاد سلطنت و کشور کشائے مہد قواعد معدلت منتظم امور خلافت عقدہ کشائے
معاقد دین دولت سپہ آرائے معارک فتح نصرت گنجور اسرار بادشاہی دانائے
ضمیر طلب انجمن سرائے محفل خلیفہ منہجب منسخۂ دانش و بینائی صاحب رائے
عالم آرائے دستور وزرائے ممالک ادیہ ارباب وکلائے ذی الاقتدار صاحب الشوکت
والعظمت والاحتشام واجب العز والشرف والاحترام قدوۂ خوانین بلند
مکان عمدۂ امرائے اعظم الشان رکن السلطنۃ العلیہ نظام الملک آصف الدولہ
آنکہ صاد شرح خط سیادت ونقابت پناہ شرافت ونجابت دستگاہ موتمن

واقعہ لبست وششم جمادی الاول سنہ ۴ جلوس والا
موافق سنہ ۱۱۲۲ ہجری تقلید انعام شد
ے غلام محمد

بتاریخ ۲۶ جمادی الاول سنہ ۴
تقلید فرمودہ مفصلے رسید
غلام محمد

موتمن الدولۃ العلیہ معتمد السلطنۃ عمدۂ قدویان شجاعت نشان زبدۂ یومیان رفیع الشان ناظم مناظم ملک ومال ناہج ومناہج دولت واقبال اسوۂ اعاظم وزراحبہ الملک مدار المہام معظم خان خانخاناں بہادر ظفر جنگ وفادار آنکہ لبعرض کہ رسایند شرح خطار فعت وعوالی پناہ لایق العنایت والاحسان اخلاص خان آنکہ بتاریخ ۱۱ر جمادی الاول سنہ ۱۱۲۱ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سپہ سردار نایب اعتقاد خلافت وفرماں روائی اعتماد سلطنت وکشور کشائی۔

فرداین بدستخط خاص ملفوف بہ مہر خواص خان بدفتر معلی رسید
بموجب فردبہ مہر بخشی الملک لبعرض مقدس گردید کہ
باسدلو نایک زمیندار چندن کیرہ وغیرہ با جمیعت شایستہ
بافوج بادشاہی شامل شدہ در جنگ مقاہیر ومفسدان
والنکرا۔

محال دربست

محالات فیروزنگر عرف رایچور — محالات سٹ

حویلی فیروزنگر، نیاؤگے، گشتگی، بھنتو، کوتال
محال، محال، محال، محال، محال

جالی ہال، انکوڑ، درور، ھرور، ۲ رسوم
محال، محال، محال، محال، بدستور

۲

دلیسکھان

بادشاہ غازی
شاہ عالم
بندہ
اخلاص خان

العام
بالعام

ونارگونڈا محالات مذکور میگرفتہ باد۔

کھاناپور، کوتال دیہی، سرناپور، ماڈگری، مورٹ، نول کوکل

موضع دربست۔ موضع دربست۔ موضع دربست موضع دربست۔ موضع دربست موضع دربست

این خط بدست زیر یاباشد باعث کاغذ نیک نوشتہ شد

بواقعہ امارت وایالت پناہ و شہامت دستگاہ عمدۂ ما فدویان عقیدت نہاد زبدۂ مخلصان با اعتقاد منظور نظر بادشاہی مورد الطاف نامتناہی محیط اعطاف بیکران خانہ زاد شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سر سردار نایب اعتقاد خلافت و فرمان روائے اعتقاد سلطنت و کشور کشائی مہد قواعد معدلت منتظم امور خلافت عقدہ کشائے معاقد دین و دولت گنجور بادشاہی بیگردد

شاہ غازی
شاہ عالم بادشاہ
ظفر جنگ وفادار فدوی
بہادر
مظفر خان خانخاناں

۲۶ جمادی الاول

نوٹ - یہ معظم شاہ فرزند اورنگ زیب بادشاہ کی سند کی نقل ہی۔ عبارت ظہری سند سے ظاہر ہی کہ باسدیونایک زمیندار چندن کیرہ (یہ موضع دیودرگ تحصیل سے ایک میل ہی) مفسدان وانگرہ (ہیڈ شورا پور سے چھ میل ہی جو قدیم مستقر راجگان شوراپور کا تھا) کی جنگ میں افواج شاہی کے ساتھ رہا ہی ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمان محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۶۵ھ

الملک للہ
مہر سلطان
عادل شاہ محمد ابراہیم
عرف جگت گرو بادشاہ بیجاپور

فرمان ہمایون شرف صدور یافت بجانب حوالداران و تھانہ داران و سرستان و عاملان و دیسایان و معاملہ مدگل و قلعہ کوئل پرگنہ گنگاوتی و سمت توٹی و پرگنہ منگلور و پرگنہ کوکنور و پرگنہ لنگسگی و پرگنہ یلبرگہ و پرگنہ روڑ کنڈہ و پرگنہ مسکی و پرگنہ بنگل کوٹ و پرگنہ گرگنٹہ و گونوار و میدن راوکوٹ و سمت سرگپہ و سمت یلکنڈہ و پرگنہ تانور گیرہ و ولایت انانگندی تا حد بندی تنگبھدرا و معاملہ سونڈور و موضع مشلور بھوت گانوں آنکہ از شہور سنہ خمس و خمسین والف در بنوالا احوال دو تنخواہی و نیکو بندگی مقدم الامثال امرای اوڑچنا یک کنگ گیری کار از معرفت

عزت و شجاعت دستگاہ مرجدان کارآگاہ عمدہ وزرائے عظام زبدۂ امرائے کرام نہنگ دریائے مردی و
مردانگی گوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت مبارز میدان شہامت شایستہ فراوان عاطفت و
تحسین سزاوار ہزاران مرحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران کہ عرض کند
سپہر اعلیٰ افضل فضلا و فضل افضل از ہر ملکے بجائے تسبیح آواز برآید افضل افضل خلاصۂ نیکو خواہان ملک گیر
کشورستان افضل خان محمد شاہی بدرگاہ معلّی روشن گردید بنابراں بمراحم بدیع شاہانہ و فرط الطاف خسروانہ
نایک موصی الیہ را سرفراز و ممتاز گردانیدہ حوالہ خان موصی الیہ فرمودہ میراث دیسکت و ناڑ تلوارگی پرگنہ گنگاوتی
مذکور و ناڑ گونڈگی و ناڑ تلوارگی پرگنۂ نولی مذبور و ناڑ تلوارگی ولایت اینگندی تا حد ندی تنگ بھدرا مزبور و قلعۂ
کوپل و پرگنۂ منگلور و پرگنۂ کوکنور و پرگنۂ کشنگی و پرگنۂ یلبرگہ و معاملۂ مدگل و پرگنۂ روڑکندہ و پرگنۂ مسکی و پرگنۂ بنکل
کوٹ و پرگنۂ گرگنڈ و سمت سرگوپہ و سمت بلکندہ و سمت کندکل و پرگنۂ تالورگیرہ مع انعامات اُنبلی دیسائی
گنگاوتی و دلیسوہ و رتنہ و کاولی و دیہہ تلوارگی و اُنبلی سمت کنیرٹو و موضع بلگور یہال موضع ارسیہلی موضع
ساتاپور و موضع لکشمارپور معاملۂ سونڈور مذبور و موضع مسٹور بھوتگاؤں مذکور و لبعض حق لوازمات نوبت و بھوگوٹہ
سابق بنایک مشارٌ الیہ مقرر و مرحمت فرمودہ شدہ است می باید کہ حسب المسطور مقرر و مستقر دانستہ تمام و
کمال برحکم بھوگوٹہ سالانہ با دُنبالہ نایک موصی الیہ نمایند و دیگراں را دخل شدن ندادہ بعد او باولاد و احفاد
او رواں دارند عذر فرمان ہر سالہ ننمودہ سال بسال ہمیں فرمان جاری سازند و ہر کہ از طرف شجاعت و
عزت دستگاہ عمدۂ دولت خواہان و خاکیش قدوۂ ہواخواہان خیراندیش زبدۃ الصایل والاخان خلاصۃ الاماثل
والاقران رکن الدولۃ القاہرہ مہاراج فرزند شاہجی بھونسلہ و کساں کہ بنایک موصی الیہ خلاف نمایند
آنہا بنایک موصی الیہ امداد نمودہ بموجب نوشتہ نایک موصی الیہ سرانجام مے نمودہ باشند کہ نایک موصی الیہ
قدیم کرسی زادہ دولت خواہ درگاہ است بہر وادی ممد و معاون او بودہ باشند نقلش نوشتہ گرفتہ اصل فرمان
باز دہند تا دانند برحکم فرمان اشرف روند تحریراً فی التاریخ بست و یکم شہر جمادی الاول سنہ ۱۰۶۵ ہجری

پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الملک للہ

فرمان محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۶۶ھ

مہر محمد ابراہیم عادل شاہ

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عاملان و دلیسائیان حصار کنگگیری آنکہ از شہور سنہ ستہ و خمسین والف حصار مذکور در وجہ مقدم الامثال والاقران اوڑچ نایک بدستور قدیم مقرر و مرحمت فرمودہ شدہ است باید کہ حصار مذکور بدستور قدیم معہ کاولہ و لوازمہ دنبالہ نایک مشارٌ الیہ نمایند و در قبض و تصرف مومی الیہ باز گزارند تا دانند بر حکم فرمان اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ روند تحریر فی چہارم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۶ ہجری۔

پروانگی حضور اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ

فرمان محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۶۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الملک للہ

مہر ابراہیم عادل شاہ
جگت گرو

فرمان ہمایون شرف صدور یافت آنکہ زبدۃ الاشباہ والاقران اوڑچا نایک کنگ گیری کالعنایات بے غایات پادشاہانہ و نوازش والتفات خسروانہ سرفراز و ممتاز بودہ بداند کہ دولت خواہی و نیکو بندگی و حلال

نکی او بوساطت عزت و شجاعت دستگاہ مزاج دان کارآگاہ عمدۂ وزراے عظام زبدۂ امراے کرام نہنگ دریاے مردی و مردانگی گوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت مبارز میدان شہامت شایستہ فراوان عاطفت و تحسین سزاوار ہزاران مرحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران گرعرض کند سپہرا علی افضل فضلا و فضل افضل از ہر ملکے بجاے تسبیح آواز بر آید افضل افضل خلاصۂ نیک خواہان ملک گیری و کشورستان افضل خان محمد شاہی دلنشین خاطر مقدس شد و بہ نیابت مجراے او در خدمت سراسر سعادت اقدس گردید باید کہ ہیچ وجہ اندیشہ نمودہ و قول ثواب ہمیون را شامل حال خود دانستہ بزودی خود را بشرف بساط بوسی برساند کہ انشاء اللہ بعد از آمدن او بحضور پرنور وزارت مرحمت فرمودہ نوعے سرفراز و سربلند خواہیم فرمود کہ محسود اقران و امثال خود شود و درین باب تاکید بلیغ دانستہ برحکم فرمان اشرف اقدس رود و عجالت الوقت بجہۃ مزید سرفرازی او خلعت فاخرہ و خرج مرحمت فرستادہ شدہ باید کہ باخذ و لبس آں بر اقرار گردیدہ بزودی خود بحضور پرنور برساند و لمحہ توقف نکنند تا داند تحریر فی ۸ شہر ربیع الاول سنہ ۱۰۶۶ھ

پروانگی حضور اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ

فرمان[۵] محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۵۱ھ

ھو الخلیل

الملک للہ

مہر محمد ابراہیم عادل شاہ
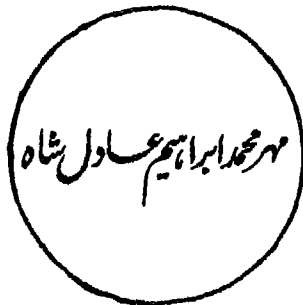
فرمان ہمیوں شرف صدور یافت بجانب عاملان حال و استقبال و دلیسایان سمت سرگوپہ معاملۂ مدگل آنکہ از شہور سنہ اثنی اربعین والف دریں ولا مقدمۃ الامثال لکشما ناگتی کنک گیری از روے صدق نیت و صفائی عقیدت بدرگاہ والا آمدہ و لعتبہ بوسی سرفراز و ممتاز گشتہ در باب ورتنہ و انعام خود التماس نمود بنابران از راہ مراحم بادشاہانہ و فرط عواطف خسروانہ ورتنہ و انعام مشار الیہا آنچہ در سمت مذکور سالا باد

چلیدہ است باد دہانیدہ شدہ باید کہ ورثہ و انعام بموجب سالا باد دنبالہ اولاد نمایند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان بازدہند بحکم فرمان اشرف روند تحریری ۱۰ شہر ذی الحجہ ۱۰۵۱ سنہ ہجری

پروانگی حضور اشرف اقدس ہمیوں اعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمان سکندر عادل شاہ ۱۰۹۵ھ

الملک للہ

یا محی الدین مدد

فرمان ہمیوں شرف صدور یافت بجانب مقدم المثال اوڑچ نایک کنگ گیری آنکہ از شہور سنہ اربع ثمانین والف چوں تحفہ کہ بوساطت ایالت و امارت ایاب حشمت وابہت انتساب شوکت مہابت پناہ نصفت و عظمت دستگاہ سلالہ آل طٰہٰ و یٰسین خلاصہ اولاد سید المرسلین نگین خاتم جاہ و تمکین مدبر اقالیم الارضین ...حاتم شجاعت و بختیاری آب گوہر شہامت و جانسپاری سیف مسلول بازوے شہنشاہی رمح مصقول معرکۂ دشمن کاہی مقدمۃ الجیش معارک ملک گیری و جہانستانی .... آہنگ مہارب فیروزمندی و کامرانی طراز آئین ابہت و اجلال و گوہر دولت و اقبال شیر دل رزمگاہ تہور و جلالت شرزہ خصال میدان تیغ زنی و شجاعت سپہ سالار سپاہ فتح و فیروزی سر لشکر افواج دشمن افگنی و بہروزی قوت سنان نصرت و کامگاری زور دست فتحیابی و نامداری سرکار وزرا ے نامدار سردار امراے عالی مقدار مطرح انظار عنایت بلور د الطاف .... سرایت خان عالی شان رفیع المکان خلاصۂ وزراے بلیغ الشان زبدۂ خوانین زمین فرمان سرآمد نیک خواہان ملک گیر کشورستان جوان بخت سعادت توامان شرزہ خان قبول بدرگاہ والا نمودہ بود از انجملہ مبلغ پنج ہزار حُن باقیست باید کہ مجرد رسیدن فرمان جہانمطاع خورشید ارتفاع ہمگی مبلغ مذکور بحضور وافر السرور بمعرفت عزت و شوکت دستگاہ رفعت و معالی عمدۂ مقربان درگاہ نقاوۂ خیر اندیشان ہواخواہ فدوی صداقت شعار ملک اعظم اکرم ملک کلدار لفر لیسند و بعد از رسیدن زر مذکور بدرگاہ والاجاہ کتبہ کہ پیش خانمعزالیہ است واپس باو دادہ شود و ایں حکم علیہ العالیہ را ہرگز بر نہج احدے اظہار نمایند و پس از وصول زر مذکور صاحب خانمعزالیہ کہ در انحالت

بحضور فائض النور طلب فرمودہ شیخ محمد بن شیخ علی خواصی رکاب را فرستادہ شدہ است حسب فرمودۂ عالی بعمل آوردہ باداند برحکم فرمان اشرف رود تحریر فی التاریخ دوم صفر المظفر سنہ ۱۰۹۵ ہجری۔

پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس اعلیٰ

فرمان عادل شاہ ثانی سنہ ۱۰۷۱ھ

فرمان[۵] ہمایون شرف صدور یافت بجانب دلیسائی پرگنہ تانور گیرہ آنکہ از شہور سنہ احدی ثلثین والف بدرگاہ والا روشن گردید کہ شرزہ خان از روے تمردی ولایت عزت دستگاہ شوکت و مہابت انتباہ سلالۃ الوزراے ذی شان عمدۃ امراے فیروزی نشان شیر بیشۂ مردانگی نہنگ شجاعت و فرزانگی خان عالیشان نواب عبدالرحیم بہلول خان قابض نمودہ فتنہ و فساد برپا کردہ است لہذا حکم استیصال متمرد مذکور فرمودہ شدہ می باید کہ متعلقان نواب موصی الیہ را مدد و کمک نمودہ باتہا متفق گشتہ متمرد مذکور را گوشمال نمود نیست و نابود سازند اگر دریں باب غدر و اہمال ورزند آنہا را مستاصل نمودہ خواہد شد دریں باب تاکید بلیغ داشتہ حسب الامر اشرف عمل نمایند تحریر بیست و ہشتم صفر سنہ ۱۰۷۱ ہجری

رائچور کی دفتری مسجد کا کنڑی کتبہ

یہ کتبہ کسی دیول کا ہی جس کا حصۂ زیریں تلف ہوگیا جو باقی رہ گیا ہی اُسے مسٹر شاستری نے ترجمہ کیا ہی۔ اس کتبہ میں تین دیولوں کا حوالہ ہی ممکن ہو کہ اُن میں کا کوئی دیول یہی مسجد ہو کیوں کہ مسجد کا طرز عمارت ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہی۔

(۱) سورج (۲) گروڑ کی جھکی ہوئی شکل جس کی چونچ دار ناک اور سر پر تاج ہی (۳) وشنو کی استادہ تصویر جس کے بالائی ہاتھوں میں سنکھ اور آفتاب کا چہرہ ہی اور دستہاے زیریں میں کنول کا پھول اور عصا (۴) ایک چبوترے پر لنگ جس کے سر پر پھولوں کا ہار ہی (۵) ایک ہلال (۶) مقدس بیل (۷) تیچو (۸) گاے جو بچھڑے کو دودھ پلا رہی ہی۔

کتبے کے ناصیہ کی عبارت میں کالاچوریا خاندان کے راجہ رایامیواری بھوج بلاملا دیوہ کا تذکرہ ہی۔ جس کی سلطنت کے آٹھویں سال جیا نام سمچھر بار گیسر پنچی اتوار کے دن (سنہ ۷۵-۱۱۷۴ء) موضع گبور کلاں (تعلقہ رائچور)

---

[۵] اس فرمان پر جو مہر ہی وہ قاضی صاحب مدگل کے فرمان پر ہی۔ قصبۂ تاور گیرہ مدگل سے بارہ کوس لنگسگور گنگاوتی کی سڑک پر ہی۔

کا ہر تیلی فی کس ایک ایک ناپ تیل کا برہمیشور اور تربھون کیشو کی دوامی روشنی کے لیئے دیا کرتے تھے۔
اس شکستہ کتبہ کی صرف چھ سطریں باقی رہ گئی ہیں جن میں مغربی چلوکیا خاندان کے راجہ ایگاڑی کا ملّا کا نام واضح طور پر درج ہی۔ اس نام کے دو راجہ ہوے ہیں پہلے نے ۱۰۱۸ء سے ۱۰۴۲ء اور دوسرے نے ۱۱۳۸ء سے ۱۱۴۹ء تک سلطنت کی ہی۔ اس راجہ کے معمولی تعظیمی القاب مالک الارض شاہ شہنشاہان۔ مالک و خداوند۔ شاہنشاہ اعلیٰ۔ جوہر قوم سیتا سرایا۔ جوہر چلوکیا خاندان۔ اس کے بعد کسی بڑے مقدس بزرگ کے حالات شروع ہو کر پتھر ٹوٹ گیا ہی۔

کتبۂ دیول سومپّا واقع قصبہ کرڑکل[1]

بزبان کنڑی نثر و نظم

(۱) سیوا اور اُس کے مقامی قایم مقام پیچھم (مغرب) سوما ساکن کرڑکل سے خطاب کر کے، بجا نامی رئیس کی نسبت کلمات دعائیہ۔

(۲) جمبو دیپا کے وسط میں جو سمندر سے گھرا ہوا ہی سونے کا پہاڑ ہی جس کے جنوب میں بھارت کشیترا (ہندوستان) ہی جس پر شاہنشاہ بھلّاما یادو قوم کا حکم راں ہی۔

(۳) اِس کا باج گزار ایک شخص بجّاراسا اول نام کا تھا جو کدمبا خاندان کا تھا جس کا فرزند کاچا اول تھا۔ کاچا اول کا فرزند کبر بجّا دوم تھا جس کی مدح و ثنا میں متعدد اشعار درج ہیں ان اشعار میں کوئی واقعات تاریخی نہیں ہیں سوائے اِس کے کہ وہ مہامنڈلیسور (ویسراے) تھا اور جو اس خطۂ ملک کرڑکل ناڑو پر حکم راں تھا۔ بجّا دوم اور اُس کی رانی واچلا دیوی کا فرزند کاچا دوم نامی تھا۔ کاچا دوم اور سگلّا دیوی سے ایک لڑکا بجّا سوم پیدا ہوا جس کی رانی کا نام ہلّا دیوی تھا۔

(۴) بجّا سوم کے امرا میں ایک شخص ملیّا نایک تھا جس نے کدمبا خاندان کو جو معدوم ہو چلا تھا عروج پر پونچایا اور بجّا سوم کو مرتبۂ عالی ویسراے پر نامزد کیا۔ ملیّا کا دوسرا نام ولایا (سانپ) بھی تھا۔

(۵) ملیّا[2] نایک کی ماں کا نام کاما دوی تھا۔ اُس کے چھوٹے بھائی[3] کا نام اپنا یا نایک تھا اور ملیا نایک

---

[1] لنگسگور سے بالکل ملا ہوا ہی۔ ۱۲

کی بیوی کا نام چنڈا دیوی اور لڑکے کا نام اُنیّا تھا۔ ملیا نایک سیوا کا پیرو تھا۔ اپنے مالک بجّاراسا کے
تحت میں ملیا بطور وزیر کے ضلع کرڑکل ناڑو کا انتظام کرتا تھا۔

(۶) اِس ضلع میں سب سے عمدہ بستی قصبۂ کرڑکل تھی جس میں جس طرف (جاہو نظر اُٹھاکر) دیکھو بے شمار شالیزار کے تختے (کے تختے) ہیں۔ متعدد تالاب پانی سے لبریز۔ (دل خوش کن) کھیت نیشکر کے ہرے بھرے باغات۔ مرفہ الحال لوگ۔ امرا کی بڑھتی ہوئی پودان گنت سیوا کے مناد را ور سایہ دار درختوں کے جھنڈ مبارک ہو! جب کہ بادشاہوں کا بادشاہ پرتاپ چکروتی یادوناراین بھلّاما دیو حکم راں ہی۔ مبارک ہو! جب کہ اُس کا باج گزار ولیبلرے اعظم کدمبا خاندان کا سردار (جس کے متعدد خطابات درج ہیں) مزے سے حکمرانی کر رہا ہی اور اپنی دار السلطنت مدگل ٹپن میں امن چین کی باتیں کر رہا ہی۔

(۷) پرتاب چکروتی یادونارائن بھلّاما کی سلطنت کے سال ششم میں ورودھی کرت سموتسر جیٹھ بد۔ اتوار۔ سورج گرہن و یاتی پاٹ ار[لہ] اس الجدی ملیا نایک وزیر بجّاراسا نے ایک کھیت جو رقبہ میں سو متر تھا ایک لنگایت ساکن کرڑکل سے خرید کر کے سپیم سو منا تھ دیو کی پوجا پاٹ کے لیئے جو خود بخود پیدا ہوا ہی اور جو ابد الآباد سے ہی نذر دیا۔

(۸) اس فقرہ میں مذکورۂ بالا کھیت کی حدود اربعہ درج ہیں اور اُس کی تقسیم کی صراحت ہی اور آخر میں حسب معمول اس پر عمل نہ کرنے والے کے لیئے کلمات تہدید درج ہیں۔

مسٹر شاستری جنھوں نے اس کتبہ کو پڑھا ہی اُن کے ریمارک۔

یہ کتبہ بلحاظ واقعات تاریخی کے نہایت اہم ہی۔ پہلے پہل اسی کتبہ سے خاندان یادو کے بھلاما راجہ کی صحیح تاریخ کا پتہ چلتا ہی اور یہی تاریخ گدگ کی ایک دفتری سند میں بھی درج ہی لیکن مزید برآں سرمائی خط استوا Winter solstice اور سلطنت کے سال ششم سے ہم بھلاما کے زمان سلطنت کا صحیح پتہ چلا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر فلیٹ نے گدگ کے کاغذات اور دوسرے کتبوں سے یہ رائے قایم کی ہی کہ بھلّاما ۸۸-۱۱۸۷ء میں تخت پر بیٹھا (بمبئی گزیٹیر خاندان ہاے اضلاع کرناٹک جلد اول حصۂ دوم صفحہ ۵۱۸)

[لہ] کرۂ ارض کے خط استوا سے آفتاب کے سب سے زیادہ فاصلے کے حدود جن کو بلحاظ موسم گرما راس السرطان (اُتریان سورج) اور بلحاظ موسم سرما راس الجدی (دکھینان سورج) کہتے ہیں۔ گرمی میں ۲۱ جون اور جاڑے میں ۲۱ دسمبر کو یہ ہیئت کذائی واقع ہوتی ہی۔

لیکن اس کتبہ کی رو سے صحیح ۸۶-۱۱۸۷ء برآمد ہوتا ہی اور اس لحاظ سے کتبہ کی تاریخ ۱۱۹۱ء (۲۲ جون ۱۱۹۱ء یوم یکشنبہ) ڈاکٹر فلیٹ کے اُس حساب کی رو سے ٹھیرتی ہی جو گدک کے داخلوں سے لیا گیا ہی۔ لیکن خاندان کدمبّا کے بجّار اسا رئیس یا اُس کے آباو اجداد کا پتہ اب تک کسی اور مطبوعہ کاغذات سے نہیں چلا ہی۔

مدریان کوٹ ہٹّی معدن طلا کے قریب مدریان کوٹ ایک مقام ہی جو گرگنہ ٹ اور ہٹّی کے درمیان واقع ہی یہاں قدیم زمانہ کی سنگ سیاہ کی ایک بہت بڑی گڑھی ہی جس کا ٹوٹا پھوٹا حصار اب بھی موجود ہی۔ اس گڑھی کے رہے سہے پتھر والی سمستان گرگنہ ٹ نے دو ہزار روپیہ میں معدنیات کو فروخت کر دیئے جس سے اُنھوں نے ایک جدید تالاب بنالیا اور اس طرح گڑھی کی قدیم یادگار مٹ گئی اب صرف ایک طرف کی دیوار باقی رہ گئی ہی۔ یہاں کے دو کتبے مسٹر لشپ نے مسٹر شاستری سے پڑھوا کر مجھ کو دیئے جو بلحاظ قدیم تاریخی واقعات کے نہایت نادر ہیں۔ ہم اُن کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(پہلا کتبہ) اس کتبہ کی تین بالائی سطرین بالکل مٹ گئی ہیں اُس کے بعد کا ترجمہ یہ ہی۔

ان میں ایک سطر سنسکرت زبان میں ہی اور باقی کنڑی میں جن میں راجہ ترِبھون ملّا کی مدح و ثنا ہیں ہیں جو مغربی چلوکیا خاندان کلیان (حیدرآباد دکن) کا مشہور راجہ وکرماجیت ششم تھا جس نے ۱۰۷۶ء سے ۱۱۲۵ء تک سلطنت کی ہی۔ اس کی دارالسلطنت کلیان نلے وِیڑو کا ذکر ہی۔ دس سے بارھویں سطر میں راجہ کی سب سے بڑی رانی چاندلا دیوی[۱] کا ذکر ہی جو نہایت حسین عورت تھی۔ بلھانا نے بیان کیا ہی کہ اس رانی نے سوایم ورا کی ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی تھی جہاں اطراف و اکناف کے بہت سے راجہ جمع ہوے۔ ان میں سے رانی نے چلوکیا خاندان کے راج کنور وکرماجیت کو پسند کرکے اُس کے گلے میں شادی کا ہار ڈال دیا۔ رانی نے کلپیسور مدگنور کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کے لئے عطیات دیئے جس کی تفصیل اس جگہ کے حروف مٹ جانے سے نہیں کی جا سکتی پندرھویں سطر میں کتبہ کا سنہ چلوکیا بکرماسمّت (۱۹) مطابق سال بھاو الپشیا سدی (۸) دوشنبہ اُتریانا سکرانتی درج ہی جو تخمینی طور پر ۹۵-۱۰۹۴ء قرار پاتا ہی۔ سطر ۱۷ تا ۱۹ میں کالاچوریا خاندان کے ایک اور راجہ کی تعریف درج ہی جو غالباً راجہ بکرماجیت کا باج گزار تھا۔ اس کے بعد کی عبارت بالکل مٹ گئی ہی اور پڑھے جانے کے قابل نہیں رہی۔

---

[۱] اس رانی کے حسن و جمال کا آوازہ چاردانگ عالم میں مشہور تھا حتیٰ کہ کشمیر کا راجہ ہری کشن بھی اس پر فریفتہ تھا۔ ۱۳

دوسرا کتبہ مدریان کوٹ کی گڑھی کے ایک ستون پر کنڑی زبان میں ہی یہ ایک بہت پرانا کتبہ تر لوک ملادیو
مغربی چلوکیا خاندان کے زمانہ کا ہی جس پر سکے سمت ۹۴۷ نندنا چیت ماس گیارھویں تاریخ بدھ اتوار کا دن
منقوش ہی جو تخمینی طور پر سنہ ۱۰۵۲ء سے منطبق ہوتا ہی۔ اس کتبے کے اوائل میں ایک بڑے رشی کی مدح و ثنا ہی جو
بلحاظ اپنے تقدس کے گویا خود نارائن تھا۔ یہ شخص شیوا کا پیرو تھا اور بڑا صاحب کمال و کرامت تھا اپنی بات کا
دھنی قول کا صادق۔ دانش مند۔ مخیر نیک متقی و ماہر جملہ علوم میں ایک درخشندہ جوہر تھا۔ اس کے
بعد کرڈکل کے ایک تاجر کے نام کے عطیہ کا ذکر ہی (کرڈکل لنگسگور کے پاس ہی جس کا دوسرا نام جگدیکا
ملیسور ورڈیورا پورا بھی ہی) یہ عطیہ غالباً اس دیول کے متعلق تھا جو راجہ نے خود بنایا تھا جس کا دار الخلافہ
منٹا والا میں تھا۔ عطیہ (۲۵) مَٹ اراضی ریگڑ (کالی زمین) دو مَٹ زمین تری۔ باغ کی زمین اور ایک درخت
آم پر مشتمل ہی۔ آٹھوں حقوق ان اراضی کی ملکیت کے تاجر مذکور نے جگدیکا ملیسور دیو کے نام منتقل کر دئے
غالباً اس دیول میں وہی رشی رہتا تھا جس کی تعریف اوپر آ چکی ہی۔ تاجر کو بالذات کوئی حق تصرف باقی نہ
تھا بجز اس کے کہ دیول کے پروہت کے تابع رہے۔ وہ حقوق زر جرمانہ و تاوان و محصولات نقد و جنس
کی قسم کے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس خطۂ اراضی پر زد و ضرب کرے تو اس کو (۱۲) پنا
(قریب دو آنے) مالک اراضی کو جرمانہ دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص کسی کو تلوار سے چھوے تو اس کو
تین گڑیانا جرمانہ دینا ہوگا۔ جو چیز جوتیوں پر رکھنے کے قابل ہی اگر وہ پان پر رکھ دی جاوے یعنی مستحق شخص کی
عزت و توقیر کی جاوے اور جو اس کے لایق ہی اس سے چشم پوشی یعنی وضع الشی فی غیر محلہ تو چھ پنے جرمانہ
ہوگا اور علاوہ اس کے ہر گڑیانے پر ایک پاگا بھی وصول کرکے راجہ کو بطور ٹیکس کے دیا جاوے گا اور علاوہ
اس کے ہر گڑیانے پر ایک پاگا تسا داپا نڈا اور سنگوٹی کی بابت لیا جاوے گا البتہ پانڈے کے ہر گڑیانے پر ایک
پر کھا یا بھی وصول کیا جاوے گا۔ غلّہ کے متعلق جب بعد دروفصل ایک کولگا حق مالکانہ کیل ہو یا کوئی شخص
ایک رولگا غلہ خرید کرے تو اس قسم کی غلّہ کی ہر ناپ پر دو بلّا اور ستو پان محصول دینا ہوگا۔ غلے کے ہر بوجھے پر
(جو آدمی سر پر لے جاتا ہی) ایک پنا از قسم وساوند امساوی ہوگا (۲۵) پانوں کے تمام اقسام کی ڈلی۔

ل۵ کولگا اور بلّا دونوں ناپ غلہ کے ہیں جن کا رواج اب تک ہی جیسے پائلی اور سولگا۔ من کا لفظ جو استعمال ہوا ہی اس سے چالیس سیر کا
من مراد نہیں ہی بلکہ اُس زمانہ کی کوئی چھوٹی ناپ ہوگی چنانچہ اب بھی دکن میں گھی اور شکر کا من بارہ سیر کا ہی اور بمبئی میں من صرف پاؤ بھر کا ہی ہی
سپاری۔ چھالیہ ڈلی میں کھوپرا ناریل اور مونگ پھلی وغیرہ ایسی اشیا بھی شامل ہیں جن پر سخت چھلکا ہو ۱۲۔

سپاری۔ چھالیہ مثلاً نیلا اوٹی وغیرہ ایک پکا مال قیمت فی گوڑیا تے پر لیا جائے گا...... تاجر مذکور کا فرض ہوگا کہ بہ متابعت حکم راجہ اس قصبہ میں صرف آسودہ لوگوں کے مکانات کی نشان دہی کرے۔ دکان کی حدود سے مراد دکان کے اندرونی مسقف حصہ سے ہے۔ کسی تاجر کا وہ مال جو ناکارہ ہو اُس پر کوئی محصول نہ لیا جائے گا اُس تاجر کے بھی کچھ خاص حقوق تھے پان کے ہر بوجھ پر اُسے سو پان ملتے تھے اور آدمی کے بوجھے پر پچاس غلہ میں اُسے نصف من ہر بھینسے کے بوجھے پر اور دو من چھوٹے بیل کے بوجھے پر چھالیہ وغیرہ کے ایک بار خر پر (۲۵) اور جب کہ دُھری گونی ہو تو (۱۲) چھالیہ ملتی تھیں۔ کتبہ کے آخری حصہ میں کلمات تہدید ہیں کہ جو ہماری خیرات دی ہوئی زمین کو لے گا وہ ساٹھ ہزار برس تک کیڑے کے جنم میں رہے گا۔ اُن زمینات پر جو معافی ہیں تشخیص جمع کرنا ایسا ہے کہ گویا ایک ہزار گئو ماتا کو ذبح کیا اور اسی طرح خصولی اراضی کا لگان معاف کر دینا اُس شخص کے لیئے ایسا ثواب ہے کہ گویا ایک کروڑ گئو ماتا کا پُن کیا۔

قصبہ مسکی ضلع رائچور میں اسوکا کا ایڈکٹ

لنگسگور سے مسکی (۱۰) میل ہے۔ حال میں[1] مسٹر بیڈن نے جو معدنیات کے ایک ملازم ہیں اِس پتھر کو پہلے پہل دیکھا اور اُنھیں کے ساتھ میں نے بھی ۱۰ر فروری ۱۹۱۵ء کو اس پتھر کو دیکھا۔ یہ پتھر مسکی کے متصل پہاڑ کے سرے پر ایک بڑی بھاری کھوہ کے اندر ہے جس پر قدرتی ایک بڑی لمبی چوڑی سل پٹی ہوئی ہے پتھر ایک معمولی بے تراشا ہوا گنڈہ ہے جو ۹ فٹ لمبا اور (۵) فیٹ عریض ہے اس پر ساتھ آٹھ سطریں چیدہ چیدہ حروف کی کندہ ہیں۔ یہ حروف Hieroglyphic وضع کی بہت پُرانی کتابت کے جدا جدا ہیں اور قدیم سنسکرت پراکرت زبان کے ہیں۔ اس کا ایک چربہ مسٹر بشپ ملازم محکمہ معدنیات نے مسٹر شاستری ماہر فن آثار قدیمہ مدراس گورنمنٹ کے پاس بھیج دیا اور میں نے بذریعہ مسٹر حیدری ہوم سکریٹری مسٹر یزدانی۔ ایم۔ اے مہتمم آثار قدیمہ نظام گورنمنٹ کے پاس بھیجا مسٹر شاستری کی تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ کتبہ بہت نادر الوجود اور قابل قدر اسوکا کا ایڈکٹ (فرمان) ہے پہلے مسٹر یزدانی نے آکر اس کو دیکھا اور ماہ جولائی ۱۹۱۵ء خاص طور پر مسٹر شاستری نے آکر دیکھا۔ اسوکا خاندان موریا مگدھ (بنگال) کا مشہور بادشاہ تھا جو بودھ مذہب کا بڑا بھاری حامی تھا جس کے مذہبی فرامین سرحد صوبہ ہند سے لے کر جنوبی ہند میں میسور تک مختلف مقامات پر پائے گئے ہیں۔ اس کے احکام و فرامین واضح مقامات پر

[1] اسوکا کے جدید ایڈکٹ کی دریافت نے تمام ہندوستان میں سنسنی پھیلا دی ہے پہلے مولوی محمد یزدانی صاحب ایم۔ اے ناظم آثار قدیمہ سرکار نظام نے تشریف لاکر دیکھا بعد مسٹر شاستری مدراس سے آئے اور انگریزی اخباروں میں اس کتبے کے متعلق بہت کچھ لکھا پڑھی ہورہی ہے۔ ۱۲

کندہ کئے جاتے تھے مثلاً ستونوں پر جیسے کہ دہلی میں اِس وقت اسوکا کا آہنی ستون موجود ہی۔ ان فرامین میں اسوکا کو عموماً "دیوتم پی آ" (برگزیدۂ رب) اور "پی آواسی" (سب کا خیر اندیش) کے القاب سے مخاطب کیا گیا ہی۔ فرنچ پروفیسر سینار Senart نے جو مذہب بودھ کے بڑے ماہر اور مستند عالم ہیں بہت کچھ کاوش اور تدقیق و تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا ہی کہ ان القاب کا مشارٌ الیہ لامحالہ چندر گپت کے پوتے اسوکا کے سوائے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ مسکی کے نو دریافت شدہ ایڈکٹ کے کتبہ سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ دیوتم پی آ کے لقب کے ساتھ ہی لفظ اسوکا بھی کندہ ہی۔ اس فرمان میں کوئی سال درج نہیں ہی لیکن اسوکا کے زمانے دوسرے متعدد فرمانوں سے جو ضبط تحریر میں آچکے ہیں اُن سے صاف طور پر قرار پا چکا ہی کہ اسوکا کا زمانہ (۲۱۸) سال قبل مسیح کے تھا۔ مسکی کا فرمان اپنے مضمون اور طرز کتابت کے اعتبار سے بالکل اسوکا کے اُن فرامین کے مماثل ہی جو شہسرام اور روپ ناتھ مقامات پر ملک بہار میں دستیاب ہوئے ہیں اور مسکی والا فرمان بظن غالب اسوکا کے اوائل زمان سلطنت کا ہی۔ فرمان کا پورا اور صحیح ترجمہ اِس وجہ سے ناممکن ہی کہ جابجا سے درمیانی حروف محو ہو گئے ہیں لیکن اسوکا کے دریافت شدہ کتبوں کے مضامین کو پیش نظر رکھ کر مسٹر شاستری نے جو ترجمہ گورنمنٹ میں پیش کیا ہی وہ بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہی اور اگرچہ عبارت مسلسل نہ پڑھی جا سکے مگر سیاق عبارت سے جو تکمیل مسٹر موصوف نے کی ہی وہ بالکل قرین قیاس ہی اور جتنی عبارت واضح اور موجود ہی اُس کے دیکھنے سے مسٹر شاستری نے جو عبارت کا جوڑ ملایا ہی وہ نہایت ہی باموقع اور موزوں پایا جاتا ہی اور پتھر پر جو عبارت اِس وقت موجود ہی اُس کا صحیح مفہوم یہی ہی جو ذیل میں لکھا جاتا ہی اور اِس کی تصدیق ہر ماہر فن کر سکتا ہی۔

سطر

(۱) دیونَمْ پی آسا اسوکا .... (ا) ڈھ۔ت (تی)
(۲) (یا) نی دَساتِی یَمْ اَمْ سُمی بُجُھمْ پا شکے .... ترے کے
(۳) (سُ) می سَنگھا اُواگتے با (ڑھنچہ) سُ (می) پُرے جَمبُو
(۴) (دیپا) سا ...... دیوا ہُسُو تے دانی نسی بھُوتا اِہی اُ اُٹھے کھُدا
(۵) کے ناہی وَدھمایوتے نا سکے اَدھی گُتا دے نہ ہے وَم دَکھی توی یے اُڈا۔

ل۵ لفظاً اور معناً غلط ہی اُپاسکے چاہیے۔ ۱۲

(۶) نکھے وَہْ اِما اِدھی گچھےّ یاتی کھُدا کے جاؤُڈالا کے جاؤتا۔

(۷) وی یاہے وُم وے کالم ُتھمُّا داکھے ٹھے ٹی . . . . ت۔ک جاؤُڈھی۔

(۸) سِتی جادی یاڈھی یاہے ستی۔

لفظی ترجمہ

(۱) خدا کے پیارے اسوکا کا . . . . ڈھ۔ت (ڈھ کے اول آمٹ گیا ہی اور سطر اول کی ت اور دوسری سطر کی نی کے درمیان ایک حرف مفقود ہی سیاق عبارت سے وہ یا ہوتا ہی۔ اس طرح پورا جملہ اڈھی تیانی ہوتا ہی جس کے معنے ڈہائی سال ہیں۔

(۲) ڈھائی برس تک میں نے ذوق شوق سے ریاضت کی۔

(۳) میں بودھ سنّاسیوں کے حلقۂ صحبت میں جا شامل ہوا اور درحقیقت اُن میں جا ملا (اور بحث مباحثے کرتا رہا) سابق میں ملک ہند میں۔

(۴) جو لوگ خدارسیدہ کہے جاتے تھے وہ تو جھوٹے نکلے۔ یہہ مقصد۔

(۵) چھوٹا آدمی حاصل نہیں کرسکتا۔ کیوں کیا یہہ صحیح ہی! جو شخص مذہبی معاملات میں گھُس جاے گا اُس کو یہہ مدعا حاصل ہوسکے گا۔

(۵ و ۶) صرف بڑے ہی آدمیوں کو یہہ مرتبہ مل سکتا ہی۔ اِس نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔

(۶ و ۷) اس بات کی بڑے اور چھوٹے (دونوں قسم کے) آدمیوں کو خبر کرنی چاہئے۔

(۷ و ۸) اور خدا کرے کہ (یہہ احکام) پھلیں پھولیں اور ڈیوڑھے ہو جائیں (یعنی بڑھیں اور ترقی کریں)

اصل عبارت کی ساتویں سطر میں جو تھُبا کا لفظ آیا ہی اُس کے معنی کھم یا ستون کے ہیں اور ساری عبارت خط کشیدہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا لیکن اسوکا کے دوسرے فرامین پر سے مطلب یہہ نکالا جاسکتا ہی کہ چوں کہ دوسرے فرامین کھموں اور ستونوں پر کندہ کرانے کا حکم تھا یہاں بھی وہی مطلب ہوگا۔

مطلب

اسوکا کے اسی قسم کے اور کتبے بھی ہیں اس کتبہ کا مطلب یہہ ہی کہ اسوکا ڈھائی برس سے کچھ زیادہ

عرصہ تک بطور خود بودھ مذہب کی پیروی کرتا رہا لیکن اس سے کچھ تشفی و اطمینان قلب حاصل نہ ہونے سے اسوکا بودھ مذہب کے سنیاسیوں کے حلقے میں جا ملا اور بڑی جدوجہد سے اُن سے بحث مباحثہ کرتا رہا۔ تب اسوکا پر یہ حقیقت کھلی کہ اس وقت ملک ہندوستان میں جو لوگ راست باز اور راسخ الاعتقاد خیال کیئے جاتے تھے اور جن کا مرتبہ دیوتاؤں کا تھا وہ نرے جھوٹے نکلے۔ اسوکا نے عام طور پر اعلان کیا کہ چھوٹے چھوٹے لوگ بھی جو پوری طرح ریاضت کریں تو وہ خود اس قول کی سچائی کو معلوم کرلیں گے۔

راہ طریقت میں بڑے اور چھوٹے آدمیوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے (یعنی دونوں یکساں ہیں جو محنت کرے گا پھل پائے گا) اس لیئے اسوکا نے عام طور پر اعلان کیا کہ بڑے اور چھوٹے آدمیوں کو یکساں کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وہ اس درجۂ (فنا فی اللہ) پر پونہچیں اسوکا نے یہ بھی حکم دیا کہ اس فرمان کو ستونوں اور پہاڑ کی چٹانوں پر کندہ کرکے عوام الناس کو آگاہ کیا جاے۔ خاتمہ پر اس فرمان کے لئے دعاے خیر کی ہے کہ یہ فرمان نہ صرف پھلے پھولے بلکہ ڈیوڑھا ہو کر پھلے پھولے۔

مسکی کے جس پہاڑ کی کھوہ میں یہ کتبہ ہے اُس پہاڑ پر جا بجا سونے کے پتھر ملتے ہیں اور اُن کے دھونے اور چھاننے کے علامات موجود ہیں اور اسوکا کے دوسرے کتبوں میں جو ملک دکن میں سُورنگیری (طلائی) پہاڑ لکھا ہے غالباً وہ یہی تھا کیوں کہ اس نواح میں پہلے سونا نکالا جا چکا ہے جیسا کہ مسٹر ڈگلس ہیڈ منیجر معدن طلائے ہٹی نے زمین میں سرنگیں لگاتے وقت علامات پائی ہیں۔ اور ہٹی کی معدن طلا بھی یہاں سے قریب ہے اور اس سارے پہاڑی سلسلہ مواضع توپل دڈی۔ وندلی۔ ہٹی۔ سانبال اور مسکی میں سب جگہ سونا اور دوسرے معدنیات موجود ہیں چنانچہ مسٹر ہیڈن ایک عرصہ سے مسکی میں اسی کی تلاش کر رہے ہیں اور مسکی کے اطراف آزمایشی گڑھے کھود کھود کر زمین کی نوعیت دیکھ رہے ہیں۔

گنگاوتی گنگاوتی کا ذکر اسی کتاب میں مجملاً آچکا ہی۔ یہ ضلع رائچور کی ایک تحصیل ہی جو دریائے تنگ بھدرا سے (۵) میل ہٹ کر ہے اور بیجانگر کی تباہ شدہ سلطنت کے پاس ہی یہاں ذیل کے کتبے ہیں۔
بستی کے متصل ایک بلند پہاڑ پر حضرت مولی علی کا چلّہ بنا ہوا ہی اُس پر یہ کتبہ ہی:۔

علیٌ حبہ جنۃ	**هُوَ العَظِیمُ**	قسیم النار و الجنۃ
تھی غلام حسین صاحب علم و حیا آں کہ عقیدت گزین معدن جود و سخا	جُست چو تاریخ او داد ندا ہاتفم ہست علی ولی مالک ہر دو سرا ۱۲۵۸ھ	[illegible] [illegible]
وصی المصطفی حقا	ہست چو صف افگن الدولہ و سلطان نواز ملک بہادر چو کرد نام او ناصر عطا	امام الانس والجن

بیرون آبادی بھیکو میاں کی مسجد پر یہ دو کتبے ہیں

(۱) رکن رئیس دکن معدن جود و کرام — ہست غلام حسین صف فگن الدولہ نام
کردہ چو مسجد بنا از سر صدق و صفا — بہر عبادت چو در چہارم ماہ صیام
جُست چو تاریخ آن عقل زبیر خرد — گفت کہ این مسجد ہست ثانی بیت الحرام
سنہ ۱۲۵۳ھ

بر محراب درمیانی بخط عربی

(۲)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم — وافوض امری الی اللّٰہ

اللّٰہ

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ

اَحَدًا

لا الٰہ الا اللّٰہ — محمد رسول اللّٰہ

گنگاوتی میں ایک عالی شان مسجد زمانۂ سلف کی پختہ بنی ہوئی نہایت خوش نما اور مرتفع چبوترے پر بیرون آبادی گنگاوتی و موضع جنبگل کلاں کے درمیان ہے جس کی تین محرابیں ہیں۔ اندرون مسجد دو کتبہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جانب دست راست۔

ابوبکر	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	عمر
	وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا سنہ ۱۲۵۳ھ	
عثمان	لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ	علی

(۲) جانب دست چپ طغرائے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ جیسا کہ رائچور کی جامع مسجد بیرون قلعہ پر ہے دیکھو فوٹو محاذی صفحہ ۳۴۸ حصۂ سوم۔

دیودرگ

ضلع رائچور کی ایک تحصیل ہے جو مستقر ضلع سے (۳۴) میل ہے۔ ایک مرتفع پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ درگ کے معنی قلعہ کے ہیں جیسے نلدرگ۔ جلدرگ۔ وغیرہ لیکن یہاں اب قلعہ کا وجود نہیں رہا مگر قصبۂ دیودرگ کے جانب شرق ختم آبادی پر جو ایک بلند پہاڑ ہے اُس کو امرتین گڈا اور قلعہ کا پہاڑ بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی دوسری جانب گورم پیٹ کی آبادی ہے جس کو دیودرگ کا ایک محلہ سمجھنا چاہئے۔ یہ پہاڑ دیودرگ کے سب پہاڑوں سے اونچا ہے اس پر اب بھی چند شکستہ دیواریں اور ایک دروازے کی علامات باقی ہیں۔ برج کوئی نہیں رہا۔ بریں ہم ان منہدمہ دیواروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں قلعہ ہوگا۔ پہاڑ پر ایک قدرتی چشمہ بھی ہے۔ اس پہاڑ کے ایک بڑے گنڈ پر ۲ ¼ × اگز ہے اس پر بخط کنڑی سولہ سطریں کندہ ہیں جن کا ترجمہ مسٹر شاستری نے حسب ذیل کیا ہے۔

اس کتبہ کے اوائل میں گندپیتی (وہ دیو جو سب کا محافظ اور موانع کا دفع کرنے والا ہے) کی تعریف ہے۔ مابعد کی عبارت سنسکرت میں ناظرین کے حق میں دعا ہے کہ ان کی عمریں درونا (جو اسوا تھا

من کا دیوہی) کے فرزند کی طرح دراز ہوں اور دسرتھ (جو سورج بنسی خاندان کا راجہ تھا) کی طرح کامیاب اور دشمنوں کی بربادی راگھو (یعنی رام چندرجی) کی طرح۔ تمول نہوشا (ایک داستانی بادشاہ) کا سا آزادانہ بے روک ٹوک زندگانی مثل ہوا کے دیوتا کے۔ ذاتی بھروسہ مثل دریودھن (مہابھارت کا ہیرو) شجاعت و جواں مردی مثل سانتنا وا (مہابھارت کا بھیشم) قوت و طاقت ہل اٹھانے والے (بلرام کشنا کے بڑے بھائی) کی طرح سچائی اور راست بازی مثل کنتی کے فرزند (مہابھارت کے دھرم راج کے) علم مثل ویدور (مہابھارت کا مشہور ہیرو) کے اور نارائن (یعنی وشنو) کی سی شہرت۔

فتح مندی اور ترقی کے سالوں شالیواہن سکے ۱۶۱۲ پرمادوت (سنہ ۹۱-۱۶۹۰ع) منگل کے دن گیارھویں تاریخ سراون بدھ یہ قولنامہ تحریر ہوا۔

کہ گوپال گوڑا ساکن اریکری (تعلقہ دیورگ کا ایک موضع ہی) کا متمول فرزند تمن گوڑا نامی تھا۔ جس کا فرزند چکا کا سلے گوڑا تھا۔ یہہ سردار دیسائی اور سردیسائیوں سے ایک معمول (ترا) وصول کیا کرتا تھا .... معاملہ (تعلقہ) رایچور میں (جو غالباً ان اغراض کے لئے تھا۔

متمول کا سلے گوڑا نے نل نام سچھر (مطابق سنہ ۱۶۷۴ع) میں دیو درگ میں ایک تالاب بنوایا اور ایک گڑھی بگلا (کچھڑی) نذر چڑھانے کے بعد (نظر بد سے بچنے کے لئے دان دیا جاتا ہی) بنائی اور خوب صورت دیو گوپال کشن کو قایم کیا۔ پیٹھ قایم کرکے (ہفتہ واری) بازار بھروایا۔ تب اس نے دیودرگ کو آباد کیا۔ کا سلے گوڑا کے فرزند یہہ تھے۔ گوڑپا۔ نارائن۔ واسدیو۔ ہریویرا۔ سمالا دھرالا دیو۔ اُنی کارا۔ اور چکا کملا دھارا۔

اس کی لڑکیاں یہہ تھیں۔ دیرقا۔ تمّوا۔ کیسوا۔ کنشٹما۔ ستروا۔ وردوا۔ اور رنگما۔ اس کی بیویاں یہہ تھیں۔ یرّوا۔ کنشموا۔ اور ونگوا۔

دوسری دوسطریں اس کتبہ کی کنڑی زبان میں ہیں جن کی عبارت صحیح نہیں ہی مگر مطلب یہہ نکلتا ہی۔

(۱) سورپور کی طرح اس دیو درگ کو خوب صورت بنایا جس کی فصیل ایسی عالی شان اور بلند تھی جیسی کہ دیوتاؤں کے شہر کی۔ بڑی عالی شان ڈیوڑھی کے مشرقی جانب بلند مقام پر تالاب اور اُس کے عقب میں ایک نہایت خوش نما باغ ہی۔ دارالامارہ کے قریب اور اطراف میں پہاڑ ہیں۔

محل کے احاطے کی چار دیواری دیکھ کر الکا (دولت کے دیوتا کی بستی) کا سماں نظروں تلے پھر جاتا ہے۔
(۲) پہاڑ پر کی گڑھی چک کسا ہندرا کی بنائی ہوئی ہے جو تین پہاڑوں کی چوٹیوں کے درمیان آباد ہے۔ دامن کوہ سے گڑھی تک ہرے بھرے خوش نما باغات اور درختوں کے جھنڈوں سبزہ زار اور بیلوں میں پانی کی نہریں دوڑتی تھیں۔ اس کے بعد کی کنڑی عبارت چکا کسا ہندرا کے حق میں کلمات دعائیہ معلوم دیتے ہیں لیکن عبارت غیر مربوط اور پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی اس کے بعد کی عبارت بھی کچھ ایسی ہی اُلٹ پلٹ ہے جس میں وشنو اور شیو دیوتا کی مدح و ثنا ہے اور جس میں گڑھی کے قیام اور آفات و بلیات سے محفوظ رہنے کی دعائیں ہیں۔ آخری عبارت میں کچھ مسلمانوں کا تذکرہ معلوم دیتا ہے مگر وہ بھی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔ خلاصہ یہ ہے برہمہ کی عمر عطا ہو۔ سری کشن سے دعا مانگتے ہیں کہ یہ شہر چاند اور تاروں کے قیام تک دایم و قایم رہے چک کا سلے گوڑا کے گھوڑے کی نگہداشت کرنے والا خادم ہرا گوپال کشن سے دعا گو ہے کہ دیوتا اور راکھشش سے زیادہ قوی کرے خوشی کے ساتھ ان کو دار الامارہ میں پرورش کرے۔ سری کشن کے خادم جو ہمیشہ دعا کرنے والے اور مشہور بہادروں پر فتح پانے والے بے انتہا دولت مند سورج کی طرح روشن اور دراز عمر رہیں اور مہا دیو کی عنایت سے ہمیشہ ان کی جے رہے۔ اس کتبہ کی شکل یہ ہے۔

مورت اننت سین وشنو

کتبہ (۱۶) سطر
جس کا ترجمہ اوپر درج کیا گیا ہے۔

مورت مچھلی اور ناگ اور دو پریوں اور ہنومان کی

۵۵

سانپ اور دو ہاتھیوں کی مورتیں۔

کتبہ چھ سطر جو کسی سے پڑھا نہیں جاتا

مورت کورم اور دو ہاتھی

مسجد آبادی سے ملی ہوئی پولس سٹیشن ہوس کے عقب میں ایک قدیم مسجد زمانۂ شاہی کی نہایت خوش نما بلند کرسی کی ہی جس کے سامنے تین بلند کمانیں نقار خانے کی ہیں باقی کمانیں اور حصار بنتے بنتے رہ گیا اس مسجد کے اندر منبر کے پاس یہ کتبہ ہی۔

۴	۲	۳
۴	۱۰	۸
۹	۷	۶
۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

اللہ محمد علی عثمان
ابوبکر
بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴	۲ ۱	۳
۹	۱۰	۸
	۷ ۶	
۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْخَلَائِقِ وَ اَفْضَلِ الْبَشَرِ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ الصَّالِحِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔

اس مسجد کے شمالی جانب اترنے کی ایک بستہ ہی باؤلی ہی جس میں تہ تک سیڑھیاں ہیں۔

کتبہ بر توم تالاب میاں صاحب خیریت آباد حیدر آباد دکن

ہموارہ ہمت والا نہمت علیا حضرت سعادت افزاے خانزادان عفت وقار خانم آغا بیست میر مقصود علی طباطبائی ارتفاع ارکان اتمام رفاہیت جمہور انام از طبقۂ خاص وطائفۂ عوام بہ دل مصروف است بنا برین بہ نظر اعتبار بر خواتم امور و عواقب کار گماشتہ حوض بہ نیت خیر آباد معمار کردہ جودش کہ اضافت ذی حیات آسائش یابند و ثواب آں تا قیام قیامت بروزگار باقی و ساعی عاید و راجع باشد۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند ۔ کہ ہستی را نمی بینم بقاے

۱۰۳۴ھ

مختصر تاریخی حالات مملکت نظام

سلطنت آصف جاہی اس سلطنت ابد پیوند آصفیہ کی بنیاد آصف جاہ بہادر نے ڈالی جو اورنگ زیب کے ایک بڑے جنرل اور اصلاً ترکمان تھے ایک مدت تک دربار دہلی میں رہنے کے بعد جہاں ان کی شہرت امورات رزم و ملک رانی کے متعلق عام تھی ان کا تقرر صوبہ داری دکن پر ۱۷۱۳ء میں ہوا اور لقب نظام الملکی سے ممتاز ہوئے جو اس وقت تک اس خاندان عظیم الشان میں جاری ہے۔ سلطنت مغلیہ کی حالت اس وقت بہ سبب اندرونی مخالفتوں اور بیرونی حملوں کے نہایت مخدوش تھی ایسی حالت اغتشاش میں آصف جاہ بہادر کو دہلی کے کمزور اور تنزل نصیب بادشاہوں کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری کے اظہار میں کوئی دقت پیش نہیں آئی لیکن ان کو مرہٹوں کی مداخلتوں کی مدافعت کرنی پڑی جو ان کی ریاست جدید کے مغرب کی جانب رخنہ انگن ہو رہے تھے۔ اُن کی خود مختاری نے دربار دہلی میں آتش رشک و حسد کو مشتعل کر دیا اور دربار کے بعض اُمرا نے خفیہ طور پر مبارز خاں حاکم خاندیس کو ان کی مدافعت کے لئے آمادہ کیا کہ بزور سلاح ان کو مقہور کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موضع شکر کھیڑ (ضلع بلڈانہ ملک برار) کے قریب ۱۷۲۴ء میں جنگ ہوئی جس میں مبارز خاں کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا اس جنگ نے آصف جاہ بہادر کی خود مختاری کو بالکل مستقل کر دیا اور صوبہ برار بھی ضمیمۂ ریاست دکن ہو گیا اور نواب آصف جاہ بہادر نے حیدرآباد کو اپنا مستقر سلطنت قرار دیا وہ اپنے انتقال کے وقت جو ۱۷۴۸ء میں وقوع پذیر ہوا ایک مستقل اور خود مختار بادشاہ تھے جن کی سلطنت موجودہ مملکت اور صوبہ برار دونوں پر مشتمل تھی۔

فرانسیس اور انگریز ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ثانی ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ دونوں دعویدار سلطنت ہوئے اس وقت دو بڑی یورپین سلطنتیں انگلستان و فرانس کی ہندوستان میں کوشش کر رہی تھیں کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں۔ چنانچہ ان دونوں

دعویداران سلطنت دکن نے اُن دونوں یورپین طاقتوں سے کمک چاہی ناصر جنگ کے دعوے کی تائید سلطنت انگلینڈ نے کی اور مظفر جنگ کو فرانسیسیوں نے کمک دی۔ لڑائی میں مظفر جنگ اپنے ماموں کے ہاتھ سے مقید ہو گئے لیکن ناصر جنگ کے شہید ہو جانے کے بعد مظفر جنگ بادشاہ ہو گئے۔ ڈپلے فرانسیسی گورنر نظام حیدر آباد کے اقتدرات کا منتظم قرار پایا مگر اس زمانہ میں مظفر جنگ کو کسی پٹھان نے قتل کیا اور فرانسیسیوں نے نواب صلابت جنگ کو جو ناصر جنگ کے بھائی تھے۔ سلطنت کے لئے انتخاب کیا۔ نواب غازی الدین فرزند اکبر نواب آصف جاہ مرحوم جن کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ ابتدا میں اپنے حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے اس وقت مرہٹوں کی کمک سے دعویدار ریاست ہوئے لیکن ان کی ناگہانی موت نے آئندہ کے جھگڑوں کو نمود ہونے سے باز رکھا۔ انگریز اور فرانسیسی اس وقت دکن میں اپنے اقتدارات کے بڑھانے میں کمال درجہ کوشاں تھے۔ لیکن کرناٹک میں کلائیو کی نمایاں فتوحات نے فرانسیسیوں کو اپنی توجہ اپنے مقبوضات کی طرف پھیرنے پر مجبور کیا اور صلابت جنگ کو وہ اپنی حالت پر چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ نواب نظام علی خاں بہادر فرزند چہارم نواب آصف جاہ مرحوم نے اس وقت انگریزوں کی کمک اس شرط پر حاصل کی کہ فرانسیسیوں کو بالکل اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیں صلابت جنگ کو ۱۷۶۱ء میں تخت سے اُتار دیا گیا اور نواب نظام علی خاں بہادر تخت نشین ہوئے۔

تفویض سرکار شمالی ۱۷۶۶ء میں شمالی سرکار انگریزوں کو اس شرط پر تفویض کی گئی کہ بوقت جنگ انگریز فوجی کمک نواب نظام علی خاں بہادر کو دیں اور سرکار نظام کو سالانہ چھ لاکھ روپیہ اُس وقت دیا کریں جب کہ فوجی کمک کی ضرورت نہ ہو اور سرکار نظام کی طرف سے یہ وعدہ ہوا تھا کہ بوقت ضرورت انگریزوں کی مدد اپنی فوج سے کریں۔ اس کے بعد ۱۷۶۸ء کا عہدنامہ تکمیل پایا جس میں یہ قرار پایا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب کرناٹک سرکار نظام کو بوقت ضرورت فوجی مدد دیں اور وہ اس فوج کے مصارف کو ادا کریں۔ ۱۷۹۰ء میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں میں لڑائی چھڑ گئی اور ایک عہدنامہ جدالی و دفاعی درمیان سرکار نظام اور انگریزوں اور مرہٹوں کے منعقد ہوا بہرکیف ٹیپو سلطان نے صلح کر لی اور اپنے ملک کے مقبوضہ نصف سے دست بردار ہوا جو متعاہدین میں تقسیم پایا۔ ۱۷۹۸ء میں ایک اور عہدنامہ درمیان سرکار نظام اور انگریزوں کے مکمل ہوا جس کی رو سے انگریزوں نے چھ ہزار سپاہی کی پیدل فوج اور مناسب تعداد میں توپخانہ سرکار نظام کی خدمت کے لیے مقرر کرنے کا اقرار کیا اور سرکار نظام

سے اس فوج کے مصارف کے لئے چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا اقرار ہوا۔ سرنگ پٹن کے فتح اور ٹیپو سلطان کے مرنے کے بعد سرکار نظام کو حسب عہد نامہ میسور سنہ ۱۷۹۹ء تقسیم ملک مفوضہ سے ایک بڑا حصہ ملا اور اس حصہ کی مقدار آگے سے بھی زیادہ تھی کیوں کہ پیشوا نے اس عہد نامہ سے کنارہ کشی کر لی تھی۔

اضلاع مفوضہ سنہ ۱۸۰۰ء میں ایک جدید عہد نامہ درمیان سرکار نظام و سرکار عظمت مدار ہوا۔ جس کی رو سے لکی فوج کی تعداد میں دو بٹالین پیدل اور ایک رجمنٹ سواروں کا اضافہ کیا گیا اور سرکار نظام نے ان کے مصارف کے لئے وہ کل ملک جو ازروے عہد ناجات سنہ ۱۷۹۲ء و سنہ ۱۷۹۹ء اس کے حصہ میں آیا تھا اور جو بنام ملک مفوضہ مشہور تھا سرکار عظمت مدار کے تفویض فرما دیا اور یہ شرط کی کہ اس کل فوج سے باستثنائے دو بٹالین کے جوانوں کی خاص حفاظت کے لئے مقرر تھیں مع اپنے چھ ہزار پیدل اور نو ہزار سوار کے بوقت جنگ انگریزوں کو مدد دیں۔

مرہٹوں سے جنگ نواب نظام علی خاں بہادر کی طبیعت سنہ ۱۸۰۳ء میں ناساز ہوئی اور سرکار عظمت مدار نے جو باجی راؤ پیشوا کو دوبارہ مسند نشین کیا تھا اس سے سندھیا اور ہولکر نے مایوس ہو کر جنگ کا تہیہ کیا۔ مرہٹوں کی تیاریوں کی مدافعت کے لئے وہ لکی فوج (سبسیڈیری فورس) جو مشتمل چھ ہزار پیدل و دو رجمنٹ سوار تھی مع پندرہ ہزار فوج خاصہ سرکار نظام اس سرکار کی غربی سرحد پر قریب پرینڈہ کے مجتمع ہوئی جنرل ویلزلی کو معہ اپنے آٹھ ہزار پیدل اور سترہ سو سوار کے اس فوج کے ساتھ متفقاً کام کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ پیشوا کی مسند نشینی میں کمک دے لیکن جنرل مذکور کے پونا پہنچنے کے قبل ہولکر وہاں سے روانہ ہو چکا تھا اور اثنائے راہ میں مالوہ جاتے ہوئے سرکار نظام کے بعض دیہات کو تاراج کرتا ہوا اور اورنگ آباد سے کچھ باج لیتا ہوا چلا گیا۔ اس واقعہ کے سنتے ہی کرنل اسٹیونس نے گوداوری کی جانب اپنی تمام ماتحت فوج کے ساتھ پیشقدمی کی اور جنرل ویلزلی کے ساتھ جالنہ میں ملاقی ہوا۔ دوسرے دن (۲۳ سپٹمبر) جنرل ویلزلی نے آسائی کی مشہور معرکہ آرائی کی اور اس کے بعد ہی آرگاؤں کی لڑائی واقع ہوئی جس سے مرہٹوں کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی اور سرکار نظام کا ملک محفوظ رہا۔

نواب سکندر جاہ بہادر نواب نظام علی خاں بہادر نے سنہ ۱۸۲۳ء میں رحلت فرمائی اور اُن کے فرزند نواب سکندر جاہ بہادر تخت نشین ہوئے سنہ ۱۸۲۲ء میں ایک معاہدہ درمیان سرکار کمپنی و سرکار نظام تکمیل پایا جس کی رو سے سرکار نظام سے اس چوتھ کی ادائی کی ذمہ داری ساقط ہوئی جس کے حقدار سنہ ۱۸۱۸ء میں پیشوا کے

مغلوب ہونے کے باعث سرکار کمپنی قرار پاچکی تھی۔

نواب ناصر الدولہ بہادر نواب سکندر جاہ بہادر نے ۱۸۲۹ء میں انتقال فرمایا اور ان کے فرزند نواب ناصر الدولہ بہادر جانشین ہوے۔ ۱۸۳۹ء میں ہندوستان کے دیگر حصص کی طرح حیدرآباد میں ایک وہابی سازش کا افشا ہوا۔ اس کی تحقیقات عمل میں آئی جس سے ظاہر ہوا کہ مبارز الدولہ اور دوسرے لوگ اس سازش کے انتظام میں آلودہ ہیں جس کا مقصد سرکار کمپنی اور سرکار نظام کی مخالفت تھی۔ مبارز الدولہ کو قلعہ گولکنڈہ میں مقید کیا گیا جہاں تھوڑے دنوں بعد ان کا انتقال ہوا۔ راجہ چندو لعل نے جو منیر الملک کے بعد وزیر ہوے تھے ۱۸۴۳ء میں استعفا دیا اور سراج الملک میر عالم کے نواسہ وزارت سے ممتاز ہوے ۱۸۴۷ء میں شیعوں اور سنّیوں کے درمیان سخت فساد ہوا اور اس جھگڑے میں تخمیناً پچاس آدمی مارے گئے سراج الملک جو اسی سال خدمت سے علیٰحدہ ہوے تھے دوبارہ ۱۸۵۱ء میں خلعت وزارت سے سرفراز ہوے چونکہ کنٹنجنٹ کی فوج کی تنخواہ بقایا میں پڑ گئی تھی لہٰذا ایک نیا معاہدہ ۱۸۵۳ء میں کیا گیا اور اضلاع جن کی مالگزاری خام پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھی سرکار کمپنی کے تفویض کیے گئے ان اضلاع مفوضہ میں علاوہ ملک برار کے اضلاع عثمان آباد (نلدرگ) اور دوآبہ رائچور بھی شامل تھے اس عہدنامہ کی رو سے سرکار کمپنی نے اقرار کیا کہ ملکی فوج پانچ ہزار پیدل اور دو ہزار سوار اور چار توپخانہ کی بیٹریاں ہمیشہ قائم رکھے اور یہ ٹھیرا تھا کہ بعد ادائی تنخواہ فوج کنٹنجنٹ اور بعض دوسرے مصارف و سود قرضۂ کمپنی کی جس قدر بچت ہو وہ سرکار نظام کو دی جایا کرے۔

اس معاہدہ کے مطابق اگرچہ سرکار نظام کل سبسیڈیری اور کنٹنجنٹ فوج کے کام میں لانے کا کامل حق تھا سرکار نظام کو اس غیر محدود التزام سے بھی معاف رکھا گیا کہ اپنی فوج سے سرکار کمپنی کو کمک دیں اور کنٹنجنٹ فوج اس کے بعد سرکار نظام کے فوج کا جزو باقی نہیں رہی بلکہ ایک ملکی فوج ہوگئی جس کو سرکار نظام کے کام کے لیے مقرر کیا تھا اس عہدنامہ کے تکمیل پانے کے ایک ہفتہ بعد سراج الملک نے انتقال کیا اور ان کے بھتیجے نواب سالار جنگ بہادر منصب وزارت سے سرفراز ہوے۔

نواب افضل الدولہ بہادر نواب ناصر الدولہ بہادر نے ماہ مئی ۱۸۵۷ء میں رحلت فرمائی اور نواب افضل الدولہ بہادر تخت نشین ہوے۔ یہ زمانہ حیدرآباد کے لئے ایک نہایت نازک زمانہ تھا کیوں کہ غدر جس نے تمام ہندوستان کو ہلا دیا تھا حیدرآباد کو بھی متاثر کیا خوف اس بات کا تھا کہ اگر حیدرآباد

علم طغیان کو بلند کرے گا تو تمام جنوبی ہندوستان اور نیز بمبئی بھی اس بغاوت میں اس کا ساتھ دے گی۔ اگرچہ حضور نظام کو ان کے بعض ناعاقبت اندیش مصاحبین بغاوت کی ترغیب دیتے تھے مگر اُنھوں نے مستقل وفاداری کے ساتھ سرکار انگلشیہ کا ساتھ دیا۔

غدر کے طوفان کے فرو ہونے کے بعد سرکار عظمت مدار نے بعوض اس وفاداری کے جو حضور نظام سے وقوع میں آئی تھی عہدنامہ ۱۸۵۳ء میں ترمیم کی اور ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی رو سے اضلاع عثمان آباد (نلدرگ) اور دوآبہ رائچور کو مسترد کیا جن کی سالانہ مالگزاری اکیس لاکھ روپیہ تھی علاوہ اس کے پچاس لاکھ کا قرضہ بھی چھوڑ دیا اور گوداوری کے ساحل لیسار کے بعض قطعات بھی دے دئے صرف صوبۂ برار کے اضلاع محاصلی بتیس ۳۲ لاکھ روپیہ کو مقاصد مندرجۂ عہدنامہ ۱۸۵۳ء کی تکمیل کے لئے بطور امانی اپنے پاس رکھا۔

نواب میر محبوب علی خان بہادر ۱۸۶۹ء میں نواب افضل الدولہ بہادر نے اس جہان فانی کو وداع فرمایا اُن کے صاحبزادے نواب میر محبوب علی خاں بہادر سریر آرائے سلطنت ہوئے چوں کہ اُن کی عمر صرف تین ہی سال کی تھی لہذا انتظام امور ملک کے لئے ایک ریجنسی قائم ہوئی اور نواب سالار جنگ بہادر اول ریجنٹ اور نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر کو ریجنٹ (یعنی شریک) مقرر ہوے اور بہبودی ملک و امور سترگ سلطنت میں صاحب عالی شان (رزیڈنٹ) سے مشورت لی جاتی تھی۔ جب ۱۸۷۷ء میں نواب شمس الامرا نے انتقال فرمایا تو اُن کے بھائی نواب وقار الامرا بہادر کو ایڈ منسٹریٹر مقرر ہوے اور ان کے انتقال (۱۸۸۱ء) کے بعد صرف نواب سالار جنگ اول ہی تا وفات خود (۱۸۸۳ء) بہ حیثیت منتظم اور ریجنٹ کے فرائض مملکت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۰۲ء میں ملک برار کا پٹہ سرکار عظمت مدار کو دیا گیا اور قرار یہ پایا کہ سرکار عظمت مدار اس کے معاوضہ میں پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا مقررہ اور مدامی لگان ادا کرتی رہے گی۔

اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خان بہادر اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علی خان بہادر ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو اپنے واجب الاحترام والد لفٹننٹ جنرل ہز ہائینس آصف جاہ مظفر الملک و الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر محبوب علی خان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔بی۔ و جی۔سی۔ایس۔آئی کے رہگرائے فردوس بریں ہونے پر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

استمراری پٹہ برار برار کا دوامی پٹہ ۱۹۰۲ء میں سرکار مدار (انگریزی) کو جس معاہدہ کے ذریعہ سے دیا گیا ہی وہ یہہ ہی۔

چوں کہ جو عہدنامے برٹش گورنمنٹ اور ریاست حیدرآباد کے مابین ۲۱ مئی ۱۸۵۳ء اور ۲۶ دسمبر ۱۸۶۰ء کو ہوے تھے ان کی روسے اضلاع برار برٹش گورنمنٹ کو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے اخراجات کے لیئے تفویض کیئے گئے اور یہہ طی پایا تھا کہ اضلاع مفوضۂ مذکور سے اگر کوئی بچت ہو تو وہ رقم فاضل اعلیٰ حضرت حضور نظام کو دے دی جاے۔

اور چونکہ برٹش گورنمنٹ اور اعلیٰحضرت حضور نظام کی خواہش ہی کہ اس انتظام میں اصلاح کی جاے نیز چونکہ بہ لحاظ کفایت شعاری یہہ امر نامناسب ہی کہ اضلاع مفوضہ کا انتظام جداگانہ ایڈمنسٹریشن کی حیثیت سے جاری رہے یا آن کہ حیدرآباد کنٹنجنٹ ایک علیحدہ فوج کے طور پر رہے۔

علاوہ ازیں چوں کہ یہہ بات بھی مناسب ہی کہ اضلاع مفوضہ سے اعلیٰ حضرت حضور نظام کو ایک غیر متیقن اور گھٹتی بڑھتی آمدنی کے عوض ایک مقررہ رقم وصول ہو۔

بنا بران ذریعۂ ہذا شرائط ذیل فیمابین ولیسراے و گورنر جنرل ہند بہ اجلاس کونسل و نواب سر میر محبوب علی خاں فتح جنگ حضور نظام حیدرآباد قرار پاتی ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت حضور نظام جن کی فرماں روائی اضلاع مفوضہ کا ازسرنو اعتراف کیا جاتا ہی اضلاع مذکور کا استمراری پٹہ برٹش گورنمنٹ کو دیتے ہیں جس کے معاوضہ میں برٹش گورنمنٹ پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا ایک مقررہ اور مدامی لگان ادا کرتی رہے گی۔

(۲) برٹش گورنمنٹ اضلاع مفوضۂ مذکور پر کامل و بلاشرکت غیرے جو اقتدار و حکومت بروے عہدنامجات ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء رکھتی ہی اُس کو قایم رکھ کر اِس بات کی مجاز ہوگی (گو عہدنامجات مذکور میں کوئی امر اس کے مخالف ہو) کہ جس طرح مناسب سمجھے اضلاع مذکور کا انتظام کرے۔ نیز یہہ بھی اختیار ہوگا کہ جس طور مناسب معلوم ہو افواج حیدرآباد کنٹنجنٹ کو ازسرنو تقسیم یا اُس میں تخفیف عمل میں لاے یا ازسرنو منتظم کرے اور اپنے قابو میں رکھے البتہ جیسا کہ عہدنامہ ۱۸۵۳ء کی شرط سوم میں رکھا گیا ہی حفاظت ممالک محروسہ سرکار عالی کے لیئے واجبی بندوبست رکھے گی۔ تشرح دستخط ڈی۔ ڈبلیو۔ بارکشن پرشاد۔ مقام رزیڈنسی حیدرآباد مرقومہ پنجم نومبر سنہ ایک ہزار نوسو دو مطابق سوم شعبان سنہ ایک ہزار تین سو بیس ہجری۔

منظورہ و مسلمۂ گورنمنٹ آف انڈیا

حسب الحکم

شرح دستخط لوئی ڈبلیو ڈین

مقام فورٹ ولیم ۱۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء منصرم معتمد گورنمنٹ آف انڈیا فارن ڈپارٹمنٹ

آثار قدیمہ

فہرست آثار قدیمہ مملکت سرکار عالی ۱۳۰۴ف میں گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے مسٹر ہنری کوزنس ایم۔ آر۔ اے۔ ایس جو بمبئی کے آرکیولاجیکل سروے کے مہتمم تھے بدیں غرض متعین ہوئے کہ آثار قدیمہ مملکت سرکار عالی کی فہرست تیار کریں۔ انھوں نے اسی سال ملک کا دورہ کیا اور اس محنت کے نتائج ۱۳۰۹ف میں نیو امپریل سیریز آف آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا کی جلد ۳۱ میں شایع ہوئے انھوں نے جو فہرست آثار قدیمہ مرتب کی وہ بشتر اسی مواد سے تیار ہوئی ہے جو سرکار عالی کے خرچ سے فراہم ہوا تھا۔

تقسیم آثار قدیمہ مسٹر کوزنس کی فہرست میں ہگی (۱۱۶) آثار ایسے ہیں جو لایق حفاظت ہیں ان میں سے (۴۹) سرکار کے قبضہ یا نگرانی میں ہیں اور (۶۷) خانگی جماعتوں یا اشخاص سے متعلق ہیں منجملہ کل آثار کے (۶۵) کی ایسی حالت ہے اور ان میں قدامت یا تاریخ کی ایسی دلچسپی ہے کہ ان کا ہمیشہ درست حالت میں رکھنا مناسب تصور کیا گیا ہے باقی (۵۱) اس طرح کے بیان ہوئے ہیں جن کے متعلق اسی قدر ممکن و مناسب ہے کہ اُن کو اور زیادہ خراب نہ ہونے دینے کی غرض سے یہ خفیف سی تدابیر اختیار کی جائیں کہ جو جھاڑی دیواروں میں اُگ آئے اُس کو اُکھاڑ دیا جائے اور اُن کی بنیادوں میں پانی نہ مرنے دیا جائے وغیرہ۔ آثار قدیمہ۔ مندروں۔ غاروں۔ مسجدوں۔ مقبروں۔ قلعوں۔ پھاٹکوں۔ دیدبانوں۔ ستونوں۔ پتھر کی کمانوں اور منطقۃ البروج کے نقوش پر شامل ہے۔ نیز کچھ قدیم کتبے بھی پائے جاتے ہیں۔

پہاڑ میں ترشے ہوئے دیول پتھر کے مندروں یا غاروں میں جو بمقام ایلورا اور اجنٹہ (ضلع

اورنگ آباد) واقع ہیں مشہور ہیں چنانچہ غار ہائے ایلورا کی نسبت کہا گیا ہی کہ ہندوستان میں سب سے
عمدہ ہیں ایلورا اورنگ آباد سے ۱۴ میل شمال و مشرق کے کونے پر واقع ہی غار ہائے مذکور تین مذاہب کی
عبادت گاہ ہیں یعنی بودھ - برہمن اور جین - یہ غار باعتبار زمانہ پانچویں صدی عیسوی سے لے کر نویں یا دسویں
صدی تک کے ہیں سب سے پہلے جس یورپین نے اُن کو دیکھ کر ان کا حال لکھا ہی وہ تھیوناٹ تھا اجنٹہ کے غار
ویرانہ اور سنسان مقام پر ہیں جو اجنٹہ سے بخط مستقیم جانب شمال و مغرب تین میل کا فاصلہ رکھتے
ہیں اور اجنٹہ اورنگ آباد سے جانب شمال مشرق ۵۲ میل ہی بمقابلہ غار ہائے ایلورا یہ کئی ہزار سال پیشتر
کے ہیں اور خاصۃً مذہب بودھ سے تعلق رکھتے ہیں - غار ہائے اجنٹہ مجموعاً ۲۹ ہیں اور نقش و نگار میں شہرت رکھتے
ہیں جن کو وہاں کے جانے والوں سے نقصان پہنچتا ہی جو ٹکڑے توڑ توڑ کر یادگار کے طور پر لے جاتے ہیں -
اِن غاروں کو چھوڑ کر جو ابھی تک اچھی حالت حفاظت میں ہیں - ضلع اورنگ آباد میں غاروں کے چھوٹے
چھوٹے سلسلے اور بھی ہیں اور اِس قسم کے تین سلسلے اورنگ آباد سے دو میل کے فاصلہ کے اندر واقع ہیں
جن میں سے دو بودھ کے ہیں اور تیسرے کو یقین کے ساتھ کسی مذہب سے منسوب نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس
میں کوئی نقاشی نہیں ہی - بعض غاروں کی نسبت سمجھا جاتا ہی کہ چھٹی صدی کے اخیر یا ساتویں صدی کے ابتدا
میں بنائے گئے ہیں ان میں جس مصوری سے کام لیا گیا ہی وہ یہ ہی کہ مختلف اوضاع سے بدّھا کی بڑی بڑی
تصویریں تراشی گئی ہیں - ایک بیٹھی ہوئی تصویر نو فٹ بلند ہی اور اس کا پاؤں کنول کے پھول پر قائم ہی -
دوسری تصویر میں بدّھا کو ایک شیر ببر کے تخت پر بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہی ایک اور تصویر میں بحالت استراحت نمایاں
کیا ہی جس کا طول (۱۶) فٹ ہی شکارگاہ اور رزمگاہ اور شاہی جلوس کے سین بھی ہیں - اور پوجا کے لیے
جمع ہونے والوں کے ایسے مجسمے دکھائے گئے ہیں جن کی وضع قطع قریب قریب بالکل مصری ہی ضلع
اورنگ آباد ہی میں اور غار بھی گھٹوٹ کچ پتیل کھورا اور روزیشور میں ہیں گھٹوٹ کچ میں دو غار ہیں جو بودھ مذہب
سے تعلق رکھتے ہیں - جن میں سے ایک میں سے شاہزادگان "اسمکا" کا کتبہ ہی جو اب بہت گھس گیا ہی لیکن
دراصل نہایت صفائی سے تراشا گیا ہی - غار ہائے پتیل کھورا میں ستونوں کے سرے پر دوہرے بازؤں کے
جانور نکالے گئے ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہی کہ فارس یا اسیریا کی تصاویر کی نقل معلوم ہوتے ہیں -
روزیشور کا غار چنداں وقیع نہیں ہی مگر اس میں ایک حوض ہی جس کا ہر سال اگست (مہر) کے مہینہ میں
میلہ ہوا کرتا ہی ضلع بیٹر میں بمقام آنبہ جوگائی (مومن آباد) ایک غار ہی جس کو جاگیر کا سبھا منڈپ کہا جاتا ہی

اس میں ایک ستون دار ہال ہے جس کا طول و عرض (۹۰) اور (۴۵) فٹ ہے اور چار ہاتھیوں کے مجسمے ہیں۔ ضلع عثمان آباد (نلدرگ) میں دھاراسیون سے کوئی دو میل کے فاصلے پر غاروں کے دو سلسلے ہیں ایک مذہب جین کا ہے اور دوسرا وشنو کا ہے۔ یہ غار جو اب منہدمہ حالت میں ہیں سنہ ۵۰۰ء اور ۶۵۰ء کے درمیان کے بنے ہوئے متصور ہوتے ہیں ضلع بیدر میں بمقام کروسہ قدیم برہمنوں کے غاروں کا ایک سلسلہ ہے جو ادنیٰ قسم کی کئی مسام دار پہاڑیوں میں تراشے گئے ہیں۔ اور اس وقت خستہ حالت میں ہیں۔ اسی ضلع میں بمقام کلیانی کئی مکان پہاڑیوں میں ہیں اور ایک کمرے کے دروازہ مصری وضع کے یعنی نیچے سے چوڑے ہیں۔

مساجد مساجد مملکت حیدرآباد کے نمایاں خصائص میں یہ ہے کہ افراط کے ساتھ گچ لگا کر دکار اور مینا کار نقش و نگار بنایا جاتا ہے میناروں کی وضع جس سے گرد کی محرابوں میں بہت ہی شان پیدا ہوتی ہے ان میناروں سے بالکل الگ ہے جو دیگر اسلامی مقامات پر ہیں۔ فن عمارت کی نظر سے اس ملک میں کوئی زیادہ قابل ذکر مساجد نہیں ہیں البتہ مساجد مصرعۂ ذیل باعتبار زمانہ بنا تاریخی و عمارتی دلچسپی کے لحاظ سے لائق ذکر ہیں۔

گلبرگہ کی ناتمام مسجد کو چھوڑ کر اگر کسی مسجد کو قدیم کہہ سکتے ہیں تو وہ بلدۂ حیدرآباد کی جامع مسجد ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۵۹۸ء میں بنائی گئی۔ اس کے صحن میں ایک قدیم حمام کا کھنڈر ہے دوسری مکہ مسجد ہے کہ جس کی نسبت مشہور ہے کہ دکن میں اس سے بڑی کوئی مسجد نہیں ہے اس کے بنانے کی ابتدا تخمیناً سنہ ۱۶۱۷ء میں ہوئی تھی لیکن اورنگ زیب کے گولکنڈہ فتح کرنے کے بعد سنہ ۱۶۸۷ء اور سنہ ۱۷۰۰ء کے مابین کسی زمانہ میں تمام ہوئی۔ اس میں تخمیناً دس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں تعمیر میں پتھر کی بڑی بڑی سلیں لگائی گئی ہیں محراب جس کے مقابل میں نماز پڑھتے ہیں ایک بہت بڑی چٹان سے بنی ہوئی ہے جس کے تراشنے میں پانچ چھ سو معمار لگائے گئے تھے جنھوں نے پانچ سال میں تراشا نیز یہ چٹان مقام مسجد پر بیلنوں پر رکھ کر لائی گئی تھی۔ جس کو چودہ سو بیل کھینچتے تھے۔ جالنہ ضلع اورنگ آباد کی کالی مسجد جو سنگ سیاہ کی ہونے کے باعث اس نام سے موسوم ہے سنہ ۱۶۰۰ء میں بنی تھی۔ اس کے بیس ستون جینیوں کے بعض دیولوں سے لئے گئے ہیں۔ جالنہ میں دو اور مساجد بھی ہیں جن میں سے ایک میں چھ منقش ستون ہیں جو کسی زمانہ میں ہندوؤں کے کسی شوالہ میں لگے ہوئے تھے دوسری میں اس قسم کے ستونوں کے علاوہ کسی دیول کا ایک دروازہ بھی ہے

موضع کماٹور میں جو میدک سے ۴ میل جانب شرق واقع ہی ایک نفیس مسجد ہی جو صرف عمدہ تراشے ہوئے پتھر سے بنائی گئی ہی اور گچ سے کام نہیں لیا گیا ہی۔ اگرچہ اس کی نگہداشت کے لیئے انعامی معاش مقرر ہی مگر کہا جاتا ہی کہ پورے طور سے اس کی خبرگیری نہیں ہوتی۔ قلعۂ گلبرگہ میں ایک ناتمام مسجد ہی جس کی نسبت بیان ہوا ہی کہ قرطبہ کی بڑی مسجد کے نمونہ پر بنائی جاتی تھی اس کی تعمیر کا آغاز فیروز شاہ بہمنی (۱۳۹۷ء تا ۱۴۲۲ء) کے عہد میں ہوا تھا یہ بہت بڑی عمارت ہی جس کا رقبہ ۳۸ ہزار فیٹ ہی۔ کہا جاتا ہی کہ تمام ہندوستان میں یہی ایک بڑی مسجد ہی جس کا تمام رقبۂ مذکورہ مسقف ہی۔

مقبرے ریاست حیدر آباد میں سب سے زیادہ مشہور گولکنڈہ کے مقبرے ہیں جو شاہان قطبیہ نے بنائے تھے۔ بلدۂ حیدر آباد سے یہ مقام کوئی پانچ میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب ہی ابوالحسن یعنی آخری بادشاہ خاندان قطبیہ کے سواجن کا خاتمہ قلعۂ دولت آباد میں قیدی کی حیثیت سے ہوا باقی جملہ شاہان خاندان مذکور یہاں مدفون ہیں۔ ان مقبروں میں سب سے پرانا وہ ہی جو پہلے قطب شاہ یعنی سلطان قلی نے خاص اپنے لیئے ۱۵۴۳ء سے کچھ سال پہلے بنوایا تھا یہ مقبرے بڑے اور سنگ سماق سے بنائے گئے ہیں باعتبار مکانیت مربع یا مستطیل ہیں اور اوپر گنبد بنے ہوے ہیں بعض مقابر مذکور کاشی کاری اور دیگر عمارتی زیبائشوں سے مزین ہیں۔ زمانۂ گذشتہ میں اکثر مقبروں کے ساتھ باغ بھی تھے لیکن اورنگ زیب نے جس وقت گولکنڈہ پر حملہ کیا تو ان کو بہت نقصان پہنچا اور ایک زمانۂ دراز تک یوں ہی پڑے رہے یہاں تک کہ سرسالار جنگ اول نے مرمت و حفاظت مقابر پر توجہ کی اور باغ بھی پھر سے لگائے گئے۔ اس کے بعد سے سرکار عالی ان قدیم آثار کی پوری نگہداشت کرتی ہی اور جو لوگ وہاں جاکر وحشیانہ طور پر خرابیاں کرتے تھے اس کا حال میں سدباب کر دیا گیا ہی۔

گلبرگہ میں بھی اسی طرح کے مقبرے ہیں گو کاریگری میں ایسے نہیں ہیں۔ ان میں شاہان بہمنیہ گلبرگہ مدفون ہیں۔ بعض مقابر مذکور میں سرکاری دفاتر رکھے گئے ہیں وہ شاہان بہمنیہ جو اپنا دارالسلطنۃ گلبرگہ سے بیدر کو منتقل کرنے کے بعد فوت ہوئے بیدر سے کوئی پانچ چھ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مشرق دفن ہوے ہیں۔ ان سب کے مقبروں کا اندرونی حصہ نقش و نگار سے آراستہ ہی بی بی کا مقبرہ جو اورنگ آباد میں ہی وہ ایک مشہور روضہ ہی جو آگرہ کی تاج محل کی وضع پر تعمیر کیا گیا ہی۔ اس کو اورنگ زیب نے اپنی بی بی رابعہ دورانی کے لیئے ۱۶۶۰ء میں بنوایا تھا۔ عمارت میں سنگ مرمر افراط سے لگایا گیا ہی جو بیل

گاڑیوں پر شمالی ہند سے لایا گیا تھا۔ اس کا صرفہ ایک مورخ اٹھارہ لاکھ اور ایک چھ لاکھ اڑسٹھ ہزار بتاتا ہی بہت برس ہوئے کہ اس عمارت کا ایک مینار بجلی کے صدمہ سے منہدم ہوگیا اور دوسرے مینار بھی کم و بیش خراب حالت میں ہیں۔ روضہ یا خلدآباد کو جو اورنگ آباد سے ۱۴ میل جانب شمال و مغرب واقع ہی ایک گورستان کہا جاتا ہی۔ یہاں بہت سے مشاہیر اسلام اور خود اورنگ زیب اور نظام الملک اول دفن ہیں بیس گنبد دار مقبرے اور کوئی چودہ سو سادہ قبریں ہیں۔ اورنگ زیب کی قبر سادی ہی اور کوئی تکلف نہیں کیا گیا ہی صرف ایک سنگ مرمر کا کٹہرا لگا دیا گیا ہی۔ شاہ بیجاپور یعنی یوسف عادل شاہ کا مقبرہ شورا پور (ضلع رائچور) سے ۱۴ میل جانب شمال موضع گوگی میں واقع ہی اس پر کوئی عمارت یا گنبد نہیں ہی اور صرف اتنا ہی ہی کہ ایک بادشاہ کی قبر ہی کہ جس نے چار سو سال پیشتر انتقال کیا تھا۔

قلعہ جات جو قسم واری فہرست مسٹر کوزنس نے مرتب کی تھی اس سے واضح ہوتا ہی کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں چھوٹے بڑے کوئی ۲۹ قلعے ہیں جن میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

(۱) دولت آباد	(۲) رائچور
(۳) گولگنڈہ	(۴) قندھار
(۵) یادگیر	(۶) نلدرگ
(۷) ورنگل	(۸) نلگنڈہ
(۹) نرمل	(۱۰) بیدر

دولت آباد یہ قلعہ اورنگ آباد کے جانب شمال و مغرب ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہی۔ زمانۂ قدیم میں اس کا تعلق ہندو راجاؤں سے تھا اور اس کو دیوگڑھ یا دیوگیری لکھتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہی کہ یہ وہی ہی جس کو بطلیموس نے تغارہ کہا ہی۔ اس قلعہ میں بعض پھاٹکوں کے پتھروں میں شیر ببر اور ہاتھی ترشے ہوئے ہیں اور دروازوں اور ستونوں پر پتھر تراش کر نقش نگار کیا گیا ہی۔ قلعہ کے اندر ایک سو فیٹ مربع پتھر کی باولی ہی جو سرسوتی سے منسوب ہی بیان کیا گیا ہی کہ بعض کمروں میں بہت سا تمبا کو اور گھی جو قدیم زمانہ میں جمع کیا گیا تھا اب تک موجود ہی۔

رائچور قلعۂ رائچور قدیم ہندو راجگان ورنگل کی نشانی ہی یہ قلعہ مستحکم نہیں ہی دیواریں پست ہیں اور ان پر آسانی کے ساتھ چڑھ سکتے ہیں برجوں کی شکل مربع ہی جیسا کہ عموماً زمانۂ قدیم کے ہندوؤں کے

قلعوں کی ہوتی ہی کثیر الاضلاع کی شکل پر بنا تا بہت زمانے کے بعد شروع ہوا اور ٹیڑھے میڑھے اور مدور قلعے بنانے کا رواج مسلمانوں کے آنے پر ہوا۔ ایک بڑی چٹان پر جس کا طول ۱۴۱ فیٹ ہی۔ تلنگی میں ایک طول طویل تحریر کندہ ہی جس سے واضح ہوتا ہی کہ قلعہ کی تعمیر ۱۲۹۴ئہ ہوئی تھی۔

گولکنڈہ یہ قلعہ بھی پہلے ہندوؤں کا تھا جس کی تعمیر ورنگل کے راجاؤں نے کی تھی ۱۳۶۴ئہ میں یہ قلعہ مسلمانوں کے تحت میں آگیا۔ حصار کا دور تین میل ہی اور ۸۷ برج ہیں قلعہ کے اندر بہت سی قدیم عمارتیں تاریخ اور قدامت کے لحاظ سے دلچسپ ہیں اس وقت یہاں گولکنڈہ پہ گیڈر رہتا ہی اور قلعہ کی نگہداشت خبرداری کے ساتھ کی جاتی ہی۔

قندھار ایک قدیم قلعہ ہی جس کو چوتھی صدی میں سومدیونامی ایک ہندو راجہ نے تعمیر کیا تھا یہ ناندیر سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر جانب جنوب مغرب واقع ہی۔

یادگیر یہ پہاڑی قلعہ رائچور سے ۴۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہی اور بعضوں کا خیال ہی کہ اس کا نام راجگان یادو کے نام سے نکلا ہی جو اس کو یادگیری کہتے تھے اور بعض کا یہ خیال ہی کہ اس کا قدیم نام یادگیری یا گاؤ قلعہ ہی کیوں کہ فاصلہ سے معلوم ہوتا ہی کہ کوئی بیل پاؤں پھیلائے بیٹھا ہی اس قلعہ کے بعد مقامات پر کچھ عربی اور فارسی کتبے پائے جاتے ہیں۔

نلدرگ یہ قلعہ جس کا تعلق پہلے ہندوؤں سے تھا سلاطین عادل شاہی کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور اُنھوں نے اس قلعہ کو بہت مستحکم کیا۔ ۱۵۵۸ئہ میں سلاطین عادل شاہی نے بوری ندی پر جو قلعہ کے پاس سے بہتی ہی ایک سنگین بند بنا دیا جس سے فوج کے لیئے افراط سے پانی بہم ہو گیا ہی۔

ورنگل یہ قلعہ نہایت قدیم اور مدور شکل کا ہی جس کی تعمیر ہندوؤں کے عہد میں ہوئی تھی اور شہر ورنگل سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہی یہ قصبہ کٹھوبن بالقول بعضے گیارہویں صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا اور کہا جاتا ہی کہ یہ وہی ہی جس کو بطلیموس نے کورن کلا کہا ہی اس مقام پر قدیم زمانہ کے بہت سے دلچسپ آثار باقی ہیں یہاں کسی زمانہ میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا دیول تھا جس کے اب صرف ۴ پھاٹک باقی رہ گئے ہیں۔

نلگنڈہ یہ قلعہ چھوٹا مگر مضبوط ہی اور اس کی تعمیر صرف پتھر سے ہوئی ہی گچ سے کام نہیں لیا گیا ہی۔

نرمل قلعۂ نرمل قصبۂ نظام آباد سے ۴۸ میل کے فاصلہ پر ان پہاڑی قلعہ جات میں سے ہی جو اس ناہموار حصۂ ملک میں بنائے گئے ہیں۔ اس کی تعمیر یورپین قطع پر فرانسیسی عہدہ داروں کی نگرانی میں جو

سرکار عالی کے ملازم تھے ہوئی تھی۔ اس وقت یہہ قلعہ اچھی حالت میں ہے۔

بیدر یہہ قلعہ جس کی تعمیر کا ۱۴۲۳ء میں مکمل ہونا واضح ہوتا ہے ایک خشک خندق اور ایک پشتہ سے محصور ہے برج کم و بیش شکستہ اور تباہ حالت میں ہیں قلعہ کے اندر ایک قدیم مدرسہ کے باقیات رہ گئے ہیں جس کی تعمیر محمود گاوان وزیر اعظم محمد شاہ بہمنی ثانی نے کی تھی اور جس کے ساتھ (۳۰۰۰) کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی تھا۔

دیگر آثار قدیمہ دیگر آثار قدیمہ میں مسٹر کوزنس نے ہندوؤں کے (۲۷) دیول اس قابل بیان کئے ہیں کہ اور نہ خراب ہونے دئے جائیں ان میں سے بعض مثلاً ضلع ورنگل کے دیول بہت ہی قدیم ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے ابتداً نہایت ہی وسیع پیمانہ پر بنے ہوں گے اور ان میں صناعی سے کام لیا گیا ہوگا۔ نارائن پور میں بیدر سے چند میل کے فاصلہ پر ترشے ہوئے پتھر کے خوشنما دیول کے آثار ہیں جن میں عورتوں کے کئی تراشیدہ مجسمے مختلف اوضاع میں بعض ناچتی ہوئی بعض برہنہ بعض نیم لباس میں ہیں اور سب کے سب کمر سے اوپر زیور کے سوا اور کچھ نہیں پہنے ہوئے ہیں۔ ممالک سرکار عالی کے حصۂ کرناٹک میں سب سے عمدہ دیول موسوم بہ مہادیو گوڑی اٹگی میں ہے جو لنگسگور سے (۶۰) میل پر واقع ہے اس کی سنگ تراشی نفیس اور زیادہ منقّش بیان کی گئی ہے چھوٹے چھوٹے آثار قدیمہ میں پتھر کے وہ حلقے بھی شمار کئے جاسکتے ہیں جن کی جانب کرنل میڈوز ٹیلر کی توجہ بدیں وجہ منعطف ہوئی تھی کہ ان سے کیا لٹک سیلتھین قوم کے اُن لوگوں کی نسل کے یہاں موجود ہونے کا ثبوت ملتا تھا جو تاریخ بنی نوع انسان کے نہایت ابتدائی زمانہ میں یورپ میں اس کے جانب غرب داخل ہوئے تھے۔ یہہ آثار بہ تعداد کثیر کل مملکت میں موجود پائے جاتے ہیں اور بلحاظ حفاظت ان کی حالتیں مختلف ہیں۔ سب سے بڑے حلقوں کا قطر ۳ سے ۳۵ فیٹ تک ہے اور بڑی بڑی ناہموار چٹانیں الگ الگ رکھ کر یہہ حلقے بنائے گئے ہیں ہر حلقہ میں ۱۳ یا ۱۵ چٹانیں ہیں۔ ان میں بعض حلقے ایسے بھی ہیں جن کے درمیان سنگین پختہ قبر کے نشانات ہیں۔

ایسے پتھر بھی لایق ذکر ہیں جن پر منطقۃ البروج منقوش ہیں اس طرح کا ایک پتھر پٹن چرو میں ہے جو حیدرآباد سے جانب شمال و مغرب ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے اس کے نقوش اپنی ترکیب کے ساتھ ایک کنول کے پھول کے اطراف میں کندہ ہیں جس سے سورج کی شکل پیدا ہوتی ہے اسی طرح کی ایک اور سل ایک اور قدیم باولی کے طاق میں لگی ہوئی ہے۔ یہہ باولی قصبۂ اوراد میں ہے جو بیدر سے چالیس میل ہے

بعض ایسے آثار بھی ہیں جن میں اگرچہ بالذات کوئی بات نہیں ہی مگر کوئی تاریخی خصوصیت رکھتے ہیں یا کسی خاص ندرت کے ساتھ مشہور ہیں۔ نانڈیر میں گرو گوبند یعنی سکھوں کے دسویں گرو کی قبر ہی جو ۱۷۰۸ء میں وہاں مارے گئے۔ تین پرانی قبروں کے پتھر بھی ہیں جو تالاب منجّیا واقع نظام آباد کے قریب انجینیر آبپاشی کے بنگلہ میں اُس ستون میں لگے ہیں جس پر "باران پیم" یعنی پیمائش بارش نصب ہی۔ اسپر ارمنی زبان میں ان لوگوں کے نام اور تاریخ وفات کندہ ہی جن کی قبروں پر وہ ابتداءً لگائے گئے تھے۔ ایک کی تاریخ ۱۶۸۰ء اور ایک کی ۱۶۸۶ء ہی تاریخ سے واضح ہوتا ہی کہ زمانۂ اورنگ زیب میں کئی ارمنی تاجر دکن کو آئے تھے اور اورنگ زیب نے اُن کو پناہ دی تھی۔ قلعۂ انتور سے جو ضلع اورنگ آباد میں واقع ہی دو میل جانب جنوب ایک مربع سنگین ستون ہی جو ۱۵۹۱ء میں راستہ کی علامت کے طور پر لگایا گیا تھا اس کے ہر پہلو پر فارسی زبان میں ان تمام قصبات کے نام مندرج ہیں جو کئی سو میل کے گرداگرد میں ہیں۔

جن مقامات کا نام مندرج ہی اُن میں ناگپور۔ جالنہ میوار۔ چالیس گاؤں۔ انتور۔ برہان پور۔ دولت آباد اور احمد نگر بھی ہیں۔ اورنگ آباد سے پچاس میل کے فاصلہ پر چھوٹا سا قلعہ سیونا اس لحاظ سے دلچسپ مشہور ہی کہ غالباً وہی پہلا قلعہ ہی جو بندگان عالی کے ایک جدامجد حضرت نواب منصور الدولہ ابن محمدؐ عنایت خان نے مملکت حیدر آباد میں بنوایا تھا۔ سیونا اور دیگر مواضع حضرت ممدوح کو من جانب اورنگ زیب بطور جاگیر ملے تھے۔ انبڑ ضلع اورنگ آباد میں ایک پرانی مسجد ہی جس میں کوئی ستون نہیں ہی اور اس لحاظ سے اس کو "بن کھمی" مسجد کہتے ہیں۔ اور پلی ضلع نلگنڈہ میں ایک عجیب و غریب باؤلی ہی جسکو "منتری باؤلی" کہا جاتا ہی۔ کہتے ہیں کہ اس کا پانی ہر مرض کی دوا ہی شیطان اور بھوت اس سے اُترتا ہی اور کھیتوں سے کیڑے وغیرہ دفع ہو جاتے ہیں۔

ضلع کپّل ضلع کپّل نواب سالار جنگ بہادر کی جاگیر ہی۔ اس ضلع میں تعلقہ کپّل اور یلبرگہ دو تحصیلیں ہیں جن میں (۱۶۲) دیہات ہیں اور محاصل ہمہ ابواب [illegible] سالانہ ہی۔ اس ضلع کا انتہائی طول چوالیس میل اور عرض چالیس میل ہی اور (۸۸۰) میل مربع رقبہ ہی اور بروے مردم شماری ۱۳۲۰ف سارے ضلع کی آبادی (۱۵۱۰۷۰) نفوس ہیں اور خاص قصبۂ کپّل کی آبادی جسے عموماً کپّل بہادر بنڈہ کہتے ہیں نو ہزار اور مکانات دو ہزار دو سو ہیں۔ بہادر بنڈہ ایک قریہ کپّل سے دو میل کے فصل پر ہی جہاں ایک عظیم الشان پہاڑ کا گنڈ ہی اور اسی پر سے بہادر بنڈہ نام پڑا یعنی بڑا پہاڑ لیکن صحیح وجہ تسمیہ یہ ہی کہ حیدر علی خان میسور کے باپ بہادر نے اپنے نام پر اس قریہ کو آباد کیا ہی۔ بہادر بنڈہ کی بنا صرف اس وجہ سے

کپّل کے قریب میں ڈالی گئی کہ کپّل کی توسیع آبادی ہو اور جو لوگ کپّل میں نہ رہ سکیں وہ یہاں رہیں۔ کپّل مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے چھوٹی پٹری کی لین گنٹکل ہوبلی سکشن گدگ تنگل جنکشن سے (۸۸) میل اور بلھاری سے (۵۵) میل ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی مقام ہے یہاں کی کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں ملی لیکن جناب مولوی امین الحسن صاحب تعلقہ دار کپّل کی توجہ سے جو مواد ملا ہے وہ شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ کپّل دراصل کنڑی زبان کا لفظ کوپّلو ہے جس کے لغوی معنی قریۂ نوآباد اور درختوں کا جھنڈ ہیں۔ قدیم زمانہ کی ایک سند عطائے انعام کرودھی نام سمچھر سکے (۱۶۴۶) میں اس کا نام کوپّل لکھا ہے مگر ایک اور سند میں جو تانبے کے پتّر پر کندہ ہے اور سوا سو برس پیشتر کی ہے اس میں کوپّن لکھا ہے۔ دونو سندیں ایک ہی زمانہ کی ہیں یہ صرف کتابت کا فرق ہے کنڑی کتابت میں "ل" "ن" سے بدل جاتا ہے۔ یہ اسناد سبحان جی راؤ مرہٹہ حاکم کی دستخطی ہیں۔ اس میں معطی کا نام مہاراجہ چھتر پتی لکھا ہے جس سے مراد مشہور سیواجی کا خاندان ستارہ ہے۔ ریلوے سٹیشن بستی سے ملا ہوا ہے۔ بستی پہاڑ کے دامن میں طولاً آباد ہے۔ یہ پہاڑ بستی کے مغرب میں ہے جو اندرا کیل پروت کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ذکر مہابھارت میں موجود ہے اور اسی پہاڑ میں ارجن نے شیو کی تپشا کر کے پشوپتھسترم (نجات) حاصل کی تھی۔ اس پہاڑ پر مالی ملّپا کا مقدس مقام بھی ہے اور قلعہ بھی اسی پہاڑ پر ہے جس کی بلندی دو سو فیٹ ہے۔ ضلع کپّل میں اس پہاڑ کے سوائے اور دو سلسلے ہیں ایک شیواپور کا سلسلہ ہے جس کے پتھر نہایت مضبوط اور عمارات میں لگانے کے قابل ہیں اور کہا جاتا ہے کہ بابیے ہاربر (بمبئی کا بندرگاہ) میں یہیں کا پتھر کثرت سے لگا ہے۔ تیسرا سلسلہ سات پہاڑ کہلاتا ہے جو بیس میل تک اس ضلع کی سرحد میں ہے اور جس کا کچھ حصہ تعلقہ گنگاوتی ضلع رائچور میں بھی واقع ہے۔ کپّل کی خوش نما آبادی سڑک کی دونوں جانب ہے۔ مختار گنج کا بازار خوب آباد ہے جو شارع عام پر ہے۔ چوڑی اور کشادہ سڑک کی دونوں جانب قرینہ اور سلیقہ سے دکانات بنائی گئی ہیں۔ یہاں کا قلعہ اگرچہ اب ویران ہے مگر پھر بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ موضع گورکل کے اینکٹ (تالاب کے بند) پر جو کتبہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینکٹ ٹوناک مد کے اہتمام سے سالیواہن سکے سنہ ۱۳۱۴ میں بنا جو یک بھوپال راجۂ آناگندی کا بنایا ہوا ہے جس کو اب پانسو اسّی برس کا عرصہ ہوا۔ اس پر سے قیاس کیا جاتا ہے کہ چودھویں صدی میں اس حصۂ ملک پر راجگان آناگندی و بیجانگر کا قبضہ تھا۔ جب بیجانگر کی سلطنت تباہ ہوئی تو سلاطین عادل شاہی کا دور دورہ رہا چنانچہ ۱۰۷۰ھ کی سند سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور جب شاہان بیجاپور اور مغلوں میں جدال و قتال

جاری تھا تب مرہٹوں کا بھی تسلط رہا۔ قلعہ کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر علی و ٹیپو سلطان میسور کا بھی قبضہ رہا ہے جس نے اس کا نام سلطان گڑھ رکھا تھا۔ جب ٹیپو سلطان کی سلطنت کا خاتمہ انگریزوں مرہٹوں اور سرکار نظام نے مل کر دیا تب سے یہ ملک سنہ ۱۷۹۹ء میں سرکار نظام کے قبض و تصرف میں آیا۔ اُس وقت اس کا نام نظام گڈھ رکھا گیا سنہ ۱۸۵۳ء میں عمل کمشنری کا آغاز ہوا جس کے چند سال بعد سنہ ۱۸۶۱ء میں یہ علاقہ نواب سر سالار جنگ بہادر اولی کو جاگیر میں عطا ہوا۔ سنہ ۱۲۲۸ ف میں راجہ ویر پاکشن راؤ نار گوڑا جگلیرہ کا قبضہ بھی کپل پر رہا ہے جس نے بغاوت کی اور مارا گیا اس کو جو سولہ دیہات جاگیر تھے وہ بھی ضبط کر لیے گئے۔ سنہ ۱۸۵۸ء م سنہ ۱۲۶۸ ف کالا تپونام چھپرا دھیک جیٹھ بدیں منڈر گی بھیم راؤ نے جو بلھاری کا معاملہ دار تھا علم بغاوت بلند کیا اور ایک تعداد کثیر لوگوں کی فراہم کر کے یلغار قلعہ کپل میں جا گھسا۔ ضلع دھار واڑ و بلھاری سے سرکار انگریزی کی فوج نے آ کر قلعہ کو گھیر لیا دو دن تک محاصرہ قایم رہا تیسرے دن بڑے کشت و خون کے بعد باغی مارا گیا اور قلعہ فتح ہوا جس کے بعد قلعہ مسمار کر دیا گیا بہت سے برج منہدم کر دیے گئے اور توپیں توڑ پھوڑ کر بیکار کر دی گئیں۔

قلعہ پہاڑ کے اوپر بنا ہوا ہے جو گر پڑ گیا۔ فصیل اور خندق اور بڑے بڑے تیس برج ہیں قلعہ کے تین دروازے ہیں جن میں سے ایک سلطان دروازے کے نام سے مشہور ہے باقی دو کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں رہی صرف ایک توپ رہ گئی ہے جس کا طول چھ فیٹ اور دور ڈھائی فیٹ ہے۔ توپ پر کوئی کتبہ نہیں ہے اور بے کار ہے۔

سلطان دروازہ کا کتبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۔

مالک ایں قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از و طالع شدہ آثار کل عمارت تیار کرد فدوی قلعہ دار محمد خان بہلی نہادہ ام در سلطان باب

سنہ ۱۱۹۸ ہجری

دوسرے ایک دروازے پر یہ کتبہ ہی۔

اللہ کافی

حمل آگ کشیرا آ دروازہ مکہ بالقاب معظمہ مزین شدہ

سنہ ۱۱۹۳ھ

بندۂ نیاز نشان محمد عثمان ساکن کولار جنوبی وثاربہ حسب آب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنی نواب حیدر علی خان بہادر عرف فتح حیدر دام سلطنۃ وعظمۃ بنائے طیاری قلعہ کپّل دست داد۔ جابجا نیز بپایہ نہج فرنگ وکار ٹانکہ ونہر وخندق وغیرہ ترتیب یافت

یازدہم ذی قعدہ سنہ ۱۱۹۲ ہجری

قلعہ کے پاس "چاند کنٹہ" پر یہ کتبہ ہی

دریں ایام عمل نواب بہادر — عمارت ساخت درکپّل نوادر
نوادر کار شد اویافت نامی — قلعہ دار از محمد خاں بہلی
نخستین زآب قلت یافت عالم — بہایم طیر جملہ نسل آدم
زدریا فیض بکشایند او شان — قلعہ گجّی ومٹی راحتے داں
نہادند نام اورا چاند کنٹہ — نبز داست بر سر او جوگی بنڈہ
بہ عقلش آنکہ شد اطراف تیلاب [1] — میان جل پُری پر آب سیلاب
بماند یادگاری تا قیامت — نمونہ قریہ کپّل را سلامت
مرتب شد دریں رجّب مہ نو — سنہ ہجری یکہزار صد ونجباہ نو

[1] شاعری کی ذمہ داری اُس زمانے کے شاعر پر ہی تالاب کو تیلاب باندھا ہی یہ زمانہ بھی ایسے شعراء سے خالی نہیں منیر دولت آبادی جو کاغذی پورہ کے مشہور شاعر تھے اُنھوں نے نواب بشیر الدولہ بہادر مدار المہام وقت کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور اورنگ آباد میں برسر دربار پڑھا تھا اور بہ مصداق از صحبت شاہاں بپرحذر باید بود گاہے بہ سلامے برنجند وگاہی بہ دشنامے خلعت دہند نواب صاحب بہت مسرور ہوئے اور تیس روپیہ ماہانہ منصب کردیا۔ اس قصیدہ نے ایسی شہرت پائی کہ ہر شخص کی زبان پر تھا مجھے بھی دو ایک شعر یاد ہیں جو ناظرین کی تفریح طبع کے لئے نذر ہیں۔

نقش ذیل دروازۂ خورد کی چوکھٹ پر منقوش ہی

۱۱۳۲	۱۱۳۷	۱۱۲۶	۱۱۳۴
۱۱۳۵	۱۱۲۵	۱۱۱۴	۱۱۲۹
۱۱۳۷	۱۱۳۲	۱۱۳۳	۱۱۲۵
۱۱۲۴	۱۱۳۶	۱۱۳۰	۱۱۳۹

دوسرے مشہور مقامات کپّل سے کنہال چھ میل ہی یہاں گُٹّی کے کھلونے ایسے نفیس بنتے ہیں کہ دیکھنے کے قابل اور دور دور جاتے ہیں۔ موضع الوندی میں فرقۂ لنگایت کا ایک بہت بڑا مٹھ ہی جس کا پوجاری اس تمام فرقہ کا مذہبی رہنما ہی۔ الوندی کے پاس ایک موضع بہراپور ہی جو ہندؤں کا بڑا مقدس مقام اس وجہ سے مشہور ہی کہ رام چندر جی لنکا جاتے وقت اس مقام پر سے گزرے تھے پیاس شدت سے لگی رام چندر جی نے اپنے تیر سے ایک باؤلی کھودی اور پانی پی کر آگے بڑھے یہاں جاترا ہوتی ہی۔ منیر آباد ریلوے اسٹیشن کے پاس دریاے تنگ بھدرا کے کنارے کپّل سے

بقیہ حاشیہ ۶۹۲۔ آسماں کے تم جب ماہ ہوا ہی دولہ بشیر دھ — موٹے ہوا اور طیّار ہو بس تم کو بھی دیکھا
مہدی ودگر مہدی و مشتاق فریدوں — با معتمد چار ہو بس تم کو بھی دیکھا
. . . . — اور ریل پر اسوار ہو بس تم کو بھی دیکھا
. . . . — عقّل کے سما وار ہو بس تم کو بھی دیکھا

مہدی ودگر مہدی سے مراد مولوی مہدی علی اور مہدی حسن صاحب ہیں۔

مدراس کی پرانی شاعری اور ٹھیٹ زبان کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

اپنی محفل میں اُتوں آؤ بول کو فرمائیں کتے (فرماتے ہیں کہتے ہیں) سو کو گئے سو میرے نجیاں اُٹھ کو پھر آئیں کتے
(مقدر — بخت خوابیدہ — یعنی پھر بیدار ہوتے ہیں)

ارّے یو دل گم گیا کاں سٹ گیا کی روڈ پو — کیا اُٹھوں کو بولوں میں منگتے آپچ آئیں کتے
(کلمۂ استعجاب کھو — کہاں گر — کون سی سڑک پر — وہ — اُن — مانگتے آپ ہی آرہے ہیں)

سب جفایاں اُن کی اپڑیا اب جفا لوچی سنو — ہاتھ میں شمشیر لے کر منجے ازمائیں کتے
(سہا — تئی — مجھے)

کون سے چوّے کے بل میں ٹھیاٹ کو جا کو چھپوں — دشمناں رستے میں مل کو گنڈی آکائیں کتے
(چوہے — بھاگ کر — سدِ راہ ہوتے ہیں)

بارہ میل موضع بگی ہی یہاں ہلگما کا مشہور دیول ہی جو درختوں اور باغات کے جھنڈ میں گھرا ہوا ہی اور بڑا ٹھنڈا اور تفریح کا مقام ہی یہاں ایک مسافر بنگلہ بھی ہی۔ ہلگما دیوتی کی جاترا خورداد کے مہینے میں ہوتی ہی جس میں پچاس ہزار سے ساٹھ ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اب بلیگ نے اسے توڑ دیا ہی۔ بنی کپہ ریلوے اسٹیشن سے تین میل موضع اٹگی میں چھ مشہور دیول ہیں جن کی صناعی قابل دید ہی یہ دیول سنہ ۱۱ء کے قبل کے بنے ہوے ہیں۔ اکثر سیاح ان دیولوں کو دیکھنے جاتے ہیں۔

خاتمہ

کتابوں کتابوں میں بھی فرق ہی۔ قصہ کہانی ناول یہ سب جس طرح لیٹ ریڈنگ[۵۱] ہیں ویسے ہی ان کی تصنیف بھی سہل الاصول ہی۔ محض خیالات کا اجتماع پلاٹ[۵۲] کی تدوین۔ دماغ کا نچوڑ اس کا مسالا ہی لیکن تاریخ زمان سلف لکھنا ایک بہت دقت طلب امر ہی۔ صدہا کتابیں جب اُلٹی جائیں۔ بیسیوں مقامات کا عینی مشاہدہ کیا جاے۔ معمر و مسن اشخاص کی سینہ بسینہ روایتوں کی تفتیش اور تفحص کی جاے۔ کتبوں کی ہندی کی چندی نکالی جاے۔ جب کہیں تاریخ کی کتاب طیار ہو تو ہو۔ مثل مشہور ہی "شادی دیکھو رچاکر اور مکان دیکھو بناکر" اور میں بلحاظ اپنے تجربہ کے اس میں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ "کتاب دیکھو لکھ کر"۔ نفس کتاب تاریخ میں لکھ کر اگست سنہ ۱۹۱۴ء میں فارغ ہوگیا اور فی زعمی خوش بھی ہوا کہ ع ایں بارگراں بود ادا شد چہ بجا شد۔ لیکن جس کسی کو تصنیف کا چسکا لگ جاتا ہی وہ اسی اُدھیڑ بُن میں لگا رہتا ہی۔ حصۂ اول کی تکمیل کے بعد ارادہ ہوا کہ تاریخ کے ساتھ ہی بیجاپور کی عمارات کا حال قلم بند ہونا کتاب کی تکمیل کے لیئے لازم و ملزوم ہی ورنہ کتاب ادھوری رہ جاے گی چنانچہ حصۂ دوم بھی مرتب ہوگیا۔ اس منزل پر میں نے ٹیکا لگایا پھر یہ سوجھی کہ جو کچھ تونے لکھا صرف ایک شہر بیجاپور کا حال تھا اگر اسی پر اکتفا کیا جاے تو فی نفسہ خاندان شاہان عادل شاہیہ کی اولوالعزمی کو بٹہ لگاتا ہی۔ لاؤ لگے ہاتھوں ان کے ہم عصر سلاطین اور راجگان ذی شان کے مختصر حالات بھی لکھو کہ جن سے رات دن ان کی سٹ بھیڑ رہی ہی۔ جب تک پہلو بہ پہلو مخالف و معاند کے حالات نہ بتلائے جائیں تو یک رخی تصویر سے کیا نتیجہ نکل سکے گا تُعرَفُ الشَّيءُ بِالأَضدَادِ

۵۱ سبک خواندگی جس سے دماغ پر بار نہ ہو و غور و خوض کا نہ پڑے۔ ۵۲ خاکہ۔ ڈہانچہ - ۱۲

اِن معرکۃ الآرا حالات کے ساتھ شاہانِ عادل شاہیہ کے وسیع مقبوضات کے حالات بھی لکھو جو دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہہ آخری سلسلہ حصۂ سوم میں مدوّن ہی جس کی وجہ سے حجم کے ساتھ اِس کتاب کی رونق اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ ناظرین کو حصۂ سوم میں سوائے بیجاپور کے بہت سے مختلف مقامات کا نظارہ علی سبیل الاختصار دکھلایا گیا ہی۔ اور اگر میں یہہ کہوں کہ یہہ تاریخ مجموعۂ تاریخ ملک دکن ہی تو کچھ خودستائی نہ ہوگی۔ ایک برس پہلے اور پھر ایک برس سے کچھ اوپر اب غرض دو سوا دو برس کی لگاتار محنت کا یہہ ثمرہ ہی ؎

قدردانی کی نگاہوں سے اگر دیکھیں آپ
میں یہہ سمجھوں گا ٹھکانے لگی محنت میری

میں اب اس مشغلہ کو تہ کرتا ہوں اور ناظرین سے بعد اعتراف اپنی کم بضاعتی کے خواہانِ عفو ہوں غلطی کا ہونا لازمۂ بشریت ہی۔ قدردان اور سخن شناس محنت و کاوش کی داد دیتے ہیں اور عیوب پر مہر و کرم کا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اِس کے خلاف بعض ایسے حضرات بھی ہیں کہ ہنر پر نظر نہیں۔ عیوب کو نمک مرچ لگا کر میل کا بیل بنا دیتے ہیں ؎

عیب کے دیکھنے والے تو بہت ہیں لیکن
پر یہاں حسن شناسانِ سخن تھوڑے ہیں

مقام رائچور۔ دکن
۶ ستمبر ۱۹۱۵ء

فقیر حقیر بشیر

قطعۂ تاریخ از طبع جناب ابوللسان مولوی محمد صدیق حسن صاحب سفیر نگینوی

مرحبا مرحبا بشیر الدین۔ خوب لکھی ہی واقعی تاریخ
واقعات اِس میں خوب لکھے ہیں۔ خوب تحقیق سے لکھی تاریخ

سچ تو یہہ ہی کہ اپنی شان کی یہہ ہی ہزاروں میں ایک ہی تاریخ
فکر تاریخ جب کی تھی مجھکو۔ سال ہجری میں یہہ کہی تاریخ

جس کی مدت سے آرزو تھی سفیر
آج وہ "طبع ہو گئی تاریخ"

سنہ ہجری ۱۳۳۳

تقاریظ

تقریظ عربی ریختۂ قلم عالم اجل فاضل اکمل عالی جناب مولنا مولوی حاجی حافظ سید احمد حسین صاحب قبلہ محدث دہلوی ول تعلقہ دار پنشنر ادام اللہ فیضہ واحسانہ

اعلموا ایها الناس ان الکتاب الذی صنفه الفاضل الجلیل والعالم النبیل اعنی مولنا
المولوی بشیر الدین احمد ابن شمس العلماء مولانا المولوی نذیر احمد مرحوم طاب الله
ثراه وجعل الجنة مثواه فی تاریخ بیجانگر وبیجاپور کتاب لم یر الدهور مثیله
ولم یلاحظ الشهور عدیله فلله در المصنف حیث جد فی تالیفه واجتهد
فی تصنیفه اجتهادا لم یماثله المماثلون لان المورخین الذین سبقوه وان
صنفوا فی هذا الباب کتبا عدیدة لکن لم یسبقوا علیه بل سبق هو
علیهم لاشتمال کتابه علی النقوش التی کانت منقوشة فی بعض احجار
العمارات القدیمة من تلک القری وکانت هی مبینة للاحوال الضروریة
مما مضی فترک السابقون ما لا ینبغی ترکه وذکره هو فی کتابه هذا مما
یلیق ذکره فحقیق ان یقال لهذا السفر العجیب والزبر الغریب زبدة التاریخ
فی الامصار وخلاصة التواریخ فی الاعصار کیف لا وابوه رحمة الله قد
اشتهر فی المشارق والمغارب وکانت تصنیفاته من العجائب والغرائب
فکما ان الولد سر لابیه کذلک تصنیفه سر لتصنیفات ابیه
فهذه الصنعة الشریفة والمنقبة المنیفة بتوارث من آبائه الکرام
واجداده العظام اسکنهم الله من الجنة فی اعلی المقام وکما
ان القرآن المجید والفرقان الحمید لاحاطة علی الواقعات الماضیة
کان موجبا للبصیرة اهل الانظار کما قال الله تعالی بعد ذکر
تلک الواقعات فاعتبروا یا اولی الابصار کان تصنیفه فی تلک الواقعات

والحوادث تعمیماً لتعلیم مسالک کلام الله العلام وهذه صنعة اهل الفضل الکرام ولمثل هذا فلیعمل العاملون وبحسنه یوقنون ٥

تقریظ ریختۂ قلم معجز رقم فاضل اجل عالم اکمل سیدی سندی مولٰنا مولوی سید مخدوم الحسینی الحسنی القادری ساکن کرنول ادام اللہ فیضہ و برکاتہٗ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی له ملك السموات والارض مالك الملك ذو الجلال والاکرام احکم الحاکمین له کل ملوك الارض عبید وهذا امر واجهی الصلاة وازکی السلام علی سید الرسل الکرام مولانا محمد ن المصطفی واله المجتبی واصحابه العظام الی یوم القیام امّا بعد فیا معشر الاحباب البشر و اطبع هذا الکتاب المستطاب المشهور المسمی واقعات مملکت بیجاپور الذی صنفه الحبر العلام البحر الطمطام البارع النحریر الامجد مولانا المولوی بشیر الدین احمد ادام الله فیوضه وایده ابن مولانا الفاضل الشهیر الاوحد مولانا الحافظ المولوی نذیر احمد نور الله مرقده ونور مضجعه برد ذالك الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین وموعظة للمتعظین وتذکرة لکل عبد منیب وتبصرة لکل ادیب اریب فجزاه الله خیر الجزاء وارضاه بمنشور الاقبال والرضاء وجعل سعیه مشکوراً وجزاه جزاء موفوراً حیث اتی بتحقیق عجیب و تدقیق غریب مالم یأت به احد من العلماء و فرد من المؤرخین والناقلین ان هذا الشیء عجاب وفصل الخطاب فاعتبروا یا اولی الابصار وانظروا فیه بعین الاعتبار ان فی ذالك لعبرة لمن یخشی ولاولی الالباب لان قصص الاولین عبرة للآخرین فمحصل الکلام ان هذا الکتاب حری بان یقال فی شانه مایقال ؎ هذا کتاب لو یباع بوزنه ؞ ذهباً لکان البائع مغبوناً ؞ جعله الله مقبولاً بین العالمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ٥

کتبه الفقیر الی الله الغنی ابو الخیر و الفضل السید محمد مخدوم الحسینی الحسنی القادری النظامی عامله الله بلطفه السامی۔

قطعات تاریخی

قطعۂ تاریخ طبع کتاب واقعات مملکت بیجاپور از فقیر الی اللہ الغنی ابوالخیر و الفضل سید محمد مخدوم حسینی الحسنی المعروف بہ سید خواجہ حسینی کرنولی کان اللہ لہ و لوالدیہ

أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ — مَالِكَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوَاتِ
مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ فَلَا — مِثْلَهُ فِي الصِّفَاتِ وَالذَّاتِ
صَادِقٌ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ — يَبْقَىٰ مَنْ خَالِقُ الْبَرِيَّاتِ
أَيْنَ دَارَا وَأَيْنَ إِسْكَنْدَرْ — أَيْنَ مَنْ هُمْ مُلُوكُ أَرْضَاتِ
أَيْنَ مَنْ مَلَأَ مُلْكَهُ عَدْلًا — دَاسِمِیُّ الْخَلِيلِ خَيْرَاتِ
أَيْنَ مَوْلَاهُ مُلْكِ بِيجَافُورْ — عَادِلِيِّينَ بِالْكَرَامَاتِ
حَالُ جَبَرُوتِهِمْ تَرَىٰ طُرًّا — فِي كِتَابٍ لِلَّذِي لِعِنَايَاتِ
حَاكِمٌ عَادِلٌ بَشِيرُ الدِّينِ — صَاحِبُ الْفَضْلِ وَالْكَرَامَاتِ
فَاضِلٌ بَاذِلٌ فَقِيدُ الْمِثْلِ — بَارِعٌ جَامِعُ الْكَمَالَاتِ
فَيْضُهُ فِي الْوَرَىٰ لَقَدْ عَمَّ — مِنْ تَصَانِيفِهِ الْعَجِيبَاتِ
صَنَّفَ ذٰلِكَ الْكِتَابَ هُدًى — لِلْبَرَايَا إِلَى السَّعَادَاتِ
جَمَعَ فِيهِ مِنْ سَوَانِحِهِمْ — أَلَّفَ فِيهِ كُلَّ حَالَاتِ
لَوْ يُبَاعُ بِوَزْنِهِ ذَهَبًا — كَانَ مَنْ بَاعَهُ بِحَسَرَاتِ
أَرِّخْ طَبْعَهُ أَبُو الْخَيْرِ — أَحْقَرُ الْخَلْقِ وَالْبَرِيَّاتِ

جَاءَ تَارِيخُهُ مِنَ الْقُرْآنِ
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ[1]

سنہ ۱۳۳۲ ہجری

---

[1] یعنی ابراہیم عادل شاہ۔ ۱۲

تقریظ بر کتاب تاریخ واقعات مملکت بیجاپور مولفۂ مخدومی مولانا و بالفضل اولٰنا جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب دام اقبالہم اول تعلقدار ریاست نظام حیدر آباد دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ و افاض علی العلمین برہٗ و احسانہٗ نوشتۂ جناب مولوی سید غوث محی الدین صاحب ایجاد دوم تعلقہ دار وظیفہ یاب حال ناظم عدالت سمستان گدوال ضلع رائچور

خوشا نسخۂ چشم روشنی دہ کہ سوادش چوں سوادِ چشم آئینہ پرداز بینائی است۔ حبذا صحیفۂ فرخ آثار کہ صفحۂ رنگینش چوں چشم گل سرخروی حکایت واقعات آرائی۔ سطورش چوں ابروانِ خوش چشماں ناصیہ دارادا ہاے روشن۔ وحروفش چوں دیدۂ آہو نگاہان براشارات غریب سیاہی زن اگر الف است چوں نگاہِ سعادتمندانِ علم افزا فرخ فالی است۔ واگر با است چوں ابروے دولتمنداں سفینہ پرداز خوش حالی اگر جیم است چوں چشم آہو سیاہ خیمہ لیلاے فصاحت است۔ واگر را است چوں مژدۂ خوشرویانِ کلید گنجینۂ بلاغت۔ حرف حرفش پر از فور متانت و صداقت دال است و ہر نقطہ اش مہر گنجینۂ کمال۔ نقطہ اش چوں خالِ چشم خوباں سیاہی دہ دیدۂ فرخندگی است وجلوۂ معانیِ صافی از سوادِ عبارتش چوں جلوۂ آب زندگی۔ تجلی بین السطورچوں شعاعِ چشم خورشید روشنی بخش چہرۂ متانت است۔۔ ومعانیِ رنگینش چوں رخسار رنگین غازہ پرداز روے سلاست۔ نثری است کہ نظم ثریا بروے نثار است۔ و انتظام سلک کہکشاں پیش آن بے اعتبار۔ ہر صفحہ اش جواہر نگار است۔ بلکہ سراسر گلزار۔ مدادش روشن تراز چشم غزال است۔ و دودہ اش سیاہ تر از زلف وخال۔ گویا مصداق۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْراً نثر ہذا است و سحر بابل عبارت از ہمین انشا تاریخی است کہ احوال سلاطین از آن آشکار۔ وحکایاتش نگارین تر از باغ و بہار۔ قصہ ایست مرغوب تر از سخن شاخ نبات۔ و داستانے است کہ روانی بیانش جان بخش تر از آب حیات۔ تذکرہ اش حکام اسلف را زندہ ساختہ۔ و سامعہ را بجواہر زواہر واقعات دلچسپ پرداختہ۔ بیان عمارتش کہ الحال از بود و باش حکام سلف بر کنار۔ گویا مصداقِ فَاعْتَبِرُوْا یا اُولِی الْاَبْصَار۔ ازانجا کہ مطالعہ تالیف ہذا خبر از طبع نقادِ مولف می دہد پس بہ کہ اولاً بدعاے ارتقاے مدارج مولف یعنی مخدومی مربائی جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب اول تعلقہ دار

ضلع رائچور دام مجدہم پردازم۔ وثانیاً قطعۂ تاریخش کہ در صنعتِ ملفوظی است بیان سازم ؎

یا خدا بخت او ہمایوں باد　　شوکتش نیز روز افزوں باد
آنکہ ز آہنگ عزم او ہر دم　　کاروبارِ جہاں بہ قانوں باد
سازِ آوازۂ لیاقتِ او　　نغمہ پرواز ربع مسکوں باد
ایں دعا می کنم کہ عشرتِ او　　در تسلسل چو دورِ گردوں باد

قطعۂ تاریخ بہ صنعت ملفوظی

؎

عجائب نسخۂ دلچسپ مرغوب
کہ طبع از دیدنش گردیدہ محظوظ
سراپا دیدہ ریزی چوں نمودم
دال۔ ہا
۶-۳۵
۴۱
سنش تالیف خوب آمد بملفوظ
تا الف لام یا فا خا واو ا
۹۴　　۱۲　　ہجری
۱۳۴۱
۱۳۳۴ ہجری

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس تہلی ضلع ساکن

"قطعۂ سال تالیف واقعہ شہنشاہان بیجاپور"

۱۹۱۴ء

۴۰	مدیح خلق خدا پیکمال ذی جوہر	۲۰۰	۶۰۰	ذہین وزیرک و معجز مقال اہل شعور
۹۰	صلاح کارنکو مولوی بشیر احمد	۴	۳	جو رائچور کے حاکم ہیں نامی و مشہور

۵	ہیں ان کے والد ماجد وہی بہشت نصیب	۲	۳	جناب[۵۱] حافظ مرحوم دہلوی مغفور
۱	انھیں کی لکھی ہے بیجانگر کی وہ تاریخ	۴۰۰	۲۰	کہ جس کے نام[۵۲] میں تاریخ طبع ہے مستور
۵۰	"نشاط عمر" بھی ہے آپ ہی کی طبّاعی	۱۰	۳۰	لکھی گئی ہے جو وقتِ قیام لنگسگور
۱	اک اس کا حصۂ اول "وہ حرز طفلاں" ہے	۱۰	۲۰	کہ جس کے لکھنے پر اخلاق نے کیا مجبور
۷۰	"عصائے پیری" اسی کا ہے حصۂ آخر	۲۰۰	۲۰	کہ زیر طبع ہے ان کو خدا کرے ماجور
۷۰	علاوہ اس کے کئی اور بھی ہیں تصنیفات	۴۰۰	۲۰	کہ ہے مفید ہر اک ازپئے اناث و ذکور
۲۰	کتابت ان کی تصانیف کی دبیر فلک	۲۰	۲۰	کرے زمین پہ اگر تو کیا عجب کچھ ہے دور
۴۰۰	تمام علم کی دنیا میں دیکھئے پھر کے	۱۰	۴۰	مصنفوں میں کہاں ان کا ہے نہیں مذکور
۹	طبیعت ایسی خداداد پائی ہے پُرزور	۲۰۰	۱۰۰	قلم اٹھائے کوئی کیا مجال ان کے حضور
۴۰۰	تبحر ان کو ہے کس علم میں نہیں حاصل	۳۰	۱	اصول و فقہ و تواریخ ادب ہے سب میں عبور
۲	بہت سے اور ہیں اوصاف ان کے اخلاقی	۱۰	۱۰۰	قلم کو شرح میں جس کی ہے اعتراف قصور
۴۰	مذاقِ طبع نے چھوڑا نہ سبے قلم اٹھوائے	۱۰	۱	اگرچہ دل ہے ابھی حادثات سے رنجور
۴۰	لکھا یہ تذکرہ پھر اب شہان عادل کا	۱	۲۰۰	روا ہے اس کو اگر کیجئے گوہر منثور
۱۰۰	قریب تر ہے زمانہ کہ چھپ کے شائع ہو	۶	۳	جناب حضرت باری کو ہے اگر منظور
۱	اب اس کتاب کا درکار ہے جو نام ایسا	۱	۲۰	کہ فارسی سن تالیف بھی ہو اس میں ضرور
۳	چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار	۲۰۰	۲۰	کہو کہ "واقعۂ خسروان بیجاپور"

سنہ ۱۳۳۲ھ سنہ ۱۹۱۴ء سنہ ۱۳۲۱ فصلی سنہ ۱۳۲۳ فارسی

ولہ

خداوند عالم کا شکر و سپاس
کہ فرمانروایانِ عادل کا حال

[۵۱] جناب حافظ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے مراد ہے ۱۲

[۵۲] نام "تاریخ بیجانگر" ہے۔ اس میں تاریخ طبع سنہ ۱۹۱۱ء از روئے قاعدہ زبر و بیّنات نکلتی ہے ۱۲

نوٹ۔ واضح ہو کہ ہر مصرعۂ اول کے پہلے حروف کے مجموعے سے سنہ ہجری اور انھیں مصرعوں کے آخر حروف کے مجموعے سے سنہ عیسوی اور ہر دوسرے مصرعہ کے پہلے حروف کے مجموعے سے سنہ فصلی نکلتا ہے۔

بتصریح لکھ کر ہوے فارغ آج — جناب بشیر احمد خوش خیال
عبث ہے تجھے اتنی فکر و تلاش — سن و سال تالیف کا کیا ہی کال
صریر قلم کہہ رہی ہے لطیف — "یہہ تاریخ لکھی گئی بے مثال"

سنہ ۱۹۱۴ء

وله

یہہ جواب کے بشیر نے تاریخ — روح بخش قلوب لکھی ہے
من و عن حالت شہ عادل — پاک و صاف از عیوب لکھی ہے
حق ہے لکھئے جو اس کی یہہ تاریخ — کہ "یہہ تاریخ خوب لکھی ہے"

سنہ ۱۹۱۴ء

وله

لکھے گئے وقائع عادل شہی جو یہہ — ہم اور آپ اس کی ستایش کریں گے کیا
خود کہہ رہا ہی مصرعۂ تاریخ ای لطیف — "تاریخ کیا بشیر نے لکھی ہی بے بہا"

سنہ ۱۹۱۴ء

وله

ای بشیر الدین احمد آپ نے یہہ تذکرہ — لایق توصیف و تحسین خوب لکھا واہ واہ
کھینچ کر تصویر ساری سلطنت کی یک قلم — با سر و سامان خود و خنجر و فیل و سپاہ
پھونک دی اک روح اس میں آپنے ایسی پھر — جی اُٹھے شاہان بیجاپور با تخت و کلاہ
سیکڑوں جانیں نثار اس آپکے اعجاز پر — صدقے اس دست و قلم کے لاکھوں ال شام و پگاہ
کون سی ہی وہ جگہ اس کا جہاں چرچا نہیں — ہر کہیں مذکور اس کا رات دن ہی خواہ مخواہ
مفت ہی یہہ موتیوں کے مول بھی یہہ مفت ہے — معنی و الفاظ پر جو ڈالئے گہری نگاہ
اس دُر افشانی کو سمجھے ہر کوئی کیا بالعموم — قدر گوہر جوہری داند کہ داند بادشاہ
حسن بندش کے ہیں خود اس کے مضامین معترف — اس کی خوبی پر ہی اس کا فقرہ فقرہ خود گواہ
کس کی کس کی ہم کریں تعریف منہ میں اک زباں — لفظ لفظ و حرف حرف و نقطہ نقطہ داد خواہ

ہاں باقبال حروف بالفظ کہئے تو ہم
کہہ دیں سال اس کا "یہہ ہی تاریخ عادل بادشاہ"

سنہ ۱۳۳۲ ہجری

وله

بشیر نے جو یہ تاریخ ملک بیجاپور　　یہ جاں فشانی و سعی بلیغ لکھی ہے
اب اس کی پوچھے کوئی بانقط اگر تاریخ　　تو بس یہ کہدو کہ "تاریخ بادشاہی ہے"

سنہ ۱۳۳۲ھ

"تواریخ بسوط شہان بیجاپور"

سنہ ۱۹۱۴ء

وله تاریخ طبع

(۵) ہوا ہے جو یہ چھپ کے مطبوع عام (۳۰) (۷۰) عدیل و نظیر اپنی ہے آپ ہی (۱۰)
(۳۰) لکھی جس نے تاریخ بیجانگر (۲۰۰) (۴۰) مولف ہے اس تذکرے کا وہی (۱۰)
(۶) وضاحت یہ ہے اس کی دانش فدا (۱) (۴۰) تصدق وضاحت بریں آگہی (۱۰)
(۱) اب اس کی ہے مطلوب تاریخ طبع (۷۰) (۲۰) کرے فکر اس میں نہ کچھ کوتہی (۱۰)
(۶۰) سخی سے بھلا سوم جو دے جواب (۲) (۳) جو کہنا ہو کل وہ کہے آج ہی (۱۰)
(۱) اگر کامیابی نہ تخریج میں ہو (۶) (۴۰۰) تو منقوطہ حرفوں میں فصلی سہی (۱۰)
(۱۰) یہ مصرع نہایت ہے موزوں لطیف (۸۰) (۴۰۰) تواریخ مبسوط عادل شہی (۱۰)

۱۱۳　　۳۹۹ سنہ ۱۳۳۲ھ　　سنہ ۱۳۳۲ فصلی (ہندی) ۷۰

۱۱۳ + ۳۹۹ + ۱۳۳۲ + ۱۳۳۲ ÷ ۷۰ = سنہ ۱۹۱۵ء

قطعات تاریخ نوشتہ جناب سید نصیر الدین[۵۱] شاہ صاحب قادری جاگیردار آنا ہسور[۵۲] وغیرہ ضلع رائچور

بشیر احمد[۵] کہ ماہ و سالش　　فزوں کند رب ذوالجلالش
بود مدام از خزان آفت　　بامن حق جملہ نونہالش

[۵۱] آپ سید شاہ احمد صاحب نبیرہ قادری جاگیردار آنا ہسور کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ کو بیجاپور میں بھی معاش ہے یہ مواضع بھی آپ کے خاندان سلاطین عادل شاہیہ کے زمانہ سے جاگیر ہیں۔ [۵۲] آنا ہسور کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کنڑی زبان میں آنا ہاتھی کو کہتے ہیں ہسں نیا۔ اور گاؤں یعنی ہاتھیوں کے رہنے کا نیا گاؤں۔ چوں کہ سلاطین عادل شاہیہ کے ہاتھی بوجہ قرب دو کشتا اس جگہ رہتے تھے لہذا یہ نام پڑ گیا۔ ۱۲

فرید دهر و وحید عالم — بذی کمالی زهی کمالش

پدر مقدس پسر مکرّم — ستوده هر یک بحسن حالش

دل خلایق مسخّر او — بحسن انصاف و خوش خصالش

نوشت تاریخ بیجاپوری — ندید چشم کسی مثالش

قلم بهر قصه که برداشت — عیان نموده نهفته حالش

چو فکر کردم بسال فصلی — همایون تاریخ گشت سالش

سنہ ۱۳۲۳ فصلی

ولہٗ

بشیر الدین احمد ذی کمالی — که باشد مهربانش ذوالجلالی

زهی ذی عقل و ذی تمیز و ذی هوش — بمی نوشان خوش خوئی بلانوش

کسی هم پایهٔ او در بشر نیست — اگر کس هست چون او دادگر نیست

زهی انصاف پرور عدل گستر — تعلقداریش زیبد سراسر

از و شمع عدالت هست روشن — زمین ضلع رشک دشت ایمن

ستم در بند و عدل و داد از وی — رعیت شاد و ملک آباد از وی

کسی را بر کسی نی چیره دستی — سر افگنده همه بر حق پرستی

خلاف ضابطه هرگز نجوید — اگر جوید صلاح کار جوید

بدستش در فراخی تنگ دستی — کف جودش کفیل سرپرستی

به تحریر و به تقریر و به تصنیف — برون تعریف او از حد تعریف

از و روی کمال و علم و پر نور — ز دلها تیرگی جهل از و دور

جوابش نیست در شیرین کلامی — در آفاق آمده نامی گرامی

کتابی چند کو تالیف فرمود — همه تعریف بر تعریف افزود

بخوبی هر یکی بس بی مثال است — کرا مانند تالیفش مجال است

در آن شهری که بیجاپور گویند — ز خاک او سرور و سوز جویند

بعادل شاه بوده پایهٔ تخت — گرفته بهترین سرمایهٔ بخت

کنوں تاریخ او خوش تر نوشت است ... در آن تخم نکو نا بیست کشت است
بود تاریخ بیجاپور نامش ... کہ شد در ساعتِ نیک اختتامش
ہمہ از عیب پاک و بے نظیرے ... صفا بخشندۂ روشن ضمیرے
ہر اک نقل است ایں تاریخ اصل است ... با صل و نقل خیلے فرق و فصل است
گل گلزار خوبی حرف حرفش ... صریر خامہ نغمہ سنج وصفش
ہر فقرہ سودہ مشک و عنبر ... مشام جان و دل از وی معطر
بوئے خوبیش دل باغ باغ است ... رہ گل گشت گلشن بے چراغ است
جز یں او صاف او ہم بس دراز است ... دعا گو را انگوں فرق نیاز است
بود تا ایں کتب اندر زمانہ ... الٰہی باد نامش جاودانہ
زمانے در تجسس چوں سر آمد ... سنش از کار عادل شہ بر آمد
بطرز نو دگر چوں پا فشردم ... کہ حرف بالنقط آید بدستم
ز ہاتف آمد ایں مصرع بمسموع ... چہ شد تاریخ بیجاپور مطبوع
سنہ ۱۳۲۲ھ

ولہ

کرم تم پر اللہ کا اے لبشید ... لکھی تم نے تاریخ کیا بے نظیر
یہ مرغوب ہی سب کو مطلوب ہی ... یہ مقبول ہی سب کو محبوب ہی
ہر اک قصہ اچھے سے اچھا لکھا ... حقیقت کو لفظوں میں دکھلا دیا
کوئی اس سے تاریخ بہتر نہیں ... جو باطل کہے اس کو حق پر نہیں
حروف اس کے ہیں باغ فرحت کے پھول ... نہ ہو دیکھ کر جس کو کوئی ملول
یہ ہی راحت جان و آرام دل ... یہی غم رہا ہی۔ یہی غم گسل
پدر جس مصنف کا ہووے فنذیر ... نہ کیوں اُس کی تصنیف ہو بے نظیر
پسر بھی مصنف ہی مثل پدر ... وہ مہر سپہر سخن یہ قمر
زیادہ کروں اور تعریف کیا ... بڑی بات اور مُنہ ہی چھوٹا مرا
سن طبع کی جب ہوئی جستجو ... ہوئی بانقط حرف سے دو بدو
وہیں یہ ندا غیب سے آ گئی ... ہوئی طبع تاریخ عادل شہی
۱۳۲۲ھ

وله

ای بشیر الدین احمد دادگر نصفت پناہ — فرقِ اقدس پر رہے سایہ فگن ظلِ الٰہ
آپ راضی خلق سے اور خالق راضی آپ سے — آپ سب کے خیر خواہ اور آپکے سب خیر خواہ
جب کہ لکھی آپ نے تاریخ بیجاپور کی — دل سے ہر اک کے نکل آئی صدائے واہ واہ
کر سکے گا کوئی کیا تعریف اِس تاریخ کی — اس کی خوبی پر ہی اس کا فقرہ فقرہ خود گواہ
ہاتف غیبی نے سال عیسوی اِس کا لکھا — ای بشیر الدین یہ تاریخ ہی کیا واہ واہ

۱۹۱۴ء

وله

افتخار زماں بشیر الدین — کز مشاہیر دہلی و دکن است
بارک اللہ بہ مسند تالیف — پہلوے والد خودش بہ نشست
فن تاریخ او کمال گرفت — کلک جملہ مورخاں بہ شکست
سیر خسروان بیجاپور — ضبط تحریر ساختہ بہ دست
فکر ازاں چوں حساب ہجری جست — از درونش عدد برون بر جست
سوی خواستم چو از ہاتف — گفت او مخزن تواریخ است

۱۹۱۴ء

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب ابو المعانی سید منتجب الدین صاحب تجلّی صدر خزانہ دار ضلع رائچور

چھپ گئی تاریخ بیجاپور کی — بے عدیل و بے نظیر و بے بدل
یہ شجر وہ ہی کہ جس میں سیکڑوں — تجربے کے پھول ہیں حکمت کے پھل
ای بشیر الدین احمد آفریں — خوب پھر تاریخ لکھی بر محل
طبع والا حکم راں خامہ پہ ہی — دو قدم آگے ہوا سے بڑھ کے چل
عادل و نصفت شعار و ذی حشم — متقی ہو اور عالم با عمل
خوش نصیب و خوش لیاقت خوش خصال — نیک طینت پاک باطن بے بدل
کار سرکاری سے گو فرصت نہیں — قیمتی ہی آپ کا اک ایک پل
پھر بھی وہ لکھیں کتابیں آپ نے — نام ہوگا آپ کا ضرب المثل

بہرہ ور اِس گنج سے ہو اِک جہاں — اِس شجر سے قوم کھائے نیک پھل
سعی ہو مشکورِ عالم آپ کی — آپ کو اللہ دے اِس کا بدل
ای تجلیؔ لکھ دے اِس کا سالِ طبع — واہ کیا تاریخ ہی پھیلے پھلے بدل

سنہ ۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی محمد عزیز الرحمٰن صاحب سرشتہ دار محکمۂ اول تعلقہ داری ضلع رایچور

وہ بشیر الدین احمد صاحب عالی وقار — جن کو دی رایچور کی ہی حق نے اعلیٰ افسری
ہیں تعلق دار اور ناظم بھی ہیں اِس ضلع کے — جن کی نظروں میں مساوی سب ہیں درویش و غنی
عدل میں خلق و مروّت میں نہیں جن کی نظیر — اور نہیں جن پر لیاقت میں کسی کو برتری
یہ مسلّم ہی بلاغت میں نہیں اُن کی مثال — کیا فصاحت کا بیاں جن کی زباں ہو دہلوی
بے نشاں نام ستم ہی بے پتہ ہی نام ظلم — شیر کے پہلو میں بے فکری سے ہی بکری کھڑی
یاں نہیں چلتی سفارش اور نہیں چلتا ہی زور — ہاں مگر کرتی اثر ہی بے کسوں کی بے کسی
کس میں ہمت ہی کہ وہ یاں مردِ میداں بن کے آئے — بھول بیٹھا ہی یہاں رستم بھی اپنی رستمی
جو ستم گر بن کے آیا ٹھوکریں کھا کر گیا — جم کے رہنا اُس کو دو بھر ہو گیا یاں دو گھڑی
ہر کس و ناکس کی لگتی داد ہی اِس جا ضرور — دال گلتی یاں نہیں ہرگز کسی مغرور کی
شیرِ غرّاں جتنے تھے وہ شیرِ قالیں بن گئے — نقش بر دیوار ہیں بھولے ہوئے ہیں برہمی
ظلم سے کان آشنا ہوتے نہیں یاں پر مگر — آشنا دریائے نصفت کے ہیں درویش و غنی
یہ نذیر احمدؒ کے ہیں فرزند جو تھے بے نظیر — شہرۂ آفاق تھی جن کی زبانِ پارسی
ترجمہ قرآں کا اُردو میں کیا اچھا کیا — کیوں نہ ہو حاصل تھا اُن کو علم دینی دنیوی
وہ لیاقت وہ بلاغت اور وہ میٹھی بول چال — اِن کی اُردو کا تو کیا کہنا زباں تھی مادری
یہ خلف مثلِ پدر ہیں خلق میں انصاف میں — اور لیاقت میں فصاحت میں زباں دانی میں بھی
اُن کی تصنیفات جس جس فن میں تھیں اِن کی بھی ہیں — آپ نے کس بات میں چھوڑی ہی اُن کی پیروی
اِن کی تصنیفات کی تعریف ادا کیا ہو سکے — ہی فصاحت اور بلاغت اِن کی گھٹّی میں پڑی
حال میں لکھے ہیں عادل شاہیوں کے واقعات — جن کے قبضے میں تھی بیجاپور کی شاہنشہی

اس کے لکھنے میں اُٹھائی ہی وہ محنت آپ نے — دن تو دن تھا پر گزر جاتی تھی اکثر رات بھی
سب پراگندہ تھا دفتر اور پریشاں تھے ورق — منضبط با قاعدہ تاریخ واں کی کچھ نہ تھی
جب ورق اُلٹیں ہزاروں بات ملتی ایک ہی — اِس لئے تاریخ کا لکھنا نہ تھا آساں کبھی
جتنے ناسفتہ در مضموں تھے وہ سفتہ ہوے — جتنے تھے بکھرے ہوے موتی بنادی اک لڑی
ہاں سنبھالو اب سنبھالو پھر نہیں بکھریں گے یہ — جتنی زلفیں تھیں پریشاں اُن کی چوٹی گندھ گئی
جب سخن گفتن مساوی بکر جاں سفتن کے ہی — حیف ہی پھر بھی اگر پبلک نے قدر اُس کی نہ کی
ہی زبان و خامہ قاصر مدح میں ممدوح کے — جتنی ہو تعریف اُس سے بھی ہی اُن کو برتری
اُن کے اوصاف حمیدہ کا بیاں کیا مجھ سے ہو — چاہئے اِس کو لیاقت اور مشق شاعری
کیا ثنا خوانی۔ ادا میں نے کیا ہی اپنا فرض — مدح اک تاریخ لکھ کر ختم کی ممدوح کی
یوں بھی لکھنی ہی مجھے تاریخ اس تاریخ کی — ہاں مگر ہو سیدھی سادی اپنی وضع و طرز کی
کی زبر اور بیّنہ کے قاعدے سے فکر جب — ہاتف غیبی نے راہ غیب سے آواز دی
سر اُٹھا کر زانوے فکرت سے کہہ دو اے ندیم — طبع کا سن "یہ چھپی تاریخ بیجاپور کی"

۷ — ۱۹۲۲ — ۱۹۱۵ء

وَلَہٗ

ای آں کہ ترا بشیر خوانند — ظالم ہمہ ات نذیر خوانند
گویند ترا بشیر احمد — یعنی ابن نذیر احمد
کلک تو در پی عدو راند — چون تیغ بخاک خوں بفشاند
ہمت بعدو ستم نیرزد — غیرت زمحب کرم نیرزد
داری تو چناں نظام اوقات — نوبت ناید ببدل مافات
پابندی او چنانست مشہور — یلغار بیاید ارلبود دور
شاہاں کہ زنند ضرب برزر — او سکّہ زدہ بقلب ہر ہر
شاہاں کہ کنند ملک گیری — او ہست بفکر دست گیری
دل جوئی چناں کسے نکرد است — دارد دلِ خلق در کفِ دست

او خود بیدار و فتنہ در خواب　　خلق اندر خواب و خوف نایاب
دل ریش ستمگران خوں خوار　　مرھم بر زخم ہر دل افگار
آں کو کہ از و عناں بتابد　　بر فرق وی سناں بتابد
ھم جملہ کہ از زباں براند　　صد معنی ہا از ان بخیزد
گیرد چو قلم کلام حاضر　　مضموں گوید غلام حاضر
خط تو مثال خط محبوب　　ہر نقطۂ تو چو خال مطلوب
مشغول بکار صبح تا شام　　نی دست و قلم نہ او در آرام
بے شبہ چنانست دور اندیش　　حیران ست خرد بہ نکتہ سنجیش
در مثل ضخیم چوں بتابد　　ق　　در لحظہ ازاں عبور سازد
فی الفور نکات ازاں بیابد　　ہر نقص کہ باشد آں نماند
القصہ لیاقتش چہ گویم　　مثلش کو در جہاں کہ جویم
کردست کنوں کتاب تصنیف　　در سلسلہ اش جدید تالیف
گفتہ حال زمان عادل　　یعنی شیر[1] شہان عادل
شاہاں کہ بدست بود دوآب[2]　　ق　　با چنگ و رباب و بادۂ ناب
صد حیف کہ چوں سراب رفتند　　افسوس کہ مثل آب رفتند
آں شوکت اکبری کجا ماند　　آں فر سکندری کجا ماند
بُد مملکتِ دوآب در دست　　ماندست نہ جُز حباب در دست
نی افسری و نہ شان و شوکت　　نی بادشہی و نی حکومت
دنیا کہ گزشتنی ست آخر　　ق　　ایں دشت نوردنی ست آخر
مغروراں را غرور تا کی　　مظلوماں صبور تا کی
ایں ماند و ماند آں نہ باقی　　ہم گشتہ و گشتنی ست فانی

---

[1] مراد ہے بادشاہان خاندان عادل شاہی بیجاپور سے ۱۲

[2] یعنی ملک دوآبہ مابین دریائے کرشنا و تنگ بھدرا۔ ۱۲

یہ کردگیاں سزا جزا ہست ہیچ ست ہرانچہ ماورا ہست
آناں کہ سلیم عقل دارند درعقل کمال وخل دارند
خود را بہ جہاں نہ بر سپارند دل بستگی با فرو گزارند
من قصہ چہ گویم و چہ گفتم دُر بود چہ سفتنی چہ سُفتم
احوالِ ریاست بجاپوُر بود از چشم زمانہ مستور
او کرد رقم زمہر بانی شرطست ولیک قدر دانی
کم گفت کسے چنیں کتابے شاہد بروے ہمیں کتابے
شاہی کہ بُدے شدست کافور شد خالی سینۂ[1] بجاپور
دہ شہ کہ براں بُدند مامور کم شد یک عشر[2] از بجاپور
اکنوں کہ کدام شہ نہ ماندہ گویا شہرست سر بریدہ[3]
سالش جُستم چوزیں رعایت از غیب ندیم شد ہدایت
گردید سن کتاب مسطور حالاتِ ریاستِ بجاپور
۱۳۲۵ - ۲ = ۱۳۲۳ ف

قطعہ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی محمد عبدالحکیم صاحب سررشتہ دار محکمۂ عالیۂ صوبہ داری گلبرگہ

مورخ بشیر الدین احمد مکرّم بعلم و ہنر ہا زاکثر معظم
چہ عالم چہ فاضل چہ منشی کامل بہر فن یکتاست ایں فرد کامل
بہ تالیف و تصنیف ہر چند جستم مگر در زمانہ بہ مثلش ندیدم
نظام عادلی و بریدی و بہمن رقم کردہ احوال ایں جملہ یک تن
سوانح بجاپوریاں چوں نوشتہ زارباب تاریخ سبقت ربودہ

[1] صحیح نام بیجاپور ہے جس کا "سینہ" (ی) ہے۔ وہ خالی ہوگیا یعنی حرف یا ساقط ہوگیا تو بجاپور رہ گیا۔
[2] بیجاپور کی جگہ بجاپور بہ حذف (ی) باندھنے کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ "ی" کے عدد (۱۰) اور سلطنت بیجاپور میں اورنگ زیب ملاکر دس ہی بادشاہ ہوے جب وہ سب گزر چکے تو اُن کی مناسبت سے (۱۰) اعداد کا مساوی حرف (ی) خارج کر دیا گیا۔ ۱۲
[3] کوئی بادشاہ اسلام نہ ہونے سے شہر بیجاپور کی رونق جاتی رہی اور وہ بے سر ہوگیا اور بیجاپور کا سر "ب" ہے جس کے دو عدد کا تخرجہ ہے۔ ۱۲

مکمل چو تاریخ شد بیجاپوری — بشد سال تاریخ برما ضروری
دریں فکر و حیرت چو در خواب رفتم — صدائے خوش الحان رسیده بگوشم
بہ خوابم ندا شد ز اسرار غیبی — بگو سال تاریخ فصلی و ہجری
بتاریخ "حسن گیر" تاریخ فصلی — بتاریخ "عمده" ببیں سال ہجری

سنہ ۱۳۲۳ فصلی — سنہ ۱۳۳۲ ھ

وَلَہٗ

ملا از پیشگہ جناب بشیر — حکم تاریخ جب کہ احقر کو
کہا دل نے کہ نذر دے ھدیہ — ہسٹری بیجاپور رہبر کو

سنہ ۱۳۳۲ھ

وَلَہٗ

جب چھپ چکی یہ کتاب تاریخ — از دست و قلم جناب تاریخ
ایسی ہی یہ لاجواب تاریخ — لکھ دے تو کوئی جواب تاریخ
جب پوچھا گیا حساب تاریخ — تب میں نے کہی شتاب تاریخ
"کم یاب و لاجواب تاریخ" — نایاب و لاجواب تاریخ

سنہ ۱۳۳۳ھ — سنہ ۱۳۲۴ فصلی

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی سید فضل ستار صاحب امروہوی المتخلص بہ لاابالی

التزام تاریخ بیجاپور — سنہ ۱۹۱۴ء
تاریخ سلاطین عادل شاہیہ مبسوط — سنہ ۱۹۱۴ء
بہین تذکرۂ ملوک عادل شاہیہ — سنہ ۱۹۱۴ء

بشیر الدین احمد چوں بنشستہ حال شاہاں را — پی تاریخ بیجاپور سال عیسوی جستم
برآمد لاابالی یک ہزار و نہ صد و دہ چار — چو "ذکر از دو شاہان عادل شاہیہ" گفتم

سنہ ۱۹۱۴ء — سنہ ۱۹۱۴ء
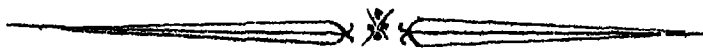
غلط نامہ حصۂ سوم واقعات مملکت بیجاپور

التماس ہی کہ براہ کرم پڑھنے سے پہلے ہر صاحب مندرجۂ ذیل غلطیوں کو درست کرلین خاص کر سنہ کی غلطی جس سے واقعۂ تاریخی پر اثر پڑتا ہی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱	۳	عَاقِبَۃٌ	عاقبۃٌ	۴۶	۲۱	سنہ ۱۰۹۲ء	سنہ ۱۰۹۲ھ
۲	۷	یلند	بلند	۵۳	۱	مکھار	کمھار
۳	۴	مجھے	تجھے	″	۱۹	راجگان	راجگان
۹	۸	لڑکے	لڑکے کو	۵۷	۳	رسلتش	رحلتش
″	″	رشتہ	رشد	۵۸	۵	الشجع	اشجع
۱۰	۹	نے	سے	۵۹	۱۵	اینکٹ	ائیکٹ
۱۲	۲۱	الحبَلۃ	الجنّۃَ	۶۲	۱۰	سنہ ۱۶۶۵ھ	سنہ ۱۶۶۵ء
۱۳	۱۶	کُمُ	کُمْ	۶۶	۱۵	عجیب	عجب
۱۵	۴	وَجہِکَ	وَجُھَکَ	۶۷	۱۲	کنٹجنٹ	کنٹنجنٹ
۱۸	۷	سرِ	سر	۷۰	۶	کے	کا
۲۰	۱۷	سنہ ۱۰۸۰ھ	سنہ ۱۰۷۷ھ	۷۱	۹	۰	۵
۲۳	۴	سندہ	سند	۷۳	۱۸	بڑھی	ٹری
۲۴	۷	چوبارے	چوبارے سے	۷۴	۵	پھلسینا	پھلستا
″	″	چوبار	چوبارے	″	۱۳	بڑھی	بڑھی
″	۲۱	عاشورخانہ	عاشورخانہ	″	۱۷	ہوئی	ہوتی
۳۲	۲	نوبت	توپ	۷۷	۹	میں	×
۳۴	۱۸	چشم	حشم	۸۰	۳	زبان	زمان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۸۳	۱۳	سنہ ۱۵۰۵ھ	سنہ ۱۰۴۸ھ	۱۱۲	آخر	بہتان	بہتان
۸۴	۹	گو	کو	۱۱۳	۱	اِلٰہ	اِلٰہَ
۸۵	۱۰	قوت	فوت	〃	۲	اَلحَمدُ	اَلحَمدُ
〃	〃	سنہ ۱۰۳۲ھ	سنہ ۱۰۳۴ھ	۱۱۴	۲۰	کھیتر	کھیتّر
۸۶	۱۴	جوس پیٹ	ہوس پیٹ	۱۱۵	۱۰	اسٹور	اشٹور
۸۷	۱	ملیتّا	ملیپنّا	۱۱۶	۷	سنہ ۹۹۲ھ	سنہ ۹۹۰ھ
〃	۲۱	ملول	ملوں	۱۱۷	۱۶	قرح	فرح
۸۸	۱۲	سلامات	علامات	۱۲۲	۴	کردے	کس کر
〃	〃	ہر	ہو	۱۲۴	آخر	بِسُلطَانٍ	لِسُلطَانٍ
۸۹	۲۱	جو	×	۱۲۷	۳	ہمالوں	ہمایوں
۹۰	۲۰	کی ہوگی	کیا ہوگا	۱۳۰	۱۱	مباو	مباد
۹۴	۱۵	ملتی ہی	×	۱۴۴	۳	بارہ	باہر
〃	۲۱	ٹھان	چٹھان	۱۵۶	۱۳	سرلکاپٹن	سرنگاپٹن
۹۵	۱۲	وہ	اور	۱۵۹	۱۸	کٹر	کٹے
〃	۲۰	پاؤں	پاؤں	۱۶۳	۱۴	آئے	آئے ہیں
۹۶	۴	پک	پگ	۱۶۴	آخر	بیج	بیج ہی
〃	آخر	ہن	پن	۱۶۷	۱۰	قطرہ	قطرہ بھی
۱۰۵	۱۷	تھا	ہی	〃	〃	بھی	×
۱۰۷	۱۳	بتّم	بتّم	۱۶۸	آخر	دارد	دارو
۱۱۰	۲۱	ہیں	بیں	۱۶۹	۹	Bnchv	Bnchvsaa
۱۱۱	۲۲	مل	ٹل	۱۷۱	۲	جن	جبس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۷۱	۱۲	مسکین	مکیں	۲۰۳	۱۲	نو	نا
۱۷۲	۹	میں	×	۲۰۸	۱۷	بجنت	بجنب
۱۷۷	۲۲	تلوگ	تکلوک	۲۱۱	۵	تمام	تمام ملک
"	"	بامی	نامی	"	۶	ور	در
۱۷۹	۶	کھینچی	کھنچی	۲۱۵	۱۲	وار	دار
"	۱۸	سہت	بہت	"	۲۰	بریاں	برہاں
۱۸۱	۳	اراضی	ارضی	۲۱۶	۹	خلد آبادی	خلد آباد
"	۹	ا جو	جو	۲۱۷	۳	در	ور
"	۳	سنہ ۱۰۰۱ھ	سنہ ۱۰۸۱ھ	۲۲۶	۱۵	تھا	تھا سب نے
۱۸۳	۱۶	لداؤ	لداوی	۲۲۷	۸	ہے اُس	ہیں اُن
۱۸۶	۶	جیسے	(جیسے	۲۳۶	۳	اور	نور
۱۸۷	۱۲	دریاں	دربان	۲۳۸	۶	گے	×
۱۹۶	۹	سنہ ۷۶۰ھ	سنہ ۷۶۲ھ	۲۴۰	۷	راوز	روز
۱۹۹	آخر	×	عزیز اللہ قتال کا مزار دولت آباد میں ہے لیکن دولت آبادی ان کو حضرت راجو قتال حسینی پدر بزرگوار حضرت سید محمد بندہ نواز کے بھائی بتلاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔	"	آخر	ایسے	ایسے
				۲۴۱	۱۶	مزین	حزین
				۲۴۲	۱۵	کمان	کمان پر
				"	۲۱	دولب آباد	دولت آباد
				۲۴۴	آخر	سادہی	سادی
				۲۴۸	۲۰	یرپا	برپا
				۲۵۳	۳	اگر	×
				۶۵۹	۱	گنبد کی	گنبد کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۶۰	آخر	صاحب	صاحب کے	۳۰۷	۳	چٹلا	پٹولا
۲۶۵	۱۴	ٹیونز	نیونز	؍؍	۱۴	؍؍	؍؍
۲۷۰	۳	اور	×	؍؍	۲۲	تورنگ	نورنگ
۲۷۱	۱۰	بھتیجا	بھتیجے	۳۱۰	۱۲	قدیم	قدیم سے
۲۸۰	۱۸	ہمأ	ہما	؍؍	۱۴	سیاٹ	سپاٹ
؍؍	؍؍	حسناً	حَسَنْ	۳۱۱	۱۱	سی	سعی
۲۸۲	۲۰	اور	×	؍؍	۲۰	یار	یاب
؍؍	؍؍	سیٹرم	سیرم	؍؍	۲۱	؍؍	؍؍
۲۸۳	۲	چیتاپور	چیتالور	۳۱۷	۷	انمام	اتمام
؍؍	۷	/	×	۳۱۹	۱۰	۔ وآں	سرواں
؍؍	۱۷	واڑھی	واڑھی	۳۲۳	۱	عنبر	عنبرو
۲۸۹	۴	فتح القریب	فتح قریب	۳۲۶	۲	المرءِ	اَلمَرْءُ
۲۹۲	۱	عودت	جودت	۳۲۸	۱	پر	ہر
؍؍	۱۷	ذریعہ	ذریعۂ	؍؍	۲	کہ	شخص
۲۹۵	۵	ہاریٹ	ہاربٹ	۳۳۲	۱۷	دروازے	دروازے کی
۲۹۷	۵	کوٹرویلی	کوڑویلی	۳۳۴	آخر	۳۰	۳۰۰
۲۹۹	۹	سیپرد	سپیرو	۳۳۸	۱۵	سہ	سہ
۳۰۱	۱۳	سنہ ۱۹۱۶ء	سنہ ۹۱۶ھ	۳۴۴	۴	ٹیل	ٹیبل
۳۰۴	۴	ڈراتا	ڈرانا	۳۴۵	۱۱	جن	جو
۳۰۵	۱۰	سپیر	سپیرد	۳۴۶	۱۳	رانی	رالی
؍؍	۲۰	موصوف	موصوف نے	۳۵۱	۱	سنہ ۱۸۹۲ھ	سنہ ۸۹۲ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۳۵۵	۹	نتھاً	فتحاً	۳۹۴	۲۰	سرپہ	سربہ
۳۵۶	۱۰	سندھور	سندھنور	۳۹۶	۷	مداکری	بیداکری
۵۵۷	۶	ہوا	ہوے	۳۹۹	۶	ندوز	اندوز
۳۵۹	۱	ونکٹیا	ونکمپٹا	〃	آخر	مافت	یافت
۳۶۷	۱۰	قصدِ	قصد	۴۰۳	۷	مہیط	مہبط
۳۷۱	۸	الجرید	الہجریہ	۴۰۴	۳	ہیونڈونہ	بیونڈونہ
۳۷۹	۱۸	حہ	چہ	〃	۱۱	شاہ	×
۳۸۰	۱۹	ممتاز	مختار	۴۰۵	۳	نادرعلی	نادعلی
۳۸۲	۲	اِس کے بعد	قبل ازین	〃	۱۲	کلیات	کلیاب
۳۸۳	۸	سنہ ۱۲۲۶ھ	سنہ ۱۲۱۶ھ	۴۱۲	۱۳	یرڑھ	چڑھ
〃	۱۶	یدرگہ	بدرگہ	۴۱۳	۱۴	اس	اُس
۳۸۵	۱۷	دیون	دیوبون	۴۱۴	۱۰	بیدراور	پیداوار
〃	۲۱	چاپے	جاپے	۴۱۶	۱۲	قندہاری	قندہارہی
〃	آخر	پنج	پنچ	〃	۲۲	بھیک	بھیگ
۳۸۶	۷	باپ	پاپ	۴۲۲	۲	(ہمپی)	(ہمپی
〃	۲۲	برمحیشور	برمھیشور	〃	۳	ویجانگر	ویجانگرہی)
۳۹۱	۱۲	ایک	یک	۴۲۳	۶	اور	اُس نے
۳۹۳	۲	گدطو	گدڑو	〃	۲۰	لیار	طیار
〃	۳	آبادی	آبائی	۴۲۴	۲	تالاب	اورتالاب
〃	۱۳	مرِحمت	مرحمت	〃	۱۲	کے	کا
〃	۱۴	تودہ	دس	〃	آخر	سنہ ۱۱۵۱ھ	سنہ ۱۰۵۱ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۴۲۶	۷	کی	کے	۴۵۴	۱۲	برآں	برآں یہ
۴۲۷	۳	کنکپا	کنکیّا	۴۵۸	۱۶	لکا	بکّا
"	۱۹	ویسی	ویسے	۴۶۸	۳	بغر	بغیر
۴۲۹	۵	گھر	گھیر	۴۶۹	۱۹	یہ	بہ
"	۷	اکھٹے	اکھٹّے	"	۲۱	جانے	جانین
۴۳۰	۱	ماپنیّا	مانپیّا	۴۷۰	۱۲	سہرنگ	رنگ
"	۲۰	گدڑو	گدڑد	۴۷۳	۶	اقلم	اقلیم
۴۳۶	"	ترجمہ	اورترجمہ	۴۷۷	۱۵	جوکہ	چون کہ
۴۳۷	۲۲	معہ	×	"	آخر	پونچنے	پونہچنے
"	"	(قولی)	(قول)	۴۷۹	۱۹	اور	×
۴۳۹	۹	رسید	رسیدہ	"	۲۰	احمدخاں کے	احمدخاں
"	آخر	بیان	بیان سے	۴۸۱	۱۳	نے	×
۴۴۲	۹	اورنگ	اوررنگ	۴۸۲	"	پائے	پائۂ
۴۴۵	۲	گیوّر	گبوّر	"	"	لئے	نے
"	۱۳	فوق العادت	فوق العادت تصرف	۴۸۳	۱۶	قریب	فریب
"	۲۰	سے	کو	۴۸۴	۸	پلیشہ	شہ
"	"	اوراُس	×	۴۸۷	۱۱	کاوان	گاوان
۴۴۶	۱۶	"بھاردواح"	"بھاردواج"	۴۸۸	"	کی	کیا
۴۴۹	۶	پلی	پٹی	۴۸۹	۴	یہیں	بہیں
۴۵۰	۳	ہمین	ہمان	۵۰۰	آخر	افلاع	اقلاع
"	۱۱	گل	کلّو	۵۰۱	۱	بدِ	بذِ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۵۰۶	۱۳	مسجد کے	مسجد	۵۴۹	۱۶	رشد	سن رشد
۵۰۷	۱۶	کی	کی وضع کے	۵۵۰	۱۴	پیمائے	پیما
۵۰۸	آخر	بناہ	بنائے	۵۵۱	۵	آنہاے	انہاے
۵۱۶	۵	شاہیہ	شاہیہ کو	〃	۸	عفوفت	عطوفت
۵۲۳	۴	میں	×	۵۵۴	۵	صَلٰوۃ	صَلٰوا
۵۲۵	۵	بھیجے جارہے تھے	بھیجی جارہی تھی	۵۵۷	۱۱	یُبدِلُوھُم	یُبدِلُوبَنہٗ
〃	۱۷	سنہ ۲۰۷ھ	سنہ ۲۰۷ھ کو	۵۶۲	۱۱	اس کے	اس
۵۲۶	۱۱	دیا	دی	۵۶۴	۱۰	گولکنڈہ کی	گولکنڈہ کے
۵۳۱	۱۰	نہیں	یہیں	۵۶۸	۱۷	قیدم	فیدم
۵۳۴	۱۲	کی ہی	کے ہیں	۵۷۰	۱۲	ڈاکہ	ڈھاکہ
〃	آخر	چاندی	چاندی	۵۷۲	۴	ہین	ہی
〃	〃	وبہ	×	〃	آخر	پٹ	پیٹ
۵۴۲	۱۹	نلکنڈہ	نلگنڈہ	۵۷۶	۱۲	ہی ہی	ہی کی ہی
۵۴۳	۱	سریہ	سریر	۵۷۷	۷	ینوایا	بنوایا
〃	۲۰	ترمیک	تربیک	۵۸۰	۴	سند	سنہ
۵۴۴	۹	تخت	تحت	۵۸۷	آخر	بارود کوٹھ	باروت کوٹھا
۵۴۶	آخر	پتھر پر	پتھر پر صاف وصریح	۵۸۹	۱۹	سٹیمری	سیمٹری
•	•	•	کندہ ہی تو وہی معتبر	۵۹۲	آخر	جلد جا بجا	جابجا
•	•	•	ہی۔ ۱۲۔	۵۹۳	آخر	شہر کے	×
۵۴۸	۱۰	ہیں	ہیں	۵۹۴	۳	ہی	ہی کہ
۵۴۹	۹	شریفین	شریفش	〃	۴	ہیں	ہین جن سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۵۹۷	۱	کے	کی طرح	۶۱۴	آخر	خاص	خاصی
؍؍	۱۲	لے	نے	۶۱۵	۲۲	بروہاں	پردھان
۵۹۹	۷	یا	×	۶۱۷	۱۱	گوشوں	گوشوں کو
۶۰	۱	بیجانگر	بیجانگر کا تسلط	؍؍	۱۵	خیر	خیر
؍؍	۵	یگوڑا	پگوڑا	۶۲۰	۸	مقدمات	مقامات
۶۰۴	۱۴	ٹبوزنگ	بوزنگ	۶۲۱	۳	کا	کار
۶۰۶	۶	الغائب	الغالب	۶۲۳	۶	ڈگلس	ڈگلس ہز
؍؍	۱۰	نجموں	خیموں	۶۲۶	۱۸	متآثر	متاثر
۶۰۷	۸	مارچ	مئی	۶۳۰	۸	نے	×
؍؍	۱۰	؍؍	؍؍	؍؍	۱۲	نتّر بتّر	تتّر بتّر
؍؍	۱۶	سیبیج	سیبج	۶۳۱	۳	کے بیٹے	×
۶۰۹	آخر	منہ	×	۶۵۱	۱۰	بنوسے	بنوسے
۶۱۰	۱۹	وَدَبہا	وَدَہا	۶۵۷	آخر	درینوالا	درینولا
؍؍	۲۰	الوُّومِ	الرُّومِ	؍؍	؍؍	دو تنخواہی	دو تنخواہی
۶۱۱	۱۴	۵۱۲۱	٥۱۲۱	۶۵۸	۴	اعلیٰ افضل	اعلیٰ فضل
۶۱۲	۱۳	تتَّبِعَ	تَتَّبِعُ	۶۶۰	۴	؍؍	؍؍
؍؍	؍؍	؍؍	؍؍	۶۶۱	۷	الثال	الامثال
؍؍	۱۶	حرّقوا انہ	حرّقوا اللّٰہ	۶۶۲	۵	دشہاے	دستہاے
؍؍	۱۷	ارسلو	اَرسِلُوا	؍؍	۱۹	پنجمی	پنچمی
۶۱۳	۲	دریاے	دریا	۶۶۴	۵	چڑھتی	بڑھتی
؍؍	۴۷	ونگنلٹن	ولنگٹن	؍؍	۷	کدمیا	کدمبا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۶۶۸	۶	دیوتم	دیونم	۶۹۷	۱۴	رَحِمَهٗ	رَحِمَهٗ
۶۷۰	۴	تے	نے	〃	۱۷	بَیَتَوارَثُ	یَتَوارَثُ
۶۷۲	۱۷	ث	×	〃	۱۸	وَوَ	وَ
۶۸۶	۷	رائچور	گلبرگہ	۶۹۸	۹	لِعُلُ	لَعَلُّ
۶۸۷	۶	پرگیڈ	برگیڈ	〃	۱۶	اَحَلُّ ا	اَحَلُّ
〃	۱۲	پھیلانے	پھیلائے	〃	۱۷	لَشَیْءٌ	لَشَیْءٌ
〃	〃	بعد	بعض	〃	〃	عَجَابٌ	عُجَابٌ
۶۸۹	۴	یعنی	یعنی اللہ	۶۹۹	۴	اِتَّقُوْا	اِتَّقُوْا
۶۹۰	۱۵	بمبئی کا	بمبئی کے	〃	۱۰	لِلَّذِیْ	لِلَّذِیْ
〃	۱۸	نُزّل	نُزِّلُ	۷۰۰	۵	پرواز	پرداز
۶۹۲	۱۴	بکشایند	بکشائید	۷۰۱	۳	آہنگ	اہنگ
〃	۱۸	نجاہ	پنجاہ	۷۰۴	۳	پوچھئے	پوچھے
۶۹۳	آخر	الکائین	الکاتبین	۷۰۵	۲۲	سور	سُور
۶۹۷	۳	حسین	حسن	۷۰۶	۶	ہر	بہر
〃	〃	القَدِیمَةِ	اَلْقَدِیمَةِ	۷۰۷	۱۳	سوی	عیسوی
〃	〃	مُبَیَّنَةٌ	مُبَیِّنَةٌ	۷۱۲	۲	الجان	الحان

اعلان

یہ کتاب حسب نشائے ایکٹ (۲۵) ۱۲۶۸ء برٹش گورنمنٹ اور نیز ممالک محروسہ سرکار عالی میں دونوں جگہ رجسٹری ہو چکی ہے بلا اجازت مصنف اس کا چھاپنا یا چھپوانا ممنوع ہے۔

وله

حرزِ طفلاں۔ ۱ نشاطِ عمر ۲ عہ۔ عصائے پیری ۳ عہ۔ یہ تینوں کتابیں لڑکوں جوانوں معمر لوگوں کے لئے تلقین معاشرت و تعلیم نیک کرداری و اخلاق کی بہترین رہنما ہیں جو ڈاکٹر سٹال کی کتب انگریزی سے ماخوذ ہیں۔

حیاتِ قیصرہ۔ ۴ ملکہ وکٹوریا آں جہانی کی مختصر سوانح عمری۔

تاریخ بیجانگر ۵ جس میں راجگان بیجانگر و ہم عصر سلاطین بہمنیہ۔ بریدیہ۔ عادل شاہیہ قطب شاہیہ۔ نظام شاہیہ و گورنران پرتگال کے حیرت خیز کارنامے درج ہیں (بالتصویر)

خالق باری انگریزی اُردو منظوم ۶ جس میں بچوں کے لئے روزمرہ کے ۱۳۳۹ انگریزی الفاظ درج ہیں

اقبال دولہن ۷ جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم۔ شادی بیاہ وغیرہ کی رسوم زن و شو کے تعلقات تعدد ازدواج کی خرابیاں۔ سوکنوں کا برتاؤ ایک نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں ۲ عہ

حسنِ معاشرت ۸ جس میں پھوہڑ اور سلیقہ مند بیویوں کے حالات بالمقابل ایک نہایت دلچسپ نتیجہ خیز اور نصیحت آمیز پیرایہ میں دردانگیز طریقہ پر لکھے گئے ہیں۔ ۔ ۔ ۲ عہ

واقعات مملکت بیجاپور ۹ ۔ ۔ ۔ ۔ کلدار سکہ عثمانیہ

قیمت ہر سہ حصص مکمل غیر مجلد ۔ ۔

" " " مجلد طلائی ۔ ۔

محصول ڈاک مع خرچہ وی پی دونوں صورتوں میں۔ ۔

نمبر ۱۔ ۴ ۔ ۵ ۔ ۶ کی کتابیں اب سٹاک میں نہیں رہیں ان کے لئے طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا باقی کتابیں ذیل کے پتہ پر مل سکتی ہیں :-

بشیر الدین احمد اوّل تعلقہ دار (ریاست حیدرآباد دکن)